محاسبۂ قادیانیت

حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ

جلد ۹

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب : محاسبہ قادیانیت جلد نہم (۹)

مصنف : حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات : ۶۰۸

قیمت : ۳۵۰ روپے

مطبع : طیب شمشاد پرنٹنگ پریس لاہور

طبع اوّل : ستمبر ۲۰۲۰ء

ناشر : عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان

Ph: 061-4783486

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

عنوان	صفحہ نمبر
دیباچہ ...... حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی اور تردید فتنہ قادیانیت	۹
خیالی مسیح (مرزا کادیانی) اور اس کے فرضی حواری سے گفتگو	۳۱
مرزا کادیانی کی طرف سے اس کا جواب نمبر۱:	۳۳
مولانا بٹالوی صاحب کی طرف سے اس کا جواب:	۳۳
مرزا کادیانی کی طرف سے اس کا جواب نمبر۲:	۳۴
مولانا بٹالوی کی طرف سے اس کا جواب:	۳۵
مرزا کادیانی کی طرف سے اس کا جواب نمبر۳:	۳۶
مولانا بٹالوی کی طرف سے اس کا جواب:	۳۷
مرزا کادیانی کی طرف سے اس کا جواب نمبر۴:	۳۸
مولانا بٹالوی کی طرف سے اس کا جواب:	۴۰
اس خط کی تائید میں ایک اور مولانا بٹالوی کا خط:	۴۲
مرزا کادیانی کی طرف سے اس کا جواب نمبر۵:	۴۲
مولانا بٹالوی کی طرف سے اس کا جواب:	۴۴
مرزا کادیانی کی طرف سے اس کا جواب نمبر۶:	۴۵
مولانا بٹالوی کی طرف سے اس کا جواب:	۴۷
مرزا کادیانی کی طرف سے اس کا جواب نمبر۷:	۴۷
مولانا بٹالوی کی طرف سے اس کا جواب:	۵۰
تتمہ جواب اشتہار ۲۶؍مارچ ۱۸۹۱ء	۵۵
فرضی حواری سے گفتگو	۶۰

شہادت اعیان ارکان مجلس	۷۰
جناب مولوی محمد عبداللہ صاحب پروفیسر عربی کالج لاہور کی شہادت	۷۰
خان بہادر فقیر سید جمال الدین رئیس و آنریری اسسٹنٹ کمشنر لاہور کی شہادت	۷۱
جناب اخی مکرمی شیخ خدابخش صاحب جج عدالت خفیفہ لاہور کی شہادت	۷۱
مولوی عبدالعزیز ملازم سررشتہ تعلیم و رکن انجمن حمایت اسلام کی شہادت	۷۲
تتمہ جواب نمبری ۲۴	۷۳
لطیفہ اعتراضیہ	۷۴
مباحثہ سے پچھلی کارروائی	۷۷
خط مرزا کادیانی	۷۸
مولانا بٹالوی کی طرف سے اس کا جواب:	۸۱
ضمیمہ خط نمبری ۲۰۰	۸۳
مرزا کی ان خطوں کا جواب نمبر ۹:	۸۴
لطیفہ اعتراضیہ متضمن اظہار خیانت مرزا و گروہ مرزائیہ مسیحائیہ	۸۷
مولانا بٹالوی کا مرزا کے اس خط کا جواب:	۸۷
مرزا غلام احمد کا خط نمبر ۱۰ بنام مولانا بٹالوی:	۹۳
اس کا جواب نمبر ۱۱، از جانب مرزا صاحب:	۹۶
مرزا کے اس کا جواب مولانا بٹالوی کی طرف سے:	۹۶
از جانب مرزا صاحب اس کا جواب نمبر ۱۲:	۹۷
مرزا کے خط کا مولانا بٹالوی کی طرف سے جواب:	۹۸
مکتوب مرزا کادیانی نمبر ۱۳:	۹۹
اس کا جواب جو مولانا بٹالوی نے محبی مولوی محمد حسن سے لکھوایا:	۱۰۰
خط مرزا کادیانی نمبر ۱۴:	۱۰۱
اس کا جواب جو مولانا بٹالوی نے مولوی محمد حسن صاحب سے لکھوایا:	۱۰۳
حاشیہ جات	۱۰۶

مباحثہ لدھیانہ مابین مولانا محمد حسین بٹالوی و مرزا کادیانی	۱۳۷
تحریر نمبر اوّل از جانب خاکسار:	۱۳۸
تحریر نمبر اوّل از جانب کادیانی:	۱۳۸
تحریر دوم از جانب خاکسار:	۱۳۸
تحریر دوم از جانب کادیانی:	۱۳۸
تحریر نمبر سوم از جانب خاکسار:	۱۳۸
تحریر نمبر سوم از جانب کادیانی:	۱۳۸
تحریر نمبر چہارم از جانب خاکسار:	۱۴۰
تحریر نمبر چہارم از جانب کادیانی:	۱۴۰
تحریر نمبر ۵ از جانب خاکسار:	۱۴۴
تحریر نمبر ۵ از جانب کادیانی:	۱۴۵
تحریر نمبر ششم از جانب خاکسار:	۱۵۱
تحریر نمبر ششم از جانب کادیانی:	۱۵۲
تحریر نمبر ہفتم از جانب خاکسار:	۱۵۸
تحریر نمبر ہفتم از جانب کادیانی:	۱۶۲
تحریر نمبر ہشتم از جانب خاکسار:	۱۷۴
تحریر نمبر ہشتم از جانب کادیانی اور اس پر ہماری طرف سے چند نوٹ:	۲۲۰
اس تمہید پر اجمالی نوٹ	۲۲۶
ہماری اس تجویز کے پہلے شق کا ثبوت	۲۲۶
نقل تحریر چہارم کادیانی واثبات مخالف مضمون آں بمضمون تمہید آں بہتانی	۲۲۸
نقل عبارت تحریر نمبر پنجم کادیانی واثبات مخالفت مضمون آن بمضمون تمہید آں کذاب لاثانی	۲۲۹
عقل سلیم سے اس جواب کا مخالف ہونا	۲۴۲
اپنے آپ سے اس جواب کا مخالف ہونا یعنی اس کے آخر کا اوّل سے مخالف ہونا	۲۴۲

اس اضطراب واختلاف ورزی کا سبب ومنشاء	۲۴۳
فقرات والفاظ زیر نشان نمبر ہا پر تفصیل نوٹ	۲۴۵
حدیث معراج میں پہلی وجہ اختلاف کا جواب	۲۵۹
حدیث معراج میں دوسری وجہ اختلاف کا جواب	۲۶۶
حدیث معراج میں تیسری وجہ اختلاف کا جواب	۲۶۸
حدیث معراج میں چوتھی وجہ اختلاف کا جواب	۲۶۹
عام شہادت	۲۹۳
خاص شہادت	۲۹۳
ضمیمہ متضمن مسائل مذہب محدثین اہل سنت	۲۹۸
حاشیہ جات	۳۰۳
قادیانی کے فیصلہ آسمانی کا جواب	۳۹۱
تمہید	۳۹۳
کادیانی کے آسمانی فیصلہ کی ترامیم اوراس کی مسلمانی کے تصفیہ کے لئے آسان تجویز با تقویم	۴۰۶
مرزا کادیانی کو اعجاز نمائی کا چیلنج	۴۴۰
جواب ضمنی دعویٰ گریز از مباحثہ	۴۴۱
جواب دعویٰ وفات مسیح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام	۴۴۴
توفی کے معنی پر قادیانی استدلال کا جواب	۴۴۵
پہلے کذب ومغالطہ میں اس کے دعویٰ اور دلائل کا غیر ثابت وناتمام ہونا	۴۴۹
حدیث میں ۳۴۶ توفی کا معنی موت کا جواب	۴۵۹
اللہ فاعل توفی فعل کا جواب	۴۶۱
کادیانی کے دوسرے کذب اور مغالطہ سے اس کے دعویٰ کا ثابت نہ ہونا	۴۶۹
کادیانی کے تیسرے کذب مغالطہ سے اس کے دعویٰ کا ثابت نہ ہونا	۴۷۰
بل رفعہ اللہ کی بحث	۴۷۵
حاشیہ جات	۴۸۵

فتنۂ قادیانی ''ابھی فتنہ ہے کوئی دن میں قیامت ہوگا''	۴۹۱
فتنہ کادیانی نمبر۲	۴۹۶
ہمارے تلمیذ عزیز منشی فتح محمد جالندھری کی نظم	۴۹۹
اخوناو مولانا سعدی سلمہ کا قطعہ تاریخ طبع	۵۰۰
حاشیہ جات	۵۰۰
مباحثہ بٹالہ ''مابین مولانا محمد حسین بٹالوی ومحمد احسن امروہوی مرزائی''	۵۰۱
کادیانیوں کے نئے مباحثے اوران کی تازہ گریز	۵۰۲
رقعہ اوّل منجانب خاکسار:	۵۰۵
رقعہ دوم جواب منجانب منشی محمد احسن صاحب:	۵۰۶
رقعہ سوم جواب منجانب خاکسار:	۵۰۸
رقعہ چہارم جواب منجانب منشی صاحب:	۵۱۰
رقعہ پنجم سید ظہور الحسین بٹالہ:	۵۱۲
رقعہ ششم سید ظہور الحسین بٹالوی:	۵۱۳
رقعہ ہفتم از محمد حسن امروہی کادیانی:	۵۱۴
رقعہ ہشتم از سید ظہور الحسن بٹالہ:	۵۱۵
حاشیہ جات	۵۱۷
مباحثہ لاہور اور اس سے جملہ کادیانیوں کی گریز	۵۲۵
حافظ محمد یوسف ضلعہ دار کا خط مولانا بٹالوی کے نام:	۵۲۷
مولانا بٹالوی کا خط حافظ محمد یوسف کے نام:	۵۲۷
حافظ محمد یوسف کا خط نمبر۲ مولانا بٹالوی کے نام:	۵۲۹
حضرت بٹالوی کے خطوط:	۵۳۲
حافظ محمد یوسف کا خط نمبر۳ مولانا بٹالوی کے نام:	۵۳۲
حضرت بٹالوی صاحب کا جواب:	۵۳۲
حافظ محمد یوسف کا خط نمبر۴ مولانا بٹالوی کے نام:	۵۳۲

مولانا بٹالوی صاحب کا جواب:	۵۳۳
حافظ محمد یوسف کا خط نمبر۵ مولانا بٹالوی کے نام:	۵۳۳
مولانا بٹالوی صاحب کا جواب:	۵۳۳
حافظ محمد یوسف کا خط نمبر۶ مولانا بٹالوی کے نام:	۵۳۳
مولانا بٹالوی صاحب کا جواب:	۵۳۳
مولانا بٹالوی صاحب کا خط حافظ محمد یوسف کے نام:	۵۳۴
خط مولانا رحیم بخش بنام مولانا محمد حسین بٹالوی:	۵۳۷
مولانا محمد حسین بٹالوی کا جواب:	۵۳۸
مولانا رحیم بخش کا خط:	۵۳۹
حضرت بٹالوی کا خط مولانا محمد یوسف کے نام:	۵۳۹
مولانا بٹالوی صاحب کا خط محمد احسن امروہی کے نام:	۵۴۱
اصل مطلب کی باتوں کا جواب	۵۴۳
حاشیہ جات	۵۴۹
قدرتی مباحثہ (لاہور) اور اس میں ایک حواری کادیانی کا عجز	۵۵۳
میر ناصر نواب صاحب دہلوی خسر کادیانی کی نظم	۵۶۳
مثنوی در حالات مکاری اہل زمانہ	۵۶۴
دیگر	۵۶۷
حاشیہ جات	۵۷۰
کادیانی کی گیدڑ بھبکی	۵۷۱
خط مرزا کادیانی نمبر۱	۵۷۶
مرزا کے خط نمبر۱ کا جواب منجانب مولانا محمد حسین بٹالوی	۵۷۷
مرزا کادیانی کا خط نمبر۲	۵۸۴
مرزا کے خط نمبر۲ کا جواب منجانب مولانا محمد حسین بٹالوی	۵۸۹
حاشیہ جات	۶۰۷

دیباچہ

حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی اور تردید فتنہ قادیانیت

پیدائش: ۱۹؍مارچ ۱۸۴۰ء ...... وفات: ۲۹؍جنوری ۱۹۲۰ء

محاسبہ قادیانیت کی جلد آٹھ جون ۲۰۱۷ء میں شائع ہوئی۔ آج ستمبر ۲۰۲۰ء گزر رہا ہے۔ مکمل تین سال تک محاسبہ قادیانیت کی کوئی جلد شائع نہ ہوسکی۔ اس دوران میں دوسری کئی کتابیں شائع ہوئیں۔ مگر محاسبہ قادیانیت پر ان مصروفیات کے باعث کام نہ ہوسکا۔ تھوڑی فرصت ملنے پر اب اس پر کام شروع ہوا۔ تو حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی نے ردقادیانیت پر جتنا تحریری کام کیا ہم ایک ساتھ شائع کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔

مولانا محمد حسین بٹالوی صاحب بٹالہ میں جناب رحیم بخش بن ذوق محمد صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ اپنے علاقہ کے علماء کرام سے کسب فیض کیا۔ دہلی، لکھنؤ، علی گڑھ کی متعدد درسگاہوں میں پڑھتے رہے۔ مفتی صدرالدین آزردہ، مولانا نورالحسن کاندھلوی آپ کے اساتذہ میں شامل ہیں۔ حضرت مولانا نذیر حسین دہلوی سے آپ نے حدیث شریف کی تعلیم حاصل کی۔ فراغت کے بعد درس وتدریس، تصنیف وتالیف، وعظ وتبلیغ کی طرف متوجہ رہے۔

آپ نے اپریل ۱۸۷۸ء میں اشاعۃ السنۃ کا اجراء کیا۔ پہلا پرچہ ۱۳؍اپریل کو شائع کیا۔ اس زمانہ میں آپ لاہور میں رہتے تھے۔ اس لئے اس کے ٹائٹل پر مولوی ابوسعید محمد حسین لاہوری درج ہے۔ آپ نے تیس سال میں تیئس جلدیں شائع کیں۔ پہلے چند شمارے ہفتہ وار شائع ہوئے، پھر رسالہ ماہوار کردیا۔ مولانا محمد حسین صاحب لاہور میں چینیا نوالی مسجد کے خطیب بھی رہے۔

مرزاغلام احمد قادیانی کے ساتھ ایک استاذ کے پاس پڑھتے بھی رہے۔ شناسائی تھی، مرزاغلام احمد قادیانی کا ان کے ہاں لاہور میں آنا جانا تھا۔ مرزا نے براہین احمدیہ کے ابتدائی چار حصے شائع کئے، تو مولانا محمد حسین صاحب نے اشاعۃ السنۃ میں اس پر بھرپور تبصرہ

لکھا۔ مرزا قادیانی کا بھرپور دفاع کیا، پورا زور لگا کر اس کے الہامات کو سند جواز بخشی۔ ملعون قادیان کی امت اس زمانہ کے اس تبصرہ سے آج بھی استدلال پکڑتی ہے۔ مگر یہ قادیانیوں کے الدّا لخصام ہونے کی دلیل ہے۔

مرزا قادیانی نے فتح اسلام، توضیح مرام، ازالہ اوہام لکھے تو ان رسائل کے بعد مولانا محمد حسین کی مرزا قادیانی کے متعلق رائے بدلنے لگی۔ پیغام رسانی، مراسلت سے گزر کر بات کفر وایمان پر پہنچی۔ مولانا محمد حسین بٹالوی، ملعون قادیان کو جتنا سمجھانے کی کوشش کرتے وہ دجل وتلبیس کی راہ پر ایسے سرپٹ دوڑ رہا تھا کہ پیچھے پر ہاتھ دھرنا تو درکنار لگام دینا مشکل ہوگیا۔ بالآخر مولانا نے مرزا قادیانی کے رسائل وکتب سے اس کی کفریہ عبارات پر مشتمل استفتاء مرتب کیا۔ اور ہندوستان بھر میں پھر کر تمام مکاتب فکر کے علماء کرام سے مرزا کے ان عقائد باطلہ پر فتویٰ کفر حاصل کیا۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب نے ''بوستان حدیث'' نامی اپنی کتاب میں اس کے متعلق تحریر کیا کہ:

''مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف فتاویٰ تکفیر

مولانا بٹالوی مرحوم ومغفور کا ایک عظیم الشان کارنامہ مرزا غلام احمد قادیانی پر فتویٰ تکفیر ہے۔ مرزا قادیانی نے اپنے رسالے ''فتح اسلام'' میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو مسلمانوں میں ایک شور بپا ہوگیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی ایک اور کتاب ''توضیح مرام'' میں نبوت کا دعویٰ کیا تو اس کے خلاف مزید اشتعال کی کیفیت پیدا ہوئی۔ پھر اس کا ایک اور رسالہ ''ازالہ اوہام'' لوگوں کے سامنے آیا تو سلسلۂ مخالفت بہت بڑھ گیا۔ یہ صورت حال مسلمانوں کے لئے بے حد تشویش ناک تھی، جسے کوئی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ مولانا بٹالوی کا مرزا غلام احمد قادیانی سے مناظرہ ہوا، لیکن مرزا صاحب درمیان ہی میں بھاگ گئے۔ اب مولانا نے ایک استفتا ترتیب دیا۔ مولانا (بٹالوی) رقم فرماتے ہیں: ''اس استفتاء کا جواب بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، شیخنا وشیخ الکل حضرت سید محمد نذیر حسین صاحب محدث دہلوی متع اللہ المسلمین بطول حیاتہ سے حاصل کیا اور پھر ایک خاص سفر از دہلی تا بتقریب کلکتہ وبھوپال وغیرہ اختیار کر کے اکثر مشہور بلاد ہندوستان کے علماء وفضلاء مختلف مذاہب کا توافق رائے حاصل کیا۔ پھر لاہور پہنچ کر اس استفتاء اور اس کے جواب کو رسالے کی صورت میں چھپوا کر دور دراز مقامات ہندوستان وپنجاب میں جہاں خاکسار خود نہیں پہنچا تھا، متداول کیا اور اس پر ان

مقامات کے سکناء کی شہادات وتائیدات کو مرتب کرایا۔ فتویٰ پر مکمل اتفاق علمائے ہندوستان وپنجاب کا ہو چکا تھا۔ مگر اس کی اشاعت عام میں اس وجہ سے توقف والتواء ہوا کہ اگر قادیانی کو ان باتوں کی نسبت جن کو علمائے وقت نے کفر وضلالت قادیانی پر دلیل ٹھہرایا ہے، کچھ عذر ہو تو اس کو مجمع علماء میں پیش کرے اور ان میں وہ مباحثہ کرنا چاہتا ہے تو کرے اور اس معاملۂ تکفیر وتضلیل کو جو باتفاق علماء اس کے لئے تیار کیا گیا ہے، کسی حیلے سے ٹلا سکتا ہے تو ٹلا دے۔ یعنی ان باتوں کا اپنی تصانیف میں پایا نہ جانا یا اگرچہ وہ ان میں موجود ہیں تو ان کا موجب کفر وضلالت نہ ہونا ثابت کر دے۔ آخری دفعہ اس امر کی طرف اس کو ''جواب فیصلہ آسمانی'' میں بلایا گیا اور اس جواب کو چھاپ کر اس کے پاس بھیجا گیا اور انتظار مدت جواب تک اشاعت فتویٰ ملتوی کیا گیا۔ مگر پھر اس نے اس طرف رخ نہ کیا اور مباحثے کا نام لینا بھی چھوڑ دیا۔ لہٰذا اس فتویٰ کا اب عام اہل اسلام میں مشتہر کرنا ضروری سمجھا گیا۔''

(علمائے اسلام کا اولین متفقہ فتویٰ (از مولانا محمد حسین بٹالوی) ص۹،۱۰)

مباحثہ سے گریز

مولانا بٹالوی کے نزدیک مرزا غلام احمد کی کتاب ''آسمانی فیصلہ'' دراصل ''شیطانی فیصلہ'' ہے۔ اس نے مولانا سے مباحثہ کرنے اور ان کے سامنے آنے سے ہمیشہ گریز کیا۔ وہ لاہور پہنچا تو مولانا اس کے تعاقب میں لاہور آئے۔ سیالکوٹ گیا تو مولانا نے سیالکوٹ کا رخ کیا۔ مولانا نے ہر مقام پر اس کا پیچھا کیا اور ہر جگہ اسے مناظرے اور مباحثے کی دعوت دی۔ لیکن وہ میدان میں نہیں آیا، بلکہ بقول مولانا ممدوح ''جہاں خاکسار پہنچا وہاں سے فوراً بھاگا۔''

بہت بڑا اجہاد

ہر وہ کوشش جو اسلام کی برتری کے لئے کی جائے جہاد ہے۔ وہ مالی ایثار ہو، جان کی قربانی ہو، اسلام کی تبلیغ کے لئے بھاگ دوڑ ہو یا احکام دین کی حفاظت کے لئے جدوجہد ہو، حالات کے مطابق یہ جہاد ہے۔ مرزا قادیانی کا دعوائے نبوت بہت بڑا فتنہ تھا۔ مولانا محمد حسین بٹالوی نے اس کے خلاف کفر کا فتویٰ مرتب کر کے اپنے خرچ پر پورے ہندوستان کا دورہ کیا اور دوسو کے قریب علماء سے خود ملاقات کر کے اس پر دستخط ثبت کرائے اور مہریں لگوائیں۔ جن حضرات کے پاس کسی وجہ سے خود نہیں پہنچ سکے وہاں اپنے آدمی بھیج کر دستخط کروائے۔ اس

زمانہ میں یہ بہت بڑا جہاد تھا جو انہوں نے مالی، علمی اور جسمانی صورت میں کیا۔ ملک کے کسی عالم دین نے کسی اہم مسئلے میں اتنی جدوجہد نہیں کی، جو انہوں نے انفرادی طور پر کی۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے سوا کوئی شخص معصوم نہیں۔ ائمہ کرامؒ سے بھی بعض مسائل میں غلطی کا صدور ہو جاتا ہے۔ علماء بھی لغزش کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ مولانا محمد حسین بٹالوی سے بھی بہ حیثیت انسان کوئی نہ کوئی فکری یا عملی لغزش کا ارتکاب ہوا ہوگا۔ لیکن مرزا قادیانی کے خلاف انہوں نے جو تگ ودو کی، وہ اس ملک میں ان کا وہ اولین اور بہت بڑا جہاد تھا، جس کی وجہ سے ہم گناہ گاروں کو یقین ہے کہ بارگاہ الٰہی سے ان کی سب لغزشیں معاف فرمادی گئیں اور تحفظ ختم نبوت کے بدلے میں انہیں جنت الفردوس میں داخل فرمادیا ہوگا۔ اس جدوجہد میں ان کا کوئی دنیوی مفاد نہیں تھا، انگریزی حکومت مرزا غلام احمد قادیانی کی حامی تھی، جب کہ مولانا بٹالوی اس کی شدید مخالفت کررہے تھے۔ اس طرح وہ انگریزی حکومت کے مدمقابل تھے۔

یہ فتویٰ مولانا نے اسی زمانے میں شائع کردیا تھا، جس پر کلکتہ، ڈھاکہ، اعظم گڑھ، لکھنؤ، دہلی، پٹنہ، مظفرپور، امرتسر، گورداس پور، لدھیانہ، سہارن پور، بنارس، دیوبند، لاہور، راولپنڈی، پشاور، جہلم، گجرات، سیالکوٹ وغیرہ ملک کے تمام صوبوں کے تمام اضلاع کے دو سو کے قریب اصحاب علم کے دستخط ثبت ہیں۔‘‘ (بوستان حدیث ص۱۰۲،۱۰۳ از مولانا محمد اسحٰق بھٹی)

ہمارے ملک میں ایک مستقل بحث ہے کہ ملعون قادیان کے خلاف سب سے پہلے فتویٰ کفر کس نے جاری کیا۔ اس پر تین آراء ہیں:

۱...... علماء لدھیانہ نے سب سے پہلے مرزا پر کفر کا فتویٰ دیا۔
۲...... حضرت مولانا غلام دستگیر ہاشمی قصوری نے پہلا فتویٰ دیا۔
۳...... حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی نے پہلا فتویٰ دیا۔

ان تینوں آراء کو سامنے رکھ کر چمنستان ختم نبوت کے گلہائے رنگارنگ (ج۳) کی اشاعت اپریل ۲۰۱۶ء میں ایک تفصیلی واقعاتی رپورٹ پیش کی تھی، جو یہ ہے: ’’مرزا غلام احمد قادیانی نے براہین احمدیہ کی اشاعت کے لئے اشتہار شائع کئے۔ پھر براہین احمدیہ ۱۸۸۰ء تا ۱۸۸۴ء میں چار حصے شائع کئے۔ صفر ۱۳۰۲ھ (دسمبر ۱۸۸۴ء) میں قصور کے عالم دین حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری نے براہین احمدیہ سہ حصص اور اشتہار پڑھ کر اردو میں ایک

رسالہ ''تحقیقات دستگیریہ فی رد ہفوات براہینیہ'' تحریر کیا اور اس کی نقل مرزا قادیانی کو بھیج کر اس سے توبہ کا تقاضہ کیا۔ مرزا قادیانی نے چپ سادھ لی تو مولانا قصوری نے مولانا احمد بخش امرتسری، مولانا نواب الدین امرتسری، مولانا غلام محمد (امام شاہی مسجد لاہور)، حافظ نور احمد (امام مسجد انارکلی لاہور)، مولانا نور احمد (ساکن کھائی کوٹلی ضلع جہلم)، مولانا مفتی محمد عبداللہ ٹونکی سے اس رسالہ پر تقریظات تحریر کرائیں۔ جس میں مرزا قادیانی کا مدعی نبوت، مدعی الہام، ایسے دعاوی کو مبرہن کیا گیا اور اس کے عقائد کو اسلام اور اہل اسلام کے منافی قرار دیا گیا۔ علمائے کرام کے فتویٰ جات اور شرعی آراء آ جانے کے بعد مولانا غلام دستگیر قصوری نے مرزا قادیانی کو پھر دعوت اسلام دی۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے اسے بھی نظرانداز کر دیا تو مولانا نے شوال ۱۳۰۳ھ، مطابق جولائی ۱۸۸۶ء میں تحقیقات دستگیریہ کا عربی میں ترجمہ کیا اور اس کا نام ''رجم الشیاطین براغلوطات البراہین'' تجویز کیا۔ علمائے کرام کے فتوے، مرزا قادیانی کی کتاب براہین کے متعلقہ حصے، اشتہار پر مشتمل دستاویزات تیار کر کے حرمین شریفین کے ائمہ ومفتیان سے فتوے طلب کئے۔ ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۸ء) میں فتویٰ جات حرمین شریفین سے موصول ہوگئے۔ وہ فتاویٰ جات لے کر آپ امرتسر گئے۔ بعض رؤسا اور اسلامی درد رکھنے والے مؤثر حضرات کے ذریعہ مرزا قادیانی سے رابطہ کیا کہ اب بھی وقت ہے کہ آپ توبہ کر کے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیں۔ بعض رؤسا نے پھر مرزا قادیانی کو مباحثہ ومناظرہ کے لئے بلایا۔ لیکن وہ انکاری رہا۔ ایک بار موسم گرما کی تعطیلات میں مرزا قادیانی نے لاہور آنے کا وعدہ کیا۔ مولانا دستگیر وعدہ کے مطابق لاہور دس دن قیام پذیر رہے۔ لیکن مرزا قادیانی نہ آیا۔ ابتداء میں جب مولانا محمد حسین بٹالوی، مرزا قادیانی کے متعلق مثبت رائے رکھتے تھے۔ ان سے مباحثہ کے لئے مولانا غلام دستگیر نے طرح ڈالی۔ مولانا محمد حسین نے بند کمرہ میں گفتگو کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ لیکن مولانا غلام دستگیر نے کہا کہ علماء کی موجودگی میں مرزا قادیانی کے الہامات پر گفتگو ہوگی۔ مولانا بٹالوی اس پر آمادہ نہ ہوئے۔ ایک بار مولانا غلام دستگیر نے مرزا قادیانی کو امرتسر کے ایک رئیس کے ذریعہ مباحثہ کے لئے طلب کیا تو مرزا قادیانی نے کہا کہ میری باتیں تصوف کی ہیں۔ صوفیاء کرام شریک مجلس ہوں۔ مولانا نے قبول کر لیا کہ صوفیاء کرام کے خاندانی تین علماء کو بلالیں۔ لیکن مرزا قادیانی پھر طرح دے گیا۔ اس کارروائی کے درمیان صفر ۱۳۰۲ھ سے

رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ (دسمبر ۱۸۸۳ء تا اپریل ۱۸۹۱ء) تک مرزا قادیانی کی متعدد کتب ورسائل بھی سامنے آگئے۔ مرزا قادیانی کے متعلق نرم گوشہ رکھنے والے اس کے سخت مخالف ہوگئے۔ خود حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی مرزا قادیانی کی موافقت ترک کر کے اس کے سخت مخالف ہوگئے۔ مرزا قادیانی کی تین کتابیں توضیح المرام، فتح اسلام، ازالہ اوہام شائع ہونے پر مولانا محمد حسین بٹالوی نے تلافی مافات کی اور فتویٰ حاصل کیا۔

مرزا قادیانی کے خلاف سب سے پہلا فتویٰ تکفیر

الحمدللہ! فتنہ قادیانیت کا استیصال اتنی بڑی سعادت ہے کہ اب ہر مکتب فکر کے رفقاء اس فتنہ کے خلاف کام کرنے کی ''اوّلین'' کی سعادت حاصل کرنے، اعزاز پانے کے لئے کوشاں ہیں۔ چنانچہ فیصل آباد کے مولانا حبیب الرحمٰن ثانی لدھیانوی نے ''سب سے پہلا فتویٰ تکفیر'' کے نام سے کتاب شائع کی اور مؤقف اختیار کیا کہ علماء لدھیانہ سب سے پہلے مرزا قادیانی پر فتویٰ کفر جاری کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ اہل حدیث مکتب فکر کے جناب ڈاکٹر بہاء الدین نے ''تحریک ختم نبوت'' حصہ اوّل شائع کیا تو انہوں نے یہ سعادت علماء اہل حدیث کے کھاتہ میں ڈال دی۔ میرے ایسے مسکین کے لئے اس تناؤ میں کچھ عرض کرنا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ لیکن دیانت داری سے ترتیب وار چند واقعات نقل کر دینے میں حرج بھی کوئی نہیں:

۱...... مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ سے بہت قبل حضرت شاہ عبدالرحیم سہارنپوری نے حکیم نورالدین کو کہہ دیا تھا کہ مرزا قادیانی سے بچنا۔ وہ ارتداد والحاد اختیار کرے گا۔ آپ اس کے ساتھی بن جائیں گے۔

۲...... حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کو بھی مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت سے قبل متوجہ فرمایا۔

۳...... مرزا غلام احمد قادیانی کی براہین احمدیہ (۱۸۸۱ء سے ۱۸۸۴ء تک) شائع ہوئی۔ اس زمانہ میں مولانا محمد حسین بٹالوی مرزا قادیانی کے وکیل صفائی تھے اور مرزا قادیانی کی تائید یا صفائی میں مولانا بٹالوی سے بعض ایسی باتیں بھی ہوئیں جو قطعاً غیر شرعی تھیں۔ اس زمانہ (۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۳ء) میں مرزا قادیانی لدھیانہ آیا تو مولانا محمد لدھیانوی، مولانا عبداللہ لدھیانوی، مولانا عبدالعزیز لدھیانوی نے مرزا قادیانی کے لتے لئے اور مخالفت پر

کمربستہ ہوگئے۔ اس سلسلہ میں فکرمند ہوئے۔ کوشش وکاوش کی۔ فتویٰ کے حصول کے لئے کوشش کی۔ اس کی تفصیل فتاویٰ قادریہ میں موجود ہے۔ یہ فتویٰ جون ۱۹۰۱ء (ربیع الاوّل ۱۳۱۹ھ) میں شائع ہوا۔

۴...... مولانا غلام دستگیر قصوری نے صفر۱۳۰۲ھ (مطابق دسمبر۱۸۸۳ء) میں مرزا قادیانی کے خلاف ''تحقیقات دستگیریہ فی ردہفوات البراہینیہ'' اردو اور اس کا عربی ایڈیشن ''رجم الشیاطین براغلوطات البراہین'' مرتب کر کے عرب وعجم کے علماء سے دستخط لئے۔ ۱۸۸۳ء سے ۱۸۸۷ء تک مولانا غلام دستگیر قصوری نے یہ کام مکمل کرلیا۔ اس میں مولانا قصوری نے مولانا بٹالوی کی مرزا قادیانی کی تائید پر سخت تنقید بھی کی۔ کتاب مرتب ہونے، فتویٰ آجانے کے بعد مولانا قصوری مرزا قادیانی کو توبہ کے لئے مباحثہ، مناظرہ، مباہلہ کے لئے بلاتے اور دعوت اسلام دیتے رہے۔ مایوس ہونے پر۱۳۱۲ھ ۱۸۹۶ء میں کتاب شائع کردی۔

۵...... مولانا محمد حسین بٹالوی نے جس طرح ابتداء میں مرزا قادیانی کی تائید کی۔ ۱۸۹۱ء میں مرزا قادیانی کی کتابیں توضیح المرام، فتح اسلام، ازالہ اوہام کے آجانے کے بعد کروڑ گنا زیادہ شدت کے ساتھ مرزا قادیانی کی مخالفت کی۔ دن رات ایک کر کے مرزا قادیانی کا ایسا تعاقب کیا کہ مرزا قادیانی کو دن کو تارے نظر آنے لگے۔ اسی زمانہ میں ہی مولانا نے فتویٰ مرتب کیا اور اسے اپنے رسالہ اشاعت السنہ میں قسط وار شائع کرنا شروع کردیا۔ بعد میں ایک ساتھ بھی شائع ہوا۔

توفیق وتطبیق

اگر واقعات کی ترتیب کو مدنظر رکھا جائے تو بڑی آسانی سے ترتیب وتوفیق وتطبیق قائم ہوسکتی ہے۔ اس میں کسی قسم کا تخالف وتعارض نہیں رہے گا۔ نیز یہ کہ تمام مکاتب فکر اس سعادت کے حصول میں کسی سے پیچھے نہ رہیں گے۔

۱...... مرزاغلام احمد قادیانی کے فتنہ سے قبل از وقت نورایمانی سے اکابر دیوبند کو اللہ رب العزت نے اس فتنہ کے خلاف متوجہ فرمادیا۔

۲...... علمائے لدھیانہ نے سب سے پہلے مرزا قادیانی کے خلاف ۱۸۸۳ء میں آواز حق بلند کی۔ اس کی پوری تفصیل فتاویٰ قادریہ میں مرتب شدہ موجود ہے۔ لیکن یہ فتویٰ ۱۹۰۱ء میں شائع ہوا۔

۳...... مولانا غلام دستگیر قصوری نے مرزا قادیانی کی کتاب براہین کے ابتدائی حصے دیکھتے ہی ’’تحقیقات دستگیریہ، رجم الشیاطین‘‘ مرتب کی۔ دسمبر ۱۸۸۳ء میں ہی یہ کتاب مرتب ہوکر امرتسر، لاہور، پٹنہ کے علماء کے دستخط ہوگئے۔ ۱۸۸۷ء میں حرمین شریفین کے علماء سے فتویٰ حاصل کیا۔ گویا یہ سب سے پہلی تحریری جدوجہد یا نقش اوّل اسے قرار دیا جاسکتا ہے۔ البتہ یہ تحریر صفر ۱۳۱۲ھ، اگست ۱۸۹۳ء میں شائع ہوئی۔

۴...... اس دوران میں مولانا محمد حسین بٹالوی نے علماء سے فتویٰ لے کر ۱۸۹۱ء میں اپنے رسالہ اشاعت السنہ میں شائع کرنا شروع کردیا تھا۔

غرض اس طرح قدرت نے ان تمام حضرات کو فتنہ قادیانیت کے خلاف کمربستہ کردیا تھا۔ سب سے پہلے فتویٰ حاصل کرنے کی کوشش علماء لدھیانہ کی ہے۔ سب سے پہلے فتویٰ حاصل کرنے میں کامیاب مولانا غلام دستگیر قصوری ہوئے۔ سب سے پہلے فتویٰ شائع مولانا محمد حسین بٹالوی کا ہوا۔ اپنی طرف سے تمام حضرات کی محبت وبغض سے خالی ہوکر فقیر کی اس وقت تک یہ رائے قائم ہوئی ہے۔‘‘ (چمنستان ختم نبوت ج۳،ص۱۳۵۶،۱۳۶۰)

آپ نے فقیر کا لکھا ہوا طویل اقتباس ملاحظہ کیا اس میں ’’سب سے پہلے تکفیر‘‘ کی سرخی سے لے کر آخر تک یہ مضمون (احتساب ج۱۰،ص۴۴۷ سے ۴۴۹) سے لیا گیا ہے۔

فقیر کی رائے کی تبدیلی

ابھی جو اقتباس آپ نے پڑھا اس کے آخر پر ہے ’’فقیر کی اس وقت تک یہ رائے قائم ہوئی ہے۔‘‘ لیکن اب مزید جو تفصیلات علم میں آئیں ان کی بنیاد پر فقیر کا یہ عرض کرنا کہ سب سے پہلے فتویٰ مولانا محمد حسین بٹالوی کا شائع ہوا یہ غلط ہے۔ اس لئے کہ علماء لدھیانہ نے مرزا قادیانی کے خلاف جو سب سے پہلے فتویٰ اشتہار کی شکل میں شائع کیا تھا وہ اشتہار پہلے فقیر کے علم میں نہ تھا۔ حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی کی ایک تحریر کے ذریعہ یہ اشتہار مل گیا۔ (اس کی تفصیلات آگے اپنے مقام پر آئیں گی)

فتاویٰ ختم نبوت جون ۲۰۰۵ء تین جلدوں میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے شائع کیا۔ اس کی دوسری جلد میں فتاویٰ جات بر کفر مرزا پر مشتمل ۲۱ کتب ورسائل جمع کئے، اس میں بھی نمبر۱ فتاویٰ قادریہ۔ نمبر۲ فتاویٰ مولانا غلام دستگیر۔ نمبر۳ فتویٰ مولانا محمد حسین بٹالوی اس

ترتیب سے شائع کیے۔ مولانا محمد حسین بٹالوی کا فتویٰ ۱۸۹۰ء کے اشاعۃ السنۃ میں شائع ہوا۔ ستمبر ۱۹۸۶ء میں ادارہ سلفیہ لاہور نے دوبارہ اسے ’’پاک و ہند کے علماء اسلام کا اولین متفقہ فتویٰ‘‘ کے نام پر شائع کیا۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی لائبریری میں اشاعۃ السنۃ کی وہ فائل جس میں یہ فتویٰ درج ہے وہ موجود ہے۔ لیکن ہم نے ادارہ سلفیہ کے شائع شدہ فتویٰ کو فتاویٰ ختم نبوت کی (دوسری جلد ص۹۳ تا ۱۷۶) میں شائع کردیا ایک دن فقیر دفتر میں بیٹھا اپنے کام میں مصروف تھا کہ مولانا عبدالحکیم نعمانی صاحب مبلغ عالمی مجلس پاکپتن وساہیوال تشریف لائے، مصافحہ کرتے ہی فرمایا: ’’مولانا محمد حسین بٹالوی نے خود مرزا قادیانی پر اپنے جمع کردہ فتاویٰ کفر کے آخر پر اشاعۃ السنۃ میں لکھا ہے کہ علماء لدھیانہ نے ان سے پہلے فتویٰ کفر مرزا پر لگایا تھا۔ لیکن ادارہ سلفیہ لاہور نے اشاعۃ السنۃ کے اس صفحہ کو ان فتاویٰ کو شائع کرتے ہوئے حذف کر کے خیانت علمی اور نقل حوالہ میں بددیانتی سے کام لیا ہے۔ آپ نے بھی فتاویٰ ختم نبوت میں اسے نقل کیا ہے تو وہ غلطی جو ادارہ سلفیہ لاہور کی بددیانتی پر مشتمل ہے۔ وہ فتاویٰ ختم نبوت میں دہرا دی گئی ہے۔ آپ کو پتہ نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔ لیکن اب تصحیح حوالہ آپ کا فرض ہے۔ نیز یہ کہ مولانا بٹالوی مرحوم نے مزید کئی جگہ اشاعۃ السنۃ میں اعتراف کیا ہے کہ میرا فتویٰ پہلا نہیں۔ یہ تینوں اشاعۃ السنۃ کی فائلیں مجلس کی لائبریری میں موجود ہیں۔ ابھی میں لے آتا ہوں آپ دیکھیں کہ ادارہ سلفیہ لاہور نے کتنی دیدہ دلیری کر کے عمداً خلاف واقعہ کا راستہ اختیار کیا۔‘‘

فقیر نے گفتگو سن کر مولانا سے عرض کیا کہ اس وقت اس سے بھی اہم کام میں مصروف ہوں۔ آپ اشاعۃ السنۃ کی فائلیں نکلوائیں، ان پر حوالے لگائیں۔ فارغ وقت میں اس پر گفتگو کریں گے۔ مولانا نے لائبریری سے اشاعۃ السنۃ کی فائلیں لیں، حوالے لگائے، نشان رکھے۔ اب وہ بار بار میرے کمرہ میں آئیں کہ یہ گفتگو کی حامی بھریں تو میں حوالہ جات دکھاؤں۔ مولانا نعمانی کی بے قراری کو دیکھ کر فقیر نے جلدی سے کام نبٹایا۔ اور مولانا کو بلا کر عرض کیا کہ آپ فرمائیں کیا فرماتے ہیں؟

نقل حوالہ میں خلاف دیانت ادارہ سلفیہ لاہور کا عمل

ادارہ سلفیہ لاہور نے نومبر ۱۹۸۶ء میں ’’پاک وہند کے علماء اسلام کا اولین متفقہ فتویٰ۔ مرزا قادیانی اوراس کے پیروکار دائرہ اسلام سے خارج ہیں‘‘ شائع کیا اس میں پہلی زیادتی تو یہ کی کہ اس کا نام بدل دیا۔ مولانا محمد حسین بٹالوی نے اس فتویٰ کا نام ’’فتویٰ علماء پنجاب وہندوستان بحق مرزا غلام احمد ساکن قادیان‘‘ رکھا تھا۔ ادارہ سلفیہ نے مولانا بٹالوی کا قائم کردہ عنوان بدل دیا۔ اوراس کا نام رکھا ’’پاک وہند کے علماء اسلام کا اوّلین متفقہ فتویٰ‘‘ دوسری تبدیلی یہ کی کہ اس کتاب میں اشاعۃ السنۃ ج ۱۳، شمارہ ۴، ۵، ۶، ۷، ۱۱، ۱۲ (۱۸۹۰ء) کے فتوی کو دارالدعوۃ السّلفیہ لاہور طبع نومبر ۱۹۷۶ء کی اشاعت کے ص ۱۶۲ پر ’’کتبہ محمد اشرف علی‘‘ کی عبارت پر ختم کیا ہے۔ جو اشاعۃ السنۃ ج ۱۳، شمارہ ۱۲ ص ۱۴۷ کی پہلی پانچ سطروں پر موجود ہے۔ حالانکہ اسی اشاعۃ السنۃ کی اسی جلد، اسی شمارہ، اسی ص ۱۴۷ کی پہلی پانچ سطروں (جہاں ادارہ سلفیہ نے اس فتویٰ کو ختم کیا ہے) کے بعد اس صفحہ کی بقیہ ۱۴ سطروں کو عمداً نقل نہیں کیا۔ پھر اس کا ص ۱۴۸ بھی مکمل نقل نہیں کیا۔

فقیر نے ادارہ سلفیہ لاہور کے مولانا محمد حسین بٹالوی کے فتویٰ ’’پاک وہند کے علماء اسلام کا اولین متفقہ فتویٰ‘‘ کے آخری صفحہ کو دیکھا۔ یہی فتویٰ جو اشاعۃ السنۃ ج ۱۳ شمارہ ۱۲ میں شائع ہوا۔ اس کے اختتام کو دیکھا۔ تو دیانت داری سے عرض کرتا ہوں کہ بہت ہی حیرت ہوئی، کہ نقل حوالہ میں اتنی بڑی جسارت کہ قریباً آخری ڈیڑھ صفحہ سرے سے درج نہیں کیا، حذف کردیا۔ اور خلاف توقع اس جسارت پر سخت تعجب ہوا کہ ایسے بھی دنیا کرتی ہے؟ اب دونوں حوالہ جات سامنے تھے کسی بھی طرح کی کوئی تاویل سمجھ میں نہ آئی کہ اتنی بات کہ سب سے پہلے مرزا پر کس نے کفر کا فتویٰ دیا۔ اس اعزاز کو حاصل کرنے کے لئے مولانا محمد حسین بٹالوی کے عقیدہ کے لوگوں نے ہی ان کے اشاعۃ السنۃ کے رسالہ کے ڈیڑھ صفحہ کو غائب کردیا۔ **فیا للعجب**

ادارہ سلفیہ لاہور کی مولانا بٹالوی کے فتویٰ سے حذف کردہ عبارت

لیجئے قارئین! پہلے تو ذیل میں مولانا محمد حسین بٹالوی کے تحریر کردہ جس ڈیڑھ صفحہ کو دارالدعوۃ السّلفیہ لاہور نے غتر بود کیا ہے۔ آپ ملاحظہ فرمائیں۔ مولانا بٹالوی لکھتے ہیں:

''بعض علماء وصوفیاء لدھیانہ

لودھیانہ کے مشہور مولویوں کے پاس یہ فتویٰ پیش کیا گیا۔ تو انہوں نے اپنا اشتہار ۲۹؍رمضان ۱۳۰۸ھ اس پر عبارت ذیل لکھ کر ہمارے پاس بھیج دیا'' یہ اشتہار ہماری طرف سے واسطے درج کرنے اس فتویٰ کے جو علماء ہندوستان نے نسبت مرزا غلام احمد قادیانی کی تکفیر وغیرہ کا دیا ہے شامل کیا جائے۔''

''وہ اشتہار چونکہ بہت طویل ہے، اس لئے اس کے صرف چند فقرات اس مقام میں نقل کئے جاتے ہیں.......... چونکہ ہم نے فتویٰ ۱۳۰۱ھ میں مرزا مذکور کو دائرہ اسلام سے خارج ہو جانے کا جاری کر دیا تھا.......... یہ شخص اور ہم عقیدہ اس کے اہل اسلام میں داخل نہیں۔ اور اب بھی ہمارا یہی دعویٰ ہے کہ یہ شخص اور جو لوگ اس کے عقائد باطلہ کو حق جانتے ہیں، شرعاً کافر ہیں۔ جب مرزا قادیانی اسلام سے خارج ہے تو مرزا کو اول اپنا اسلام ثابت کرنا پڑے گا۔ بعد میں عیسیٰ موعود ہونے میں کلام شروع ہوگی۔ خلاصہ مطلب ہماری تحریرات قدیمہ اور جدیدہ کا یہی ہے کہ یہ شخص مرتد ہے اور اہل اسلام کو ایسے شخص سے ارتباط رکھنا حرام ہے۔ جیسا ہدایہ وغیرہ کتب فقہ میں یہ مسئلہ موجود ہے۔ اسی طرح جو لوگ اس پر عقیدہ رکھتے ہیں وہ بھی کافر ہیں۔''

المشتہران: مولوی محمد ومولوی عبداللہ ومولوی عبدالعزیز سکنائے لدھیانہ عفا اللہ عنہ!

لدھیانہ کے صوفیوں میں سے میر عباس علی صاحب صوفی گو مولوی نہیں کہلاتے اور نہ فتویٰ دیتے ہیں۔ مگر چونکہ انہوں نے اس وقت رسمی مولویوں سے بڑھ کر یہ اولی العزمی وثابت قدمی دکھائی ہے کہ باوجودیکہ وہ پہلے سالہا سال قادیانی کے خادم ومعتقد رہے ہیں۔ اب ان کے نئے عقائد کفریہ بدعیہ دیکھ کر اس سالہا سال کی محبت واعتقاد کی بندش کو توڑ کر ان کی اتباع سے دست بردار ہو گئے ہیں۔ اس لئے قادیانی کی نسبت ان کی رائے زریں کو آراء علماء وفضلاء اسلام کے سلسلہ میں نقل کرنا مناسب بلکہ ضروری ہے۔ اب اپنی تحریر مطبوعہ دبدبہ اقبال ربی پریس میں فرماتے ہیں۔

''اس وقت جو فیصلہ میری طبیعت نے کیا ہے وہ یہ ہے کہ مرزا صاحب صاف اور قطعی طور پر نیچری ہیں۔ معجزات انبیاء وکرامات اولیاء سے مطلق انکار رکھتے ہیں۔ سب معجزات اور کرامات کو مسمریزم، قیافہ، قواعد طب یا دستکاری پر مبنی جانتے ہیں۔ خرق عادت

کوئی چیز نہیں، جس کو سب اہل اسلام خصوصاً اہل تصوف نے مانا ہوا ہے۔ اور سید احمد خان اور مرزا غلام احمد صاحب کے نیچریت میں بجز اس کے اور کوئی فرق نہیں کہ وہ بالباس جاکٹ و پتلون ہیں اور یہ بالباس جبہ و دستار اور صوفیائے عظام کے درہم برہم کرنے والے۔''

اسی صفحہ کے حاشیہ پر مولانا بٹالوی نے تحریر کیا: میر عباس علی صاحب کی تعریف میں قادیانی نے اپنے ازالہ کے ص ۷۹۰ میں یہ سطور لکھی ہیں ''یہ میرے وہ اول دوست ہیں، جن کے دل میں خدا تعالیٰ نے سب سے پہلے میری محبت ڈالی اور جو سب سے پہلے تکلیف سفر اٹھا کر ابرار اخیار کی سنت پر بقدم تجرید محض اور میرے قادیان میں میرے ملنے کے لئے آئے وہ یہی بزرگ ہیں۔ میں اس بات کو کبھی نہیں بھول سکتا کہ بڑے سچے جوشوں کے ساتھ انہوں نے وفاداری دکھلائی۔ اور میرے لئے ہر ایک قسم کی تکلیفیں اٹھائیں۔ اور قوم کے منہ سے ہر ایک قسم کی باتیں سنیں۔ میر صاحب نہایت عمدہ حالات کے آدمی اور اس عاجز سے روحانی تعلق رکھنے والے ہیں اور ان کے مرتبہ اخلاص کے ثابت کرنے کے لئے یہ کافی ہے کہ ایک مرتبہ اس عاجز کو ان کے حق میں یہ الہام ہوا تھا ''**اصلہ ثابت وفرعھا فی السماء**.''

اسی صفحہ کی سائیڈ کے حاشیہ پر مولانا بٹالوی نے لکھا: ''التماس: جن علماء کے پاس یہ فتویٰ پہلے پہنچا ہے یا اب پہنچے وہ اس کی تصدیق کو تحریر فرما کر ہمارے پاس بھیج دیں تا آئندہ ان کی تحریرات چھاپ کر مشتہر کی جائیں۔'' (اشاعۃ السنۃ ج۱۳، شمارہ۱۲ص ۱۴۷،۱۴۸، ۱۸۹۰ء)

قارئین! مولانا محمد حسین بٹالوی تحریر فرماتے ہیں کہ لدھیانہ کے مشہور مولویوں کے پاس یہ فتویٰ پیش کیا گیا۔ تو انہوں نے اپنا اشتہار ۲۹ر رمضان ۱۳۰۸ھ اس عبارت ذیل لکھ کر ہمارے پاس بھیج دیا'' کہ یہ اشتہار ہماری طرف سے واسطے درج کرنے اس فتویٰ کے جو علماء ہندوستان نے نسبت مرزا غلام احمد قادیانی کی تکفیر وغیرہ کا دیا ہے شامل کیا جائے۔''

(اشاعۃ السنۃ ج۱۳، شمارہ۱۲ص ۱۴۷)

۱...... گویا مولانا محمد حسین صاحب کے فتویٰ سے پہلے کا یہ اشتہار تھا، جس کا مولانا نے آگے خلاصہ نقل کیا جو آپ حضرات نے ابھی ملاحظہ کیا۔ پس ثابت ہوا کہ علماء لدھیانہ، مولانا بٹالوی کے مرزا کو کافر کا فتویٰ دلوانے سے پہلے فتویٰ دے چکے تھے۔ اور پھر اس اشتہار میں ہے کہ ۱۳۰۱ھ میں مرزا کے کافر ہونے کا فتویٰ ہم نے جاری کیا تھا۔ یہ بھی دلیل ہے کہ ان کا فتویٰ مولانا بٹالوی سے پہلے کا ہے۔

۲...... مولانا محمد حسین صاحب نے اشتہار کا خلاصہ نقل کیا ہم فتاویٰ قادریہ سے وہ مکمل اشتہار یہاں نقل کردیتے ہیں جو یہ ہے:

اشتہار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحق یعلو ولا یعلیٰ علیہ

چراغے را کہ ایزد بر فروزد　　ہر آنکس تف زند ریشش بسوزد

بعد از حمد وصلوٰۃ جملہ اہل اسلام کو معلوم ہو کہ مرزا غلام احمد قادیانی اشتہارات اس مضمون کے شائع کررہا ہے کہ عیسیٰ موعود میں ہوں۔ مولوی عبداللہ، مولوی عبدالعزیز وغیرہ جو میرے برخلاف ہیں۔ میرے سے جلسۂ عام میں روبرو ایک افسر یورپین کے برمکان احسن شاہ وغیرہ ایک روز بعد عید الفطر کے گفتگو کرلیں۔ چونکہ ہم نے فتویٰ ۱۳۰۱ھ (۱۸۸۳،۱۸۸۴ء) میں: ''مرزا مذکور کو دائرہ اسلام سے خارج ہوجانے کا جاری کردیا تھا'' اور رسالہ ''نصرۃ الابرار'' اور ''فیوضات ملکی'' میں بحوالہ فتویٰ حرمین تحریر کرچکے ہیں کہ یہ شخص اور ہم عقیدہ اس کے اہل اسلام میں داخل نہیں اور اب بھی ہمارا یہی دعویٰ ہے کہ یہ شخص اور جو لوگ اس کے عقائد باطلہ کو حق جانتے ہیں، شرعاً کافر ہیں۔

پس مرزا قادیانی کو لازم ہے کہ اول سرکار سے اجازت طلب کرلے کیونکہ حکام شہر ہذا نے چند سال سے یہ حکم نافذ کررکھا ہے کہ کوئی شخص اجنبی اس شہر میں آکر بلا اجازت سرکار کوئی جلسہ مذہبی منعقد نہ کرے۔ ورنہ سرکاری مجرم قرار دیا جاوے گا۔ بعد اجازت حاصل کرنے کے مکان شہزادہ نادر صاحب یا مکان خواجہ احسن شاہ صاحب یا کسی اور رئیس کے مکان کو واسطے گفتگو کے مقرر کرکے ہم کو مرزا صاحب اور صاحب مکان تحریری طور پر اطلاع دیں کہ ہمارے مکان پر مرزا سے آپ آکر بحث کرلیں۔ چونکہ ہمارے نزدیک جب مرزا قادیانی اسلام سے خارج ہے تو مرزا کو اول اپنا اسلام ثابت کرنا پڑے گا۔ بعد میں عیسیٰ موعود ہونے میں کلام شروع ہوگی۔ اگر مرزا قادیانی بسبب کم لیاقتی کے تنہا مناظرہ نہ کرسکے تو اپنے متبعین کو ہمراہ لے کر میدان گفتگو میں آوے۔ اگر اس نہج پر بھی وہ مطمئن نہ ہو تو ان اہل علموں کو جو مرزا قادیانی کو دائرہ اسلام سے خارج نہیں جانتے، ہمراہ لے کر مکان گفتگو پر

حاضر ہوکر اپنے دلائل پیش کرے۔ چونکہ ہر ایک شخص بموجب زعم اپنے کے، اپنے آپ کو حق پر جانتا ہے۔ لہٰذا واسطے تمیز حق اور باطل کے کوئی منصف مقرر کرنا امر ضروری ہے۔ لہٰذا پہلے مبادیٔ بحث جلسہ اولیٰ میں فریقین طے کر کے مقاصد میں بحث شروع کریں۔ اگر مرزا قادیانی کو اس بحث کرنے میں دشواری معلوم ہو تو ہم ایک طریق بحث کا جو نہایت آسان بتاتے ہیں۔ جس کو اختیار کر لیں۔ جس میں ان کا ایک حبہ بھی خرچ نہ ہو۔

وہ امر یہ ہے کہ مرزا قادیانی ہمارے ساتھ بلا خرچ مکہ معظّمہ کو چلے یا سلطان روم کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے مدّعا کو ظاہر کرے تا اہل حق کو تاج نصرت سے سرفرازی حاصل ہو اور مبطل کی گردن میں طوق لعنت کا نمودار ہو اور آئندہ کوئی ایسے دعاوی باطلہ کے دعویٰ کرنے میں جرأت نہ کرے۔ اگر مرزا صاحب کو مباحثہ بلا پابندیٔ شرائط کے منظور ہو تو عید یا جمعہ کے مجمع میں حاضر ہوکر مستفید ہوں۔ اور اگر امورات مذکورہ بالا سے کسی امر کی تعمیل کرنے میں پہلو تہی کریں تو ان کو لازم ہے کہ آئندہ ایسے دعاوی سے اپنا تائب ہونا ظاہر کریں۔

خلاصہ مطلب ہماری تحریرات قدیمہ وجدیدہ کا یہی ہے کہ یہ شخص مرتد ہے اور اہل اسلام کو ایسے شخص سے ارتباط رکھنا حرام ہے۔ جیسا ہدایہ وغیرہ کتب فقہ میں یہ مسئلہ موجود ہے۔ اسی طرح جو لوگ اس پر عقیدہ رکھتے ہیں وہ بھی کافر ہیں اور ان کے نکاح باقی نہیں رہے۔ جو چاہے ان کی عورتوں سے نکاح کر لے۔ کتب فقہ میں یہ مسائل باب مرتد میں تصریح کے ساتھ موجود ہیں۔ اگرچہ عوام کالأنعام بعض مسائل کو سن کر کہتے ہیں کہ یہ مولوی ضدی ہیں۔ جب خدا تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس مسئلہ کی صداقت ظاہر کر دیتا ہے تو پھر اسی منہ کہتے ہیں کہ ان مولویوں کا مسئلہ ٹھیک نکلا۔

دیکھو محمود شاہ کا جو ہم نے حال اشتہار میں لکھا تھا، خدا تعالیٰ نے اس کے مددگاروں کے ہاتھ سے صداقت ہمارے اشتہار کی ظاہر کی۔ اسی طرح جیسا کہ ہم نے ۱۳۰۱ھ میں مرزا قادیانی کو کافر اور مرتد قرار دیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے اس کی صداقت بھی محمد حسین لاہوری (بٹالوی) وغیرہ کی تحریرات سے ظاہر کر دی، جو اس کے اول درجہ کے مددگار تھے۔ اور علماء مکہ معظّمہ نے بھی ہمارے فتویٰ کو صحیح قرار دیا۔ اب سکنائے شہر ہذا کو جو اس پر عقیدہ رکھتے ہیں یا کچھ ان کے دل میں اس کے کافر ہونے کا شبہ ہے مرزا قادیانی کو ہمراہ لے کر ہمارے پاس آویں اور سرکاری انتظام اگر مرزا نہ کر سکے تو اس کے مرید جو اس پر دل

وجان سے فدا ہیں، اس امر کا بندوست کرلیں۔ ورنہ سکنائے شہر سے چندہ کرلیں۔ اگر صرف لقلقہ ہی غرض ہے تو مثل برادر اپنے کے چماروں کے پیغمبر بن کر اپنا کام چلاویں۔ یعنی جیسا مرزا امام الدین قوم جاروب کش میں امام مہدی بن بیٹھا ہے تو مرزا غلام احمد چماروں کے عیسیٰ بن کر اپنا مطلب حاصل کریں۔ چونکہ مناظرہ کرنے میں ہر دو بحث کنندوں کا علم میں برابر ہونا امر ضروری ہے۔ لہٰذا کتب مروجہ درسی میں فریقین کا امتحان لیا جاوے گا۔ اور عربی زبان میں ہر دو صاحبوں کو تحریر مع ترجمہ کرنی پڑے گی۔ تاکہ عوام کالأ نعام جو مرزا کو بڑا عالم جانتے ہیں، ظاہر ہو جاوے کہ مرزا کو سوائے مرزائیت کے یعنی انشاء پردازی کے جو اس قوم کی جبلی خاصیت ہے، کچھ علمی لیاقت نہیں۔ خصوصاً علم دینی سے تو بالکل نابلد ہے۔ ورنہ اپنی کتاب براہین احمدیہ کو قبل از اتمام معرض بیع میں نہ لاتا، کیونکہ بیع شئ معدوم کی بدوں شرائط سلم جو فیما نحن فیہ میں مفقود ہیں، شرعاً ہرگز درست نہیں۔

پس جو شخص مرزا مذکور کو مجدد یا عیسیٰ موعود اعتقاد کرتے ہیں، پرلے درجے کے نادان ہیں۔ خدا تعالیٰ اس گروہ کو ورطۂ ضلالت سے نکال کر راہ ہدایت پر لائے یا ان کے شر سے عوام کو محفوظ رکھے۔ اگر کسی حیلہ یا بہانہ مرزا قادیانی کسی شرط کی بابت پیش کرنا چاہیں تو بالکل لغو ہے۔ کیونکہ سرکاری طور پر فیصلہ اس کا بروقت بحث ہوسکتا ہے۔ یعنی ہر دو فریق اپنے اپنے شرائط بروقت حاضری سرکار میں داخل کریں۔ جن شرائط کو سرکاری افسر منظور فرماوے وہی فریقین کو تسلیم کرنی پڑیں گی۔ بعد میں مباحثہ اس طرز سے شروع ہوگا کہ جس کی ایک ایک فرد شامل مثل سرکاری ہوگی۔ اور ایک ایک فرد فریقین کے پاس رہے گی۔ تاکہ کسی کو کمی زیادتی کی گنجائش نہ ہو۔ **آخر دعوٰنا أن الحمدﷲ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علٰی سید المرسلین!**

المشتہران: مولوی محمد ومولوی عبداللہ ومولوی عبدالعزیز سکنائے لدھیانہ عفی عنہ
مرقوم ۲۹؍رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ...... (فتاویٰ قادریہ ص۲۰ تا ۲۳ مطبوعہ مطبع قیصر ہند لدھیانہ)

قارئین اس اشتہار بالا میں درج ہے اور مولانا بٹالوی نے نقل فرمایا کہ علماء لدھیانہ نے ۱۳۰۱ھ میں مرزا قادیانی کے خلاف فتویٰ کفر دیا۔ ۱۳۰۱ھ بمطابق ۱۸۸۳ء ۱۸۸۴ء ہے۔ گویا علماء لدھیانہ کا فتویٰ مولانا محمد حسین بٹالوی کی نقل کے مطابق ۱۳۰۱ھ کا ہے۔ اور مولانا بٹالوی کا یہ فتویٰ کفر ۱۸۹۰ء میں شائع ہوا۔ ۱۸۸۳ء، ۱۸۸۴ء اور ۱۸۹۰ء میں

جتنا فرق ہے اتنا قدیم فتویٰ ہے علماء لدھیانہ کا، اس کے باوجود موجودہ حضرات ادارہ سلفیہ لاہور یا دیگر محققین علماء اہل حدیث تسلیم نہ فرمائیں تو ان کے کرم کے آگے فقیر کیا دم مار سکتا ہے۔ بایں ہمہ حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی کی مزید چند عبارتیں بھی ان حضرات کے سامنے محض غور کے لئے رکھ دیتے ہیں:

مولانا محمد حسین بٹالوی کے اعتراف حقائق

۱...... مولانا محمد حسین بٹالوی تحریر فرماتے ہیں: ''اشاعۃ السنۃ کا خصوصیت کے ساتھ فرض ہے کہ وہ اس فتنہ کو روکے اور جملہ مضامین سابق کو چھوڑ کر ہمہ تن اسی کے دعاوی کے ردّ کے درپے ہو اس کے اصول باطلہ کا ابطال کرے اور اصول حقہ اسلامیہ کی حمایت عمل میں لاوے۔ اس کی موجودہ جماعت وجمعیت کو تتر بتر کرنے میں کوشش کرے اور آئندہ مسلمانوں خصوصاً اہل حدیث کو جن کا یہ خادم ہے اس جماعت میں داخل ہونے سے بچائے۔ کیونکہ اسی (اشاعۃ السنۃ) نے قادیانی کے سابق دعویٰ حمایت اسلام اور مقابلہ مخالفین اسلام و وعدۂ تائید دین بانشان ہائے آسمانی ونصرت اصول اتفاقی اسلامی سے دھوکہ میں آکر ریویو براہین احمدیہ مندرجۂ نمبرے وغیرہ جلدے میں اس کو امکانی ولی وملہم بنایا اور لوگوں میں اس کا اعتبار جمایا تھا۔ جس کو یہ حضرات اپنے دعاوی مستحدثہ کی تائید میں اب پیش کر رہے ہیں۔ اور اس کی عبارات اپنی تحریرات ورسائل میں نقل کر کے ان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور اپنے دعاوی کی صحت ثابت کر رہے ہیں۔ اشاعۃ السنۃ کا ریویو براہین اس کو امکانی ولی وملہم نہ بناتا تو وہ اپنے سابقہ الہامات مندرجہ براہین احمدیہ کی وجہ سے تمام مسلمانوں کی نظروں میں بے اعتبار ہو جاتا۔ کیونکہ بہت سے علماء مختلف دیار ہندوستان وپنجاب وعرب کا ان الہامات کے سبب اس کی تکفیر وتفسیق وتبدیع پر اتفاق ہو چکا تھا۔ صرف اشاعۃ السنۃ کے ریویو نے فرقہ اہل حدیث اور اپنے خریداران کے خیال میں اس کے الہام وولایت کا امکان جما رکھا۔ اور اس کو حامی اسلام بنا رکھا تھا۔'' (اشاعۃ السنۃ ج۱۳، ش۱، ص۳،۴)

اللہ رب العزت کی کروڑوں رحمتیں ہوں مولانا محمد حسین بٹالوی پر کہ وہ کس صفائی کے ساتھ اعتراف کرتے ہیں کہ جب اشاعۃ السنۃ مرزا کو حامی اسلام بنا رہا تھا ''بہت سے علماء مختلف دیار ہندوستان وپنجاب وعرب کا اس (مرزا) کی تکفیر وتفسیق وتبدیع پر اتفاق ہو چکا تھا۔''

لیجئے حضرت مولانا مرحوم کا ’’علماء پنجاب وعرب‘‘ کا ذکر کرنا علماء لدھیانہ اور حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری کے فتاویٰ جات بابت کفر مرزا کا اپنے فتویٰ سے قبل کے فتویٰ ہونے کا اعتراف کرنا ہے۔ یہی اعتراف حق ہی دیانت کا تقاضہ ہے جو مولانا موصوف نے کیا اور یہی ان کی شان کے لائق تھا۔ آپ (حضرات ادارہ سلفیہ لاہور) کی رائے مبارک بھی اس حقیقت کو تسلیم کرے تو انسب ہوگا۔

۲...... مولانا محمد حسین بٹالوی اشاعۃ السنۃ ج۷،ش۶،ص۱۷۰ کے حاشیہ پر علماء لدھیانہ کے متعلق لکھتے ہیں ’’اور یہ کہتے ہیں کہ براہین احمدیہ میں فلاں فلاں امور کفریہ (دعویٰ نبوت اور نزول اور تحریف آیات قرآنیہ پائی جاتی ہیں) اس لئے اس کا مؤلف کافر ہے۔‘‘

یہ مولانا کی عبارت براہین احمدیہ کے ریویو میں ہے اس میں مولانا محمد حسین اعتراف کرتے ہیں کہ علماء لدھیانہ اس کو اس وقت کافر کہتے تھے جب خود مولانا مرحوم مرزا کی حمایت کررہے تھے۔

۳...... اس حوالہ مذکور کے ص۱۷۱ پر مولانا محمد حسین لکھتے ہیں: ’’بعض (لدھیانہ والے) ان کو کھلم کھلا کفر قرار دیتے ہیں‘‘ اس حوالہ میں مولانا نے خود لدھیانہ والے کے الفاظ اپنے قلم سے لکھے ہیں اور حاشیہ میں ان کے اسماء گرامی ’’مولوی عبدالعزیز، مولوی محمد وغیرہ پسران مولوی عبدالقادر‘‘ درج کئے ہیں، کہ یہ علماء لدھیانہ مرزا کو کافر کہتے ہیں۔ یہ براہین احمدیہ کے ریویو میں مولانا نے اعتراف کیا ہے۔

۴...... اشاعۃ السنۃ ج۷،ش۶،ص۱۷۲ پر براہین احمدیہ کے ریویو میں مولانا محمد حسین بٹالوی فرماتے ہیں: ’’(لدھیانوی مدعیان اسلام) اپنی تکفیر کی یہی وجہ پیش کرتے ہیں کہ ان الہامات میں مؤلف (مرزا قادیانی) نے پیغمبر کا دعویٰ کیا ہے اور اپنے آپ کو ان کمالات کا جو انبیاء سے مخصوص ہیں محل ٹھہرایا ہے اور ان آیات قرآنیہ کا جو خاص آنحضرت ﷺ اور انبیائے سابقین کے خطاب میں وارد ہیں مورد نزول قرار دیا ہے۔‘‘

یہ حضرت مولانا بٹالوی موصوف براہین احمدیہ کے ریویو میں اعتراف کرتے ہیں۔ غرض واقعہ یہی ہے کہ براہین احمدیہ کے آتے ہی تحریر وتقریر، مباحثہ اور مقابلہ کے ذریعہ جو علماء سب سے پہلے ملعون قادیان کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے وہ علماء لدھیانہ تھے۔ سب سے پہلے عرب سے جنہوں نے فتویٰ منگوایا وہ مولانا غلام دستگیر تھے۔ یہ فتویٰ مولانا محمد حسین

بٹالوی کے بھی خلاف تھا کہ وہ مرزا کی حمایت کررہے ہیں۔ فتویٰ آجانے کے بعد اس کی اشاعت سے قبل مولانا محمد حسین صاحب مرحوم نے مرزا کی تائید سے نہ صرف ہاتھ اٹھا لیا بلکہ اس کے سامنے مخالفت میں سروقد ہوگئے۔ تو مولانا غلام دستگیر صاحب نے عرب کے فتویٰ سے مولانا محمد حسین صاحب والا حصہ نکال دیا۔ اس کو کمال دیانت کہتے ہیں۔ سبحان اللہ!

قارئین! علماء لدھیانہ ہوں یا مولانا غلام دستگیر یا مولانا محمد حسین بٹالوی یہ مرزا قادیانی کے مقابل ہوئے لیکن غلطی اپنی جگہ، مگر بات کرنے میں کوئی بددیانتی نہیں دکھائی، ہمیشہ وہی کہا جو واقعہ کے مطابق تھا۔ ایک ہم ہیں کہ حوالہ نقل کرنے میں اپنے تحفظات کو دخیل کر کے اپنے بزرگوں کی عبارتوں کے صفحات کو غتربود کر جاتے ہیں۔ بات کہاں سے کہاں پہنچی؟

۵...... مولانا محمد حسین بٹالوی تحریر فرماتے ہیں: ’’بعض علماء پنجاب نے اس پر کفر کے فتوے لگائے اور وہ یہ سمجھ گئے کہ یہ شخص اپنے لئے نبوت کا مدعی ہے ...... خاکسار (مولانا بٹالوی) نے اس (مرزا قادیانی پر) حسن ظن کر کے اس کو تکفیر سے بچایا۔ اور دھوکہ کھایا اور اس کی حمایت میں ریویو براہین احمدیہ لکھا۔ مجھے اس وقت تک اس کے خبث باطن کا (بحکم کہ: ’’خبث نفس نگردد بسالہا معلوم‘‘

علم نہ ہوا تھا۔ اور کیونکر ہوتا جب تک کہ وہ اپنے منہ سے اس نجاست کو جواب نکال رہا ہے نہ نکالتا۔ مجھے اس کا یہ حال وخیال اس وقت معلوم ہوتا تو میں سب سے پہلے اس پر کفر کا فتویٰ لگاتا۔‘‘ (اشاعۃ السنۃ ج۱۵، ش۶، ص۱۱۹،۱۲۰)

کروڑوں رحمتیں مولانا مرحوم پر کمال دیانت سے جہاں اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہیں وہاں واضح برملا فرمارہے ہیں کہ مرزا پر اور حضرات نے کفر کا پہلے فتویٰ لگایا۔

۶...... اسی طرح مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے اپنے رسالہ ’’تاریخ مرزا‘‘ میں لکھا ہے کہ ’’جس زمانہ میں مولوی ابوسعید محمد حسین بٹالوی مرزا قادیانی سے مانوس تھے اسی زمانہ میں مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیرآبادی ...... مولوی غلام دستگیر قصوری اور مولوی محمد وغیرہ خاندان علماء لدھیانہ مرزا سے بدظن تھے۔ ہم حیران ہیں ان علماء کی فراست کس درجہ کی تھی کہ وہی ہوا جو ان حضرات نے گمان کیا۔‘‘ (تاریخ مرزا ص۱۳)

۷...... مولانا بٹالوی نے لدھیانہ کے ان بھائیوں کا نام لے کر ذکر کیا ہے اور یوں لکھا ہے: ’’ناظرین ان کا یہ حال سن کر متعجب اور اس امر کے منتظر ہوں گے کہ ایسے دلیر اور شیر

بہادر کون ہیں جو سب علماء وقت کے مخالف ہوکر ایسے جلیل القدر مسلمان (یعنی مرزا قادیانی۔ ناقل) کی تکفیر کرتے ہیں اور اپنے مہربان گورنمنٹ کے (جس کے ظل حمایت میں باامن شعار مذہبی ادا کرتے ہیں) جہاد کو جائز سمجھتے ہیں۔ ان کے دفع تعجب اور رفع انتظار کے لئے ان حضرات کے نام بھی ظاہر کر دیتے ہیں، وہ مولوی عبدالعزیز و مولوی محمد وغیرہ پسران مولوی عبدالقادر ہیں، جن سب کا سنہ ۵۷ء سے باغی و بدخواہ گورنمنٹ ہونا ہم اشاعۃ السنۃ نمبر۱۰ ج ۶ وغیرہ میں ظاہر و ثابت کر چکے ہیں۔'' (اشاعۃ السنۃ نمبر۶، ج۷، ص۱۷۱ حاشیہ)

مولانا بٹالوی کی اس تحریر سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں:

۱...... اس ریویو کے لکھنے کے وقت یعنی ۱۸۸۴ء میں صرف لدھیانہ کے یہی مولوی عبدالقادر صاحب کے فرزندان تھے، جنہوں نے مرزا قادیانی کی تکفیر کی تھی۔

۲...... اس وقت تک مولانا بٹالوی حسن ظن رکھتے ہوئے مرزا قادیانی کو ''ایک جلیل القدر مسلمان'' ہی تصور کرتے تھے۔

حضرت مولانا بٹالوی کے ان سات حوالہ جات کے بعد ادارہ الدعوۃ السّلفیہ لاہور اپنی رائے پر نظر ثانی کرے۔ تو یہ صرف تاریخ پر ہی نہیں بلکہ مولانا بٹالوی کی روح پر فتوح سے بھی مبنی انصاف فیصلہ ہوگا۔ سات حوالے ''ستے خیراں'' ورنہ ست سری اکال

مولانا بٹالوی کے رد قادیانی پر رشحات قلم

مولانا بٹالوی نے ۱۸۷۷ء سے اشاعۃ السنۃ رسالہ کا آغاز کیا۔ ۱۹۱۷ء تک یہ چھپتا رہا۔ یہ تیس سال کا عرصہ بنتا ہے۔ لیکن اس کی ۱۹۱۷ء کی آخری جلد ''جلد بست وسوم'' درج ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ تیس سال میں تئیس جلدیں شائع ہوئیں۔ گویا درمیان میں کچھ مدت تعطل بھی پیدا ہوتا رہا۔ الحمدللہ ان ۲۳ جلدوں کا ریکارڈ صفہ اکیڈمی لاہور حضرت مولانا سید نعیم الدین صاحب مدظلہ کی سرپرستی میں مولانا محمد عابد مدظلہ نے محفوظ کر رکھا ہے۔ اس کی کچھ فائلیں اصل یا فوٹو عالمی مجلس کے مرکزی دفتر کی لائبریری میں بھی تھیں۔ جلد نمبر۱۳ سے آخر تک مولانا حافظ عبیداللہ صاحب اسلام آباد نے نیٹ پر ڈال رکھی ہیں۔

قدرت کا کرم ہوا کہ لاہور، ملتان، اسلام آباد کا سارا ریکارڈ ہمیں دستیاب ہوگیا۔ اول سے آخر تک سب فوٹو کرا کر دفتر کی لائبریری میں ۲۳ جلدیں محفوظ کر دی گئیں۔

مولانا عبدالحکیم نعمانی کے پیدا کردہ قضیہ کے لئے ان فائلوں پر کام کرنے کا داعیہ پیدا ہوا، اس کے بعد متذکرہ فائلوں کی تحصیل وتکمیل کے عمل سے گزرے تو اب مولانا محمد حسین بٹالوی کے ردقادیانیت پر جو مضامین شائع ہوتے رہے ان کو جمع کرنا شروع کیا تو ان کی تعداد پینتالیس تک پہنچ گئی۔ اور یہ سینکڑوں صفحات سے بڑھ کر ہزار کے عدد کو بھی کراس کرگیا۔

جناب ڈاکٹر بہاء الدین صاحب نے تحریک ختم نبوت کی غالباً چار جلدوں میں مولانا بٹالوی کی تحریرات کے اس ریکارڈ کو جمع کیا ہے۔ لیکن اس میں آپ نے اپنے منہج کے مطابق تلخیص وحذف کے عمل کو بھی جاری رکھا۔ پھر نارنگ منڈی سے معلوم ہوا کہ شاید کوئی اور اہل حدیث لاہور کے ساتھی اس کو جمع کررہے ہیں۔ خیال ہوا کہ چلو ایسے ہے تو ہم فارغ ہوگئے۔ مقصد کام ہے وہ شائع کرتے ہیں تو ضرورت پوری ہوگئی۔ لیکن بورے والا کے پروفیسر جناب مولانا سہیل صاحب اور مولانا داؤد ارشد نارنگ منڈی نے فرمایا کہ گزشتہ دس سال سے شنید ہے کہ وہ شائع کررہے ہیں۔ لیکن ہوگی یا نہیں، کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اس مایوسی کے ماحول میں بالآخر یہ فیصلہ کیا کہ اللہ رب العزت کے کرم واحسان کے سہارے یہ کام ہمیں شروع کردینا چاہئے۔

جب اشاعۃ السنۃ میں شائع شدہ جملہ مواد ''ردقادیانیت'' کو جمع کیا تو اس کی تعداد چھیالیس ہوئی۔ ان میں ایک نظم مرزا قادیانی کے خسر میر ناصر کی ہے جب وہ مرزا کے مخالف تھے تب وہ لکھی تھی جو اشاعۃ السنۃ میں شائع ہوئی۔ باقی پینتالیس مختصر ومطول مضامین تمام کے تمام مولانا محمد حسین بٹالوی کے رشحات قلم کا صدقہ ہے۔ اس سے اندازہ فرمائیں کہ مولانا کتنے بھرپور محنتی عالم دین تھے۔ اس فہرست میں ''فتویٰ درباره کفر مرزا'' شامل نہیں چونکہ وہ فتاویٰ ختم نبوت میں شائع کرچکے ہیں جس کا اوپر ذکر ہوا۔ اسے شامل نہ کیا ہے۔ لیکن ان سطور کے وقت داعیہ پیدا ہورہا ہے کہ اسے بھی شامل اشاعت کرلیں۔ اس لئے کہ ادارہ سلفیہ لاہور کی اشاعت نے تشکیک پیدا کردی ہے کہ کہیں اور جگہ بھی ایسے نہ کیا ہو۔ دوبارہ اشاعۃ السنۃ سے تقابل کر کے اس کو شریک اشاعت کریں تو پھر مولانا کے رشحات قلم کی تعداد چھیالیس ہوجائے گی۔ لیجئے پہلے تو آپ وہ فہرست ملاحظہ فرمائیں:

نمبر شمار	عنوان
۱	خیالی مسیح (مرزا کادیانی) اور اس کے فرضی حواری سے گفتگو
۲	مباحثہ لدھیانہ مابین مولانا محمد حسین بٹالوی ومرزا کادیانی

۳	قادیانی کے فیصلہ آسمانی کا جواب
۴	فتنۂ قادیانی ’’ابھی فتنہ ہے کوئی دن میں قیامت ہوگا‘‘
۵	مباحثہ بٹالہ ’’مابین مولانا محمد حسین بٹالوی ومحمد احسن امروہوی مرزائی‘‘
۶	مباحثہ لاہور اور اس سے جملہ کادیانیوں کی گریز
۷	قدرتی مباحثہ (لاہور) اور اس میں ایک حواری کادیانی کا عجز
۸	میر ناصر نواب صاحب دہلوی خسر کادیانی کی نظم
۹	کادیانی کی گیدڑ بھبکی
۱۰	اعاذہ رحمانی، ردوساوس کادیانی
۱۱	اشاعۃ السنۃ پر اعتراض دشنام دہی کا جواب
۱۲	اشاعۃ السنۃ میں ایک تبدیلی ناگہانی لائق توجہ موافقین ومخالفین کادیانی
۱۳	کادیانی کی تازہ دروغ گوئی
۱۴	کادیانی کے عربی خطبہ کتاب وساوس کی بعض اغلاط کی فہرست
۱۵	کادیانی پر فتح یابی اشاعۃ السنۃ کا شکرانہ
۱۶	لعنت کادیانی بر کادیانی (لعنۃ اللہ علی الظالمین الکاذبین المفترین علی اللہ رب العالمین)
۱۷	حرام زادہ کے متعلق ایک سوال اور اس کا جواب
۱۸	فرضی زوجہ کادیانی کے شوہر ثانی کی عدم وفات پر کادیانی کی راست بیانی
۱۹	عیسائیوں کی باہمی جنگ مقدس پر اسلامی رائے
۲۰	دجال کادیانی کی نئی چال کا مآل
۲۱	دجالین قادیان کی اور نئی چالیں
۲۲	خطبہ (یا لیکچر) جلسہ اعظم مذاہب کے پانچوں سوال کا جواب اور نبوت عامہ وخاصہ
۲۳	الہامی قاتل مرزا غلام احمد، اس کے الہام کا مقتول پنڈت لیکھرام، ہندو، مسلمان اور گورنمنٹ
۲۴	مخبر دکن کی جھوٹی مخبری
۲۵	ہماری قسم کی منظوری سے الہامی قاتل اور خونی مسیح کی گریز
۲۶	الہامی قاتل وخونی مسیح کے استتار بعد فرار کے چند مفتریانہ اسرار کا اظہار

۲۷	خواجہ غلام فرید سجادہ نشین چاچڑاں اور مرزا غلام احمد الہامی قاتل وخونی مسیح قادیان
۲۸	خونی مسیح کادیانی کی سلطان المعظم کی جناب میں بدزبانی
۲۹	جواب درخواست کیّادکادیانی
۳۰	کادیانی کی جوڈیشل مقدمہ میں شکست
۳۱	مرزا کے دام سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے ایک دل پذیر تقریر
۳۲	مے باید شنید (یہ رسالہ اس دفعہ کیوں غیر معمولی دیر سے نکلا؟)
۳۳	مرزا کو ہم نے کیوں چھوڑا؟
۳۴	مراسلت (جس کے نقل کرنے کا مضمون سابق میں وعدہ دیا گیا تھا)
۳۵	قادیان کے مرزا اور اس کی جماعت کی درخواست
۳۶	ضروری نوٹ (جس میں مرزا کو حکم کہلانے کا مغالطہ اور جلسہ لاہور کی مختصر کیفیت)
۳۷	فتویٰ جواز امامت مرید قادیانی میں ان حضرات کی دھوکہ بازی
۳۸	پرافٹ قادیاں کی پیشین گوئی کا پورا نہ ہونا (۲۱/نومبر ۱۸۹۸ء)
۳۹	طاعون کا روحانی سبب اور علاج
۴۰	کرشن قادیان اور مسلمانان
۴۱	زلزلے کا روحانی سبب اور اس کا علاج
۴۲	کرشن قادیانی کی دھوکہ دہی میں اس کے چیلے کی تیز قدمی سے پیروی
۴۳	اسلامی حکم سیاسی متعلق جہاد وقتل مرتد اور سید محمد ومرزا غلام احمد...... لائق توجہ گورنمنٹ
۴۴	کھلی چٹھی
۴۵	آسمانی مسیح اور اس کا رفیق مہدی اور گورنمنٹ انگلشیہ (تمہیدی ریمارک)
۴۶	مفتح الکلام ومقطع الخصام فی اثبات الحیوۃ والمجیئ للمسیح علیہ السلام
۴۷	تکفیر عقائد کفریہ قادیانی

اس پورے ریکارڈ کو جمع کر کے جدید قادیانی حوالہ جات لگا کر محاسبہ قادیانیت کی تین جلدیں تیار ہوگئی ہیں۔ گویا محاسبہ قادیانیت کی جلد نمبر ۹،۱۰،۱۱ پیش خدمت ہیں۔

الحمدللہ! حسبی اللہ لا الہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم!

فقیر اللہ وسایا، ملتان ...... یکم ستمبر ۲۰۲۰ء

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

خیالی مسیح (مرزا کادیانی)

اور

اس کے فرضی حواری سے گفتگو

حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ

اس گفتگو کونقل کرتے ہیں جو ہم (مولانا محمد حسین بٹالوی) میں اور خیالی مسیح (مرزا کادیانی) اوراس کے ایک فرضی حواری میں بذریعہ مراسلت ہوئی ہے۔ وہ یہ ہے:

لاہور:۳۱رجنوری۱۸۹۱ء نمبر۵۸

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مکرمی جناب مرزاغلام احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ وعافاہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا رسالہ فتح اسلام امرتسر میں چھپ ہی رہا تھا کہ میں اتفاقاً امرتسر پہنچا اور میں نے اس رسالہ کے پروف مطبع ریاض ہند سے منگا کران کو دیکھا اور پڑھوا کرسنا۔

اس رسالہ کے دیکھنے اور سننے سے مجھے یہ سمجھ میں آیا کہ آپ نے اس میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ موعود مسیح جن کے قیامت سے پہلے آنے کا خدا تعالیٰ نے اپنی کلام مجید میں اشارۃً اور رسول خداﷺ نے اپنی کلام مبارک میں جو صحاح احادیث میں موجود ہے، صراحۃً وعدہ دیا ہے وہ آپ ہی ہیں جو مسیح ابن مریم کے مثیل کہلاتے ہیں۔ نہ وہ مسیح ابن مریم جن کو عام اہل اسلام مسیح موعود سمجھتے ہیں۔ مسیح بن مریم کو مسیح موعود سمجھنے میں عام اہل اسلام نے غلطی کی ہے اور دھوکہ کھایا ہے اوران احادیث کو جو مسیح موعود کی نسبت صحاح میں وارد ہیں، غور سے نہیں دیکھا۔

میں نے اس اپنی سمجھ کی تصدیق کے لئے پہلے مولوی عبدالکریم عرف کریم بخش سیالکوٹی کی وساطت سے آپ سے دریافت کیا تھا کہ اپنے مسیح موعود ہونے سے آپ کی کیا مراد ہے؟ پھر مشفقی مولوی نورالدین صاحب حکیم جموں کے ذریعہ سے یہ سوال کیا۔ مگران دونوں صاحبوں نے آج تک نہ تو آپ کی طرف سے میرے سوال کا کوئی جواب پہنچایا اور نہ خود کچھ کہا۔ اب میں بارسوم براہ راست آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ اس دعویٰ سے کیا آپ کی وہی مراد ہے جو اوپر معروض ہوئی اور وہ آپ کے رسالے کے فقرات ذیل سے مفہوم ہوتی ہے۔ ’’شکر کے سجدات بجالاؤ کہ وہ زمانہ جس کا انتظار کرتے کرتے تمہارے بزرگ آباء گزرگئے اور بے شمار روحیں اسی شوق میں سفر کرگئیں۔ وہ وقت تم نے پالیا۔‘‘

(فتح اسلام ص۱۰، خزائن ج۳ ص۷)

’’مسیح جو آنے والا تھا یہی ہے۔‘‘ (فتح اسلام ص۱۵، خزائن ج۳ ص۱۰ حاشیہ)

’’مسیح کے نام پر یہ عاجز بھیجا گیا ہے تا صلیبی اعتقاد کو پاش پاش کردیا جائے۔ سو میں صلیب کے توڑنے اور خنزیروں کے قتل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔‘‘

(فتح اسلام ص۱۷، خزائن ج۳ ص۱۱ حاشیہ)

’’تیسرا نشان یہ ہے کہ وہ برگزیدہ نبی جس پر تم ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہو اس پاک نبی علیہ السلام نے اس عاجز کے بارے میں لکھا ہے جو تمہاری صحاح میں موجود ہے جس پر آج تک تم نے کبھی غور نہیں کی۔‘‘ (فتح اسلام ص۲۳، خزائن ج۳ ص۱۴ حاشیہ)

یا اس دعویٰ سے آپ کی مراد کچھ اور ہے وہی مراد ہے تو صرف ’’ہاں‘‘ یا ’’نعم‘‘ فرمادیں زیادہ توضیح کی تکلیف نہ اٹھاویں۔

اور اگر اس دعویٰ سے کچھ اور مراد ہے تو اس کی توضیح کریں۔ اس خط کا جواب پا کر میں اس دعویٰ کی نسبت میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ بذریعہ تحریر ہو یا بواسطہ تقریر۔ امید کہ آپ جواب سے دریغ نہ فرماویں گے اور اگر جواب سے آپ نے سکوت فرمایا تو اس سے بحکم ’’السکوت فی معرض البیان‘‘ بیان یہ سمجھا جائے گا کہ اس دعویٰ سے آپ کی وہی مراد ہے جو خاکسار نے عرض کیا ہے اور اس پر جو کہنا ہے سو کہا جائے گا۔ اس کے بعد آپ کو یا آپ کے اتباع کو کوئی تاویل کرنے کا موقع نہ ملے گا۔ اسی غرض سے اس خط کی نقلیں بعض خاص اتباع جناب کے پاس بھیجی گئی ہیں۔ والسلام مع الاکرام! (آپ کا ناصح خیرخواہ)

ابوسعید محمد حسین

مرزا کادیانی کی طرف سے اس کا جواب نمبر۱:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مخدومی اخویم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عنایت نامہ پہنچا۔ عاجز کی طبیعت علیل ہے۔ اخویم منشی عبدالحق صاحب کو تاکید فرماویں کہ جہاں تک جلد ممکن ہو معمولی گولیاں ارسال فرمائیں۔ توجہ سے کہہ دیں۔ افسوس کہ میری علالت طبع کے وقت آپ عیادت کے لئے بھی نہیں آئے اور آپ کے استفسار کے جواب میں صرف ’’ہاں‘‘ کافی سمجھتا ہوں۔ والسلام! خاکسار غلام احمد

۵ر فروری ۱۸۹۱ء

مولانا بٹالوی صاحب کی طرف سے اس کا جواب:

لاہور مؤرخہ ۱۱ر فروری ۱۸۹۱ء نمبر۶۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمی جناب مرزا صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ وعافاہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا کارڈ میں نے وصول پایا۔ مجھے کمال افسوس ہے کہ مجھے آپ کے اس دعویٰ

کا کہ میں ’’مسیح موعود‘‘ ہوں۔ خلاف مشتہر کرنا پڑا۔ اس الہام کو آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں تو خدا کی جناب میں دعاء کریں کہ وہ مجھے اس خلاف سے روکے۔

آپ اگر اس دعویٰ میں حضرت خضرؑ کی طرح معذور ہیں تو میں اس کے انکار اور خلاف میں حضرت موسیٰ کی طرح مجبور ہوں۔ آپ کے رسائل توضیح المرام اور ازالۃ الاوہام میرے خلاف کو نہیں روکیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ نقلی یا عقلی دلائل سے آپ اور آپ کے حوارین، آپ کا مسیح موعود ہونا ثابت نہ کرسکیں گے۔ تاہم آپ ان تینوں رسائل کی تین تین کاپیاں ارسال کریں۔ میں ان کو غور سے دیکھوں گا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ!

مولوی نورالدین صاحب نے میرے پاس کوئی رسالہ نہیں بھیجا۔ وہ مجھ سے صرف آپ کی وجہ سے ناراض ہیں۔ (۳) منشی عبدالحق کو آپ کا پیام پہنچا دیا۔ میں آپ سے ملوں گا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ مگر جلد نہیں مل سکتا۔ آپ کا ناصح

ابوسعید محمد حسین

مرزاکادیانی کی طرف سے اس کا جواب نمبر۲:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ ونصلی!

مخدومی مکرمی اخویم مولوی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ پہنچا۔ اگرچہ خداوند کریم خوب جانتا ہے کہ یہ عاجز اس کی طرف سے مامور ہے اور ایسے امور میں جہاں عوام کے فتنے کا اندیشہ ہے جب تک کامل اور قطعی اور یقینی طور پر اس عاجز پر ظاہر نہیں کیا جاتا۔ ہرگز زبان پر نہیںؔ آتا۔ لیکن اس میں کچھ حکمت خداوند کریم کی ہوگی کہ اس نزول مسیح کے مسئلے میں جس کو اصل اور لب اسلام سے کچھ تعلق نہیں اور ایک مسلمان پر اس کی اصل کیفیت کھولی گئی ہے۔ جس پر بوجہ اخوت حسنؔ ظن بھی کرنا چاہئے۔ آں مکرم کو مخالفانہ تحریر کے لئے جوش دیا گیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ آپ کی اس میں نیت بخیر ہوگی اور اگرچہ مجھے آپ کے استعجال کی نسبت شکایت ہو اور اس کو روبرو یا غائبانہ بیان بھی کروں۔ مگر آپ کی نیت کی نسبت مجھے حسن ظن ہے اور آپ کو زمانہ حال کے اکثر علماء بلکہ اگر آپ ناراضؔ نہ ہوں تو بعض للّٰہی جدوجہد کے کاموں کے لحاظ سے مولوی نذیر حسین صاحب سے بھی بہتر سمجھتا ہوں اور اگرچہ میں آپ سے ان باتوں کی شکایت کروں تاہم مجھے بوجہ آپ

کی صفائی باطن کے آپ سے محبت ہے۔ اگر میں شناخت نہ کیا جاؤں تو میں سمجھوں گا کہ میرے لئے بھی مقدر تھا۔ مجھے فتح اور شکست سے بھی کچھ تعلق نہیں بلکہ عبودیت اور اطاعت حکم سے غرض ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس خلاف میں آپ کی نیت بخیر ہوگی۔ لیکن میرے نزدیک بہتر ہے کہ آپ اوّل مجھ سے بات چیت کر کے اور میری کتابوں کو یعنی رسالہ ثلثہ کو دیکھ کر کچھ تحریر کریں۔ مجھے اس سے کچھ غم اور رنج نہیں کہ آپ جیسے دوست مخالفت پر آمادہ ہوں۔ کیونکہ یہ مخالفت رائے بھی حق کے لئے ہوگی۔ کل میں نے اپنے بازو پر یہ لفظ اپنے تئیں لکھتے ہوئے دیکھا کہ میں اکیلا ہوں اور خدا میرے ساتھ ہے اور اس کے ساتھ مجھے الہام ہوا۔ ’’ان معی ربی سیھدین ‘‘ سو میں جانتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ اپنی طرف سے کوئی حجت ظاہر کر دے گا۔ میں آپ کے لئے دعا کروں گا۔ مگر ضرور ہے کہ جو آپ کے لئے مقدر ہے وہ سب آپ کے ہاتھ سے پورا ہو جائے۔ حضرت موسیٰ کی جو اپنی مثل لکھی ہے اشارۃ النص پایا جاتا ہے کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے جیسا کہ موسیٰ نے کیا۔ اس قصے کو قرآن شریف میں بیان کرنے سے غرض بھی یہی ہے کہ تا آئندہ حق کے طالب معارف روحانیہ اور عجائبات مخفیہ کے کھلنے کے شائق رہیں۔ حضرت موسیٰ کی طرح جلدی نہ کریں۔ حدیث صحیح بھی اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اب مجھے آپ کی ملاقات کے لئے صحت حاصل ہے۔ اگر آپ بٹالے میں آ جائیں تو اگرچہ میں بیمار ہوں اور دوران سر اس قدر ہے کہ نماز کھڑے ہو کر نہیں پڑھی جاتی۔ تاہم افتاں وخیزاں آپ کے پاس پہنچ سکتا ہوں۔ بقول رنگین ؎

وہ نہ آوے تو تو ہی چل رنگین　　　اس میں کیا تیری شان جاتی ہے

ازالۃ الاوہام ابھی چھپ کر نہیں آیا۔ فتح اسلام اور توضیح المرام ارسال خدمت ہیں۔

(الراقم غلام احمد از کادیان)

مولانا بٹالوی کی طرف سے اس کا جواب:

لاہور: ۱۶ر فروری ۱۸۹۱ء　　　نمبر۰۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی جناب مرزا صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ وعافاہم　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا محبت نامہ اور پمفلٹ توضیح المرام موصول ہوئے۔ ایضاح (توضیح مرام) کو میں نے دیکھا۔ اس نے میری مخالفت رائے کو اور پختہ کر دیا اور مجھے امید ہے کہ جو مخالف

مضامین فتح اسلام اس کو دیکھے گا وہ اس مخالفت میں اور پختہ ہوگا۔ (۳) قیاس مقتضی ہے کہ ایسا ہی ازالۃ الاوہام ہوگا۔ معہذا میں اس کے مضامین کو دیکھنے یا سننے کے بغیر اپنے خلاف کا اشتہار کرنا اور آپ کی شکایت استعجال کا مورد بننا نہیں چاہتا۔ لہٰذا ملتمس ہوں کہ اگر وہ رسالہ چھپ گیا ہو تو جلد ارسال فرماویں اور اگر اس کے چھپنے میں توقف ہے تو اس کے مضامین کو آپ زبانی بیان کریں۔ میں حاضر ہوکر سننے کو تیار ہوں۔ (۴) میں ایک شب کے لئے کادیان میں خود پہنچ سکتا ہوں اور اگر اس سے زیادہ وقت آپ چاہتے ہیں تو آپ بٹالہ میں تشریف لاویں اور جب تک چاہیں میرے غریب خانہ پر رہیں اور اظہار مافی الضمیر کریں (۵) مولوی نورالدین صاحب سے آپ کے معاملہ میں جو مراسلت ہوتی ہے اس کی نقل اس غرض سے ارسال خدمت ہے کہ آپ اس مراسلت کی نسبت اپنی رائے ظاہر فرمائیں کہ وہ اس میں مصیب ہیں یا مخطی۔ مصیب ہیں؟ تو اس کی توضیح سے مجھے متنبہ کریں اور اگر مخطی ہیں تو ان کی خطاء پر ان کو آگاہ فرمائیں۔ آپ رسالہ فتح اسلام میں ان کو نورانی اور روحانی بیان کر چکے ہیں۔ ان کے اس جواب سے اس کا خلاف مفہوم ہوتا ہے۔ آپ کا خیر خواہ: ابوسعید محمد حسین

مرزاکادیانی کی طرف سے اس کا جواب نمبر۳:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مخدومی مکرمی اخویم مولوی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محبت نامہ پہنچا۔ چونکہ آں مکرم عزم پختہ کر چکے ہیں تو پھر میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔ اس عاجز کی طبیعت بیمار ہے۔ دوران سر اور ضعف بہت ہے۔ ایسی طاقت نہیں کہ کثرت سے بات کروں۔ جس حالت میں آں مکرم کسی طور سے اپنے ارادہ سے باز نہیں رہ سکتے اور ایسا ہی یہ عاجز اس بصیرت اور علم سے اپنے تئیں نابینا نہیں کر سکتا جو حضرت احدیت جل شانہ نے بخشا ہے۔ اس صورت میں گفتگو عبث ہے۔ رسالہ ابھی کسی قدر باقی ہے۔ ناقص کو میں بھیج نہیں سکتا۔ اس جگہ آنے کے لئے آں مکرم کو یہ عاجز تکلیف دینا نہیں چاہتا۔ مگر ۲۶ رفروری ۱۸۹۱ء کو یہ عاجز ان شاءاللہ القدیر لدھیانہ کے ارادہ سے بٹالہ میں پہنچے گا۔ وہاں صرف آپ کی ملاقات کرنے کا شوق ہے۔ گفتگو کی ضرورت نہیں اور یہ عاجز للہ آپ کے ان الفاظ کے استعمال سے جو مخالفانہ تحریر کی حالت میں کبھی حد سے بڑھ جاتے ہیں یا اپنے بھائی کی تذلیل اور بدگمانی تک نوبت پہنچاتے ہیں معاف کرتا ہے۔ واللہ علی ما قلت شہید!

چند روز کا ذکر ہے کہ پرانے کاغذات کو دیکھتے دیکھتے ایک پرچہ نکل آیا جو میں نے اپنے ہاتھ سے بطور یادداشت کے لکھا تھا۔ اس میں تحریر تھا کہ یہ پرچہ ۵؍جنوری ۱۸۸۸ء کو لکھا گیا ہے۔ مضمون یہ تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ مولوی محمد حسین صاحب نے کسی امر میں مخالفت کر کے کوئی تحریر چھپوائی ہے اور اس کی سرخی میری نسبت ''کمینہ'' رکھی ہے۔ معلوم نہیں اس کے کیا معنی ہیں اور وہ تحریر پڑھ کر کہا ہے کہ آپ کو میں نے منع کیا تھا۔ پھر آپ نے کیوں ایسا مضمون چھپوایا۔ **ھذا ما رایت واللہ اعلم بتاویلہ!**

چونکہ حتیٰ الوسع خواب کی تصدیق کے لئے کوشش مسنون ہے۔ اس لئے میں آن مکرم کو منع بھی کرتا ہوں کہ آپ اس ارادہ سے دستکش رہیں۔ خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں اپنے دعویٰ میں صادق ہوں اور اگر صادق نہیں تو پھر ''ان یک کاذباً'' کی تہدید پیش آنے والی ہے۔ ''**لا تقف ما لیس لک بہ علم ولا تدخل نفسک فیما لا تعلم حقیقۃ یا اخی وافوض امری الی اللہ یوتک اجر صبرک یا اخی وانا انظر الی السماء وارجو تائید اللہ واعلم من اللہ مالا تعلمون والسلام علی من اتبع الھدیٰ**''

حضرت اخویم حبی فی سبیل اللہ مولوی حکیم نورالدین اور آں مکرم کی تحریرات میں یہ عاجز دخل دینا نہیں چاہتا۔ (خاکسار: غلام احمد)

<u>مولانا بٹالوی کی طرف سے اس کا جواب:</u>

لاہور: ۲۱؍فروری ۱۸۹۱ء نمبر۷۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمی جناب مرزا صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ وعافاہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

محبت نامہ کے جواب میں عرض ہے کہ خاکسار شب وروز بطور استخارہ مسنونہ دست بدعاء رہتا ہے اور جناب باری میں التجاء کرتا ہے کہ آپ کے جواب وخطاب میں خدا تعالیٰ مجھ سے اپنے حق سے زائد نہ کہلوائے اور میرے قلم سے ایسی بات نہ نکلوائے۔ جس کی جواب دہی میرے ذمہ لازم ہو۔

مجھے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ''**لا تکلم بکلام تعذر منہ غداً**'' اکثر اوقات پیش نظر رہتا ہے اور مجھے خدا تعالیٰ سے قوی امید ہے کہ آپ کے خطاب میں کوئی ایسی

بات نہ لکھوں گا جو آپ کے کلام کے منطوق یا قطعی مفہوم سے ثابت نہ ہو اور میں اس جواب میں حسن ظنی ہاتھ سے نہ دوں گا اور سوء ظنی سے کام نہ لوں گا اور میں کوئی کلمہ توہین وتحقیر آپ کے حق میں نہ لکھوں گا۔ مگر ایسا کلمہ جس کو میں حق اور بحکم شریعت صادق سمجھوں گا۔ (جیسے آپ کا مسیح موعود نہ ہونا، یا اس دعویٰ میں آپ کا منجانب اللہ ملہم نہ ہونا) اس کو آپ توہین اور تحقیر سمجھیں تو میں اس میں معذور ومجبور ہوں۔ ’’ولکل امرء ما نوی‘‘ (۲) الہام ۵؍جنوری ۱۸۸۸ء کے مضمون کی سرخی جو آپ نے لکھی ہے وہ پڑھی نہیں گئی۔ اس کو واضح کر کے لکھیں۔ (۳) ازالۃ الاوہام کے جس قدر اوراق چھپے ہیں بھیج دیں۔ باقی جب چھپیں تب سہی اور اگر مجھ کو اجازت ہو تو میں مطبع سے پروف دیکھ لوں۔ (۴) مجھے نہایت افسوس ہے اور بلحاظ آپ کے روحانی اور بے لگاؤ ہونے کے (جیسا کہ آپ مدعی ہیں) آپ پر شکایت ہے کہ آپ نے مولوی نورالدین صاحب کی مراسلت کے متعلق اپنی رائے ظاہر نہ فرمائی۔ آپ کی رائے ان کی فیور (تائید) میں ہے تو مجھ پر اس کا اظہار کرنے سے آپ کو تأمل نہ چاہئے تھا۔ حق کہنا چاہئے گو تلخ معلوم ہو اور اگر وہ میری فیور (تائید) میں ہے تو بھی اس کا اظہار آپ پر واجب تھا اور ان کی فہمایش آپ کا فرض تھا۔

وہ تو اپنا دین ودنیا آپ کی راہ میں کر چکے۔ کوئی دنیادار ایک امر حق کے اظہار سے اعراض کرے تو کوئی تعجب وشکایت کا محل نہیں ہوتا۔ (۵) میں کوشش کروں گا کہ ۲۵؍فروری ۱۸۹۱ء کو دس بجے دن تک بٹالہ پہنچوں۔ کیا یہ امر ممکن ہے کہ میں اگر بٹالہ نہ آسکوں تو امرتسر میں آپ سے ملوں۔ (۶) ممکن ہو تو بتایئے امرتسر میں آپ کس وقت کی ٹرین میں آئیں گے اور کس مقام پر وقفہ کریں گے اور کس قدر کریں گے۔

آپ کا خیرخواہ قدیم: ابوسعید محمد حسین

مرزا کادیانی کی طرف سے اس کا جواب نمبر۴:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی! از عاجز عائذ باللہ الصمد غلام احمد عافاہ اللہ واہلہ

بخدمت محبی اخویم مکرم ابوسعید محمد حسین صاحب   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ پہنچا۔ چونکہ یہ عاجز اپنی دانست میں ناتمام مضمون ازالۃ الاوہام کا آں مکرم کو دکھلانا مناسب نہیں سمجھتا۔ اس لئے اجازت نہیں دے سکتا۔ مگر اس عاجز کی رائے

میں صرف بیس پچیس روز تک رسالہ ازالۃ الاوہام چھپ جائے گا۔ کچھ بہت دیر نہیں ہے۔ پھر ان شاء اللہ القدیر سب سے پہلے یہ عاجز آں مکرم کی خدمت میں بھیج دے گا۔ آں مکرم کو معلوم ہوگا کہ درحقیقت ان رسالوں میں کوئی نیا دعویٰ نہیں کیا گیا بلکہ بلاکم وبیش یہ وہی دعویٰ ہے جس کا براہین احمدیہ میں بھی ذکر ہو چکا ہے جس کی آں مکرم اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ میں امکانی طور پر تصدیق کر چکے ہیں۔ پھر متعجب ہوں کہ اب پھر دوسری مرتبہ آن مکرم کو دیکھنے کی حاجت ہی کیا ہے۔ کیا وہی کافی نہیں جو پہلے آں مکرم اشاعۃ السنۃ نمبر۶ جلد۷ میں تحریر فرما چکے ہیں۔ جب کہ اوّل سے آخر تک وہی دعویٰ، وہی مضمون، وہی بات ہے تو پھر آپ جیسے محقق کی نگاہ میں نیا معلوم ہو کس قدر تعجب ہے۔

یہ عاجز رسالہ ازالۃ الاوہام میں آں مکرم کے ریویو کی بعض عبارتیں درج بھی کر چکا ہے۔ اس عاجز نے جو ۵؍جنوری ۱۸۸۸ء کو خواب دیکھی تھی۔ اس کی سرخی ''کمینہ'' تھا۔ جس کی حقیقت مجھے معلوم نہیں۔ **واللہ اعلم بالصواب!**

پھر بھی میں آں مکرم کو للہ نصیحت کرتا ہوں کہ اس سماوی امر میں آپ کا دخل دینا مناسب نہیں۔ مثیل مسیح کا دعویٰ کوئی امر عندالشرع مستبعد نہیں۔ اگر آپ ناراض نہ ہوں تو اس عاجز کی دانست میں اخویم مولوی حکیم نورالدین صاحب کے مقابل آپ کی تحریر میں کسی قدر سختی تھی۔ خدا تعالیٰ انکسار اور تذلل کو ہمیشہ پسند کرتا ہے اور علماء کے اخلاق اپنے بھائیوں کے ساتھ سب سے اعلیٰ درجے کے چاہئیں۔ جس دین کی حمایت اور ہمدردی کے لئے دن رات کوششیں ہورہی ہیں وہ کیا ہے؟ صرف یہی کہ اللہ اور رسول کی منشاء کے موافق ہمارے جمیع احوال وافعال وحرکات سکنات ہو جائیں۔

میرے خیال میں اخلاق کے تمام حصوں میں سے جس قدر خدا تعالیٰ تواضع اور فروتنی اور انکسار اور ہر ایک ایسے تذلل کو جو منافی نخوت ہے پسند کرتا ہے ایسا کوئی شعبہ خلق کا اس کو پسند نہیں۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ ایک سخت بے دین ہندو سے اس عاجز کی گفتگو ہوئی اور اس نے حد سے زیادہ تحقیر دین متین کے الفاظ استعمال کئے۔ غیرت دینی کی وجہ سے کسی قدر اس عاجز نے ''**واغلظ علیہم**'' پر عمل کیا۔ مگر وہ چونکہ ایک شخص کو نشانہ بنا کر درشتی کی گئی تھی، اس لئے الہام ہوا کہ تیرے بیان میں سختی بہت ہے۔ رفق چاہئے رفق اور اگر ہم انصاف سے

دیکھیں تو ہم کیا چیز ہمارا علم کیا چیز۔ اگر سمندر میں ایک چڑیا منقار مارے تو اس سے کیا کم کر گی۔ ہمارے لئے بھی بہتر ہے کہ جیسے ہم درحقیقت خاکسار ہیں خاک بھی بنے رہیں۔ جب کہ ہمارا مولیٰ ہم سے تکبر اور نخوت پسند نہیں کرتا تو کیوں کریں۔ ہمارے لئے ایسی عزت سے بےعزتی اچھی ہے جس سے ہم مورد عتاب ہو جائیں۔

آپ کی تحریر اگر اس طرح پر ہوتی کہ جس قدر خداوند تعالیٰ نے میرے پر کھولا ہے۔ اگر آپ مہربانی فرما کر ملیں یا میں ملوں تو بیان کروں گا تو کیا اچھا ہوتا۔ یہ قاعدہ ہے کہ جس حالت اندرونی سے انسان کے منہ سے الفاظ نکلتے ہیں وہی رنگ الفاظ میں بھی آ جاتا ہے۔ میں نے اس فیصلہ میں مولوی نورالدین صاحب کا کچھ لحاظ نہیں کیا اور محض للہ آں مکرم کی خدمت میں عرض کی گئی ہے۔ اس عاجز کو پختہ طور پر معلوم نہیں کہ کس تاریخ اس جگہ سے یہ عاجز روانہ ہو۔ بعض موانع پیش آ گئے ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ شاید ایک ہفتہ کے اندر اندر روانہ ہو جاؤں۔ اس صورت میں بالفعل ملاقات مشکل معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا اطلاعاً آپ کی خدمت میں لکھتا ہوں کہ اس عاجز کے لئے بٹالہ میں تشریف نہ لاویں۔ کیونکہ کوئی پختہ معلوم نہیں جس وقت خداتعالیٰ چاہئے گا ملاقات ہو جائے گی۔ والسلام!

(خاکسار: غلام احمد از کادیان، مؤرخہ ۲۳ر فروری ۱۸۹۱ء)

<u>نوٹ:</u> اس وعدہ کو آج ایک مہینہ کامل گزر گیا ہے۔ وعدہ ۲۳ر فروری کا تھا۔ آج ۲۳ر مارچ ہے۔

<u>مولانا بٹالوی کی طرف سے اس کا جواب:</u>

لاہور: ۲۴ر فروری ۱۸۹۱ء نمبر۸۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمی جناب مرزا صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ وعافاہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں بٹالہ کو تیار تھا کہ آپ کا خط وصول ہو کر مانع ہوا۔ آئندہ آپ جب عزم بٹالہ کریں مجھے دو روز پیشتر اطلاع دیں۔

(۲) جو امکان میں ''ریویو براہین احمدیہ'' میں بیان کر چکا ہوں اس کا اب بھی قائل ہوں۔ مگر آپ نے اس امر ممکن سے جس کا امکان میں نے تجویز کیا تھا۔ بڑھ کر ان رسائل میں دعویٰ کیا ہے۔ لہٰذا آپ کے لئے اس ریویو کی عبارات کافی ومفید نہ ہوں گی۔

آپ ان عبارات کو میرے سامنے پیش کرنے کے بغیر ان سے استشہاد کریں گے تو آپ نقصان اٹھائیں گے۔ بہتر ہے کہ آپ میری کلام کو مجھے دکھا کر شائع کریں۔ ’’صاحب البیت ادری بمافیه‘‘ (یعنی گھروالا اپنے گھر کی چیز کا حال خوب جانتا ہے)

(۳) رفق وملاطفت وانکسار اختیار کرنے کے باب میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ سراسر حق ہے۔ مگر میں نے مولوی حکیم نورالدین صاحب کے خط میں (جس کی نقل آپ کے پاس بھیجی گئی ہے) کوئی کلمہ تکبر وتشدد نہیں لکھا۔ عزیزم منشی نجف علی نے مجھے کہا ہے کہ یہ کلمہ ان کی بابت کچھ سننے اور کہنے کا حوصلہ ہے تو آیئے سخت ہے۔ آپ بھی اسی کو سخت سمجھتے ہیں تو میں سچ کہتا ہوں (جیسا کہ منشی نجف علی کو کہہ چکا ہوں) کہ میں نے یہ کلمہ اس غرض سے نہ لکھا تھا کہ ان کو علم اور لیاقت کے لحاظ سے حوصلہ ہے تو آویں بلکہ صرف اس نیت سے لکھا تھا کہ اپنے پیر پر اعتراض سننے کا حوصلہ یعنی صبر ہے تو آویں اور اگر پہلے کی طرح طاقت صبر نہ ہو اور اعتراض سن کر خفاء ہو جانا ہو تو خیر۔ یہ مطلب اس کلمہ سے پہلے فقرہ سے صاف مفہوم ہوتا ہے۔ مگر حسن ظنی ہو تو سمجھ میں آوے اور اگر آپ کسی اور کلمہ کو سخت سمجھتے ہیں تو اس سے مجھے اطلاع دیں۔ میں اس کلمہ کی نسبت اپنی نیت کو دیکھوں گا۔ پھر اس میں اگر فساد پاؤں گا تو اس سے توبہ کروں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

(۴) آپ نے میری تحریر کی نسبت تو رائے ظاہر فرمائی۔ مگر حکیم صاحب کی تحریر کی نسبت کچھ نہ فرمایا کہ میں نے خواہ کسی نیت بھلی یا بری سے ان کو یہ کلمہ یا کوئی اور کلمہ لکھا۔ مگر جو جواب انہوں نے تحریر فرمایا ہے وہ درست وبجا ہے؟ اور ایک روحانی اور نورانی آدمی ایک طالب تحقیق کو ایسا جواب لکھ سکتا ہے؟

(۵) دہلی کے خط سے معلوم ہوا ہے کہ مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب محدث کے پاس آپ کے رسائل نہیں پہنچے۔ مناسب ہے کہ آپ ان کے پاس رسائل بھیج دیں۔ حکیم صاحب کے سپرد یہ امر نہ کریں۔ وہ ان لوگوں کے پاس رسائل نہ بھیجیں گے جن کو وہ اپنے مذاق کے موافق نہیں سمجھتے۔ اس امر کی آپ تصدیق چاہیں تو ان سے ان لوگوں کی فہرست طلب کریں جن کے نام انہوں نے رسائل روانہ کئے ہیں۔

(۶) اخیر میں میں بھی آپ کو نصیحت کرتا ہوں (جیسا کہ آپ نے مجھے نصیحت کی ہے) کہ آپ اس دعویٰ سے کہ ’’میں مسیح موعود ہوں۔ عیسیٰ ابن مریم موعود نہیں ہے‘‘ دستکش ہو

جائیں۔ یہ امر آسمانی نہیں ہے اور نہ یہ الہام رحمانی ہے۔ یہ صرف آپ کا خیال ہے جس کو آپ الہام سمجھ بیٹھے ہیں۔ اس دعویٰ الہام میں اگر آپ سچے ہوں گے تو پھر بخاری ومسلم وغیرہ کتب صحاح مہمل وبیکار ہو جائیں گے بلکہ دین اسلام کے اکثر اصول وامہات مسائل بے اعتبار ہو جائیں گے۔ ''اعاذها الله من ذلک والسلام مع الاکرام''

آپ کا ناصح مشفق: ابوسعید محمد حسین

اس خط کی تائید میں ایک اور مولانا بٹالوی کا خط:

لاہور: ۶؍مارچ ۱۸۹۱ء نمبر۹۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی جناب مرزا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرے خط نمبر۸۴ کا آپ نے جواب نہیں دیا۔ میں منتظر ہوں۔ حافظ محمد یوسف صاحب نے لکھا تھا کہ آپ ۸؍مارچ ۱۸۹۱ء کو لاہور میں آکر ایک مجلس علماء میں گفتگو کریں گے۔ آج معلوم ہوا کہ آپ ماہ اپریل میں مجمع کرنا چاہتے ہیں۔ میں آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ ماہ اپریل میں، میں ہندوستان میں ہوں گا اور سنا ہے کہ مولوی احمد اللہ صاحب ومولوی عبدالجبار صاحب بھی ان دنوں سفر کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لہٰذا آپ گفتگو کرنا چاہتے ہیں تو ابھی کریں۔ ورنہ ہم لوگ جو ارادہ رکھتے ہیں آپ پر ظاہر کر چکے ہیں۔ پھر آپ کو افسوس وشکایت کا موقع ومحل نہ رہے گا۔ اس کارڈ کی ایک نقل قادیان بھیجی گئی ہے۔ (ابوسعید محمد حسین)

مرزا کادیانی کی طرف سے اس کا جواب نمبر۵:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونصلی!

مخدومی اخویم مولوی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج لدھیانہ میں آپ کا محبت نامہ مجھ کو ملا۔ بظاہر مجھے گفتگو میں کچھ فائدہ معلوم نہیں دیتا۔ مجھے خداتعالیٰ نے ایک علم بخشا ہے جس کو میں چھوڑ نہیں سکتا۔ ایسا ہی آپ بھی اپنی رائے کو چھوڑنے والے نہیں۔ مجھے ایک ایسا سبیل بخشا گیا ہے جو معرض بحث میں نہیں آسکتا۔ ''ولیس الخبر کالمعاینة'' ہاں! اس نیت سے میں مجلس علماء میں حاضر ہوسکتا ہوں کہ شاید خداتعالیٰ حاضرین میں سے کسی کے دل کو اس سچائی کی طرف کھینچے جو اس نے اس عاجز پر

ظاہر کی ہے۔ سو اگر شرائط مندرجہ ذیل آپ قبول فرمادیں تو میں حاضر ہوسکتا ہوں۔

۱...... اس مجمع میں حاضر ہونے والے صرف چند ایسے مولوی صاحب نہ ہوں جو مدعی کا حکم رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ مجھ سے بجز اس صورت کے ہرگز راضی نہیں ہوسکتے کہ میں ان کے خیالات واجتہادات کا اتباع کروں اور میری طرف سے بار بار ان کو بھی جواب ہے کہ: ''ان ھدی اللہ ھو الھدیٰ'' اگر یہ مجمع کسی قدر عام مجمع ہوگا اور ہر ایک مذاق اور طبیعت کے آدمی اس میں ہوں گے تو شاید کوئی دل حق کی طرف توجہ کرے اور مجھے اس کا ثواب ملے۔ سو میں چاہتا ہوں کہ یہ مجلس صرف چند مولوی صاحبوں میں محدود نہ ہو۔

۲...... دوسری شرط یہ ہے کہ یہ بحث جو محض اظہاراً للحق ہوگی تحریری ہو۔ کیونکہ بارہا تجربہ ہو چکا ہے کہ صرف زبانی باتیں کرنا آخر منجر بفتنہ ہوتی ہیں اور بجز حاضرین کے دوسروں کو ان کی نسبت رائے لگانے کا موقعہ نہیں دیا جاتا اور کیسی ہی عمدہ اور محققانہ باتیں ہوں۔ جلدی بھول جاتی ہیں اور جن لوگوں کو غلو یا دروغ بیانی کی عادت ہے۔ خواہ وہ کسی گروہ کے ہیں۔ ان کو جھوٹ بولنے کے لئے بہت سی گنجائش نکل آتی ہے۔ کوئی شخص محنت اٹھا کر اور ہر ایک قسم کے اخراجات سفر کا متحمل ہوکر اور بہت سی مغز خواری کرنے کے بعد کب روا رکھ سکتا ہے کہ غیر منتظم طریق کی وجہ سے تمام محنت اس کی ضائع جائے اور طالب حق کو اس کی تقریر سے فائدہ نہ پہنچ سکے سو تحریری بحث کا ہونا ایک شرط ہے۔

۳...... اس مجمع بحث میں وہ الہامی گروہ بھی ضرور شامل چاہئے جنہوں نے اپنے الہامات کے ذریعہ سے اس عاجز کو جہنمی ٹھہرایا ہے اور ایسا کافر جو ہدایت پذیر نہیں ہوسکتا اور مباہلہ کی درخواست کی ہے۔ الہام کے رو سے کافر اور ملحد ٹھہرانے والے تو میاں مولوی عبدالرحمٰن[۱۵] لکھو کے والے ہیں اور جہنمی ٹھہرانے والے میاں عبدالحق غزنوی ہیں جن کے الہامات کے مصدق و پیرو میاں مولوی[۱۶] عبدالجبار ہیں۔ سو ان تینوں کا جلسہ بحث میں حاضر ہونا ضروری ہے تاکہ مباہلہ کا بھی ساتھ ہی قضیہ طے ہو جائے اور اگر مولوی صاحب باہم مسلمانوں کے مباہلہ کو صورت پیش آمدہ میں ناجائز قرار نہ دیں تو مباہلہ بھی اس مجلس میں ہو جائے۔ کیونکہ یہ عاجز اکثر بیمار رہتا ہے بار بار سفر کی طاقت نہیں۔

۴...... یہ کہ تحریری بحث کے لئے تمام مخالف الرائے مولوی صاحبوں کی طرف سے آپ منتخب ہوں۔ کیونکہ یہ عاجز نہیں چاہتا کہ خواہ مخواہ لعن طعن اور تو تو، میں میں متفرق لوگوں کا

سنے۔ ایک مہذب اور شائستہ آدمی تحریری طور پر سوالات پیش کرے کہ اس عاجز کے اس دعویٰ میں جس کی الہام الٰہی پر بنا ہے کیا خرابیاں ہیں؟ اور کیا وجہ ہے کہ اس کو قبول نہ کیا جاوے؟ سو اس عاجز کی دانست میں اس کام کے لئے آپ سے بہتر اور کوئی نہیں۔

۵...... یہ آپ کا اختیار ہے کہ جس تاریخ میں آپ گنجائش سمجھیں مجھے اور اخویم مولوی نورالدین صاحب کو اطلاع دیں۔ چونکہ یہ عاجز بیمار ہے اور مرض سدر و دوار سے لاچار اور ضعیف بہت ہے۔ اس لئے اخویم مولوی نورالدین صاحب کا شامل آنا مناسب سمجھتا ہوں کہ اگر خدانخواستہ اس عاجز کی طبیعت زیادہ علیل ہو جائے۔ جیسا کہ اکثر دورہ مرض کا ہوتا رہتا ہے اور زیادہ بات کرنے سے سخت دورہ مرض کا ہوتا ہے۔ اس صورت میں مولوی صاحب موصوف حسب منشاء اس عاجز کے مناسب وقت کارروائی کر سکتے ہیں۔

۶...... اگر آپ ہندوستان کی طرف سفر کرنا چاہتے ہیں تو لدھیانہ راہ میں ہے۔ کیا بہتر نہیں کہ لدھیانہ میں ہی یہ مجلس قرار پائے۔ یہ عاجز بیمار ہے۔ حاضری سے عذر کچھ نہیں۔ مگر ایسی صورت میں مجھے بیماری کی حالت میں شدائد سفر اٹھانے سے امن رہے گا۔ ورنہ جس جگہ غزنوی صاحبان اور مولوی عبدالرحمٰن (اس عاجز کو ملحد اور کافر قرار دینے والے) یہ جلسہ منعقد ہونا مناسب سمجھیں تو اسی جگہ یہ عاجز حاضر ہو سکتا ہے۔ والسلام!

مکرر یہ کہ ۲۳ر مارچ ۱۸۹۱ء جلسہ مقرر ہوگئی ہے اور یہ قرار پایا ہے کہ بمقام امرتسر یہ جلسہ ہو۔ اشتہارات عام طور پر اپنے واقف کاروں میں یہ عاجز شائع کر دے گا۔ ایسا ہی آپ کو بھی اختیار رہے۔ آپ بواپسی ڈاک جواب سے مطلع فرماویں کہ جواب کا انتظار ہے۔

(خاکسار: غلام احمد از لدھیانہ، محلہ اقبال گنج مکان شاہزادہ غلام حیدر، ۸ر مارچ ۱۸۹۱ء)

مولانا بٹالوی کی طرف سے اس کا جواب:

لاہور: ۹ر مارچ ۱۸۹۱ء نمبر ۱۰۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی جناب مرزا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کو معلوم ہے کہ تجویز مجمع علماء کی تحریک میری طرف سے نہیں ہوئی۔ لہٰذا میں ان شرائط کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا جو میری ذات خاص سے متعلق نہ ہوں۔ مجمع کے متعلق جو شرائط آپ تسلیم کرانا چاہتے ہیں ان لوگوں سے کرائیں جو آپ کے مدعی ہیں یا محرک سلسلہ مجمع

ہیں۔ میں نہ مدعی نہیں[۱۸] ہوں، نہ محرک۔ میں تو صرف دوستانہ اور برادرانہ گفتگو کرنا چاہتا ہوں جس کے لئے نہ کسی مجمع کی حاجت ہے نہ کسی شرط کی ضرورت۔ میں نے پہلے بھی لکھا تھا اور اب پھر لکھتا ہوں کہ آپ ایک شب کے لئے میرا آنا کافی سمجھتے ہیں تو میں آپ کے پاس آتا ہوں اور اگر زیادہ وقت چاہتے ہیں تو آپ تشریف لاویں۔ میں دعویٰ کے ساتھ تو نہیں کہتا۔ مگر امید پر عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ اس خاکسار ناچیز کو اپنی دعاوی تسلیم کرادیں گے اور ان کو نصوص حدیثیہ سے مطابق کر کے دکھا دیں گے تو میں مولوی عبدالجبار صاحب ومولوی عبدالرحمٰن صاحب کو، گو آپ کے تابع اور موافق نہ کرسکوں گا۔ مگر خاموش اور غیر معارض وغیر معترض تو ضرور کردوں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ! اور اگر آپ دونوں شق قبول نہ کریں تو تحریری گفتگو مسائل شروع کردیں۔ پس اگر آپ کے دعویٰ کے دلائل یہی ہیں جو توضیح المرام اور فتح اسلام میں ہیں تو مجھے اجازت دیں کہ میں ان پر شرعی بحث وکلام کروں اور اگر اور بھی دلائل ہیں جو ازالۃ الاوہام میں مکنون ہیں تو آپ ازالہ کو جلد میرے پاس بھیج دیں یا بصورت توقف طبع رسالہ اس کے دلائل کا خلاصہ خطوط کے ذریعہ سے ظاہر کریں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ! یہ تحریری گفتگو اس انداز سے چلتی رہے گی جس انداز سے اب تک میری اور آپ کی مراسلت ہورہی ہے۔ والسلام!

آپ کا ناصح مشفق: ابوسعید محمد حسین

مرزا کادیانی کی طرف سے اس کا جواب نمبر۶:

نحمدہ ونصلی!

مخدومی ومکرمی اخویم مولوی صاحب سلمہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عنایت نامہ پہنچا۔ اس عاجز کے لئے بڑی مشکل کی بات یہ ہے کہ طبیعت اکثر دفعہ ناگہانی طور پر ایسی علیل ہوجاتی ہے کہ موت[۱۹] سامنے نظر آتی ہے اور کچھ کچھ علالت تو دن رات شامل حال ہے۔ اگر زیادہ گفتگو کروں تو[۲۰] دورہ مرض شروع ہوجاتا ہے۔ اگر زیادہ فکر کروں تو وہی دورہ شامل حال ہے۔ چونکہ آپ کا آخری خط آیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ گویا بشمولیت مولوی عبدالجبار صاحب لکھا گیا ہے۔ اس لئے جواب اس طرز سے لکھا گیا تھا۔ یہ عاجز غلبہ مرض سے بالکل نکما ہورہا ہے۔ یہ طاقت کہاں ہے کہ مباحث[۲۱] تقریری یا تحریری شروع کروں۔ محض خداتعالیٰ کے فضل سے یہ تینوں رسالے لکھے گئے اور وہ بھی اس طرح سے کہ اکثر دوسرا شخص اس عاجز کی تقریر کو لکھتا گیا اور نہایت کم اتفاق ہوا کہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھا ہو۔ اتنی فرصت

نہیں ہوتی جو عبارت کو عمدگی سے درست کر دیا جاوے۔ آپ کے معلومات حدیث میں بہت وسیع ہیں۔ یہ عاجز ایک امی اور جاہل[۲۲] آدمی ہے۔ نہ عبادت ہے نہ ریاضت نہ علم نہ لیاقت۔ غرض کچھ بھی چیز نہیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک امر تھا اور قطعی اور یقینی تھا۔ اس عاجز نے پہنچا دیا۔ ماننا نہ ماننا اپنی اپنی رائے اور سمجھ پر موقوف ہے۔ درحقیقت میرے لئے یہ کافی تھا[۲۳] کہ میں صرف الہام الٰہی کو ظاہر کرتا لیکن میں نے اپنے رسالوں میں ''قال[۲۴] اللہ'' اور ''قال الرسول'' کا بیان اس لئے کچھ مختصر سا کر دیا ہے کہ شاید لوگ اس سے نفع اٹھاویں۔ مجھے اس سے کچھ بھی انکار نہیں کہ خدا تعالیٰ آئندہ کسی کو اس کی روحانی حالت کے لحاظ سے درحقیقت مسیح بنا کر دمشق کی شرقی[۲۵] طرف اسی طور سے اتار دے جیسے مسافر ایک جگہ سے دوسری جگہ جا اترتے ہیں[۲۶]۔ کچھ تعجب نہیں کہ اس زمانے میں کوئی دجال[۲۷] بھی ہو۔ حضرت مہدی بھی ہوں اور پھر اسلام میں سیفی[۲۸] طاقت پیدا ہو جاوے اور تمام لوگ مسلمان ہو جاویں۔ مگر جو خدا تعالیٰ نے اس عاجز پر کھولا ہے صرف اتنا ہے کہ یہ عاجز روحانی طور پر مثیل مسیح ہے اور روحانی طور پر موعود بھی ہے اور نیز یہ کہ کوئی مسیح آسمان سے خاکی وجود کے ساتھ اترنے والا نہیں[۲۹]۔ ظلی اور مثالی طور پر مسیح کے آنے سے مجھے انکار نہیں بلکہ ایک کیا اگر ہزار مسیح بھی آجائے تو میرے نزدیک ممکن ہے۔ میرے نزدیک احادیث صحیحہ بھی حقیقی طور پر مسیح کے اترنے کے بارے میں وہ زور[۳۰] نہیں دیتیں جو آج کل کے علماء خیال کر رہے ہیں۔ مسیح کا اترنا سچ مگر ظلی اور مثالی طور پر۔

مولوی عبدالرحمٰن صاحب اپنے الہامات کے حوالہ سے اس عاجز کو ضال ومضل قرار دے چکے ہیں اور ایسا کافر کہ جس کو کبھی ہدایت نہیں ہوگی اور میاں عبدالحق غزنوی بھی اپنے الہام کے حوالہ سے اس عاجز کو جہنمی قرار دے چکے ہیں اور مولوی عبدالجبار صاحب فرماتے ہیں کہ جو کچھ میاں عبدالحق صاحب کے الہام ہیں میں ان پر ایمان لاتا ہوں کہ وہ صحیح اور درست ہیں۔ اب آپ کے کہنے سے وہ کیا سمجھیں گے[۳۱] اور آپ انہیں کیا سمجھائیں گے۔ یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے جس طرح چاہے گا اس کی راہ پیدا کرے گا۔ اگر آپ کی ملاقات ہو تو میں خوشی سے چاہتا ہوں۔ مگر آپ کے آنے کا کرایہ میرے ذمے رہے۔ میں آپ کو مالی تکلیف دینی نہیں چاہتا۔ یہ بہتر ہے کہ آپ اس جگہ آجائیں۔ بہرحال ملاقات کی خوشی تو اس بیماری کی حالت میں ہوگی۔ ازالۃ الاوہام عنقریب تیار ہوتا ہے بھیج دوں گا۔ ابھی کچھ باقی ہے۔ والسلام!

غلام احمد

مولانا بٹالوی کی طرف سے اس کا جواب:

لاہور: ۱۳ / مارچ ۱۸۹۱ء نمبر۱۱۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمی جناب مرزا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے خط کے جواب میں کوتاہ سخنی کرتا ہوں اور مکلّف ہوں کہ اگر آپ زیادہ بحث وکلام کی طاقت نہیں رکھتے اور مجھے جلد دیکھنا چاہتے ہیں تو صرف اتنا کریں کہ اپنے اس الہام کا جس میں آپ کے مسیح موعود ہونے کا اور ابن مریم کے موعود ہونے کا دعویٰ ہے فیصلہ براہین احمدیہ اور اشاعۃ السنۃ کے ریویو براہین احمدیہ سے منظور کریں اور یہ اقرار و وعدہ تحریری دیں کہ اگر براہین احمدیہ اور اس کے ریویو سے یہ الہام غلط ثابت ہوا تو ہم اس الہام کو غلط سمجھیں گے اور اس سے رجوع کا اشتہار دیں گے۔ یہ فیصلہ منظور ہو تو صرف اس عبارت کی تحریر پر اکتفاء کریں۔ اس میں اور کوئی قید نہ بڑھائیں۔ آپ خط سابق میں دعویٰ بھی کر چکے ہیں کہ ہم نے براہین احمدیہ سے بڑھ کر کچھ نہیں کہا۔ بلاکم وبیش وہی کہا جو اس میں کہا تھا اور تم (اے ابوسعید محمد حسین) اس کی تصدیق کر چکے ہو۔ یہ بھی ایک وجہ ہے کہ میں براہین احمدیہ اور اشاعۃ السنۃ کے ریویو براہین کو حکم بناتا ہوں۔ آپ اس تحکیم کو منظور کریں گے تو میں اس امر کے تصفیہ کے لئے آپ کے پاس ان شاء اللہ تعالیٰ پہنچوں گا۔ اس سے بڑھ کر کوتاہ کلامی کیا ہوسکتی اور انصاف پسندی کی کون سی حد باقی رہتی ہے۔

۲...... آپ نے اس تحکیم کو منظور نہ کیا تو میں بسم اللہ پڑھ کر آپ کے اس الہام کا جواب لکھنا شروع کروں گا اور اس مراسلت کی نقل تمام وکمال چھاپ دوں گا۔ پھر آپ کسی وجہ سے شکایت کا حق نہ رکھیں گے اور استعجال کو میری طرف نسبت نہ کر سکیں گے۔

۳...... میرے وہاں جلد آنے کے لئے یہ بھی ایک شرط ہے کہ میں ازالۃ الاوہام کے اوراق جس قدر چھپ چکے ہیں یہاں دیکھ لوں باقی پھر سہی۔ فتح اسلام اور توضیح المرام کی دو دو تین تین کاپیاں اور بھیجئے۔ اکثر لوگ مانگتے ہیں۔ آپ کا ناصح مشفق: ابوسعید محمد حسین

مرزا کادیانی کی طرف سے اس کا جواب نمبر۷:

نحمدہ ونصلی!

مخدومی ومکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کا خط آج کی ڈاک میں مجھ کو ملا اور اس کے پڑھنے سے مجھ کو بہت ہی افسوس

ہوا کہ آپ مکالمات الٰہیہ کے امر کو لہو ولعب میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ اس عاجز نے (براہین ص ۴۹۸، ۴۹۹، خزائن ج۱ ص ۵۹۳ حاشیہ) میں اس ظاہری عقیدے کی پابندی سے جو مسلمانوں میں مشہور ہے یہ عبارت لکھی ہے کہ: ''یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر مسیح کے حق میں پیش گوئی ہے اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آئیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق میں پھیل جائے گا۔ چونکہ اس عاجز کو حضرت مسیح سے مشابہت تامہ ہے۔ اس لئے خداوند کریم نے مسیح کی پیش گوئی میں ابتداء سے اس عاجز کو بھی شریک رکھا ہے۔ فقط[۳۲] لیکن ان عبارتوں کو اس امر کے لئے دستاویز ٹھہرانا کہ براہین میں اوّل یہ اقرار ہے اور پھر اس کے مخالف یہ دعویٰ۔ ایسا خیال سراسر غلط اور دور از حقیقت ہے۔

اے میرے عزیز دوست! اس عاجز کے اس دعویٰ کی جو فتح اسلام میں شائع کیا گیا ہے، اپنے علم اور عقل پر بناء نہیں تا ان دونوں بیانات میں بوجہ اتحاد بنا صورت تناقض پیدا ہو بلکہ براہین کی مذکورہ بالا عبارتیں تو صرف اس ظاہری عقیدے کے رو سے ہیں۔ جو سرسری طور پر عام طور پر اس زمانہ کے مسلمان مانتے ہیں اور اس دعویٰ کی بناء الہام الٰہی اور وحی ربانی پر ہے۔ پھر تناقض کے کیا معنی ہیں۔ میں خود یہ مانتا ہوں اور تسلیم کرتا ہوں کہ جب تک خداتعالیٰ کسی امر پر بذریعہ اپنے خاص الہام کے مجھے آگاہ نہ کرے میں خودبخود آگاہ نہیں ہوسکتا اور یہ امر میرے لئے کچھ خاص نہیں۔ اس کی نظیریں انبیاء کی سوانح میں بہت ہیں۔ ملہم لوگ بغیر سمجھائے نہیں سمجھتے۔ ''لا علم لی الا ما علمنی ربی'' بلکہ خداتعالیٰ کا سمجھانا بھی جب تک صاف طور پر نہ ہو انسان ضعیف البیان اس میں بھی دھوکا کھا سکتا ہے۔ ''فذھب وھلی'' کی حدیث آپ کو یاد ہی ہوگی۔[۳۳]

اب خداتعالیٰ نے فتح اسلام کی تالیف کے وقت مجھے سمجھایا تب میں سمجھا۔ اس سے پہلے کوئی اس بارے میں الہام نہیں ہوا کہ درحقیقت وہی مسیح آسمان سے اتر آئے گا۔ اگر ہے تو آپ کو پیش کرنا چاہئے۔[۳۴] ہاں! یہ عاجز روحانی طور پر مثیل موعود ہونے کا براہین میں دعویٰ کر چکا ہے۔ جیسا کہ اسی ص ۴۹۸ میں موعود ہونے کی نسبت یہ اشارہ ہے۔ ''صدق اللہ ورسولہ'' چونکہ آپ نے اپنے ریویو میں اس دعوے کا رد نہیں کیا۔ اس لئے آپ نے اس معرض بیان میں سکوت اختیار کر کے اگرچہ ایمانی طور پر نہیں، مگر امکانی طور پر مان لیا۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس عاجز نے خداتعالیٰ سے الہام پا کر براہین احمدیہ میں

ابن مریم کے موعود یا غیر موعود ہونے کے بارہ کچھ بھی ذکر نہیں کیا۔ صرف ایک مشہور عقیدہ کے طور سے ذکر دیا تھا۔ آپ کو اس جگہ اور پر پیش کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

ہمارے نبی ﷺ بھی بعض اعمال میں جب وحی نازل نہیں ہوتی تھی، انبیاء بنی اسرائیل کی سنن مشہورہ کا اقتداء کیا کرتے تھے اور وحی کے بعد جب کچھ ممانعت پاتے تھے تو چھوڑ دیتے تھے۔ اس کو تو ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے۔ آپ جیسے فاضل کیوں نہیں سمجھیں گے۔ مجھے نہایت تعجب ہے کہ آپ یہی طریق انصاف پسندی کا قرار دیتے ہیں۔ کیا اس عاجز نے کسی جگہ دعویٰ کیا ہے کہ میرا ہر ایک نطق وحی اور الہام میں داخل ہے۔ اگر آپ طریق فیصلہ سے اسی کو ٹھہراتے ہیں تو بسم اللہ! میرے رسالہ کا جواب لکھنا شروع کیجئے۔ آخر حق کو فتح ہوگی۔

میں نے آپ کو ایک صلاح دی تھی کہ عام جلسہ علماء کا بمقام امرتسر منعقد ہو اور ہم دونوں حسبۃً للہ واظہاراً للحق اس جلسہ میں تحریری طور پر اپنی اپنی وجوہات بیان کریں اور پھر وہی وجوہات حاضرین کو پڑھ کر سنادیں اور وہی آپ کے رسالہ میں چھپ جائیں۔ دور نزدیک کے لوگ خود دیکھ لیں گے۔

جس حالت میں آپ اس کام کے لئے ایسے سرگرم ہیں کہ کسی طرح رکنے میں نہیں آتے اور جب تک اشاعۃ السنۃ میں عام طور پر اپنے مخالفانہ خیال کو شائع نہ کردیں صبر نہیں کر سکتے تو کیا اس تحریری مباحثہ میں کسی فریق کی کسر شان ہے۔

میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس جلسہ میں خاک کی طرح متواضع ہوکر حاضر ہو جاؤں گا اور اگر کوئی ایسی سخت دشنامی بھی کرے جو انتہاء تک پہنچ گئی ہو تو میں اس پر بھی صبر کروں گا اور سراسر تہذیب[۳۵] اور نرمی سے تحریر کروں گا۔ خداتعالیٰ خوب جانتا ہے جو اس نے مجھے مامور کر کے بھیجا ہے۔

اگر آپ مجھے اب بھی اجازت دیں تو میں اشتہارات سے اس جلسہ کے لئے عام طور پر خبر کردوں۔ اب میری دانست میں خفیہ[۳۶] طور پر آپ کا مجھ سے ذکر کرنا مناسب نہیں۔ جب آپ بہرحال اشاعت پر مستعد ہیں تو محض للہ اس طریق کو منظور کریں۔" **وما اقول الا للہ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ"**

خاکسار: غلام احمد از لدھیانہ محلّہ اقبال گنج، ۱۴؍مارچ ۱۸۹۱ء

مولانا بٹالوی کی طرف سے اس کا جواب:

لاہور: ۱۵؍مارچ ۱۸۹۱ء نمبر۱۲۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمی جناب مرزا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کے خط کو میں نے کمال افسوس سے پڑھا۔ اس کے شروع میں جو الفاظ ’’لہو ولعب‘‘ استعمال کئے گئے ہیں وہ بڑے موہم ہیں اور ان کا اثر دور تک پہنچ سکتا ہے۔ ایسے الفاظ آپ اس شخص کے مقال واستدلال کی نسبت استعمال کر سکتے تھے جو آپ کو ملہم سمجھے اور آپ کے الہام زیر بحث کو الہام رحمانی تسلیم کرے اور پھر اس کا معارضہ صرف اپنی بے دلیل خیال سے کرے اور جو شخص آپ کو اور آپ کے الہام کو ایسا نہ سمجھے اور آپ کے اس غلط خیال کو جس کو آپ الہام سمجھتے ہیں احادیث صحیحہ اور اصول مسلمہ سے رد کرے اس کے مقال واستدلال کی نسبت آپ کو ان الفاظ کا استدلال کرنا کیا جائز ہے۔ ہرگز نہیں۔ آپ مجمع عام میں خاکساری اور تواضع کا وعدہ دیتے ہیں۔ مگر ایک پرائیویٹ تحریر میں تو آپ سے یہ نہ ہوسکا۔ گزشتہ راصلوٰت آئندہ احتیاط!

۲...... براہین احمدیہ کے مضمون نزول جسمانی مسیح کو آپ ایک غلط خیال جانتے تھے تو آپ نے ایک خط میں یہ کیوں لکھا تھا کہ درحقیقت ان رسالوں میں کوئی نیا دعویٰ نہیں کیا تھا بلکہ بلاکم وبیش وہی دعویٰ ہے جس کا براہین احمدیہ میں بھی ذکر ہو چکا ہے۔ جس کو آن مکرم اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ میں امکانی طور پر تصدیق کر چکے ہیں۔ پھر متعجب ہوں کہ اب پھر دوسری مرتبہ آن مکرم کو لکھنے کی حاجت ہی کیا ہے۔ کیا وہی کافی نہیں جو پہلے آں مکرم اشاعۃ السنۃ نمبر۶ جلدے میں تحریر فرما چکے ہیں۔ جب کہ اوّل سے آخر تک وہی دعویٰ وہی مضمون وہی بات ہے تو پھر آپ جیسے محقق کی نگاہ میں نیا معلوم ہو کس قدر مقام تعجب ہے۔ جس پر تحکیم براہین احمدیہ اور ریویو براہین احمدیہ کی طرف آپ کو بلایا گیا تھا۔ آپ اگر ایسا نہ لکھتے بلکہ بجائے اس کے یوں لکھتے کہ براہین احمدیہ میں ہم نے غلطی کی ہے اور اس میں عوام جہال یا علماء اہل ضلال کے جو مسیح کا جسمانی نزول مانتے ہیں تقلید اختیار کر کے وہ بات لکھی تھی۔ اب ہم کو یہ حق سوجھا جو اور مسلمانوں کے کیا ہمارے خیال میں بھی نہ گزرا تھا تو آپ کو تحکیم براہین وریویو براہین کی طرف نہ بلایا جاتا۔ اب آپ براہین کے مضمون مذکور کو غلط بتاتے ہیں۔ لہٰذا

میں بھی اب اس کو حکم نہیں بناتا۔ کیونکہ اس الہام کی تغلیط مضمون براہین احمدیہ کی تسلیم پر موقوف نہیں۔ احادیث صحیحہ اور اصول مسلمہ اتفاقیہ سے اس کی تغلیط آسانی سے ممکن ہے۔ اگر آپ مجھے گفتگو کا موقع دیں۔

۳...... آپ اس گفتگو کے لئے انعقاد مجمع عام کو شرط ٹھہراتے ہیں جس سے گفتگو میں التواء ہوتا جاتا ہے۔ میری طرف سے آپ کو اختیار ہے آپ شوق سے مجمع کریں اور اس کا اہتمام اپنے ذمہ لیں۔ میں بھی اس مجمع میں اگر وطن میں رہا شریک ہو جاؤں گا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ! مگر اس مجمع سے پہلے خاص مجھ سے ایک پرائیویٹ جلسہ میں اپنے خیال ومقال کی بابت گفتگو کرنے سے آپ کیوں رکتے ہیں۔ کیا وہ گفتگو انعقاد مجمع عام کے لئے ایک مانع اور روک ہو جائے گی۔ ہرگز نہیں۔ جس فائدہ کی آپ مجمع عام سے امید رکھتے ہیں وہ اس مجمع سے جب وہ ہو حاصل کریں۔ اس سے پہلے مجھ سے تو دو حرفی بات کر لیں۔ اس خط کے جواب میں آپ نے مجھے بلایا تو میں پہلے چند اصول جن پر ہمارا آپ کا فیصلہ ہوگا۔ آپ سے تسلیم کراؤں گا۔ اس کے بعد گفتگو کے لئے حاضر ہوں گا اور اگر آپ نے مجھے نہ بلایا تو میں اپنے خیال کا اظہار اشاعۃ السنۃ میں کر دوں گا۔ بالفعل اتنا ہوگا کہ اس تمام کارسپانڈنس کو جس سے میری رائے اور آپ کے خیالات ودلائل کا ناظرین کو اجمالی علم ہوسکتا ہے۔ میں چھاپ دوں گا آئندہ جو وقوع میں آئے گا وقتاً فوقتاً مشتہر کیا جائے گا۔ ان شاءاللہ!

۴...... آپ اعتقاد نزول جسمانی مسیح کو جو زمانۂ تالیف براہین میں آپ رکھتے تھے اور اس کے ص ۴۹۸، ۴۹۹ میں ظاہر کر چکے ہیں۔ آنخضرت کے اس فعل کی جو باقتداء سنن مشہورہ انبیاء بنی اسرائیل آپ نے کیا۔ پھر بحکم وحی اس کو چھوڑ دیا یا اس خیال کی جو کسی الہام کے معنی سمجھنے میں آپ کے دل میں گزرا پھر وہ غلط ثابت ہوا۔ نظیر ٹھہراتے ہیں اور یہ غور نہیں فرماتے کہ وہ اعتقاد احادیث صحیحہ اور ان کے معانی قطعیہ اتفاقیہ سے آپ کے دل میں مستحکم تھا جس کو آپ نے کمال وضاحت سے بیان کیا اور اب اس کا خلاف ایک ایسے خیال سے کیا جس کا ان احادیث پر عرض کرنا اور درصورت اختلاف اس خیال کو غلط سمجھنا آپ کو واجب تھا اور اگر اب وہ اعتقاد آپ کے نزدیک سنن مشہورہ بنی اسرائیل یا الہام کی غلط تاویل کی نظیر ہو گیا تھا تو آپ پر اس امر کا اظہار واجب تھا اور اس مضمون کا اشتہار عین فرض کہ براہین کے ص ۴۹۸، ۴۹۹ میں جو ہم نے حضرت مسیح علیہ السلام کا دنیا میں دوبارہ آنا اور جسمانی نزول فرمانا

بیان کیا ہے۔ وہ مطلب الہام کو غلط سمجھنے یا اس وقت کے گمراہ مسلمانوں (جن کو آپ یہودیوں سے ملا چکے ہیں) (فتح اسلام ص۱۲،۱۴،۱۵، خزائن ج۳ص۹) کی تقلید سے تھا۔ اب ہم کو خدا کی طرف سے یہ الہام ہوا ہے کہ اس نزول جسمانی سے روحانی نزول مراد ہے اور ابن مریم سے غلام احمد بن غلام مرتضیٰ مراد ہے اور یہ ہرگز جائز نہ تھا۔ جیسا کہ آپ نے اپنے ایک خط میں مجھے صاف لکھا ہے اور فتح اسلام میں بھی جتایا ہے کہ جو کچھ ہم نے اب دعویٰ کیا ہے یہ بلا کمی وبیشی براہین احمدیہ میں موجود ہے۔ میرے عزیز دوست آپ مضمون براہین احمدیہ اور اس نئے دعویٰ دونوں کو سچا کرنا چاہتے ہیں اور ناسخ ومنسوخ دونوں کو تسلیم کراتے ہیں جو کمال درجے کا مغالطہ ہے۔ جس سے ادنیٰ منصف کو احتراز واجب ہے۔ چہ جائیکہ آپ جیسا ملہم ہو۔ اب بھی وقت ہے اپنے سابق عقیدے کی غلطی یا منسوخیت کا اشتہار دیں ورنہ لوگ آپ کو مضمون براہین احمدیہ سے الزام دیں گے۔

۵...... روحانی طور پر آپ کے مسیح یا مثیل ہونے (جس کا بیان ص۴۹۸ وغیرہ میں براہین احمدیہ کے ہے) کے امکان پر میرا سکوت کیا۔ اس کا صریح اقرار اشاعۃ السنۃ نمبر۷ ج۷ میں بصفحہ ۱۹ موجود ہے۔ مگر اس سکوت یا اقرار سے آپ کے جدید دعوے کو کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ پھر آپ کس خیال سے بار بار میرے کلام کا حوالہ دیتے ہیں اور رسالہ ازالۃ الاوہام میں اس کو نقل کرنے کا ذکر فرماتے ہیں۔

میرے پیارے دوست! میرے مضمون ریویو کا ایک حرف آپ کے اس دعویٰ جدید کا مصدق نہیں ہے۔ نہ آپ نے براہین احمدیہ میں یہ دعویٰ صراحۃً یا اشارۃً کیا۔ نہ میں نے اس کی تصدیق وتائید میں کوئی کلمہ لکھا۔ آپ سخت غلطی کریں گے۔ اگر میری عبارت ریویو سے اس جدید دعویٰ کے اثبات کے درپے ہوں گے۔ میں کیونکر آپ کے اس دعویٰ پر اگروہ ہوتا سکوت کر سکتا تھا۔ جس حالت میں آپ خود اس کی تکذیب کر چکے ہیں اور (براہین احمدیہ ص۴۹۸، خزائن ج۱ص۵۹۳ حاشیہ) میں اس کے برخلاف یہ تصریح کر چکے ہیں۔ ’’یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیش گوئی ہے اور جس غلبہ کاملہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے۔ وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ ظہور میں آئے گا اور جب مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق اور اقطار میں پھیل جائے گا۔ لیکن اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ خاکسار اپنی غربت[۳۸] اور انکسار اور توکل اور ایثار اور

آیات اور انوار کے رو سے مسیح کی پہلی زندگانی کا نمونہ ہے اور اس عاجز کی اور مسیح کی فطرت باہم نہایت ہی متشابہ واقع ہوئی ہے۔ گویا ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے یا ایک ہی درخت کے دو پھل ہیں اور بحدے اتحاد ہے کہ نظر کشفی میں نہایت ہی باریک امتیاز ہے اور نیز ظاہری طور پر بھی ایک مشابہت ہے اور وہ یوں کہ مسیح ایک کامل اور عظیم الشان نبی یعنی موسیٰ کا تابع اور خادم دین تھا اور اس کی انجیل، توریت کی فرع ہے اور یہ عاجز بھی اس جلیل الشان نبی کے احقر خادمین میں سے ہے کہ جو سید الرسل اور سب رسولوں کا سرتاج ہے۔ اگر وہ حامد ہیں تو وہ احمد ہے اور اگر وہ محمود ہیں تو وہ محمد ﷺ۔ سو چونکہ اس عاجز کو حضرت مسیح سے مشابہت تامہ ہے۔ اس لئے خداوند کریم نے مسیح کی پیش گوئی میں ابتداء سے اس عاجز کو بھی شریک کر رکھا ہے۔ یعنی حضرت مسیح پیش گوئی متذکرہ بالا کا ظاہری اور جسمانی طور پر مصداق ہے اور یہ عاجز روحانی اور معقولی طور پر اس کا مورد ہے۔'' اس عبارت کے سیاق سے اور اس کے ان الفاظ سے کہ: ''اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے۔'' یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ آپ نے اس مقام میں کہا ہے وہ الہام سے کہا ہے۔ صرف یہودیوں (بزعم جناب مسلمانوں) کی تقلید سے نہیں کہا۔ بناءً علیہ یہ جدید الہام اس الہام قدیم کے مخالف ہے۔ مگر شاید اس میں آپ یہ عذر کریں کہ الہام کی عبارت ایک حد تک ختم ہو چکی ہے اور اس کی آخری عبارت جس میں مسیح کے جسمانی مصداق ہونے کا بیان ہے۔ غیر الہامی ہے۔ لہٰذا میں اس عبارت کو الہامی ٹھہرا کر تناقض کا الزام نہیں دیتا۔ صرف یہی چاہتا ہوں کہ آپ مضمون عبارت مذکورہ کے غلط ہونے کا اشتہار دیں اور اس مضمون اور مضمون الہام جدید کو ایک نہ کہیں۔

۶...... مولوی نورالدین صاحب کے خط کی نسبت آپ نے اب تک رائے ظاہر نہیں کی۔ میں پھر اس کا مطالبہ[۳۹] کرتا ہوں۔

۷...... فتح اسلام اور توضیح المرام دونوں منگائے گئے تھے آپ نے ارسال نہیں کئے۔

والسلام مع الاکرام! آپ کا ناصح مشفق: ابوسعید محمد حسین

اس خط کے جواب میں ۲۹؍مارچ ۱۸۹۱ء کو لدھیانہ سے ایک خط پہنچا جو نہ تو مرزاقادیانی کے قلم کا لکھا ہوا تھا اور نہ اس پر مرزاقادیانی کا دستخط ثبت تھا اور اس کے ساتھ مرزاقادیانی کا وہ اشتہار پہنچا جو ۲۶؍مارچ ۱۸۹۱ء کو انہوں نے شائع کیا تھا۔ ہم نے اس خط کو اس پر یادداشت ذیل لکھ کر واپس کیا۔'' اس خط پر مرزاغلام احمد قادیانی کا دستخط نہیں ہے۔

لہٰذا واپس ہے وہ اس پر توجہ دلانا چاہتے ہیں تو اس پر دستخط کر کے واپس کریں۔‘‘

آج یکم/اپریل (۱۸۹۱ء) کو اس خط کی نقل واپس آئی ہے جس پر مرزاقادیانی کے قلم سے یہ عبارت ثبت ہے۔’’السلام علیکم! اس عاجز کی منشاء کے موافق ہے۔ خاکسار غلام احمد ۲۱/مارچ ۱۸۹۱ء‘‘ جس سے صاف ثابت ہے کہ اس خط کا راقم کوئی اور شخص ہے۔ مرزاقادیانی صرف اس کے مصدق وموافق ہیں۔ لہٰذا ہم اس خط کو اپنے رسالہ میں جگہ نہیں دیتے اور اس کے راقم کو (جس کو ہم پہچان گئے ہیں اور اس کے غیرمہذب اور بے ادب ہونے کے سبب جس کا ثبوت عنقریب اس کی ایک تحریر سے ناظرین کو ملے گا) اپنا مخاطب بنانا پسند نہیں کرتے۔ ہاں! اس خط کے مضمون کا جس کے مرزاقادیانی مصدق ہیں جواب دینا ہمارا فرض ہے۔ سو ذیل میں معروض ہے۔

اس خط میں ہمارے خط نمبر۱۲۰ کی کسی بات کا جواب نہیں ہے۔ صرف اسی پرانے دعویٰ کا اعادہ ہے کہ پرائیویٹ گفتگو میں کچھ فائدہ نہیں۔ لہٰذا ہم جلسہ عام میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں جس کو آپ نے اشتہار ۲۶/مارچ ۱۸۹۱ء میں طعن وطنز سب وشتم سے مجلی ومزین کر کے ادا فرمایا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس خط اور اس اشتہار سے آپ نے دوستانہ اور برادرانہ تعلقات کو قطع کر دیا ہے اور مخاصمانہ مباحثہ کی بناء کو قائم ومستحکم کر دیا۔ لہٰذا ہم بھی آپ سے دوستانہ وبرادرانہ بحث بلکہ پرائیویٹ ملاقات تک نہیں چاہتے اور مخاصمانہ مباحثہ کے لئے حاضر ومستعد ہیں۔ آپ جس دن اور جس مقام مباحثہ کرنا چاہیں ہم حاضر ہیں۔

ہماں میداں ہماں چوگاں ہماں گو

انعقاد مجلس عام کا انتظام آپ کے ذمہ ہے۔ کیونکہ پہلے آپ ہی اس کے مدعی بنے ہیں اور بعد تقرری تاریخ ومقام وحسن انتظام حاضر ہونا ہمارے ذمہ۔ آپ جانتے ہیں کہ ماہ اپریل ۱۸۹۱ء میں ہمارا عزم سفر تھا۔ اسی مباحثہ کے شوق سے ہم نے اس عزم کو فسخ کیا ہے۔ اب ماہ اپریل کو بھی آپ نے ٹلایا۔ (جیسا کہ ۸/مارچ پھر ۲۳/مارچ کو مقرر کر کے ٹلایا اور اس کا ایفا واہتمام نہ کیا تھا) تو لوگ آپ کی طرف گریز کو منسوب کریں گے اور صاف کہیں گے کہ آپ جلسہ عام کے حیلے وبہانہ سے مباحثہ کو ٹلاتے ہیں۔ یہ اصل مدعا کا جواب ہے۔ رہا جواب سب وشتم وطعن وطنز سو ہماری طرف سے یہ ہی ہے اور ان شاءاللہ! آئندہ بھی ہمیشہ بھی رہے گا۔

بدم گفتنی و خور سندم عفاک اللہ نکو گفتی جواب تلخ مے زیبد لب لعل شکر خارا

یہ بدگوئی آپ جیسے مسیح ثانی۔ الہامیوں کے لئے سزاوار ہے اور نورانی روحانی اشخاص کے اپنے بھائیوں سے ایسے ہی اخلاق ہونے چاہئیں۔ آپ اپنے خط نمبر۴ اور باقی خطوط کے فقرات زیر نشان کو ملاحظہ فرمائیں اور اپنے گریبان میں منہ ڈال کر انصاف سے کہیں کہ آپ کے الفاظ اشتہار کی نسبت آپ کے وہ خطوط وفقرات کیا کہہ رہے ہیں۔ اسی غرض سے ہم نے ان فقرات پر نوٹ لگائے تھے۔ آپ نے ہم پر احسان کیا کہ ہمارے نوٹوں کی طرف ناظرین کو توجہ کرنے کا جلد موقع دیا اور ہمارے حاشیہ نمبر اص۳۸۲ کو بخوبی تصدیق کیا۔ ان الفاظ کی تحریر سے آپ نے ایک احسان ہم پر یہ کیا کہ ہماری ۱۹۸۷ء کے بعد کی رہی سہی حسن ظنی کو خیر باد کہلایا اور اس امکانی تصدیق کو جو ریویو براہین احمدیہ میں ہو چکی تھی اور وہ آپ کے جدیدہ الہامات کی نسبت رائے ظاہر کرنے سے مانع تھی۔ آپ نے اٹھادیا۔ لہٰذا ہم کو اس بدگوئی کے مقابلہ میں شکریہ واجب ہے، نہ اس کی جوابدہی ترکی بہ ترکی۔ اس جواب کے لئے اور بہت لوگ ہیں اور مصرع

کلوخ انداز را پاداش سنگ ست

پر عمل کرنے کو مستعد۔ بہتر ہے کہ آپ اس عادت کو جو ابتدائے زمانہ تالیف براہین احمدیہ سے آپ نے اختیار کر رکھی ہے، چھوڑ دیں اور اس شعر کو ہمیشہ پیش نظر رکھا کریں۔

دہن خویش بدشنام میالا صائب کیں زرقلب بہر کس کہ دہی باز آید

(اشاعۃ السنہ ج ۱۲ ش ۱۲ ص ۳۵۳ تا ۳۸۸)

تتمہ جواب اشتہار ۲۶/ مارچ ۱۸۹۱ء

اس اشتہار میں جو آپ (مرزاغلام احمد خیالی مسیح) نے لکھا ہے کہ توضیح المرام کے اخیر میں نصیحۃً لکھا بھی گیا تھا کہ جب تک تینوں رسالوں (فتح اسلام، توضیح المرام، ازالہ اوہام) کو دیکھ نہ لیں کوئی رائے ظاہر نہ کریں۔ مگر وہ (علماء معترضین) آخر تک صبر نہ کر سکے۔

یہ عجیب مغالطہ ہے جو مصرع

چہ دلاورست دزدی کہ بکف چراغ دارد

کا مصداق ہے۔ آپؐ خیالات ومقالات نیچریہ وفلاسفہ ونصاریٰ کا علیٰ رؤس الاشہاد اشتہار کریں اور ان کو اردو زبان میں چھاپ کر ملکوں میں پھیلا دیں اور پھر علماء وقت

سے یہ درخواست کریں کہ وہ اس پر کچھ نہ بولیں اور اپنے ایمانی فرض انکار وتغیر منکر کے تارک رہیں اور آپ کے پاس خاطر سے آگ کی لگام اپنے منہ چڑھالیں اور اس احمق بافندہ کی نظیر بن جائیں جس نے ایک چالاک چور پکڑا تھا۔ اس چالاک نے اسے کہا کہ چھوڑ دے میرا پھوڑا دکھتا ہے تو اس سادہ لوح بافندہ نے اس کو چھوڑ دیا اور وہ شاطر رفو چکر ہوا۔

حضرت مرزاصاحب اسی قسم کے مغالطات کے ذریعہ آپ نے غیراقوام سے اپنا الّو سیدھا کیا ہے۔ مسلمان اوران کے حق گوعلماء ایسے احمق نہیں ہیں کہ وہ آپ کے دھوکہ میں آئیں اور آپ کے رسالہ ازالہ اوہام کے انتظار میں ان خیالات ومعاملات پر جن کو وہ کفر سمجھنے پر ساکت ہورہیں۔

مطالب فتح اور توضیح کا سمجھ میں آنا دلائل ازالہ اوہام پر موقوف تھا تو آپ نے ازالہ اوہام سے پہلے ان کو شائع کیوں کیا۔ دلیل اور مدعا کو اکٹھا مشتہر کیا ہوتا۔ کیا یہ بھی کسی منصف حق گو اور انصاف پژدہ کا دستور ہے کہ دعویٰ آج کرے اور اس کے دلائل اگلے سال یا چھٹے مہینے بیان کرے۔ ومعہذا اپنے معترض ومخالف سے یہ درخواست کرے کہ ایک سال یا چھ مہینے تک (جب تک وہ دلائل پیش نہ کرے) ساکت رہے۔

اس اشتہار میں جو آپ نے لکھا ہے کہ: ''اختصار اور حفظ اوقات کی غرض سے اپنے کل دلائل اوّل پرچہ میں ہی پیش کردیں اور اس عاجز کی طرف سے بھی صرف ایک ہی پرچہ اس کے جواب میں ہوگا اور وہی دونوں پرچے سوالات وجوابات حاضرین کو سنائے جائیں گے۔ (جس سے آپ کا مقصود یہ ہے کہ بجز ان دو پرچوں کے فریقین میں سے کوئی کچھ نہ کہے اور نہ ہی زبان پر کوئی حرف لائے اور ان دونوں ہی پرچوں کی تحریر سے مباحثہ ختم ہو اور معہذا پہلی تحریر آپ کے خصم کی ہو، دوسری آپ کی۔ چنانچہ خط نمبر۸ میں جو رسالہ نمبر۲ میں منقول ہے آپ نے اس مدعا کو خوب واضح ومشرح کرکے بیان کیا ہے)''

یہ ایک ایسا مغالطہ ہے کہ جس کی مخترع صرف آپ کی ذات ہے۔ آپ سے پہلے (ہمارے علم وگمان میں) یہ کسی مغالطہ دینے والے کو نہیں سوجھا۔ اسی قسم کے مغالطات آپ کی مدۃ العمر کی فتح مندی کے مدار ومناط ہیں۔

ہر شخص جس کو فہم وانصاف اور احقاق حق سے ادنیٰ تعلق ہو یہ بات بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ امور عظام میں منازعت واقع ہو اور بحث ومناظرہ سے ان کا تصفیہ منظور ہو تو وہ صرف

ایک سوال وجواب (یایوں کہئے کہ ایک تحریراوراس کے ایک جواب سے) ہرگز ہرگز انفصال پذیراور طے نہیں ہو سکتے۔ اس تحریر کو پیش کرنے والا خواہ وہ کیسا ہی اور یٹر (قوی التاثیر مقرر) وسیع النظر، مستدل اور معقول ومنقول کا فاضل اجل ہو اور وہ اپنی تحریر میں خواہ کیسے ہی پرزوردلائل سے لکھے اوراس میں دفع دخل مقدر کردے اور خصم کے دلائل کا کمال وسعت سے جواب دے مگر پھر بھی اس کی طاقت بشری علمی اور خوش تقریری سے یہ امر خارج ہے کہ دوسری تحریر پیش کرنے والے کو (جواس کا مخاصم ہو) اپنی تحریر میں کوئی غلط اور بیجا بات نہ لکھنے دے اور وہ اس تحریر (ثانی) میں ایسی کوئی بات نہ لکھ سکے جس سے پہلے تحریر کے قوی دلائل اور صحیح بیان میں نافہم وکم علم مناظرین کو دھوکا اور مغالطہ پیدا ہو سکے۔

کسی بشر سے (خواہ کیسا ہی عالم فاضل ومقرر ومؤثر ہو) یہ کیونکر ہوسکتا ہے جب کہ خداتعالیٰ نے (جو ہر امر ممکن پر قادر ہے اور وہ ہر شخص کے سینہ کی باتوں کو ماضیہ ہوں یا آیت خوب جانتا ہے اور جس سچائی کو چاہے لوگوں کے دلوں میں ڈال سکتا ہے اور جس مغالطہ سے چاہے ان کو بچا سکتا ہے) اپنے کلام پاک (قرآن مجید وغیرہ کتب) میں ایسا نہیں کیا کہ اپنی صادق وبے عیب کلام میں نادان اور کم فہم لوگوں کے دھوکا دینے اور شبہ ڈالنے کا امکان باقی نہ رکھا ہو۔

یہ ہوتا تو قرآن مجید پر کوئی مخالف اسلام کسی قسم کا اعتراض نہ کرتا اور بے انصافی اور عناد سے اس کی صحیح اور سچی باتوں میں تعارض وتناقض پیدا کر کے نادان اور نافہموں کو دھوکے میں نہ ڈالتا۔ اور کسی عالم خادم قرآن کو ان مغالطات کے جواب دینے کا موقع نہ ملتا۔ حالانکہ ہم صاف دیکھتے ہیں کہ ہزاروں ملحد اور اسلام کے مخالف قرآن کی بیسیوں باتوں پر بیجا اعتراض کرتے ہیں اور قرآن کے خادم دن رات ان کے اعتراضات کے جواب ورد کے درپے رہتے ہیں اور جس حالت میں خداوند عالم قادر مطلق نے (باوجود قدرت ووسعت) ایسا نہیں کیا کہ اپنی صرف ایک دفعہ کے کلام سے بے انصاف خصوم کی دہاں بندی کردی ہو اور خادمان قرآن کے لئے آعادہ کلام وتوضیح مرام کی خدمت باقی نہ چھوڑی ہو تو پھر کوئی بشر اپنی ایک ہی تقریر وتحریر میں ایسا کب کرسکتا ہے۔

اس سے کس وناکس کو بشرطیکہ فہم وانصاف رکھتا ہو یہ سمجھ میں آ سکتا ہے کہ جو شخص اظہار صواب واحقاق حق کے دعوے سے مباحثہ کرنا چاہے اور پھر اپنے خصم سے یہ شرط تسلیم

کرائے کہ پہلے وہ صرف ایک تحریر میں اپنا ثبوت پیش کرے۔ اس کے بعد یہ جواب تحریر کرے گا اور پھر اس کو ایک لفظ یا ایک حرف بولنے یا کہنے کی اجازت نہ دے گا۔ وہ درحقیقت احقاق حق واظہار صواب کے لئے مناظرہ ومباحثہ کرنا نہیں چاہتا اور اس دعوے میں وہ نیک نیت نہیں رکھتا، بلکہ وہ صرف مجادل اور مفاخر اور بدنیت ہے جو حاضرین وسامعین کو دھوکہ دے کر اپنا بول بالا کرنا اور اپنے خصم پر کوئی مغالطہ دے کر الزام قائم کرنا چاہتا ہے۔ وبس!

اس شخص کی حمایت میں اگر کوئی یہ عذر کرے کہ حضار مجلس کیا سبھی ایسے ہوں گے جو اس شخص کے دھوکہ میں آجائیں گے اور اگر ہوں بھی تو یہ دھوکے، اس تحریر کے اشتہار اور بعد مجلس اس کے مغالطہ کے اظہار سے رفع ہوسکتا ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی خاص مجلس کے سبھی لوگوں کا ایسا ہونا ممکن ہے کہ وہ اس تحریر کے مغالطات پر بلا اظہار واعلام غیر مطلع نہ ہوں۔ ممکن کیا بہت دفعہ ایسا واقع ہوچکا ہے۔ خصوصاً ان مجالس میں جس کی میجارٹی میں پارٹی فیلنگ ہو (یعنی اکثر ارکان کو اپنی جماعت کی رائے کی بے وجہ حمایت کا خیال ہو) رہا بعد مجلس بذریعہ تحریرات واخبارات اس مغالطہ کا اظہار واشتہار۔ سو اگرچہ ممکن ہے مگر یہ اس مجلس کے خیال شکست اور الزام خصم کو اٹھا نہیں سکتا۔ ایک مجلس میں سامعین کے دھوکہ کھا جانے کے سبب جو الزام خصم پر قائم ہوجاتا ہے وہ ''آمد قطرہ باران رسید'' کا مصداق بن جاتا ہے۔ جس کی پوری تلافی اور اصلاح عادۃً محال ہے۔

ولن یصلح العطار ما افسده الدهر

اور اگر وہی تحریرات خارج از مجلس مناظرہ اصلاح واحقاق حق کے لئے کافی ہیں تو پہلے انعقاد مجلس اور بالمشافہ تحریری مباحثہ کی کیا ضرورت ہے اور یہ کام جو آخر کار تحریر سے لینا پڑے پہلے ہی سے بذریعہ تحریر کیوں نہ لیا جائے۔ اس بیان سے ناظرین کو ثابت ہوگا کہ جو آپ نے جانبین سے ایک ایک تحریر ہونے اور پہلے تحریر اپنے خصم کی جانب سے وقوع پانے کی شرط لگائی ہے یہ کمال درجہ کا مغالطہ ہے اور محض بدنیتی پر مبنی ہے اور جو آپ فرماتے ہیں: ''میں کھول کر کہتا ہوں کہ میرا دعویٰ صرف مبنی بر الہام نہیں بلکہ سارا قرآن شریف اس کا مصدق ہے۔ تمام احادیث صحیحہ اس کی صحت کی شاہد عدل ہیں۔''

مرزاصاحب! آپ ایسا نہ کہیں تو آپ کی بات کون سنے۔ مگر ایسا کہنا ایک اور دلیرانہ اور بے باکانہ دھوکہ دینا ہے جس کو صدق وراستی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیا آپ الحمد

سے والناس تک ہرایک آیت سے اپنا مسیح موعود ہونا ثابت کر سکتے ہیں؟ اس دعویٰ میں آپ سچے ہیں تو پہلے قرآن کی پہلی سورۃ فاتحہ اور بخاری کی پہلی حدیث ’’انما الاعمال‘‘ سے یہ دعویٰ ثابت کریں۔ پھر دوسری آیات واحادیث کو دیکھا جائے گا اور اگر سارے قرآن اور تمام احادیث سے وہ بعض آیات واحادیث مراد ہیں جن سے آپ غلط فہمی سے متمسک ہوئے ہیں تو اس صورت میں ’’سارا قرآن‘‘ اور ’’تمام احادیث‘‘ کے الفاظ کیا معنی رکھتے ہیں؟ کیا الہامی اور راست بازوں کی یہ شان ہے کہ ایسی اٹکل پچو باتیں کہہ دیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ اگر آپ لوگ جلسہ کے لئے تاریخ مقام مقرر کر کے ایک جلسہ عام میں مجھ سے تحریر نہ کریں گے تو آپ خداتعالیٰ کے نزدیک اور راست بازوں کی نظروں میں مخالف حق ٹھہریں گے۔

مرزاصاحب مباحثہ کے شائق اور پہلے مدعی آپ ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ تقرر اور انتظام مجلس آپ کا فرض ہے۔ معہذا ہم رسالہ نمبر۱۲ جلد۱۲ کے صفحہ ۳۸۸ میں چھاپ چکے ہیں کہ آپ جس دن اور جس مقام میں مباحثہ کرنا چاہیں ہم حاضر ہیں ۔

ہمان میدان ہمان چوگان ہمان گوئی

جو ایک عام تقرر ہے۔ اس کے بعد ہم بذریعہ تار آپ کو بلا چکے ہیں جس کے جواب میں آپ نے اس شرط کو پیش کیا جس کا بدنیتی اور فساد پر مبنی ہونا ابھی ثابت ہو چکا ہے۔ اس شرط کے ساتھ مباحثہ کا دعوے اور اقبال صریح انکار کے برابر ہے۔ اب فرمایئے خدا کے اور راست بازوں کی نظروں میں کون شخص مخالف حق ہے؟ اور مباحثہ سے گریز کرنے والا کون ہے؟ آپ کچھ نہ بولیں گے تو ناظرین اور سامعین خود انصاف کریں گے۔ زمانہ منصفین سے خالی نہیں ہے۔

یہ اس گفتگو کی نقل ہے جو ہم میں اور خیالی مسیح میں پہلے ہو چکی ہے۔ اب ہم وہ گفتگو نقل کرتے ہیں جو ہم میں اور خیالی مسیح کے ایک فرضی حواری میں ہوئی ہے۔ اس کے بعد وہ گفتگو نقل کریں گے جو خیالی مسیح سے دوبارہ ہوئی ہے۔ اس کے بعد اس سب گفتگو کے نتائج بیان کریں گے۔ جن سے ناظرین اور منصفین کو پورا یقین ہوگا کہ آپ کے اور آپ کے حواریوں کے سبھی دعاوی اور مقالات مغالطات پر مبنی ہیں نہ ان لوگوں کو حق سے تعلق ہے نہ اس کے اظہار سے غرض نہ مباحثہ سے کچھ واسطہ۔

فرضی حواری سے گفتگو

فرضی حواری سے ہمارے پرانے دوست مولوی حکیم نورالدین صاحب ساکن بھیرہ ضلع شاہپور مقیم وملازم ریاست جموں مراد ہیں۔ وہ اپنے احباب کے سامنے اپنے حواری ہونے کا دعویٰ کر چکے ہیں۔ ان کے اس ادّعاء پر ہم نے ان کو فرضی حواری کہا ہے۔ واقع میں وہ مرزاصاحب کے حواری (بمعنی ناصر) نہیں بلکہ بجائے نصرت ان کو ضرر پہنچا رہے ہیں۔

آپ کے نام ہم نے ایک خط لکھا تھا جس کی نقل ذیل میں معروض ہے۔

لاہور: مؤرخہ ۱۰رفروری ۱۸۹۱ء نمبر ۶۱

مجی مولوی نورالدین صاحب السلام علیکم

اس کارسپانڈنس[۴۵] کی نقل اس غرض سے آپ کے پاس بھیجی گئی ہے کہ آپ بھی کچھ کہنا چاہتے ہیں تو کہیں، میں مستعد ہوں کہ مرزاصاحب کے اس دعویٰ کی تغلیط کروں۔ آپ ہمیشہ اورلوگوں سے گفتگو کرتے ہیں۔ گرمیں نے ایک دفعہ مرزاصاحب کی بابت آپ کو کچھ کہا تو آپ ناخوش[۴۶] ہو گئے۔ اب بھی وہی حال ہے تو خیراوراگر ان کی بابت کچھ کہنے اور سننے کا حوصلہ ہے تو بہتر ہے لاہور میں تشریف لاویں اور ان کے معاملے میں گفتگو کریں۔ توضیح المرام اور ازالۃ الاوہام سے اس دعویٰ کی تصحیح نہ ہوگی۔ آپ سے کچھ ہوسکتا ہے تو کریں۔ ابھی وقت ہے۔ اب کی دفعہ لاہور میں میں آپ سے ملا تو جو کچھ آپ نے مجھ سے اور میں نے آپ سے ان[۴۷] کے باب میں کہا اس کو بعینہٖ یا اس کا مضمون نقل کریں۔ مجھے اس سے ایک مطلب نکالنا ہے۔ ابوسعید محمد حسین

اس خط کا جواب جو حکیم صاحب نے دیا وہ ذیل میں منقول ہے: ''رب اھدنی لما اختلف فیه من الحق باذنه[۴۸] انک تهدی من تشاء الٰی صراط مستقیم''

مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب والا کو خاکسار بہت مدت سے مرزاجی کے خلاف پر مستعد یقین کرتا ہے۔ جناب سورج کے سامنے نجوم کے شعاع کو کون دیکھتا ہے۔ ابھی مرزا زندہ ہیں۔ میں آپ کے دعاوی اور علم سے ناواقف نہیں[۴۹] اور یہ امر اب پبلک کے سامنے آگیا ہے۔ اب پرائیویٹ خط وکتابت کو بند کیجئے۔ میں لوگوں سے مباحثہ کروں۔ مجھے اختیار ہے۔ مجھے کچھ ضرورت نہیں کہ

میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر عقائد کی اصلاح کروں۔ اس سے زیادہ میں اس لئے نہیں لکھتا کہ میں آپ سے مایوس ۵ ہوں۔ نورالدین

اس خط کی تحریر سے حکیم نے تو مباحثہ کو ختم کیا اور یہ جان لیا تھا کہ چلو چھٹی ہوئی۔ اس بلا سے جان بچی۔ مگر خدا نے نہ چاہا کہ اس سے ان کو بچاوے اور ان کے انکار کا عجز پر مبنی ہونا چھپا رہنے دے۔ لہٰذا حق تعالیٰ نے حافظ محمد یوسف صاحب ضلع دارانہار کے دل میں اس خیال کا القاء کیا کہ جس طرح ہوسکے جانبین کو ایک جگہ جمع کریں اور ان کی باہم گفتگو کرادیں۔

پس پہلے تو حافظ صاحب بہمراہی منشی عبدالحق صاحب حکیم صاحب کے پاس جموں پہنچے۔ مگر وہاں سے واپس آئے تو مایوسی کے مظہر ہوئے۔ پھر جب حکیم صاحب بہ شمولیت راجگان جموں لاہور میں آئے تو اس وقت حافظ صاحب لاہور میں نہ تھے۔ اس وجہ سے حکیم صاحب ہمارے قابو میں نہ آئے۔ (ہر چند اور لوگوں کے ذریعہ ہم طالب مباحثہ ہوئے) اور حکیم صاحب اپنے مسیح کے پاس لدھیانہ جا پہنچے۔ ۱۲؍اپریل ۱۸۹۱ء کو مولوی فضل الدین صاحب ساکن گجرات لدھیانہ سے آکر خاکسار کو لاہور میں ملے تو مظہر ہوئے کہ آپ کے مقابلہ اور مباحثہ کے لئے مرزا کادیانی تیاری کر رہے ہیں۔ کل مولوی نورالدین اور ان کے ایک شاگرد کو (جس کی بدگوئی اور پھکڑ بازی کے سبب اس کا نام بھی ہم زبان پر لانا نہیں چاہتے) روانہ کریں گے۔ ۱۳؍اپریل ۱۸۹۱ء کو حافظ محمد یوسف صاحب بھی لاہور پہنچ گئے اور ادھر سے حکیم صاحب رونق افروز لاہور ہوکر منشی امیرالدین صاحب کے مکان پر فروکش ہوئے۔ رات کے دس بجے منشی امیرالدین کے بھائی حاجی محمد دین صاحب حافظ جی کا یہ پیام لائے کہ حکیم صاحب تشریف لے آئے ہیں۔ آپ صبح آویں اور حکیم صاحب سے گفتگو کریں۔ میں نے اس پیام کا جواب یہ دیا کہ میں گفتگو کے لئے تب آؤں گا جب حکیم صاحب کا دستخطی رقعہ متضمن درخواست مباحثہ پاؤں گا۔ کیونکہ حکیم صاحب اپنے خط میں گفتگو سے انکار کر چکے ہیں۔ لہٰذا اگر میں بلا درخواست ان کے پاس پہنچا تو وہ کہیں گے:''ہم تو مباحثہ سے انکار کر چکے ہیں پھر آپ کیوں آئے۔''

حاجی صاحب میرے جواب سے آشفتہ خاطر ہوئے اور یہ مضمون زبان پر لائے کہ آپ نہ آئیں گے تو وہ لوگ (مسیحائی پارٹی) ہم لوگوں کو (جو آپ کے ہم خیال ہیں) گریز کی طرف منسوب کریں گے اور اس بات کے مظہر ہوئے کہ حکیم صاحب اس مضمون کا

رقعہ نہ لکھیں گے۔ اس پر میں نے کہا کہ حکیم صاحب نہ لکھیں تو یہ بات حافظ صاحب تحریر کر کے میرے پاس بھیج دیں کہ حکیم صاحب آپ کے نام رقعہ لکھنے سے انکار کرتے ہیں۔ مگر ہم لوگ آپ کو ان سے گفتگو کے لئے بلاتے ہیں۔ یہ جواب لے کر حاجی صاحب خفگی کے ساتھ واپس ہوئے اور تھوڑی دیر کے بعد میاں رجب دین صاحب کو (جو ایسے مشکلات کے وقت وکیل بنائے جایا کرتے ہیں) لے کر میرے پاس آئے اور حافظ جی کا وہی پیام لائے۔ میں نے اس کے جواب میں پھر وہی بات کہی۔ مگر میاں رجب دین صاحب نے میرے اس جواب کی مخالفت میں بہت زور دیا اور یہ کہا کہ اگر آپ نہ آئے تو ہم لوگوں پر گریز کا الزام قائم ہو جائے گا اور جب خط کا ذکر آیا تو انہوں نے ایک خط بھی حافظ صاحب کا جیب سے نکال کر پیش کیا۔ (جس کا مضمون غالباً وہی تھا جو مرزا صاحب کے وکیل اڈیٹر پنجاب گزٹ نے اپنے پرچہ ۲۵ راپریل ۱۸۹۱ء میں مشتہر کیا ہے) مگر چونکہ اس خط کا مضمون وہ نہ تھا جو میرا مطلوب تھا بلکہ وہ مضمون مطلوب اور قاصدوں کی زبانی پیام کے مخالف تھا۔ لہٰذا میں نے اس خط کو پڑھ کر واپس کیا اور اس کے ساتھ خوش طبعی سے یہ بھی کہا کہ اس خط کو آپ یا حافظ صاحب شہد لگا کر چاٹ لیں۔ اس پر بھی میاں رجب دین صاحب نے اپنی بات پر اصرار نہ چھوڑا۔ آخر میں نے ان کے اصرار پر صبح کو حاضر مجلس ہونا قبول کیا۔ صبح کو پھر میاں رجب دین صاحب اور ان کے بعد محمد چٹو صاحب میرے بلانے کو آئے۔ میں ان کے ہمراہ صبح کے ساڑھے چھ بجے منشی امیر دین صاحب کے مکان پر پہنچا تو وہاں بڑا مجمع پایا جو میرے پہنچنے کے بعد اور زیادہ ہوگیا تھا۔ اس مجمع کے ارکان (سابق اور لاحق) سے خصوصیت کے ساتھ لائق ذکر یہ اصحاب واحباب ہیں۔ جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب خلف الرشید مولوی محمد بن بارک اللہ ساکن لکھوکے (جن کا ذکر مرزا صاحب کے خط نمبری ۵ میں ہے) جناب مولوی محمد عبداللہ صاحب پروفیسر عربی کالج لاہور، جناب سید فقیر جمال الدین رئیس وآنریری اسسٹنٹ کمشنر لاہور، جناب شیخ خدابخش صاحب جج عدالت خفیفہ لاہور، مولوی عبدالعزیز صاحب رکن انجمن حمایت اسلام وملازم سررشتہ تعلیم پنجاب۔ ایسے ہی بعض اصحاب لائق ذکر اور تھے مگر ان میں اسلامی اور حقانی جوش ایسا نہیں ہے کہ وہ مسیحائی پارٹی کا لحاظ نہ کریں اور شہادت میں دیں۔

خاکسار مجلس میں پہنچا تو بعد سلام ومزاج پرسی حضار سب سے پہلے جو کلمہ زبان پر لایا وہ یہ تھا کہ: ’’حافظ صاحب آپ نے جو مجھے بلایا ہے تو کس غرض سے بلایا ہے؟‘‘ حافظ

صاحب نے فرمایا کہ: ’’اس غرض سے بلایا ہے کہ آپ مرزا صاحب کے متعلق حکیم صاحب سے گفتگو کریں۔‘‘ اس کلمہ کے (یا جو اس کے معنے میں ہو) سواء حافظ صاحب نے اس وقت ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالا۔ نہ مجھے کچھ کہا نہ حکیم صاحب سے۔ پھر خاکسار نے حکیم صاحب سے مخاطب ہوکر کہا کہ میں نے مولوی فضل الدین صاحب کی زبانی سنا ہے کہ آپ لدھیانہ مجھ سے مباحثہ کرنے کو تشریف لائے ہیں۔ حکیم صاحب نے کہا کہ یہ بات غلط[۵۱] ہے۔ مگر میں حافظ محمد یوسف کے حکم میں ہوں۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں تو اب میں گفتگو کو حاضر ہوں۔ پھر خاکسار نے کہا کہ میں قبل از بحث مقصود چند اصول آپ سے تسلیم کرانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ بحث سے پہلے اصول طے ہو جائیں گے تو اثناء بحث میں دلائل کے ردو قبول میں اختلاف نہ ہوگا۔ انہی اصول موضوعہ ومسلمہ کو دلائل میں پیش کیا جائے گا۔ حکیم صاحب نے اس امر کو منظور کیا اور حسب تفصیل ذیل سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوگیا[۵۲]۔

خاکسار: (۱) کتاب اللہ وسنت اتفاقی حجج شرعیہ[۵۳] ہیں۔

حکیم صاحب: مسلم ہے۔

خاکسار: (۲) سنت سے وہ اقوال وافعال (لائق[۵۴] اقتدا) وتقریرات[۵۵] نبویہ مراد ہیں۔ جو کتب حدیث میں مروی ہیں۔

حکیم صاحب: مسلم ہے۔

خاکسار: (۳) کتب حدیث سے صحیحین بلاوقفہ ونظر سنت نبویہ کی مثبت وشاہد ہیں۔

حکیم صاحب: صحیحین کو میں بہت معتبر سمجھتا ہوں۔ بخاری کو اقدم جانتا ہوں۔

خاکسار: (۴) اس تفاوت اور تقدیم مرتبہ بخاری کا اثر یہی ہوگا کہ عندالتعارض بخاری کی حدیث مقدم ہوگی اور جو حدیث مسلم کی بخاری کے معارض نہ ہو وہ بھی بخاری کی طرح بلاوقفہ تسلیم کی جاوے گی۔

حکیم صاحب: مسلم ہے۔

خاکسار: (۵) ان دو کتابوں میں جرح مدفوع[۵۶] ہے اور ان کتابوں کی کسی کتاب کی حدیث کی توہین یا رذائل بدعت کی شان ہے۔

حکیم صاحب: مسلم ہے۔

خاکسار: (۶) آپ اپنی رائے سے جرح وتعدیل احادیث غیر صحیحین کا منصب رکھتے ہیں۔

حکیم صاحب: نہیں۔

خاکسار: (۷) حدیث کی روایت اور راوی کی رائے میں فرق[۵۷] ظاہر ہے۔

حکیم صاحب: مسلم۔

خاکسار: (۸) الفاظ کتاب اللہ اور حدیث کو ظاہر معنی پر حمل کرنا واجب ہے اور ان کے تاویل بلا مانع قوی اور حجت قطعی جائز نہیں۔ کیونکہ یہ تاویل لغت اور شرع سے امان کے رافع ہے[۵۸]۔

حکیم صاحب: رسول اللہ کے اقوال اور قرآن شریف کے کلمات طیبات ایسے معاملات ہیں جو عملی طور پر رسول اللہ نے ان کو کر کے دکھا دیا ہے یا صحابہ کے زمانہ میں بلا انکار انہوں نے عمل میں لا کر دکھا دیا ہے۔ ان کے وہی معنی ہیں جو تعامل سے ثابت ہوئے[۵۹]۔ باقی پیش گوئیوں یا اخبار میں ایسا کوئی مجازی استعارہ لینا قوی دلیل سے ممکن ہے۔

خاکسار: آپ کی تقریر سے یہ سمجھ میں آیا کہ جن الفاظ نبوی یا کلمات قرآنی کے معنی عمل نبوی سے مفہوم نہ ہوئے ہوں ان الفاظ کے معنی لغوی میں تاویل جائز ہے۔ اگر دلیل قوی ہو اس کا لازم یہ ہے کہ اگر اس تاویل پر کوئی دلیل نہ ہو تو وہ تاویل بھی ویسی ہی ناجائز ہے۔ جیسے کہ عملی معنوں میں تاویل ناجائز ہے۔

حکیم صاحب: بہرحال یہ میرا مسلم ہے۔

خاکسار: (۹) حقیقت مجاز سے مقدم ہے اور حقیقت کی علامات یہ ہیں: (۱) معنی کا متبادر[۶۰] ہونا۔ (۲) ایک امر جائز پر اس لفظ کا اطلاق۔ (۳) اس کے نفی کی عدم صحت۔

علامات مجاز اس کے مخالف یہ ہیں: (۱) قرینہ کا وجود۔ (۲) امر محال پر لفظ کا اطلاق۔ (۳) نفی کی صحت۔

حکیم صاحب: مجھے کچھ معلوم نہیں کہ مولوی صاحب نے یہ اصطلاح سلف صالحین سے کہاں[۶۱] سے لی ہے۔

خاکسار: میں لفظی بحث کو ترک کر کے صرف اس کہنے پر اکتفاء کرتا ہوں کہ آپ نے پچھلے جواب میں تسلیم کیا ہے کہ لفظ کے ایسے معنی جس کو استعارہ کہا جاتا ہے قوی دلیل سے لئے جائیں گے۔ بلا دلیل ایسے معنی نہ لئے جائیں گے۔ پس میں انہی معنی کو مجاز کہتا ہوں جن کو آپ نے استعارہ کہا ہے اور آپ کے جواب سابق سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کوئی استعارہ بلا دلیل قوی کسی لفظ سے مراد نہ ٹھہرائیں گے۔ میرے لئے یہی تسلیم آپ کی کافی

ہے۔اس معنی کو آپ مجاز کہیں یا نہ کہیں۔

حکیم صاحب: نے اس کے جواب میں کوئی عذر وانکار پیش نہیں کیا اور سکوت سے اس کو تسلیم فرمایا۔

خاکسار: (۱۰) محال اور مجہول الکنہ میں فرق ہے۔ اوّل کی تسلیم جائز نہیں۔ دوسرے کی جائز ہے۔

حکیم صاحب: مسلم ہے۔

خاکسار: (۱۱) عادت کا خلاف جائز ہے۔ بناءً علیہ معجزات انبیاء وکرامات اولیاء جو عام عادت کے برخلاف معلوم ہوتے ہیں واجب التسلیم ہیں۔ اگر انکار ثبوت ہو۔

حکیم صاحب: یہی ایک خاص[۶۲] عادت اللہ ہے۔

خاکسار: (۱۲) قانون قدرت جس کو بعض لوگ خدا کا قانون بنائے بیٹھے ہیں واقع میں خدا کی قدرت کا قانون ومعیار نہیں ہے۔

حکیم صاحب: ہاں[۶۳]! انسان کے محدود تجربے اور مشاہدے قانون قدرت پر حاوی نہیں ہوسکتے۔

خاکسار: (۱۳) آپ آنحضرت ﷺ کے معراج جسمانی کو تسلیم کرتے ہیں یا نہیں۔

حکیم صاحب: میں نے اس مسئلہ میں[۶۴] غور نہیں کیا کہ جسدی ہے یا روحانی۔ نفس معراج کا اقرار ہے۔

خاکسار: (۱۴) غیر نبی کا الہام دوسرے شخص پر حجت شرعی ہے یا نہیں۔

حکیم صاحب: غیر نبی کا الہام نبی کے صریح حکم کے خلاف ہو تو حجت نہیں اور اگر کسی ایسے معاملہ میں ہو کہ اس میں صریح حکم نبی کا خلاف نہیں ہے تو ممکن[۶۵] ہے کہ کسی کے لئے حجت ہو۔ مگر حجت شرعی نہیں۔

خاکسار: (۱۵) صحابی کی ایسی تفسیر آیات قرآن جس کے معنی سمجھنے میں محض رائے کا دخل نہ ہو۔ حکماً مرفوع ہے یا نہیں۔

حکیم صاحب: صحابی کی ایسی تفسیر کوئی حکماً حجت[۶۶] نہیں۔

خاکسار: (۱۶) درصورت عدم حجیت وہ دوسروں کی تفسیر بالرائے سے مقدم ہے یا نہیں۔

حکیم صاحب: صحابی کی تفسیر کو مقدم کرنا کوئی ضرورت نہیں۔

خاکسار: (۱۷) نبوت ختم ہوچکی ہے یا نہیں۔

حکیم صاحب: نبوت تشریعی ختم ہوچکی ہے۔ کوئی شخص شرع جدید نہیں لاسکتا۔

خاکسار: (۱۸) کوئی جدید نبی ہوسکتا ہے جو تشریع جدید نہ کرے۔ شرع محمدی کے تابع ہو اور نبی کہلائے۔ جیسے انبیاء بنی اسرائیل توریت کا اتباع کرتے تھے اور نبی کہلاتے تھے۔

حکیم صاحب: کوئی بعید[۶۷] نہیں۔ ہو۔

خاکسار: (۱۹) آیت: ''خاتم النبیین'' نبوت کو ختم کرتی ہے۔ آپ نبی جدید کی تجویز پر کیا دلیل رکھتے ہیں؟

حکیم صاحب: ''خاتم النبیین'' کی آیت تشریعی انبیاء کی ختم کی دلیل ہے۔ نبی بلاتشریع کے وجود کی مانع نہیں ہے۔ ایسے نبی کے دلائل میں اس وقت پیش نہیں کرتا۔[۶۸]

خاکسار: (۲۰) لفظ عیسیٰ بن مریم اور دجال کے اصلی معنی (جس کی تاویل محتاج دلیل ہو) آنحضرتﷺ اور صحابہ وتابعین کے زمانہ میں اس وقت تک کیا سمجھے گئے۔

حکیم صاحب: مجھے تمام لوگوں کے کل اقوال کی خبر نہیں۔

خاکسار: (۲۱) میں نے نہ تمام لوگوں کے اقوال پوچھے ہیں، نہ کل اقوال جن لوگوں کے اقوال پر آپ کو اطلاع ہے۔ ان کا کیا خیال تھا۔

حکیم صاحب: ابن مریم سے قرآن میں عیسیٰ نبی اﷲ اسرائیلی مراد ہے اور دجال کی نسبت مختلف خیال ہیں۔ ابن صیاد کو حضرت عمرؓ[۶۹] دجال سمجھتے اور اس پر قسم کھاتے تھے۔

خاکسار: (۲۲) احادیث نبویہ میں جو ابن مریم کا لفظ وارد ہے اس کے معنی صحابہ وتابعین وغیرہ مسلمین نے جہاں تک آپ کو علم ہے کیا سمجھے ہیں اور دجال کی نسبت جو آپ نے اختلاف بیان کیا ہے اس کی ایک شق آپ نے بیان کی ہے، دوسری نہیں کی۔ اب بیان فرمادیں کہ سوائے ابن صیاد کے بھی صحابہ وتابعین نے کسی کو دجال سمجھا ہے۔

حکیم صاحب: مجھے یاد نہیں کہ سوائے ابن صیاد کے کسی کو دجال کہا گیا ہو اور ابن مریم کے ساتھ کسی نے جہاں تک مجھے یاد ہے اسرائیلی کی قید نہیں لگائی۔

خاکسار: (۲۳) آنحضرتﷺ کے وقت میں ابن مریم کا لفظ قرآن میں اور پھر آنحضرت کے کلام میں اور عام لوگوں کے کلام میں جب کبھی بولا جاتا تھا تو اس لفظ کے اصل معنی کیا سمجھے جاتے تھے آیا وہی حضرت عیسیٰ ابن مریم اسرائیلی یا کوئی اور معنی بھی کسی کے خیال میں آئے تھے؟

حکیم صاحب: قرآن شریف میں جہاں ابن مریم آیا ہے وہاں تو وہی عیسیٰ ابن مریم سمجھے جاتے تھے اوراحادیث میں جوابن مریم بولا گیا تھااس کی تصریح صحابہ کی جانب سے میں نے نہیں دیکھے کہ آیا وہ اس کومثیل ابن مریم سمجھتے تھے یاواقعی نبی اللہ بنی اسرائیل مراد لیتے تھے۔
خاکسار: (۲۴) آٹھویں اصول میں آپ تسلیم کرچکے ہیں کہ احادیث اورقرآن کے اصلی معنی......

جواب نمبری۲۴: اس حد تک پہنچا تھا کہ حکیم صاحب مجلس سے رخصت کے خواستگار ہوئے۔اس وقت جناب مولوی محمدعبداللہ صاحب پروفیسر عربی کالج لاہور نے فرمایا کہ ان اصول وسوالات وجوابات پر فریقین کے دستخط ثبت ہونے چاہئیں۔ وبناءً علیہ وہ اصول وسوالات وجوابات اس مجلس میں اوّل سے آخر تک لفظ بلفظ پڑھے گئے۔پھرحکیم صاحب نے اس کو اپنے ہاتھ میں لے کر ملاحظہ فرما کرتسلیم کیا اور پہلے ان پر اپنا دستخط ثبت کرنا چاہا مگر پھر فرمایا کہ یہ دوسرے کاغذ پر صاف ہو جائیں گے تو ان پر دستخط کروں گا اور یہ کہہ کر آپ مجلس سے کھڑے ہوگئے اور دوسری جگہ کھانا کھا کر اپنے آقا راجہ صاحب کے پاس چلے گئے۔ان کے بعد اکثر ارکان مجلس اپنے اپنے مکانات کوتشریف لے گئے۔صرف خاکسار اور جناب مولوی محمدعبداللہ صاحب اور چند دیگر احباب تقریباً ایک گھنٹہ تک وہاں ٹھہرے اوران اصول وسوالات وجوابات کی دونقلیں کرا کے اصل سے ان کا مقابلہ کرتے رہے۔اس کے بعد ہم بھی وہاں سے مرخص ہوئے اوران دونقلوں میں سے ایک نقل پر خاکسار نے اپنے دستخط ثبت کر کے حکیم صاحب کے دستخط ثبت کرانے کی غرض سے اس کو حافظ جی کے سپرد کیا اور یہ کہہ دیا کہ جس وقت حکیم صاحب واپس آئیں اورمباحثہ پورا کرنا چاہیں اس وقت آپ ہم لوگوں کو بھی طلب کریں۔

تھوڑی دیر کے بعد حکیم صاحب اس مکان میں واپس آگئے تو آپ نے اس صاف شدہ نقل کو ملاحظہ فرمایا اورمطابق اصل پاکر اس پر دستخط کرنا چاہا۔مگر بیان کیا جاتا ہے کہ حافظ محمد یوسف صاحب نے ان کو دستخط کرنے سے روک دیا۔جس کی وجہ ہم عنقریب بیان کریں گے۔ان شاء اللہ تعالیٰ!

اس نقل میں حکیم صاحب نے اس قدر اضافہ کرنا چاہا کہ جواب نمبری (۱۸یا۱۹) میں کہیں پرحدیث:’’علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل‘‘ کو درج کیا جائے جس کو

حافظ صاحب نے منظور کرلیا اور دوسرے دن کا غذ واپس دینے کے وقت اس کی تعمیل کے لئے مجھے مامور کیا۔ خاکسار اس وجہ سے جو حاشیہ میں عرض کر چکا ہے، اس کو قبول نہ کرسکا۔ اس دن بارہ بجے دن سے رات کے چار بجے تک حکیم صاحب لاہور میں رہے اور اپنے پیر کے بعض نئے حواریوں کو (جن میں حافظ محمد یوسف صاحب ومنشی الٰہی بخش صاحب شامل وحاضر نہ تھے) حضرت مسیح علیہ السلام کے سولی پر چڑھائے جانے اور ہڈی نہ ٹوٹنے کے سبب سولی سے زندہ اتر آنے اور پھر اپنی موت سے وفات پانے کا حال، جیسا کہ سر سید احمد خان صاحب کی تفسیر میں درج ہے سناتے رہے۔ مگر خاکسار سے مباحثہ کرنے کا حرف زبان پر نہ لائے بلکہ باوجودیکہ میاں رجب الدین ومیاں محمد چٹو صاحب نے ان کو بہتیرا اکسایا اور مباحثہ پر آمادہ کیا مگر وہ اپنے کمان افسر حافظ محمد یوسف صاحب کی ماتحتی اور پھر ان کی غیر حاضری کے عذر سے اس مباحثہ سے جان بچاتے رہے اور ادھر حافظ صاحب جو مباحثہ سے ان کے جان بچانے کا ان کو شاید وعدہ دے چکے تھے، کہیں مفقود الخبر ہوگئے اور مزید تفحص وتفتیش کے بعد منشی محمد بخش صاحب کے ان کے پاس پہنچنے پر رات کے بارہ بجے کے قریب وہ اس مکان میں آئے۔ اس وقت حکیم صاحب نے حافظ صاحب اور دیگر حاضرین ومعتقدین سے یہ عذر پیش کر کے کہ ''جموں میں ہمارا بہت جلد جانا ضروری ہے اور درصورت توقف مسلمانوں کا حرج عظیم متصور ہے۔ رخصت کے خواستگار ہوئے۔ حاضرین مجلس پر ان کے اس عذر وتقریر کا ایسا اثر پڑا کہ ان کو رخصت دینے کے سوا کچھ نہ سوجھا۔ پھر آپ نے ایک شب کے لئے لدھیانہ جانے اور وہاں سے اسباب اور اہل بیت کو لانے کی ضرورت کو ظاہر کیا اور ۱۵ر تاریخ کو پانچ بجے صبح کے لدھیانہ کی طرف کوچ کیا۔

وہاں جاکر آپ کو جموں کا وہ ضروری کام بھول گیا اور وہ عذر بھی آپ کے خیال سے جاتا رہا۔ وہاں آپ نے ۱۸ر اپریل ۱۸۹۱ء تک قیام وآرام فرمایا اور پھر ۱۹ر اپریل کو لاہور پہنچ کر جموں کی طرف منہ کیا۔

ہم لوگ جو حکیم صاحب کے شبینہ مشورہ اور دیرینہ ارادہ سے واقف نہ تھے۔ ۱۴ر اپریل کو تمام دن آپ کے منتظر رہے۔ رات ہوئی تو ان کی یاد آوری اور طلبی سے مایوس ہوکر اس امر پر آمادہ ہوگئے کہ علی الصباح بلاطلب واجازت حکیم صاحب کے فرودگاہ پر دھاوا کریں گے اور برطبق ''تو مان نہ مان میں تیرا مہمان'' خود جاکر خواستگار اتمام مباحثہ ہوں

گے۔ یہ سوچ کر رات ہی کو رقعات اطلاعی وطلبی بنام شرکاء مجلس تحریر کئے جو نماز صبح کے بعد ان لوگوں کے مطالعہ میں آئے۔ ومنجملہ ان اصحاب واحباب جناب مولوی محمد عبداللہ صاحب تو بعد نماز صبح اپنے مکان سے چل بھی پڑے تھے اور بعض دیگر احباب کے رقعات متضمن وعدہ شمولیت پہنچ گئے تو ایک مخبر صاحب یہ منحوس خبر لائے کہ حکیم صاحب تو ۔

خرجت مع البازی علی سواد

پر کاربند ہوکر کچھ رات رہتے یعنی ۴/بجے کے بعد لاہور کو چھوڑ گئے۔ یہ سنکر ان حضرات عازمین شراکت مجلس کی خدمات میں اور قاصد روانہ کئے جو ان کو اس تکلیف تشریف آوری سے روکیں۔

اس کے بعد جو کارروائی ہم نے کی اور طرف ثانی سے ہوئی اس کا بیان ہم پیچھے کریں گے۔ اس سے پہلے ہم اس مباحثہ کے واقع ہونے اور اس واقعہ کے صحیح ہونے اور ان سوالات وجوابات کے حکیم صاحب اور خاکسار کے مابین دائر ہونے پر اس مجلس کے ارکان داعیان کی جن کے نام نامی ص ۱۷ میں ہم درج کر چکے ہیں، شہادت پیش کرتے ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے راست باز مسیح اور ان کے سچے حواری خاکسار سے حکیم صاحب کے مباحثہ کرنے کا انکار کر چکے اور یہ فرما چکے کہ آپ کا تو درمیان قدم ہی نہ تھا۔ یعنی تو تو اس مجلس میں بطور روزیٹروں (تماشائیوں) کے بلایا گیا تھا اور بات چیت جو ہوئی تھی سو حافظ محمد یوسف کی حکیم صاحب یا مولوی عبدالرحمٰن صاحب سے ہوئی تھی تو کون ہے کہ لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہوتا ہے اور خود بخود مباذر ومباحث بن بیٹھا ہے۔

ان تقریرات وبیانات صداقت آیات ان حضرات تقدس ماب سے (جو ضمیمہ پنجاب گزٹ ۲۵/اپریل ۱۸۹۱ء میں شائع ومشتہر ہو چکے ہیں) ممکن بلکہ بظن غالب مظنون ہے کہ اصلی حقیقت سے ناواقفوں پر برا اثر ہوا اور وہ ان بیانات پر اعتماد کر کے دعویٰ مباحثہ کو غلط سمجھیں۔ لہٰذا ضرورت ہوئی کہ حضار مجلس سے ایسے اعیان کی شہادت کو جن کی وجاہت اور صداقت میں ان حضرات کو جائے کلام نہ ہو، پیش کیا جائے۔ اس کے بعد جواب نمبری ۲۴ کا تتمہ درج کیا جائے گا۔

اس کے بعد پچھلی کارروائی فریقین کا بیان ہوگا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ!

شہادت اعیان ارکان مجلس

جناب مولوی محمد عبداللہ صاحب پروفیسر عربی کالج لاہور کی شہادت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاکسار اس گفتگو میں جو۱۴/اپریل ۱۸۹۱ء کو منشی محمد امیرالدین صاحب کے مکان پر مابین جناب مولوی حکیم نورالدین صاحب اور جناب مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب کی ہوئی تھی۔ اوّل سے آخر تک حاضر تھا۔ خاکسار کے سامنے یہ سوال وجواب مرقوم الصدر مابین مولوی صاحب اور حکیم صاحب ممدوحین کے ہوئے۔ آخری تقریر نمبری ۲۴ کے بیان میں جناب مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب نے اصول ممہدہ میں سے اصل نمبری ۸ کا حوالہ دیا۔ اس پر خاکسار نے عرض کی کہ اس تمام تحریر پر جواب تک ہوئی ہے فریقین کے دستخط ہو جانے مناسب ہیں تاکہ حوالہ کے وقت کسی کو اپنے مسلمات سے اعتراض وانکار کی گنجائش نہ رہے۔ خاکسار کی یہ گزارش مقبول ومنظور ہوئی۔ اس پر منشی محمد دینؒ صاحب نے جو یہ سوال وجواب لکھتے جاتے تھے۔ اوّل سے آخر تک تمام تقریر سنائی۔ پھر جناب حکیم صاحب نے خود بھی اپنے ہاتھ میں لے کر اور اس تحریر کو پڑھ کر فرمایا کہ اس کو صاف کر لینا چاہئے۔ میں دستخط کر دوں گا۔ اب منشی محمد امیرالدین صاحب اور حافظ محمد یوسف صاحب نے کسی قدر اصرار کے ساتھ جناب حکیم صاحب کو مجلس سے اٹھالیا اور حکیم صاحب ان کے ہمراہ کہیں تشریف لے گئے۔ حکیم صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد بہت سے اصحاب جن میں خاکسار بھی تھا، قریباً ایک گھنٹہ یا اس سے کسی قدر زائد دیر تک اس مجلس میں حاضر رہے۔ جب اس اثناء میں حکیم صاحب واپس تشریف نہ لائے تو خاکسار جناب مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب سے رخصت ہوکر اور یہ عرض کر کے چلا آیا کہ پھر گفتگو کے وقت سے آپ مجھے اطلاع دیجئے گا۔ میں ان شاءاللہ! حاضر ہو جاؤں گا۔ چنانچہ میں اس روز تمام دن منتظر رہا۔ ۱۵/اپریل ۱۸۹۱ء کو صبح کے وقت مولوی صاحب ممدوح کی طرف سے ایک رقعہ اس مضمون کا خاکسار کے پاس آیا کہ حکیم صاحب نے تو مباحثہ کے لئے نہیں بلایا مگر ہم چاہتے ہیں کہ خود وہاں جائیں اور ان سے مباحثہ پورا کرنے کی درخواست کریں۔ لہٰذا آپ تشریف لے آویں۔ حسب وعدہ آپ کو مطلع کیا گیا۔ چنانچہ خاکسار یہ رقعہ دیکھنے کے بعد مکان سے چلا۔ اثنائے راہ میں مولوی

صاحب ممدوح کا ایک اور آدمی ملا جس نے مولوی صاحب کی طرف سے بیان کیا کہ اب آپ تکلیف نہ کریں۔ حکیم صاحب رات کے پانچ بجے لدھیانہ چلے گئے۔ یہ پیام سن کر خاکسار راستہ سے واپس چلا آیا۔

العبد: محمد عبداللہ عفی اللہ عنہ، اوّل مدرس عربی اورینٹل کالج لاہور

خان بہادر فقیر سید جمال الدین رئیس و آنریری اسسٹنٹ کمشنر لاہور کی شہادت

جب راقم وہاں گیا تو اس وقت حکیم صاحب اور مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب کے مابین سوال وجواب ہو رہے تھے اور راقم کے سامنے اخیر میں یہ سوالات وجوابات پڑھے گئے تو حکیم صاحب نے فرمایا کہ صاف ہو جاویں تو پھر دستخط کروں گا۔ پھر حکیم صاحب کسی ضرورت کے واسطے تشریف لے گئے۔ راقم: فقیر جمال الدین عفی عنہ

جناب اخی مکرمی شیخ خدابخش صاحب جج عدالت خفیفہ لاہور کی شہادت

۱۴؍اپریل ۱۸۹۱ء کو میں مولوی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی اور فقیر جمال الدین صاحب کے بعد اس مجلس میں گیا تھا۔ نہ اس خیال سے کہ میں مناظرہ میں شامل ہوں بلکہ مناظرہ کا مجھ کو علم بھی نہ تھا۔ میں وہاں مولوی نورالدین صاحب کے ساتھ کسی جگہ جانے کے لئے کسی اور معاملہ دنیاوی کی خاطر گیا تھا کہ وہ وقت مولوی نورالدین صاحب نے میرے ساتھ کہیں جانے کے لئے مقرر کیا ہوا تھا۔ بہرحال میں نے گفتگو مابین مولوی محمد حسین صاحب اور مولوی نورالدین صاحب ہوتی سنی آخرکار تنگی وقت کے سبب مولوی نورالدین کو بعض ان کے احباب نے اٹھایا اور گفتگو مذہبی کے واسطے آئندہ کے لئے التواء کرنا پڑا۔

پھر ۱۷؍اپریل ۱۸۹۱ء کو لدھیانہ سے میرے نام خط مولوی نورالدین صاحب کا آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ مولوی محمد حسین صاحب کی خبر تار برقی لدھیانہ میں بنام مرزا غلام احمد کادیانی پہنچی ہے کہ مولوی نورالدین صاحب جو بحث شروع کر کے بھاگ گیا ہے اس کو واپس کرو۔ ورنہ شکست یافتہ سمجھے جاؤ گے۔ مولوی نورالدین نے مجھ کو لکھا کہ عام جلسہ کا انتظام ہو تو مع مرزا کادیانی کے لاہور وہ پہنچیں اور مجھ کو نیز ایماء تھا کہ مولوی محمد حسین صاحب کی خدمت میں عرض کی جاوے کہ ۱۴؍اپریل ۱۸۹۱ء کو قریب ۹ بجے دن کے جوان کو یک لخت جانا پڑا کیسا ضروری امر تھا۔ میری رائے میں ۹ بجے جو مولوی نورالدین نے گفتگو ختم کی اس

میں ضرورت واقعی تھی۔ بعد وصول رقعہ مولوی نورالدین کے منشی عبدالحق صاحب کے ساتھ بخدمت مولوی محمد حسین صاحب چپڑاسی روانہ کیا اور عبدالحق صاحب نے بخدمت مولوی محمد حسین صاحب خط مرزاغلام احمد صاحب کا پیش کیا۔ آخر ۱۷راپریل ۱۸۹۱ء کو منشی عبدالحق صاحب نے مجھ کو لکھا کہ مولوی محمد حسین صاحب نے بجواب خط مرزا صاحب لکھ دیا ہے کہ بعد مطالعہ کتاب ازالہ اوہام بحث کے واسطے تاریخ مقرر کریں گے۔ الغرض ۹ بجے تک ۱۴راپریل ۱۸۹۱ء کو گفتگو ہر دو صاحبان کے ہوتے میں نے سنی۔ آخر کار سوالات وجوابات میرے سامنے بمواجہ ہر دو فریق پڑھے گئے اور ان کو صحیح مانا گیا۔ مگر مولوی نورالدین صاحب نے کہا کہ بعد صفائی کے دستخط کریں گے۔ یکم رمئی۔ احقر خدا بخش

مولوی عبدالعزیز ملازم سررشتہ تعلیم ورکن انجمن حمایت اسلام کی شہادت

میں اس جلسے میں اوّل سے آخر تک موجود تھا اور جس قدر واقعہ مولوی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی نے تحریر فرمایا ہے میرا اس کے ساتھ کلی اتفاق ہے۔ عبدالعزیز، ۲رمئی ۱۸۹۱ء

صادق القول حضرت مسیح اور ان کے راست باز حواری۔ ان شہادات کو دیدہ عبرت سے پڑھیں اور تھوڑی دیر کے لئے اپنے اپنے گریبانوں میں منہ ڈالیں اور پھر خوف آخرت وننگ دنیا کو پیش نظر رکھ کر انصاف سے کہیں کہ اس واقعہ کے بیان میں کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔

ان شہادتوں کو وہ صادق اور کافی نہ سمجھیں تو ان اعیان سے یا ان کے برابر صادق القول اور وجیہہ اشخاص کی شہادت سے یہ ثابت کریں کہ یہ مباحثہ حافظ محمد یوسف صاحب اور حکیم صاحب یا مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے مابین ہوا تھا اور ان سوالات وجوابات کا سلسلہ انہی حضرات میں جاری تھا۔ ابوسعید محمد حسین ایک گوشہ میں وزیٹروں کی لائن میں چپ چاپ بیٹھا تھا۔ ایسے اعیان ان کو شہادت کے لئے میسر نہ آئیں تو اپنے ہی حامیوں اور تسلی یافتہ حواریوں میں سے جن کے نام ضمیمہ پنجاب گزٹ ۲۵راپریل میں مشتہر ہو چکے ہیں، تین اشخاص حافظ محمد یوسف صاحب، منشی الٰہی بخش صاحب، منشی عبدالحق صاحب سے اس مضمون کی شہادت دلوادیں۔ مگر ان کی شہادت ہم حلف سے لیں گے اور خاص مجلس میں جن الفاظ سے چاہیں گے یہ مضمون کہلوائیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات میں ایسے لوگ بھی ہیں جو فقرہ ''دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز'' پر عمل کر کے تاویل وتوریہ کے ساتھ تھوڑا سا جھوٹ بولنا بھی جائز سمجھتے ہیں۔ ہم ان سے ایسے الفاظ سے حلفی شہادت لیں گے جن

میں وہ تاویل وتوریہ نہ کرسکیں گے اور پہلے ان کو یہ مسئلہ سمجھا دیں گے کہ حلف میں توریہ جائز نہیں ہے۔ وہ دوسرے کی نیت پر واقع ہوتی ہے۔

تتمہ جواب نمبری ۲۴

(اس جواب کے شروع (ایک سطر) کا اعادہ کر کے جواب کو پورا کیا جاتا ہے)

آٹھویں اصل (یا محاورہ عام کے مطابق اصول) میں آپ (حکیم صاحب) تسلیم کر چکے ہیں کہ احادیث وقرآن کے اصلی معنی (یعنی حقیقی) بلادلیل قوی ترک کرنا اوراس کے مجازی معنی بلاوجہ قوی مراد لینا جائز نہیں ہے اور امید ہے کہ صحابہ کو بھی آپ اس قاعدہ سے ناواقف یا دیدہ ودانستہ اس کے مخالف قرار نہ دیں گے۔ کیونکہ وہ لوگ آپ سے اوراس وقت کے تمام لوگوں سے افقہ واورع تھے اور محاورات عرب اور خطابات سید العجم والعرب سے بخوبی واقف تھے اوراصول صحیحہ کے پابند۔

اور جواب نمبری ۲۳ میں: آپ تسلیم کر چکے ہیں کہ یہ لفظ (مسیح یا ابن مریم) قرآن میں آیا تو صحابہ نے اس سے حضرت عیسیٰ نبی اللہ کو مراد سمجھا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس لفظ کے اصلی معنی یہی (عیسیٰ نبی اللہ) ہیں۔ یہ معنی اصلی نہ ہوتے تو قرآن میں وہ اس لفظ سے یہ مراد نہ سمجھتے۔

ان دونوں مقدمات مسلمہ جناب کو ملانے سے صاف اور قطعی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ لفظ حدیث میں وارد ہوا تو وہاں بھی صحابہ نے اس لفظ سے حضرت عیسیٰ نبی اللہ کو مراد سمجھا۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ ان (صحابہ) سے اس کے برخلاف اس لفظ سے مثیل مسیح یا اور معنی مجازی مراد سمجھنا اب تک ثابت نہیں ہوا۔ جس کا آپ نے بھی جواب نمبر ۲۳ میں اعتراف کرلیا ہے۔ اس قطعی نتیجہ کے ابطال ومقابلہ میں اگر آپ یہ کہیں کہ قرآن میں اس لفظ کے نازل ہونے کے وقت تو اس کے اصلی معنی حضرت عیسیٰ نبی اللہ تھے۔ مگر حدیث میں اس لفظ کے استعمال کئے جانے کے وقت وہ معنی اصلی نہ رہے۔ یا یہ کہیں کہ آنحضرت کے اصحاب اصلی معنی کو بلاوجہ ترک کرنے کے عدم جواز سے واقف نہ تھے یا وہ باوجود واقفیت اس قاعدہ صحیحہ کے پابند نہ تھے تو آپ کی بات کا کوئی جواب نہیں ہے ؎

انیست جوابت کہ جوابت ندہم

لطیفہ اعتراضیہ

جواب نمبری ۲۱،۲۳ میں تو حکیم صاحب نے مسیح ابن مریم کے لفظ کا قرآن میں وارد ہونا تسلیم کر لیا تھا۔ مگر آپ نے پرائیویٹ جلسوں میں جن میں آپ نئے حواریوں کو حضرت مسیح علیہ السلام کا سولی دیا جانا اور پھر اپنی موت سے فوت ہو جانا تلقین فرماتے رہے تھے۔ اس لفظ کے قرآن میں وارد ہونے سے انکار کیا تھا اور صاف فرمادیا کہ مولوی صاحب (خاکسار کو کہتے ہیں) سخت غلطی کرتے ہیں کہ بار بار اس لفظ کے قرآن میں وارد ہونے پر زور دے رہے ہیں۔

آپ کے اس انکار کو ان حواریوں نے مان لیا اور ایک مولوی حافظ بھی (جو عقل وفہم کا بھی حافظ ہے) آپ کے اس انکار کا مصدق ہوا۔ دوسرے دن اس امر کا تذکرہ خاکسار کے پاس میاں رجب الدین صاحب اور خواجہ محمد دین صاحب نے کیا تو خاکسار نے اسی وقت قرآن سے ایسی آیات کا نشان دیا جن میں یہ لفظ وارد ہے۔ پھر مجمع عام وعظ جمعہ میں ان آیات قرآنیہ کو پڑھ کر سنا دیا۔ ہم کو ان حواریوں کے زود اعتقادی پر افسوس نہیں ہے۔ کیونکہ وہ لوگ قرآن سے ماہر نہیں اور بعضے تو بالکل ان پڑھ ہیں جو قرآن کا ایک حرف پڑھ نہیں سکتے۔ افسوس ہے تو حکیم صاحب پر ہے جنہوں نے اس نکار میں غضب ڈھایا۔ اس میں آپ نے دیدہ ودانستہ نئے حواریوں کو دھوکہ دیا تو محل افسوس ہے اور اگر یہ انکار ناواقفی پر مبنی ہے تو پھر آپ کا دعویٰ قرآن دانی محل تعجب ہے اور یہ آپ کے اس دعویٰ الہام تبیین (تبیّن لک) جس کو آپ لدھیانہ کے ایک مولوی صاحب پر ظاہر کر چکے ہیں کو غلط قرار دیتا ہے۔

دجال کے متعلق جو آپ نے جواب دیا ہے اس میں آپ نے دجل سے دجال کا ماوہ (روٹ) ہے۔ خوب ہی کام لیا اور حق وباطل کو خلط ملط کر دیا ہے۔

جواب نمبر۲۱ میں آپ نے اس لفظ کی مراد میں اختلاف ظاہر کیا ہے اور اس اختلاف کے ایک شق کو کہ حضرت عمر، ابن صیاد کو دجال کہتے اور اس پر قسم کھاتے تھے۔ بیان کیا پھر جب سوال نمبری ۲۲ میں دوسرے شق اختلاف کے بیان کا آپ سے مطالبہ ہوا تو آپ نے یہ کہہ دیا کہ مجھے یاد نہیں کہ سوائے ابن صیاد کسی کو دجال کہا گیا ہو۔ اس سے آپ نے یہ جتایا کہ دجال سے صرف ابن صیاد بالاتفاق مراد ہے اور ہماری یاد میں اس مراد کا کوئی مخالف نہیں۔ ان جوابات میں آپ نے کئی وجہ سے دجل (حق وباطل کا خلط) اختیار کیا۔

وجہ اوّل یہ کہ حضرت عمر فاروق کا ابن صیاد کو دجال کہنا یہی معنی نہیں رکھتا کہ وہ آپ کے نزدیک دجال موعود تھا۔ کیونکہ جائز نہیں کہ آپ نے اس کو منجملہ ان تیس دجالوں کے جن کی پیدا ہونے کی خبر حدیث صحیح بخاری وصحیح مسلم میں آئی ہے: ’’**عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال لا تقوم الساعة حتی یبعث دجالون کذابون قریبا من ثلاثین کلهم یزعم انه رسول الله** (مسلم ص۳۹۷) **قیل لعل عمر اراد بذلک ان ابن الصیاد من الدجالین الذین یخرجون فیدعون النبوة اویضلون الناس ویلبسون الامر علیهم لا انه المسیح الدجال** (مرقاۃ حاشیہ مشکوۃ ص ۴۷۹)‘‘ شمار کیا ہو۔

ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ شاید حضرت عمر کے اس قول سے یہی مراد ہو کہ ابن صیاد ان دجالوں میں سے ہے جو نبوت کا دعویٰ کریں گے اور لوگوں کو بہکا دیں گے اور ان کے دین کو گڈمڈ کر دیں گے۔ (چنانچہ ہمارے زمانہ میں ایسے لوگ بہت نظر آرہے ہیں) نہ یہ کہ وہ مسیح دجال موعود ہے۔ اس وجہ سے معاملہ دجال وابن صیاد کے متعلق آپ کا ایک مغالطہ ثابت ہوا۔

وجہ دوم: یہ کہ فرض کیا اور مان لیا کہ حضرت عمرؓ کا یہی خیال تھا کہ ابن صیاد وہی دجال موعود تھا۔ مگر جب اس فرضی خیال سے آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو روک دیا اور صاف فرمادیا (چنانچہ بخاری ومسلم میں آیا ہے)’’**فقال عمر بن الخطاب ذرنی یا رسول الله اضرب عنقه فقال له رسول الله ﷺ ان یکنه فلن تسلط علیه وان لم یکنه فلا خیر لک فی قتله** (مسلم ص۳۹۸) **فقال رسول الله ﷺ ان یکن هو فلست صاحبه انما صاحبه عیسیٰ بن مریم والایکن هو فلیس لک ان تقتل رجلا من اهل العهد** (مشکوٰۃ ص ۴۷۹)‘‘ کہ:’’(اے فاروقؓ) یہ (ابن صیاد) وہی (دجال موعود) ہے تو تجھے اس کے قتل پر تسلط نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کا قاتل حضرت عیسیٰ بن مریم ہوگا اور اگر یہ اور دجال ہے تو اس کا قتل کرنا اچھا نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ذمی (عہدی) ہے جن کا قتل کرنا جائز نہیں۔‘‘ تو پھر کیونکر ممکن تھا کہ حضرت عمرؓ کا وہ فرضی خیال قائم رہتا؟ کیا یہ امر ممکن اور بلحاظ کمال حضرت عمرؓ کے اتباع واتقاء میں جائز ہے کہ آنحضرت ﷺ آپ کو دجال موعود کی نسبت یہ خبر دیں کہ وہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے

ہاتھ سے قتل کیا جائے گا اور پھر حضرت عمرؓ اسی کو دجال موعود سمجھیں۔ ہرگز نہیں۔

آپ نے قول فاروقی کے یہ معنی جتا کر اور اس کے مخالف قول نبوی سے چشم پوشی کر کے مسلمانوں کو سخت دھوکہ دیا ہے اور اس میں دجل سے خوب کام لیا ہے۔

وجہ سوم: سلف صحابہ میں جو اختلاف تھا وہ ابن صیاد کے باب میں تھا کہ آیا وہ دجال ہے یا نہیں۔ نہ دجال موعود کے باب میں (جس کی علامات وخواص صحیح حدیثوں میں یہ آئے ہیں کہ وہ مردہ کو زندہ کرے گا۔ (۲) اس کے ساتھ دوزخ وبہشت ہوگا۔ (۳) اس کی پیشانی پر ک.ف.ر یعنی کافر مکتوب ہوگا۔ (۴) وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے مارا جائے گا وغیرہ وغیرہ! (جن کی تشریح ریویو میں ہوگی) کہ آیا وہ بجز ابن صیاد کوئی اور شخص ہے یا نہیں۔ امام نووی نے شرح مسلم میں کہا ہے کہ امام ابوسلیمان خطابی نے فرمایا کہ ابن صیاد کے باب میں جب وہ بڑا ہوا سلف کا اختلاف ہے ایک یہ روایت ہے: ''**قال الخطابی واختلف السلف فی امرہ بعد کبرہ فروی عنہ انہ تاب من ذلک القول ومات بالمدینۃ ولھم لما ارادوا الصلوٰۃ علیہ کشفوا عن وجھہ حتی راہ الناس وقیل لھم اشھدوا قال وکان ابن عمرو جابر فیماروی عنھما یحلفان ان ابن صیاد ھو الدجال لا یشکان فیہ فقیل لجابر انہ اسلم فقال وان اسلم فقیل انہ دخل مکۃ وکان فی المدینۃ فقال وان دخل** (مسلم ص۳۹۷)'' کہ وہ اپنے کفریات سے تائب ومسلمان ہوا اور مدینہ میں فوت ہوا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی تو اس کا منہ کھول کر لوگوں کو دکھایا گیا اور ابن عمرو جابر قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ ابن صیاد دجال ہے۔

اور یہ اختلاف صحابہ یا تابعین کا ہم نے کہیں نہیں دیکھا کہ دجال جس کے خواص وعلامات مذکورہ حدیث میں آئی ہیں وہ بجز ابن صیاد کوئی نہیں ہے۔

حکیم صاحب نے اس (اوّل) اختلاف کو یہ (دوم) اختلاف قرار دیا اور دجل اختیار کر کے مسلمانوں کو دھوکے میں ڈالا۔ آپ سچے ہیں تو کم سے کم ایک صحابی یا ایک تابعی سے نقل صحیح یا ثابت کر دکھائیں کہ ابن صیاد کے سوا کوئی دجال نہیں جس میں علامات مذکورہ کتب حدیث پائی جائیں گی۔ حضرت عمر، ابن عمرو جابر کے اقوال کو اپنے خیال کی تائید میں پیش کریں گے تو سخت پچھتائیں گے۔ ان سے آپ یہ نفی ثابت نہ کرسکیں گے۔

بالجملہ دجال کے متعلق جو کچھ آپ نے کہا ہے اس میں دجل سے پورا کام لیا ہے

اور حق کو باطل سے ملا دیا ہے اور حق یہ ہے کہ دجال موعود اور اس کی صفات موجودہ کتب حدیث کسی اختلاف کا محل نہیں۔ گو بعض صحابہ نے دجال کی بعض صفات کا محل ابن صیاد کو بھی بنایا اور اس کو منجملہ دجاجلہ شمار کیا ہے۔

مباحثہ سے پچھلی کارروائی

حکیم صاحب مباحثہ چھوڑ کر لدھیانہ چلے گئے تو خاکسار نے دوسرے دن اس پر اطلاع پاکر حافظ محمد یوسف صاحب اور میاں رجب الدین صاحب کو بلایا اور ان سے سبب تشریف بری حکیم صاحب دریافت کیا۔

حافظ صاحب نے بیان کیا کہ حکیم صاحب کو جموں میں جلد جانا ضروری تھا وہ جلد نہ جاتے تو مسلمانوں کا سخت حرج ہوتا۔ اس لئے ہم نے ان کو مرخص کیا اور کہا کہ کاغذ اصول وجوابات پر حکیم صاحب نے دستخط کرنا چاہا تھا لیکن ہم نے ان کو دستخط کرنے سے روک دیا اور کہا کہ حکیم صاحب تو یہ بھی خوف کرتے تھے کہ اگر میں بلا اتمام مباحثہ چلا جاؤں گا تو مولوی جی (ابوسعید محمد حسین) کہیں گے کہ وہ شخص بھاگ گیا مگر ہم نے اس خوف سے ان کو مطمئن کر دیا اور یہ کہہ دیا ہے کہ جو الزام وہ آپ پر لگائیں گے وہ ہم اپنے ذمہ لیں گے۔ آپ اس الزام سے بری سمجھے جائیں گے۔

پھر حافظ صاحب نے اپنے بیان کی تصدیق میاں رجب الدین صاحب اور خواجہ محمد دین صاحب سے کہ وہ بھی ان کے ساتھ آئے تھے کرادی اور خاکسار سے یہ درخواست کی کہ آپ حکیم صاحب کی اس کارروائی پر جو کہنا چاہتے ہیں ہم کو کہیں۔ حکیم صاحب پر کوئی الزام عائد نہ کریں۔

میں نے اس کے جواب میں حافظ جی سے کہا کہ آپ جو کہتے ہیں اور جو آئندہ کرنا چاہتے ہیں وہ صرف آپ کی دوست پروری اور پردہ پوشی ہے۔ آپ نے جب حکیم صاحب کو دیکھا کہ وہ ان اصول وجوابات کے تسلیم سے بے دست وپاء ہوگئے ہیں۔ لہٰذا اب وہ مباحثہ کے لئے مجلس میں آئیں گے تو الزام کھائیں گے اور خفت اٹھائیں گے تو یہ امر آپ پر نہایت شاق گزرا اور دوستی کے اور حکیم صاحب اس مروت کے کہ وہ آپ کے کہنے سے مباحثہ کے لئے مستعد ہوئے مخالف معلوم ہوا۔ لہٰذا آپ نے اس کاغذ پر ان کا دستخط نہ ہونے دیا اور ان

کو یہ وعدہ دے کر ہزیمت کا الزام ہم اپنے ذمہ لے لیں گے۔ ان کو بھاگ جانے کا مشورہ دیا۔ مگر آپ کی اس کارروائی سے حکیم صاحب الزام ہزیمت سے بری نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ وہ آپ ہی کے کہنے سے خاکسار کے مخاطب ومناظر ہوئے تھے۔ مگر آخر مخاطب ہوئے اور مناظر بن گئے۔ لہٰذا ان کا فرض تھا کہ وہ جاتے ہوئے خاکسار سے اجازت لیتے یا کم ازکم یہ اطلاع دیتے کہ ہم نے صرف حافظ جی کے کہنے سے آپ سے مناظرہ شروع کیا تھا۔ اب ہم حافظ جی کے حکم یا اجازت سے اس مناظرہ کو موقوف کر کے لدھیانہ جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنا یہ فرض ادا نہیں کیا تو ہم ان کا تعاقب نہ چھوڑیں گے اور ان کے نام تار دے کر ان کو اتمام مباحثہ کے لئے بلائیں گے۔ جس پر ہم نے ۱۵؍اپریل ۱۸۹۱ء کو ۱۱بجے دن کے مرزاغلام احمد قادیانی کے نام مضمون کا ٹیلیگرام (تارخبر) دیا۔ ۱۵؍اپریل ۱۸۹۱ء

’’تمہارے ڈیسائیپل (حواری) نورالدین نے مباحثہ شروع کیا اور بھاگ گیا۔ اس کو واپس کریں یا خود آویں۔ ورنہ یہ متصور ہوگا کہ آپ نے شکست کھائی۔‘‘

اس تار کے جواب میں ہمارے مقدس اور شیر بہادر مناظر مرزاصاحب سے یہ نہ ہوسکا کہ فوراً تار کے ذریعہ مجلس مناظرہ میں حاضر ہو جانے کا وعدہ دیتے بلکہ دوسرے دن ۱۶؍اپریل ۱۸۹۱ء کو ۱۱بجے دن کی ٹرین میں ایک آدمی کے ہاتھ اس تار کے جواب میں اپنا خط ذیل روانہ کیا جو ۱۷؍اپریل کو ہم کو ملا۔ اس خط میں پچھلے مباحثہ کو آپ نے ’’کان لم یکن‘‘ (گویا کہ وہ ہوا ہی نہ تھا) ٹھہرایا اور نئے مباحثہ کے لئے ایسی فاسد شرائط کو پیش کیا جن سے مناظرہ کا وجود میں آنا محال تھا۔ ان شروط کو گویا انہوں نے سپر بنایا اور ان کے ذریعہ سے اپنے آپ کو اور اپنے حواری کو مباحثہ سے بچالیا۔ وہ خط یہ ہے:

خط مرزاکادیانی

لدھیانہ اقبال گنج: ۱۶؍اپریل ۱۸۹۱ء نمبر۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ازعائذ باللہ الصمد غلام احمد عافاہ اللہ واید!

بخدمت اخویم! مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا تار جس میں یہ لکھا تھا کہ تمہارے وکیل بھاگ گئے۔ ان کو لوٹاؤ یا آپ آؤ۔ ورنہ شکست یافتہ سمجھے جاؤ گے، پہنچا۔ اے عزیز! شکست اور فتح خداتعالیٰ کے ہاتھ میں

ہے جس کو چاہتا ہے فتح مند کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے شکست دیتا ہے۔کون جانتا ہے کہ واقعی طور پر فتح مند کون ہونے والا ہے اور شکست کھانے والا کون ہے؟ جو آسمان پر قرار پا گیا ہے۔وہی زمین پر ہوگا۔گو دیر سے سہی لیکن اس عاجز کو تعجب ہے کہ آپ نے کیونکر یہ گمان کر لیا کہ حبی فی اللہ! مولوی حکیم نورالدین صاحب آپ سے بھاگ کر چلے آئے۔آپ نے ان کو کب[۷۷] بلایا تھا کہ تا وہ آپ سے اجازت مانگ کر آتے۔اصل بات تو اس قدر تھی کہ حافظ محمد یوسف صاحب نے مولوی صاحب ممدوح کی خدمت میں خط لکھا تھا کہ مولوی عبدالرحمٰن اس جگہ آئے ہوئے ہیں۔ہم[۷۸] نے ان کو دو تین روز کے لئے ٹھہرا لیا ہے تا ان کے روبرو[۷۹] ہم بعض شبہات اپنے،آپ سے دور کرالیں اور یہ بھی لکھا کہ ہم اس مجلس میں مولوی محمد حسین صاحب کو بھی بلالیں[۸۰] گے۔چنانچہ مولوی صاحب موصوف حافظ صاحب کے اصرار کی وجہ سے لاہور میں پہنچے اور منشی امیرالدین صاحب کے مکان پر اترے اور اس تقریب پر حافظ صاحب نے اپنی طرف سے آپ کو بھی بلالیا۔

تب مولوی عبدالرحمٰن صاحب تو عین تذکرہ میں اٹھ کر چلے گئے اور جن صاحبوں نے آپ کو بلایا تھا انہوں نے مولوی صاحب کے آگے بیان کیا کہ ہمیں مولوی محمد حسین صاحب کا طریق[۸۱] بحث پسند نہیں آیا۔یہ سلسلہ تو دو برس تک بھی ختم نہیں ہوگا۔آپ خود ہمارے سوالات کا جواب[۸۲] دیجئے۔ہم مولوی محمد حسین صاحب کے آنے کی ضرورت نہیں دیکھتے اور نہ انہوں نے آپ کو بلایا ہے۔تب جو کچھ ان لوگوں نے پوچھا مولوی صاحب موصوف نے بخوبی ان کی تسلی کر دی۔یہاں تک کہ تقریر ختم ہونے کے بعد حافظ محمد یوسف[۸۳] صاحب نے بانشراح صدر آواز بلند سے کہا کہ اے حاضرین میری تو من کل الوجوہ تسلی ہوگئی اور میرے دل میں نہ کوئی شبہ اور نہ کوئی اعتراض باقی ہے۔پھر بعد اس کے یہ تقریر منشی عبدالحق صاحب و منشی الٰہی بخش صاحب و منشی امیر دین صاحب اور مرزا امان اللہ صاحب نے کی۔

اور بہت خوش ہوکر ان سب نے مولوی صاحب کا شکریہ ادا کیا اور تہہ دل سے قائل ہوگئے کہ اب کوئی شک باقی نہیں اور مولوی صاحب کو یہ کہہ کر رخصت کیا کہ ہم نے محض اپنی تسلی کرانے کے لئے آپ کو تکلیف دی تھی۔سو ہماری بکلی تسلی ہوگئی۔آپ بلاجرح تشریف لے جایئے۔سو انہوں نے ہی بلایا اور انہوں نے ہی رخصت کیا۔آپ کا تو درمیان[۸۴] قدم ہی نہ تھا۔پھر آپ کا یہ جوش جو تار کے فقرات سے ظاہر ہوتا ہے کس قدر بے محل ہے۔

آپ خود انصاف فرمادیں جب کہ ان سب لوگوں نے یہ کہہ دیا کہ اب ہم مولوی محمد حسین صاحب کو بلانا نہیں چاہتے۔ ہماری تسلی ہوگئی اور وہی تو تھے جنہوں نے مولوی صاحب کو لدھیانہ سے بلایا تھا تو پھر مولوی صاحب آپ سے کیوں اجازت مانگتے۔ کیا آپ نہیں سمجھ سکتے اور اگر آپ کی یہ خواہش ہے کہ بحث ہونی چاہئے جیسا کہ آپ اپنے رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں تو یہ عاجز بسروچشم حاضر ہے۔ مگر تقریری بحثوں میں صدہا طرح کا فتنہ ہوتا ہے۔ صرف تحریری بحث[۸۵] چاہئے اور وہ یوں ہو کہ مساوی طور پر چار ورق کاغذ پر آپ جو چاہیں لکھ کر پیش کریں اور لوگوں کو بآواز بلند سنادیں اور ایک نقل اس کی اپنے دستخط سے مجھے دے دیں۔ پھر بعد اس کے میں بھی چار ورق پر اس کا جواب لکھوں اور لوگوں کو سنادوں۔

ان دونوں پرچوں پر بحث ختم[۸۶] ہو جائے اور فریقین میں سے کوئی ایک کلمہ تک تقریری طور پر اس بحث کے بارہ میں نہ کرے جو کچھ ہو تحریر میں ہو اور پرچے صرف دو ہوں۔

اوّل آپ کی طرف ایک چو ورقہ پرچہ جس میں آپ میرے مشہور کردہ دعوے کا قرآن کریم اور حدیث کی رو سے رد لکھیں اور پھر دوسرا پرچہ چو ورقہ اسی تقطیع کا میری طرف سے ہو جس میں اللہ جل شانہ کے فضل وتوفیق سے رد الرد لکھوں اور انہی دونوں پرچوں پر بحث ختم ہو جائے۔ اگر آپ کو ایسا منظور ہو تو میں لاہور میں آسکتا ہوں اور ان شاءاللہ تعالیٰ امن قائم رکھنے کے لئے انتظام کرادوں گا۔ یہی آپ کے رسالہ کا بھی جواب ہے۔ اب اگر آپ نہ مانیں تو پھر آپ کی طرف سے گریز[۸۷] متصور ہوگی۔ راقم: خاکسار غلام احمد از لدھیانہ

۱۶/اپریل ۱۸۹۱ء

مکرر یہ کہ جس قدر ورق لکھنے کے لئے آپ پسند کرلیں اسی قدر اوراق پر لکھنے کی مجھے اجازت دی جائے۔ لیکن یہ پہلے سے جلسہ میں تصفیہ پاجانا چاہئے کہ آپ اس قدر اوراق لکھنے کے لئے کافی سمجھتے ہیں اور آن مکرم اس بات کو خوب یاد رکھیں کہ پرچے صرف دو ہوں گے۔ اوّل[۸۸] آپ کی طرف سے میرے ان دونوں بیانات کا رد ہوگا جو میں نے لکھا ہے کہ میں مثیل مسیح[۸۹] ہوں اور نیز یہ کہ حضرت مسیح ابن مریم درحقیقت وفات پاگئے ہیں۔ پھر اس رد کے رد الرد کے لئے میری طرف سے تحریر ہوگی۔

غرض پہلے آپ کا یہ حق ہوگا کہ جو کچھ ان دعاوی کے بطلان کے لئے آپ کے

پاس ذخیرہ نصوص قرآنیہ وحدیثیہ موجود ہے وہ آپ پیش کریں۔ پھر جس طرح خداتعالیٰ چاہے گا یہ عاجز اس کا جواب دے گا اور بغیر اس طریق کے جس کے انصاف پر بنا اور نیز امن رہنے کے لئے احسن انتظام ہے اور کوئی طریق اس عاجز کو منظور نہیں۔ اگر یہ طریق منظور نہ ہو تو پھر ہماری طرف سے یہ آخری[۹۰] تحریر تصور فرماویں اور خود بھی خط لکھنے کی تکلیف روانہ رکھیں اور بحالت انکار ہرگز کوئی تحریر یا کوئی خط میری طرف نہ لکھیں۔ اگر پوری اور کامل طور پر بلاکم وبیش میری رائے ہی منظور ہو تو صرف اس حالت میں جواب تحریر فرماویں ورنہ نہیں۔

آج بھوپال سے ایک کارڈ مرقومہ ۹؍اپریل ۱۸۹۱ء اخویم مولوی محمد احسن صاحب مہتمم مصارف ریاست پڑھ کر آپ کے اخلاق کریمانہ اور مہذبانہ تحریر کا نمونہ معلوم[۹۱] ہوگیا۔ آپ اپنے کارڈ میں فرماتے ہیں کہ میں نے مرزاغلام احمد کے اس دعویٰ جدید کی اپنے ریویو میں تصدیق نہیں کی بلکہ اس کی تکذیب خود براہین میں موجود ہے۔ آپ بلارؤیت مرزا پر ایمان لے آئے۔ آپ ذرا ایک دفعہ اس کو دیکھ تو لیں۔ ’’تسمع بالمعیدی خیر من ان تراہ‘‘ اشاعۃ السنۃ میں اب ثابت ہوتا رہے گا کہ یہ شخص ملہم نہیں ہے۔ فقط حضرت مولوی صاحب من آنم کہ من دانم۔ آپ جہاں تک ممکن ہے ایسے الفاظ استعمال کیجئے۔ میں کہتا ہوں اور میری شان کیا بے شک آپ جو چاہیں لکھیں اور اس وعدہ تہذیب[۹۲] کی پرواہ نہ رکھیں جس کو آپ چھاپ چکے ہیں۔ ’’رب یسمع ویری والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ‘‘

خاکسار: غلام احمد

آج ۱۶؍اپریل ۱۸۹۱ء کو آپ کی خدمت میں خط بھیجا گیا ہے اور ۲۰؍اپریل ۱۸۹۱ء تک آپ کے جواب کے انتظار رہیں گے۔ اگر ۲۰؍اپریل ۱۸۹۱ء تک آپ کا جواب نہ پہنچا تو یہی خط آپ کے رسالہ کے جواب میں کسی اخبار وغیرہ میں شائع کردیا جاوے گا۔

فقط! مرزاغلام احمد بقلم خود، ۱۶؍اپریل ۱۸۹۱ء

مولانا بٹالوی کی طرف سے اس کا جواب:

لاہور: ۱۷؍اپریل ۱۸۹۱ء نمبر ۲۰۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب مرزاغلام احمد صاحب بعد سلام مسنون!

۱۶؍اپریل کے خط میں جو آپ نے اپنے حواری مولوی نورالدین کے عدم گریز کی

وجہ بتائی ہے وہ صحیح نہیں ہے اور اس وجہ کی تفصیل میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ بھی مغالطہ سے خالی نہیں ہے۔ میں اس اجمال کی تفصیل اپنے رسالہ میں کروں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!
اصل مطلب کی بات کا جواب یہ ہے کہ آپ نے تحریری بحث کے لئے دو شرطیں پیش کی ہیں۔ اوّل یہ کہ ایک ہی دفعہ فریقین اپنی اپنی تحریرات پیش کریں۔ دوسرے یہ کہ ان تحریروں کے اوراق محدود ہوں۔ ان میں جو آپ نے اپنی قدیم عادت تغلیط مخاطب کے مطابق مغالطہ دینا چاہا ہے میں اس کو تاڑ گیا ہوں۔ جس کی تشریح اپنے رسالہ میں کروں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ! مگر میں آپ کی قطع حجت کی غرض سے ان دونوں شرطوں کو منظور کرتا ہوں اور صاف کہتا ہوں کہ میں ایک ہی دفعہ اپنی تحریر پیش کروں گا اور اس کے اوراق بھی محدود کردوں گا۔ مگر دو شرطیں آپ میری بھی منظور کرلیں (جو نئی شرط نہیں ہیں) بلکہ پہلے بھی میرے خط نمبر۱۱۴، ۱۲۰ میں معروض ہو چکے ہیں۔

اوّل یہ کہ قبل از مباحثہ تحریری آپ رسالہ ازالۃ الاوہام میرے پاس بھیج[۹۳] دیں تاکہ میں اپنی تحریر میں آپ کے جملہ دلائل کا جواب یک بارگی تحریر کرسکوں اور ان دلائل کو دیکھ کر یہ بھی اندازہ کرسکوں کہ میں ان کا جواب کس قدر اوراق میں ادا کرسکوں گا۔ آپ کا وعدہ یہی ہے کہ وہ رسالہ آپ کے پاس بیس پچیس روز میں پہنچے گا اور آپ سے پہلے کسی کو نہ دیا جاوے گا جو ایک دفعہ ٹوٹ بھی چکا[۹۴] ہے۔

دوم یہ کہ میں قبل از مباحثہ چند اصول کی تمہید کروں اور آپ سے ان کو تسلیم کرالوں۔ جیسے کہ آپ کے حواری مولوی نوردین سے تسلیم کرا چکا ہوں۔ ان دونوں شرطوں کے تسلیم وتعمیل کے بعد آپ جس تاریخ میں اپریل کی چاہیں لاہور تشریف لائیں۔ میں حاضر ہوں۔ ماہ اپریل میں آپ رسالہ ازالۃ الاوہام نہ بھیج سکیں تو ماہ مئی میں سہی اس مہینے میں مجھے سفر درپیش آ گیا۔ (جس کو میں بارہا ظاہر کر چکا ہوں) تو میں جہاں ہوں گا وہاں سے تاریخ مقررہ پر لاہور پہنچوں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ! چنانچہ اپنے خط نمبر۱۲۰ میں عرض کر چکا ہوں۔ میرے کارڈ اسمی مولوی محمد احسن صاحب بھوپالی میں جو الفاظ لکھے گئے ہیں ان کا موازنہ اپنے الفاظ اشتہار ۲۶؍مارچ سے کریں اور انصاف سے کہیں کہ تہذیب کا التزام کس جانب ہے۔ اس کی توضیح بھی رسالہ میں ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

ابوسعید محمد حسین

ضمیمہ خط نمبری ۲۰۰

لاہور: ۱۸/اپریل ۱۸۹۱ء نمبر ۲۰۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خیالی مسیح مرزا غلام احمد صاحب کادیانی

هداه الله الصراط المستقیم سلام علیٰ من اتبع الهدیٰ!

کل آپ کے خط ۱۶/اپریل ۱۸۹۱ء کا جواب ہمدست حامل خط مذکور ارسال کر چکا ہوں۔ آج اس خیال سے کہ شاید اس خط کے وصول سے آپ انکار کریں۔ جیسے کہ آپ نے خط سابق میں میرے مقابلہ میں اپنے حواری کے مباحث ہونے سے انکار کیا ہے۔ اس خط کی نقل بذریعہ رجسٹری ارسال کرتا ہوں۔ علاوہ بر آں دو باتیں (جن سے آپ کو اور ڈھیل دینا اور آپ کی حجت کو قطع کرنا مقصود ہے) میں اور لکھتا ہوں۔ ان باتوں کو آپ خط سابق کا ضمیمہ قرار دیں۔

اوّل یہ کہ اگر آپ مباحثہ کی مجلس میں اصول کی تمہید وتسلیم سے ڈریں اور یہ خیال کریں کہ خدا جانے وہ اصول جو ہم سے تسلیم کرائے جائیں گے کیسے سخت مشکل اور ہمارے فہم اور علم سے اجنبی ہوں گے اور بناءً علیہ آپ یہ کہیں (جیسے کہ آپ کے حواری نے مجلس مباحثہ میں کہا تھا) کہ خدا جانے ان اصول کی تسلیم سے ہم پر کیا پتھر پڑیں گے تو میں ان اصول کو آپ کے پاس وہاں بھیج دیتا ہوں۔ بشرطیکہ آپ تمہید اصول کو تسلیم کریں۔ اس سے آپ کو ان اصول کے سمجھنے اور ان میں غور کرنے کے لئے کافی مہلت مل جاوے گی اور اس ناگہانی ابتلاء سے جس میں آپ کے حواری صاحب مبتلا ہوگئے اور اس سبب سے وہ مباحثہ چھوڑ کر بھاگ گئے نجات ہوگی۔

دوم یہ کہ اگر آپ میری شرط اوّل کو تسلیم نہ کریں اور مباحثہ سے پہلے ازالۃ الاوہام میرے پاس بھیج نہ سکیں تو میں اس شرط کی تسلیم سے آپ کو بری کرتا ہوں۔ بشرطیکہ آپ اپنی شرط (فاسد ومبنی بر مغالطہ) میں اتنی ترمیم کردیں کہ پہلے تحریر آپ کی ہو۔ جس میں آپ اپنے دعاوی جدیدہ کے جملہ دلائل درج کریں۔ اس کے بعد میری تحریر ہو۔ جس میں آپ کے دلائل کا جواب ادا ہو اور اگر آپ اپنی اس شرط فاسد میں اتنی ترمیم بھی روا نہیں رکھتے تو اس کی ایسی وجہ معقول بیان کریں جس کو آپ کے مخالف اور موافق سب قبول کرسکیں یا آپ یہ ثابت

کر دکھائیں کہ آپ میں ایسی مزیت وفوقیت پائی جاتی ہے کہ آپ جو کچھ کہیں اس کو اور لوگ ’’کالوحی من السماء‘‘ بلا دلیل مان لیں اور جو بات کوئی دوسرا کہے۔ اس کی تسلیم آپ کے لئے جائز نہ ہو۔ چہ جائے واجب! جو لوگ آپ کو ملہم مانتے ہیں صرف وہی آپکے خیال ومقال کی نسبت یہ کہتے ہیں: ’’اٰمنا کل من عند ربنا‘‘ میں تو آپ کا مرید نہیں ہوں کہ جو آپ کہیں بلا دلیل مان لوں۔ میں نے جو آپ کو تار دیا تھا وہ اسی مباحثہ کے سلسلہ میں تھا جو آپ کے حواری نے شروع کیا تھا۔ جس کا منشاء صاف یہ تھا کہ جو مباحثہ شروع ہے اس کو پورا کرنے کے لئے اپنے حواری کو واپس کریں یا خود تشریف لائیں۔ نہ یہ کہ آپ نئے مباحثہ کے لئے نئی شروط قائم کریں اور پھر اس کے مقابلہ میں جو شرط خصم پیش کرے اسے تسلیم نہ کریں۔ ان خطوط کا جواب ۲۱ ماہ حال تک نہ پہنچا تو ان خطوں کو رسالہ میں چھاپ دیا جائے گا اور اس پر ناظرین خود غور وانصاف کر لیں گے کہ واجبی بات ماننے سے کس کو انکار ہے اور گریز از مباحثہ کس نے کیا۔ ابوسعید محمد حسین

مرزا کی ان خطوں کا جواب نمبر۹:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم. الحمد للہ والسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰے!

از عاجز عائذ باللہ الصمد غلام احمد عافاہ اللہ وایدہ

بخدمت اخویم مکرم مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ پہنچا۔ باعث تعجب ہوا۔ آپ نہ تو اظہار حق کی غرض سے بحث[۹۵] کرنا چاہتے ہیں اور نہ اس جوش بے اصل سے باز رہ سکتے ہیں۔ عزیز[۹۶] من رحمکم اللہ! یہ عاجز آپ کو کوئی الزام[۹۷] دینا نہیں چاہتا۔ مگر آپ ہی کا قول وفعل آپ کو الزام دے رہا ہے۔ آپ کا آدھی رات کو تار پہنچا کہ ابھی آؤ ورنہ شکست یافتہ سمجھے جاؤ گے کس قدر آپ کی اس تار پود سے مخالف ہے جو آپ اب پھیلا رہے ہیں۔

افسوس کہ آپ نے بحث کرنے کے لئے بذریعہ تار بلایا پھر آپ گریز[۹۸] کر گئے اور اب آپ کا خط جو مشت[۹۹] بعد از جنگ کا نمونہ ہے۔ فضول باتوں کو پیش کر کے اور بھی تعجب میں ڈالتا ہے۔ چنانچہ ذیل میں آپ کے اقوال کا جواب دیتا ہوں۔

قولہ: دو باتیں جن سے آپ کو اور ڈھیل دیتا ہوں لکھتا ہوں۔

اقوال: حضرت یہ تو آپ حیلہ حوالہ سے اپنے تئیں ڈھیل دے رہے ہیں۔ میں نے کب کہا تھا کہ مجھے ڈھیل دیں۔ آپ کی آدھی رات کو تار آئی میں تیار ہوگیا۔ آپ کی اصل حقیقت معلوم کرنے کے لئے خرچ دے کر بلاتوقف اپنا آدمی روانہ کیا۔ بحث منظور کر لی۔ سب انتظام مجلس اپنے ذمہ لے لیا مگر آپ ہماری تیاری کا نام سنتے ہی کنارہ کش ہوگئے۔ اب سوچیں کہ کیا میں نے بحث کو ڈھیل میں ڈال دیا یا آپ نے اگر میں آپ ہی لاہور میں پہنچتا تو کس قدر تکلیف ہوتی۔ آپ کی اس حرکت نے نہ صرف آپ کو شرمندہ کیا بلکہ آپ کی تمام عقلمند پارٹی کو خجالت کا حصہ دیا۔ اس کنارہ کشی کا آپ پر بڑا بار ہے کہ جو بودے عذروں سے دور نہیں ہوسکتا۔ آپ نے ناگوار طریقہ سے مقابل پر آنے کی دھمکی تو دی مگر آخر آپ ہی ٹھہر نہ سکے۔ کیا اس دعویٰ کے ساتھ جو آپ کو یہ گریز آپ کی علمی وجاہت پر دھبہ نہیں لگاتے۔

قولہ: اگر آپ عین مباحثہ کے جلسہ میں اصول کی تمہید وتسلیم سے ڈریں تو میں ان اصول کو آپ کے پاس وہاں بھیج دیتا ہوں تا آپ کو آپ کے سمجھنے کے لئے کافی مہلت مل جائے۔ ناگہانی ابتلاء سے بچ جائیں اور وہ حال نہ ہو جو آپ کے حواری کا ہوا۔

اقوال: حضرت آپ کو خود مناسب ہے کہ آپ ان اصولوں سے ڈریں۔ کوئی عقلمند ان بیہودہ باتوں سے ڈر نہیں سکتا اور میں تو آپ کے ان اصولوں کو محض لغو سمجھتا ہوں اور ایسے لغویات کی طرف توجہ کرنے سے مجھے یہ آیت روکتی ہے جو اﷲ جل شانہ فرماتا ہے: ’’**والذین هم عن اللغو معرضون**‘‘ اور نیز یہ حدیث نبوی کہ **من حسن الاسلام المرء ترکه مالایعنیه!**

یہ بات ظاہر ہے کہ جو بات ضرورت سے خارج ہے وہ لغو ہے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ اس بحث کے لئے شرعی طور پر آپ کو کس بات کی ضرورت ہے۔ سوادنیٰ تأمل سے ظاہر ہوگا کہ آپ صرف اس بات کے مستحق ہیں کہ مجھ سے تشخیص دعویٰ کرادیں۔ سو میں نے بذریعہ فتح اسلام وتوضیح المرام اور نیز بذریعہ اس حصہ ازالہ اوہام کے جو قول فصیح میں شائع ہوچکا ہے اچھی طرح اپنا دعویٰ بیان کر دیا ہے اور میں اقرار کرتا ہوں کہ اس سے زیادہ اور کوئی میرا دعویٰ نہیں جو آپ پر مخفی ہو اور وہ دعویٰ یہی ہے کہ میں الہام کی بناء پر مثیل المسیح ہونے کا مدعی ہوں اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہوں کہ حضرت مسیح بن مریم درحقیقت فوت ہوگئے ہیں۔ سو اس عاجز کا

مثیل مسیح ہونا تو آپ اشاعۃ السنۃ میں امکانی طور پر مان چکے ہیں اور میں اس سے زیادہ آپ سے تسلیم ہی نہیں کراتا۔ اگر میں حق پر ہوں تو خود اللہ جل شانہ میری مدد کرے گا اور اپنے زور آور حملوں سے میری سچائی ظاہر کرے گا۔

رہا مسیح بن مریم کا فوت ہونا سو فوت ہونے کے دلائل لکھنا میرے پر کچھ فرض[۳] نہیں۔ کیونکہ میں نے کوئی ایسا دعویٰ نہیں کیا جو خدا تعالیٰ کی سنت قدیمہ[۴] کے مخالف ہو بلکہ مسلسل طور پر ابتدائی حضرت آدم سے یہی طریق جاری ہے کہ جو پیدا ہوا وہ آخر ایک دن جوانی کی حالت میں یا بڈھا ہو کر مرے گا۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ آپ فرماتے ہیں: ’’**ومنکم من یتوفی ومنکم من یردّ الیٰ ارذل العمر لکی لا یعلم بعد علم شیئا**‘‘ پس جب کہ میرے پر یہ فرض ہی نہیں کہ میں مسیح کے فوت ہونے کے دلائل لکھوں اور ان کا فوت ہونا تو میں بیان ہی کر چکا تو اب اگر میں آپ سے پہلے لکھوں تو فرمایئے کیا لکھوں[۵]۔ یہ تو آپ کا حق ہے کہ میرے بیان کے ابطال کے لئے پہلے آپ قلم اٹھائیں اور آیات اور احادیث سے ثابت کر دکھائیں کہ سارا جہان تو اس دنیا سے رخصت ہو گیا اور ہمارے نبی کریم بھی وفات پا گئے۔ مگر مسیح وفات پانے سے اب تک باقی رہا ہوا ہے۔ کسی مناظر کو پوچھ کر دیکھ لیں کہ آداب مناظرہ کیا ہے[۶]۔

اب یہ بھی یاد رہے کہ آپ کی دوسری سب بحثیں مسیح کے زندہ مع الجسد اٹھائے جانے کے فرع ہیں[۷]۔ اگر آپ یہ ثابت کر دیں گے کہ مسیح زندہ بجسدہ العنصری آسمان کی طرف اٹھایا گیا تو پھر آپ نے سب کچھ ثابت کر دیا۔ غرض پہلے تحریر کرنا آپ کا حق ہے۔ اگر اب بھی آپ مانتے نہیں تو چند غیر[۸] قوموں کے آدمیوں کو منصف مقرر کر کے دیکھ لو۔

اور اخویم حکیم مولوی نورالدین صاحب کب آپ کے بلائے[۹] لاہور میں گئے تھے جنہوں نے بلایا انہوں نے مولوی صاحب موصوف سے اپنی پوری تسلی کرالی اور آپ کے ان لغو اصولوں سے بیزاری ظاہر کی تو پھر اگر مولوی صاحب آپ سے اعراض نہ کرتے تو اور کیا کرتے۔ اعراض کا نام آپ نے فرار رکھا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے دست بدست آپ کو دکھا دیا کہ درحقیقت فرار کس سے ظہور میں آیا۔ یہ مولوی صاحب کی راست بازی کی کرامت ہے جس نے آپ پر یہ مصرع سچا کر دیا۔

مرا خواندی وخود بدام آمدی

قولہ: اگر آپ میری اس شرط کو قبول نہ کریں اور مباحثہ سے پہلے ازالہ اوہام بھیج نہ سکیں تو میں اس شرط کے تسلیم سے آپ کو بری کرتا ہوں۔ بشرطیکہ پہلی تحریرات آپ کی ہوں اور بعد میں میری۔

اقول: حضرت آپ ازالہ اوہام کے اکثر اوراق دیکھ چکے اب مجھے کس شرط سے بری کرتے ہو اور میں ابھی ثابت کر چکا ہوں کہ پہلے تحریر کرنا آپ کا ذمہ ہے۔ اب دیکھئے یہ آپ کا آخری ہتھیار بھی خطا گیا۔ عنقریب یہ آپ کا خط بھی بذریعہ اخبارات پبلک کے سامنے پیش کیا جائے گا تو لوگ دیکھ لیں کہ آپ کی تحریرات میں کہاں تک راستی اور حق پسندی اور حق طلبی ہے۔

بالآخر ایک مثال بھی سنئے۔ زید ایک مفقود الخبر ہے جس کے گم ہونے پر مثلاً دوسو برس گزر گیا۔ خالد اور ولید کا اس کی حیات اور موت کی نسبت تنازع ہے اور خالد کو ایک خبر دینے والے نے خبر دی کہ درحقیقت زید فوت ہوگیا۔ لیکن ولید اس خبر کا منکر ہے۔ اب آپ کی کیا رائے ہے۔ بارثبوت کس کے ذمہ ہے۔ کیا خالد کو موافق اپنے دعویٰ کے زید کا مرجانا ثابت کرنا چاہئے یا ولید، زید کا اس مدت تک زندہ رہنا ثابت کرے۔ کیا فتویٰ ہے۔

راقم: خاکسار غلام احمد از لدھیانہ، ۲۰؍اپریل ۱۸۹۱ء

نوٹ: اس مثال سے یہ غرض ہے کہ جس پر بارثبوت ہے۔ اس کی طرف سے ثبوت دینے کے لئے پہلے تحریر چاہئے۔

لطیفہ اعتراضیہ متضمن اظہار خیانت مرزا وگروہ مرزائیہ مسیحائیہ

اس خط کو تو مرزا صاحب اور ان کے حواریوں نے ضمیمہ پنجاب گزٹ سیالکوٹ مطبوعہ ۲؍مئی ۱۸۹۱ء میں شائع کیا۔ مگر خاکسار کے خط نمبری ۲۰۷ کو جس کا یہ خط جواب ہے شائع ومشتہر نہ کیا یہ خائنانہ تصرف۔ شاید الہامیوں کو جائز ہوگا۔ عام انصاف کا تو یہی قانون ہے کہ جس تحریر مخاطب کا جواب دیں۔ اس کو بھی نقل کریں تاکہ ناظرین کو دونوں میں موازنہ وانصاف کرنے کا موقعہ ملے۔

مولانا بٹالوی کا مرزا کے اس خط کا جواب:

لاہور: ۲۲؍اپریل ۱۸۹۱ء نمبر ۴۴۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب مرزا غلام احمد صاحب عافاہ اللہ وہداہ سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ!

آپ کا خط ۲۰؍اپریل ۱۸۹۱ء میں نے مسرت سے پڑھا اور اس سے میں ازبس

ممنون ہوا۔ آپ کے اس قسم کے مجادلانہ ومعاندانہ اور مغالطہ آمیز تحریرات مجھے یہ یقین دلاتی جاتی ہیں کہ آپ اپنے دعاوی جدیدہ کے اظہار واشتہار میں خطاء اجتہادی نہیں کرتے بلکہ دیدہ ودانستہ حق کا خلاف کرتے اور عمداً لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور یہ تاروپود جو ایک مدت سے آپ نے پھیلا رکھا ہے اس سے مقصود صرف نام آوری ودنیا طلبی ہے ؎

ایں ہمہ از پئے آنست کہ زرمے طلبی

حق گوئی اور حق پژوہی آپ کا اصلی فرض اور اقصیٰ غرض نہیں ہے۔ لہٰذا آپ آئندہ بھی ایسی تحریرات کے ارسال سے مجھے سرفراز فرمائیں گے تو میرے اس یقین کو اور بڑھائیں گے اور مجھے اپنا ممنون بنائیں گے۔ اس اجمال کی تفصیل میں اپنے رسالہ میں کروں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ! اس خط میں بطور تمثیل آپ کے چند مغالطات معاندانہ کو ذکر کرتا ہوں۔

آپ لکھتے ہیں کہ: ''میں آپ کے ان اصول کو محض لغو سمجھتا ہوں۔'' اس میں آپ نے عناد وجدال کو ایسا مبرہن کیا ہے کہ اس میں کسی اہل علم وطالب حق کے لئے مجال مقال نہیں رکھی۔ کوئی اہل علم جس کو حق طلبی سے ادنیٰ تعلق ہو اور پابندی اسلام کا دعویٰ ان اصول کو (۱) کتاب وسنت حجج اتفاقیہ میں۔ (۲) ظواہر نصوص سے بلادلیل عدول کرنا جائز نہیں۔ (۳) محسوس نیچر (جس کو نیچری لوگ خدا کی قدرت کا قانون سمجھتے ہیں) واقعی خدا کی قدرت کا قانون ومعیار نہیں ہے۔ ایسے ہی اور وہ اصول جو آپ کے حواری سے مجلس مباحثہ میں تسلیم کرائے گئے ہیں، لغو نہیں کہہ سکتا اور نہ امور متنازعہ فیہا سے بے تعلق اور غیرضروری ٹھہرا سکتا ہے۔ ان اصول کو لغو اور ضرورت سے خارج کہنا اس شخص کا کام ہے جس کو حق اور اصول اسلام سے کام نہ ہو بلکہ اپنے اوہام باطلہ اور خیالات فاسدہ کو دین قویم بنانا چاہتا ہو۔ آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو کم سے کم ایک مسلمان سے جو عالم ہو اور آپ کا مرید نہ ہو اس دعوے کی تصدیق کرادیں۔

آپ لکھتے ہیں: ''میں نے اپنا دعویٰ بیان کر دیا کہ میں مثیل المسیح ہوں اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہوں کہ حضرت ابن مریم درحقیقت فوت ہوگئے ہیں۔ سو اس عاجز کا مثیل مسیح ہونا تو آپ امکانی طور پر مان چکے ہیں۔ رہا مسیح ابن مریم کا فوت ہونا سو فوت ہونے کے دلائل لکھنا میرے پر فرض نہیں۔ کیونکہ میں نے کوئی ایسا دعویٰ نہیں کیا جو خدا تعالیٰ کی سنت قدیمہ کے مخالف ہو بلکہ مسلسل طور پر حضرت آدم سے یہ طریق جاری ہے کہ جو پیدا ہوگا ایک دن مرے

گا۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔ اب میں آپ سے پہلے لکھوں تو کیا لکھوں۔‘‘ اس میں آپ نے کئی وجہ سے حق کا خلاف کیا اور مسلمانوں کو دھوکہ دیا۔

اوّل دھوکہ! یہ دیا کہ خاکسار کو آپ نے اپنے مثیل مسیح ہونے کا قائل بنا دیا ہے۔ حالانکہ میں نے آپ کے مثیل مسیح ہونے کو امکانی طور پر بھی تسلیم نہیں کیا۔ صرف آپ کے بعض الہامات کا جن میں مثیل مسیح ہونے کا الہام شامل نہیں ہے، امکانؒ تسلیم کیا ہے۔ آپ اپنے قول میں سچے ہیں تو میرا وہ قول نقل کریں جس میں میں نے آپ کا مثیل مسیح ہونا امکانی طور پر مانا ہے۔

دوسرا دھوکہ! یہ کہ صرف تسلیم امکان کو مثبت مدعا سمجھ لیا۔ حالانکہ کوئی عاقل صرف امکان سے وجود ثابت نہیں کر سکتا۔ مثلاً زید اگر یہ دعویٰ کرے کہ میں بادشاہ یا فلاسفر ہوں اور کوئی شخص اس کا امکان مان لے تو اس سے اس کا بادشاہ یا فلاسفر ہونا ثابت نہیں ہوسکتا اور وہ اس تسلیم امکان کے سبب اپنے دعوے کے ثبوت سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔

تیسرا دھوکہ! یہ کہ ابن مریم کے فوت ہونے کا اعتقاد بحکم سنت اللہ اور بہ شہادت کتاب اللہ مسلم ٹھہرا کر اس کو ثبوت سے مستغنی قرار دیا۔ اس سے اگر آپ کا یہ مقصود ہے کہ یہ اعتقاد صرف ہمارے نزدیک مسلم ہے۔ گو اور مسلمانوں کے نزدیک مسلم نہیں تو ایسی حالت میں آپ اس دعوے کا ثبوت پیش کرنے سے بری نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ آپ کا اعتقاد دوسرے مسلمانوں کا مسلمہ نہیں ہے اور اگر اس سے مقصود یہ ہے کہ تمام مسلمان اس اعتقاد کو مانتے ہیں تو یہ محض خلاف واقعہ ہے۔ صحابہ وتابعین اور ان کے اتباع سلف صالحین سے اس وقت تک کوئی مسلمان یہ اعتقاد نہیں رکھتا۔ آپ سچے ہیں تو کم سے کم ایک صحابی یا ایک تابعی یا ایک شخص کا سلف صالحین سے نام لیں جو یہ اعتقاد رکھتا ہو۔ پھر اس انوکھے دعوے کے ثبوت میں دلائل پیش کرنا آپ کا فرض کیوں نہیں ہے اور فن مناظرہ کی کون سی کتاب ہے جو آپ کو اس دعویٰ کے ثبوت پیش کرنے سے سبکدوش کرتی ہے۔ آپ سچے ہیں تو کم سے کم ایک کتاب کی شہادت پیش کریں۔ اپنے دعویٰ کا ثبوت پہلے پیش کرنے کی درخواست آپ سے اسی صورت میں ہوئی ہے کہ آپ اپنی ناجائز شروط کو (کہ تحریرات مباحثہ جانبین سے صرف دو ہی ہوں۔ پہلے ہماری طرف سے ہو پھر آپ کی طرف سے) قائم رکھیں۔ اب اگر آپ ان شروط فاسد کو واپس لیں

اور منصب ادّعا چھوڑ کر سائل یا مانع بنیں تو میں اس دعوے کا کہ حضرت مسیح علیہ السلام زندہ ہیں اور وہ وجود عنصری کے ساتھ آسمان سے اتریں گے۔ ثبوت پیش کرنے کو مستعد ہوں۔

چوتھا دھوکہ! یہ کہ سنت اللہ اور آیت کتاب اللہ کو موت مسیح پر دلیل ٹھہرایا ہے۔ سنت سے مراد آپ کی نیچر ہے اور اس تقریر سے آپ کا مسلمان کو یہ جتانا مدنظر ہے کہ ایک شخص کا اٹھارہ سو برس تک زندہ رہنا نیچر کے برخلاف ہے۔ لفظ نیچر آپ نے اس لئے نہیں کہا کہ آپ کا چھپا اعتقاد نیچریت لوگوں پر ظاہر نہ ہو۔ اس تقریر میں آپ نے یہ دھوکہ بھی دیا ہے کہ خدا کی ایک سنت کو جو اموات میں جاری ہے آپ نے ظاہر کیا اور اس سنت کو جو اس نے مسیح کے زندہ رکھنے میں قائم کی ہے نظر انداز فرمایا۔ آیت کے ذکر میں بھی دھوکہ دیا ہے۔ اس آیۃ میں یہ بیان ہرگز نہیں کہ اس وقت تک جو پیدا ہوا وہ فوت ہو چکا۔ اس میں تو صرف یہ بیان ہے کہ ہر شخص کے لئے موت کا ہونا لازمی ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کو جب وہ دنیا میں آئیں گے۔ نیز شامل ہوگا۔

خط حال وسابق میں آپ لکھتے ہیں کہ: ''حکیم صاحب آپ کے بلانے سے کب لاہور میں آئے کہ پھر بلا اجازت جانے سے فراری متصور ہوئے اور آپ کا تو درمیان قدم ہی نہ تھا۔'' یہ تو میں نے بھی نہیں کہا کہ وہ میرے بلانے سے لاہور میں آئے۔ صرف اسی مضمون کا تار دیا تھا کہ وہ مجھ سے گفتگو شروع کر کے بھاگے۔ اگر میرا یہ بیان غلط ہے اور گفتگو میں میرا قدم ہی نہ تھا تو آپ کے راست باز ہونے میں کیا شک ہے۔ آپ سچے تو ہیں۔ ذرا اس پر قسم بھی کھالیں اور وہ آیہ مباہلہ پڑھیں جو مولوی محمد اسماعیل ساکن علی گڑھ کے مقابلہ میں لکھ چکے ہیں۔

مرزا صاحب! آپ کی ایسی ہی باتوں نے جو محض خلاف واقعہ ہیں مجھ کو یقین دلا دیا ہے کہ آپ ملہم نہیں ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ: ''آدھی رات کو تار آیا تو بلاتوقف آدمی روانہ کیا اور ازالۃ الاوہام کے اکثر اوراق آپ دیکھ چکے ہیں۔'' ان فقرات سے ایک بھی سچا ہے تو اس پر قسم کھائیں اور جھوٹے کو سنائیں۔ فرمائیے تار کس وقت آپ کو ملا اور آدمی کس وقت روانہ ہوا؟ اور ازالۃ الاوہام کے اوراق کس قدر ہیں؟ اور قول فصیح میں جو میں نے دیکھا ہے کس قدر اوراق منقول ہیں؟ اکثر یا اقل؟ کیا ملہمین یا صادق القول مؤمنین کی یہ شان ہے کہ ایسی خلاف واقعہ باتیں ان کے منہ سے نکلیں۔

آخیر میں جو آپ نے مثال لکھی ہے اس میں بھی آپ دھوکہ دینے سے نہیں رک سکے۔ حضرت مسیح علیہ السلام باتفاق اہل اسلام آسمانوں پر زندہ موجود ہیں۔ ان کے وجود وحیات میں کسی قدیم مسلمان کا اختلاف نہیں۔ صرف آپ بہ تقلید بعض ملاحدہ یورپ جو مسیح کی دوبارہ زندگی سے ان کے مقاصد کی زندگی ومراد لیتے ہیں۔ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ فوت ہوچکے ہیں اوران کی دوبارہ زندگی سے ان کے مقاصد کی زندگی مراد ہے۔ پھر یہ دعویٰ زندگی اس مفقود الخبر کی حیات کی نظیر کیونکر ہوسکتا ہے۔ اس مثال میں آپ نے کئی صورت سے مسلمانوں کو دھوکہ دیا ہے۔

اوّل: مسیح علیہ السلام معلوم الوجود والحیات کو مفقود الخبر شخص کی نظیر قرار دینا۔

دوم: ان کی حیات کو جو متفق علیہ اہل اسلام ہے محل اختلاف قرار دینا۔

سوم: ان کی موت کی تجویز کو ایک معمولی اور قابل تسلیم موت کی مانند ٹھہرانا۔

حضرت مسیح کی سچی مثال یہ ہے کہ ایک شخص دس برس سے زندہ وموجود اور بحکم مشاہدہ مسلّم الحیاۃ چلا آیا ہے۔ اس کی نسبت ایک شخص نے خبردی کہ پانچ برس ہوئے ہیں کہ وہ مرگیا ہے۔ اس شخص کا دعویٰ ان لوگوں کے سامنے جو دس برس سے اس کو زندہ دیکھتے چلے آئے ہیں لائق سماعت نہیں اوراس شخص کا فرض ہے کہ اس کی موت کو بدلائل ثابت کرے جن سے ان لوگوں کی رویت ومشاہدہ کی غلطی ثابت ہو۔ یہ تو آپ کے جدال وعناد کا ثبوت اور مغلطات کا جواب ہے۔ اب میں اپنے خط نمبری ۲۰۷ کی اس بات کی طرف آپ کو متوجہ کرتا اوراس کا جواب چاہتا ہوں جس سے آپ نے چشم پوشی کی ہے۔ آپ میرے تار کے مضمون کو غور سے پڑھیں اوراس مباحثہ کو جس کے سلسلہ میں تار دیا گیا ہے، پورا کریں۔ اپنے حواری کو واپس بھیجیں یا خود تشریف لاکر اس کا اہتمام کریں۔ نئی شروط فاسدہ پیش کر کے نیا مباحثہ قائم نہ کریں۔ شروط فاسدہ کی تسلیم وتحقیق محال ہے اور ایسی شروط والے مباحثہ کا وجود بھی ناممکن ہے۔ آپ کی ان شروط کو پیش کرنے سے لوگ یقیناً جان لیں گے کہ درحقیقت آپ کو مباحثہ کرنا منظور نہیں ہے۔ اسی وجہ سے آپ ان شروط کو پیش کرتے اوران کی آڑ میں مباحثہ سے جان بچاتے ہیں۔

آپ کا ناصح ابوسعید محمد حسین

اس خط کا مرزاصاحب نے کچھ جواب نہ دیا اور ہمارے خطاب وجواب سے سکوت اختیار کیا۔ جس سے عام نظروں میں آپ پر عجز وہزیمت کا الزام قائم ہوگیا۔ مگر اس

سکوت پرآپ سے صبر نہ ہوسکا اوراپنی رباعی

آنانکہ چشم برگل تحقیق واکنند ازہرچہ فہم رنگ نگیر وحیا کنند
در مبحثے کہ غیرخموشی علاج نیست برہرزہ است تکیہ بچون و چرا کنند

پرعمل نہ کیا اوراپنی جگہ اپنے حواریوں کو جو نہ برا کہنے سے اندیشہ رکھتے ہیں نہ برا سننے سے، کھڑا کردیا اوراپنے خط نمبری ۸ کو مع اس کے جواب منجانب خاکسار نمبری ۲۲۵ کے ضمیمہ اخبار پنجاب سیالکوٹ ۲۵ر اپریل میں چھپوایا اوراس پر اڈیٹر کی قلم سے خوب لون مرچ چھڑکوایا۔اس پرخاکسار نے مرزاصاحب کے نام رقیمہ ذیل کا لکھا۔

لاہور:۲۶ر اپریل ۱۸۹۱ء نمبر ۱۴۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب مرزاغلام احمدصاحب عافاہ اللہ وہداہ سلام علٰی من اتبع الھدیٰ!

میرے خط نمبری ۲۲۵ مؤرخہ ۲۲ر اپریل ۱۸۹۱ء کا جواب دیجئے۔منتظرہوں۔

۲...... آج ضمیمہ پنجاب گزٹ سیالکوٹ مطبوعہ ۲۵ر اپریل میری نظر سے گزرا۔اس میں آپ کا خط مؤرخہ ۱۶ر اپریل ۱۸۹۱ء منقول ہے اوراس پراعتماد کر کے آپ کے وکیل اڈیٹر نے یہ لکھا ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب کو اگر اپنی بات پر اس قدر اصرار ہے تو وہ اس مضمون کی حافظ محمد یوسف صاحب، منشی امیرالدین صاحب، منشی عبدالحق صاحب، منشی الٰہی بخش صاحب اورمرزاامان اللہ صاحب کی دستخطی تحریر شائع کریں کہ مولوی نورالدین صاحب ان سے شکست کھا کر بھاگ گئے۔میں اس کے جواب میں آپ کے وکیل اڈیٹر کو مخاطب نہیں کرتا اور نہ آئندہ ان کو یا کسی اور نئے وکیل جناب کو کسی امر میں مخاطب کروں گا۔ان شاء اللہ تعالیٰ! صرف آپ کی خدمت میں گزارش ہے کہ آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں اورانہی حضرات کی شہادت پرآپ کے دعویٰ کی بناء اورآپ کے وکیل کا اعتماد ہے تو آپ ہی ان حضرات میں سے تین شخصوں حافظ محمد یوسف صاحب، منشی الٰہی بخش صاحب اورمنشی عبدالحق صاحب سے میرے سوالات ذیل کا حلفی جواب لے کرارسال کریں۔اسی سے مقدمہ شکست وہزیمت کا فیصلہ ہوسکتا ہے۔اگر ان حضرات ثلاثہ نے بالاتفاق میرے سوالوں کا جواب اثبات (لفظ ہاں یانعم) سے دیا تو میں آپ کے بیان کو صحیح مان لوں گا اوراپنے دعویٰ شکست دہی سے دست بردار ہوجاؤں گا۔

۱...... حکیم نورالدین صاحب نے رخصت کی رات جو تقریر درباب وفات مسیح علیہ السلام کی تھی، اس تقریر میں اوّل سے آخر تک یہ تینوں صاحب موجود تھے۔

۲...... اس تقریر کے اختتام پر ان تینوں صاحبوں نے حکیم صاحب کا شکریہ ادا کیا اور یہ کہا تھا کہ ہماری من کل الوجوہ تسلی ہوگئی ہے اور اب ہمارے دل میں کوئی شبہ واعتراض باقی نہیں رہا۔

۳...... ان تینوں صاحبوں کا اب یہ اعتقاد ہوگیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام فوت ہوچکے ہیں اور یہ کہ وہ دنیا میں بذات خود تشریف نہیں لائیں گے۔ جیسا کہ تمام مسلمانوں کا اعتقاد ہے اور موعود مسیح جن کے آنے کی قرآن وحدیث میں خبر ہے۔ آپ ہی ہیں۔

۴...... ان سوالات کے جواب کے ساتھ آپ حافظ محمد یوسف صاحب کے اس خط کی نقل بھی ارسال فرمادیں جس کا ذکر آپ کے خط ۱۶؍اپریل میں ہے اور اس کا مضمون آپ نے یہ نقل کیا ہے کہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب اس جگہ آئے ہوئے ہیں۔ ہم نے ان کو دو تین روز کے لئے ٹھہرالیا ہے تا ان کے روبرو ہم بعض شبہات اپنے آپ سے دور کرالیں اور اس مجلس میں ہم مولوی محمد حسین صاحب کو بھی بلالیں گے۔ ابوسعید محمد حسین

اس جواب میں آپ نے پھر وہی سکوت اختیار کیا اور ہماری کسی بات کا جواب نہ دیا۔ مہربانی فرما کر لکھا تو اس مضمون کا کارڈ لکھا جس سے جواب خط سے انکار اور آئندہ کے لئے گفتگو سے اعراض وقرار پایا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے:

مرزاغلام احمد کا خط نمبر۱۰ بنام مولانا بٹالوی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی!

مجی اخویم مولوی صاحب سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس عاجز کو کوئی نئی بات معلوم نہیں ہوتی جس کا جواب لکھا جائے۔ اس عاجز کے دعوے کی بناء الہام پر تھی۔ اگر آپ ثابت کرتے کہ قرآن اور حدیث اس دعوے کے مخالف ہے اور پھر یہ عاجز آپ کے ان دلائل کو اپنی تحریر سے توڑ نہ سکتا تو آپ تمام حاضرین کے نزدیک سچے ہوجاتے اور بقول آپ کے میں اس الہام سے توبہ کرتا۔ لیکن خدا جانے آپ کو کیا فکر تھی جو آپ نے اس راہ راست کو منظور نہ کیا۔ خیر اب ازالہ اوہام کے رد لکھنا شروع

کیجئے۔ لوگ خود دیکھ لیں گے۔ والسلام!

خاکسار: غلام احمد عفی عنہ

اس کارڈ کے ذریعہ ہم سے تو آپ نے پیچھا چھڑایا اور سلسلہ مباحثہ ومراسلہ کو بزعم خود قطع کیا۔ مگر از آنجا کہ جدال ومرا (کڑواہٹ) آپ کی طینت میں کوٹ کوٹ کر بھر رہا ہے۔ لہٰذا اس قطع وتفصی (خلاصی) پر آپ سے صبر نہ ہوسکا اور نچلا نہ بیٹھا گیا اور بقول اسد

چھیڑ خوبوں سے چلی جائے اسد گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

لدھیانہ کے علماء سے آپ نے چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ شروع کیا اور اس کو چندروز کا مشغلہ سمجھ کر اشتہار ۳؍مئی میں ان کو مدعو مباحثہ کیا۔ اس میں میرے دوست مولوی محمد حسن صاحب رئیس لدھیانہ کو بھی مخاطب کیا۔ ان کے خطاب میں بدقسمتی سے آپ کے قلم سے یہ فقرہ بھی نکل گیا کہ ان کو اختیار ہوگا کہ چاہیں تو بذات خود بحث کریں اور چاہیں تو اپنی طرف سے مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب کو بحث کے لئے وکیل مقرر کردیں۔

ہرچند یہ اشتہار آپ نے میرے پاس نہ بھجوایا بلکہ تمام لاہور والوں میں صرف اس کا ایک قطعہ پہنچا اور کانفیڈنشل (مخفی) رہا۔ مگر آخر حاجی محمد دین صاحب کے ذریعہ سے وہ اشتہار خاکسار کی نظر سے بھی گزر ہی گیا۔ جس پر یہ شعر عاجز کے خیال میں آیا ؎

دیدار مینمائی وپرہیز میکنی بازار خویش وآتش ماتیز میکنی

اس اشتہار نے اس شعر کے مطابق خاکسار کے نائرہ اشتیاق مباحثہ کو مرزاکادیانی کے خط نمبری ۱۰ سے وہ دب گیا تھا۔ مشتعل کردیا اور اس وقت مجھے وہ سفر ہندوستان جس کا ذکر بارہا ہوچکا ہے نیز درپیش تھا۔ بناء علیہ خاکسار نے مولوی محمد حسن صاحب کے نام رقعہ مندرجہ ذیل تحریر کیا۔

لاہور: ۸؍مئی ۱۸۹۱ء نمبر۳۲۳

مجی مولوی محمد حسن صاحب السلام علیکم!

آج میں نے مرزاکا آخری اشتہار دیکھا۔ اس میں آپ کو لکھا ہے کہ: ’’چاہو تو مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب کو وکیل بنا کر پیش کرو۔‘‘ اور اس کے ساتھ ایسی شرطیں بھی لگا دی ہیں جو جلد وقوع میں نہ آئیں۔ میری یہ رائے ہے کہ آپ ان کو (مرزاکادیانی کو) اس

مضمون کا رقعہ لکھیں کہ ۹ رمئی کی صبح کو ابوسعید محمد حسین بارادہ پٹیالہ لدھیانہ پہنچیں گے۔ آپ ان سے بات چیت کر سکیں تو آپ میرے مکان پر تشریف لے آویں۔ آپ نہ آسکیں تو ہم ان کو آپ کے مکان پر لے آویں گے اور اس مجلس میں جس کو آپ چاہیں شامل کر لیں اور شروط کو جن کا تحقق سردست دشوار ہے پیش نہ کریں۔ وہ اس امر کو منظور کریں تو بندہ گفتگو کے لئے حاضر ہے۔ ابوسعید محمد حسین

اس خط کے لدھیانہ میں پہنچ جانے کے بعد خاکسار بھی ۹ رمئی کی صبح کو لدھیانہ پہنچ گیا اور جاتے ہی مولوی محمد حسن صاحب کو مرزا جی کے پاس بطور سفارت بھجوایا اور انہیؒ کی طرف سے رقعہ مندرجہ ذیل لکھوا کر ان کے ہاتھ میں دیا اور یہ کہہ دیا کہ آپ کی سفارت کے جواب میں جو کچھ مرزا صاحب کہیں وہ تحریر میں لاویں۔ زبانی کوئی پیام وکلام مسموع نہ ہوگا۔

وہ رقعہ چونکہ خاکسار ہی نے لکھوایا تھا۔ لہٰذا اپنے رجسٹر خطوط کا نمبر اس پر لگایا جاتا ہے اور جو خط اس کے جواب میں مرزا صاحب کا آیا اس پر بھی ان کے سلسلہ خطوط کا نمبر لگایا گیا ہے۔

وہ خط یہ ہے:

لدھیانہ:۹ رمئی ۱۸۹۱ء نمبر ۳۶۹

بخدمت شریف مرزا صاحب

بعد سلام مسنون کے گزارش ہے کہ آپ نے اشتہار مطبوعہ ۳ رمئی ۱۸۹۱ء میں مجھے مخاطب فرمایا ہے کہ آپ چاہیں تو بذات خود بحث کریں اور چاہیں تو اپنی طرف سے جناب مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب کو بحث کے لئے وکیل کریں۔ بناء علیہ میں مکلّف ہوں کہ جناب مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب حسب اتفاق وارد لدھیانہ ہیں جو آج ہی ۱۱ ربجے دن کی ٹرین میں پٹیالہ تشریف لے جائیں گے۔ آپ اس وقت میں ان سے مباحثہ کرنا چاہیں تو میرے مکان پر تشریف لاویں اور ان سے گفتگو کریں اور باقی شروط کو جو متعلق انتظام ہیں آپ جانے دیں۔ کیونکہ اپنے مکان پر انتظام کا ذمہ دار میں خود ہوں گا۔ مگر یہ واضح رہے کہ جناب مولوی صاحب گفتگو سے پہلے چند اصول آپ سے تسلیم کرائیں گے۔ جناب کو بھی اختیار ہے جو اصول چاہیں ان سے تسلیم کرالیں اور متنازعہ فیہ آپ کا یہ دعویٰ ہوگا کہ مسیح جس کے آنے کی احادیث میں خبر ہے آپ ہیں۔ خاکسار: محمد حسن

اس کا جواب نمبر۱۱، از جانب مرزا صاحب:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی!

مخدومی مکرمی حضرت مولوی صاحب سلمہ اللّٰہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ

یہ عاجز بسر وچشم تحریری گفتگو کے لئے موجود ہے۔ اصول پیش کرنے کو بھی میں مانتا ہوں[۳۱۳]۔ چند سوال آپ کی طرف سے چند سوال میری طرف سے ہوں اور امر مجوث عنہ وفات یا حیات مسیح ہوگا۔ کیونکہ اس عاجز کا دعویٰ اسی بناء[۳۱۴] پر ہے۔ جب بنا ٹوٹ جاوے تو یہ دعویٰ خود ٹوٹ جاوے گا۔ اصل امر وہی ہے۔

اس وقت ۱۲ ربجے تک مجھے بباعث بعض نج کے کاموں کے بالکل[۳۱۵] فرصت نہیں۔ بہتر ہے کہ آن مکرم عید کے بعد یعنی شنبہ کے دن کو بحث کے لئے مقرر کریں تا فرصت اور فراغت سے ہر یک شخص حاضر ہو سکے۔

خاکسار: غلام احمد ۹ رمئی ۱۸۹۱ء

مرزا کے اس کا جواب مولانا بٹالوی کی طرف سے:

جس کو خاکسار نے مولوی محمد حسن صاحب کی طرف سے لکھوادیا تھا۔

لدھیانہ: ۹ رمئی ۱۸۹۱ء نمبر ۳۷۰

جناب مکرم مرزا صاحب

بعد سلام مسنون گزارش ہے: آپ کے اشتہار میں دونوں دعوے ہیں۔ مسیح کے فوت ہونے کا دعویٰ اور آپ کے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ۔ ان دونوں دعاوی میں ایسا تلازم نہیں ہے کہ ایک کے ثبوت سے دوسرا دعویٰ ثابت ہو جائے۔ جیسا کہ آپ کے خط میں مرقوم ہے۔ لہٰذا میں یہ چاہتا ہوں کہ پہلے آپ کے مسیح موعود ہونے میں بحث ہو۔ پھر حضرت ابن مریم کے فوت ہونے میں۔ آپ اشتہار میں یہ دونوں دعوے کر چکے ہیں تو اب دوسرے دعوے کی بحث سے کیوں اعراض فرماتے ہیں۔ آپ کو لازم ہے کہ بیان اشتہار کے مطابق دونوں دعاوے میں بحث کرنے کو مستعد رہیں اور ہماری اس تجویز کو (کہ پہلے آپ کے مسیح موعود ہونے میں بحث ہو) منظور کر لیں۔ کیونکہ بحکم اصول مناظرہ ہم کو اختیار ہے کہ آپ کے جس دعوے پر چاہیں پہلے بحث کریں۔ ہاں! آپ اپنے دوسرے دعوے سے دست بردار ہو

جاویں اوراس امر کو بذریعہ تحریر ظاہر کریں تو ہم آپ کے اسی اوّل دعوے پر بحث کرنے کو تیار ہیں۔ احقر: محمد حسن عفا اللہ عنہ، مؤرخہ ۹رمئی ۱۸۹۱ء

از جانب مرزاصاحب اس کا جواب نمبر۱۲:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ ونصلی!

مکرمی حضرت مولوی صاحب سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب آپ خوب جانتے ہیں کہ اصلی امر اس بحث میں جناب مسیح ابن مریم کی وفات یا حیات ہے اور میرے الہام میں بھی یہی اصل قرار دیا گیا ہے کیونکہ الہام[16] یہ ہے کہ ’’مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اس کے رنگ میں ہوکر وعدہ کے موافق تو آیا ہے۔‘‘

سو پہلا اور اصل امر الہام میں بھی یہی ٹھہرایا گیا ہے کہ مسیح بن مریم فوت ہو چکا ہے۔ اب ظاہر ہے اور ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اگر آپ حضرت مسیح کا زندہ ہونا ثابت کر دیں گے تو جیسا کہ پہلا فقرہ الہام کا اس سے باطل ہوگا۔ ایسا ہی دوسرا فقرہ بھی باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ[17] نے میرے دعوے کی شرط صحت مسیح کا فوت ہونا بیان فرمایا ہے اور بحکم اذافات الشرط فات المشروط مسیح کی زندگی کے ثبوت سے دوسرا دعویٰ میرا خود ہی ٹوٹ جائے گا۔

ماسواء اس کے میرے دعویٰ مثیل مسیح میں کسی پر جبر واکراہ[18] تو نہیں کہ خواہ مخواہ اس کو قبول کرو۔ صرف یہ کہا جاتا ہے کہ جس پر مسیح بن مریم کا فوت ہو جانا ثابت ہو جائے۔ پھر وہ خدا تعالیٰ سے ڈر کر میری صحبت میں رہ کر میرے دعوے کی آزمائش کرے۔

اب ظاہر ہے کہ پھر وفات وحیات پر قرعہ[19] پڑا۔ بہرحال یہی امر حقیقی اور طبعی طور پر مبحوث عنہ اور متنازعہ فیہ ٹھہرتا[20] ہے۔ ماسواء اس کے آپ کی غرض دوسری بحث سے جو آپ کے دل میں ہے وہ اس بحث میں بھی بخوبی حاصل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ میں اقرار کرتا ہوں اور حلفاً کہتا ہوں کہ اگر آپ مسیح کا زندہ ہونا کلام الٰہی سے ثابت کر دیں گے تو میں اپنے دعوے سے دست بردار ہو جاؤں گا اور الہام کو شیطانی القاء سمجھ لوں گا[21] اور توبہ کروں گا۔

اب حضرت اس سے زیادہ کیا کہوں۔ خدا تعالیٰ آپ کے دل کو آپ سمجھا دے۔

مکرر یہ کہ اوّل قرآن کریم کی رو سے دیکھا جائے گا کہ کس کس آیت کو آپ حضرت مسیح بن مریم کے زندہ ہونے کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں اور اگر بغیر کسی جرح قدح کے وہ ثبوت

آپ کا مسلم ٹھہرے گا تو بھلا پھر کس کی مجال ہے کہ اس سے انکار کر جائے۔ لیکن اگر قرآن شریف سے آپ ثابت نہ کریں گے تو پھر آپ کو اختیار ہوگا کہ بعد تحریری اقرار اس بات کے کہ قرآنی ثبوت پیش کرنے سے ہم عاجز ہیں۔ احادیث صحیحہ غیر[۱۲۲] متعارضہ کو اس ثبوت کے لئے آپ پیش کریں اور جب آپ ایسا ثبوت دے چکیں گے تو منصفین ترازوے انصاف لے کر خود جانچ لیں گے کہ کس طرف پلہ ثبوت بھاری ہے۔ **والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ!**

مرزا غلام احمد

مرزا کے خط کا مولانا بٹالوی کی طرف سے جواب:

لدھیانہ: ۹رمئی ۱۸۹۱ء نمبر۱۷،۳

جو خاکسار نے مولوی محمد حسن صاحب کی طرف سے لکھوایا۔

مکرمی جناب مرزا صاحب

بعد سلام مسنون گزارش ہے کہ:

۱…… آپ نے یہ الہام کسی رسالہ میں بایں الفاظ وترتیب نقل نہیں کیا۔ کہیں منقول ہے تو بتائیے۔

۲…… اس الہام کے الفاظ سے اگر ان کو تسلیم کرلیا جاوے نہ شرطیت ثابت ہے نہ دونوں[۱۲۳] الہاموں کا تلازم۔

۳…… آپ نے جملہ تحریرات[۱۲۴] واشتہارات میں یہ دونوں مستقل دعوے کئے ہیں بلکہ اپنے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ آپ کا پہلا دعویٰ ہے۔ اب آپ اس دعوے کو پہلے دعوے کے فرع اور اس کے تابع قرار دیتے ہیں تو صاف الفاظ سے کہیں کہ ہم نے اس دعوے کو مستقل ٹھہرانے میں غلطی کی ہے۔ اس اقرار کے بعد آپ کا فرض ہوگا کہ اوّلاً آپ دعویٰ وفات مسیح علیہ السلام کو دلائل سے ثابت کریں۔ پھر ہم اس دعوے میں کلام کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

خاکسار: محمد حسن

اس خط کا جواب دینے سے مرزا قادیانی نے صاف انکار کر دیا اور یہ کہا کہ میں بار بار کیا لکھوں اور ایک ہی بات کا اعادہ کہاں تک کروں اور ۹رمئی سے ۲۷مئی ۱۸۹۱ء تک ہمارے جواب وخطاب سے سکوت کیا۔ جس سے اکثر احباب اولی الالباب فریقین کو یقین ہوگیا کہ مرزا قادیانی نے اپنے دعویٰ مسیحائی سے گریز اور ادّعاء مباحثہ سے فرار اختیار کیا ہے۔

لہٰذا آئندہ مباحثہ موقوف ہوا۔ آخر جب بعض احباب سکنائے ریاست پٹیالہ نے آپ کے پاس لدھیانہ پہنچ کر اس گریز وفرار کے سبب آپ کو منفعل کر کے مباحثہ پر مجبور کیا تو آپ نے کرہاً وجبراً پھر مباحثہ پر اپنے آپ کو آمادہ کیا اور ۲۷ر مئی ۱۸۹۱ء کو مولوی محمد حسن صاحب رئیس لدھیانہ کے نام ایک خط لکھا جس میں دعویٰ مسیحائی میں مباحثہ کرنے کو منظور کیا۔ مگر اس میں بھی ایک راستہ گریز کے لئے رکھ لیا اور یہ تحریر کر دیا کہ درمیانی شروط کا تصفیہ مباحثہ سے ایک روز پیشتر ہوگا اور اپنی مراسلت ماقبل ۲۷ر مئی ۱۸۹۱ء کو اخبار پنجاب گزٹ سیالکوٹ ۳۰ر مئی ۱۸۹۱ء کے ضمیمہ میں چھپوا دیا اور اس میں ایک تو دیانت اور امانت کا کام کیا کہ ہمارے آخری خط نمبر ۱۷؍۳ کو نہ چھپوایا۔ دوسرا تہذیب وروحانیت کا کام کیا کہ ایڈیٹر اخبار سے خوب تبرّا کہلایا اور آئندہ کی مخالفت پر زیادہ تبرّا کہنے کا ڈر سنایا۔

ہر چند آپ کے دو دفعہ کے فرار اور تین ہی دفعہ کی تبرّا بازی پر آپ اس امر کے مستحق نہ تھے کہ آپ کے دعویٰ مباحثہ کی اجابت کی جاتی یا کسی مضمون کی آپ سے کتابت عمل میں آتی۔ مگر صرف مسلمانوں کی نصیحت اور ہدایت اور آپ کے مغالطات سے ان کی خیانت کی نیت سے آپ کی دعوت مباحثہ کو قبول کیا گیا اور ۲۹ر مئی کو خط متضمن منظوری مولوی محمد حسن صاحب کے نام لکھا گیا اور اس میں آپ کے گریز کا راستہ بھی بند کر دیا گیا اور یہ معروض ہوا کہ جو شرائط اب مباحثہ سے ایک دن پہلے طے کرنا چاہتے ہیں وہ آپ سے طے کر لیں۔ ایسا نہ ہو کہ عین موقع پر کسی شرط کے نامنظوری کے عذر سے پھر فرار وقوع میں آوے۔

وہ خط مرزاقادیانی اسی مولوی محمد حسن کا یہ ہے:

مکتوب مرزاقادیانی نمبر ۱۳:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی!

مخدومی مکرمی اخویم حضرت مولوی صاحب سلمہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اس عاجز کی گزارش یہ ہے کہ اب فتنہ مخالفت ہر جگہ بڑھتا جاتا ہے اور مولوی محمد حسین صاحب جس جگہ پہنچتے ہیں یہی وعظ شروع کی ہے کہ یہ شخص ملحد اور دین سے خارج اور کذاب اور دجال ہے۔ میں نے اوّل نرمی سے یہ عرض کیا تھا کہ میرا مسیح ہونے کا دعویٰ مبنی برالہام ہے اور جو امور محض الہام پر مبنی ہوں وہ زیر بحث نہیں آسکتے۔ بلکہ خداتعالیٰ رفتہ رفتہ

ان کی سچائی آپ ظاہر کرتا ہے۔ ہاں! مسیح کی وفات یا حیات کا مسئلہ گو میرے الہام کا اصل الاصول ہے مگر بباعث ایک شرعی امر ہونے کے زیربحث آ سکتا ہے اور اگر مسیح کی زندگی ثابت ہو جائے تو میرا دعویٰ مؤخرالذکر خود ہی ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن یہ عرض میری منظور نہیں کی گئی اور اصل حقیقت کو محرف کر کے منشی سعداللہ صاحب نے جو چاہا چھپوا دیا اور لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے کی کوشش کی اور میرے پر یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ وہ لیلۃ القدر سے منکر ہیں اور اس کے خلاف اجماع معنی کرتے ہیں اور یہ بھی الزام لگایا گیا ہے کہ ملائکہ کے وجود سے منکر ہیں اور ملائکہ کو صرف قوتیں سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ سارے الزام محض بہتان[۱۲۵] ہیں۔ یہ عاجز اسی طرح ان سب باتوں پر ایمان رکھتا ہے جو قال اللہ اور قال الرسول سے ثابت ہیں اور سلف[۱۲۶] صالحین کا گروہ ان کو مانتا ہے سو اس وقت مجھے خیال ہے کہ میرا ہر حال میں خدا تعالیٰ ناصر[۱۲۷] ہے۔ مجھے ہر طرح اتمام حجت کرنا چاہئے۔ لہٰذا مکلّف ہوں کہ میں نے مولوی محمد حسین صاحب کی یہ درخواست بھی منظور[۱۲۸] کی کہ مسیح موعود میں بحث کی جائے۔ مگر بحث تحریری ہوگی اور تحریر میں کسی دوسرے کا ہرگز دخل نہیں ہوگا۔ کیونکہ اب میں ایک مہجور[۱۲۹] کی طرح آدمی ہوں۔ میرے ہاتھوں کی طرح کسی دوسرے کے ہاتھ یہ کام نہیں کریں گے۔ مولوی محمد حسین صاحب بھی اپنے ہاتھ سے لکھیں اور میں اپنے ہاتھ سے لکھوں گا۔ درمیانی شرائط کا تصفیہ بحث سے ایک دن پہلے ہو جائے لیکن دس روز پہلے مجھے خبر ملنی چاہئے تا لوگ جو شکوک وشبہات میں غرق ہوگئے ہیں۔ ان کو بذریعہ اشتہارات وخطوط میں بلالوں اور تا اس بحث سے ایک عام نفع مترتب ہو اور ہر روز کا جھگڑا طے ہو جائے۔ آپ پر یہ فرض ہے کہ آپ براہ مہربانی آج محمد حسین[۱۳۰] صاحب کو اطلاع دیں اور بحث سے دس دن پہلے مجھے مطلع فرمادیں۔ والسلام!

خاکسار: غلام احمد، ۲۷ رمئی ۱۸۹۱ء

<u>اس کا جواب جو مولانا بٹالوی نے محبی مولوی محمد حسن سے لکھوایا:</u>

مکرمی جناب مرزا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کے خط مؤرخہ ۲۷ رمئی ۱۸۹۱ء سے جناب مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب کو اطلاع دی گئی۔ مباحثہ کے لئے آپ جو تاریخ مقرر کریں گے اس پر مولوی صاحب کو تیار سمجھیں لیکن شرائط کے لئے جو آپ نے لکھا ہے کہ درمیانی شرائط کا تصفیہ ایک دن پہلے ہو جائے۔ وہ اس کو منظور نہیں کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ شرائط کا تصفیہ بھی پہلے ہو جانا چاہئے

اورابھی بذریعہ تحریر شرائط کوٹھیک کرلینا چاہئے۔اس لئے گزارش ہے کہ میرے مکان پر بحث ہو اپنے مکان پر انتظام کا ذمہ وار میں خود ہوں۔تحریر فریقین اپنے اپنے ہاتھ سے کریں یا کوئی نویسندہ مقرر کریں۔اس میں اختیار ہے۔اپنا دعویٰ مع دلائل آپ پیش کریں اوراس پر جانب ثانی جو جواب دینا چاہیں دیں۔ختم وقطع بحث وکلام کے لئے کوئی حاضرین سے منصف ہو جائے۔کسی کی منصفی منظور نہ ہوتو جو فریق چاہے کلام قطع کر دے اور منصفی کو ناظرین پر چھوڑ دے۔آپ جو شرائط اور مناسب سمجھیں اس سے اطلاع دیں یا ان میں اگر کوئی تغیر وتبدل چاہیں تولکھیں۔ خاکسار: محمد حسن عفا اللہ عنہ، ۵؍جون ۱۸۹۱ء

اس خط کے جواب میں جو خط مرزاصاحب نے مجی مولوی محمد حسن کے نام تحریر کیا اوراس میں شرائط فاسدہ کو درج کیا وہ یہ ہے:

خط مرزا کادیانی نمبر۱۴:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی!

مخدومی مکرمی حضرت مولوی صاحب سلمہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عنایت نامہ پہنچا۔شرائط مندرجہ ذیل ہونی چاہئیں۔

۱...... جلسہ بحث آپ کے مکان پر ہواورامن قائم رکھنے کے لئے تمام انتظام آپ کے ذمہ ہوگا۔یہ بات قریب یقین کے ہے کہ چھ سات ہزار آدمی تک اس جلسہ میں جمع ہوجائیں گے۔ایسا مکان تجویز کرنا آپ ہی کے ذمہ ہوگا۔میرے نزدیک یہ بات نہایت ضروری ہوگی کہ کوئی یورپین افسر اس جلسے میں ضرور تشریف رکھتے ہوں۔کیونکہ اس طرف چند آدمی اور دوسری طرف صدہا آدمی ہوں گے اور اکثر بدزبان اور مکفر ہوں گے۔بغیر حاضری کسی یورپین کے ہرگز انتظام نہیں ہوسکتا۔لیکن اگر آپ کے نزدیک یورپین افسر کی ضرورت نہیں تو اوّل مجھے اپنی دستخطی تحریر سے مطلع فرمادیجئے کہ میں کامل انتظام گروہ مفسد خیال لوگوں کا کر لوں گا اوران کا منہ بند رہے گا اورکسی یورپین افسر کی کچھ ضرورت نہیں ہوگی۔اس صورت میں میں یہ شرط بھی چھوڑ دوں گا۔پھراس تحریر کے بعد ہرایک نتیجہ کے آپ ہی ذمہ دار ہوں گے۔

۲...... بحث تحریری ہرایک فریق اپنے ہاتھ سے لکھے اور جو شخص لکھنے سے عاجز ہو وہ اوّل یہ عذر ظاہر کرکے کہ میں لکھنے سے عاجز ہوں۔دوسرے سے لکھادیوے کیونکہ اپنے ہاتھ سے

لکھا ہوا اوّل درجے پر سند کے لائق ہوتا ہے اور دوسروں کی تحریریں اگرچہ تصدیق کی جائیں۔ مگر پھر بھی اس درجے پر نہیں پہنچتیں۔ کیونکہ ان میں تحریف کاتب کا عذر[۱۳۱] ہوسکتا ہے۔

۳...... پرچے پانچ ہونے چاہئیں جو صاحب اوّل لکھے ایک پرچہ زائد ان کا حق ہے اور مولوی محمد حسین صاحب کو اختیار ہوگا چاہیں وہ پہلا پرچہ لکھنا منظور کرلیں یا اس عاجز کا لکھنا[۱۳۲] منظور رکھیں۔ جس طرح پسند کریں مجھے منظور ہے۔

۴...... ہر ایک پرچہ فریقین کی ایک ایک نقل بعد دستخط[۱۳۳] صاحب راقم فریق ثانی کو اسی وقت بلاتوقف دی جاوے اور پھر جلسہ عام میں وہ پرچہ آواز بلند سے سنادیا جاوے۔

۵...... اس بحث میں تقریراً یا تحریراً کسی تیسرے آدمی کا ہرگز دخل نہ ہو نہ تصریحاً نہ اشارتاً نہ کنایۃً اور جلسہ بحث میں کسی کتاب سے مدد نہ لی جائے بلکہ جو کچھ فریقین کو زبانی یاد ہے وہی لکھا جاوے۔ تا تکلف[۱۳۴] اور تصنع کو اس میں دخل نہ ہو، لیکن اگر کوئی فریق یہ ظاہر کرے کہ میں بغیر کتابوں کے کچھ لکھ نہیں سکتا تو پہلے یہ تحریری اقرار اپنی عجز بیانی کا دے کر پھر اسے کتاب سے مدد لینے کا اختیار ہوگا۔

۶...... اگر کوئی فریق بعض امور تمہیدی قبل از اصل بحث پیش[۱۳۵] کرنا چاہے تو فریق ثانی کو بھی اختیار ہوگا کہ ایسے ہی امور تمہیدی وہ بھی پیش کرے۔ مگر دونوں کی طرف سے یہ تمہیدی امور ایک ایک پرچہ تحریری طور پر پیش ہوں گے۔ ایسے پرچہ کی نسبت فریقین کو اختیار ہوگا کہ جو پہلے لکھ رکھا وہی پیش کردے۔ لیکن دوسری تمام تحریر روبرو جلسے کے ہوگی۔ کوئی تحریر اپنے گھر سے لکھی ہوئی پیش نہیں کی جائے گی۔

۷...... بحث صبح کے چھ بجے سے دن کے گیارہ بجے تک ہوگی اور اگر ایک جلسہ کافی نہ ہوگا تو پھر دوسرے جلسہ میں اور اگر دوسرا بھی کافی نہ ہو تو تیسرے دن تک ہوسکتی ہے۔

۸...... پرچوں کی تحریر کا وقت مساوی ہونا چاہئے۔

۹...... بحث کے دن سے پہلے دس روز ہمیں اطلاع ہونی چاہئے۔ کیونکہ اس بحث کے دیکھنے کے لئے دور دور سے لوگ آنے والے ہیں۔

۱۰...... بحث جلسہ[۱۳۶] عام میں ہوگی اور یہ عاجز اپنے دوستوں کو اطلاع دینے کے لئے ایک اشتہار چھاپ کر شائع کرے گا اور فریق ثانی کا اختیار ہوگا۔ چاہے وہ بھی اشتہار شائع کرے یا نہ کرے۔

۱۱…… حاضرین کی منصفی کی کچھ ضرورت نہیں اور نہ ہوسکتی ہیں بلکہ دونوں فریق کی تحریریں اخبارات اور اشتہارات کے ذریعہ سے پبلک کے سامنے رکھی جائیں گی۔ تب لوگ عام طور پر خود انصاف کرلیں گے۔ راقم: مرزا غلام احمد عفی عنہ از لدھیانہ، ۶؍جون ۱۸۹۱ء

اس کا جواب جو مولانا بٹالوی نے مولوی محمد حسن صاحب سے لکھوایا:

نمبر ۳۹۷ مکرمی جناب مرزا صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

خط مؤرخہ ۶؍جون ۱۸۹۱ء میں جو شروط جناب نے پیش کی ہیں ان میں اکثر شروط فاسدہ[۱۳۷] ہیں:

۱…… آپ کی پہلے شرط کہ مکان چھ سات ہزار آدمی کے لائق ہو اور پھر ذمہ داری خاکسار کی طرف سے ہو، ناقابل قبول شرط ہے۔ میں نے صرف اپنے مکان میں ذمہ داری کا وعدہ کیا ہے اور میرے مکان میں جس قدر آدمیوں کی گنجائش ہے جناب کو معلوم ہے۔ پھر میں اس شرط کو کیونکر قبول کرسکتا ہوں؟ آپ میری تحریر سابق کے خلاف یہ شرط بڑھاتے اور چھ سات ہزار کی جمعیت کا مکان تجویز کرنا چاہتے ہیں تو خود کریں اور خود ہی ذمہ دار امن اس ازدھام عام کے بنیں۔ یورپین افسر کو بلادیں یا پولیس سے کام لیں[۱۳۸] اور اگر خاکسار کی ذمہ داری منظور خاطر سامی[۱۳۹] ہے تو آپ اس بے فائدہ اور عسیر الوقوع شرط کو جانے دیں اور صرف چند آدمی (جیسا کہ جناب خط میں لکھتے ہیں) ہمراہ لے کر خاکسار کے مکان پر آنا منظور فرماویں۔ مگر پہلے ان آدمیوں کی فہرست مرتب کر کے میرے پاس بھیج دیں یا (اگر یہ منظور نہ ہو) تو خاص ان کی طرف سے فساد وقوع میں نہ آنے کے آپ ذمہ دار ہوں۔ جانب ثانی کی جمعیت کا مجھے اختیار ہے۔ میں چاہوں اور مطمئن نہ ہوں تو ایک کو بھی اپنے مکان میں آنے نہ دوں اور چاہوں تو چند معزز ذی وقار اشخاص کو جن کی طرف سے مطمئن ہوں آنے دوں۔ اس صورت میں جناب کو اس مضمون کی دستاویز دے سکتا ہوں کہ اس جانب سے کوئی شخص شر وفساد نہ کرے گا۔

۲…… شرط دوم میں جب کہ فریقین کی تحریرات کا پڑھا جانا اور ان پر فریقین کے دستخطوں کا ثبت ہونا آپ نے تجویز کیا ہے تو پھر تحریف وتبدیل کا امکان کہاں ہے[۱۴۰] ومعہذا حسب درخواست آپ کی یہ شرط منظور رہے۔

۴...... آپ کی تیسری اور ساتویں شرط کسی طرح قابل تسلیم نہیں اور کوئی اہل علم قبول نہ کرے گا۔[۱۴۱] جناب من! ایسے مشکل مسائل کی بحث کا دو دو سوال وجواب میں اور محدود اوقات وایام میں طے ہونا عادتاً محال ہے۔ مباحثہ سے مقصود تحقیق واظہار حق ہے نہ مغالطہ۔ ہمارے اور ہر ایک منصف طالب تحقیق کے نزدیک نہ ایام کی تعیین ہونی چاہئے نہ تعداد سوالات وجوابات بلکہ جس قدر سوال وجواب فریقین چاہیں کریں اور جس قدر ایام میں مباحثہ تمام ہو کیا جاوے۔ جب تک کوئی فریق کہنے سننے کی گنجائش پاوے کہتا سنتا جاوے اور جب وہ دیکھے کہ فریق ثانی کج بحثی کرنے لگا ہے۔ جس کے جواب سے تعرض ضروری نہیں تو وہ اس وقت اپنے کلام کو قطع کردے اور انصاف کو سامعین وناظرین پر چھوڑ دے۔

۵...... شرط پنجم میں جو آپ نے لکھا ہے کہ فریقین جو کچھ لکھیں زبانی یاد سے لکھیں۔ کتاب کی طرف رجوع نہ کریں۔ قابل قبول نہیں۔[۱۴۲] مقابل اپنی تحریر میں کوئی ایسی بات لکھنا نہیں چاہتے جس میں ان کا سلف سے کوئی امام نہ ہو۔ لہٰذا ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی ہر ایک بات پر شہادت کتب پیش کریں اور ان کتابوں کی عبارتیں نقل کریں اور یہ بات ظاہر ہے کہ بجز قرآن مجید بڑی بڑی کتب حدیث وتفسیر وعقد واصول کو اوّل سے آخر تک کوئی شخص بزبان یاد نہیں رکھتا۔ پس آپ کی اس شرط کو کیونکر منظور کریں۔ آپ اس شرط پر اصرار کریں گے تو کافۂ اہل علم کے نزدیک جو ثبوت دعوے کے لئے کتب سلف کی عبارات کی شہادت ضروری سمجھتے ہیں اور تحریری وتقریری مناظرات میں عبارتیں نقل کرتے چلے آتے ہیں۔ مصر علی خلاف الحق متصور ہوں گے۔ کیونکہ علم منقول یعنی دین میں نقل بکار ہے نہ محض خیالی اور عقلی باتیں۔

۶...... آپ کی شرط ہشتم محض تحکم[۱۴۳] ہے۔ جناب من! یہ کسی یونیورسٹی کا امتحان نہیں کہ جواب وسوالات کے لئے مساوی وقت مقرر کیا جاوے۔ مباحثہ اور مناظرہ میں تو اس مساوات کے کوئی معنی نہیں۔ ایک شخص مدعی ہو تو اس کو اثبات دعویٰ اور ایراد دلائل کے لئے اس قدر وقت بے کار ہے کہ اس کے مقابل مانع کو جو صرف لانسلم کہہ کر سکوت اختیار کرسکتا ہے۔ اس وقت کا عشر عشیر بھی بیکار نہیں ہے اور دو مدعیوں میں سے بھی ممکن ہے کہ ایک کا دعویٰ تھوڑے ثبوت کا محتاج ہو اور دوسرے کا زیادہ ثبوت طلب ہو۔ بنظر انصاف آپ دیکھیں گے تو خود ہی اس شرط کو ترک فرمادیں گے۔

۷...... شرط یازدہم بھی خلاف انصاف ہے۔ مجلس مناظرہ میں اگر کوئی منصف نہ ہو تو کم ازکم شروط مسلمہ کی پابندی کرانے والا کوئی حکم تو ضرور چاہئے۔ صرف آپ کے خاطر ہم اس شرط کو منظور کرتے ہیں۔

ان شروط فاسدہ کو جناب واپس لیں اور بجائے ان کے شرائط صحیحہ کو تسلیم کر لیں تو اس امر کو بذریعہ خط اسمی جناب مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب ظاہر کریں اور وہ خط خاکسار کے پاس بھیج دیں۔ جس پر جناب مولوی صاحب بتاریخ مناسب مقرر فرما کر میری معرفت جناب کو اطلاع دیں گے۔ خاکسار: محمد حسن عفا اللہ عنہ لدھیانہ، ۱۲؍جون ۱۸۹۱ء

اس خط کا جو جواب مرزاصاحب نے مولوی محمد حسن صاحب کو دیا ہے اس میں شرط اوّل کی ترمیم سے انکار کیا اور اپنی اسی شرط پر اصرار کا اظہار فرمایا۔ باقی شرائط کی ترمیمات کی نسبت سکوت اختیار کیا اور یہ بہانہ پیش کر دیا کہ باقی شرائط جس قدر اس عاجز سے کہیں ہیں وہ آن مکرم سے نہیں بلکہ مولوی صاحب محمد حسین سے ہیں۔ اگر انہیں منظور ہوں یا نامنظور ہوں وہ اپنی قلم سے اطلاع دیں اور جب تک وہ خود اطلاع نہ دیں تب تک یہ عاجز کچھ نہیں کہہ سکتا۔

چلو چھٹی ہوئی اور بحث ختم ہوئی اور مرزاصاحب کے جوش وخروش پر یہ مثل صادق آئی ۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا جو چیرا تو اک قطرہ خون نکلا

مرزاصاحب نے یہ بات لکھتے ہوئے یہ خیال نہ فرمایا کہ آپ نے ان شروط میں مجھے کب مخاطب بنایا اور میری طرف کون سا خط ارسال کیا تھا کہ میں بلاواسطہ ان کو مخاطب بناتا اور اپنی قلم سے ترمیمات مذکورہ سے ان کو اطلاع دیتا۔ جس کو آپ نے وکیل بنا کر ان شروط سے مخاطب کیا تھا۔ اس کو میں نے جواب دے دیا۔ جس کا آپ کو بھی اقرار ہے۔ پھر اس جواب کو تسلیم نہ کرتا اور اپنے وکیل کی وکالت کو ساقط الاعتبار ٹھہرانا گریز وفرار نہیں تو کیا ہے۔ یہ تیسری دفعہ گریز وفرار کا الزام ثابت ہوا۔ اس پر بھی ہم آپ کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ لیجئے! اس جواب شروط کو اپنے رسالہ میں چھاپ کر ارسال کرتے ہیں۔ آپ کوئی اور حیلۂ فرار نکالئے اور مباحثہ سے جان چھڑائیے۔ ناظرین خود انصاف کریں گے۔

(اشاعۃ السنۃ ج۱۳ شمارہ ۱تا۳ ص۱تا۱۰۰)

حاشیہ جات

۱ قرآن کی ان آیات میں اشارات ہیں:''وان من اهل الکتاب الّا لیؤمننّ به قبل موته (نساء:۱۵۹) وانه لعلم للساعة فلا تمترن بها (زخرف:۶۱)''اوراحادیث صحیحین وغیرہ میں تصریحات بکثرت ہیں۔ان سب کی تفصیل ریویو میں ہوگی۔ ان شاء الله!

۲ حضرت خضر علیہ السلام کا چلتی کشتی کے تختے کو اکھاڑ دینا، ایک بے گناہ لڑکے کی جان مارنا، ایک گرتی ہوئی دیوار کو کھڑا کر دینا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان تینوں فعلوں پر معترض ہونا۔سورۂ کہف کے دسویں رکوع میں مذکور ہے۔اس کی تفصیل بھی ریویو میں ہوگی۔

۳ ایسا ہی اصل خط میں''آتا''کا لفظ ہے۔

۴ حسن ظنی کی ایک حد مقرر ہونی چاہئے۔کیا اگر کوئی مسلمان یہ دعویٰ کرے کہ میں نبی آخرالزمان ہوں یا مجھے الہام میں شراب کی اجازت ہوگئی ہے تو ہم اور آپ اس کے حق میں حسن ظنی کریں گے، ہرگز نہیں۔اس کی اور توضیح ریویو میں ہوگی۔

۵ بے شک میں اس مدح سے ناراض ہوں۔ مولانا وشیخنا وشیخ الکل کے معلومات سے میری معلومات کو وہ نسبت ہے جو بادشاہ سے ایک گداکو ہے۔اس تفصیل معلومات کے مقابلہ میں میرے وہ کام لائق شمار نہیں ہیں۔

۶ اس حدیث صحیح کا جس کی طرف آپ اشارہ کرتے ہیں یہ مطلب نہیں کہ خلاف شریعت پر سکوت کیا جائے اور نہ قرآن میں یہ اشارہ ہے۔اس کی تفصیل بھی ریویو میں ہوگی۔ان شاءاللہ تعالیٰ!

۷ اس مراسلت کی نقل بعد اختتام نقل مراسلت مرزا قادیانی ہوگی۔ان شاءاللہ تعالیٰ!

۸ اس خط سے خاص کر خاکسار سے گفتگو کرنے سے مرزا قادیانی کا انکار شروع ہوا ہے۔

۹ جس چیز کا تجھے حال معلوم نہیں اس کے پیچھے نہ لگ اور جس چیز کی حقیقت تجھے معلوم نہیں اس میں دخل نہ دے۔میرے معاملہ کو خدا کے سپرد کر۔خدا تجھے اس کا اجر دے گا۔اے میرے بھائی!اور میں آسمان کی طرف دیکھ رہا ہوں اور خدا کی تائید کا امیدوار ہوں۔ میں خدا کی طرف سے وہ علم دیا گیا ہوں جو تم لوگ (علماء ظاہر) نہیں دیئے گئے۔سلام ہو اس پر جو ہدایت کا پیرو ہو۔

۱۰ یعنی ایسی بات نہ کہہ جس کی بابت کل کو (قیامت کے دن) تجھے عذر کرنا پڑے۔

۱۱ یعنی ہر ایک آدمی کو اس کے فعل پر اس کی نیت کا پھل ملے گا۔

۱۲؎ یعنی کافروں پر سختی کر۔

۱۳؎ یعنی اپنے پیر مرزا کادیانی کی۔

۱۴؎ اصل خط لدھیانہ میں بھیجا گیا جہاں مرزا کادیانی تین تاریخ مارچ کو بلا اطلاع خاکسار پہنچ گئے۔ اگر آپ تاریخ سے اطلاع دیتے تو میں امرتسر یا بٹالہ میں آپ کو ملتا۔

۱۵؎ یہ مولوی صاحب پنجاب کے مشہور مقتداء مولوی محمد بن بارک اللہ صاحب تفسیر محمدی کے بڑے صاحبزادہ ہیں اور حضرت مولانا وشیخنا مولوی عبداللہ صاحب غزنوی مرحوم کے خلیفہ ہمارے اعتقاد میں (واللہ حسیبہ) یہ بڑے باخدا ذاکر اور صاحب خشیت ہیں۔ اکثر بات سوچ کر منہ سے نکالتے ہیں۔ مگر مزاج میں قدرتی تیزی ہے۔ اوائل عمر میں منقولات کے پڑھنے کا اثر ہے اور اپنے مخالفین اعتقاد پر تشدد کی عادت ہے۔

۱۶؎ یہ مولوی صاحب حضرت مولوی عبداللہ صاحب غزنوی مرحوم کے صاحبزادہ ہیں اور اب ان کے جانشین ہیں اور میاں عبدالحق صاحب اس خاندان کے تلامذہ اور اصحاب سے ہیں۔ یہ سب لوگ الہامی کہلاتے ہیں۔

۱۷؎ شاید آپ کے ذہن میں مقرر ہوگئی ہو نہ آپ کے فریق مقابل نے اس تاریخ کو تسلیم کیا ہے نہ جلسہ کے ذمہ داروں نے۔ ان میں سے ایک صاحب فتح علی شاہ توج کو چلے گئے۔ دوسرے صاحب حافظ محمد یوسف نے آپ کو صاف جواب دے دیا تھا اور یہ لکھا تھا کہ اس باب میں آپ ابوسعید محمد حسین سے جب چاہیں گفتگو کرلیں۔ ۸؍مارچ کی حاضری آپ سے نہیں ہوئی تو اب اور تاریخ میں جلسہ کرادینے کے ہم ذمہ دار نہیں ہوسکتے۔ پھر معلوم نہیں کہ اس تقرری تاریخ سے آپ کی کیا مراد ہے۔

۱۸؎ پہلے تو یہی خیال تھا۔ اب مرزا کادیانی نے آخری خط اور اشتہار ۲۶؍مارچ میں مدعی بنادیا ہے۔

۱۹؎ آپ کی یہ حالت جو کئی سال سے ہے آپ کے دعوے مثیل مسیح ہونے کو توڑ رہی ہے۔ مثل اور مثیل ہونے کے لئے بہمہ وجوہ اور پوری مشابہت کا ہونا شرط ہے اور آپ خود اس مشابہت تامہ کے براہین کے (ص۴۹۹، خزائن ج۱ ص۵۹۴) میں مدعی ہیں۔ چنانچہ آپ کے اور ہمارے خطوط آئندہ میں بھی لفظ مشابہت تامہ براہین سے نقل کیا گیا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ حال تھا کہ وہ باذن اللہ مردوں کو زندہ کرتے، اندھے مادرزاد اور کوڑھے کو اچھا کرتے۔ (ان معجزات کی ردوتاویل میں آپ اگر یہ کہیں کہ ان سے روحانی زندگی اور روحانی صحت مراد ہے تو آپ خاصے اور پکے نیچری اور برہمو اور آریہ سماج کے بھائی ہیں۔ مگر آسمانی نشان دکھانے کے آپ کے صرف دعوے فقرہ بازیاں ہیں) آپ کیسے مثیل مسیح ہیں کہ اپنے

آپ کو اچھا نہیں کر سکتے۔ آپ کے مرید اور آپ خود اسی مشابہت تامہ کی نظر سے آپ کی شان میں اشعار ذیل لکھ چکے ہیں۔

سب مریضوں کو ہے تمہی پہ نگاہ تم مسیحا بنو خدا کے لئے
کیا شک ہے ماننے میں تمہیں اس مسیح کے جس کی مماثلت کو خدا نے بتادیا
حاذق طبیب پاتے ہیں تم سے یہی خطاب خوبوں کو بھی تو تم نے مسیحا بنا دیا

مگر اپنا حال دیکھ کر آپ کو اور آپ کے مریضوں (یا مریدوں) کو اب یہ شعر پڑھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

جو طبیب اپنا تھا وہ خود مرض سے ناچار ہے مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے

میرے عزیز دوست ثبت العرش ثم النقش آپ اپنے لئے مسیح بنیں اور خود صحت حاصل کریں۔ پھر اور بیماروں کے لئے مسیح ہونے کا دعویٰ کریں اور اگر آپ اس کے جواب میں کہیں کہ میں صرف روحانی مسیح ہوں۔ روحانی امراض کا علاج کرنے آیا ہوں۔ لہٰذا میرا خود بیمار رہنا اس دعوے مسیحائی کے منافی نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں آپ مشابہ مسیح کہلاتے۔ مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ نہ کرتے۔ مثیل بھی کیسے؟ آسمانی نشان دکھانے کے مدعی آپ یہی نشان آسمانی کیوں نہیں دکھاتے کہ خود بیمار نہ ہوں اور صحت وتوانائی حاصل کر کے اس کام کو پورا کریں جو آپ کے ذمہ مسلمانوں کا ایک دین لازم ہے۔ وہ کام کتاب براہین احمدیہ کا اتمام ہے جس کے عوض میں آپ مسلمانوں سے ہزارہا روپیہ وصول کر چکے ہیں۔ یہ نشان آسمانی دکھانا آپ کے اختیار میں نہیں ہے تو آپ آسمانی نشان دکھلانے کے دعویٰ سے دست بردار ہو جائیں اور مثیل مسیح ہونے کے دعوے کی غلطی کا اشتہار دیں۔ حضرت مسیح ابن مریم سے کسی خاص امر میں مشابہت ہے تو صرف شبیہ یا مشابہ مسیح کہلائیں اور قرآن مجید اور محاورات عرب کی طرف رجوع فرما کر یہ امر اپنے خیال میں لاویں کہ مماثلت کے لئے تامہ مشابہت کا ہونا شرط ہے۔

۲۰ اس صورت میں جلسہ عام میں گفتگو کرنے کا کیوں دعویٰ کرتے ہیں۔ وہاں حکیم نورالدین صاحب کی امداد کا بھروسہ ہے (جس کو آپ خط نمبر۵ کی پانچویں شرط میں ظاہر کر چکے ہیں) تو جلسہ خاص کے لئے کیوں ان کو بلا نہیں لیتے۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ فریق مقابل سے آپ خاص کر اسی خاکسار کو گفتگو کے لئے منتخب کرنا چاہتے ہیں (جس کو فریق ثانی بھی امید ہے کہ پسند کریں گے) پھر آپ کی طرف سے بوقت دورہ مرض حکیم صاحب پیش ہوں اور جو گفتگو ہو وہ تحریری ہو، جو آخر چھپ کر عوام میں مشتہر ہو تو اس صورت میں جلسہ خاص جلسہ عام کے حکم میں ہو جائے جو فائدہ آپ جلسہ عام سے مدنظر رکھتے ہیں اس جلسہ

خاص سے حاصل ہو۔ بہتر ہے کہ آپ اس جلسہ کا موقعہ دیں۔ مگر اس میں جلدی کریں تو میں اس جلسہ کے لئے اپنے سفر کو ملتوی کر سکتا ہوں۔

۲۱ اس چال کو ناظرین دیکھیں کہ کہیں مباحثہ سے انکار ہے کہیں تحدی واقرار اور تعجب کی بات یہ ہے کہ خلوت اور دوستانہ گفتگو کی طرف بلایا جاتا ہے تو ضعف و بیماری کے عذر سے انکار کیا جاتا ہے اور مجلس عام میں مباحثہ کرنے کو مستعدی ظاہر کی جاتی ہے۔ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ مستعدی صرف اس وجہ سے ہے کہ انعقاد مجلس عام کی ان کو امید نہیں۔ لہٰذا بےفکری سے دعویٰ کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

۲۲ یہ الفاظ آپ کے دل میں ہوتے اور تواضعاً لکھے جاتے تو یہ آپ کی فضیلت اور کمال ثابت کرتے۔ مگر ان الفاظ کا دل سے لکھا جانا لوگ تب مانتے جب کہ مولوی محمد اسماعیل صاحب ساکن علی گڑھ کے حامی ڈاکٹر جمال الدین نامی کے آپ کے حق میں اس قدر کہنے پر کہ آپ علمی لیاقت نہیں رکھتے اور اپنی عجز بیانی اور خوف امتحانی کی وجہ سے علی گڑھ میں وعظ کہنے سے انکار کیا تھا۔ آپ ناخوش نہ ہوتے اور ان الفاظ کے سبب غیظ وغضب میں آ کر بیچارہ ناکردہ گناہ مولوی محمد اسماعیل کے حق میں رسالہ (فتح اسلام ص۳۲، خزائن ج۳ص ۱۹،۲۰ حاشیہ ملخص) میں یہ کلمات لکھتے رہے: ''یہ آپ کی عالمانہ عظمت اور ہیبت سے میں ڈر گیا ہوں تو اس کے جواب میں آپ یقیناً سمجھیں کہ جو لوگ تاریکی اور نفسانی ظلمتوں میں مبتلا ہیں۔ اگر وہ دنیا کے تمام فلسفہ اور طبعی کے جامع بھی ہوں تب بھی میری نگاہ میں ایک مرے ہوئے کیڑے سے ان کی زیادہ وقعت نہیں۔ مگر آپ اس مرتبہ علم کے آدمی بھی نہیں۔ صرف پرانے خیالات کے ایک خشک ملاّ ہیں اور یہی کمینگی جو تاریک خیال ملاّؤں میں ہوا کرتی ہے۔ آپ کے اندر موجود ہے اور آپ کو یاد رہے کہ اکثر میرے پاس محقق اور جامع فنون اور معلومات وسیع رکھنے والے آتے اور اسرار معارف سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں کہ اگر میں ان کے مقابل پر آپ کو طفل مکتب بھی کہوں تو اس قدر کلمہ سے بھی آپ کو وہ عزت دوں گا جس کے آپ مستحق نہیں۔''

۲۳ کافی نہیں بلکہ لازمی اور ضروری تھا کہ اگر آپ اس الہام کو الہام سمجھتے تھے تو اس کو اپنے خاص حواریوں پر ظاہر فرماتے نہ یہ کہ اردو زبان میں چھاپ کر تمام جہاں میں شائع کرتے۔ اہل اللہ پر جو ایسے معارف وحقائق کھلتے ہیں جن پر ظاہر شریعت کی شہادت نہیں ہوتی تو وہ ان کو عامہ متعبدین شریعت پر ظاہر نہیں کیا کرتے۔ کبھی کسی نے نہ سنا ہوگا کہ حضرت خضر علیہ السلام یا کسی اور ولی نے اپنے ایسے مکاشفات کا اشتہار دیا ہو اور ظاہر شریعت کا کچھ لحاظ نہ کیا ہو۔ اس قسم کے اشتہارات کے سبب آپ کے دوست جو آپ پر حسن ظن رکھتے تھے اور آپ کو الہامی جانتے تھے وہ بھی آپ سے ناخوش ہوگئے ہیں جو کلمات وہ کہتے ہیں ہم ان کو بخوف ملال خاطر سامی نقل نہیں کر سکتے۔

۲۴ ’’قال اللہ قال الرسول ‘‘ کا کیا بیان کیا۔ نیچریت اور باطنیت (باطنیت ایک ملحد فرقہ ہے جو خدا کے حرام کو حلال اور اس کے احکام وحدود کو معطل کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل ریویو میں ہوگی) کا دروازہ کھول دیا۔ آیات اور الفاظ قرآن (جبرئیل، لیلۃ القدر، نزول، قبض ارواح وغیرہ) کے وہ معنی کئے کہ اس میں نیچریوں کے بھی کان کاٹے بلکہ آریہ اور برہموسماج کے (جن کے ردومقابلہ کے آپ بظاہر مدعی ہیں) اصول اختیار کئے۔ آپ اس ’’قال اللہ وقال الرسول ‘‘ کے بیان سے خاموش رہتے تو آپ کے حق میں بہتر تھا۔ میں سچ کہتا ہوں جس قدر آپ کے اس بیان: ’’قال اللہ وقال الرسول ‘‘ سے لوگوں کو آپ پر بدگمانی ہوگئی ہے اور ان کے دلوں میں آپ کی عداوت کی آگ مشتعل ہوئی ہے۔ اس قدر آپ کے اس مجرد دعویٰ سے کہ میں مسیح ہوں ہرگز نہ ہوتی۔ اس اجمال کی تفصیل ریویو میں ہوگی۔ ان شاءاللہ تعالیٰ!

۲۵ اب اس قسم کا اقبال واقرار آپ کے لئے مفید نہیں ہوسکتا اور آپ کو اس حدیث صحیح مسلم کا مصدق نہیں بناتا جس میں مسیح کے مشرق دمشق میں اترنے کا بیان ہے۔ اس حدیث میں ابن مریم کے نزول کا ذکر ہے، نہ کسی روحانی مسیح یا مثیل مسیح کا اور جس حالت میں آپ اس خط میں اور عبدالحق غزنوی کی درخواست مباہلہ جواب میں جس کو اب پنجاب گزٹ میں مشتہر کر چکے ہیں۔ صاف اظہار کر چکے ہیں کہ ابن مریم فوت ہوگیا ہے۔ وہ اپنے خاکی وجود سے آسمان سے نہ اترے گا تو پھر ان اقراروں سے آپ کو کیا فائدہ پہنچتا ہے۔

۲۶ یہ تاویل نزول بھی صریح انکار حدیث نزول سے بدتر ہے۔ نزول کے یہی معنی مراد ہیں تو آپ اس نزول کو اپنے لئے کیوں تجویز نہیں کرتے۔ کسی آئندہ مسیح سے اس نزول کو کیوں مخصوص کرتے ہیں۔ آپ خود مسافرانہ طور پر دمشق میں جا کر اتر سکتے ہیں۔ بہتر ہے دمشق سے ہو آیئے، پھر سچ مچ کے مسیح کہلایئے۔

۲۷ اس میں آپ اپنی اس تاویل دجال پر کہ اس سے دنیا پرست یک چشم جو دین کی آنکھ نہیں رکھتا۔ (فتح اسلام ص۱۴، خزائن ج۳ ص۱۰) مراد ہے، پردہ ڈال کر یہ جتانا چاہتے ہیں کہ سچ مچ کے دجال سے ہم کو انکار نہیں۔ شاید کوئی ہو، مگر یہ خیال نہیں فرماتے کہ جس حالت میں ہم مسیح بن مریم کے دوبارہ دنیا میں آنے سے صاف انکار کر چکے ہیں تو اب اس دجال کے ماننے سے کیا فائدہ۔ اس سے ہم اس حدیث کے (جس میں دجال کا اور مسیح ابن مریم کے نزول کا ذکر ہے اور اسی مسیح ابن مریم کے ہاتھ سے قتل ہو جانے کا ذکر ہے) کب مصدق بنتے ہیں۔ اس کی تفصیل بھی ریویو میں ہوگی۔

۲۸ اس لفظ سے آپ نے ہندوؤں اور عیسائیوں کے اس دعوے کو کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے، مدد دی اور اہل اسلام کے ان بیانات کی طرف توجہ نہ کی کہ اسلام اپنی صداقت سے پھیلا ہے۔

۲۹ اس نفی کو ناظرین خیال میں رکھیں۔ اس نفی کے ساتھ آپ کسی اشاعت سے جو حدیث مسیح کی نسبت ظاہر کریں مثبت ومصدق نہیں ہوسکتے۔ اسی نفی کا ذکر اس سے پہلے تینوں حواشی میں ہوا ہے۔

۳۰ احادیث کا زور آپ کو ہمارے ریویو سے معلوم ہوگا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ!

۳۱ میں نے سمجھانے کا وعدہ نہیں کیا صرف یہ وعدہ کیا ہے کہ میرے مان لینے کے بعد وہ آپ پر معترض نہ رہیں گے اور معارضہ نہ کریں گے۔

۳۲ لفظ ''فقط'' کا مطلب ہم نہیں سمجھتے کہ کیا ہے۔ اگر اس سے یہ ظاہری معنی مراد ہیں کہ بس اتنی ہی بات ہم نے براہین احمدیہ میں اس مضمون کے متعلق کہی ہے تو یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اس کے متعلق کچھ اور بھی لکھا ہے جو ہمارے جواب آئندہ میں منقول ہے اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ جو کچھ آپ نے لکھا ہے الہام سے لکھا ہے اور اگر اس لفظ سے کچھ اور مطلب ہے تو وہ محتاج بیان ہے۔

۳۳ یہ حدیث صحیح بخاری میں (ص۵۵۱) منقول ہے۔ اس میں یہ ذکر کہ آنخضرتﷺ کو خواب میں آپ کے دارالہجرۃ کی صورت دکھائی گئی کہ وہ ایک کھجوروں والی جگہ ہے۔ آپ نے اس خواب کی تعبیر سوچی تو آپ کا خیال یمامہ کی طرف گیا۔ مگر آخر وہ جگہ مدینہ نکلی۔ مگر اس حدیث سے آپ کے سابق اعتقاد ونزول جسمانی مسیح کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ اعتقاد آپ کے الہام کی تاویل سے نہ تھا بلکہ نصوص صحیحہ سے۔

۳۴ سیاق عبارت ص۴۹۹ براہین احمدیہ اور اس کا ایک فقرہ اس بیان سامی کے الہامی ہونے پر شاہد ہے جو ہمارے خط نمبر۱۲۰ کے آخیر میں منقول ہے۔ مگر امید نہیں کہ آپ اس کو بلاتاویل مان لیں۔

۳۵ تواضع، صبر، تہذیب اور نرمی کا ایک نمونہ ہی پرائیویٹ اور دوستانہ مراسلت ہے جس میں آخر آپ ایسے گھبرا گئے ہیں کہ اپنے مخاطب (جس کی نیت اور علم اور تہذیب کی جابجا سے تعریف بھی کرتے چلے آتے ہیں) کے خیال اور استدلال کی نسبت لہو ولعب کے الفاظ استعمال کر گئے ہیں۔ مجلس عام میں یہ الفاظ استعمال ہوتے تو خدا جانے کیسا اشتعال پیدا کرتے۔ ابھی الفاظ آپ کے الہام وخیال ومقال کی نسبت فریق ثانی کی زبان سے نکلتے تو اس کا نتیجہ جو ظاہر ہوتا وہ ظاہر ہے۔ آخری تحریر میں تو آپ نے کھلم کھلا گالیاں دے دی ہیں۔ مجھ کو مرزاصاحب سے خط وکتابت کرنے کا دو دفعہ اتفاق ہوا ہے۔ ایک دفعہ حال میں اور ایک دفعہ اس سے پہلے ۱۸۸۷ء میں۔ حال کی مراسلت تو ہدیہ ناظرین ہو چکی ہیں۔ ۱۸۸۷ء کی مراسلت کو ہم ریویو کے ذیل میں نقل کریں گے۔ ان شاءاللہ تعالیٰ! اس دو دفعہ کی مراسلت سے ہم کو تو یہی ثابت ہوا ہے کہ مرزاصاحب کا حوصلہ تھوڑا ہے۔ آپ گفتگو سے گھبرا جاتے ہیں۔ ایسا ہی ہم نے ان لوگوں سے سنا ہے جن کو آپ سے بالمشافہ گفتگو کا اتفاق رہا ہے کہ آپ گفتگو کرنے سے گھبرا جایا کرتے ہیں اور اپنے مخالف کے حق

میں بے جا الفاظ کہہ دیا کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم کو مرزا صاحب سے مجمع عام میں گفتگو کرنے سے عذر نہیں ہے۔ وہ صبر اور نرمی نہ کریں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ! ہم کریں گے اور ان کی سخت باتیں سنیں گے۔ مگر اس جلسہ کا اہتمام ہم اپنے ذمہ نہیں لے سکتے۔ یہ اہتمام وہ اپنے ذمہ لیں جو اس مجمع کے شائق وخواستگار ہیں۔ ہم شریک جلسہ ہونے کو حاضر ہیں۔ بشرطیکہ وہ اس میں جلد کریں۔ ماہ اپریل میں سفر پیش آ گیا تو میں شریک نہیں ہوسکتا اور اگر آپ اوائل اپریل میں انتظام جلسہ کر کے مجھے اطلاع دیں تو میں سفر کو ملتوی کرسکتا ہوں۔

۳۶ خفیہ مذاکرہ کا کون خواستگار ہوا ہے۔ آپ کو اختیار ہے اس پرائیویٹ گفتگو میں جو میں قبل از انعقاد جلسہ عام چاہتا ہوں (پرائیویٹ گفتگو کا اب میں خواستگار نہیں رہا۔ آپ کے آخری خط اور اشتہار ۲۶؍مارچ نے مجھے سیر کر دیا ہے) جس قدر لوگوں کو چاہیں شامل کر لیں۔ الغرض جس قدر جلد ممکن ہو مجھے بات چیت کرنے کا موقعہ دیں۔ مجھ سے گفتگو کرنے کو جلسہ عام پر موقوف نہ رکھیں۔ وہ وقوع میں آتا نظر نہیں آتا۔

۳۷ یعنی ان آیات واحادیث تک جو نزول مسیح ابن مریم کے باب میں وارد ہیں۔

۳۸ ان اوصاف میں سے ایک بھی وصف مسیح کا آپ میں نظر نہیں آتا بلکہ ان اوصاف کا کلی خلاف آپ میں پایا جاتا ہے۔ مسیح میں اور آپ میں ایسا فرق نظر آتا ہے جیسا زمین آسمان میں فرق ہے۔

۳۹ اب تک آپ نے اس خط کی نسبت رائے ظاہر نہ کی جس سے آپ کا بے ریا باخدا ہونا جیسا ثابت ہے۔ ناظرین پر مخفی نہیں۔

۴۰ مگر قبل از مباحثہ ازالہ اوہام بھیج دیں۔ تمام نہیں ہوا اور شاید خوف مباحثہ سے جلد نہ بھی ہو تو جس قدر چھپا ہے اسی قدر۔

۴۱ بحالت مجبوری سفر پیش آ گیا تو جہاں جاؤں گا وہیں سے پہنچوں گا۔ جب آپ بلائیں گے سفر خرچ دینا تو آپ مان ہی چکے ہیں۔

۴۲ جیسے آپ کے یہ خیالات ومقالات: کسی بشر کا (آنخضرت ہوں خواہ مسیح) آسمان پر چڑھنا اور اترنا سنت، سند اور فطرت (قانون قدرت یا نیچر) کے برخلاف ہے اور خدا تعالیٰ کا دنیا میں ایسے خوارق دکھانا اپنی حکمت کو اور ایمان بالغیب کو تلف کرنا ہے) (توضیح المرام ص۹،۱۰، خزائن ج۳ ص۵۵،۵۶)

۲...... مطلق نبوت ختم ومحدود نہیں ہوئی صرف نبوت تامہ (جس کی آپ کے حواری نے مجلس مناظرہ میں بجواب سوال شانزدہم نبوت تشریعی سے تفسیر کی ہے) ختم ہوئی ہے اور نبوت جزئی (جس کا دوسرا نام محدثیت ہے) کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے جاری رہے گا۔ (توضیح المرام ص۱۹، خزائن ج۳ ص۶۰ تلخیص)

۳...... حضرت مسیح اور آپ (مرزا صاحب) کے دل میں جو قوی محبت ہے اس نے خدا کی محبت کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔ ان دونوں محبتوں کے ملنے سے (جو درحقیقت نرو مادہ کا حکم رکھتی ہیں) تیسری چیز پیدا ہوئی ہے جس کا نام روح القدس ہے اور اس کو بطور استعارہ ان دونوں محبتوں کا بیٹا کہنا (اور ان دونوں کو ماں باپ کہنا) بے جا نہیں ہے اور یہ پاک تثلیث ہے۔ (توضیح المرام ص۲۲، خزائن ج۳ ص۶۲ تلخیص)

۴...... آپ (مرزا کادیانی) کو اور حضرت مسیح ابن مریم کو استعارہ کے طور پر ابن اللہ کہہ سکتے ہیں۔
(توضیح المرام ص۲۷، خزائن ج۳ ص۶۴ تلخیص)

۵...... ملائکہ کا اپنی ذات سے اور شخصی وجود سے زمین پر اترنا ہدایت عقل سے باطل ہے اور ملک الموت کا اپنی ذات سے زمین پر آنا اور ایک سیکنڈ میں ہزاروں ارواح کو قبض کرنا محال و ناممکن ہے۔
(توضیح المرام ص۳۰، ۳۱، خزائن ج۳ ص۶۶، ۶۷ تلخیص)

۶...... ملائکہ وہ روحانیات ہیں جن کو فلاسفر نفوس فلکیہ کہتے ہیں اور وید کی اصطلاح میں ارواح کواکب۔ یہ ملائکہ ارواح کواکب اور سیارات کے لئے جان کا حکم رکھتے ہیں۔ (اور وہ ان ے لئے بمنزلہ قالب ہیں) اور عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے انہی ستاروں کے قوالب اور ارواح کے تاثرات سے ہو رہا ہے۔
(توضیح المرام ص۳۳، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۶۷ تلخیص)

۷...... جبرئیل امین جو انبیاء کو دکھائی دیتا ہے وہ بذات خود زمین پر نہیں اترتا اور اپنے ہیڈ کوارٹر (صدر مقام یا یوں کہو کہ قالب) نہایت روشن نیر (سورج) سے جدا نہیں ہوتا بلکہ صرف اپنی تاثیر نازل ہوتی ہے اور ان کے عکس تصویر اس کے دل میں منقوش ہر حال ہے۔ (توضیح المرام ص۴۱، ۶۸، ۷۰، ۸۵ تلخیص)

۸...... آیت متضمن ذکر سجدہ آدم میں باوا آدم کی طرف ملائکہ کا سجدہ کرنا مراد نہیں بلکہ ملائکہ کا انسان کامل کی خدمت بجالانا اور اس کی اطاعت کرنا مراد ہے۔ (توضیح المرام ص۴۹، خزائن ج۳ ص۷۶ تلخیص)

۹...... لیلۃ القدر سے رات مراد نہیں بلکہ وہ زمانہ مراد ہے جو بوجہ ظلمت رات کا ہم رنگ ہے اور وہ نبی یا اس کے قائم مقام مجدد کے گزر جانے سے ایک ہزار مہینے کے بعد آتا ہے۔
(فتح الاسلام ص۵۴، خزائن ج۳ ص۳۲ تلخیص)

اسی کی قسم کے اور لغویات ہیں جن کو علمائے اسلام کفریات سمجھتے ہیں۔

۴۳ آپ ایسے ہی اختصار پسند اور محافظ اوقات ہیں تو اپنی تصنیفات اور تحریرات میں کیوں اس امر کی رعایت نہیں کرتے۔ براہین احمدیہ کو دیکھئے ایک صفحہ کے مطلب کو دس صفحہ میں ادا کیا ہے۔ ایک مطلب کو کئی کئی دفعہ (کبھی نثر میں اور کبھی نظم میں) بیان کیا ہے۔ اپنی تحریرات خصوصاً خط نمبر۸ کو ملاحظہ فرمائیے۔ ان

میں کس قدر تکرار مطالب ہے۔ باایںہمہ آپ مباحثہ کو دو ہی تحریروں میں محدود اور ختم کرنے کی وجہ اختصار اور حفظ اوقات بتاتے ہیں تو اس سے بجز اس کے کیا سمجھا جائے گا کہ یہ آپ کا عذر وبہانہ ہے اور حقیقت میں آپ کی نیت مغالطہ دہی ہے جس کی تشریح متن میں ہے۔

۴۴؎ یہ قرآن پر ایمان لانے والوں کے لئے مثال دی گئی ہے۔ اب ہم نئی روشنی پر جان قربان کرنے والوں کے لئے ایک مثال بیان کرتے ہیں۔ انگلستان کے پارلیمنٹ کے (شاہی کمیٹی) کے ہاؤس اوف کامنز (عام اہل رائے کا مجمع) میں بڑی بڑی اور ریٹر سپیکر (قوی التاثیر مقرر) ایسی ایسی پرزور اور مؤثر تقریریں کرتے ہیں جس کو تمام حضار مجلس حق وراست سمجھ لیتے ہیں اور ان کو اس میں کوئی شبہ واعتراض باقی نہیں رہتا۔ پھر جب دوسرے مقرر پہلی تقریروں کے مخالف تقریریں کرتے ہیں تو سامعین کو اپنی تقریروں کا گرویدہ بنا کر پہلی تقریروں کے مغالطے ظاہر کرتے ہیں۔ ان کی تقریروں کا سلسلہ تب ہی منقطع ہوتا ہے جب کوئی فریق جوابی تقریر سے عاجز ہو جاتا ہے اور پھر سامعین کے ووٹ (ارائیں) لے کر کثرت رائے پر فیصلہ کیا جاتا ہے۔

دوسری مثال: اعلیٰ عدالتوں (چیف کورٹ وغیرہ) میں وکلاء مدعی اور مدعا علیہ میں مباحثہ ہوتا ہے تو مدعی کا وکیل اپنے دعوے کے دلائل بیان کرتا ہے۔ پھر مدعا علیہ کا وکیل اس کا جواب دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں اپنے دلائل بیان کرتا ہے۔ پھر مدعی کے وکیل کو موقع دیا جاتا ہے کہ وہ اس جواب کا جواب دے اور اس کے دلائل کو توڑے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ صرف جانبین کا ایک ایک دفعہ بیان لے کر فیصلہ کیا جائے۔ ہمارے مرزاصاحب کا طرز حکومت سب سے نرالا ہے۔ وہ نہ تو طرز حکومت قرآن کے موافق ہے نہ قانون عدالت کے مطابق۔ آپ کی عدالت میں صرف ایک ایک دفعہ کے بیان پر مباحثہ ختم ہو کر حکم اخیر صادر ہو جاتا ہے۔

۴۵؎ یعنی خط وکتابت مرزا کادیانی۔

۴۶؎ میں نے آپ کو صرف اس قدر کہا تھا کہ آپ کادیان گئے تھے۔ مرزاصاحب کو اتمام کتاب براہین احمدیہ کے لئے کیوں نہ کہا۔ آپ نے جواب دیا کہ میں ان کی شان کو اس سے ارفع جانتا ہوں کہ ان کو ایسا کہوں۔ میں نے کہا اس میں کوئی گستاخی یا بے ادبی نہیں ہے۔ یہ تو صرف ایک نصیحت ہے، جس پر آپ خفا ہوگئے۔ اس کے بعد آپ ایک دفعہ لاہور میں تشریف لائے تو اپنی عادت قدیم مہربانی کے مطابق مجھے نہ ملے اور اس کی وجہ میرے بھائی صاحب کے پاس یہ بیان کی کہ ہم ان کے پاس استفادہ کے لئے جاتے ہیں۔ مگر وہ ہمارے پیر کی بدگوئی کرتے ہیں۔ جس سے رنج پہنچتا ہے اور بجائے فائدہ نقصان حاصل ہوتا ہے۔ اسی نظر سے ہم نے اس رخ میں لکھا تھا کہ حوصلہ ہے تو آیئے۔ یعنی پیر مرزا پر اعتراض سننے کا حوصلہ ہے تو آیئے۔

۴۷ یعنی مرزا صاحب کے باب میں اس استفسار کی وجہ یہ ہے کہ سیالکوٹ کے بعض علماء اور حکیم جی کے دوستوں سے میں نے سنا تھا کہ حکیم جی نے ان لوگوں کے پاس بیان کیا تھا کہ مولوی محمد حسین مجھے ایک دفعہ لاہور میں ملے تو میں نے ان سے پوچھا کہ کیا مرزا صاحب کو آپ دیوانہ جانتے ہیں۔ انہوں نے کہا نہیں۔ پھر میں نے کہا کہ جھوٹا جانتے ہیں۔ انہوں نے کہا نہیں۔ میں نے کہا کہ اس دعویٰ میسیحیت کو کیوں نہیں مانتے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس میں صرف یہ عذر ہے کہ وہ موعود مسیح نہیں ہوسکتے اور چونکہ یہ بات خلاف واقعہ تھی اور میں نے ان سے بجز اس کے کہ مرزا صاحب کو میری طرف سے یہ پیام پہنچادیں کہ آپ مسیح موعود کیونکر ہوسکتے ہیں۔ مرزا صاحب کے متعلق اور کچھ نہ کہا تھا۔ اس لئے یہ استفسار کیا تھا۔ میرے اس استفسار کا جواب آپ نے اسی وجہ سے نہ دیا کہ آپ کا بیان خلاف واقعہ تھا۔ یہ خلاف بیانی آپ کی قدیم عادت ہے جس کا بارہا ہم کو تجربہ ہو چکا ہے۔ آپ اس سے انکار کریں گے تو اس کی تفصیل ہم قلم میں لائیں گے۔

۴۸ اصل میں ایسا ہی ضمیر غائب سے ہے اور صحیح باذنک ضمیر مخاطب سے ہے۔ اس سے ناظرین اہل علم کو حکیم صاحب کی مولویت کا کافی اندازہ ہوسکتا ہے۔

۴۹ آپ ناواقف کیونکر خیال کئے جاسکتے ہیں۔ آپ کے متعدد خطوط ہمارے پاس اور ہمارے شاگردوں کے پاس موجود ہیں۔ جن سے آپ کی اس واقفیت کا پورا ثبوت ملتا ہے۔ اگر اس میں کچھ کسر تھی تو وہ یوم المبازہ (مباحثہ کے دن) جب آپ سے اصول تسلیم کرائے گئے تھے جاتی رہی۔

۵۰ آپ کے پیر جی تو مایوس نہیں ہیں۔ وہ تو اب تک مجھ سے مباحثہ کرنے کا دم مار رہے ہیں۔ (گو وہ برائے نام اور بحسب ظاہر ہے) اور اپنے خط نمبری (۵) منقولہ ص (۳۷۱) جلد۱۲ نمبر۱۲، اشاعۃ السنۃ میں اپنے تمام مخاطبین ومخاصمین سے اسی خاکسار کو گفتگو کے لئے منتخب کر چکے ہیں۔ آپ کیسے ان کے بااخلاص مرید ہیں کہ آپ مایوس ہو بیٹھے۔ حضرت حکیم صاحب! آپ مایوس نہیں خائف ہیں اور آپ یقیناً جانتے ہیں کہ گفتگو سے آپ عہدہ برآ نہ ہوسکیں گے۔ مسئلہ نسخ بعض آیات قرآن کے مباحثہ کا دن اور اشاعۃ السنۃ کے مضامین جن کی ثنا میں آپ ہمیشہ سے رطب اللسان رہے ہیں۔ (چنانچہ آپ کے خطوط شاہد عدل موجود ہیں) آپ بھول نہ گئے ہوں گے۔

۵۱ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ حکیم صاحب کا بیان غلط ہے یا مولوی فضل الدین صاحب کا۔ اس سے ہم کو کچھ بحث نہیں۔ حکیم صاحب نے آخر حافظ محمد یوسف صاحب کے حکم سے بحث کرنا قبول کرلیا، یہی ہمارے اس مدعا کے لئے کہ حکیم صاحب سے ہمارا مباحثہ ہوا کافی ہے۔

۵۲ ص ۱۶ کی سطر ۱۰ سے اس مقام تک تقریر قلمبند کر کے حافظ صاحب کے قاصدوں (حاجی محمد دین صاحب، میاں رجب الدین صاحب، میاں محمد چٹو صاحب) کے پاس بوساطت مولوی سید حسین شاہ صاحب واعظ کاشمیر اس غرض سے بھیجی گئی تھی کہ اگر اس تقریر میں کہیں الفاظ یا مضمون کی کمی بیشی ہوگئی ہوتو وہ لوگ اس کو درست کر دیں۔ مولوی حسین شاہ صاحب نے بعد از جمعہ ایک مجمع میں اس تقریر کو پڑھ کر ان قاصدوں کو سنایا اور اس کے الفاظ و مضمون کو ان سے تسلیم کرا کے بذریعہ رقعہ منقولہ ذیل خاکسار کو اس سے مطلع کیا۔ وہ یہ ہے:

مکرمی مولوی صاحب سلمکم ربکم

کاغذ بعد جمعہ مجمع میں محمد چٹو صاحب اور رجب دین صاحب کو بلکہ حاجی محمد دین صاحب کو بھی بدستور حرفاً بحرف سنا دیا۔ صاحبان مسطورہ نے باتفاق لفظ درعین مجمع جواب دیا کہ بے شک مولوی صاحب چھپا دیں، اس میں ہماری طرف سے کوئی ممانعت یا صورت انکار نہیں۔ مگر صحیح (یعنی سہی یا دستخط جس کو انگریزی میں سگنیچر کہتے ہیں) اپنی فضول جانتے ہیں۔ والسلام! حسین شاہ عفی عنہ

۵۳ یعنی قرآن اور حدیث کے شرعی دلائل ہونے میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں۔ گو باقی اور دلائل (اجماع وقیاس) کے دلیل شرعی ہونے میں بعض علماء کا اختلاف ہے۔

۵۴ یہ اس لئے کہا گیا ہے کہ بعض افعال آنحضرت ﷺ کے آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ امت کو ان کی پیروی جائز نہیں۔ جیسے چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح۔

۵۵ تقریر سے وہ فعل یا قول مراد ہے جو آنحضرت ﷺ کے سامنے کسی نے کیا یا کہا اور آنحضرت ﷺ نے اس سے منع نہ کیا۔

۵۶ یعنی ان کتب کی احادیث پر جو اعتراض کئے گئے ہیں ان کو بعض محدثین نے اٹھا دیا ہے۔ اب ان کتب کی احادیث پر کسی کا اعتراض سنا نہیں جائے گا۔

۵۷ روایت وہ ہے جس کو راوی آنحضرت سے نقل کرتا ہے۔ رائے وہ بات ہے جو راوی اپنی سمجھ اور فکر سے کہتا ہے۔

۵۸ یعنی اگر لفظ کے ظاہری معنی بلاوجہ ترک کر کے اس کے تاویلی معنی مراد لینا جائز رکھے جائیں تو نہ شرع کا اعتبار رہتا ہے نہ عام بول چال کا اور ہر شخص کو اختیار ہو جاتا ہے کہ جس لفظ کے جو معنی چاہے مراد لے۔ مثلاً لفظ صلوٰۃ یا نماز سے اپنی خواہش نفسانی کو روکنا مراد لے اور معمولی نماز چھوڑ بیٹھے۔ چنانچہ کسی نے کہا ہے ؎

صلوٰۃ عاشقان ترک وجودست صلوٰۃ سالکان سجدہ سجودست

اور لفظ پانی سے پیشاب مراد قرار دے اور لفظ روپیہ سے کوڑی مراد ٹھہرا لے۔ وبناءً علیہ کوئی پانی مانگے تو پیشاب کردے اور ہزار روپیہ کا اقرار کر کے یہ کہہ دے کہ ہم نے ایک ہزار کوڑی دینے کا اقرار کیا تھا۔

۵۹ حکیم صاحب کا جواب اضطراب اور تحیر پر (جو جواب دینے کے وقت ان پر طاری ہوتا) اور ان سے یہ کلمات کہلاتا تھا کہ میرا علم محدود ہے اور خدا جانے اس اصول کے تعلیم کے بعد مجھ پر کیا پتھر ڈالو گے۔ وغیرہ وغیرہ! مبنی ہے شروع تقریر میں تو آپ نے ظاہری معنی مراد لینے کے لئے آنحضرت ﷺ اور صحابہ کے عمل کو شرط ٹھہرایا۔ (جسے مفہوم ہوتا ہے کہ جو اقوال نبوی اور آیات قرآنیہ عقائد کے متعلق ہیں یا وہ اخبار وپیشین گوئیوں کے متعلق ہیں، ان کے ظاہری معنی مراد لینا ضروری نہیں۔ ان میں جو تاویل کوئی چاہے کرسکتا ہے) مگر اخیر تقریر میں آپ نے اس شرط عمل کو اٹھا دیا اور صاف فرمادیا کہ پیش گوئیوں کے متضمن اخبار وآیات میں بھی کوئی مجازی استعارہ مراد لینا قوی دلیل سے ممکن ہے جس کا صاف یہ مفہوم ہے کہ اگر اس استعارہ کی مراد ہونے پر قوی دلیل نہ ہو تو معنی حقیقی (جو ظاہری معنی ہیں) چھوڑ کر مجازی معنی مراد لینا جائز نہیں ہیں۔ ہم نے اس وقت حکیم صاحب کو اس اضطراب وتخالف کا الزام نہ دیا اور ان کے شروع تقریر کا کچھ لحاظ نہ کیا۔ صرف ان کی تقریر کی آخری حصہ سے اپنا کام نکال لیا اور اس تقریر کے جواب میں ان سے یہ تسلیم کرالیا کہ جس تاویلی معنی قرآن وحدیث پر کوئی دلیل نہ ہو وہ مراد لینا جائز نہیں۔ گو عمل نبوی سے وہ معنی ثابت نہ ہوں۔ اس سوال وجواب سے ناظرین اہل علم حکیم صاحب کے علم وفہم کا بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں۔

۶۰ متبادر ہونا، قریب الفہم ہونا، (۲) اطلاق جائز، ایک چیز پر ایسا لفظ بولنا جو بحکم عرف یا لغت اس پر بولا جاسکے۔ جیسے زید کو انسان کہنا۔ (۳) نفی کی عدم صحت، نفی کا صحیح نہ ہونا جیسے زید کے حق میں یہ کہنا کہ وہ انسان نہیں ہے جو صحیح نہیں ہے۔

۶۱ حکیم صاحب کے اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ جو اصطلاح سلف صالحین صحابہ وتابعین سے منقول نہیں وہ لائق قبول واعتبار نہیں ہے۔ ان کے اس جواب کو سن کر خاکسار کے علاوہ اور علماء حاضرین مجلس (جناب مولوی محمد عبداللہ صاحب، جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب) بھی حکیم صاحب پر معترض ہوئے۔ ان کے اعتراض اس وقت اسی وجہ سے قلمبند نہ ہوئے تھے کہ وہ حکیم صاحب سے مباحثہ ومناظرہ کرنے والے نہ تھے۔ ہوتے تو وہ اعتراض بھی قلمبند ہو جاتے۔ ان اعتراضات کا خلاصہ یہ ہے کہ پچھلے اصطلاحات علمیہ کا سلف صالحین صحابہ وتابعین سے منقول ہونا شرط قبولیت واعتبار ہے تو آپ ہی (حکیم صاحب) اصطلاحات اصول حدیث (مرفوع وموقوف وغیرہ) یا اصطلاحات نحویہ (مثلاً فاعل مرفوع ہوتا ہے اور مفعول منصوب جن کو آپ مانتے) سلف صالحین سے ثابت کریں اور جو آپ نے خود اصل ہشتم کے جواب میں لفظ ''مجاز'' و

’’استعارہ‘‘ کو استعمال کیا ہے اسی کو سلف صالحین سے ثابت کر دکھائیں۔ اس پر حکیم صاحب بہت گھبرائے اور گھبراہٹ سے وہ الفاظ آپ سے منقول ہوئے ہیں آپ کے منہ سے نکل گئے اور اس اعتراض کے جواب میں پہلے تو وہ یہ بولے کہ میں اپنے الفاظ ’’مجاز واستعارہ‘‘ کو واپس لیتا ہوں۔ مگر آخر خاکسار کی جوابی تقریر (جس میں بحث لفظی کو چھوڑ کر مضمون اصول نہم آپ سے تسلیم کرایا گیا ہے) کو سن کر اس واپسی کو بھول گئے اور ہمارے اصل نہم کا مضمون مان گئے یا شاید وہ عمداً یہ سمجھ کر کہ میں لفظ ’’مجاز‘‘ و’’استعارہ‘‘ کو واپس لوں گا تو اپنے پیر مرزا کے الہامات وتاویلات کے تمام تاروپود کو جو صرف مجاز واستعارہ پر مبنی ہیں توڑنے والا بنوں گا۔ اس سخن واپسی پر قائم نہ رہے اور خاکسار کی جوابی تقریر کو مان گئے ہوں۔

حکیم صاحب کے اس جواب پر جناب مولوی عبدالرحمٰن صوفی صافی جو اس سے پہلے چپ چاپ بیٹھے تھے بایں اعتراض معترض ہوئے کہ یہاں (مسئلہ حقیقت ومجاز میں) تو حکیم صاحب سلف صالحین کی نقل کے طالب ہوئے ہیں۔ مگر آیات قرآن وحدیث نبویہ کے ان تاویلات میں جو مرزاغلام احمد کرتے ہیں (جیسے دجال سے مراد دنیا دار ہونا اور ابن مریم سے مثیل ابن مریم اور لیلۃ القدر سے زمانہ ظلمت وغیرہ وغیرہ) وہ سلف صالحین سے نقل وشہادت کے کیوں طالب نہیں ہوتے۔ پھر مولوی صاحب نے دینی جوش میں اگر یہ فرمایا کہ جو شخص الفاظ قرآن وحدیث کے ایسی تاویلی معنی کرے جو صحابہ وتابعین وغیرہ سلف صالحین نے نہ کئے ہوں، وہ بدعتی وگمراہ وملحد ہے اور یہ کہہ کر آپ اس مجلس سے چلے گئے۔ (جس کا ذکر مرزاصاحب کے خط نمبری ۸ وضمیمہ پنجاب گزٹ ۲۵ راپریل ۱۸۹۱ء کی سطر ۱۷، کالم اص ۳ میں ہوا ہے) مولوی صاحب موصوف کے جوش میں آنے اور مجلس سے اٹھ جانے کی وجہ ایک تو یہی تھی کہ جو بات حکیم صاحب نے اس جواب میں اختیار کی تھی اس کے وہ خود پابند نہ تھے۔ لہٰذا ان کا یہ بات کہنا صرف جدال پر مبنی تھا۔ جس سے مولوی صاحب کو نفرت ہوئی اور ان کو حکیم صاحب کی ہدایت سے مایوسی ہوئی۔ دوسری وجہ یہ کہ حکیم صاحب کے حق میں مولوی صاحب کو خداتعالیٰ کی طرف سے ایک یہ الہام ہوا: ’’وان تدعوھم الی الھدی فلن یھتدوا اذا ابدا‘‘ یعنی اگر تو ان کو ہدایت کی طرف بلائے گا تو وہ کبھی ہدایت پذیر نہ ہوں گے۔ دوسرا یہ الہام ہوا: ’’ویضل اللہ الظالمین ویفعل اللہ ما یشاء‘‘ یعنی خدا ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور وہ جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔ ان الہامات سے مولوی صاحب نے روانگی فیروزپور کے وقت مجھے خاص اپنی زبان سے اطلاع دی تھی اور خود ہی اس کی یہ تفسیر فرمائی تھی کہ جو شخص صحابہ وتابعین وغیرہ سلف صالحین کے اتفاق سے اختلاف کرتا ہے وہ ان پر ظلم کرتا ہے اور فرمایا کہ ہم لوگ اہل سنت والجماعت اسی وجہ سے کہلاتے ہیں کہ ہم سنت یعنی آنحضرت کے قول وفعل کے پابند ہیں اور جماعت یعنی جماعت صحابہ وتابعین کے پیرو ہیں۔ ہم اس

جماعت کی اتباع چھوڑنے سے اہل سنت سے خارج ہو جاتے ہیں اور ظالم بنتے ہیں اور خاکسار کو یہ فرمایا کہ میں نے ان لوگوں کے مقابلہ میں تیرے قائم رہنے کی بابت خدا تعالیٰ سے بطور استخارہ ودعا کی تھی۔ اس کے جواب میں مجھے یہ الہام ہوا ہے: ''لکل فرعون موسی'' یعنی ہر فرعونے راموسیٰ۔ لہٰذا آپ اس مقابلہ کے لئے قائم اور مستعد رہیں۔ ہم خدا تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں گے کہ وہ خدا تعالیٰ تمہاری مدد کرے۔ اس پر قائم ومستقیم رکھے۔ جو لوگ مولوی صاحب کے اٹھ جانے کی اور وجہ بیان کرتے ہیں وہ مولوی صاحب کے اس بیان کو سن کر شرمندہ نہ ہوں گے تو معلوم نہیں پھر کس وقت شرمندگی کا موقع پائیں گے۔

۶۲ آپ فرماتے ہیں کہ معجزہ وکرامت بھی خدا کی ایک خاص عادت ہے۔ اس میں اپنے معجزہ کو تو دبی زبان سے مانا ہے۔ مگر اس کے خارق عادت ہونے سے انکار کیا اور یہ خیال نہ فرمایا کہ مخاطب نے بھی اس کو مطلق عادت کا خارق نہیں کہا۔ صرف عام عادت اللہ کا خارق قرار دیا ہے۔ جس سے صاف مفہوم ہوتا ہے کہ معجزہ خدا کی خاص عادت کا جو انبیاء کے ساتھ رہی ہے اس کے نزدیک بھی خارق نہیں۔ پھر اس بات کہنے کی آپ کو کیا حاجت تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ دوسرے کی کلام کا مطلب جلد نہیں سمجھتے۔

۶۳ اس میں آپ خوب قابو آ گئے ہیں۔ گویا شکنجہ میں پھنس گئے۔ جس قانون قدرت کی دست آویز سے آپ کے پیر اور ان کے اور مرید صحیح احادیث کو رد کر رہے ہیں۔ اس سے آپ تمسک نہ کر سکیں گے اور ان احادیث کو رد کرنے پر قادر نہ ہوں گے۔

۶۴ اس میں آپ نے سفید جھوٹ سے کام لیا ہے۔ آپ مدتوں سے کتب حدیث کی جن میں معراج نبوی کا ذکر ہے اوراق گردانی کر رہے ہیں اور عام مسلمانوں کا یہ اعتقاد کہ آنحضرت کو جسمانی معراج ہوا ہے جانتے ہیں اور خاص کر اپنے استاد مولوی محمد صاحب سہارنپوری ثم المکی سے (جو پرانے خیالات کے آدمی ہیں) حدیث معراج کے بھی معنی سن چکے ہوں گے کہ آنحضرت اس جسم مبارک سے آسمانوں پر گئے اور ادھر اپنے پیر مرزا اور ان کے مریدوں کے خیالات ومقالات پبلک میں شائع ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ پھر کیا ایسی حالت میں ممکن ہے کہ آپ نے اس مسئلہ میں کچھ نہ سوچا ہو کہ ہمارے پیر کا خیال صحیح ہے یا پرانے مسلمانوں کا یا بلا عذر وتاویل محض تقلیداً اپنے پیر کا یہ خیال کہ معراج صرف روحانی ہوا ہے، مان نہ لیا ہو؟ ہرگز نہیں۔ آپ سچے ہیں تو اس پر قسم کھائیں۔ مگر یہ مسئلہ یاد رکھیں کہ قسم میں تو یہ جائز نہیں ہے اور قسم اسی معنی پر واقع ہوتی ہے جو اس کے معنی دوسرا سمجھے۔

۶۵ آپ کے جملہ ''ممکن ہے'' اور پیر اس کے مستثنیٰ۔ مگر ''حجت شرعی نہیں'' کو ناظرین خیال میں لائیں۔ یہ کیسے اضطراب پر مبنی ہیں؟ غیر نبی کا الہام شرعی حجت نہیں تو پھر کیسی حجت ہے؟ اور یہاں شرعی حجت

کے سوا کس حجت سے بحث ہے؟

۶۶… اس جواب میں اور جواب سوال نمبر۱۶ میں آپ نے سلف صالحین کا خلاف کیا اور اپنی اور اپنے پیر مرزا کی تاویلات بدعیہ مخالفہ سلف صالحین کے لئے راستہ نکالا ہے۔ سلف صالحین تو ہر بات میں صحابہ کے اقوال وآثار کی پیروی کرتے اور ان کی آراء کو بھی اپنی آراء سے مقدم سمجھتے۔ آپ ان کی ایسی تفسیر کو بھی نہیں مانتے، جس کا آنحضرت سے مسموع ہونا متعین ہے اور اس میں رائے محض کا دخل نہیں ہے۔

۶۷… اس میں تو آپ نے حد کر دی۔ پیروی قرآن وحدیث اور اتباع سلف صالحین وعام مؤمنین سب کو بالائے طاق رکھ کر آپ نے پیر مرزا کی تقلید اختیار کی ہے۔ جس میں وہ سرسید احمد خان کے مقلد بنے ہیں جو ختم نبوت سے بتاویل انکار کر کے کالون، لوتھر، بابو کیشب، چندرسین اور دیانند سرستی کو نبی یا پیغمبر قرار دے چکے ہیں۔ وبناءً علیہ ان کے بعض پیروان کو پیغمبر سمجھتے ہیں۔ آپ کو اور آپ کے پیر مرزا کو یہ سوجھی ہے کہ ہم بھی کام تو وہی کر رہے ہیں جو سرسید احمد خان کر چکے ہیں۔ پھر وہ کون ہیں کہ وہ نبی کہلائیں اور ہم اس خطاب سے محروم رہ جاویں۔

۶۸… مجلس مناظرہ کے بعد آپ کو اپنے اس جواب کی مضرت سوجھی تو آپ نے حافظ محمد یوسف صاحب مہتمم انعقاد جلسہ سے یہ بات کہی کہ اس جواب میں کہیں حدیث ’’علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل ‘‘ درج کرادو۔ حکیم صاحب کے روانہ لدھیانہ ہوجانے کے بعد حافظ صاحب نے منشی عبداللہ صاحب نقشہ نویس اور میاں اللہ بخش صاحب دریائی فروش کے سامنے خاکسار سے اس امر کی درخواست کی۔ خاکسار نے اس کے جواب میں یہ بات کہی کہ اس جواب کے ساتھ یہ حدیث کہیں چسپاں نہیں ہوسکتی۔ ہاں! وہ اس جواب کو واپس لیں اور بجائے اس کے یہ جواب دیں کہ اس وقت نبی تو کوئی ہونہیں سکتا۔ اس وقت کے علماء، مشابہ انبیاء ہیں تو اس جواب کے ساتھ وہ حدیث بخوبی چسپاں ہوسکتی ہے۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے جس مقام میں چاہیں اس حدیث کو درج کر دیں۔ حافظ صاحب اپنے قلم سے اس حدیث کو درج نہ کر سکے اور اپنی نوکری پر چلے گئے۔ پھر خاکسار نے ڈاک کے ذریعہ وہ کاغذ جس میں اصلاح وسوالات درج تھے ان کے پاس بھیج دیا اور ان کو اختیار دیا کہ جہاں چاہیں اس حدیث کو درج کر دیں۔ انہوں نے وہاں سے بھی اس کاغذ کو بلاتصرف وتبدل واپس کیا اور کہیں اس حدیث کو درج نہ فرمایا۔ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے انہوں نے بھی کہیں اس کا مساغ نہ پایا۔ ہم اب بھی حکیم صاحب کو اختیار دیتے ہیں کہ جہاں چاہیں اس حدیث کو چسپاں کر دیں۔ (اگر گنجائش پاویں۔ ہمارے نزدیک تو یہ حدیث تب ہی ان کی متمسک ہوسکتی ہے جب کہ وہ اس جواب کو بدل دیں اور یہ جواب دیں کہ اب نبی کوئی نہیں ہوسکتا۔ علماء امت محمدیہ انبیاء بنی اسرائیل کے مشابہ ہیں۔

۶۹ے اس میں ایک دھوکا ہے جس کا بیان بابرہان تتمہ جواب نمبر۲۴ میں عنقریب آئے گا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ!

۷۰ے یہ حضرت مسیح کا قول ہے۔ آپ کا خط نمبر (۸) مؤرخہ ۱۶ر اپریل ملاحظہ ہو۔

۷۱ے یہ آپ کے حواری کہہ رہے ہیں ضمیمہ سیالکوٹ گزٹ مؤرخہ ۱۸ر اپریل ملاحظہ ہو۔

۷۲ے یہ سعادت مند نوجوان علی گڑھ کالج کی بی.اے کلاس کے طالبعلم ہیں اور لاہور کے باشندے اور ہمارے عزیز تلمیذ ہیں۔ اوصله الله الٰی مایتمناه!

۷۳ے یہ ہمارے پرانے دوست منشی عبدالحق صاحب نے غلط لکھا ہے۔ میں نے جولکھا تھا وہ عنقریب خط نمبری (۲۰۰) میں منقول ہوگا۔

۷۴ے قرآن مجید میں کئی جگہ لفظ المسیح عیسیٰ ابن مریم وارد ہے۔ (آل عمران، النساء وغیرہ) قرآن مجید میں کئی جگہ لفظ المسیح ابن مریم۔ (مائدہ، التوبہ) قرآن مجید میں کئی جگہ لفظ عیسیٰ بن مریم ہے۔ (بقرہ، المائدہ، المریم) قرآن مجید میں کئی جگہ صرف ابن مریم ہے۔ (زخرف، المؤمنون) ان مقامات کو دیکھ کر وہ مولوی حافظ جنہوں نے حکیم صاحب کے انکار کی تصدیق کی تھی۔ شرمندہ نہ ہوں تو تعجب ہے۔

۷۵ے ابن صیاد مدینہ کا یہودی تھا۔ آنحضرت ﷺ کے وقت میں اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اس میں بعض ایسی عجیب باتیں موجود تھیں جو دجال میں ہوں گی۔ پھر وہ مسلمان ہوگیا اور اس نے حج بھی کیا۔ اس کے مسلمان یا دجال ہونے میں صحابہ کا اختلاف رہا۔ (جس کا بیان سوم میں ہوگا) اور اس کی عجیب باتوں کا بیان ریویو میں ہوگا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ!

۷۶ے یہاں تو یہ متوکلانہ اظہار ہے اور اپنے خصوم کے مقابلہ میں جابجا اپنی فتح مندی کی امیدوں کا اشتہار ہے۔ آپ کے اشتہارات وخط ملاحظہ ہوں۔

۷۷ے وہ بے بلائے آئے مگر حافظ جی کے کہنے سے مناظرہ میں پھنس گئے۔ کیا پھر ان پر واجب نہ تھا کہ وہ مجھ سے اجازت لیتے یاکم سے کم اطلاع دیتے کہ میں جاتا ہوں۔

۷۸ے محض خلاف واقع ہے۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب کو میں نے ٹھہرایا۔ جس وقت حافظ جی کا لاہور میں سراغ بھی نہ تھا وہ تو اس دن آئے جس دن حکیم صاحب آئے تھے۔

۷۹ے محض بناوٹ ہے نہ حافظ جی نے مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے سامنے حکیم صاحب کی خدمت میں کوئی شبہ پیش کیا اور نہ انہوں نے دور کیا۔ سچے ہو تو بتاؤ کہ کیا وہ شبہ تھا جو پیش کیا اور حل ہوا۔

۸۰ے یہاں یہ بات گھڑنا آپ بھول گئے کہ صرف نظارہ کے لئے تم کو بلایا تھا۔ میں صرف ناظرین میں تھا تو گفتگو کرنے والا کون تھا؟ قسم اور ایمان سے کہئے گا۔

۸۱۔ میرا تو بقول آپ کے درمیان قدم ہی نہ تھا اور نہ میں نے مباحثہ کیا۔ پھر میری کون سی بحث کا طریق ناپسند ہوا۔ یہ بات کہتے ہوئے آپ نفی مباحثہ کو بھول گئے ہو۔ سچ ہے...... دروغ گورا حافظہ نباشد۔

۸۲۔ محض دروغ بے فروغ ہے۔ نہ حافظ جی نے مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے سامنے یا ان کے پیچھے حکیم صاحب سے کوئی شبہ حل کرایا نہ اس کا شکریہ ادا کیا اور نہ آواز بلند یا آہستہ سے یہ کہا کہ میری تو من کل الوجوہ تسلی ہوگئی ہے۔ اب میرے دل میں کوئی شبہ واعتراض باقی نہیں ہے۔ جس وقت آپ مسیح کے سولی پر چڑھائے جانے اور موت سے وفات پانے کے دلائل نئے حواریوں کو سنا رہے تھے اس وقت تو حافظ جی وہاں موجود ہی نہ تھے۔ پھر وہ ان کے ختم ہونے پر مصدق کیونکر ہوئے۔ ہاں! حافظ جی کے آنے پر جب وہ معہ منشی الٰہی بخش صاحب ۱۲ بجے رات کے قریب آئے تھے۔ آپ نے وہ تقریر نقل کی تھی جوار باب عدم ثبوت قتل مسیح کے ریل گاڑی میں ایک انگریز کے ساتھ آپ کی ہوئی تھی وہ تقریر سن کر بھی حافظ صاحب ومنشی الٰہی بخش صاحب وغیرہ حاضرین بجز ایک شخص کے خاموش رہے۔ نہ اس کے مصدق ہوئے نہ مکذب۔ شکریہ کجا وآواز بلند کجا۔ آپ اپنے بیان میں سچے ہیں تو حافظ جی ومنشی الٰہی بخش ومنشی عبدالحق سے اس کی تصدیق کرادیں۔ مگر یہ یادرکھیں کہ ہم بھی انہی حضرات میں سے بعض کی تحریری شہادت اپنے بیان کی مصدق حاصل کر چکے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ مقدس صوفیوں کی آپس میں جنگ ہو۔ وہ حضرات اگر باہم مصالحت کر لیں گے اور بحکم ''دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز'' اپنے بیان سابق کے برخلاف کذب پر آمادہ ہوکر آپ کے بیان کی تصدیق پر متفق ہو جائیں گے تو ہم ان تینوں کا علیحدہ علیحدہ حلفی اظہار لیں گے اور ان کی اختلاف بیانی سے (جو دروغ گوئی کے لئے لازمی امر ہے) ان کی ناراستی ثابت کریں گے۔ ان شاءاللہ تعالیٰ!

اس بیان میں جو آپ نے ان لوگوں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''ہم مولوی محمد حسین صاحب کے آنے کی ضرورت نہیں دیکھتے۔'' یہ صاف مشعر ہے کہ خاکسار کا دوبارہ آنا قرار پاچکا اور اس سے پیشتر ضروری تسلیم کیا گیا تھا۔ وہ ضروری نہ مانا جاتا تو اس کی ضرورت کی نفی کی ضرورت نہ پڑتی۔ اس سے آپ کی اور آپ کے حواریوں کی ان باتوں کا کہ ''آپ کا تو درمیان قدم ہی نہ تھا اور تم ناحق لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہوتے ہو۔ وغیرہ وغیرہ'' جو صفحہ ۳۴ میں منقول ہیں دروغ ہونا ثابت ہے۔ اس مکالمہ ومباحثہ میں میرا دخل نہ تھا تو پھر ان کو میرے آنے کا انتظار کیوں رہا اور پھر اس کے ضرورت کی نفی کی ضرورت کیوں ہوئی۔

۸۳۔ محض دروغ بے فروغ ہے اور حافظ جی اور منشی الٰہی بخش وغیرہ اس وقت یہ بات نہ بانشراح صدر زبان پر لائے نہ بانقباض خاطر نہ آواز بلند سے نہ آہستہ۔ بلکہ اس مجلس میں بجز ایک شخص کے جس کی تصدیق بقول نائب (صاحب دو چیزے شکند قدر شعر را...... تحسین ناشناس وسکوت سخن شناس) تکذیب کے

برابر ہے۔ کسی نے لب نہیں ہلایا۔ اگر آپ سچے ہیں تو ان تین اشخاص سے جن کا ذکر ص ۴۸ میں ہوا ہے حلفی اظہار دلوادیں۔

۸۴۔ بہت صحیح نہایت درست ہے۔ میں تو صرف ناظرین میں تھا۔ مناظرہ کرنے والے اور ہی تھے۔ پھر حکیم صاحب نے جاتے ہوئے مجھ سے اجازت کیوں لیتے۔ ناظرین ص ۳۴، ۴۸، ۴۹ وغیرہ ملاحظہ فرما کر اس راستی کا امتحان کریں۔

۸۵۔ تقریر کا تحریر میں آجانا اور جو بات کسی فریق کے منہ سے نکلے اس کو فریق ثانی کا لکھ لینا مناسب ہے۔ مگر اس میں یہ قید لگانا کہ بدوں تحریر کوئی فریق ایک کلمہ زبان پر نہ لاوے۔ بالمشافہ گفتگو کو فضول ٹھہرانا ہے اور دائرہ گفتگو کو تنگ کرنا۔ یہ قید ہو تو فریقین کا گفتگو کے لئے ایک مجلس میں جمع ہونا اور بالمشافہ گفتگو کی کیا ضرورت ہے۔ ایسی تحریری گفتگو غائبانہ بذریعہ تحریرات بھی ہوسکتی ہے۔

۸۶۔ ان شروط کا بدنیتی اور دھوکہ دہی پر مبنی ہونا پہلے ثابت ہو چکا ہے۔ اس طرفہ پر آپ نے طرہ یہ چڑھایا ہے کہ اشتہار ۳؍مئی ۱۸۹۱ء میں (جس کو ۲۳؍مئی ۱۸۹۱ء لکھا گیا ہے) ایسی ہی چند شرطیں اور بڑھادیں۔ (ایسی ہی بعض شروط فاسدہ خط نمبری ۱۴ میں آپ نے بڑھا دیئے ہیں جن کا بیان عنقریب آتا ہے) (۱) مجلس بحث میں کوئی یورپین افسر یا ہندو مجسٹریٹ ہو اور چند دیسی پولیس میں بھی ہوں۔ (۲) سوال وجواب لکھنے والا کوئی ہندو خوشخط ہو۔ (۳) ہر ایک فریق کو ایک گھنٹہ یا آدھ گھنٹہ تک تحریر کا اختیار ہو۔ (۴) آٹھ بجے سے دس بجے تک یہ جلسہ ختم ہو۔ اس سے زیادہ ہو تو نماز ظہر تک ہو۔

ایسی ہی اس میں بعض اور شروط ہیں۔ ان شروط کو پیش کر کے اپنے دائرہ مباحثہ کو اور ہی تنگ کیا اور یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ درحقیقت آپ کو مباحثہ منظور نہیں ہے۔ یہ صرف مباحثہ سے جان بچانے کے حیلے بنائے ہیں۔ آپ نے یہ سوچ کر ایسی شروط کو پیش کیا ہے کہ ان شروط سے کسی نہ کسی شرط کا فوت ہوجانا ممکن ہے اور اس سے مباحثہ سے ہماری نجات کی امید ہے۔ (مثلاً ممکن ہے کہ کوئی یورپین افسر یا ہندو مجسٹریٹ جو حاکم ہیں نہ رعایا کے محکوم) اس مذہبی بحث کی مجلس میں شامل ہونا پسند نہ کریں یا کوئی ہندو خوشخط جو فارسی اردو کے علاوہ عربی کہنا (جو اس مذہبی بحث میں لازمی امر ہے) نہ جانتا ہو۔ وعلیٰ ہذا القیاس!

شروط سوم وچہارم میں آپ نے یہ بھی جتایا ہے کہ اس بحث سے آپ کو اظہار حق مقصود نہیں ہے۔ صرف بزعم خود الزام خصم مدنظر ہے جو جدال کہلاتا ہے یا اپنے مخاطبوں کا امتحان علم ومعلومات جیسے یونیورسٹی میں طلباء کو سوال دے کر حکم دیا جاتا ہے کہ اتنے گھنٹوں میں وہ ان کا جواب دیں۔ تب وہ پاس ہو سکتے ہیں اور اگر اظہار حق مقصود ہو تو اس کے کیا معنی کہ وہ اظہار ایک گھنٹہ یا آدھ گھنٹہ میں ہو۔ اس کے بعد

کوئی حق کہے گا تو وہ زائد المیعاد سمجھ کر رد کیا جائے گا۔ اس پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ تحریری جوابات اور اختتام مباحثہ کے لئے کوئی حدو مدت مقرر نہ ہو تو سلسلہ فضول گوئی قطع نہ ہو۔ ہر شخص مخالف حق جب تک جو چاہے بکتا رہے۔ اس میں اضاعت وقت کے علاوہ یہ بھی ایک نقصان ہے کہ حق ظاہر نہ ہو جو اصل مقصد مباحثہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب خصم مخالف حق اس قسم کی واہیات کہنا شروع کرے۔ تب طالب حق بعض باتوں کا واہی ہونا ظاہر کر کے اس سے اعراض وخاموشی اختیار کرے اور بحث کو موقوف کر دے۔ اس سے فضول گوئی کا سلسلہ قطع ہو گیا اور حق خود بخود سامعین وناظرین پر ظاہر ہو جاوے گا اور اگر اس مجلس کی میجارٹی میں پارٹی فیلنگ ہو (یعنی اس کے جمہور ارکان کو ایک جانب کی طرفداری کا خیال ہو) تو یہ اظہار حق وقطع سلسلہ فضول گوئی منصف مسلم الطرفین کی منصفی سے ہوسکتا ہے۔ وہ جب خصم مخالف حق کو فضول باتوں کی طرف متوجہ ہوتا دیکھے گا اس کو روک دے گا اور اس کے مخاطب حقانی کی حق گوئی کی داد دے گا۔ بالجملہ حق پژوہی وقطع سلسلہ فضول گوئی کا یہ طریق نہیں کہ تقریر حق کے لئے وقت اور تعداد اوراق مقرر کردیں۔ اس کا طریق یہ ہے کہ کمال وسعت اور آزادی کے ساتھ حق کہہ دیں اور خصم کو پوری آزادی سے جواب کا اختیار دیں۔ پھر اس کا انصاف حاضرین ومنصفین سے کرائیں۔ آپ نے اس ضروری اور لازمی شرط منصفی کو تو نظرانداز کیا اور بجائے اس کے فضول اور ناجائز شرطوں کو پیش کر دیا۔ کیوں نہ ہو مقصود جو ہوا کہ جس طرح ہو سکے مباحثہ سے جان چھوٹے۔

۸۷ ناظرین خود انصاف کریں گے کہ گریز کس کی طرف سے ہے اور کون شخص ایسی شرائط پیش کرتا ہے جو لائق تسلیم اور سہل الوقوع نہیں اور عذر عدم فرصتی سے صاف انکار کس نے کیا آپ کا خط نمبری ۱۱ ملاحظہ ہو۔

۸۸ نہیں نہیں اوّل آپ کی طرف سے تحریر ہونی چاہئے۔ کیونکہ آپ مدعی ہیں اور بار ثبوت آپ پر ہے۔ آپ کا خصم تو آپ کا معارضہ کرے گا یا مانع یا سائل بنے گا۔ جس کی نوبت آپ کے بعد آنے والی ہے۔ کتب فن مناظرہ (رشیدیہ وغیرہ) نظر سے نہیں گزریں تو کسی اہل علم سے پوچھ لیں۔

۸۹ صرف مثیل مسیح کیوں کہتے ہیں۔ آنے والا مسیح کہیں اور لوگوں کو دھوکہ نہ دیں۔ صرف آپ کا مثیل مسیح ہونا محل نزاع نہیں ہے۔ سخت نزاع اور شدید بحث کا محل تو آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ مسیح موعود سے (جس کے قیامت سے پہلے آنے کی خبر صحاح میں وارد ہے) حضرت عیسیٰ نبی اللہ مراد نہیں بلکہ آپ مراد ہیں جو مثیل ہونے کے مدعی ہیں۔ یہاں تو آپ نے دعویٰ وفات مسیح میں بحث ہونے کی آڑ میں دعویٰ مسیح موعود ہونے کا ثبوت پیش کرنے سے گریز کیا ہے اور خط نمبری (۱۱،۱۲) میں آپ نے اس دعویٰ کا ثبوت پیش کرنے اور اس کے لائق بحث ہونے سے صاف انکار کر دیا۔ ناظرین ان کی چالوں کو دیکھتے جائیں۔

۹۰ یہ بھی آپ کی دھوکہ آمیز دھمکی ہے جس سے آپ کا یہ مقصود ہے کہ اگر مخاطب نے اس دھمکی میں آ کر ہماری شرط فاسد کو قبول کر لیا تو وہ دام میں آیا اور اگر اس نے جواب سے انکار یا سکوت کیا تو یہ مشہور کیا جائے گا کہ مخاطب نے ہمارے خط کا جواب نہیں دیا اور وہ ہار گیا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ آپ کا یہ دھوکہ ہمارے خیال میں آ گیا۔ ہم نے نہ آپ کی شرط فاسد کو بلاشرط مانا۔ نہ جواب خط سے سکوت کیا اور آپ کے اس خط کا جواب ایسا دیا جو آپ کی شرط کے موافق نہ تھا۔ وبایں ہمہ اس کو آپ نے وصول کر کے اپنے اس خط کا آخری ہونا توڑ دیا اور ہمارے اس جواب کے جواب میں ایک اور خط بھی لکھ دیا۔ اس کا جواب ہم نے خط نمبری ۳۲۵ میں دیا اور پھر اس کی تاکید میں خط نمبری ۲۴۹ ارسال کیا تو ان خطوں کے جواب میں آپ سے کچھ بن نہ پڑا اور وہ الزام سکوت وعجز از جواب بھی اس دھوکہ آمیز دھمکی سے آپ ہم پر لگانا چاہتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے آپ پر لگا دیا اور آپ پر یہ مصرع صادق آ گیا۔ ''مرا خواندی وخود بدام آمدی''

۹۱ آپ نے برخلاف کریمانہ اور مہذبانہ مندرجہ اشتہار ۲۶؍مارچ ۱۸۹۱ء کا نمونہ ملاحظہ فرماتے تو یہ کلمہ لکھتے ہوئے شرماتے اور یہ خیال فرماتے کہ جس کی آنکھ میں شہتیر ہو وہ دوسرے کی آنکھ کے تنکے پر کیا اعتراض کر سکتا ہے۔ اس کارڈ میں یہ الفاظ ''اس کو'' (بصیغہ واحد) اور ''یہ شخص ملہم نہیں'' (جو آپ کو بالمواجہ نہیں لکھے گئے) محل اعتراض وخلاف تہذیب واخلاق سمجھے گئے ہیں تو ان کا موازنہ الفاظ ''بے حیا وبے ایمان'' (جو آپ کے اشتہار ۲۶؍مارچ ۱۸۹۱ء سے مستفاد ہیں) اور الفاظ ''دغا باز، حرام خور وغیرہ وغیرہ'' جو آپ نے حواریوں سے کہلائے ہیں سے کریں اور پھر انصاف سے کہیں کہ تہذیب واخلاق کا التزام کس جانب میں ہے۔

۹۲ یہاں اس وعدہ کا التزام برابر رہا اور رہے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ! دیکھئے آپ نے اور آپ کے حکم ورضا وعلم سے آپ کے حواریوں نے ہم کو کس قدر برا کہا ہے۔ ہم نے کسی لفظ کا جواب دیا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ آئندہ بھی ان شاء اللہ تعالیٰ! ایسا ہی ہوگا۔ ہم کو خدا تعالیٰ سے امید ہے کہ ہمارا صبر اور آپ کا روز افزوں جور وجفا لوگوں پر اچھا اثر پیدا کرے گا اس سے لوگ سمجھ جائیں گے کہ آپ الہامی نہیں ہیں...... ایں مشکل برائے اکل ست!

۹۳ تمام نہیں تو صرف اسی قدر جس قدر چھپ چکا ہے اور برخلاف عہد خط نمبر۴ منقولہ ص۳۶۴ ج۱۴ نمبر۱۲۔ حکیم نورالدین صاحب کے پاس بھیجا گیا۔

۹۴ یعنی وہ رسالہ حکیم نورالدین کے پاس بھیجا گیا۔ اس اعتراض کا جواب دشنام آمیز اپنی ضمیمہ سیالکوٹ گزٹ ۲۵؍اپریل ۱۸۹۱ء میں ایک حواری سے دلوایا وہ اس کے نسبت انصاف سے، ایمان سے کہیں کہ وہ اس اعتراض کا جواب ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

۹۵ ناظرین پر مخفی نہیں ہے کہ بحث کون نہیں چاہتا اور کون شخص ناجائز شروط پیش کر کے اس سے جان چھڑاتا ہے اور اگر اس سے یہ مقصود ہے کہ بحث تو چاہتے ہیں مگر نہ بغرض اظہار حق بلکہ بغرض الزام خصم۔ تو یہ امر مضمر ہے اس کا تصفیہ بجز اس کے کیونکر ہوسکتا کہ ہم اور آپ قسم کھائیں اور جھوٹے کو لعنت سنائیں اور آیہ مباہلہ پر عمل کریں۔ اگر آپ جائز سمجھیں۔

۹۶ پھر وہی لفظ فرمایا ہے جو پہلے ص۴۷ میں آپ سے نقل ہوا ہے۔ اس لفظ میں اپنی بزرگی کا ادّعا ہے۔ مگر معلوم نہیں کس وصف میں آپ بزرگ بنتے ہیں۔ عمر میں یا علم میں یا زہد وتقویٰ میں جو دعوے ہونا زیبا ہے اور ثناء خویش خود گفتن کا مصداق۔

۹۷ آپ کا تو دلی منشاء یہی ہے مگر خدا پورا نہیں کرتا۔ جو الزام آپ دوسروں پر قائم کرنا چاہتے ہیں وہ آپ پر عائد ہو جاتا ہے۔ کما قیل...... میں الزام اس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا۔

۹۸ گریز اس شخص کی طرف سے ہوا جس نے مباحثہ سے جان بچانے کے لئے ناجائز شروط کو پیش کیا اور مخاطب کے جائز شروط کو نہ مانا۔ اب اس امر کا تصفیہ ناظرین خود کر لیں گے کہ ایسا کس نے کیا۔ آپ چاہیں اس امر میں کسی منصف کے سامنے بحث کر لیں۔ آپ کا گریز ثابت نہ ہوا اور منصف مسلم الطرفین نے اس کو تسلیم نہ کیا تو ہم آئندہ آپ کے ساتھ معارضہ سے دست بردار ہو جائیں گے۔ لیجئے ایک بات میں میدان ہاتھ میں آتا ہے اور کیا چاہتے ہیں۔

۹۹ یہ آپ کی تہذیب انصاف پسندی حق طلبی روحانیت اور انکسار کا نمونہ ہے۔ کوئی پوچھے جنگ کب ہوئی اور ختم کب ہوئی آپ نے جنگ کی ناجائز شروط پیش کیں۔ ادھر سے بھی بغرض چند شروط مقابلہ کیا گیا۔ آپ نے نہ شروط کو مانا نہ ان سے انکار کیا بلکہ جواب خط دنیا ترک کر دیا۔ اس کا نام اختتام جنگ ہے تو یہ آپ کی طرف سے ہوا۔ گریز ہی تو آپ نے کیا۔ پھر برطبق مثل، الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ الزام گریز دوسروں پر لگایا۔ سو بھی ایسے الفاظ سے جس کو ادنیٰ اہل تہذیب وصاحب اخلاق استعمال نہیں کر سکتا۔ چہ جائے مدعیان روحانیت وانکسار وایثار وانوار وغیرہ وغیرہ!

۱۰۰ دل سے پوچھئے اور خدا سے لوگوں سے کسی سے تو شرمایئے۔ شروط فاسد کی آڑ بنا کر کون کنارہ کش ہوا اور اب تک کون کنارہ کش ہے۔ میں تو آپ کے گھر کے قریب بھی پہنچا اور آپ کو مناظرہ کے لئے بلایا۔ پھر آپ نے نج کے کام کا بہانہ پیش کر کے کنارہ کشی کو اختیار کیا۔ بایں ہمہ یہ الزام دوسروں پر لگانا آپ ہی کا کام ہے...... ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند!

۱۰۱؎ یہاں تو آپ نے اصول اسلام کو لغو کہہ دیا مگر اپنے خط نمبری (۱۱،۱۴) میں ان اصول کی تمہید کو تسلیم ومنظور کر لیا۔ معلوم نہیں اس خط میں آپ اس خیال لغویت کو بحکم آ نکہ، دروغگو را، حافظہ نباشد، بھول گئے یا جو اس خط میں لکھتے ہیں وہ دل سے نہیں کہتے اور آپ کے مذہب کا کوئی اصول نہیں۔ بہرحال آپ نے یہ بات دل سے کہی ہے تو آپ کی تسلیم خط نمبری (۱۱،۱۴) لغو ہے اور آپ پر آیت: ’’**والذین هم عن اللغو معرضون** ‘‘ اور آیت: ’’**لم تقولون مالا تفعلون** ‘‘ کے خلاف کا الزام قائم ہے اور اگر وہ تسلیم دل سے ہے تو آپ کا ان اصول کو لغو کہنا اصول اسلام کو لغو کہنا ہے۔ زیادہ ہم کیا لکھیں۔

۱۰۲؎ یعنی اس دعویٰ کے دلائل نہ پوچھیں یہ مسئلہ نہ شریعت اسلام کا ہے نہ فن مناظرہ کا ہے۔ آپ سچے ہیں تو بتائیں۔ شرع کی یا فن مناظرہ کی کس کتاب میں یہ لکھا ہے کہ مدعی سے صرف تشخیص دعویٰ کرائی جاوے۔ اس دعویٰ پر دلیل اس سے طلب نہ ہو۔

۱۰۳؎ کسی دعویٰ کے مدعی پر دلائل لکھنا فرض نہیں تو پھر کیا اس کے منکر پر فرض ہے۔ اس امر کی نہ شریعت مصدق ہے نہ فن مناظرہ کتب شریعت میں اتفاقی مسئلہ ہے۔ البیّنۃ المدعی اور رشیدیہ کتاب فن مناظرہ میں ہی المدعی من نصب نفسہ لاثبات الحکم بالدلیل اوالبینۃ!

۱۰۴؎ یہ آپ کا ایک اور دعویٰ ہے جو خصم کے نزدیک مسلم نہیں۔ چنانچہ اس خط کے جواب میں بیان کیا گیا ہے کہ اس میں آپ نے دھوکہ دیا ہے۔ لہٰذا اس کی دلیل بھی آپ کے ذمہ ہے۔

۱۰۵؎ اپنے دعویٰ کے دلائل لکھئے اور نہیں تو دو چار گالیاں مغالطے ہی سہی۔

۱۰۶؎ آپ ہی بتلا دیجئے مگر کتاب کے حوالہ سے ہم نے تو کتب مناظرہ میں یہی پڑھا ہے کہ دلیل مدعی کے ذمہ ہے نہ منکر ومانع کے۔

۱۰۷؎ فرع اب بن گئے۔ فتح اسلام، توضیح مرام اور دیگر ابتدائی تحریروں میں اور خط سابق نمبر۸ خط ہذا کے مضمون منقول ص۶۲ تک تو آپ کے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ اصل ہے۔ مسیح کے فوت ہو جانے کا ذکر تو ان میں تبعاً وضمناً ہے۔ رسالہ توضیح المرام ورسالہ فتح اسلام کو پھر ایک دفعہ دیکھ لیا جائے۔ اگر بھول گئے ہیں اور اس خط اور خط سابق کے فقرات زیرنشان کو ملاحظہ کریں اس کی زیادہ توضیح ہمارے خط نمبر۱۷،۳ کے حواشی میں ہوگی۔ ان شاءاللہ تعالیٰ!

۱۰۸؎ اس میں آپ یہ جتاتے ہیں کہ آپ مسلمانوں کو اپنا ہم مذہب نہیں سمجھتے اور کسی مسلمان سے حق گوئی کی امید نہیں رکھتے۔ تب ہی ثالث کی منصفی تجویز کرتے ہیں۔ اس صورت میں آپ کو ’’**ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ماتولی ونصله جهنم**

وسأت مصیرا‘‘ سے ڈرنا مناسب ہے۔

۱۰۹ یہ دعویٰ میں نے کب کیا ہے اور مناظرہ واقع ہونے کے لئے میرا بلانا کہاں شرط ہے۔ حافظ جی کے کہنے سے وہ آئے اور ان ہی کے کہنے سے وہ مناظرہ میں پھنس گئے۔ پھر ان کا بلا اطلاع خاکسار جانا فرار نہیں تو کیا ہے۔ مگر شرم ہو تو۔

۱۱۰ محض دروغ بے فروغ ہے۔ ازالۃ الاوہام پچیس جز سے زیادہ بتایا جاتا ہے اور قول فصیح میں جو میں نے دیکھا ہے اس کا ایک جز ہی پورا منقول نہیں ہوا۔ پھر اکثر مقابل اقل کہاں صادق آیا۔ سبحان اللہ! یہ دعویٰ تقدس اور یہ سفید جھوٹ اور دھوکہ دہی۔

۱۱۱ گو میں اب اس امکان کا بھی قائل نہیں رہا۔ آپ کے مجادلانہ ومعاندانہ تحریرات نے وہ امکان میرے خیال سے اٹھادیا ہے۔

۱۱۲ خاکسار نے اپنی طرف سے وہ خط اس لئے نہ لکھا کہ مرزاجی خاکسار سے سلسلہ مراسلت ومخاطبت قطع کر چکے تھے۔

۱۱۳ اب تمہید اصول کو آپ مان گئے۔ حالانکہ خط نمبری ۹ میں اس کو لغو قرار دے چکے تھے۔ یہ تسلیم صحیح اور دل سے ہے تو انکار سابق سے آپ کا عناد اور استخفاف اصول اسلام ثابت ہوتا ہے۔ اگر وہ انکار صحیح اور دل سے تھا تو اس تسلیم سے آپ پر التزام لغو کا الزام قائم ہوتا ہے۔

۱۱۴ الہام وفات مسیح کے مبنی اور اصل ہونے کے معنی دربطن قائل ہیں۔ اصل ومبنی ہونے سے اگر یہ مراد ہے کہ دعوے مسیح موعود ہونے کا اس الہام وفات مسیح سے نکالا گیا ہے تو یہ محض بناوٹ ہے۔ آپ کو صرف وفات مسیح کا الہام ہوتا اور اس الہام سے آپ اپنے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نکالتے تو آپ یہ بات کہہ سکتے تھے اور جس حالت میں ان دونوں امر کی نسبت آپ الہام کے مدعی ہیں اور یہ دونوں امر از قسم اخبار ہیں (جن میں ایک پیشین گوئی ہے دوسرا پیشین گوئی) نہ از قسم انشاء (امر یا نہی) تو امر دوم کا امر اوّل پر مبنی اور اوّل کا اصل دوم کا فرع ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ یہ تو دونوں جداگانہ اور مستقل الہام ہیں جن میں سے ایک میں ایک امر گزشتہ کے وقوع کی خبر دی گئی ہے۔ (کہ حضرت مسیح ابن مریم فوت ہو چکے ہیں) دوسرے میں ایک امر آئندہ کی نسبت خبر ہے کہ آنے والا مسیح جس کی خبر احادیث میں وارد ہے تو ہے یا ایک زمانہ کے بعد ہوگا۔ (جب مسلمان تجھے تسلیم کر لیں گے) جن میں نفیاً واثباتاً تلازم نہیں ہے۔ کیونکہ اگر حضرت مسیح ابن مریم کی وفات ثابت ومسلم ہو تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پھر مسیح موعود آپ ہیں۔ کیوں جائز نہیں ہے کہ درصورت وفات مسیح ابن مریم، مسیح موعود کوئی اور ہو۔ اس صورت میں آپ کو مسیح موعود ہونے کے لئے اور

دلائل قائم کرنے پڑیں گے۔صرف وفات مسیح سے آپ اپنا مسیح ہونا ثابت نہ کرسکیں گے اوراگرحضرت مسیح کا زندہ ہونا ثابت ہوتو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کا یہ الہام کہ آنے والے مسیح آپ ہیں، غلط ہو۔اس صورت میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مسیح ابن مریم زندہ ہیں تو رہیں وہ کسی اورکام کے لئے ہوں گے۔ جس مسیح کے نزول کا احادیث صحاح ستہ میں ذکر ہے اوران کے عالی شان کارناموں (قطع صلیب وضع جزیہ، قتل خنازیر وغیرہ) کا ان احادیث میں بیان ہے۔اس سے میں ہی مراد ہوں۔آپ یہ بات نہ بھی کہیں تو کوئی اورنیچری آپ کا حواری یہ بات کہہ سکتا ہے۔وبناءً علیہ صرف حیات مسیح کے ثبوت سے اس دعویٰ کا (آپ کریں یا کوئی اورنیچری) ابطال نہیں ہوسکتا بلکہ اس دعوے کے ابطال کے لئے دلائل پیش کرنے کی حاجت رہتی ہے۔اس بیان سے صاف ثابت ہے کہ ان دونوں الہامات اوردعاوی میں نفیاً واثباتاً تلازم نہیں ہے اورایک دوسرے کی فرع نہیں ہوسکتا۔مگراس بات کے سمجھنے کے لئے علوم عقلیہ میں مداخلت بےکار ہے۔صرف جعلی اورخیالی الہاموں کے زور سے یہ سمجھ میں نہیں آسکتے اوراگرالہام وفات مسیح کے اصل ومبنی ہونے سے یہ مراد ہے کہ الہام وفات، الہام مسیح موعود ہونے کی شرط ہے جیسا کہ خط نمبر۱۲ میں آپ کے قلم نکل گیا ہےتو اس پراس خط کے حواشی میں بصفحہ ۸۰ وغیرہ بحث ہوگی۔ان شاءاللہ تعالیٰ!

۱۱۵ کیوں حضرت! یہ گریز نہیں۔کنارہ کشی نہیں۔فرار نہیں۔ہزیمت نہیں تو اورکیا ہے؟ اوراس کام سے بڑھ کراہم اورضروری اورکون سا کام آپ کواس دن پیش آگیا تھا؟ مسیح ہوجانے اوراس کا ثبوت پیش کرنے سے بڑھ کرکوئی کام آپ کے لئے تھا تو آپ اس کو بیان کریں تاکہ ناظرین کوآپ کے اس عذر کا محض حیلہ وبہانہ ہونا ثابت ہو۔بعد عید شنبہ کا دن آپ نے اس لئے مقرر کرانا چاہا تھا کہ آپ کو یہ علم ہوچکا تھا کہ ہمارا مناظر (یہ خاکسار) پٹیالہ کو تیار ہے اوروہ شنبہ تک لدھیانہ میں رہ نہیں سکتا۔

۱۱۶ یہ الہام ابھی گھڑا گیا ہے۔اس سے پہلے تحریروں میں اس کا نام ونشان نہیں۔اصل الہام یہ ہوتا تو فتح اسلام، توضیح المرام، جواب مباہلہ صوفی عبدالحق غزنوی مشتہرہ پنجاب گزٹ سیالکوٹ ۲۸رفروری ۱۸۹۱ءاورآپ کے جملہ خطوط اسمی خاکسار میں اس کا ذکر کیا جاتا۔ان تحریرات میں تو پہلا اوراصل الہام بھی بیان کیا گیا ہے کہ:''آنے والا (یا موعود مسیح) میں ہوں۔وفات حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر تو منجملہ تحریرات مذکورہ بعض تحریرات میں اس کے بعد ضمناً وتبعاً ہوا ہے اوربعض میں اس سے تعرض ہی نہیں۔چنانچہ حاشیہ خط نمبر(۱۷؍۳) میں بہ نقل عبارات سامی ثابت کیا جاوے گا۔یہ الہام اصل تھا تو ان تحریرات میں اس کواصل واوّل کیوں قرارنہیں دیا گیا۔کہیں اس کواصل قرار دیا گیا ہے؟ تو بتائیں کس تحریر میں؟ اورکب؟

حضرت! یہ من گھڑت الہام مشت بعداز جنگ کا نمونہ ہے۔آپ نے ہم پرناحق یہ الزام لگایا

تھا۔ خداتعالیٰ نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ بدلہ دے دیا کہ آپ نے دعوے مسیحائی اور اس کی دلائل سابقہ کو مشتہر کرنے کے ایک مدت کی سکوت کے بعد یہ ایک نیا ہتھیار اٹھایا جس میں آپ کا وار خطاء گیا۔ ہم نے اس کے مقابلہ میں یہ بات ثابت کر دکھایا کہ یہ اصل الہام نہیں ہے۔ نئی من گھڑت ہے۔ اس کی مزید تفصیل حاشیہ خط نمبری ۱۷۳ میں ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

۱۷ یہ ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ آپ کا یہ الہام خدا کی طرف سے نہیں ہے۔ ابھی گھڑا گیا ہے اور اگر ہم اس من گھڑت کو الہام فرض کریں اور خدا کی طرف سے مان لیں تو بھی اس سے وفات مسیح کا شرط اور آپ کے دعوے یا الہام مسیح موعود ہونے کا مشروط ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔ اس الہام میں کوئی ایسا حرف شرط مذکور نہیں ہے اور نہ مقدر ہوسکتا ہے۔ جس سے یہ شرطیت ثابت ہو اور اگر ترتیب عبارت سے اور خبر وفات مسیح کے اوّلاً اور پیش گوئی مسیح موعود ہونے کے ثانیاً مذکور ہونے سے یہ شرطیت نکالی گئی ہے تو یہ محض بے خبری و ناواقفی پر مبنی ہے۔ ترتیب ذکری سے مذکور اوّل کا شرط اور مذکور دوم کا مشروط ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا اور حرف ''اور'' یا ''واؤ'' عاطفہ اس ترتیب کے مثبت نہیں ہوتے۔ کسی اہل علم سے پوچھ لیں اگر اس بات کو سمجھ نہ سکیں اس شرطیت کو ثابت کرنے کے لئے اور الہام ہے تو اس کو پیش کریں۔ مگر یہ یاد رکھیں کہ جو من گھڑت الہام اس شرطیت کے ثبوت میں پیش کریں گے اس سے ہم ''بحول اللہ وقوتہ'' شرطیت ثابت نہ ہونے دیں گے۔ آپ جو مثال چاہیں پیش کر کے دیکھ لیں۔ یہ ہماری لیاقت کا اثر نہیں بلکہ آپ ہی کے ان الہامات کی کرامت ہے۔ آپ کے دونوں الہام اس قسم سے ہیں کہ ان میں ایک کا دوسرے کے لئے شرط ہونا بحکم عقل ممکن نہیں اور کوئی عاقل سلیم الحواس اوّل کو دوسرے کے لئے شرط نہیں ٹھہرا سکتا۔ اس کی وجہ صاف اور صریح یہ ہے کہ شرط (جس سے کسی امر کے وقوع کو مشروط کیا جائے) کا متکلم یا مخاطب کے نزدیک شکی ہونا ضروری ہے اور جو امر یقیناً واقع اور موجود ہو اس کے وجود سے کسی واقعی امر کو مشروط و معلق نہیں کیا جاتا اور آپ کا وہ الہام جس کو آپ نے پہلا الہام قرار دیا ہے۔ ایک ایسے امر کے متعلق ہے جو اس الہام کی رو سے یقیناً واقع اور متحقق ہو چکا ہے اور اس کے وقوع اور وجود میں اس الہام کے ملہم (بزعم جناب، خداتعالیٰ) اور اس کے مخاطب (خود بدولت) کو شک نہیں ہے۔ لہٰذا اس امر واقعی اور متحقق الوقوع سے دوسرے الہام کو جس میں آپ کے مسیح موعود ہونے کی پیشین گوئی ہے مشروط معلق کرنا اور مثلاً یوں کہہ دینا (کہ اگر مسیح علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں تو پھر مسیح موعود تو ہے یا ہو جائے گا۔ (جب مسلمانوں میں تسلیم کیا جائے گا) جائز نہیں ہے اور کسی عاقل سلیم الحواس سے اس کا صدور ممکن نہیں۔ کوئی عاقل سلیم الحواس آفتاب کے نصف النہار کو پہنچنے کے وقت (اگر مخاطب و متکلم دونوں شب پر چشم نہ ہوں اور آفتاب کی رویت و وجود میں شک نہ رکھتے ہوں) یہ نہیں ہو

سکتا کہ اگر آفتاب نکلا ہے تو فلاں امر واقع ہے یا ہو جائے گا۔ کوئی ایسا کہے تو اس کو مالیخولیا یا ماوینیا یا ہسٹریا میں مبتلا سمجھا جائے گا۔ آپ علوم عقلیہ کو مری ہوئی کیڑی کی مانند جانتے ہیں۔ چنانچہ (فتح الاسلام ص۳۳، خزائن ج۳ص۲۰) لکھ چکے ہیں۔ و بناءً علیہ ان علوم سے ناواقف نہیں تو کیا کتب نحو میں بھی نظر نہیں رکھتے یا بھول گئے ہیں۔ تعجب! تعجب!!! افسوس! افسوس!!

۱۱۸ فتح الاسلام میں اپنے مسیح موعود ہونے کو آپ نے جبراً قبول کرانا چاہا اور اس سے انکار کرنے والوں کو خوب ڈرایا اور دھمکایا ہے۔ چنانچہ اس کے (ص۱۰، خزائن ج۳ص۸) میں آپ اپنا مسیح موعود ہونا بیان کر کے (ص۱۱،۱۲، خزائن ج۳ص۸،۹) میں فرماتے ہیں پس ہر ایک کو اس میں آپ نے یہ قید نہیں لگائی کہ جس پر حضرت مسیح بن مریم کا فوت ہو جانا ثابت ہو۔ ''چاہئے کہ اس سے (یعنی آپ کے مسیح موعود ہونے سے) انکار کرنے میں جلدی نہ کرے تا خدا سے لڑنے والا نہ ٹھہرے۔ دنیا کے لوگ جو تاریک خیال اور اپنے پرانے تصورات پر جمے ہوئے ہیں وہ اس کو قبول نہیں کریں گے۔ مگر عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے جو ان کی غلطی ان پر ظاہر کر دے گا۔'' دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہیں کیا۔ لیکن خداتعالیٰ اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔ اسی سلسلہ میں اور اسی دعویٰ مسیحائی کے بعد آپ (ص۵۷،۵۸، خزائن ج۳ص۳۴) رسالہ فتح اسلام کے لکھتے ہیں: ''جو مجھے چھوڑتا ہے وہ اس کو چھوڑتا ہے۔ جس نے مجھے بھیجا ہے اور جو مجھ سے پیوند کرتا ہے وہ اس سے کرتا ہے۔ جس کی طرف سے میں آیا ہوں۔ میرے ہاتھ میں ایک چراغ ہے جو شخص میرے پاس آتا ہے ضرور وہ اس روشنی سے حصہ لے گا۔ مگر جو شخص وہم اور بدگمانی سے دور بھاگتا ہے وہ ظلمت میں ڈال دیا جائے گا۔ اس زمانہ کا حصن حصین میں ہوں جو مجھ میں داخل ہوتا ہے وہ چوروں اور قزاقوں اور درندوں سے اپنی جان بچائے گا۔ مگر جو شخص میری دیواروں سے دور رہنا چاہتا ہے ہر طرف سے اس کو موت در پیش ہے اور اس کی لاش بھی سلامت نہیں رہے گی۔''

مگر اس مقام میں آپ لوگوں کو اپنے مسیح ہونے کی تسلیم و عدم تسلیم میں آزادی دیتے اور یہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے مسیح موعود ہونے کے تسلیم و قبول پر کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ صرف یہ کہتا ہوں کہ جس پر مسیح بن مریم کا فوت ہو جانا ثابت ہو وہ میری صحبت اختیار کر کے میرے دعوے مسیح موعود ہونے کی آزمائش کرے۔ جو تخویف و ترہیب فتح الاسلام کے بالکل مخالف ہے۔ اب اگر اس آزادی کو دل سے سمجھا جائے تو وہ دھمکی فتح الاسلام کی لغو بلکہ کذب ٹھہرتی ہے اور اگر وہ دھمکی دل سے ہے اور کچھ صحت و اصلیت رکھتی ہے تو یہ آزادی صرف دھوکہ دہی ہے۔

بہرحال وہ دھمکی اور یہ آزادی دونوں صحیح نہیں ہوسکتیں اور دونوں میں سے ایک ضرور آپ کے

صدق مقال اور استقامت حال کو بٹہ لگاتی ہے۔ ہاں! اگر آپ ایک میں غلطی یا خطاء کا اقبال کر لیں تو اس الزام سے آپ بری ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ آپ سے نہ کبھی ہوا ہے اور نہ آئندہ ہوگا۔ کیونکہ اس سے آپ کے خیال باطل وادّعاء عاقل قطعیت الہامات کو بٹہ لگتا ہے اور یہ ہم سے نہیں ہو سکتا اور نہ ہوگا کہ آپ کے اس قسم کے مغالطات پر خاموش رہیں اور آپ کے دھوکے لوگوں پر ظاہر نہ کریں۔

۱۱۹ یہ تب ہوتا جب آپ کا مسیح موعود ہونا الہام وفات مسیح سے مستنبط ہوتا یا وہ اس کے فرع اور یہ اس کے شرط ہو سکتا۔ ان باتوں کا بطلان حواشی سابق میں ظاہر ہو چکا ہے۔ پھر یہ قرعہ کیسا۔

۱۲۰ ایسا تھا تو پہلے تحریرات میں کیوں اسی کو مبحوث عنہ قرار نہ دیا...... مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید!

۱۲۱ حضرت توبہ تو، آپ مدت کی کر چکے ہیں اور بنا بر بیان حافظ محمد یوسف صاحب اس دعوے مسیح موعود ہونے پر خلوت میں پچھتاتے اور افسوس ظاہر کر چکے ہیں۔ مگر

برطبق بیت استاد مراگفت کہ تو توبہ مکن   من کنم دل نکند من چہ کنم

آپ کا دل نہیں مانتا کہ اس توبہ کا اظہار وعام اشتہار کریں۔ کیونکہ اس میں کساد بازاری متصور ہے اور دکان بند ہوتی ہے۔ یہی سوچ کر اپنے خط نمبری ۳، نمبری ۵ میں جو اشاعۃ السنہ نمبر۱۲ جلد۱۲ میں بصفحہ نمبر۳۶۰، ۳۶۹ منقول ہیں فرما چکے ہیں کہ یہ عاجز اس بصیرت اور علم سے اپنے تئیں نابینا نہیں کر سکتا جو حضرت احدیت جل شانہ نے بخشا ہے۔ پھر اس مقام میں اس علم واعتقاد سے توبہ کرنے کا وعدہ فقرہ بازی اور دھوکہ دہی نہیں تو کیا ہے؟

۱۲۲ یہ قید آپ نے ان احادیث صحیحہ کی ردوانکار کے لئے لگائی ہے جن میں حضرت مسیح علیہ السلام کے حلیہ میں کسی قدر لفظی اختلاف وظاہری تعارض پایا جاتا ہے۔ جیسے ایک حدیث میں آپ کی رنگت کا گندم گون ہونا مذکور ہے۔ دوسری میں سرخ ہونا۔ مگر آپ کو یہ معلوم نہیں (اور معلوم ہو کیونکہ جب آپ حدیث کے کوچہ سے آشنا نہیں) کہ یہ تعارض اٹھایا گیا ہے اور گندم گون ہونا اور سرخ رنگ ہونا باہم یوں متوافق ہو سکتے ہیں کہ گندم گونی سرخی کے ساتھ ہو۔ چنانچہ لاکھوں اشخاص ایسے نظر آتے ہیں کہ گندم گون ہونے کے ساتھ سرخ رنگ بھی ہیں۔ آپ نے امام الائمہ ابن خزیمہ کا یہ قول نہیں سنا (اور کیونکر سنتے جب آپ فن حدیث سے محض نابلد ہیں) ''وقد روینا عن محمد بن اسحق ابن خزیمه الامام انه قال لا اعرف انه روی عن النبی ﷺ حدیثان باسنادین صحیحین متضادین فمن کان عنده فیاتنی به لالف بینهما (کتاب علوم الحدیث المشهور بمقدمه ابن الصلاح) '' کہ میں ایسی کوئی دو حدیثیں نہیں دیکھتا جو صحیح اسناد کے ساتھ آنحضرت ﷺ سے مروی ہوں اور وہ آپس میں متعارض رہیں۔ یعنی جمع نہ ہو سکیں جس

کے پاس ایسی دو حدیثیں ہوں وہ میرے پاس لائے۔ میں ان کو باہم متوافق کردوں یعنی ظاہری تعارض اٹھادوں۔ ایسا ہی امام ابن الصلاح کے علوم الحدیث میں ان سے منقول ہے۔

۱۲۳… شرطیت کی نفی ص۸۰ میں مدلل ہوچکی ہے اور تلازم کی نفی بصفحہ ۷۶۔

۱۲۴… اپنے رسالہ فتح الاسلام میں جو آپ نے دعوے کا مفتح ہے چار صفحات (نمبر۱۰، ۱۵، ۱۷، ۲۳) میں آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ چنانچہ اشاعۃ السنۃ جلد۱۲ نمبر۱۲ کے ص۳۵۵ میں ان صفحات کی عبارات نقل ہوچکی ہیں۔ ان چاروں صفحہ میں کہیں آپ نے یہ دعویٰ نہیں کیا۔ (جس کو اب اصل دعویٰ بتایا جاتا ہے) کہ حضرت مسیح علیہ السلام فوت ہوچکے ہیں۔ اس رسالہ میں صرف ایک اور جگہ (ص۲۵ میں) حضرت مسیح کے فوت ہونے کا ذکر ہے۔ وہ بھی نہ بطور مستقل دعویٰ بلکہ اس اجنبی بیان کے ضمن میں کہ لوگ میرے ساتھ باستہزاء پیش آویں تو کوئی افسوس کا مقام نہیں۔ کیونکہ مجھ سے پہلے نبیوں سے بھی ٹھٹھا ہوا ہے۔ اور اس کی تنظیر میں ذکر ہوا اور یہ کہا گیا ہے کہ ایک دفعہ اس کو اپنے زعم میں صلیب پر چڑھا کر قتل کردیا۔ مگر چونکہ ہڈی نہیں توڑی گئی تھی۔ اس لئے وہ ایک خوش اعتقاد اور نیک آدمی کی حمایت سے بچ گیا اور بقیہ ایام زندگی بسر کر کے آسمان کی طرف اٹھایا گیا۔

اور اس سے پہلے (ص۱۰ میں) بھی ایک تمثیل کے ضمن میں کہا گیا ہے کہ مسیح کی روح ہیرودیس کے عہد حکومت میں بہت تکلیف کے بعد آسمان کی طرف اٹھائی گئی۔ مگر اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ روح بلاجسم اٹھائی گئی یا معہ جسم اور نہ اس میں اور بیان ص۲۵ میں کہیں یہ تصریح ہے کہ ان دو مقاموں میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ الہام ہے یا الہام مسیح موعود ہونے کی شرط یا اس کا مبنی واصل ہے۔ ان دو مقام کے سوا اس رسالہ میں حضرت مسیح کی موت کا کہیں ضمنی اور تبعی وتمثیلی ذکر بھی نہیں ہے۔

اور آپ کے دوسرے رسالہ (توضیح مرام ص۸، خزائن ج۳ ص۵۴) میں ایک جگہ حضرت مسیح کے فوت ہوجانے کا ذکر ہے۔ سو بھی نہ بطور بیان الہام اور نہ بطور دعویٰ بلکہ دعویٰ عدم نزول حضرت مسیح ابن مریم کے ثبوت پر ایک دلیل کے ضمن میں بیان ہوا ہے۔ چنانچہ (توضیح المرام ص۷، خزائن ج۳ ص۵۴) عیسائیوں پر ان کے قرارداد اور ان کے اعتقاد کے مطابق یہ الزام قائم کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہشت میں داخل ہوچکے ہیں اور جو بہشت میں داخل ہوتا ہے وہ پھر اس سے خارج نہیں ہوتا۔ پھر (توضیح المرام ص۸، خزائن ج۳ ص۵۴، ۵۵) لکھا ہے کہ قرآن شریف میں اگرچہ حضرت مسیح کے بہشت میں داخل ہونے کا بہ تصریح کہیں ذکر نہیں ولیکن ان کے وفات پاجانے کا تین جگہ ذکر ہے اور مقدس بندوں کے لئے وفات پانا اور بہشت میں داخل ہونا ایک ہی حکم میں ہے۔

اوراس کے مقابل دعوے مسیح ہونے کو بالاستقلال بیان کیا اوراس کو الہام قرار دیا ہے۔ چنانچہ (توضیح المرام ص۱، خزائن ج۳ ص۵۱) لکھا ہے اور نیز یہ بھی میں بیان کر چکا ہوں کہ اس نزول سے درحقیقت مسیح بن مریم کا نزول مراد نہیں بلکہ استعارہ کے طور پر ایک مسیح کے آنے کی خبر دی گئی ہے۔ جس کا مصداق حسب الہام واعلام الٰہی بھی عاجز ہے۔

ان دونوں مقام کے بیان کو ادنیٰ توجہ وانصاف کے ساتھ دیکھنے سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ دعویٰ مسیحائی آپ کا اصل اور پہلا اور مستقل دعویٰ ہے اور دعویٰ وفات حضرت مسیح دعویٰ عدم نزول حضرت مسیح کی دلیل کا ایک جزء یا مقدمہ ہے۔ وبس!

اور آپ کی تیسری تحریر (جواب مباہلہ صوفی عبدالحق غزنوی جو پنجاب گزٹ سیالکوٹ ۲۸؍فروری ۱۸۹۱ء میں شائع ہوئی ہے) میں بھی اصل اور پہلا الہام اسی دعویٰ ''مسیح موعود ہونے کو قرار دیا گیا ہے اور دعویٰ وفات مسیح کو اس الہام کے بعد بیان کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: یہ بات سچ ہے کہ اللہ جل شانہ کی وحی والہام سے میں نے مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور یہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے کہ میرے بارہ میں پہلے سے قرآن شریف اور احادیث نبویہ میں خبر دی گئی ہے اور وعدہ دیا گیا ہے سو میں الہام کی بناء پر اپنے تئیں وہ موعود مسیح سمجھتا ہوں جس کو دوسری غلط فہمی کی وجہ سے مسیح موعود کہتے ہیں...... لیکن میرے پر کھول دیا گیا ہے کہ مسیح ابن مریم جس پر انجیل نازل ہوئی تھی فوت ہو چکا ہے۔''

اور اپنی چوتھی تحریر (اشتہار ۲۶؍مارچ ۱۸۹۱ء) اور پانچویں تحریر (اشتہار ۳؍مئی ۱۸۹۱ء) میں گو دعویٰ وفات حضرت مسیح کو آپ نے اوّلاً اور دعویٰ مسیح موعود ہونے کو ثانیاً ذکر کیا ہے۔ مگر اس ذکر وبیان میں ایسا کوئی لفظ یا حرف آپ کی قلم سے نہیں نکلا، جس سے دعویٰ اوّل کا اصل باشرط ہونا اور دعویٰ دوم کا فرع یا مشروط ہونا ثابت ہو۔ بلکہ ان دونوں تحریروں میں یہ دونوں دعوے آپ نے مستقل طور پر کئے ہیں اور دونوں کی نسبت الہام ہونے کا دعویٰ آپ کی کلام میں موجود ہے۔

اور آپ کے جملہ خطوط میں جو اشاعۃ السنۃ نمبر۱۲ جلد۱۲ میں شائع ہوئے ہیں حضرت مسیح کی وفات کا ذکر ونام ونشان تک پایا نہیں جاتا بلکہ ہمارے اس استفہام انکاری کے مقابلہ میں کہ کیا آپ مسیح موعود ہیں؟ آپ کا یہی دعویٰ واقرار مستمر رہا ہے کہ میں مسیح موعود ہوں۔

اپنی خط نمبر اوّل میں آپ نے یہ مجمل اقرار کیا ہے اور خط نمبری ۶ میں آپ نے یہ فرمایا ہے: ''مگر جو خداتعالیٰ نے اس عاجز پر کھولا ہے صرف اتنا ہے کہ یہ عاجز روحانی طور پر مثیل مسیح ہے اور روحانی طور پر موعود بھی ہے اور نیز یہ کہ کوئی مسیح آسمان سے خاکی وجود کے ساتھ اترنے والا نہیں۔''

اور آپ کے خط نمبر ۸،۹ میں جو نمبر (۲) جلد ۱۳ میں منقول ہیں گو وفات حضرت مسیح کا ذکر بھی ہوا ہے۔ مگر اس کو بھی آپ نے اصل اور پہلا دعویٰ قرار نہیں دیا بلکہ پہلا دعویٰ ان کا وہی دعویٰ مسیحائی ہے اور دعویٰ وفات مسیح دوسرے دعوے جو علاوہ یا ضمیمہ (جس کو بلفظ ''نیز'' اور ''ساتھ ہی اس کے'' شروع کیا گیا ہے) ہے۔

خط نمبر ۸ میں آپ لکھتے ہیں: ''میں مثیل مسیح ہوں اور نیز حضرت مسیح بن مریم درحقیقت وفات پاگئے ہیں۔'' اور خط نمبر ۹ میں لکھتے ہیں: ''میں مثیل مسیح ہونے کا مدعی ہوں اور ساتھ اس کے یہ بھی کہتا ہوں کہ حضرت مسیح بن مریم درحقیقت .... ہوچکے ہیں۔''

آپ نے ان تصریحات وعبارات کو جن کا خلاف پہلے کہیں پایا نہیں گیا احمق سے احمق اور ابلد سے ابلد بھی (بشرطیکہ وہ کچھ انصاف وایمان رکھتا ہو اور آپ کی حب میں اندھا بہرا نہ ہوگیا ہو) سمجھ سکتا ہے کہ دعویٰ مسیحائی آپ کا پہلا اور اصل اور مستقل دعویٰ ہے اور دعویٰ وفات مسیح اصل اور اوّل دعویٰ نہیں ہے اور جو الہام اس مقام میں گھڑ لیا اور اس کو اصل قرار دیا ہے تحریرات سابقہ اس کا کہیں نام ونشان نہیں ہے۔

۱۲۵ جو کچھ محبی منشی سعد اللہ نے لکھا ہے آپ کے کلام میں موجود ہے۔ چنانچہ اشاعۃ السنہ نمبر ا ج ۱۳ کے ص ۵ وغیرہ میں بحوالہ صفحات رسائل جناب منقول ہوا اور تفصیل اس کی ریویو میں ہوگی۔ پھر دعویٰ بہتان سراسر طوفان نہیں تو کیا ہے۔

۱۲۶ محض کذب وصریح مغالطہ ہے۔ سلف صالحین سے ایک شخص بھی آپ کے مخترعات کا قائل نہیں۔ چنانچہ مضمون ریویو رسالہ اشاعۃ السنہ سے ناظرین کو معلوم ہوگا...... چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد!

۱۲۷ نہیں نہیں آپ کے مخترعات کا خدا ناصر نہیں ہے۔ وہ اپنے دین کا ناصر ہے اور انتحال مطلین اور تاویل ملحدین کو باطل کرتا ہے۔

۱۲۸ آنچہ دانا کند کند ناداں لیک بعد از خرابی بسیار۔

۱۲۹ ابھی کیا ہے آئندہ دیکھئے گا۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

۱۳۰ پہلے حضرت ومخدوم ومحدث تھے۔ پھر مشفق مولوی صاحب بنے۔ اب صرف محمد حسین رہ گئے۔ آئندہ دیکھئے کیا خطاب ملتا ہے۔ ہم کو مرزا صاحب یا کسی اور مہربان سے مخدوم مولوی کہلانے کی حرص نہیں ہے۔ اس تذکرہ سے ہم کو یہ ایک نتیجہ نکالنا ہے کہ مرزا صاحب جو لوگوں کے خطاب میں بتواضع پیش آتے ہیں اور ان کو مخدوم وغیرہ خطابات سے یاد کرتے ہیں وہ اخلاص پر مبنی نہیں۔ ''من ترا حاجی بگوئم تو مرا'' کے اصول پر مبنی ہے۔

۱۳۱ا بعد تصدیق وملاحظہ یہ عذر ناممکن ہے۔

۱۳۲ا یہ امر آپ نے اب منظور کیا۔ خط نمبری ۹ میں اس سے اصرار کے ساتھ انکار تھا۔ یہاں سے آپ کی وقعت رائے کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

۱۳۳ا جب تحریر کا دستخطی ہونا قرار پایا تو پھر شرط دستخط کے کیا معنی۔ آپ کی رائے کو ناظرین دیکھیں۔

۱۳۴ا یہ صرف بہانہ اور بناوٹی علت ہے۔ کتاب سے نقل پیش کرنے میں تکلف کیا ہے اور تصنع کیسا منصفین انصاف کریں۔

۱۳۵ا یہ بھی بعد از خرابی بسیار منظور ہوا۔ خط نمبر ۹ میں تو آپ اصول تمہیدی کو لغو کہہ چکے ہیں۔ آپ کی متانت اور استقلال رائے کو دیکھنا چاہئے۔

۱۳۶ا یہ عبث تکرار ہے۔ شرط اوّل میں عموم جلسہ آ گیا۔

۱۳۷ا جن سے آپ کا مناظرہ سے گریز ثابت ہوتا ہے آپ کو مناظرہ منظور نہیں تو ٹٹی کی آڑ میں کیوں شکار کھیلتے ہیں۔ صاف انکار کیوں نہیں کرتے۔

۱۳۸ا یا آسمانی مدد منگاویں جس میں آپ کی مسیحائی پر بھی ایک نشان قائم ہو۔

۱۳۹ا اور اس شرط کے پیش کرنے سے گریز مدنظر نہ ہو۔

۱۴۰ا یہ شرط بھی ایک گریز کا بہانہ تھا۔ مگر ہم نے آپ کو ڈھیل دینے کی غرض سے اس کو منظور کرلیا۔

۱۴۱ا کیونکہ وہ صریح مغالطے پر مبنی ہیں اور گریز کا ایک بہانہ ایسی شروط کو وہ شخص پیش کرے گا جس کو مباحثہ منظور نہ ہوگا۔

۱۴۲ا یہ شرط آپ کی گریز پر روشن دلیل ہے۔ آپ سے اس شرط کا ایفاء ممکن ہے کیونکہ آپ کا علم صرف خیالی ہے۔ لہٰذا جو کچھ آپ کے خیال میں آتا ہے اس کو آپ تحریرات میں درج کرتے ہیں اور کسی کتاب سے شہادت پیش نہیں کرتے۔ چنانچہ آپ کے رسائل فتح الاسلام وتوضیح المرام اس پر شاہد ہیں۔ آپ کے مقابل اس امر کو جائز نہیں سمجھتے اور کوئی ایسی بات پیش کرنا نہیں چاہتے جس پر عبارت کتاب کی شہادت نہ ہو۔ لہٰذا وہ اس شرط کو کیونکر پورا کرسکتے ہیں۔

۱۴۳ا اور ایک گریز کا بہانہ اس شرط پر آپ اصرار کریں گے تو کس وناکس کے نزدیک فراری مقصود ہوں گے۔

۱۴۴ا اور نیز اس غرض سے کہ اس شرط کو منظور نہ کرنے سے آپ کو فرار کا بہانہ ہاتھ نہ آئے۔

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

مباحثہ لدھیانہ

مابین

مولانا محمد حسین بٹالوی و مرزا قادیانی

حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تحریر نمبر اوّل از جانب خاکسار:

میں آپ کے چند عقائد وخیالات پر بحث کرنا چاہتا ہوں۔ مگر اس سے پہلے چند اصول کی تمہید ضروری ہے۔ آپ اجازت دیں تو میں ان اصول کو پیش کروں۔

ابوسعید محمد حسین، ۲۰؍جولائی ۱۸۹۱ء

تحریر نمبر اوّل از جانب قادیانی:

آپ کو اجازت ہے۔ بخوشی پیش کریں۔ لیکن اگر یہ عاجز مناسب سمجھے گا تو آپ سے بھی چند اصول تمہیدی دریافت کرے گا۔ مرزاغلام احمد، ۲۰؍جولائی ۱۸۹۱ء

تحریر دوم از جانب خاکسار:

میرے ان اصول کو جن کو میں رسالہ نمبر۱ جلد۱۲ میں بیان کر چکا ہوں اور ان کو آپ کے حواری حکیم نورالدین نے تسلیم کیا ہے آپ بھی تسلیم کرتے ہیں یا کسی اصول کے تسلیم میں عذر ہے۔

ابوسعید محمد حسین، ۲۰؍جولائی ۱۸۹۱ء

تحریر دوم از جانب قادیانی:

مجھے ان اصولوں کی اطلاع نہیں۔ مجھے بتلائے جائیں تب ان کی نسبت اطلاع دوں گا۔

غلام احمد، ۲۰؍جولائی ۱۸۹۱ء

تحریر نمبر سوم از جانب خاکسار:

وہ اصول یہ ہیں جو رسالہ میں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ ان اصول میں سے جس اصول کی نسبت آپ کو تسلیم یا عدم تسلیم ظاہر کرنا ہو آپ ظاہر کریں۔ چونکہ رسالہ چھپا ہوا ہے۔ لہٰذا ان اصول کے دوبارہ تحریر میں لانے کی حاجت نہیں۔ آپ ایک ایک اصول پر یکے بعد دیگرے کلام کریں۔

ابوسعید محمد حسین، ۲۰؍جولائی ۱۸۹۱ء

تحریر نمبر سوم از جانب قادیانی:

کتاب اور سنت کے حجج شرعیہ ہونے میں میرا یہ مذہب ہے کہ کتاب اللہ مقدم اور امام ہے جس امر میں احادیث نبویہ کے معنی جو کئے جاتے ہیں کتاب کی مخالف واقع نہ ہوں تو وہ معنے بطور حجت شرعیہ کے قبول کئے جائیں گے۔ لیکن جو معنے نصوص بینہ قرآنیہ سے مخالف واقع ہوں گے ان معنوں کو ہم ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ بلکہ جہاں تک ہمارے لئے ممکن ہوگا

ہم اس حدیث کے ایسے معنے کریں گے جو کتاب اللہ کی نص بیّن کے موافق ومطابق ہوں اور اگر ہم کوئی ایسی حدیث پائیں گے جو مخالف نص قرآن کریم ہوگی اور کسی صورت سے ہم اس کی تاویل کرنے پر قادر نہیں ہوسکیں گے تو ایسی حدیث کو ہم موضوع قرار دیں گے۔ کیونکہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے: ''فبای حدیث بعد اللّٰہ وایاتہ یؤمنون ''یعنی تم بعد اللہ اور اس کی آیات کے کس حدیث پر ایمان لاؤ گے۔ اس آیت میں صریح اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن کریم کسی امر کی نسبت قطعی اور یقینی فیصلہ دیوے۔ یہاں تک کہ اس فیصلے میں کسی طور سے شک باقی نہ رہ جاوے اور مسئلہ اچھی طرح کھل جاوے تو پھر بعد اس کے کسی ایسی حدیث پر ایمان لانا جو صریح اس کے مخالف پڑی ہے مومن کا کام نہیں ہے۔

پھر فرمایا ہے: ''فبای حدیث بعدہ یؤمنون ''ان دونوں آیتوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ اس لئے اس جگہ تصریح کی ضرورت نہیں۔ سو آیات متذکرہ بالا کے رو سے ہر ایک مؤمن کا یہی مذہب ہونا چاہئے کہ وہ کتاب اللہ کو بلاشرط اور حدیث کو شرطی طور پر حجت شرعی قرار دیوے اور یہی میرا مذہب ہے اور آپ کے دوسرے امر مندرجہ صفحہ ۱۱۹ اشاعۃ السنۃ کی نسبت علیحدہ جواب کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس کا جواب اس میں آ گیا ہے۔ یعنی جو امر قول یا فعل یا تقریر کے طور پر جناب رسالت مآب ﷺ کی طرف سے احادیث میں بیان کیا گیا ہے۔ ہم اس امر کو بھی اس محک سے ازمائیں گے اور دیکھیں گے کہ حسب آیۃ شریف: ''فبای حدیث بعدہ یؤمنون ''وہ حدیث قولی یا فعلی قرآن کریم کی کسی صریح اور بیّن آیۃ سے مخالف تو نہیں۔ اگر مخالف نہیں ہوگی تو ہم بسروچشم اس کو قبول کریں گے۔ اگر بظاہر مخالف نظر آئے گی تو ہم حتی الوسع اس کی تطبیق اور توفیق کے لئے کوشش کریں گے اور اگر ہم باوجود پوری پوری کوشش کے اس امر تطبیق میں ناکام رہیں گے اور صاف کھلے کھلے طور پر ہمیں مخالفت معلوم ہوگی تو ہم افسوس کے ساتھ ایسی حدیث کو ترک کر دیں گے۔ کیونکہ حدیث کا پایہ قرآن کریم کے مرتبہ اور پایہ کو نہیں پہنچتا۔ قرآن کریم وحی متلو ہے اور اس کے جمع کرنے اور محفوظ رکھنے میں وہ اہتمام بلیغ کیا گیا ہے جو احادیث کے اہتمام کو اس سے کچھ نسبت نہیں۔ اکثر احادیث غایت درجہ مفید ظن ہے اور ظنی نتیجہ کے منتج ہیں اور اگر کوئی حدیث تواتر کی درجہ پر بھی ہو، تاہم قرآن کریم کے تواتر سے اس کو ہرگز مساوات نہیں بالفعل اسی قدر لکھنا کافی ہے۔

راقم خاکسار: غلام احمد، ۲۰ر جولائی ۱۸۹۱ء

تحریر نمبر چہارم از جانب خاکسار:

آپ کے کلام میں میرے سوال کا صاف اور قطعی جواب نہیں[۱] ہے۔ اپنی قبولیت اور حجیت حدیث یا سنت کی ایک شرط بتائی ہے۔ یہ ظاہر نہیں کیا کہ یہ شرط اس حدیث یا سنت میں جو کتب حدیث خصوصاً[۱۱] صحیحین میں (جن کا ذکر اصل سوم میں ہے) پائی جاوے۔ متحقق ہے یا نہیں۔ وبناءً علیہ وہ حدیث یا سنت جو ان کتب میں ہے شرعی حجت ہے یا نہیں۔

علاوہ برآں اس کلام میں آپ نے جو شرط حجیت وقبولیت بیان کی ہے وہ شرط قانون ورایت نہ قانون روایت۔ اب آپ بیان کریں کہ اصول روایت کی رو سے کتب حدیث خصوصاً صحیحین جن کا ذکر اصل سوم میں ہے مثبت سنت نبویہ ہیں یا نہیں اور ان کتابوں کی احادیث بلا وقفہ ونظر واجب العمل والاعتقاد[۱۲] ہیں یا ان کتابوں میں ایسی احادیث بھی ہیں جن پر بلا تحقیق صحت بحسب اصول روایت عمل واعتقاد جائز نہیں۔

ابوسعید محمد حسین، ۲۰؍جولائی ۱۸۹۱ء

تحریر نمبر چہارم از جانب کادیانی:

مولوی صاحب کا جواب سن کر میں عرض کرتا ہوں کہ میرے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر ایک حدیث خواہ وہ بخاری[۱۳] کی ہو یا مسلم کی۔ اس شرط سے ہم کسی خاص معنوں[۱۴] میں جو بیان کئے جاتے ہیں، قبول کریں گے کہ وہ حدیث ان معنوں کے رو سے قرآن کریم کے بیان سے موافق ومطابق ہو۔ اب آپ کے زبانی بیان سے معلوم ہوا کہ آپ یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اصول روایت کے رو سے کتب حدیث خصوصاً صحیحین مثبت سنت نبویہ میں ہیں یا نہیں اور ان کتابوں کی احادیث بلا وقفہ واجب العمل والاعتقاد ہیں یا ان کتابوں میں ایسی حدیثیں بھی ہیں جن پر عمل واعتقاد جائز نہیں۔

اس کا جواب[۱۵] میری طرف یہ ہے کہ چونکہ حدیثوں کا جمع ہونا ایسے یقینی اور قطعی طور سے نہیں ہیں[۱۶] جس سے انکار کرنا کسی طور سے جائز نہ ہو اور جس پر ایمان لانا ایسے پایہ اور مرتبہ کا ہو، جیسا کہ قرآن کریم پر ایمان لانا۔ لہٰذا ہمارا یہ مذہب ہرگز ایسا نہیں ہے کہ روایت کے رو سے بھی حدیث کو وہ مرتبہ یقین دیں جیسا کہ ہم قرآن کریم کا مرتبہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ ہم پہلے بیان کر چکا ہوں[۱۷] کہ حدیثیں غایت کار مفید ظن ہیں تو ہم کیونکر روایت کے رو سے بھی ان کو وہ مرتبہ دے سکتے ہیں جو قرآن کریم کا مرتبہ ہے جس طور سے حدیثیں جمع کی گئی ہیں۔ اس

طریق پر ہی نظر ڈالنے سے ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ ہرگز ممکن ہی نہیں کہ ہم اس یقین کے ساتھ ان کی صحت روایت پر یقین لاویں کہ جو قرآن کریم پر ایمان لاتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی حدیث بخاری یا مسلم کی ہے، لیکن قرآن کریم کے کھلے کھلے منشاء سے برخلاف ہے تو کیا ہمارے لئے یہ ضروری نہیں ہوگا کہ ہم اس کی مخالفت کی حالت میں قرآن کریم کو اپنے ثبوت میں مقدم قرار دیں۔ پس آپ کا یہ کہنا کہ احادیث اصول روایت کے رو سے ماننے کے لائق ہیں یہ ایک دھوکہ دینے[۱۸] والا قول ہے۔ کیونکہ ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ حدیث کے ماننے میں جو مرتبہ یقین کا ہمیں حاصل ہے۔ وہ مرتبہ قرآن کریم کے ثبوت سے ہم وزن ہے یا نہیں۔ اگر یہ بات ہو جائے کہ وہ مرتبہ ثبوت کا قرآن کریم کے مرتبہ ثبوت سے ہم وزن ہے تو بلاشبہ ہمیں اسی پایہ پر حدیث کو مان لینا چاہئے۔

مگر یہ تو کسی کا بھی مذہب نہیں۔ تمام مسلمانوں کا بھی مذہب ہے کہ اکثر احادیث مفید ظن ہیں۔ ''والظن[۱۹] لا یغنی من الحق شیئاً'' مثلاً اگر کوئی شخص اس قسم کی قسم کھاوے کہ اس حدیث کے تمام الفاظ[۲۰] نبی ﷺ کی طرف سے ہیں اور تمام الفاظ وحی الٰہی سے ہیں تو اس قسم کھانے میں وہ جھوٹا ہوگا اور خود حدیثوں کا تعارض[۲۱] جو ان میں واقع ہے۔ صاف دلالت کر رہا ہے کہ وہ مقامات تحریف[۲۲] سے خالی نہیں ہیں۔ پھر کیوں کر کوئی مؤمن یہ اعتقاد رکھ سکتا ہے کہ حدیثیں روایتی ثبوت کی رو سے قرآن کریم کے ثبوت سے ہم پلہ ہیں۔ کیا آپ یا کوئی اور مولوی صاحب ایسی رائے ظاہر کر سکتے ہیں کہ ثبوت کے رو سے جس مرتبہ پر قرآن کریم ہے۔ اسی مرتبہ پر حدیثیں بھی ہیں۔ پھر جب کہ آپ خود مانتے ہیں کہ حدیثیں اپنے روایتی ثبوت کی رو سے اعلیٰ[۲۳] مرتبہ ثبوت سے گری ہوئی ہیں اور غایت کار مفید ظن ہیں تو آپ اس بات پر کیوں زور دیتے ہیں کہ اسی مرتبہ یقین پر انہیں مان لینا چاہئے جس مرتبہ پر قرآن کریم مانا جاتا ہے۔ پس صحیح اور سچا طریق تو یہی ہے کہ جیسے حدیثیں صرف ظن کے مرتبہ تک ہیں۔ بجز چند حدیثوں کے تو اسی طرح ہمیں ان کی نسبت ظن کی حد تک ہی ایمان رکھنا چاہئے اور ہر ایک مؤمن خود سمجھ سکتا ہے کہ حدیثوں کی تحقیقات روایتی نقص[۲۴] سے خالی نہیں۔ کیونکہ ان کے درمیانی راویوں کی چال چلن وغیرہ کی نسبت ایسی تحقیقات کامل[۲۵] نہیں ہو سکے اور نہ ممکن تھی کہ کسی طرح شک باقی نہ رہتا۔

آپ خود اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ[۲۶] میں لکھ چکے ہیں کہ احادیث کی نسبت بعض اکابر کا

یہ مذہب ہوا ہے کہ ایک ملہم شخص صحیح حدیث کو باالہام الٰہی موضوع ٹھہرا سکتا ہے اور ایک موضوع حدیث کو باالہام الٰہی صحیح ٹھہرا سکتا ہے۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ جب کہ یہ حال ہے کہ کوئی حدیث بخاری[۲۷] یا مسلم کی بذریعہ کسی کشف کے موضوع ٹھہر سکتی ہے تو پھر کیونکر ہم ایسی حدیثوں کو ہم پایہ قرآن کریم مان لیں گے۔ ہاں! یہ تو ہمارا ایمان ہے کہ ظنی طور پر بخاری اور مسلم کی حدیثیں بڑے اہتمام سے لکھی گئی ہیں اور غالباً[۲۸] اکثر ان میں صحیح ہوں گی۔ لیکن کیونکر ہم اس بات پر حلف اٹھا سکتے ہیں کہ بلاشبہ وہ ساری حدیثیں صحیح ہیں جب کہ وہ صرف ظنی طور پر صحیح ہیں نہ یقینی طور پر تو پھر یقینی طور پر ان کا صحیح ہونا کیونکر مان سکتے ہیں۔

الغرض میرا مذہب یہی ہے کہ البتہ بخاری اور مسلم کی حدیثیں ظنی طور پر صحیح ہیں۔ مگر جو حدیث صریح طور پر ان میں سے مبائن ومخالف قرآن کریم کے واقع ہوگی وہ صحت سے باہر ہو جائے[۲۹] گی۔

آخر بخاری اور مسلم پر وحی تو نازل نہیں تھی۔ بلکہ جس طریق سے انہوں نے حدیثوں کو جمع کیا ہے اس طریق پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہ وہ طریق ظنی ہے اور ان کی نسبت یقین[۳۰] کا ادّعا کرنا ادّعائے باطل ہے۔ دنیا میں جو اس قدر مختلف فرقے اسلام ہیں خاص کر مذاہب اربعہ ان چاروں[۳۱] مذہبوں کے اماموں نے اپنے عملی طریق سے خود گواہی دے دی کہ یہ احادیث ظنی ہیں۔ چنانچہ بخاری اور مسلم کی بہت سی حدیثیں امام اعظم صاحب نے چھوڑ[۳۲] دی ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اکثر حدیثیں ان[۳۳] کو ملی ہوں گی۔ مگر ان کی رائے میں وہ حدیثیں صحیح نہیں تھیں۔ بھلا آپ فرمادیں کہ اگر کوئی شخص بخاری کی کسی حدیث سے انکار کرے کہ صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ اکثر مقلدین انکار کرتے ہیں تو کیا وہ آپ کے نزدیک کافر[۳۴] ہو جائے گا۔ پھر جس حالت میں وہ کافر نہیں ہوسکتا تو آپ کیونکر ان حدیثوں کی[۳۵] روایتی ثبوت کے رو سے یقینی[۳۶] ٹھہرا سکتے ہیں۔

اور جب کہ وہ یقینی نہیں ہیں تو اس حالت میں اگر ہم کسی حدیث کو قرآن کریم کے مخالف[۳۷] پائیں گے اور صریح طور پر دیکھ لیں گے کہ وہ قرآن کریم سے صریح طور پر مخالف ہے اور کسی طور سے تطبیق نہیں دے سکیں گے تو کیا ہم ایسی صورت میں قرآن کریم کی اس آیت کو ساقط الاعتبار کر دیں گے یا اس کی کلام الٰہی ہونے کی نسبت شک میں پڑیں گے۔ کیا کریں گے۔ آخر بھی تو کرنا ہوگا کہ ایسی حدیث کسی طور سے کلام الٰہی سے تطبیق نہیں کھائے گی تو اس کو

بغیر خوف زید اور عمرو کے وضعی[۳۸] قرار دیں گے۔ بلاشبہ آپ کا نور قلب اس بات پر شہادت دیتا ہوگا کہ حدیثیں اپنے روایتی ثبوت کے رو سے کسی طور سے قرآن کریم سے مقابلہ نہیں کرسکتیں۔

اسی وجہ سے گو وہ وحی الٰہی ہی ہوں نماز میں بجائے کسی سورت کے ان کو نہیں پڑھ[۳۹] سکتے اور ایک نقص حدیثوں میں یہ بھی ہے کہ بعض حدیثیں اجتہادی[۴۰] طور سے آنحضرت ﷺ نے فرمائی ہیں۔ اسی وجہ سے ان میں باہم تعارض[۴۱] ہوگیا ہے۔ جیسا کہ ابن صیاد کے دجال معہود ہونے کی نسبت جو حدیثوں (ایسا ہی اصل تحریر کادیانی میں لفظ ''حدیثوں'' ہے) ہیں ان حدیثوں سے صریح اور صاف طور پر معارض ہیں جو گرجا والے دجال کی نسبت ہیں جس کا راوی تمیم داری ہے۔ اب ہم ان دونوں حدیثوں میں سے کس حدیث کو صحیح سمجھیں۔ دونوں حضرت مسلم صاحب کی صحیح میں موجود ہیں۔ ابن صیاد کے دجال معہود ہونے کی نسبت یہاں تک وثوق پایا جاتا ہے کہ حضرت عمر[۴۲] رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے روبرو قسم کھا کر بیان کیا کہ دجال معہود یہی ہے تو آپ ﷺ چپ رہے۔ ہرگز انکار نہیں کیا اور ظاہر ہے کہ نبی کا قسم کھانے کے وقت میں چپ رہنا گویا خود آنحضرت ﷺ کا قسم کھانا ہے اور پھر ابن عمر[۴۳] رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صریح اور صاف لفظوں میں موجود ہے کہ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ مسیح دجال معہود بھی ابن صیاد ہے اور پھر جابر[۴۴] رضی اللہ عنہ نے بھی قسم کھا کر کہا کہ دجال معہود یہی ابن صیاد ہے اور آنحضرت[۴۵] ﷺ نے آپ بھی فرمایا کہ میں اپنی امت پر ابن صیاد کے دجال معہود ہونے کی نسبت ڈرتا ہوں۔

پھر ایک حدیث مسلم میں[۴۶] ہے جس میں لکھا ہے کہ صحابہ کا اس پر اتفاق ہوگیا تھا کہ دجال معہود ابن صیاد ہی ہے۔ لیکن فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث تمیم داری والی جو اسی مسلم میں موجود ہے صریح اس کے مخالف ہے۔ اب ہم ان دونوں دجالوں میں سے کس کو دجال سمجھیں۔

صدیق حسن[۴۷] صاحب جیسا کہ میرے ایک دوست نے بیان کیا ہے۔ ابن صیاد کی حدیث کو ترجیح دیتے ہیں اور تمیم داری کی حدیث کو اپنی کتاب آثار القیامہ میں ضعیف قرار دیتے ہیں۔

بہرحال اب یہ مصیبت اور رونے[۴۸] کی جگہ ہے یا نہیں کہ ایک ہی کتاب میں جو بعد بخاری کے اصح الکتب سمجھی گئی ہے دو متعارض حدیثیں ہیں جب کہ ہم ایک کو صحیح مانتے ہیں تو پھر دوسری کو غلط[۴۹] ماننا پڑتا ہے۔ ماسوا اس کے تمیم داری کی حدیث میں صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ

وہی دجال جو تمیم داری نے دیکھا تھا کسی وقت خروج کرے گا۔ لیکن اسی مسلم کی حدیثیں صاف صاف ظاہر کر رہی ہیں کہ سو برس کے عرصہ تک کوئی شخص زندہ نہیں رہے گا۔ بلکہ پہلی حدیث میں تو آنحضرت ﷺ نے قسم کھا کر بیان فرمایا ہے کہ اس وقت سے سو برس تک کوئی جاندار زمین پر زندہ نہیں رہے گا۔ اب اگر ابن صیاد اور گرجا والا دجال جاندار اور مخلوق ہیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ وہ مر گئے ہوں۔

اب یہ دوسری مصیبت[50] ہے کہ دونوں حدیثوں کے صحیح ماننے سے پیش آتی ہے۔ آپ فرماویں کہ ہم کیونکر ان دونوں کو باوجود سخت تعارض کے صحیح[51] مان سکتے ہیں۔ پس اب بجز اس کے اور کیا راہ ہے کہ ہم ایک حدیث کو غیر[52] صحیح کہیں۔ غرض کہاں تک بیان کیا جائے۔

جس قدر بعض احادیث میں تعارض وتخالف پایا جاتا ہے۔ اس کے بیان کرنے کے لئے تو ایک رسالہ چاہئے۔ مگر اس جگہ اسی قدر کافی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر تمام حدیثیں روایت کے طور سے یقینی[53] الثبوت ہوتیں تو یہ خرابیاں کاہے کو پڑتیں۔ اب میں خیال کرتا ہوں کہ میں آپ کے سوال کا پورا پورا[54] جواب دے چکا ہوں۔ کیونکہ جس حالت میں یہ ثابت ہوگیا کہ حدیثیں بوجہ اپنی ظنی حالت اور تعارض اور دوسری وجوہ کے یقین کامل کے مرتبہ پر نہیں ہے (ایسا ہی اصل تحریر میں کادیانی لفظ ''ہے'' ہے) اس لئے وہ بجز شہادت وموافقت[55] قرآن کریم یا عدم خلاف اس کے حجت شرعی کے طور سے کام میں نہیں آسکتیں اور قانون روایت کے رو سے ان کا وہ پایہ ہرگز تسلیم نہیں ہوسکتا جو قرآن کریم کا پایہ[56] ہے۔ سو بالفعل اسی قدر لکھنا کافی ہے۔

مرزا غلام احمد، ۲۰ رجولائی ۱۸۹۱ء

تحریر نمبر ۵ از جانب خاکسار:

آپ نے میرے سوال کا جواب پھر بھی صاف نہیں دیا اور نہ فرمایا کہ احادیث کا قانون روایت بجز اس عقلی پیمانہ کے کہ موافق قرآن ہوں تو مقبول ورنہ مردود یعنی پیمانہ صحت کیا ہے اور اصول روایت کے رو سے احادیث صحیحین صحیح ہیں یا نہیں۔

مگر آپ کے کلام سے یہ مفہوم[57] ہوتا ہے کہ آپ کسی حدیث کو بخاری ومسلم کی کیوں نہ ہو صحیح ولائق قبول نہیں جانتے۔ جب تک کہ اس کا مطابق قرآن ہونا ثابت نہ ہو۔ وبناءً علیہ ان کتب کی احادیث کی نسبت یہ عام حکم نہیں لگاتے کہ وہ صحیح ہیں یا موضوع ہیں اور نہ یہ تفصیل وتشقیق کر سکتے ہیں کہ فلاں حدیث صحیح ہے۔ فلاں موضوع۔ بجز احادیث متعلقہ ابن صیاد

ودجال جن کی ایک جانب کو آپ موضوع جانتے ہیں۔ آپ کے کلام کا یہی مطلب ہے تو آپ صرف[58] ہاں کہہ دیں اور اس کے ساتھ یہ بھی بیان فرمادیں کہ اس اعتقاد و بیان میں سلف صالحین سے آپ کا کون امام[59] ہے اور آپ سے پہلے کون اس کا قائل۔ اس کا مطلب کچھ اور ہے تو وہ بیان کریں۔

۲...... آپ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ تم کتب احادیث کا مرتبہ صحت قرآن کے برابر سمجھتے ہو۔ اس کی نسبت یہ سوال ہے کہ میرے کس لفظ سے آپ نے یہ مطلب سمجھا ہے۔

۳...... آپ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بعض احادیث اجتہادی فرمائی ہیں۔ اس سے آپ کا یہ مقصود ہے کہ وہ وحی الٰہی نہیں ہے یا کچھ اور ہے۔ یہی ہے تو فرمایئے کہ احادیث متعلقہ ابن صیاد اسی قسم اجتہادی سے ہیں یا نہیں۔

۴...... آپ نے لکھا ہے کہ صحابہ کا اس پر اجماع تھا کہ ابن صیاد دجال معہود ہے۔ اس پر کتب حدیث میں کہاں شہادت پائی جاتی ہے جس سے اجماع ثابت ہو۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی بیان کریں کہ اجماع کی حقیقت کیا ہے؟

۵...... آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابن صیاد کی نسبت فرمایا ہے کہ میں اس کے دجال معہود ہونے سے ڈرتا ہوں۔ کتب حدیث میں اس کا کہاں ذکر ہے۔

۶...... آپ نے جو مضمون اشاعۃ السنۃ سے نقل کیا ہے اس کی تصحیح نقل کریں اور اس کے ساتھ یہ بھی بیان کریں کہ اس امر کی نسبت میں نے اپنا اعتقاد کیا ظاہر کیا ہے۔ ان سوالات کا آپ جواب دیں گے تو آپ کے طولانی جواب پر مفصل بحث ہوگی۔ بلاحصول جواب سوالات مذکورہ اس پر تفصیلی بحث نہیں ہوسکتی۔ ابوسعید محمد حسین، ۲۱ رجولائی ۱۸۹۱ء

تحریر نمبر۵ از جانب قادیانی:

میری طرف سے مکرر گزارش یہ ہے کہ ائمہ حدیث جس طور سے صحیح اور غیرصحیح حدیثوں میں فرق کرتے ہیں اور جو قاعدہ تنقید احادیث انہوں نے بنایا ہوا ہے وہ تو ہر ایک پر ظاہر[60] ہے کہ وہ راویوں کے حالات پر نظر ڈال کر باعتبار ان کے صدق یا کذب اور سلامت فہم یا عدم سلامت اور باعتبار ان کے قوت حافظہ یا عدم حافظہ وغیرہ امور کے جن کا ذکر اس جگہ موجب تطویل[61] ہے کسی حدیث کے صحیح یا غیرصحیح ہونے کی نسبت حکم دیتے ہیں۔ مگر ان کا کسی حدیث کی نسبت یہ کہنا کہ یہ صحیح ہے۔ اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ وہ حدیث من کل الوجوہ مرتبہ

ثبوت کامل[۶۲] تک پہنچ گئی ہے، جس میں امکان غلطی کا نہیں بلکہ ان کا مطلب صحیح کہنے سے صرف اس قدر رہوتا ہے کہ وہ بخیال ان کے ان آفات اور عیوب سے مبرّا ہے جو غیر صحیح حدیثوں میں پائے جاتے ہیں اور ممکن ہے کہ ایک حدیث باوجود صحیح ہونے کے پھر بھی واقعی[۶۳] اور حقیقی طور پر صحیح نہ ہو۔ غرض علم حدیث ایک ظنی علم ہے جو مفید ظن ہے۔ اگر کوئی اس جگہ یہ اعتراض کرے کہ اگر احادیث صرف مرتبہ ظن تک محدود ہیں تو پھر اس سے لازم آتا ہے کہ صوم وصلوٰۃ وحج وزکوٰۃ وغیرہ اعمال جو محض حدیثوں کے ذریعہ سے مفصل طور پر دریافت کئے گئے ہیں وہ سب ظنی ہوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بڑے دھوکہ کی بات ہے کہ ایسا سمجھا جائے کہ یہ تمام اعمال محض روایتی طور پر دریافت کئے گئے ہیں۔ وبس بلکہ ان کے یقینی ہونے کا یہ موجب ہے کہ سلسلہ تعامل[۶۴] ساتھ ساتھ چلا آیا ہے۔ اگر فرض کرلیں کہ یہ فن حدیث دنیا میں پیدا نہ ہوتا پھر بھی یہ سب اعمال وفرائض دین سلسلہ تعامل کے ذریعہ سے یقینی طور پر معلوم ہوتے۔

خیال کرنا چاہئے کہ جس زمانہ تک حدیثیں[۶۵] جمع نہیں ہوئی تھیں کیا اس وقت تک لوگ حج نہیں کرتے تھے یا نماز نہیں پڑھتے تھے یا زکوٰۃ نہیں دیتے تھے۔ ہاں! اگر یہ صورت پیش آتی کہ لوگ ان تمام احکام واعمال کو یک دفعہ چھوڑ بیٹھتے اور صرف روایتوں کے ذریعہ سے وہ باتیں جمع کی جاتیں تو بے شک یہ درجہ یقین[۶۶] وثبوت تام جواب ان میں پایا جاتا ہے۔ ہرگز نہ ہوتا سو یہ ایک دھوکہ ہے کہ ایسا خیال کرلیا جائے کہ احادیث کے ذریعہ سے صوم وصلوٰۃ وغیرہ تفاصیل معلوم ہوئی ہیں بلکہ وہ سلسلہ تعامل کے ذریعہ سے معلوم ہوتے چلے آئے ہیں اور درحقیقت اس سلسلہ کو فن حدیث سے کچھ تعلق نہیں اور تو طبعی طور پر ہر یک مذہب کو لازم پڑا ہوا ہوتا ہے اور میرا مذہب احادیث بخاری اور مسلم کی نسبت یہ نہیں ہے کہ میں خواہ مخواہ[۶۷] ان کی کسی حدیث کو موضوع قرار دوں بلکہ میں ہر یک حدیث کو قرآن کریم پر پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اگر قرآن کریم کی کوئی آیت صاف اور کھلے کھلے طور پر ان کے مخالف نہ ہو تو میں بسروچشم اس کو قبول کروں گا بلکہ اگر مخالفت بھی ہو تو کوشش کروں گا کہ وہ مخالفت اٹھ جائے۔ لیکن اگر کسی طور سے وہ مخالفت دور نہ ہوسکے تو پھر البتہ کہوں گا کہ اس حدیث کے بیان کرنے میں تغیر الفاظ یا پیرایہ بیان میں کچھ فرق آگیا ہوگا یا جو کچھ کسی صحابی نے بیان فرمایا ہوگا اس کے تمام الفاظ تابعی وغیرہ کے حافظہ میں محفوظ نہیں رہے ہوں گے۔

مگر اب تک تو مجھے ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ بخاری یا مسلم کی کوئی حدیث صریح مخالف

قرآن مجھ کو ملی ہو۔ جس کی میں کسی وجہ سے تطبیق[۶۸] نہ کر سکا۔ بلکہ جو کچھ بعض احادیث میں کچھ تعارض پایا جاتا ہے خدا تعالیٰ نے اس تعارض کے دور کرنے کے لئے بھی میری مدد[۶۹] فرمائی ہے۔

ہاں! میں دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں ہر ایک تعارض[۷۰] کو دور کر سکتا ہوں۔ کیونکہ جو حقیقی اور واقعی تعارض ہوگا اس کو میں کیونکر دور کر سکتا ہوں یا کوئی اور شخص کیونکر دور کر سکتا ہے اور آپ نے جو مجھ سے دریافت فرمایا ہے کہ جو تعارض[۷۱] ابن صیاد والی حدیث اور گرجا والے دجال والی حدیث میں پایا جاتا ہے اس تعارض کے ماننے میں کون تمہارے ساتھ ہے۔

اس سوال سے میں متعجب ہوں کہ جس حالت میں مدلل اور موجہ طور پر میں تعارض کو ثابت کر چکا ہوں تو پھر میرے لئے ضرورت کیا ہے کہ میں کسی کے سلف میں سے تقلید ضروری سمجھوں اور آپ بھی تو یہ ریویو براہین احمدیہ ص۳۱۰ میں اس بات کو قبول کر چکے ہیں کہ بلا تقلید غیرے استدلال منع نہیں۔ چنانچہ آپ اس صفحہ میں فرماتے ہیں کہ ہمارے معاصرین جو باوجود ترک تقلید کے خوگر ہیں بلا واسطہ سابقین کسی آیہ یا حدیث سے تمسک نہیں کرتے اور جو بلا واسطہ سابقین کسی آیت یا حدیث سے استدلال کرے اس کو تعجب کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور آپ کا یہ فرمانا کہ میرے کس لفظ سے یہ سمجھ لیا ہے کہ میں احادیث کا مرتبہ صحت قرآن کے مرتبہ صحت سے برابر سمجھتا ہوں۔ یہ مجھے آپ کی فحوائے کلام سے خیال گزرا تھا۔ اگر آپ کا یہ منشاء نہیں ہے اور آپ میری طرح احادیث کا مرتبہ صحت قرآن کریم کے مرتبہ صحت سے متنزل سمجھتے ہیں اور قرآن کریم کو امام قرار دیتے ہیں اور محک[۷۲] صحت احادیث ٹھہراتے ہیں تو پھر میری غلطی[۷۳] ہے کہ میں نے ایسا خیال کیا۔ لیکن اگر آپ درحقیقت قرآن کریم کا اعلیٰ مرتبہ مانتے ہیں اور اس کو واقعی طور پر محک صحت احادیث قرار دیتے ہیں اور اس کی مخالفت کی حالت میں کسی حدیث کو قبول نہیں کرتے تو پھر تو آپ مجھ سے متفق الرائے ہیں۔ پھر اس لمبی چوڑی تکرار سے فائدہ کیا ہے۔

اور یہ جو آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اجتہاد سے کیا مطلب ہے تو میں عرض کرتا ہوں کہ اس جگہ اجتہاد سے مراد اس عاجز کی اجتہاد فی الوحی ہے۔ کیونکہ یہ تو ثابت ہے اور آپ کو معلوم ہوگا کہ آنحضرت ﷺ وحی مجمل[۷۴] ہیں۔ اجتہادی طور پر دخل دیا کرتے تھے اور بسا اوقات وہ تفسیر اور تشریح جو آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے۔ صحیح اور سچی ہوتی تھی اور بعض اوقات غلطی بھی ہو جاتی تھی۔ چنانچہ اس کی نظریں بخاری اور مسلم

میں بہت ہیں۔

اور حدیث مذہب[5] وہلی بھی اس کی شاہد ہے اور آنحضرت ﷺ کا ایک جماعت کثیر کے ساتھ مدینے سے مکہ معظّمہ کی طرف بعزم طواف کعبہ سفر کرنا یہ بھی ایک اجتہادی[6] غلطی ہے۔ زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں۔

پھر آپ مجھ سے دریافت فرماتے ہیں کہ ابن صیاد کے دجال معہود ہونے پر صحابہ کا کہاں اجماع تھا۔ اس کے جواب میں عرض کرتا ہوں کہ یہ اجماع مسلم کی حدیث سے جو ابی سعید الخذری سے بیان کی ہے۔ ثابت[7] ہوتا ہے کیونکہ اس حدیث میں ابن صیاد کہتا ہے کہ لوگ کیوں مجھے دجال معہود کہتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اس وقت کہنے والے صرف صحابہ تھے اور کون لوگ تھے جو اس کو دجال کہتے تھے۔ یہ حدیث صاف بتلا رہی ہے کہ صحابہ کا اس بات پر اجماع تھا کہ ابن صیاد ہی دجال معہود ہے۔ صحابہ کوئی ایسی بڑی جماعت نہیں تھے جن کے اجماع کا حال معلوم ہونا محالات میں سے ہوتا بلکہ ان کا اجماع بباعث وحدت مجموعی ان کی کے بہت جلد معلوم ہو جاتا تھا۔ پھر تین[8] صحابیوں کا قسم کھانا کہ حقیقت میں ابن صیاد ہی دجال معہود ہے۔ صاف اجماع پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ ان کی مخالفت منقول نہیں۔

پھر بعد اس کے آپ دریافت فرماتے ہیں کہ اجماع کی حقیقت کیا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سوال سے آپ کا مطلب کیا ہے۔ ایک[9] جماعت کا ایک بات کو باتفاق مان لینا یہی اجماع کی حقیقت ہے جو صحابہ میں بآسانی محقق ہو سکتی تھی۔ اگرچہ دوسروں میں نہیں اور یہ جو آپ نے دریافت فرمایا ہے کہ کہاں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ ابن صیاد کے دجال ہونے پر ڈرتے[8] تھے۔ سو واضح ہو کہ وہ حدیث مشکوٰۃ میں بحوالہ شرح السنۃ موجود ہے اور اصل عبارت حدیث کی یہ ہے: ’’**فلم یزل رسول اللہ ﷺ مشفقاً انه هو الدجال**‘‘

اور آپ نے جو دریافت فرمایا[8] تھا کہ بعض اکابر کا قول اشاعۃ السنۃ میں کہاں ہے۔ جس میں یہ لکھا ہو کہ بعض موضوع حدیثیں کشف کے ذریعہ سے صحیح ٹھہر سکتے ہیں اور صحیح موضوع ٹھہر سکتے ہیں۔ سو وہ قول ریویو براہین احمدیہ کے ص ۳۴۰ میں موجود ہے جس میں آپ نے بتائید اپنے خیال کے شیخ ابن عربی صاحب کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ ہم اس طریق سے آنحضرت سے احادیث کی تصحیح کرا لیتے ہیں۔ بہت حدیثیں ایسی ہیں جو اس فن کے لوگوں کے نزدیک صحیح ہیں اور وہ ہمارے نزدیک صحیح نہیں اور بہتری حدیثیں ان کے نزدیک موضوع

اور آنحضرت کے قول سے بذریعہ کشف صحیح ہو جاتی ہیں۔

اب[۸۲] اگرچہ میں اس بات پر زور نہیں دیتا کہ ایمانی طور پر آن مکرم کا یعنی آپ کا یہی عقیدہ ہے لیکن میں آپ کے فحوائے بیان سے سمجھتا ہوں بلکہ ہر ایک تدبر کرنے والا سمجھ سکتا ہے کہ امکانی طور پر ضرور آپ کا یہی عقیدہ ہے کیونکہ اگر یہ امر بکلی آپ کے عقیدہ سے باہر تھا تو پھر اس کا ذکر کرنا بطور لغو ٹھہرتا[۸۳] ہے جو آپ کی شان سے بعید ہے۔ انسان جس کسی کا قول یا مذہب اپنے ریویو میں بطور نقل کے ذکر کرتا ہے وہ اپنے مؤیدات دعوے اور رائے کی تائید میں لاتا ہے اور یا اس کے رد کی غرض سے لیکن صاف ظاہر ہے کہ آپ اس قول کو اپنے مؤیدات دعوے کے ضمن میں لائے ہیں۔

چنانچہ آپ نے بغیر اس کے ایسے دعوے کی تائید کے لئے ایک بخاری کی حدیث[۸۴] بھی لکھی ہے کہ محدث کا الہام دخل شیطان سے محفوظ کیا جاتا ہے بلکہ وہاں تو آپ نے کھلے طور پر ظاہر کر دیا ہے کہ آپ اسی قول کے حامی ہیں۔ گو ایمانی طور پر نہیں مگر امکانی طور پر ضرور حامی ہیں اور میرے لئے صرف اسی قدر کافی ہے کیونکہ میرا مطلب[۸۵] تو صرف اسی قدر ہے کہ حدیثیں اگرچہ صحیح ہی ہوں لیکن ان کی صحت کا مرتبہ ظن یا ظن غالب سے زیادہ نہیں۔ سوان حدیثوں کی حقیقی صحت[۸۶] کا پرکھنے والا قرآن مجید ہے اور قرآن مجید جس قدر اپنے محامد اور اپنے کمالات بیان کرتا ہے ان پر نظر غور ڈالنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے تئیں اپنے ماسواء کی تصحیح کے لئے محک ٹھہرایا ہے اور اپنے ہدایتوں کو کامل اور اعلیٰ درجہ کی ہدایتیں بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ وہ اپنی شان میں فرماتا ہے۔

”(۱)فیها کتب[۸۷] قیمة. (۲)فصلناه علی علم. (۳)یهدی به الله من اتبع رضوانه سبل السلام ویخرجهم من الظلمٰت الی النور. (۴)ویعلّمکم مالم تکونوا تعلمون. (۵)قل ان هدی الله هو الهدی فمن اتبع هدیٰ فلا یضل ولا یشقی. (۶)لایاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه. (۷)فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن بالله فقداستمسک بالعروة الوثقی لاانفصام لها. ان هذ القراٰن یهدی التی هی اقوم. ان فی هذا لبلاغاً لقوم عابدین (۹)وانه لحق مبین. (۱۰)حکمة بالغة. (۱۱)تبیانا لکل شی روحا من امرنا. نور علی نور. انزل الکتاب بالحق والمیزان. هدی الناس

(۱۲)وبینات من الهدی والفرقان. (۱۳)انه لقراٰن کریم فی کتاب مکنون فصلناه علی علم (۱۴)انه لقول[88] وصل لاریب فیه. وما انزلنا علیک الکتاب الا لنبین لهم الذی اختلفوا فیه وهدی ورحمة لقوم مؤمنون. قل نزله روح القدس من ربک لیثبت الذین اٰمنوا وهدی وبشری للمسلمین هذا بیان للناس وموعظة للمتقین. بالحق انزلناه وبالحق نزل. قل هو للذین اٰمنوا هدی وشفاء. ماکان حدیثا یفتری‘‘

اب ظاہر ہے کہ خداتعالیٰ نے ان آیات میں کئی قسم کی خصوصیتیں اور صفتیں قرآن کریم کی بیان فرمائی ہیں۔ ازانجملہ ایک یہ کہ وہ تمام صداقتوں پر مشتمل ہے۔ (۲)وہ مفصل کتاب ہے۔ (۳)وہ ان لوگوں کو ہدایت دیتا ہے کہ جو خداتعالیٰ کی رضا مندی کے اور دارالسلام کے طالب ہیں۔ (۴)وہ ظلمات سے نور کی طرف نکالتا ہے اور نامعلوم باتیں سکھاتا ہے۔ (۵)ہدایت اسی کی ہدایت ہے۔ (۶)باطل اس کی طرف کسی طور سے راہ نہیں پاسکتا۔ (۷)جس نے اس سے پنجہ مارا عروہ وثقی کو پنجہ مارا۔ (۸)وہ سب سے زیادہ سیدھی راہ بتلاتا ہے۔ (۹)وہ حق الیقین ہے۔ ظن اور شک کی جگہ نہیں۔ (۱۰)وہ حکمت بالغہ ہے۔ اس میں ہریک چیز کا بیان ہے۔ (۱۱)وہ حق ہے یعنی آپ بھی سچا ہے اور سچ کی شناخت کے لئے محک بھی ہے۔ (۱۲)وہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور ہدایتوں کی اس میں تفصیل ہے اور حق وباطل میں فرق کرتا ہے۔ (۱۳)وہ قرآن کریم ہے۔ کتاب مکنون ہے، جس کے ایک معنی یہ ہیں کہ صحیفہ فطرت[89] میں اس کی تعلیمیں منقوش یعنی اس کی تعلیم فطرتی ہے جیسا کہ فرمایا ہے:’’فطرة التی فطر الناس علیها‘‘(۱۴)وہ قول فصل ہے اس میں کچھ بھی شک نہیں۔ (۱۵)وہ اختلاف کے دور کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ (۱۶)وہ ایمان داروں کے لئے ہدایت وشفاء ہے۔

اب فرمائیے کہ یہ عظمتیں[90] اور یہ خوبیاں کہ جو قرآن کریم کی نسبت بیان فرمائی گئی۔ احادیث کی نسبت ایسی تعریفوں کا کہاں ذکر ہے۔ پس میرا مذہب فرقہ ضالہ[91] نیچریہ کی طرح پر نہیں ہے کہ میں عقل کو مقدمہ رکھ کر قال اللہ اور قال الرسول پر کچھ نکتہ چینی کروں۔ ایسے نکتہ چینی کرنے والوں کو ملحد[92] اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں بلکہ میں جو کچھ آنحضرت ﷺ نے خداتعالیٰ کی طرف سے ہم کو پہنچایا ہے اس سب پر ایمان[93] لاتا ہوں۔ صرف عاجزی[94] اور

انکساری کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ قرآن کریم ہر یک وجہ سے احادیث[۹۵] پر مقدم ہے اور احادیث کی صحت عدم صحت پرکھنے کے لئے وہ محک[۹۶] ہے اور مجھ کو خداتعالیٰ نے قرآن کریم کی اشاعت[۹۷] کے لئے مامور کیا ہے۔ تا میں جو ٹھیک ٹھیک منشاء قرآن کریم کا ہے لوگوں پر ظاہر کروں۔ اگر اس خدمت گزاری میں علمائے وقت کا میرے پر اعتراض ہو اور وہ مجھ کو فرقہ ضالہ نیچریہ کی طرف منسوب کریں تو میں ان پر کچھ افسوس نہیں کرتا بلکہ خداتعالیٰ سے چاہتا ہوں کہ خداتعالیٰ وہ بصیرت انہیں عطاء فرماوے جو مجھے عطاء فرمائی ہے۔

نیچریوں کا اوّل[۹۸] دشمن میں ہی ہوں اور ضرور تھا کہ علماء میری مخالفت کرتے۔ کیونکہ بعض احادیث[۹۹] کا یہ منشاء پایا جاتا ہے کہ مسیح موعود جب آئے گا تو علماء اس کی مخالفت کریں گے۔ اسی کی طرف مولوی صدیق حسن صاحب مرحوم نے آثار القیامۃ[۱۰۰] میں اشارہ کیا ہے اور حضرت مجدد[۱۰۱] صاحب سرہندی نے بھی اپنی کتاب کے ص۱۰۷ میں لکھا ہے کہ مسیح موعود جب آئے گا تو علمائے وقت اس وقت کے اہل الرائے کہیں گے یعنی خیال کریں گے کہ یہ حدیثوں[۱۰۲] کو چھوڑتا ہے اور صرف قرآن کا پابند ہے اور اس کی مخالفت پر آمادہ ہو جائیں گے۔

والسلام علیٰ من اتبع الهدیٰ! غلام احمد، ۲۱ر جولائی ۱۸۹۱ء

تحریر نمبر ششم از جانب خاکسار:

آپ نے باایں ہمہ تطویل میرے سوال کا جواب پھر بھی صاف نہ دیا اور آپ کی اس کلام میں وہی اضطراب واختلاف پایا جاتا ہے جو پہلی کلام میں موجود ہے۔ آپ شرط صحت کو جو آپ کے خیال میں ہے۔ پیش نظر رکھ کر صاف صاف الفاظ میں دوحرفی جواب دیں کہ احادیث کتب حدیث خصوصاً صحیح بخاری وصحیح مسلم بلاتفصیل صحیح وواجب العمل ہیں یا بلاتفصیل غیرصحیح وناقابل عمل یا ان میں تفصیل ہے۔ یعنی بعض احادیث صحیح ہیں اور بعض غیرصحیح وموضوع اس کے ساتھ آپ یہ بھی بتادیں کہ آپ نے اپنی تصانیف میں کسی حدیث صحیح بخاری ومسلم کو غیرصحیح وموضوع کہا ہے یا نہیں؟

۲...... آپ نے جو میرے اس سوال کا کہ سلف میں آپ کا کون امام ہے جواب دیا ہے۔ وہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔ میں نے ابن صیاد کی نسبت وہ سوال نہیں کیا تھا بلکہ آپ کے اس اعتقاد کی نسبت سوال کیا تھا کہ صحت احادیث کا معیار قرآن ہے اور جو حدیث قرآن کے موافق نہ ہو وہ موضوع ہے۔ اب بھی آپ فرمادیں (اگر آپ کا اعتقاد فرقہ نیچریہ

ضالہ کے موافق نہیں ہے) کہ صحت احادیث کا معیار توافق قرآن کو ٹھہرانے میں سلف صالحین سے آپ کا کون امام ہے؟

۳...... اجماع کی تعریف میں جو آپ نے کہا ہے یہ کس کتاب اصول وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔ تین چار صحابہ کے اجماع کو علمائے اسلام سے کون شخص اجماع قرار دیتا ہے۔

۴...... شرح السنہ سے جو حدیث آپ نے نقل کی ہے اس میں آنحضرت ﷺ کا کوئی قول منقول نہیں ہے بلکہ اس میں ایک صحابی اپنا خیال ظاہر کرتا ہے جو اس کی فہم میں آیا ہے۔ اس قول صحابی کو آنحضرت کا قول قرار دینا آنحضرت ﷺ پر افتراء نہیں تو کیا ہے؟

۵...... اشاعۃ السنۃ میں جو میں نے محی الدین ابن عربی کا قول نقل کیا ہے اس کی نسبت کیا میں نے آخر ریویو میں بصفحہ ۳۴۵ ظاہر نہیں کیا کہ مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے۔ اس صفحہ میں کیا یہ عبارت درج نہیں کہ: ''یہی جتانا اس امر سوم کے بیان سے ہمارا مقصود تھا۔ اس سے اس امر کا اظہار مقصود نہیں ہے کہ ہم خود بھی اس الہام کو حجت و دلیل جانتے ہیں اور غیر ملہم کو کسی ملہم غیر نبی کے الہام پر عمل کرنا واجب سمجھتے ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ ہم صرف کتاب اللہ وسنت کے پیرو ہیں اور اسی کو حجت و دستور العمل اور عام راہ جانتے ہیں۔ نہ خود الہامی ہیں نہ کسی اور کشفی الہامی غیر نبی کے (متقدمین سے ہو خواہ متاخرین سے) متبع اور مقلد ہیں۔ پھر مجھ کو اس قول ابن عربی کا امکانی قائل بنانا مجھ پر افتراء نہیں تو کیا ہے؟ آیات قرآن جو آپ نے نقل کی ہیں ان کو امر متنازعہ سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ میں اس امر کو اپنے تفصیلی جواب میں بیان کروں گا جب سوالات مذکور کا جواب پاؤں گا۔''

ابوسعید محمد حسین، ۲۱ر جولائی ۱۸۹۱ء

تحریر نمبر ششم از جانب کادیانی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی!

آپ نے پھر میرے پر یہ الزام لگایا ہے کہ میں نے آپ کے سوال کا جواب صاف نہیں دیا۔ میں حیران ہوں کہ میں کن الفاظ میں اپنے جواب کو بیان کروں یا کس پیرایہ[۱۰۳] میں ان گزارشوں کو پیش کروں تا آپ اس کو واقعی طور پر جواب تصور فرماویں۔ آپ کا سوال جو اس تحریر اور پہلی تحریروں سے سمجھا جاتا ہے یہ ہے کہ احادیث کتب حدیث خصوصاً صحیح بخاری وصحیح مسلم صحیح و واجب العمل ہیں یا غیر صحیح و نا قابل عمل اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ میرے منہ سے

یہ کہلانا چاہتے ہیں کہ میں[۴] اس بات کا اقرار کروں کہ یہ سب کتابیں صحیح اور واجب العمل ہیں۔ اگر میں ایسا کروں تو غالباً آپ خوش[۵] ہو جائیں گے اور فرمائیں گے کہ اب میرے سوال کا جواب پورا پورا آ گیا لیکن میں سوچ میں ہوں کہ کس شرعی قاعدہ کے رو سے ان تمام حدیثوں کو بغیر تحقیق و تفتیش کے واجب العمل یا صحیح قرار دے سکتا ہوں۔ طریق تقویٰ سے یہ[۶] ہے کہ جب تک فراست کاملہ اور بصیرت صحیحہ حاصل نہ ہو تب تک کسی چیز کے ثبوت یا عدم ثبوت کی نسبت حکم نافذ نہیں کیا جائے۔

اللہ جل شانہ فرماتا ہے: ''لاتقف ما لیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولا'' سو اگر میں دلیری[۷] کر کے اس معاملہ میں دخل دوں اور یہ کہوں کہ میرے نزدیک جو کچھ محدثین خصوصاً امامین بخاری اور مسلم نے تنقید احادیث میں تحقیق کی ہے اور جس قدر احادیث وہ اپنی صحیحوں میں لائے ہیں وہ بلاشبہ بغیر حاجت کسی آزمائش کے صحیح ہیں تو میرا ایسا کہنا کن شرعی وجوہات[۸] و دلائل پر مبنی ہوگا۔ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ یہ تمام ائمہ حدیثوں کے جمع کرنے میں ایک قسم کا اجتہاد کام میں لائے ہیں اور مجتہد کبھی مصیب اور کبھی مخطی بھی ہوتا ہے۔ جب میں سوچتا ہوں کہ ہمارے بھائی مسلمان موحدین[۹] نے کس قانون قطعی اور یقینی کے رو سے ان تمام احادیث کو واجب العمل کر دیا ہے تو میرے اندر سے نور قلب یہی شہادت دیتا ہے کہ صرف یہی ایک وجہ ان کے واجب العمل ہونے کی پائی جاتی ہے کہ یہ خیال کر لیا گیا ہے کہ علاوہ اس خاص تحقیق کے جو تنقید احادیث میں ائمہ حدیث نے کی ہے۔ وہ حدیثیں قرآن کریم کے کسی آیۃ محکمہ اور بیّنہ سے منافی اور مغائر نہیں ہیں اور نیز اکثر احادیث جو احکام شرعی کے متعلق ہیں تعامل کے سلسلہ سے قطعیت[۱۰] اور یقین[۱۱] نام کے درجہ تک پہنچ گئے ہیں۔ ورنہ اگر ان دونوں وجوہ سے قطع نظر کی جائے تو پھر کوئی وجہ ان کے یقینی الثبوت[۱۲] ہونے کی معلوم نہیں ہوتی۔

ہاں! یہ ایک وجہ پیش کی جائے گی کہ اسی پر اجماع ہوگیا ہے لیکن آپ ہی ریویو براہین احمدیہ کے ص ۳۳۰ میں اجماع کی نسبت لکھ[۱۳] چکے ہیں کہ اجماع اتفاقی دلیل نہیں ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ اجماع میں اوّلاً یہ اختلاف ہے کہ یہ ممکن یعنی ہو بھی سکتا ہے یا نہیں۔ بعض اس کے امکان کو ہی نہیں مانتے۔ پھر ماننے والوں کا اس میں اختلاف ہے کہ اس کا علم ہو سکتا ہے یا نہیں۔ ایک جماعت امکان علم کے بھی منکر ہیں۔ امام فخر الدین رازی نے کتاب

محصول میں یہ اختلاف بیان کر کے فرمایا ہے کہ انصاف یہی ہے کہ بجز اجماع زمانہ صحابہ جب کہ مؤمنین اہل اجماع بہت تھوڑے تھے اوران سب کی معرفت تفصیلی ممکن تھی اور زمانہ کے اجماعوں کے حصول علم کی کوئی سبیل نہیں۔ اسی کے مطابق کتاب حصول المامول میں ہے جو کتاب ارشاد الفحول شوکانی سے ملخص ہے۔ اس میں کہا ہے جو یہ دعویٰ کرے کہ ناقل اجماع ان سب علماء دنیا کی جو اجماع میں معتبر ہیں معرفت پر قادر ہے۔ وہ اس دعویٰ میں حد سے نکل گیا اور جو کچھ اس نے کہا اٹکل سے کہا۔ خدا امام احمد حنبل پر رحم کرے کہ انہوں نے صاف فرمادیا ہے کہ جو وجود اجماع کا مدعی ہے وہ جھوٹا ہے۔

فقط اب میں آپ سے دریافت[۴] کرنا چاہتا ہوں کہ بخاری ومسلم کی احادیث کی نسبت جو اجماع کا دعویٰ کیا جاتا ہے یہ دعویٰ کیونکر[۵] راست (ایسا ہی قادیانی کی تحریر میں لفظ راست لکھا ہے) کے رنگ سے رنگین سمجھ سکیں۔ حالانکہ آپ اس بات کے قائل[۶] ہیں کہ صحابہ کے عہد کے بعد کوئی اجماع حجت نہیں ہوسکتا بلکہ آپ امام احمد صاحب قول پیش کرتے[۷] ہیں کہ جو وجود اجماع کا مدعی ہے وہ جھوٹا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ بخاری ومسلم کی صحت پر بھی ہرگز اجماع نہیں ہوا۔ چنانچہ واقعی امر بھی ایسا ہی ہے کہ بہت سے فرقے مسلمانوں کے بخاری اور مسلم کی اکثر[۸] حدیثوں کو صحیح نہیں سمجھتے۔ پھر جب کہ ان حدیثوں کا یہ حال ہے تو کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ بغیر کسی شرط کے وہ تمام حدیثیں واجب العمل اور قطعی[۹] الصحت ہیں۔ ایسا خیال کرنے میں دلیل شرعی کون سی ہے۔ کیا کوئی قرآن[۱۰] کریم میں ایسی آیت پائی جاتی ہے کہ تم نے بخاری اور مسلم کو قطعی الثبوت سمجھنا اور اس کی کسی حدیث کی نسبت اعتراض نہ کرنا یا رسول اللہ ﷺ کی کوئی وصیت تحریری موجود ہے جس میں ان کتابوں کو بلالحاظ کسی شرط اور بغیر توسط محک کلام الٰہی کے واجب العمل ٹھہرایا گیا ہو۔

جب ہم اس امر میں غور کریں کہ کیوں ان کتابوں کو واجب العمل خیال کیا جاتا ہے تو ہمیں یہ وجوب ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے حنفیوں کے نزدیک اس بات کا وجوب ہے کہ امام اعظم صاحب کے یعنی حنفی مذہب کے تمام مجتہدات واجب[۱۱] العمل ہیں۔ لیکن ایک ادنیٰ سوچ سکتا ہے کہ یہ وجوب شرعی نہیں بلکہ کچھ زمانہ سے ایسے خیالات کے اثر سے اپنی طرف سے یہ وجوب گھڑا گیا ہے جس حالت میں حنفی مذہب پر آپ لوگ یہی اعتراض کرتے ہیں کہ

وہ نصوص بیّنہ شرعیہ کو چھوڑ کر بے اصل اجتہادات کو محکم پکڑتے اور ناحق تقلید شخصی کی راہ اختیار کرتے ہیں تو کیا[۱۲۲] یہی اعتراض آپ پر نہیں ہوسکتا کہ آپ بھی کیوں بے وجہ تقلید[۱۲۳] پر زور مار رہے ہیں۔ حقیقی بصیرت اور معرفت کے کیوں طالب نہیں ہوتے۔ ہمیشہ آپ لوگ بیان کرتے[۱۲۴] تھے کہ جو حدیث صحیح ثابت ہو اس پر عمل کرنا چاہئے اور جو غیر صحیح ہو اس کو چھوڑ دیا جاوے۔ اب[۱۲۵] کیوں آپ مقلدین کے رنگ پر تمام احادیث کو بلاشرط صحیح خیال کرتے ہیں۔

اس پر آپ کے پاس شرعی ثبوت کیا ہے۔ کہاں سے امام محمد اسماعیل یا مسلم کی معصومیت[۱۲۶] ثابت ہوگئی ہے۔ کیا آپ اس بات کو سمجھ نہیں سکتے کہ جس کو خدا تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے فہم قرآن عطاء کرے اور تفہیم الٰہی سے وہ مشرف ہو جائے اور اس پر ظاہر کر دیا جاوے کہ قرآن کریم کی فلاں آیۃ سے فلاں حدیث[۱۲۷] مخالف ہے اور یہ علم اس کا کمال یقین تک پہنچ جائے تو اس کے لئے بھی لازم ہوگا کہ حتی الوسع اوّل ادب کی راہ سے اس حدیث کی تاویل کر کے قرآن شریف سے مطابق کرے اور اگر مطابقت محالات میں سے ہو اور کسی صورت ہو نہ سکے تو بدرجہ لاچاری اس حدیث کے غیر صحیح[۱۲۸] ہونے کا قائل ہو۔ کیونکہ ہمارے لئے یہ بہتر ہے کہ ہم بحالت مخالفت قرآن شریف حدیث کی تاویل کی طرف رجوع کریں۔ لیکن یہ سراسر الحاد[۱۲۹] اور کفر ہوگا کہ ہم ایسی حدیثوں کی خاطر سے کہ جو انسان کے ہاتھوں[۱۳۰] سے ہم کو ملی ہیں اور انسان کی باتوں کا ان میں ملنا نہ صرف احتمالی امر ہے بلکہ یقینی طور پر پایا جاتا ہے۔ قرآن کو چھوڑ دیں۔

میں آپ کو یقین[۱۳۱] دلاتا ہوں کہ تفہیم الٰہی میرے شامل ہے اور وہ عزاسمہ جس وقت چاہتا ہے بعض معارف قرآنی میرے پر کھولتا ہے اور اصل منشاء بعض آیات کا معہ ان کے ثبوت کے میرے پر ظاہر کرتا ہے اور میخ[۱۳۲] آہنی کی طرح میرے دل کے اندر داخل کر دیتا ہے۔ اب میں اس خداداد نعمت کو کیونکر چھوڑ دوں اور جو فیض[۱۳۳] بارش کی طرح میرے پر ہو رہا ہے کیونکر اس سے انکار کروں اور یہ بات جو آپ نے مجھ سے دریافت فرمائی ہے کہ اب تک کسی حدیث بخاری یا مسلم کو میں نے موضوع قرار دیا ہے یا نہیں۔ سو میں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ میں نے اپنی کتاب میں کسی حدیث بخاری یا مسلم کو ابھی تک موضوع[۱۳۴] قرار نہیں دیا بلکہ اگر کسی حدیث کو میں نے قرآن کریم سے مخالف پایا ہے تو خدا تعالیٰ نے تاویل کا باب میرے دل پر کھول دیا ہے اور آپ نے یہ سوال جو مجھ سے کیا ہے کہ صحت احادیث کا معیار

ٹھہرانے میں سلف صالحین سے آپ کا کون امام ہے، میری اس کے جواب میں یہ عرض ہے کہ اس بات کا بارثبوت میرے ذمہ[۱۳۵] نہیں بلکہ میں تو ہر یک ایسے شخص کو جو قرآن کریم پر ایمان لاتا ہے خواہ وہ گزر چکا ہے یا موجود ہے، اسی اعتقاد کا پابند جانتا ہوں کہ وہ احادیث کے پرکھنے کے لئے قرآن کریم کو میزان اور معیار اور محک سمجھتا ہوگا۔ کیونکہ جس حالت میں قرآن کریم خود یہ منصب اپنے لئے تجویز فرماتا ہے اور کہتا ہے: ’’فبای[۱۳۶] حدیث بعدہ یؤمنون‘‘

اور فرمایا ہے: ’’قل ان ھدی اللّٰہ ھو الھدیٰ‘‘

اور فرماتا ہے: ’’فاعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا‘‘

اور فرماتا ہے: ’’ھدی للناس وبینات من الھدیٰ‘‘

اور فرماتا ہے: ’’انزل الکتاب بالحق والمیزان‘‘

اور فرماتا ہے: ’’انہ لقول فصل لا ریب فیہ‘‘

تو پھر اس کے بعد کون ایسا مؤمن ہے جو قرآن شریف کو حدیثوں کے لئے حکم مقرر نہ کرے اور جب کہ وہ خود فرماتا ہے کہ یہ کلام حکم ہے اور قول فصل ہے اور حق وباطل کی شناخت کے لئے فرقان ہے اور میزان ہے تو کیا ایمانداری ہوگی کہ ہم خداتعالیٰ کے ایسا فرمودوں پر ایمان نہ لاویں اور اگر ہم ایمان لاتے ہیں تو ہمارا ضرور یہ مذہب ہونا چاہئے کہ ہم ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول کو قرآن کریم پر عرض[۱۳۷] کریں تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ وہ واقعی طور پر اسی مشکوٰۃ وحی سے نور حاصل کرنے والے ہیں جس سے قرآن نکلا ہے یا اس کے مخالف ہے۔ سو چونکہ مؤمن کے لئے یہ ایک ضروری امر ہے کہ قرآن کریم کو احادیث کا حکم مقرر کرے۔ اس لئے ثبوت اس بات کا کہ سلف صالحین نے قرآن کریم کو حکم مقرر نہیں کیا۔ آپ کے ذمہ ہے نہ میرے[۱۳۸] ذمہ۔

اس جگہ مجھے یہ افسوس ہے کہ آپ قرآن کریم کا مرتبہ بخاری اور مسلم کے[۱۳۹] مرتبہ کے برابر بھی نہیں سمجھتے۔ کیونکہ اگر کوئی حدیث کسی کتاب کی بخاری اور مسلم کی کسی حدیث سے مخالف اور مبائن پڑے اور کسی طور سے تطبیق نہ ہو سکے تو آپ صاحبان فی[۱۴۰] الفور کہہ دیتے ہیں کہ وہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ مگر کمال افسوس کی جگہ ہے کہ یہ مذہب قرآن کریم کی نسبت آپ اختیار کرنا نہیں چاہتے۔

اور اجماع[۱۴۱] کی نسبت جو آپ نے دریافت فرمایا ہے تو میں تو پہلے ہی عرض کر چکا

کہ ابن صیاد جو مسلمان ہوگیا تھا بیان کرتا ہے کہ لوگ مجھے ایسا کہتے ہیں اس کی شہادت میں کوئی استثناء نہیں جس سے سمجھا جاتا ہے کہ عام طور پر[۱۴۲] صحابہ کا یہی خیال تھا کہ ابن صیاد ہی دجال معہود ہے۔ ماسواء اس کے حدیثوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کا یہ مذہب ہوگیا تھا کہ حقیقت میں ابن صیاد ہی دجال معہود ہے۔ اس صورت میں دوسرے صحابیوں کا خاموش[۱۴۳] رہنا صریح اس بات پر دلیل ہے کہ وہ اس مذہب کو مان چکے ہیں اور اگر ان کی طرف سے کوئی مخالفت اور انکار ہوتا تو ضرور وہ انکار ظاہر ہو جاتا۔ پس صحابہ کے اجماع کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ بالخصوص حضرت عمرؓ کا آنحضرت ﷺ کے روبرو قسم کھا کر بیان کرنا کہ درحقیقت ابن صیاد ہی دجال[۱۴۴] معہود ہے صریح دلیل اجماع پر ہے۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اکثر آنحضرت ﷺ جماعت صحابہ سے اکیلے نہیں ہوتے تھے اور غالباً جس وقت حضرت عمرؓ نے قسم کھائی ہوگی اس وقت بہت سی جماعت[۱۴۵] صحابہ کی موجود ہوگی۔ پس ان کی خاموشی صریح اجماع پر دلیل ہے۔

پھر آپ نے بیان فرمایا ہے کہ شرح السنۃ میں آنحضرت ﷺ کا کوئی قول منقول نہیں ہے بلکہ اس میں ایک صحابی اپنا خیال ظاہر کرتا ہے سو حضرت اس کے جواب میں اس قدر کہنا کافی ہے کہ آپ لوگوں کے نزدیک تو صحابی کا قول بھی ایک قسم کی حدیث[۱۴۶] ہوتی ہے گو منقطع ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ صحابی آنحضرت ﷺ پر افتراء نہیں کرسکتا اور ڈرنے کی بات ایک ایسی بات ہے کہ جب تک آنحضرت ﷺ اشارۃً یا صراحۃً بیان نہ فرماتے تو صحابی کی کیا مجال تھی کہ خود بخود آنجناب پر افتراء[۱۴۷] کر لیتا۔ بلاشبہ اس نے سنا ہوگا۔ تب ہی تو اس نے ذکر کیا جو کچھ اس نے سنا۔ اگرچہ آنحضرت ﷺ کے الفاظ سے ظاہر نہیں کیا۔ لیکن ایک بچہ کو بھی سمجھ آسکتا ہے کہ اس نے ضرور سنا تب یہی بیان کیا۔ پس ظاہر ہے کہ یہ افتراء نہیں بلکہ بیان واقعہ ہے۔ کیا آپ اس صحابی پر حسن[۱۴۸] ظن نہیں رکھتے اور خیال رکھتے ہیں کہ بغیر سننے کے اس نے کہہ دیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس نے خیال ظاہر کیا میں کہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کے مافی الضمیر[۱۴۹] پر اس کو کیا علم تھا۔ جب تک آنحضرت ﷺ اشارۃً یا صراحۃً آپ ظاہر نہ فرماتے۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اشاعۃ السنۃ میں محی الدین ابن عربی کا قول نقل کیا ہے اور آخر میں میں نے لکھ دیا ہے کہ ہم الہام کو حجت اور دلیل نہیں جانتے۔ اس کے جواب میں بادب ملتمس ہوں کہ آپ اگر اس قول کے مخالف ہوتے تو کیوں[۱۵۰] ناحق اس کا ذکر کرتے۔

غایت کار آپ کے کلام میں تناقض ہوگا۔ کیونکہ اوّل صاف تسلیم کر آئے ہیں[۱۵۱] کہ الہام ملہم کے لئے حجت شرعی کے قائم مقام ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے آپ تو صاف طور پر مان چکے ہیں بلکہ بحوالہ حدیث بخاری بتصریح بیان کر چکے ہیں کہ الہام محدث[۱۵۲] کا شیطانی دخل سے منزہ کیا جاتا ہے۔ ماسوا اس[۱۵۳] کے میں اس بات کے لئے آپ کو مجبور نہیں کرتا کہ آپ الہام کو حجت سمجھ لیں۔ مگر یہ آپ اسی ریویو میں خود تسلیم کرتے ہیں کہ ملہم کے لئے وہ الہام حجت ہو جاتا ہے۔ سو میرا دعویٰ[۱۵۴] اسی قدر سے ثابت ہے۔ میں بھی آپ کو مجبور کرنا نہیں چاہتا۔ غلام احمد بقلم خود، ۲۱ر جولائی ۱۸۹۱ء

تحریر نمبر ہفتم از جانب خاکسار:

میں افسوس کرتا ہوں کہ آپ نے پھر بھی میرے سوال کا جواب صاف الفاظ میں نہیں دیا۔ آپ نے بیان کیا ہے کہ میں آپ سے ان کتب کی صحت تسلیم کرانا چاہتا ہوں اور آپ اس تسلیم کو صحیح نہیں سمجھتے بلکہ اس کو ایک غلط اصول فرضی وخیالی اجماع پر مبنی قرار دیتے ہیں۔ پھر صاف الفاظ میں کیوں نہیں کہتے کہ صحیحین کی جملہ احادیث بلاوقفہ ونظر واجب التسلیم اور صحیح نہیں ہیں بلکہ اس میں موضوع یا غیر صحیح احادیث موجود ہیں یا ان کے موجود ہونے کا احتمال ہے۔ جب تک آپ ایسے صریح الفاظ میں اس مطلب کو ادا نہ کریں گے اس سوال کے جواب سے سبکدوش نہ ہوں گے خواہ برسوں گزر جائیں۔

آپ حدیث ''**ان من حسن اسلام المرئ ترکہ ما لا یعنیہ**'' کو پیش نظر رکھ کر خارج از سوال باتوں سے تعرض کرنا چھوڑ دیں اور دو حرفی جواب دیں کہ صحیحین کی حدیثیں سب کی سب صحیح ہیں یا موضوع ہیں یا مختلط ہیں۔

۲...... آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب میں کسی حدیث صحیح بخاری و مسلم کو موضوع نہیں کہا (لفظ موضوع آپ کے کلام میں غیر صحیح کے معنوں میں مستعمل[۱۵۵] ہوا ہے اور غیر صحیح بمعنی موضوع) اور یہ امر کمال تعجب کا موجب ہے کہ آپ جیسے مدعیان الہام ایسی بات خلاف واقعہ کہیں آپ نے رسالہ ازالہ اوہام ص ۲۲۰، خزائن ج ۳ ص ۲۰۹، ۲۱۰ میں دمشقی حدیث کی نسبت کہا ہے۔ ''یہ وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں امام مسلم صاحب نے لکھی ہے جس کو ضعیف سمجھ کر رئیس المحدثین امام محمد اسماعیل بخاری نے چھوڑ دیا ہے۔'' اب انصاف سے فرمادیں کہ اس حدیث صحیح مسلم کو آپ نے ضعیف[۱۵۶] قرار دیا ہے یا نہیں اور اگر آپ یہ عذر کریں کہ میں صرف ناقل ہوں۔ اس کو ضعیف کہنے والے امام بخاری ہیں تو اب تصحیح نقل کریں اور صاف فرمادیں کہ امام بخاری نے فلاں کتاب میں

اس کو ضعیف قرار دیا ہے یا کسی اور امام محدث سے نقل کریں کہ انہوں نے امام بخاری سے اس حدیث کی تضعیف نقل کی ہے۔ ورنہ آپ اس الزام سے بری نہیں ہوسکیں گے کہ آپ نے صحیح مسلم کی حدیث کو ضعیف قرار دیا اور پھر اس اپنی تحریر میں اس سے انکار کیا اور ازالہ اوہام کے ص۲۲۶، خزائن ج۳ ص۲۱۴ میں آپ فرماتے ہیں۔ ’’اب بڑی مشکلات یہ درپیش آتی ہیں کہ اگر ہم بخاری اور مسلم کی ان حدیثوں کو صحیح سمجھیں جو دجال کو آخری زمانہ میں اتار رہی ہیں تو یہ حدیثیں موضوع[۱۵۷] ٹھہرتی ہیں اور اگر ان حدیثوں کو صحیح قرار دیں تو پھر ان[۱۵۸] کا موضوع ہونا ماننا پڑتا ہے اور اگر یہ متعارض ومتناقض حدیثیں صحیحین میں نہ ہوتیں صرف دوسرے صحیحوں میں ہوتیں تو شاید ہم ان دونوں کتابوں کی زیادہ تر پاس خاطر کر کے ان دوسری حدیثوں کو موضوع قرار دیتے۔ مگر اب مشکل تو یہ آپڑی کہ ان ہی دونوں کتابوں میں یہ دونوں قسم کی حدیثیں موجود ہیں۔ اب جب ہم ان دونوں قسم کی حدیثوں پر نظر ڈال کر گرداب حیرت میں پڑ جاتے ہیں کہ کس حدیث کو صحیح سمجھیں اور کس کو غیر[۱۵۹] صحیح تب ہم کو عقل خداداد یہ طریق فیصلہ کا بتاتی ہے کہ جن احادیث پر عقل اور شرع کا کچھ اعتراض نہیں انہیں صحیح سمجھنا چاہئے۔‘‘ اور ازالۃ الاوہام ص۲۲۴، خزائن ج۳ ص۲۱۲ میں آپ نے مسلم کی اس حدیث کو جس میں یہ بیان ہے کہ دجال معہود کی پیشانی پر ’’ک ف ر‘‘ لکھا ہوگا۔ (جو ص۱۰۵۶، بخاری میں بھی مروی ہے) یہ کہہ کر اڑایا ہے کہ یہ حدیث مسلم کی اس حدیث کے برخلاف ہے جس میں یہ وارد ہے کہ یہ دجال مشرف باسلام ہو چکا تھا۔ ایسا ہی آپ نے صحیحین کی ان احادیث کو اڑایا ہے جن میں دجال کے ان خوارق کا بیان ہے کہ اس کے ساتھ بہشت اور دوزخ ہوں گے اور اس کے کہنے سے زمین شور سے سرسبز ہو جائے گی۔ وغیرہ وغیرہ! پھر آپ کا اس مقام میں یہ کہنا کہ میں نے صحیحین کی کسی حدیث کو موضوع یا غیر موضوع قرار نہیں دیا اور ان احادیث کے صحیح معنی بیان کرنے میں خداتعالیٰ میری مدد کرتا ہے۔ خلاف واقعہ نہیں تو کیا ہے۔

آپ صحیحین کی حدیث کو موضوع جانتے ہیں اور ساقط الاعتبار سمجھتے ہیں۔ پھر اس اعتقاد کو جو طولانی تقریروں اور ملمع سازیوں سے چھپاتے ہیں اور یہ خیال نہیں فرماتے کہ جن باتوں کو آپ چھاپ چکے ہیں وہ کب چھپتی ہیں۔

۳...... آپ لکھتے ہیں کہ قرآن کو حدیث کا معیار صحت ٹھہرانے میں امام کی نشان دہی کا بار ثبوت آپ کے ذمہ نہیں ہے اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہر ایک مسلمان احادیث کی تصحیح کا معیار قرآن کو سمجھتا ہے۔ میں آپ کے اس دعویٰ کا بھی منکر ہوں اور یہ کہہ سکتا ہوں کہ کوئی مسلمان جن

کے اقوال سے استثناء کیا جاتا ہے۔ اس بات کا قائل نہیں آپ کم سے کم ایک مسلمان کا علمائے سلف سے نام لیں جو آپ کے خیال کا شریک ہو اور اگر باوجود ان دعاوی کے آپ پر بار ثبوت نہیں ہے تو آپ یہ امر کسی منصف سے مسلمان ہو خواہ غیر مذہب کہلا دیں۔ اس باب میں جو آیات آپ نے نقل کیں ہیں ان کو آپ کے دعاوی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کی تفصیل جواب تفصیلی میں ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

۴...... اجماع کے باب میں میرے کسی سوال کا آپ نے جواب نہیں دیا۔ براہ مہربانی میرے سوال پر نظر ثانی کریں اور ان باتوں کا جواب دیں کہ اجماع کی تعریف جو آپ نے لکھی ہے کس کتاب میں ہے اور بعض صحابہ کے اتفاق کو کون شخص اجماع سمجھتا ہے؟ سکوت کل کا جو آپ نے دعویٰ کیا ہے یہ بھی محتاج نقل وثبوت ہے۔ آپ بہ نقل صحیح ثابت کریں کہ حضرت عمرؓ وغیرہ نے ابن صیاد کو دجال[۱] کہا تو اس وقت جملہ اصحاب یا فلاں فلاں موجود تھے اور انہوں نے اس پر سکوت کیا یا وہ قول جس صحابی کو پہنچا اس نے انکار نہ کیا۔ یہ بات صرف ''غالباً'' اور ''ہوں گے'' کے الفاظ سے ثابت نہیں ہوسکتی۔ ایسے دعاوی عظیمہ میں ائمہ نقل سے نقل بکار ہے نہ صرف تجویز عقل۔ اجماع کے باب میں جو کچھ ائمہ سے منقول ہے وہ آپ کی تحریر میں موجود ہے۔ پھر تعجب ہے کہ اس پر آپ کی توجہ نہ ہوئی اور صرف اٹکل سے اپنی کاربراری کی۔

۵...... مضمون حدیث شرح السنۃ کے متعلق آپ نے بڑے زور سے دعویٰ کیا تھا کہ آنحضرتﷺ نے فرمایا ہے کہ میں ابن صیاد کے دجال ہونے سے خوف کرتا ہوں اور ازالہ اوہام ص۲۲۴، خزائن ج۳ ص۲۱۲ میں آپ نے کہا ہے کہ آنحضرتﷺ نے حضرت عمرؓ کو فرمایا ہے کہ ''ہمیں اس کے حال میں ابھی اشتباہ ہے۔'' یعنی اس کے دجال ہونے کا ہم کو خوف ہے۔ ان اقوال کا آپ نے آنحضرتﷺ کو یقیناً قائل قرار دیا ہے۔ اب آپ یہ کہتے ہیں کہ صحابی نے آنحضرتﷺ سے سنا ہوگا تب ہی آنحضرتﷺ کی طرف اس امر کو منسوب کیا کہ آپ ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتے تھے۔ اب انصاف کو اور صدق ودیانت کو پیش نظر رکھ کر فرماویں کہ احتمال[۱] موجب یقین ہوسکتا ہے۔ کیا یہ امکان نہیں ہے کہ آنحضرتﷺ کے ان معاملات سے جو ابن صیاد کی نسبت آپ سے بارہا وقوع میں آئے۔ جیسے اس کا امتحان کرنا یا چھپ کر اس کے حالات معلوم کرنا وغیرہ وغیرہ! جن کا صحیحین میں ذکر ہے اس صحابی کو یہ خیال پیدا ہوگیا ہو کہ آنحضرتﷺ اس کو دجال سمجھتے تھے۔ اس امکان واحتمال کے ساتھ جو حسن ظنی

بحق صحابی پر مبنی ہے کیا یہ یقین ہوسکتا ہے کہ اس صحابی نے آنحضرتﷺ کو وہ باتیں کہتے ہوئے سنا جو آپ نے برخلاف واقعہ آنحضرتﷺ کی طرف منسوب کیں اور کیا بلاحصول یقین آنحضرتﷺ کو ان اقوال کا قائل قرار دینا اور بلا کھٹکا یہ کہہ دینا کہ آپ ایسا فرماتے تھے۔ جائز ہے؟ اور مسلمانان سلف سے یہ امر وقوع میں آیا ہے؟ آپ کم سے کم ایک مسلمان کا نام بتادیں جس سے یہ جرأت[۱۶۲] ہوئی ہو۔

۶...... آپ لکھتے ہیں کہ قول ابن عربی کے آپ مخالف ہوتے تو کیوں ناحق اس کا ذکر کرتے اور اس کے ذکر سے آپ کے کلام میں تناقض پیدا ہوتا ہے۔ آپ کا یہ مفہوم میری عبارت کی صریح منطوق کے جو میں نے نقل کی ہے برخلاف ہے۔ لہٰذا لائق لحاظ والتفات نہیں ہے۔ لہٰذا وہ آپ کو الزام افتراء سے بری نہیں کرسکتا اور نہ میری وہ تصریحات جو میں نے محدث کی نسبت کیں ہیں آپ کو اس الزام سے بری کرسکتے ہیں۔ میری کسی تصریح یا کلام میں ابن عربی کے قول کی تصدیق وتائید پائی نہیں جاتی اور میرا صریح اظہار کہ میں الہام غیر نبی کو حجت نہیں سمجھتا اور کتاب وسنت کا پیرو ہوں نہ کسی الہام کشفی کا مقلد۔ صاف شاہد ہے کہ آپ نے مجھ پر افتراء کیا ہے۔ رہا الزام تعارض واظہار خلاف عقیدت سو اس کا جواب اسی صفحہ اشاعۃ السنۃ میں موجود ہے کہ میں نے ان اقوال ابن عربی وغیرہ کو اس غرض سے نقل کیا ہے کہ الہام کو حجت ماننے میں صاحب براہین متفرد نہیں ہے اور یہ مسئلہ ایسا نیا اور انوکھا نہیں جس کا کوئی قائل نہ ہو۔ جس سے صاف ثابت ہے کہ میں نے ان اقوال کو نقل کرنے سے صاحب براہین کو تفرد سے بچانا چاہا تھا۔ نہ یہ جتانا کہ میں بھی ایسے الہاموں کو لائق سند سمجھتا ہوں۔

آپ کی تحریرات میں بہت سے مطالب زائد اور خارج از بحث ہوتے ہیں۔ جن سے میں عمداً تعرض نہیں کرتا ان سے تعرض اس تفصیلی جواب میں کروں گا جو بعد طے ہونے امور مستفسرہ کے قلم میں لاؤں گا۔ بالفعل میں آپ کو پھر اپنے سوالات سابقہ کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ آپ براہ مہربانی بنظر حفظ اوقات فریقین میرے سوالات کا صاف اور مختصر الفاظ میں جواب دیں اور زائد باتوں کی طرف توجہ نہ کریں۔ میں بنظر آپ کی رفع تکلیف کے پھر اپنے سوال کا خلاصہ بیان کرتا ہوں۔

اوّل: آپ صراحت کے ساتھ کہیں جملہ احادیث صحیحین صحیح اور واجب العمل ہیں یا جملہ غیر صحیح اور موضوع یا مختلط اور اب تک آپ نے کسی حدیث صحیحین کو موضوع یا ضعیف نہیں کہا۔

دوم: قرآن کو صحت احادیث کا معیار ٹھہرانے میں جملہ مسلمان آپ کے ساتھ ہیں یا کوئی امام ائمہ سلف سے؟

سوم: اجماع کی تعریف اور یہ امر کہ چند اصحاب کا اتفاق شرعاً اجماع کہلاتا ہے اور حضرت عمرؓ وغیرہ کے ابن صیاد کو دجال[۱۶۳] کہنے کے وقت جملہ اصحاب موجود تھے یا فلاں فلاں اور اس پر انہوں نے سکوت کیا اور یہ سکوت فلاں فلاں ائمہ حدیث نے نقل کیا۔

چہارم: آنحضرت ﷺ کے اصحابؓ آنحضرت ﷺ کی طرف کوئی حکم یا خیال منسوب نہ کرتے جب تک کہ وہ آپ سے سن[۱۶۴] نہ لیتے اور آنحضرت ﷺ کے وقائع اور قضایا سے کوئی امر استنباط کر کے آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب نہ کرتے۔ جیسے بعض صحابہ سے منقول ہے۔ قضیٰ[۱۶۵] ''قضی بالشفعة للجار'' یا یہ کہ صرف خیال واستنباط سے آنحضرت ﷺ کی نسبت یہ فرمادیتے کہ آپ نے ایسا ارشاد کیا ہے۔

پنجم: میری اس منطوق کے ہوتے وہ مفہوم قابل اعتبار ہے جو آپ کے خیال میں ہے۔ وبناءً علیہ میں ابن عربی کا مصدق ہوں اور آپ اس دعویٰ میں صادق ہیں۔ فقط!

ابوسعید محمد حسین، ۲۱ رجولائی ۱۸۹۱ء

(اشاعۃ السنۃ ج۱۳ نمبر۸ تا۱۰ ص۱۱۵ تا۳۲۶)

تحریر نمبر ہفتم از جانب کادیانی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده ونصلی!

حضرت مولوی صاحب آپ پھر سرکرر شکوہ کے طور پر تحریر فرماتے ہیں۔ میرے سوال کا اب بھی جواب صاف الفاظ میں نہیں دیا اور آپ[۱۶۶] فرماتے ہیں کہ صاف الفاظ میں کہنا چاہئے کہ صحیحین کی جملہ احادیث بلا وقفہ ونظر واجب التسلیم اور صحیح نہیں ہیں بلکہ ان میں موضوع یا غیر صحیح احادیث موجود ہیں یا ان کے موجود ہونے کا احتمال ہے اور آپ اس[۱۶۷] بات کا جواب مجھ سے مانگتے ہیں کہ صحیحین کی حدیثیں سب کی سب صحیح ہیں یا موضوع ہیں یا مختلط ہیں۔ فقط!

اما الجواب پس واضح ہو کہ احادیث کے دو حصے ہیں۔ ایک وہ حصہ جو سلسلہ تعامل کے پناہ میں کامل طور پر آ گیا ہے۔ یعنی وہ حدیثیں جن کو تعامل کے محکم اور قومی لاریب سلسلہ

نے قوت دی ہے اور مرتبہ یقین تک پہنچادیا ہے جس میں تمام ضروریات[۱۶۸] دین اور عبادات اور عقود اور معاملات اور احکام شرع متین داخل ہیں۔ سو ایسی حدیثیں تو بلاشبہ یقین اور کامل ثبوت کی حد تک پہنچ گئی ہیں اور جو کچھ ان حدیثوں کو قوت حاصل ہے وہ قوت فن حدیث کے ذریعہ سے حاصل نہیں[۱۶۹] ہوئی اور نہ وہ احادیث منقولہ کی ذاتی قوت ہے اور نہ وہ راویوں کے وثوق اور اعتبار کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے بلکہ وہ قوت ببرکت وطفیل سلسلہ تعامل پیدا ہے۔ سو میں ایسی حدیثوں کو جہاں تک ان کو سلسلہ تعامل سے قوت ملی ہے ایک مرتبہ یقین[۱۷۰] تک تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن دوسرا حصہ حدیثوں کا جس کو سلسلہ تعامل سے کوئی تعلق اور رشتہ نہیں ہے اور صرف راویوں کے سہارے سے اور ان کی راست گوئی اعتبار پر قبول کی گئی ہیں۔ ان کو میں مرتبہ ظن[۱۷۱] سے بڑھ کر خیال نہیں کرتا اور ثابت مفید ظن ہوسکتی ہیں۔ کیونکہ جس طریق سے وہ حاصل کی گئی ہیں وہ یقینی[۱۷۲] اور قطعی طریق نہیں بلکہ بہت سی اوازش[۱۷۳] کی جگہ ہے۔ وجہ یہ کہ ان حدیثوں کا فی الواقع صحیح اور راست ہونا تمام راویوں کی صداقت اور نیک[۱۷۴] چلنی اور سلامت[۱۷۵] فہم اور سلامت حافظہ اور تقویٰ[۱۷۶] طہارت[۱۷۷] وغیرہ شرائط پر موقوف ہے اور ان تمام امور کا کما حقہ[۱۷۸] اطمینان کے موافق فیصلہ ہونا اور کامل درجہ کے ثبوت پر جو حکم رویت کا رکھتا ہے پہنچنا حکم محال کا رکھتا ہے اور کسی کو طاقت نہیں کہ ایسی حدیثوں کی نسبت ایسا ثبوت کامل پیش کرسکے۔

کیا آپ ایسی کسی حدیث کی نسبت حلفاً بیان کرسکتے ہیں کہ اس کے مضمون کی صحت کی نسبت کامل اطمینان[۱۷۹] اور سکینت مجھ کو حاصل ہے۔ اگر آپ حلف اٹھانے پر مستعد بھی ہوں تاہم میں خیال کروں گا کہ آپ ایک پرانے خیال اور عادت سے متاثر ہوکر ایسی جرأت کرنے پر آمادہ ہوگئے ہیں۔ ورنہ آپ کو بصیرت کی راہ سے ہرگز قدرت نہیں ہوگی کہ کسی ایسی حدیث کے لفظ لفظ کی صحت قطعی[۱۸۰] اور یقینی کی نسبت دلائل شافیہ جو غیر قوم کے لوگ بھی سمجھ سکیں۔ پیش کرسکیں۔ سو چونکہ واقعی صورت یہی ہے کہ جس قدر حدیثیں تعامل کے سلسلہ سے فیضیاب ہیں وہ حسب استفاضا اور بقدر اپنے فیض یابی کے یقین[۱۸۱] کے درجہ تک پہنچ گئی ہیں۔ لیکن باقی حدیثیں ظن[۱۸۲] کے مرتبہ سے زیادہ نہیں۔ غایت کار بعض حدیثیں ظن غالب کے مرتبہ پر ہیں۔ اس لئے میرا مذہب بخاری[۱۸۳] اور مسلم وغیرہ کتب حدیث کی نسبت یہی ہے جو میں نے بیان کردیا ہے۔ یعنی مراتب صحت میں یہ تمام حدیثیں یکساں نہیں ہیں۔ بعض بوجہ تعلق سلسلہ تعامل یقین کی حد تک پہنچ گئے ہیں اور بعض بباعث محروم رہنے کے اس تعلق سے ظن کی حالت

میں ہیں۔ لیکن پھر حالت میں کسی حدیث کو جب تک قرآن کے صریح مخالف نہ ہو[۱۸۴] موضوع قرار نہیں دے سکتا اور میں سچے دل سے اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ حدیثوں کے پرکھنے کے لئے قرآن کریم سے بڑھ کر اور کوئی معیار ہمارے پاس نہیں۔

ہر چند محدثین نے اپنے طریق پر روایت کی حالت کو صحت یا غیر صحت حدیث کے لئے معیار مقرر کیا ہے۔ لیکن کبھی انہوں نے دعویٰ نہیں[۱۸۵] کیا کہ یہ معیار کامل اور قرآن کریم سے مستثنیٰ کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: ''یایھا الذین اٰمنوا ان جاء کم فاسق[۱۸۶] بنبأ فتبینوا'' یعنی اگر کوئی فاسق کوئی خبر لاوے تو اس کی اچھی طرح تفتیش کر لی جائے اور ظاہر ہے کہ بوجہ اس کے کہ بجز نبی کے اور کوئی معصوم[۱۸۷] ٹھہر نہیں سکتا اور امکانی[۱۸۸] طور پر صدور کذب وغیرہ ذنوب کا ہر یک سے بجز نبی کے ممکن الوقوع ہے۔ لہٰذا راوی کے حالات صدق وکذب ودیانت وخیانت کے پرکھنے کے لئے بڑی کامل تحقیقات[۱۸۹] درکار تھی۔ تا ان حدیثوں کو مرتبہ یقین[۱۹۰] کامل تک پہنچائیں۔ لیکن وہ تحقیقات[۱۹۱] میسر نہیں آسکی۔

کیونکہ اگرچہ صحابہؓ[۱۹۲] کے حالات روشن تھے اور[۱۹۳] ان لوگوں کے حالات بھی جنہوں نے آئمہ حدیث تک حدیثوں کو پہنچا دیا لیکن درمیانی[۱۹۴] لوگ جن کو صحابہ نے دیکھا تھا اور نہ آئمہ حدیث ان کے اصلی حالات سے پورے اور یقینی طور پر واقف نہیں۔ ان کے صادق یا کاذب ہونے کے حالات یقینی اور قطعی طور پر کیونکر معلوم ہو سکتے ہیں۔

سو ہر ایک منصف اور[۱۹۵] ایماندار کو یہی مذہب اور عقیدہ رکھنا پڑتا ہے کہ بغیر ان حدیثوں کے جو آفتاب سلسلہ تعامل سے منور ہوتی چلی آئی ہیں۔ باقی تمام حدیثیں کسی[۱۹۶] تاریکی سے باہر نہیں اور ان کی اصلی حالت بیان کرنے کے وقت ایک متقی کی یہ شان نہیں ہونی چاہئے کہ چشم دید[۱۹۷] یا قطعی[۱۹۸] الثبوت خبروں کی طرح ان کی نسبت صحت کا دعویٰ کرے بلکہ گمان صحت رکھ کر واللہ[۱۹۹] اعلم کہہ دے اور جو شخص ان حدیثوں کی نسبت واللہ اعلم بالصواب نہیں کہتا اور احاطہ[۲۰۰] تام کا دعویٰ کرتا ہے۔ وہ بلاشبہ جھوٹا ہے۔ خداوند کریم ہرگز پسند نہیں کرتا کہ انسان علم تام سے پہلے علم تام کا دعویٰ اسی قدر دعویٰ کرنا چاہئے جس قدر علم حاصل ہو۔ پھر زیادہ اس سے کوئی سوال کرے[۲۰۱] تو بالصواب کہہ دینا چاہئے۔

سو میں آپ کی خدمت میں کھول کر گزارش کرتا ہوں کہ میں حصہ دوم حدیثوں کی نسبت خواہ وہ حدیثیں[۲۰۲] بخاری کی ہیں یا مسلم کی ہیں ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ وہ میرے نزدیک قطعی[۲۰۳]

الثبوت ہیں۔ اگر میں ایسا کہوں تو خدا تعالیٰ کو کیا جواب دوں۔ ہاں! اگر کوئی[۲۰۴] ایسی حدیث قرآن کریم سے مخالف نہ ہو تو پھر میں اس کی صحت کاملہ کی نسبت قائل ہو جاؤں گا اور آپ کا یہ[۲۰۵] فرمانا کہ قرآن کریم کو کیوں محک صحت احادیث ٹھہراتے ہو۔ اس کا جواب میں بار[۲۰۶] بار بھی دوں گا کہ قرآن کریم مہیمن اور امام اور میزان اور قول فصل اور ہادی ہے۔ اگر اس کو محک نہ ٹھہراؤں تو اور کس کو ٹھہراؤں۔ کیا ہمیں قرآن کریم کے اس مرتبہ پر ایمان نہیں لانا چاہئے جو مرتبہ وہ خود اپنے لئے قرار دیتا ہے۔ دیکھنا چاہئے کہ وہ صاف الفاظ میں بیان فرماتا ہے: ''و[۲۰۷] اعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً ولا تفرقوا'' کیا اس حبل[۲۰۸] سے حدیثیں مراد ہیں؟

پھر جس حالت میں وہ اس جال سے پنجہ مارنے کے لئے تاکید شدید فرماتا ہے تو کیا اس کے یہ معنی نہیں کہ ایک اختلاف کے وقت قرآن کریم کی طرف رجوع کریں اور پھر فرماتا ہے: ''ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیامۃ اعمٰی'' یعنی[۲۰۹] جو شخص میرے فرمودہ سے اعراض کرے اور اس کی مخالف کی طرف مائل ہو تو اس کے لئے تنگ معیشت ہے۔ یعنی وہ حقائق اور معارف سے بے نصیب ہے اور قیامت کے دن اندھا اٹھایا جائے گا۔ اب ہم اگر ایک حدیث[۲۱۰] کو صریح قرآن کریم کے مخالف پائیں اور پھر مخالفت کی حالت میں ہی اس کو مان لیں اور اس مخالف کچھ بھی پرواہ نہ کریں تو گو اس بات پر راضی ہو گئے کہ معارف حقہ سے بے نصیب رہیں اور قیامت کو اندھے اٹھائے جائیں۔

پھر ایک جگہ فرماتا ہے: ''فاستمسک بالذی اوحی الیک انہ لذکر لک ولقومک'' یعنی[۲۱۱] قرآن کو ہر ایک امر میں دستاویز پکڑ تم سب کا اسی میں شرف ہے کہ تم قرآن کو دستاویز پکڑو اور اسی کو مقدم رکھو۔ اب ہم مخالفت[۲۱۲] قرآن اور حدیث وقت میں قرآن کو دستاویز نہ پکڑیں تو گویا ہماری یہ مرضی ہوگی کہ جس شرف کا ہم کو وعدہ دیا گیا ہے اس شرف سے محروم رہیں۔

اور فرماتا ہے: ''ومن یعش عن ذکر الرحمن نقیض لہ شیطانا فھو لہ قرین'' یعنی جو شخص قرآن کریم سے اعراض کرے اور جو چیز اس کے صریح مخالف ہے اس کی طرف مائل ہو۔ ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں کہ ہر وقت اس کے دل میں وساوس ڈالتا ہے اور حق سے اس کو پھیرتا ہے اور نابینائی اس کی نظر میں آراستہ کرتا ہے اور ایک دم اس سے جدا نہیں ہوتا۔ اب اگر ہم کسی ایسی حدیث کو قبول کر لیں جو صریح قرآن کے مخالف ہے تو گویا

ہم چاہتے ہیں کہ شیطان ہمارا دن رات کا رفیق ہو جائے اور اپنے وساوس میں ہمیں گرفتار کرے اور ہم پر نابینائی طاری ہو اور ہم حق سے بے نصیب رہ جائیں۔

اور یہ فرماتا ہے: ’’اللہ[۲۱۳] نزل احسن الحدیث کتابا متشابها مثانی تقشعر منه جلود الذین یخشون ربهم ثم تلین جلودهم وقلوبهم الٰی ذکر الله یعنی ذلک الکتاب متشابه یشبه بعضه بعضاً لیس فیه تناقض ولا اختلاف مثنٰی فیه کل ذکر لیکون بعض ذکر تفسیر بعضه تقشعر منه جلود الذین یخشون ربهم یعنی یستولی جلالة وهیبة علی قلوب الخاشعین تقشعر جلود من کمال الخشیة والخوف یجاهدون فی طاعة الله لیلاً ونهاراً لتحریک تاثیرات جلالیة وتنبیهات قهریة من القراٰن ثم یبدل الله حالتهم من تالم ای التلذذ فیصیر الطاعة جزء طبیعتهم وخاصة فطرتهم فتلین جلودهم وقلوبهم الٰی ذکر الله یعنی یسیل الذکر فی قلوبهم سیلان الماء ویصدرمنهم کل امر فے طاعة الله بکمال الشهولة والصفاء لیس فیه ثقل ولا تکلف ولا ضیق فی صدورهم بل یتلذون بامثال امروبهم ویجدون لذة وحلاوة فی طاعة مولاهم وهذا هو المنتهی الذی ینتهی الیه امر العابدین والمطیعین ویبدل الله الامهم باللذات‘‘

اب ان تمام محامد سے جو قرآن کریم اپنی نسبت بیان فرماتا ہے صاف اور صریح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقاصد عظیمہ کی آپ تفسیر فرماتا ہے اور اس کی بعض آیات بعض کی تفسیر واقعہ ہیں یہ نہیں[۲۱۴] کہ وہ اپنی تفسیر میں بھی حدیثوں کا محتاج ہے۔ بلکہ صرف ایسے امور جو سلسلہ تعامل کے محتاج[۲۱۵] تھے وہ اس سلسلہ کے حوالہ کر دیئے گئے ہیں اور ماسواء ان کے جس قدر امور ہیں ان کی تفسیر بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ ہاں! باوجود اس تفسیر کی حدیثوں کے رو سے بھی عوام کے سمجھانے[۲۱۶] کے لئے جو لایمسہ کے گروہ میں داخل ہیں۔ زیادہ تر وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے لیکن جو اس امت میں الا المطہرون کا گروہ ہے۔ وہ قرآن کریم کی تفسیروں[۲۱۷] سے کامل طور پر فائدہ حاصل کرتا ہے۔

لیکن اس امر کا زیادہ لکھنا چنداں ضروری[۲۱۸] نہیں۔ ضروری امر تو صرف اسی قدر ہے کہ ہریک حدیث مخالف ہونے کی حالت[۲۱۹] میں قرآن کریم پر پیش کرنی چاہئے۔ چنانچہ یہ امر

ایک مشکوٰۃ کی حدیث سے بھی حسب منشاء ہمارے بخوبی طے ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے: ’’عن الحارث الاعور قال مررت فی المسجد فاذ الناس یخوضون فی الاحادیث فدخلت علٰی علی رضی اللہ عنہ فاخبرته فقال اوقد فعلوها قلت نعم قال اما انی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الانها ستکون فتنة بناء قلت ما المخرج منها یا رسول اللہ ﷺ قال کتاب اللہ فیه ما قبلکم وخبرما بعدکم وحکم بینکم هو الفصل لیس بالهزل من ترکه من جبار قصمه اللہ ومن ابتغی الهدیٰ فی غیره اضله اللہ وهو حبل اللہ المتین. من قال به صدق ومن عمل به اجرو من حکم به عدل ومن دعا الیه هدیٰ الٰی صراط المستقیم‘‘

یعنی[۲۲۰] روایت ہے حارث اعور سے کہ میں مسجد میں جہاں لوگ بیٹھے تھے اور حدیثوں[۲۲۱] میں خوض کر رہے تھے گزرا۔ سو میں نے بات دیکھ کر کہ لوگ قرآن کو چھوڑ کر دوسری[۲۲۲] حدیثوں میں کیوں لگ گئے۔ علی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور اس کو جا کر بھی خبر دی۔ علی رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا کہ کیا سچ مچ لوگ احادیث[۲۲۳] کی خوض میں مشغول ہیں اور قرآن کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ میں نے کہا ہاں۔ تب علی رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا کہ یقیناً سمجھ کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ عنقریب ایک فتنہ ہوگا یعنی دینی امور میں لوگوں کو غلطیاں لگیں گی اور اختلاف میں پڑیں گے اور کچھ کا کچھ سمجھ بیٹھیں گے۔ تب میں نے عرض کیا کہ اس فتنہ سے کیونکر رہائی ہو گی۔ تب آپ نے فرمایا کہ کتاب اللہ کے ذریعہ سے رہائی ہوگی۔ اس میں تم سے پہلوں کی خبر موجود ہے اور آنے والے لوگوں کی بھی خبر ہے اور جو تم میں تنازعات پیدا ہوں ان کا ان میں فیصلہ موجود ہے۔ وہ قول فصل ہے۔ ہزل نہیں جو شخص اس کو جباروں میں سے ترک کرے گا۔ خدا تعالیٰ اس کو ہلاک کرے گا اور جو شخص اس کے غیر میں ہدایت ڈھونڈے گا اور اس کو حکم نہیں بنائے گا۔ خدا تعالیٰ اس کو گمراہ کر دے گا۔ وہ حبل اللہ المتین ہے۔ جس نے اس کے حوالہ سے کوئی بات کہی اس نے سچ کہا اور جس نے اس پر عمل کیا وہ ماجور ہے اور جس نے اس کے رو سے حکم کیا اس نے عدالت کی اور جس نے اس کی طرف بلایا اس نے راہ راست کی طرف بلایا۔ (رواہ الترمذی والدارمی)

اب ظاہر ہے کہ اس حدیث میں صاف اور صریح طور پر خبر دی گئی ہے کہ اس امت میں فتنہ ہو جائے گا اور لوگ طرح طرح کے مذاہب نکال لیں گے اور انواع اقسام اختلافات

اس امت میں باہم پڑ جائیں گے۔ تب اس فتنہ سے مخلصی پانے کے لئے قرآن کریم ہی وسیلہ ہوگا جو شخص اس کو محک اور معیار اور میزان قرار دے گا۔ وہ بچ جائے گا اور جو شخص اس کو محک قرار نہیں دے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

اب ناظرین انصاف فرماویں۔ کیا یہ حدیث بآواز بلند نہیں پکارتی کہ احادیث[۲۲۴] وغیرہ میں جس قدر اختلافات باہمی پائے جاتے ہیں ان کا تصفیہ قرآن کریم کے رو سے کرنا چاہئے۔ ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ اسلام میں تہتر فرقہ ہوگئے ہیں۔ ہر ایک اپنی طرز کی حدیثیں پیش کرتا ہے اور دوسرے کی حدیثوں کو ضعیف یا موضوع[۲۲۵] قرار دیتا ہے۔ چنانچہ دیکھنا چاہئے کہ خود حنفیوں کے بخاری ومسلم کی تحقیق احادیث پر کس قدر اعتراض[۲۲۶] ہیں تو اس حالت میں کون فیصلہ کرے۔ آخر قرآن کریم ہی ہے کہ اس گرداب سے اپنے مخلص بندوں کو بچاتا ہے اور اسی عروہ وثقیٰ کے (پناہ) سے اس کے سچے طالب ہلاک ہونے سے بچ جاتے ہیں۔

اور آپ نے جو یہ دریافت فرمایا ہے کہ اس مذہب میں تمہارا کوئی دوسرا ہم خیال بھی ہے تو اس میں یہ عرض ہے کہ تمام لوگ[۲۲۷] جو اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ قرآن کریم درحقیقت حکم اور رہنما اور امام اور مہیمن اور فرقان اور میزان ہے۔ وہ سب میرے ساتھ شریک ہیں۔ اگر آپ قرآن کریم کی ان عظمتوں پر ایمان لاتے ہیں تو آپ بھی شریک ہیں اور جن[۲۲۸] لوگوں نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک فتنہ واقع ہونے والا ہے۔ اس سے خروج بجز ذریعہ قرآن کریم ممکن نہیں۔ وہ لوگ بھی میرے ساتھ شریک ہیں اور عمر[۲۲۹] فاروق جس سے کہا تھا: ''**حسبنا کتاب اللّٰہ**'' وہ بھی میرے ساتھ شریک ہیں اور دوسرے بہت سے اکابر ہیں جن کے ذکر کرنے کے لئے ایک دفتر چاہئے۔ صرف نمونہ کے طور پر لکھتا ہوں۔

تفسیر حسینی[۲۳۰] میں زیر تفسیر آیت: ''**واقیمو الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین**'' لکھا ہے کہ کتاب میں شیخ محمد[۲۳۱] بن اسلم طوسی سے نقل کیا ہے کہ ایک حدیث مجھے پہنچی ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جو کچھ مجھ سے روایت کرو اس کو پہلے کتاب اللہ پر عرض کرلو۔ اگر وہ حدیث کتاب اللہ کے موافق ہو تو وہ حدیث میری طرف سے ہوگی ورنہ نہیں۔ سو میں اس حدیث کو کہ: ''**من ترک الصلوٰۃ متعمدا فقد کفر**'' قرآن سے مطابق کرنا چاہا اور تیس سال اس بارے میں فکر کرتا رہا تو مجھے یہ آیۃ ملی: ''**واقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا**

من المشرکین ’’اب چونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ پہلوں میں سے کسی ایک کا تو نام لو جو قرآن کریم کو محک ٹھہراتا ہے۔ سو میں نے بحوالہ مذکورہ بالا ثابت[۲۳۲] کر دیا تو اب آپ کو ضد[۲۳۳] چھوڑ کر مان لینا چاہئے۔

اور صاف ظاہر ہے کہ چونکہ وہ تمام حدیثیں جو سلسلہ تعامل کی تقویت یاب نہیں صرف ظن یا شک[۲۳۴] کے درجہ پر ہیں۔ فن حدیث کی تحقیقاتیں ان کو ثبوت کامل کے درجہ تک نہیں[۲۳۵] پہنچا سکیں۔ اس صورت میں اس محک مقدس سے ان کی تصحیح کے لئے مدد نہ لیں تو گویا ہم ہرگز نہیں چاہتے کہ وہ حدیثیں صحت کاملہ کے درجہ تک پہنچ سکیں۔

میں متعجب ہوں کہ آپ اس بات کے ماننے سے کیوں اور کسی وجہ سے رکتے ہیں کہ قرآن کریم ایسی احادیث کے لئے محک و معیار ٹھہرایا جائے۔ کیا آپ قرآن کریم کی ان خوبیوں کے بارے میں کہ وہ محک اور معیار اور میزان ہے کچھ شک[۲۳۶] میں ہیں۔

آپ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ بخاری ومسلم کے صحیح ہونے پر اجماع ہو چکا ہے۔ اب ان کو بہرحال آنکھیں بند کر کے صحیح مان لینا چاہئے۔ لیکن میں سمجھ نہیں سکتا کہ یہ اجماع کن لوگوں نے کیا ہے اور کس وجہ سے واجب[۲۳۷] العمل ہو گیا ہے۔

دنیا میں حنفی لوگ پندرہ کروڑ کے قریب ہیں۔ وہ اس اجماع سے منکر ہیں۔ ماسواء اس کے آپ صاحبان بھی فرمایا کرتے ہیں کہ حدیث کو بشرط صحت ماننا چاہئے اور قرآن کریم بغیر شرط کے ایمان لانا فرض ہے۔ اب اگرچہ اس بات پر تو ہمارا ایمان ہے کہ جو حدیث ثابت ہو جائے وہ واجب العمل ہے۔ لیکن اس بات پر ہم کیونکر ایمان لے آویں کہ ہر ایک حدیث بخاری[۲۳۸] ومسلم کی بغیر کسی شک وشبہ کے واجب[۲۳۹] العمل ماننی چاہئے۔ یہ وجوب کس سند شرعی یا نص صریح سے پیدا ہوتا ہے۔ کچھ بیان تو کیا ہوتا۔

تفسیر فتح العزیز میں زیر تفسیر آیۃ: ’’فلا تجعلوا للہ اندادا فانتم تعلمون‘‘ کے لکھا ہے کہ چنانچہ عبادت غیر خدا مطلق شرک وکفر است اطاعت غیر او تعالیٰ نیز بالاستقلال کفر است[۲۴۰] ومعنی اطاعت غیر بالاستقلال آنست کہ ربقہ تقلید او در گردن اندازند وتقلید او لازم شمارو باوجود ظہور مخالفت حکم او بحکم او تعالیٰ!

اور مولوی عبداللہ صاحب غزنوی مرحوم بھی اپنے ایک خط[۲۴۱] میں جو آپ ہی کے نام ہے جو لاہور کی گول سڑک کے باغ میں آپ نے مجھے دیا تھا۔ قرآن کریم کی نسبت چند

سطریں اسی امر کی تائید میں لکھتے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ فقیر را از ابتداء حال میلان بکلام رب عزیز بود و دعا کردم کہ یا الہ العالمین دروازہ ہائے کلام خود برین عاجز باز کنید۔ سالہا شد ومصیبت بسیار رشد تا بحدے کہ ہر جا کہ میرفتم بلوا میشد و دل تنگ شد ناگاہ الفاظ ''قد نری تقلب وجھک فی السماء فلنولینک قبلۃ ترضاھا'' بعد ازاں رو بقرآن وآیاتیکہ درباب بوجہ بقرآن بود القاے شد مانند: ''اتبعوا لما انزل الیکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء'' وامثال آن تا بحدے کہ یک روز دیدم کہ قرآن مجید پیش رویم نہادہ والقاء شد ''ھذا کتابی وھذا عبادی فاقرء کتابی علیٰ عبادی'' پس یہ آیت کہ مولوی صاحب اپنے القاء کی رو سے ذکر فرماتے ہیں کہ: ''اتبعوا ما انزل الیکم'' کیسے فیصلہ کرنے والی آیت ہے۔ جس سے صریح اور صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اوّل توجہ مؤمن کی قرآن کریم کی طرف ہونی چاہئے۔ پھر اگر اس توجہ کے بعد کسی حدیث[۲۴۲] یا قول کو من[۲۴۳] دونہ میں داخل دیکھے تو اس سے منہ پھیر لیوے۔

پھر آپ مجھ سے دریافت فرماتے ہیں بلکہ مجھے الزام دیتے ہیں کہ میں نے مسلم کی حدیث کو اس وجہ سے ضعیف ٹھہرایا ہے کہ بخاری نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ اس کے جواب میں میری طرف سے یہ عرض[۲۴۴] ہے کہ موضوع ہونا کسی حدیث کا اور بات ہے اور اس کا ضعیف ہونا اور بات اور چونکہ دمشقی حدیث ایک ایسی حدیث ہے جو اس کے مقابلہ کی حدیثیں بخاری نے اپنی کتاب میں لکھی ہیں۔ مگر اس طوالانی حدیث کو چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے بوجہ تعلقات خاصہ اس حدیث کے جو دوسرے حدیثوں سے ہیں۔ یہ شک ہرگز نہیں ہوسکتا کہ بخاری صاحب اس حدیث کے مضمون سے بے خبر رہے ہیں بلکہ ذہن اس بات کی طرف انتقال کرتا ہے کہ انہوں نے اپنی رائے میں اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ سو یہ میری طرف سے ایک اجتہادی امر ہے اور میں ایسا ہی سمجھتا ہوں۔ اس کو موضوع ہونے سے کچھ تعلق نہیں اور یہ بحث اصلی مبحث سے خارج ہے۔ اس لئے میں اس میں طول دینا نہیں چاہتا۔ آپ کا اختیار ہے جو چاہیں رائے قائم کریں۔ پرکھنے والے خود میری اور آپ کی رائے میں فیصلہ کرلیں گے۔ میرے پر اس امر کا کوئی الزام عائد نہیں ہوسکتا۔

اور پھر آپ نے ازالہ اوہام کے ص ۲۲۶ کا حوالہ دے کر ناحق ایک طول اپنے کلام کو دیا ہے۔ میری اس تمام کلام کا ہرگز یہ مطلب[۲۴۵] نہیں ہے کہ میں نے فیصلہ کے طور پر کسی

حدیث مسلم یا بخاری کو موضوع قرار دے دیا ہے بلکہ میرا مطلب صرف تناقض کو ظاہر کرنا ہے اور یہ دکھلانا ہے کہ اگر تناقض کو دور نہ کیا جائے تو پھر دونوں طور کی حدیثوں میں سے ایک کو موضوع ماننا پڑے گا۔ سو میرے اس بیان میں فیصلہ کے طور پر کوئی حکم قطعی نہیں کہ درحقیقت بلاریب فلاں ذریعہ موضوع ہے بلکہ میرا تو ابتداء سے مذہب بھی ہے کہ اگر حدیث کی قرآن کریم سے کسی طور سے تطبیق نہ ہو سکے تو وہی حدیث موضوع ٹھہرے گی یا وہ حدیثیں جو سلسلہ تعامل کے متواترہ حدیثوں سے یا جو ایسی حدیثوں سے مخالف ہوں جو کمی اور کیفی طور پر اپنے ساتھ کثرت اور قوت رکھتی ہیں وہ موضوع ماننی پڑے گی۔ اگر میں کسی حدیث کو مخالف قرآن ٹھہراؤں اور آپ اس کو موافق قرآن کر کے دکھلا دیں تو میں اگر فرض کے طور پر اس کو موضوع بھی قرار دوں تب میں عندالتطابق اپنے مذہب سے رجوع کرلوں گا۔

میری غرض تو صرف اسی قدر ہے کہ حدیث کا قرآن کریم سے مطابق ہونا چاہئے۔ ہاں! اگر سلسلہ تعامل[۲۴۶] کی رو سے کسی حدیث کا مضمون قرآن کے کسی خاص حکم سے بظاہر[۲۴۷] منافی معلوم ہو تو اس کو بھی تسلیم کرسکتا ہوں۔ کیونکہ سلسلہ تعامل حجت قوی ہے۔ میرے نزدیک بہتر ہے کہ آپ ان باتوں کے ذکر کو جانے دیں اور اس ضروری بات پر توجہ کریں کہ کیا ایسی حالت میں جب کہ ایک حدیث صریح قرآن کریم کے مخالف معلوم ہو اور سلسلہ تعامل سے باہر تو اس وقت کیا کرنا چاہئے۔ میں آپ پر اپنا اعتقاد بار بار ظاہر کرتا ہوں کہ میں صحیح بخاری اور مسلم کی حدیثوں کو یوں ہی بلاوجہ ضعیف اور موضوع قرار نہیں دے سکتا۔ بلکہ میرا ان کی نسبت حسن ظن ہے۔ ہاں! جو حدیث قرآن کریم کی مخالف معلوم ہو اور کسی طرح اس سے مطابق نہ کھا سکے میں اس کو ہرگز منجانب رسول کریم یقین نہیں کروں گا جب تک کوئی مجھ کو مدلل طور پر سمجھا نہ دیوے کہ درحقیقت کوئی مخالفت نہیں۔

ہاں! سلسلہ تعامل کی حدیثیں[۲۴۸] اس سے مستثنیٰ ہیں۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کو حدیث کا معیار صحت ٹھہرانے میں کوئی علماء میں، سلف میں سے تمہارے ساتھ نہیں۔ حضرت میں تو حوالہ دے چکا اب ماننا نہ ماننا آپ کے اختیار میں ہے۔ پھر آپ مجھ سے اجماع کی تعریف پوچھتے[۲۴۹] ہیں۔ میں آپ پر ظاہر کرتا ہوں کہ میرے نزدیک اجماع کا لفظ اس حالت پر صادق ہوسکتا ہے کہ جب صحابہ میں سے مشاہیر صحابہ ایک اپنی رائے کو شائع کریں اور دوسرے باوجود سننے اس رائے کی مخالفت ظاہر نہ فرماویں تو بھی اجماع ہے۔ اس میں کچھ

شک نہیں کہ ایسے صحابہ نے جو امیر المؤمنین تھے۔

ابن صیاد کے دجال معہود ہونے کی نسبت قسم کھا کر آنحضرتﷺ کے روبرو اپنی رائے ظاہر کی اور آنحضرتﷺ نے اس سے انکار نہیں کیا اور نہ کسی صحابی نے اور پھر اسی امر کے بارے میں ابن عمر نے بھی قسم کھائی اور جابرؓ نے بھی اور کئی اور صحابیوں نے بھی رائے ظاہر کی تو ظاہر ہے کہ یہ امر باقی صحابی سے پوشیدہ نہیں رہا ہوگا۔ سو میرے نزدیک بھی اجماع ہے اور کون سی اجماع کی تعریف مجھ سے آپ دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کے نزدیک یہ اجماع نہیں تو آپ جس قدر ابن صیاد کے دجال معہود ہونے پر صحابہ نے قسمیں کھا کر اس کا دجال معہود ہونا بیان کیا ہے یا بغیر قسم کے اس بارے میں شہادت دی ہے۔ دونوں قسم کی شہادتیں بالمقابل پیش کریں اور اگر آپ پیش نہ کرسکیں تو آپ پر من کل الوجوہ ثابت ہے کہ ضرور اجماع ہوگیا تھا۔ کیونکہ اگر انکار پر قسمیں کھائی جاتیں تو ضرور وہ بھی نقل کی جاتیں۔ آنحضرتﷺ کا قسم کا سن کر چپ رہنا ہزار اجماع سے افضل ہے اور تمام صحابہ کی شہادت سے کامل تر شہادت ہے۔ پھر اگر یہ چھیڑ چھاڑ فضول نہیں تو اور کیا ہے۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ ابن صیاد کے دجال ہونے پر کب آنحضرتﷺ نے اپنی زبان سے اپنا ڈرنا ظاہر فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تمام باتیں تصریح سے ہی ثابت نہیں ہوتیں۔ اشارہ سے بھی ثابت[۲۵۰] ہو جاتی ہیں۔

جس حالت میں صحابی کا یہ قول ہے کہ جس وقت تک آنحضرتﷺ بعد دیکھنے ابن صیاد کے زندہ رہے۔ اس بات سے ڈرتے رہے کہ وہی دجال معہود ہوگا۔ جب کہ ''لم یزل'' کے لفظ سے ظاہر ہے۔ اس صورت میں کوئی دانا خیال کرسکتا ہے کہ اس طول طویل مدت کا ڈر ایک احتمالی بات تھی اور اس لمبی مدت میں کبھی آنحضرتﷺ نے اپنے منہ سے نہیں فرمایا تھا۔ جس حالت میں آنحضرتﷺ آپ فرماتے ہیں کہ ہر ایک نبی دجال سے ڈراتا رہا ہے اور میں بھی ڈراتا ہوں تو اس صورت میں کیونکر سمجھ آسکتا ہے کہ جو ڈر[۲۵۱] آنحضرتﷺ کے دل میں مخفی تھا وہ کبھی اس مدت میں کسی صحابی پر ظاہر نہیں کیا۔ ماسوا اس کے جب ایک آدمی قال سے ایک بات بیان کر کے اس کا قائل ٹھہرتا ہے۔ ایسا ہی اپنے اشارات اور ایمائات اور حالات سے اس کو ادا کر کے اس کا قابل قرار[۲۵۲] پاتا ہے۔ سو یہ کون سی بڑی بات ہے جس کی وجہ سے آپ مجھ کو مفتری قرار دیتے ہیں۔ آپ کو ڈرانا چاہئے انسان

جو بے وجہ اپنے بھائی کی نسبت تجویز کرتا ہے وہ خدا تعالیٰ کی جناب میں اس لائق ہو جاتا ہے کہ کوئی دوسرا وہی تہمت اس پر کرے۔

خدا تعالیٰ خوب جانتا[۲۵۳] ہے کہ مجھ کو پختہ طور پر اس بات پر یقین ہے کہ اگر ''لم یزل'' کا لفظ حدیث میں صحیح اور مطابق واقعہ ہے تو اس کا مصداق مجرد نگرانی حالات ہرگز نہیں ٹھہر سکتا۔ مثلاً[۲۵۴] اگر کوئی شخص کہے کہ میں زید کو دس برس سے برابر دیکھتا ہوں کہ وہ دہلی میں جانے کا ہمیشہ ارادہ رکھتا ہے تو کیا اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ زید نے کبھی زبان سے مدت دس برس میں دہلی جانے کا ارادہ ظاہر نہیں کیا اور بفرض محال اگر یہ احتمالی امر ہے تو جیسا احتمال اس بات کا ہے کہ زبان سے کچھ نہ کہا ہو۔ یہ احتمال[۲۵۵] ہی تو ہے کہ زبان سے کہا ہو۔ لیکن ''لم یزل'' کا لفظ احتمال کے امر کو دور کرتا ہے۔ ایک مدت تک کسی امر کی نسبت حالت بتائے رکھنا جس کا ادا کرنا زبان کا کام ہے۔ صریح اس بات پر قوی قرینہ ہے کہ اتنی لمبی مدت میں کبھی تو زبان سے بھی کام لیا ہوگا۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ تمہارا یہ کہنا کہ اگر آپ ابن عربی کے مخالف تھے تو کیوں ناحق اس کا ذکر کیا، باطل ہے۔ کیونکہ میری کلام کے صریح منطوق سے مخالف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کے کلام کا آپ کے ابتدائی بیان میں یہ صریح منطوق بھی پایا جاتا ہے کہ آپ ابن عربی کے مؤید[۲۵۶] ہیں۔ اگر آپ مؤید نہیں تو آپ نے صحیح بخاری کی حدیث کیوں[۲۵۷] نقل کی ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ محدث بھی نبی کی طرح مرسل ہے اور آپ نے کیوں محمد اسماعیل[۲۵۸] صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ محدث کی وحی نبی کی طرح دخل شیطان سے منزہ کی جاتی ہے۔ اگر آپ بخاری کی حدیث کو نہیں مانتے تو گزشتہ را صلوٰۃ ابھی اقرار کردیں کہ میں محدث کی وحی کو دخل شیطان سے منزہ ہونے والی نہیں سمجھتا۔ تعجب ایک طرف تو آپ بخاری بخاری کرتے ہیں اور ایک طرف اس کے برخلاف چلتے ہیں۔ پھر جب کہ آپ کا بخاری پر ایمان ہے کہ اس کی سب حدیثیں صحیح ہیں تو اس صورت میں تو آپ کو ابن عربی سے اتفاق کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اگر کسی محدث پر یہ کھل جائے کہ فلاں حدیث موضوع ہے اور وہ بار بار کی وحی سے اس پر قائم کیا جائے تو کیا آپ حسب منشاء بخاری یہ اعتقاد نہیں کریں گے کہ محدث کو وہ حدیث موضوع مان لینی چاہئے۔ پھر جب کہ آپ کا یہ اعتقاد ہے تو میں نے آپ پر کیا افتراء کیا۔

حضرت مولوی صاحب آپ ایسے الفاظ کو کیوں استعمال کرتے ہیں۔ ’’اتقوا اللہ‘‘ کے مضمون کو کیوں اپنے دل میں قائم نہیں کرتے۔ مفتری ملعون اور دین سے خارج ہوتے ہیں۔ اجتہادی[۲۵۹] طور پر کسی بات کو کسی نہج سے گو غلط ہی سہی سمجھ لینا اور چیز ہے اور عمداً ایک واقعہ معلومۃ الحقیقت کے برخلاف لکھنا یہ امر اور ہے۔

آپ کے خلاصہ سوال کی نسبت میرا یہی بیان ہے کہ میں اس طرح سے کہ جیسے حنفی لوگ امام اعظم صاحب پر محض تقلید کے طور پر ایمان رکھتے ہیں۔ بخاری ومسلم پر ایمان نہیں رکھتا۔ ان کی صحت کو ظن[۲۶۰] کے طور پر مانتا ہوں اور ’’الغیب عنداللہ‘‘ کہتا ہوں۔ مجھے ان کے بارے میں رویت کی مانند علم نہیں ہے۔ اگر کسی حدیث کو مخالف کتاب اللہ پاؤں گا تو بغیر تطبیق اور فیصلہ کے ہرگز اس کو قول رسول کریم[۲۶۱] نہیں سمجھوں گا۔ گو حدیث صحیح میرا مذہب ہے اور قرآن کی معیار ٹھہرانے میں پہلے عرض کر آیا ہوں اور سب کچھ بیان کر چکا ہوں۔ حاجت اعادہ[۲۶۲] نہیں ہے۔ فقط!

خاکسار: غلام احمد، ۲۱؍جولائی ۱۸۹۱ء

تحریر نمبر ہشتم از جانب خاکسار:

افسوس! آپ نے پھر بھی میرے اصل سوال کا جواب صاف اور قطعی نہ دیا اور نہ فرمایا کہ صحیح بخاری ومسلم کی احادیث جملہ صحیح ہیں یا جملہ موضوع یا مختلط یعنی بعض صحیح ہیں، بعض موضوع۔ باوجودیکہ میرا سوال آپ نے شروع تحریر میں نقل کر دیا۔ جس سے یہ گمان کہ آپ نے مطلب سوال نہ سمجھا ہو رفع ہوگیا۔ ہر چند آپ نے یہ بات تصریح کہہ دی ہے کہ اگر میں کسی حدیث صحیح بخاری[۲۶۳] ومسلم کو کتاب اللہ کے موافق نہ پاؤں گا تو اس کو موضوع قرار دوں گا۔ کلام رسول اللہ ﷺ نہ سمجھوں گا اور اپنے پرچہ نمبر۴ میں آپ صاف کہہ چکے ہیں کہ: ’’ان کتابوں کے وہ مقامات جن میں تعارض ہے تحریف سے خالی نہیں۔‘‘ مگر اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ایسی کوئی حدیث ہے یا نہیں جس کو آپ اس اصول کی شہادت سے موضوع قرار دیتے ہیں اور طرفہ یہ کہ ان مقامات ازالۃ الاوہام میں جو میرے پرچہ نمبری (۷) میں منقول ہوئے ہیں، آپ صحیحین کی بعض احادیث کو موضوع قرار دے چکے ہیں۔ مگر اب پرچہ نمبر۷ میں اس سے انکار کرتے اور یہ فرماتے ہیں کہ: ’’جو کچھ میں نے وہاں کہا ہے شرطیہ طور پر کہا ہے کہ بشرط تعارض وعدم موافقت ومطابقت وہ احادیث موضوع ہیں۔ میرا وہ قطعی فیصلہ نہیں ہے۔‘‘

باوجود یکہ ان مقامات میں آپ نے یہ شرط نہیں لگائی بلکہ ان احادیث کا باہم تعارض خوب زور سے ثابت کیا اور پھران کو موضوع قرار دیا ہے۔ آپ کے میرے اصل سوال کا جواب نہ دینے اور ازالۃ الاوہام کی تصریحات مذکورہ پرچہ نمبر۷ سے انکار کر جانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ اس سوال کے دونوں شق جواب میں پھنستے ہیں اور کوئی شق قطعی طور پر اختیار نہیں کر سکتے۔ اگر آپ یہ شق جواب اختیار کریں کہ وہ احادیث سب کی سب صحیح ہیں تو اس سے آپ پر سخت مصیبت عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ صحیح بخاری وصحیح مسلم کی احادیث آپ کے عقائد متحدثہ جدیدہ کے صریح خلاف ہیں۔ ان احادیث کو صحیح مان کر آپ کا کوئی عقیدہ جدیدہ قائم وثابت نہیں رہ سکتا۔ اس وجہ سے آپ نے یہ مذہب اختیار کیا ہے کہ احادیث صحیحین کو بلاوقفہ ونظر صحیح تسلیم کرنا اندھاپن اور تقلید بلادلیل ہے اور اگر آپ یہ شق جواب اختیار کریں کہ احادیث صحیحین سب کی سب موضوع یا ازاں جملہ بعض صحیح اور بعض موضوع ہیں تو اس سے عام اہل اسلام اور خصوصاً اہل حدیث جن کے بعض عوام آپ کے پنجہ یا دام میں پھنس گئے ہیں۔ آپ سے بے اعتقاد ہوتے ہیں اور کفر یا فسق اور بدعت کا فتویٰ لگانے کو تیار ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ میرے سوال کا صاف اور قطعی جواب نہیں دیتے۔ صرف شرطی طور پر کہتے ہیں کہ اگر کتاب بخاری ومسلم ان کی احادیث کو موافق قرآن نہ پاؤں گا تو میں ان کو موضوع قرار دوں گا۔ ورنہ مجھے بخاری ومسلم سے حسن ظن ہے۔ میں خواہ مخواہ یعنی قبل از وقت وبلاضرورت ان کی احادیث کو موضوع قرار دینا ضروری نہیں سمجھتا۔ ضرورت ہوگی یعنی قرآن سے ان کی موافقت نہ ہوسکی تو موضوع قرار دوں گا۔

ہرچند آپ کے اس شرطی جواب پر پھر مجھے حق واختیار ہے کہ میں آپ سے اس سوال کے جواب کا مطالبہ کروں لیکن اب میری یہ امید کہ آپ میرے سوال کا جواب دیں گے۔ قطع ہوگئی ہے اور میں یہ بھی جان چکا ہوں کہ میرے اس مطالبہ پر بھی آپ ۲۶ صفحہ یا اس سے دو چند ۵۲ صفحہ میں ایسی ہی لایعنی اور فضول باتوں کا اعادہ کریں گے جو اس وقت تک مکرر سہ کرر تحریر کر چکے ہیں۔ جن سے آپ کا تو یہ فائدہ ہے کہ آپ کے مرید حاضر مجلس یہ کہیں گے اور کہہ رہے ہیں کہ سبحان اللہ! ہمارے حضرت مسیح اقدس کس قدر طولانی تحریرات کرتے ہیں اور کتنے صفحہ کاغذات پر کرتے ہیں اور بیسیوں آیات قرآن تحریر فرماتے جاتے ہیں اور یہی فائدہ اس تحریر سے آپ کو پیش نظر ہے۔ مگر میرے اوقات کا کمال حرج ہے۔ مجھے اس بحث کے علاوہ

اور بھی بہت سے اہم کام دامن گیر ہیں۔ لہٰذا اب میں آپ سے اس سوال کے جواب کا مطالبہ نہیں کرتا اور ناظرین وسامعین کو آپ کی طولانی تحریرات کے وہ نتائج بتانا چاہتا ہوں جن نتائج کے جتانے کی غرض سے میں اب تک آپ کے جواب پر نکتہ چینیاں کرتا رہا ہوں۔

میرا یہ مقصود نہ ہوتا تو جو بات میں آپ کے پرچہ نمبر۳ کے جواب میں لکھ چکا تھا کہ آپ نے قبولیت حدیث کی شرط بتائی ہے۔ مگر یہ ظاہر نہیں کیا کہ یہ شرط احادیث صحیحین میں پائی جاتی ہے یا نہیں۔ وبناءً علیہ وہ احادیث صحیح ہیں یا نہیں۔ اسی پر اکتفاء کرتا اور اسی کے جواب دینے پر آپ کو مجبور کرتا اور دوسری کوئی بات آپ کی نہ سنتا۔ کیونکہ ہر شخص جس کو فن مناظرہ سے ادنیٰ مس ہو یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ جب کوئی اپنے مناظر ومخاطب سے اصول تسلیم کرانا چاہے۔ وبناءً علیہ کوئی اصول پیش کر کے اس سے دریافت کرے کہ آپ اس اصول کو مانتے ہیں یا نہیں تو اس کے مخاطب کا فرض صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کو تسلیم کرے یا اس سے انکار کرے اس سے زیادہ کسی اصول کی تسلیم یا عدم تسلیم کی وجہ بیان کرنا اس کا فرض نہیں ہوتا۔ یہ اس صورت میں اور اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس کا مقابل صاحب تمہید اس کی تسلیم یا عدم تسلیم کے خلاف کا مدعی ہو اور اپنے عمدہ اصول پر دلائل قائم کرے۔

آپ نے میرے اصول کی نسبت تسلیم یا عدم تسلیم تو قطعی طور پر ظاہر نہیں کی۔ مگر ان اصول کا خلاف ثابت کرنے پر مستعد ہو گئے۔ سو بھی ایسے طور پر کہ اصل سوال سے غیر متعلق ساری باتوں میں خامہ فرسائی شروع کر دی۔ اس صورت میں مجھ پر لازم نہ تھا کہ میں آپ کی کسی بات کا جواب دیتا یا اس پر کوئی سوال کرتا۔ مگر اسی غرض سے اب تک آپ کے جوابات کے متعلق خدشے وسوالات کرتا رہا ہوں کہ آپ کی کلام سے وہ نتائج پیدا ہوں جن کو میں عام اہل اسلام پر ظاہر کرنا چاہتا ہوں۔ اس غرض سے میں اب آپ کی تحریرات حال وسابقہ پر تفصیلی نکتہ چینی کرتا ہوں۔ جس کا وعدہ اپنی تحریرات سابقہ میں دے چکا ہوں۔ اس نکتہ چینی میں بالاستقلال تو آپ کا پرچہ نمبر ۷ نشانہ ہوگا۔ مگر اس کے ضمن میں آپ کی جملہ تحریرات سابقہ کا جواب آجائے گا۔ بحول اللہ وقوۃ!

آپ لکھتے ہیں کہ احادیث کے دو حصے ہیں۔ اوّل وہ حصہ جو تعامل میں آچکا ہے۔ اس میں تمام ضروریات دین اور عبادات اور معاملات اور احکام شرع داخل ہیں۔ یہ حصہ بلاشبہ صحیح ہے مگر اس کی صحت نہ روایت کی مدد سے ہے بلکہ تعامل کے ذریعہ سے۔ دوسرا وہ

حصہ جس پر تعامل نہیں پایا گیا۔ یہ حصہ یقیناً صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا مدار صرف اصول روایت پر ہے اور اصول روایت سے صحت کا ثبوت اور کامل اطمینان نہیں ہوسکتا۔ ہاں! اس حصہ کی قرآن کریم سے موافقت ثابت ہو تو یہ بھی یقیناً صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

اس قول سے ثابت ہے اور یہی جتانا اس وقت مدنظر ہے کہ آپ فن حدیث اور اصول روایت اور قوانین درایت سے محض ناواقف ہیں اور مسائل اسلامیہ سے ناآشنا۔ آپ یہ نہیں جانتے کہ ضروریات دین اصطلاح علماء اسلام میں کس کو کہتے ہیں اور تعامل کی کیا حقیقت ہے اور وہ جملہ احادیث معاملات واحکام سے متعلق کیونکر ہوسکتا ہے اور اہل اسلام کے نزدیک اصول تصحیح روایت کیا ہیں۔ خاکسار ہر ایک امر سے آپ کو اور دیگر ناواقف ناظرین کو مطلع کر کے یہ جتانا چاہتا ہے کہ جو کچھ آپ نے کہا ہے وہ ناواقفی پر مبنی ہے اور وہ میرے سوال کا جواب نہیں ہوسکتا۔

پس واضح ہو کہ ضروریات دین وہ کہلاتے ہیں جو دین سے ضرورۃً یعنی بداہۃً اور بلانظر وفکر معلوم ہوں۔ نہ وہ امور جن کی طرف دین کی ضرورت یعنی حاجت متعلق ہو۔ ضرورت سے مراد امور متعلقہ حاجت ہوں تو اس سے آنحضرت ﷺ کی کوئی حدیث خارج ومستثنیٰ نہیں ہوتی۔ آنحضرت ﷺ نے جو کچھ دین میں فرمایا ہے وہ دینی حاجت وضرورت کے متعلق ہے۔ اس صورت میں دوسرا حصہ احادیث جس کو آپ یقیناً صحیح نہیں جانتے۔ ضروریات دین میں داخل ہو جاتا ہے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ ضروریات سے میری مراد وہی ہے جو تم نے بیان کی ہے تو پھر جملہ احکام معاملات وعقود کو ضروریات میں شامل کرنا غلط قرار پاتا ہے۔ احکام متعلقہ معاملات بلکہ عبادات جملہ ایسے نہیں جو بداہۃً دین سے ثابت ہوں۔

کسی حکم یا امر پر تعامل کی صورت یہ ہے کہ وہ حکم عام لوگوں کے عمل میں آجائے۔ اس کی مثال ہم احکام شرع سے صرف ان اتفاقی امور کو ٹھہرا سکتے ہیں جو جملہ اہل اسلام میں علیٰ سبیل الاشتراک عمل میں آگئے ہیں۔ جیسے نماز یا حج یا علوم کے اتفاقی ارکان بلالحاظ ان کے قیودات وخصوصیات کے کہ نماز رفع یدین والی ہو یا بلارفع اور اس میں ہاتھ سینہ پر باندھے جاویں یا زیر ناف یا ارسال ہو۔ وعلٰی ھذا القیاس! اور اگر ان کے قیود اور خصوصیات کا لحاظ کیا جائے تو ان پر تعامل کا ادّعاء محض غلط ہے۔

اور کوئی فریق یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ ہمارا طریق تعامل عام اہل اسلام سے ثابت ہے۔ ان امور پر تعامل عام ہوتا تو اس میں اختلاف ہرگز واقع نہ ہوتا جو آپ کے نزدیک وضع وعدم صحت کی دلیل ہے۔ لہٰذا آپ کا یہ کہنا کہ احادیث کا حصہ متعلقہ عبادات ومعاملات تعامل سے ثابت ہے۔ محض ناواقفی پر مبنی ہے اور اگر تعامل سے آپ کی مُراد[۲۶۴] خاص خاص فرقوں یا شہروں یا اشخاص کا تعامل ہے اور اس تعامل کو آپ قطعی صحت کی دلیل سمجھتے ہیں تو آپ پر سخت مصیبت پڑے گی۔ کیونکہ یہ تعامل ہر ایک قوم وشہر ومذہب کا باہم مختلف ہے۔ یہ موجب یقین ہوتو چاہئے کہ جملہ احادیث مختلفہ جن پر یہ تعامل ہائے خاص خاص پائے جاتے ہیں، یقینی اور صحیح ہوں اور یہ امر نہ صرف آپ کے مذہب کے بالکل مخالف ہے بلکہ حق اور نفس الامر کے بھی مخالف ہے۔

اصول تصحیح روایت محققین اہل اسلام کے نزدیک یہ نہیں جو آپ نے قرار دیا ہے کہ وہ توافق قرآن ہے یا تعامل امت بلکہ وہ اصول شروط صحت ہیں جن کا مدار چار امور ہیں۔ (۱) عدل، (۲) ضبط، (۳) عدم شذوذ، (۴) عدم علت۔ ان شروط میں جو آپ نے سلامت فہم راوی کو داخل کیا ہے یہ بھی آپ کی فنون حدیث سے ناواقفی پر دلیل ہے۔ فہم معانی ہر ایک حدیث کی روایت کے لئے شرط نہیں ہے بلکہ خاص کر اس حدیث کے لئے شرط ہے جس میں بالمعنی حکایت ہو اور جس حدیث کو راوی بعینہٖ الفاظ سے نقل کردے اور اس میں راوی کے فہم معانی کو کوئی شرط نہیں ٹھہراتا۔ کتب اصول حدیث شرح نخبہ وغیرہ ملاحظہ ہوں۔ اس کے جواب میں شاید آپ کہیں گے کہ احادیث سبھی بالمعنی روایت ہوتی ہے۔ جیسا کہ آپ کے مقتدا سید[۲۶۵] احمد خان نے (جن کی تقلید سے آپ نے قرآن کو معیار صحت احادیث ٹھہرایا ہے چنانچہ عنقریب ثابت[۲۶۶] ہوگا) کہا ہے تو آپ کو اس پر اہل اسلام جو فن حدیث سے واقف ہیں محض ناواقف کہیں گے۔

سلف نے احادیث نبویہ کو بعینہٖ الفاظ سے نقل کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض روایات میں شک راوی موجود ہے۔ اگر صحابہ وغیرہ رواۃ سلف میں حکایت بالمعنے کا رواج ہوتا تو دو ہم معنی لفظوں کو جیسے لفظ مومن ومسلم ہے، شک سے بلفظ مومن اور مسلم روایت نہ کیا جاتا۔ اس مسئلہ کی تحقیق کتب اصول فقہ واصول حدیث میں ہے اور ہماری تالیفات اشاعۃ السنۃ وغیرہ میں بھی ہے۔ آپ ان کو ملاحظہ فرماویں۔ آپ شروط صحت کی تحقیق وثبوت کو شکی فرماتے ہیں۔ وبناءً

علیہ صرف اصول روایت کو مثبت صحت قرار نہیں دیتے۔ یہ امر بھی فن حدیث سے آپ کی ناواقفی کا مثبت ہے۔ مہربان من شروط کے تحقیق وثبوت میں محدثین نے ایسی تحقیق کی ہے کہ اس سے علم طمانیت حاصل ہو جاتا ہے۔ محدثین نے ہرایک راوی کے تحقیق حال میں کہ وہ کب ہوا۔ کہاں کہاں سے سفر کر کے اس نے حدیث حاصل کی۔ کس کس سے حدیث سنی اور کس کس نے اس سے حدیث سنی۔ کون سی حدیث میں وہ متفرد رہا۔ کس حدیث میں اسے وہم ہو گیا ہے۔ کس شخص نے اس کی حدیث کو بلحاظ تحقیق شروط صحیح کہا کس نے ضعیف قرار دیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ! دفتروں کے دفتر لکھ دیئے۔ وبناءً علیہ ہرایک حدیث کی نسبت جس کو آئمہ محدثین خصوصاً امامین ہمامین بخاری ومسلم نے صحیح قرار دیا ہے اور عام اہل اسلام نے اس کو صحیح تسلیم کر لیا ہے ظن غالب صحت حاصل ہو جاتا ہے بلکہ ابن الصلاح وغیرہ ائمہ حدیث کے نزدیک صحیحین کی اتفاقی حدیث جس پر کسی نے کچھ کلام نہیں کیا مفید یقین ہے۔ آپ یقین کو مانیں خواہ نہ مانیں ظن غالب سے تو انکار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اپنی تحریرات میں اس کا اقرار کر چکے ہیں۔ اس پر جو آپ نے باستدلال آیت ’’**وان الظن لا یغنی من الحق شیئا**‘‘ اعتراض کیا ہے وہ بھی آپ کے اصول دین سے ناواقفی پر مبنی ہے۔ مہربان من! ظن غالب عملیات میں لائق اعتبار ہے اور قرآن مجید کی آیت مذکورہ اور دیگر آیات میں جہاں ظن کے اتباع سے ممانعت وارد ہے اس سے اعتقاد کے متعلق ظن مراد ہے۔ کیا آپ کو یہ مسائل معلوم نہیں یا کسی عالم سے نہیں سنے کہ اگر نماز میں بھول ہو جاوے کہ رکعت ایک پڑھی یا دو تو نمازی تحرّی کرے اور جو ظن غالب ہو اس پر عمل کرے یا اگر وضو کے ٹوٹ جانے میں شک واقع ہو تو ظن غالب پر عمل کرے۔ اسی وجہ سے جملہ علمائے اسلام کا حنفی ہیں یا شافعی، اہل حدیث خواہ اہل فقہ، اتفاق ہے کہ خبر واحد صحیح ہو تو واجب العمل ہے۔ حالانکہ خبر واحد ہرایک کے نزدیک موجب ظن ہے نہ مثبت یقین۔ اسی وجہ سے خاص کر صحیحین کی نسبت علمائے اسلام نے جن میں مقلد ومجتہد فقیہ ومحدث سب داخل ہیں اتفاق کیا ہے کہ صحیحین کی احادیث واجب العمل ہیں اور امام ابن الصلاح نے فرمایا ہے کہ ان کی اتفاقی حدیثیں موجب یقین ہیں۔ لہٰذا ان کے مضمون پر اعتقاد بھی ہے اور اکابر ائمہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی یہ قسم کھالے کہ جو احادیث صحیح میں ہیں وہ صحیح نہ ہوں تو اس کی عورت پر طلاق ہے تو اس کی عورت پر طلاق واقع نہیں ہوتی اور وہ اس قسم میں جھوٹا نہیں ہوتا۔

امام نووی نے شرح مسلم میں فرمایا ہے:''اتفق العلماء رحمهم الله تعالیٰ علیٰ ان اصح الکتب بعد القرآن العزیز الصیحان البخاری ومسلم وتلقتهما الامة بالقبول وکتاب البخاری اصحهما صحیحاً واکثرهما فوائد ومعارف ظاهرة وغامضة وقد صحّ ان مسلماً کان ممن یستفید من البخاری ویعترف بانه لیس له نظیر فی علم الحدیث وهذا الذی ذکرنا من ترجیح کتاب البخاری هو المذهب المختار والذی قاله الجماهیر واهل الاتقان والحذق والغوص علیٰ اسرار الحدیث (مقدمه شرح مسلم ص ۵) '' علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کے بعد تمام کتابوں سے صحیح تر صحیح بخاری ومسلم ہیں۔ان کتابوں کو امت محمدیہ نے قبول کرلیا ہے اوران دونوں میں سے صحیح بخاری زیادہ صحیح ہے اورفوائد ومعارف ظاہرہ اور پوشیدہ میں بڑھ کر ہے اور یہ بات صحت کو پہنچ چکی ہے کہ امام مسلم امام بخاری کا شاگرد ہے اوروہ معترف تھا کہ علم حدیث میں بخاری کا کوئی نظیر نہیں ہے۔ یہ بات جو ہم نے کہی ہے کہ بخاری کو مسلم پر ترجیح ہے یہی جمہور علماء کا جو حدیث کے خوب ماہر ہیں اوراس کی باریکیوں میں غوطہ زن پسند کیا ہوا مذہب ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ذہبی نے تاریخ الاسلام میں فرمایا ہے:''اما جامع البخاری الصحیح فاجل کتب الاسلام وافضلها بعد کتاب الله وهوا علیٰ فی وقتنا (یعنی سنة ثالث عشر بعد سبع مأة) ومن ثلثین سنة یفرون العلماء بعلوسماعه وکیف الیوم فلو رجل شخص لسماعه من الف فرسخ لما ضاعت رحلته (تاریخ ذهبی) '' کہ صحیح بخاری قرآن کے بعد اسلام کی سب کتابوں سے اجل وافضل ہے۔وہ ہمارے وقت ۷۱۳ھ میں بڑے اعلیٰ مرتبہ میں ہے۔اس سے تیس برس پہلے سے علماء بلندی رتبہ روایت پر فخر کررہے ہیں۔پھر وہ فخر آج کیونکر نہ ہو۔کوئی شخص فرسنگ اس کتاب کے سننے کے سفر اختیار کرے تو اس کا سفر ضائع نہ ہوگا۔

قسطلانی نے شرح بخاری میں فرمایا ہے:''واما تالیفه یعنی البخاری فانها سارت مسیر الشمس ودارت فی الدنیا فما جحد فضلها الا الذی یتخبطه الشیطان من المس واجلها واعظمها الجامع الصحیح (قسطلانی ج ۱ ص ۴۱) '' کہ امام بخاری کی تالیفات دنیا میں پھیل رہی اور وہاں پھرتے ہیں جہاں آفتاب

پھرتا ہو۔ ان کی بزرگی کا منکر وہی شخص ہوگا جس کو شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس کردیا ہوگا۔ ان سب تصانیف میں سے بزرگ اور بڑی صحیح بخاری ہے۔

شیخ حافظ ابن کثیر نے کتاب البدایۃ والنہایۃ میں فرمایا ہے: ’’**وکتابه الصحیح یستسقی بقرأته الغمام واجمع علی قبوله وصحته مافیه اهل الاسلام** (تاریخ ابن کثیر) ‘‘ کہ کتاب صحیح بخاری کی قرأت کے وسیلہ سے بارش کی دعا کی جاتی ہے اور اس کی احادیث کی صحت وقبول پر اہل اسلام کا اجماع ہو چکا ہے۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ ص۱۳۹ میں فرمایا ہے: ’’**اما الصحیحان فقد اتفق المحدثون علی ان جمیع مافیهما من المتصل المرفوع صحیح بالقطع وانهما متواتران الٰی مصنفیهما وانه کل من یهون امرهما فهو مبتدع متبع غیر سبیل المؤمنین** ‘‘ کہ محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ صحیح بخاری ومسلم کی مرفوع متصل حدیثیں یقیناً صحیح ہیں اور اس پر کہ یہ کتابیں اپنے مصنفوں تک تواتر کے ساتھ پہنچ چکی ہیں اور اس پر بھی ان کا اتفاق ہے کہ جو شخص ان کے شان کو ہلکا جانے وہ بدعتی ہے۔ مومنوں کی راہ کے خلاف چلنے والا۔

اور صاحب دراسات نے فرمایا ہے: ’’**وکونهما اصح کتاب فی الصحیح المجرد تحت ادیم السماء وانهما اصح الکتب بعد القرآن العزیز باجماع من علیه التعویل فی هذا العلم الشریف قاطبة فی کل عصر واجماع کل فقیه مخالف وموافق** (دراسات ص۲۷۹) ‘‘ کہ ان دونوں کتابوں کا قرآن کے بعد تمام کتابوں سے جو آسمان کے نیچے ہیں صحیح تر ہونا اور خالص صحیح حدیثوں پر مشتمل ہونا، ہر زمانہ کے جملہ علماء کے (جن پر اس علم حدیث میں اعتماد ہے) اور ہر ایک فقیہ موافق ومخالف کے اجماع واتفاق سے ثابت ہے۔

امام ابن الصلاح نے فرمایا ہے: ’’**وهذا القسم یعنی المتفق علیه مقطوع بصحة والعلم لیقینی النظری واقع به خلافا لقول من نفی ذلک محتجا بانه لا یفید الا الظن وانما تلقته الامة بالقبول لا نه یجب علیه العمل بالظن والظن قد یخطئ وقد کنت امیل الی هذا واحسبه قویاثم بان لی ان المذهب الذی اخترناه اولاً هو الصحیح لان ظن من هو معصوم من**

الخطاء لا یخطئے والامة فی اجماعها معصومة من الخطاء ولهذا کان الاجماع المبنے علی الاجتهاد حجة مقطوعاً بها واکثر اجماعات العلماء کذلک (مقدمه ابن الصلاح) ''کہ بخاری ومسلم کی اتفاقی حدیثیں یقینی صحیح ہیں اور علم یقینی جو دلائل سے پیدا ہوتا ہے اس قسم کی صحت کے متعلق حاصل ہے۔ اس میں اس شخص کو خلاف ہے جو یقینی علم کی نفی کرتا ہے۔ اس دلیل سے تمسک ہوکر کہ اس قسم کی حدیثیں مفید ظن ہیں اور امت نے اسی وجہ سے ان کو قبول کیا ہے کہ ظن پر عمل کرنا اس کے نزدیک واجب ہوتا ہے اور ظن کبھی خطاء بھی کرتا ہے۔ میں بھی اس مذہب کی طرف مائل ہوگیا تھا اور اس کو قوی سمجھنے لگا تھا۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ جو مذہب میں نے پہلے اختیار کیا تھا وہی صحیح ہے کہ اس قسم کی حدیثیں قطعی ہیں۔ کیونکہ امت محمدیہ اس قسم کی حدیثیں کو صحیح سمجھنے پر اتفاق کرنے میں معصوم ہے اور معصوم کا ظن کبھی خطاء نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ جو اجماع اجتہاد پر مبنی ہوتا ہے وہ (عصمت امۃ اہل اجماع کی نظر سے) قطعی سمجھا جاتا ہے۔ باوجودیکہ اجتہاد ایک ظنی امر ہے۔

امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں فرمایا ہے: ''قد قال امام الحرمین لو حلف انسان بطلاق امرأته ان ما فی کتابی البخاری ومسلم مما حکما بصحته من قول النبی ﷺ لما لزمته الطلاق ولا حنثة لاجماع علماء المسلمین علی صحتهما (مقدمه شرح مسلم ص ٦) ''کہ امام الحرمین نے کہا ہے۔ کوئی آدمی اگر یہ قسم کھالے کہ بخاری ومسلم کی حدیثیں صحیح نہ ہوں تو اس شخص کی عورت پر طلاق ہے تو اس کی یہ طلاق واقع نہ ہوگی اور نہ اس قسم میں وہ جھوٹا ٹھہرے گا۔ کیونکہ مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ ان کتابوں کی حدیثیں صحیح ہیں۔

اس مضمون کے اقوال بکثرت موجود ہیں جن کی نقل سے تطویل ہوتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں آپ کا یہ کہنا کہ پندرہ کروڑ حنفی صحیح بخاری کو نہیں مانتے۔ یہ محض ایک عامیانہ بات ہے۔ عامی لوگ جن کی تعداد[٢٦٧] مردم شماری کے کاغذات سے آپ نے بتائی ہے۔ بخاری کو نہ مانتے ہوں تو ان کا اعتبار نہیں ہے۔ عالم حنفی تو صحیح بخاری کی صحت سے انکار نہیں کرتے۔ آپ اس دعویٰ میں سچے ہیں تو کم سے کم ایک عالم کا متقدمین یا متأخرین سے نام بتادیں۔ جس نے صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی احادیث کو غیر صحیح یا موضوع کہا ہو اور آپ کا یہ کہنا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث صحیح بخاری کو ان پر اطلاع پاکر چھوڑ دیا۔ یہ بھی ایک عامیانہ بات

ہے۔ آپ یہ نہیں جانتے کہ امام اعظم صاحب کب ہوئے اور صحیح بخاری کب لکھی گئی۔ مہربان من! امام اعظم صاحب ڈیڑھ سو سنہ ہجری میں انتقال کر کے داخل فردوس ہوئے اور صحیح بخاری دوسو سنہ کے بعد تالیف ہوئی۔ صحیح بخاری امام صاحب کے وقت میں تالیف ہوتی تو امام صاحب اس کو آنکھوں پر رکھ لیتے۔

امام شعرانی میزان کبریٰ ج۱ ص۲۷ وغیرہ میں فرماتے ہیں: ''**واعتقادنا واعتقاد کل منصف فے الامام ابی حنیفة بقرینة ماروینا اٴنفامنه من ذم الرای والتبری منه ومن تقدیمة النص علے القیاس انه لوعاش حتی دونت احادیث الشریعة بعد رحیل الحفاظ فی جمعها من البلاد والثغور وظفربها لا خذبها وترک کل قیاس کان قاسه وکان القیاس قل فی مذهبه کما قل فی مذهب غیره بالنسبة الیه لکن لما کانت ادلة الشریعة مفرقة فی عصره مع التابعین وتابع التابعین فی المدائن والقریٰ والثغور کثر القیاس فی مذهبه بالنسبة الی غیره من الائمة ضروره لعدم وجود النص فی تلک المسائل التی قاس فیها بخلاف غیره من الائمة فان الحفاظ قدر حلوا فی طلب الاحادیث وجمعها فی عصرهم من المدائن والقری ودونوها فجاوبت احادیث الشریعة بعضها بعضاً فهذا کان سبب کثرة القیاس فی مذهبه وقلته فی مذاهب غیره**'' کہ ہمارا اور ہر ایک منصف کا امام ابوحنیفہ کی نسبت بشہادت ان اقوال کے جوان سے درباب مذمت رائے واظہار برأت ازرائے ہم نقل کر چکے ہیں اور بشہادت اس امر کے کہ وہ نص کو قیاس سے مقدم سمجھتے یہ اعتقاد ہے کہ اگر وہ احادیث کے جمع ہو جانے تک جو حفاظ حدیث کے مختلف شہروں اور سرحدوں کے سفر کرنے کے بعد جمع ہوئیں زندہ رہتے تو وہ ان احادیث کو لے لیتے اور جو قیاس وہ (ان احادیث کے نہ ملنے سے) کر چکے تھے چھوڑ دیتے اور ان کے مذہب میں قیاس کم ہوتا۔ جیسا کہ اور ائمہ کے مذہب میں جن کو ان احادیث پر اطلاع ہوئی تھی کم ہوا ہے۔ ولیکن چونکہ ان کے زمانہ میں شریعت کے دلائل (حدیثیں) تابعین اور تبع تابعین کے ساتھ شہروں اور گاؤں اور سرحدوں میں متفرق تھیں۔ لہٰذا ان کے مذہب میں قیاس کی کثرت ہوئی۔ اس ضرورت کی وجہ سے کہ ان مسائل میں جس میں انہوں نے قیاس کیا ہے۔ ان کو حدیثیں نہ ملی تھیں اور ائمہ کا

حال اس کے برخلاف رہا۔ کیونکہ ان کے زمانہ میں حفاظ حدیث نے حدیثوں کو طلب اور جمع کرنے کے لئے شہروں اور گاؤں کے سفر کئے۔ لہٰذا ان کے زمانہ میں حدیثیں جمع ہوگئیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کے مذہب میں قیاس زیادہ ہوا اور اماموں کے مذہب میں کم ہوا۔

اس کا ماحصل یہ ہے کہ کتب احادیث امام ابوحنیفہ کے بعد تالیف ہوئیں۔ امام صاحب ان احادیث کو پاتے تو ضرور قبول فرماتے۔

اوراس سے پہلے ایک جگہ فرماتے ہیں: ''**فلو ان الامام ابا حنفیة ظفر بحدیث من مس فرجه فلیتوضاء لا خذبها** (میزان ج۱ ص۱۲) '' سواگر امام ابوحنیفہ اس حدیث پر کہ جو شخص اپنی شرمگاہ کو چھوئے وہ وضو کرے۔ اطلاع پاتے تو اس کو قبول فرماتے۔

واضح رہے کہ یہ حدیث بخاری میں نہیں ہے بلکہ اس سے کم مرتبہ کتب سنن میں ہے۔ اس تحقیق سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ اہل حدیث کا صحیحین کو بلاوقفہ ونظر واجب العمل سمجھنا تقلید بے دلیل نہیں ہے بلکہ اس میں ان دلائل واصول کا اتباع ہے جو تصحیح حدیث میں مرعی رکھے گئے ہیں۔ اجماع مخالفین وموافقین جس کو مخالف وموافق نقل کرتے ہیں ان احادیث کی صحت پر بڑی روشن دلیل ہے۔ آپ اجماع کے لفظ سے گھبراتے ہیں تو اس کی جگہ تلقی وتداول امۃ کو جو تعامل وتوارث کا ہم وزن ہے قبول کریں اور یقین کے ساتھ مان لیں کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم پر جملہ فرقہا سے اہل سنت کا عمل واستدلال چلا آیا ہے۔ اس پر جو آپ کا یہ سوال ہے کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم مسلمانوں میں اتفاق کے ساتھ مسلم چلی آئی ہیں تو بعض علماء حنفیہ وغیرہ نے ان احادیث کا خلاف کیوں کیا اور سبھی نے ان کے مطابق کیوں مذہب اختیار نہ کرلیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خلاف فہم معانی میں اختلاف پر مبنی ہے یا بعض وجوہات ترجیح پر آپ کتب اصول وفروع اسلام میں نظر نہیں رکھتے۔

آپ فتح القدیر کو جو حنفی مذہب کی مشہور کتاب ہے یا برہان شرح مواہب الرحمٰن کو جو عرب وعجم میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے ایک دوروز مطالعہ کر کے دیکھیں کہ ان میں کس عزت وادب کے ساتھ صحیحین کی حدیث سے استدلال کیا گیا ہے اور جس حدیث سے اختلاف کیا ہے۔ اس کو ضعیف سمجھ کر اختلاف کیا ہے؟ یا اس کے معانی میں اختلاف کر کے یا اور وجوہات خارجیہ سے دوسری احادیث کو ترجیح دے کر اختلاف کیا؟

آپ فرماتے ہیں کہ حدیث پرکھنے کے لئے قرآن کریم سے بڑھ کر ہمارے پاس معیار نہیں۔ محدثین نے گو معیار صحت قوانین روایت کو ٹھہرایا ہے مگر انہوں نے اس کو کامل معیار نہیں کہا اور نہ قرآن کریم سے مستغنی کرنے والا بتایا ہے اور اس دعویٰ کی تائید میں متعدد تحریروں میں متعدد آیات کو ذکر کیا ہے۔ جن میں قرآن مجید کے محامد علیہ وفواضل سنیہ مسلمہ اہل اسلام کا ذکر ہے۔ مہربان من! محدثین کیا کوئی محقق مسلمان حنفی یا شافعی مقلد یا غیر مقلد تصحیح روایات حدیثیہ کا معیار قرآن کریم کو نہیں ٹھہراتا اور یہ نہیں کہتا کہ جب کسی حدیث کی صحت پرکھنی ہو تو اس کو قرآن کریم کے موافقت یا مخالفت سے صحیح یا غیر صحیح قرار دیں۔ بلکہ معیار تصحیح وہ قوانین روایت کو ٹھہراتے ہیں کہ ازانجملہ کسی قدر بیان ہو چکے ہیں۔ اس کی وجہ معاذ اللہ ثم عیاذاً باللہ یہ نہیں کہ قرآن مجید مسلمانوں کا حکم و مہیمن نہیں یا وہ امام حبل المتین نہیں۔ کوئی مسلمان جو قرآن پر اعتقاد رکھتا ہے یہ نہیں سمجھتا اور اگر کوئی ایسا سمجھے تو وہ سخت کافر ہے۔ ابوجہل کا بڑا بھائی، نہ چھوٹا۔ کیونکہ ابوجہل نے تو قرآن مجید کو تسلیم ہی نہیں کیا تھا۔ یہ کافر قرآن پر ایمان لاکر اس کو اپنا امام نہیں بناتا اور حکم نہیں سمجھتا۔ ایسا شخص درحقیقت قرآن پر ایمان نہیں رکھتا۔ اگرچہ بظاہر مدعی ایمان ہو۔ آپ نے ناحق وبلاضرورت ان آیات قرآنیہ کو ہمارے سوال کے جواب میں پیش کیا۔ جن میں قرآن مجید کے یہ محامد علیہ وارد ہیں اور ان کے بے ضرورت نقل وبیان سے اپنے اور ہمارے اوقات کا خون کیا۔ بلکہ توافق قرآن کو معیار صحت نہ ٹھہرانے اور اس باب میں اصول روایت کی طرف رجوع کرنے کی دو وجہ ہیں۔

ایک وجہ یہ ہے کہ جو احادیث ان اصول روایت سے صحیح ہو چکی ہوں وہ خود بخود قرآن مجید کے موافق ہوتی ہیں اور ہرگز ہرگز وہ قرآن کے مخالف نہیں ہوتیں۔ قرآن امام ہے اور وہ احادیث خادم قرآن اور اس کی وجوہات کی مفسر ومبین اور ان وجوہات معانی قرآن کی جو کم فہم وقاصر الفکر لوگوں کے خیال میں متعارض معلوم ہوتی ہیں۔ فیصلہ کرنے والی ہیں جس حالت میں ایک حدیث صحیح دوسری حدیث کے مخالف نہیں ہوتی اور ان کی باہم تطبیق ممکن ہے۔

چنانچہ امام الائمہ ابن خزیمہ سے منقول ہے: ’’**لا اعرف انه روی عن النبی ﷺ حدثیان باسنادین صحیحین متضادین فمن کان عنده فلیاتینی به لألف بینهما** (مقدمہ ابن الصلاح) ‘‘ کہ میں ایسی کوئی دو حدیثیں نہیں پہچانتا جو آنحضرت ﷺ سے با اسناد صحیح مروی ہوں اور پھر وہ آپس میں متضاد ومتخالف ہوں۔ کسی کے

پاس ایسی دو حدیثیں ہوں تو وہ میرے پاس لاوے۔ میں ان کو باہم متوافق و مطابق کر دوں، تو پھر کسی حدیث صحیح کا مخالف قرآن ہونا کیونکر ممکن ہے جو شخص کسی حدیث صحیح کو قرآن کے مخالف سمجھتا ہے۔ وہ نافہم ہے اور اپنی نافہمی سے حدیث کو مخالف قرآن قرار دیتا ہے۔ محققین اسلام محدثین وفقہاء ایسے نہیں ہیں کہ صحیح حدیث کو مخالف قرآن سمجھیں۔ اس لئے ان کو تصحیح حدیث کے لئے اس امر کی ضرورت نہیں ہے کہ موافقت یا مخالفت قرآن سے اس کا امتحان کریں۔ یہی وجہ ہے کہ علماء اسلام قاطبۃً حدیث کی صحت قوانین روایت سے ثابت کرتے ہیں اور بعد تسلیم صحت وحصول فراغ از تصفیہ صحت اس حدیث کی قرآن سے تطبیق کرتے ہیں۔ وہ بھی ایسے طور پر کہ امام قرآن ہی رہے اور احادیث اس کی خادم اور مفسر ومترجم وفیصلہ کنندہ وجوہ اختلاف در انظر اشخاص قاصر الانظار بنیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ صرف توافق مضمون کسی حدیث کا اس کی صحت کا موجب ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ موضوع حدیثیں اگر ان کے مضامین صادق اور قرآن کے مطابق ہوں۔ صحیح متصور ہوں جس کا کوئی مسلمان قائل نہیں۔ اس کے مقابلہ میں جو آپ نے کہا ہے کہ قرآن خود اپنا مفسر ہے۔ حدیث اس کی مفسر نہیں ہوسکتی۔ اس سے بھی آپ کی ناواقفی اصول مسائل اسلام سے ثابت ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے خود حدیث کو اپنا خادم ومفسر قرار دیا ہے۔

خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں بعض احکام ایسے طور پر بیان کئے ہیں کہ وہ بلا تفصیل صاحب حدیث ﷺ کے کسی مسلمان مخاطب قرآن کے سمجھ میں نہ آتے اور نہ وہ دستور العمل ٹھہرائے جاسکتے۔ ایک حکم نماز ہی کو دیکھ لو قرآن میں اس کی نسبت صرف یہ ارشاد ہے: ''اقیموا الصلوٰۃ'' اور کہیں اس کی تفسیر نہیں ہے کہ نماز کیونکر قائم کی جائے۔ صاحب الحدیث آنحضرت ﷺ (بابی ہووامی) نے قولی وفعلی حدیثوں سے بتایا کہ نماز یوں پڑھی جاتی ہے تو وہ حکم قرآن سمجھ اور عقل میں آیا۔ آپ کہیں گے کہ یہ کیفیت نماز تعامل سے ثابت ہے۔ اس پر سوال کیا جائے گا کہ تعامل کب سے شروع ہوا اور جس طریق پر تعامل ہوا وہ طریق کس نے بتایا۔ اس کے جواب میں اخیر یہی کہو گے کہ حدیث یا صاحب حدیث نے۔

دوسرا یہ سوال کہ وہ تعامل کن کن صورتوں پر ہوا ہے۔ اتفاقی پر یا اختلافی پر۔ صرف اتفاقی صورتوں میں اس کو منحصر کرو گے تو آپ کو نماز پڑھنا مشکل ہو جائے گا۔ اختلافی صورتوں پر تعامل کا دعویٰ کرو گے تو اختلاف موجب تساقط ہوگا یا آخر اس اختلاف کا تصفیہ

احادیث صحیحہ سے ہوگا جو آپس میں متوافق ہوسکتی ہیں۔

اب ہم ایک دو ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں جن میں آپ کو تعامل کا اشتباہ نہ ہو۔

قرآن کریم نے حرام جانوروں کو (جیسے خنزیر و منخنقہ وغیرہ) حرام فرما کران کے ماسوائے جانوروں کو حلال کردیا اور فرمایا ہے: ’’**قل لا اجد فیما اوحی الی محرماً علی طاعم یطعمه الا ان یکون میتة او دماً مسفوحاً الایة...... وهو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا**‘‘ تو کہہ دے میں اس وحی میں جو میری طرف ہوئی ہے کسی کھانے والی پر مردار یا خون جاری کے سوا کچھ حرام نہیں پاتا اور فرمایا خدا وہ ہے جس نے تمہارے واسطے جو کچھ کہ زمین میں ہے پیدا کیا ہے۔

اور بعض جانوروں کی حرمت کا بیان اپنے خادم حدیث یا صاحب الحدیث ﷺ کے حوالے کردیا۔ وبناءً علیہ اس نے ظاہر کردیا ہے کہ علاوہ ان جانوروں کے جن کی حرمت کا بیان قرآن میں ہے۔ گدھا اور درندے حرام ہیں۔ اب فرمایئے اس حکم گدھے اور درندوں کی حرمت کی تفسیر قرآن کریم نے خود کہاں فرمائی ہے۔ اس پر وقوع تعامل کا بھی آپ دعویٰ نہیں کرسکتے۔ گدھے وغیرہ درندوں کی حرمت کا اعتقاد یا اس کے استعمال کا ترک کوئی عمل نہیں ہے۔ جس پر تعامل کا ادّعا ہوسکے۔ حدیث کو یہ خدمت تفسیر و فیصلہ وجوہات قرآن کریم نے خود عطاء فرمائی ہے اور صاحب الحدیث ﷺ نے بھی اپنی کلام میں جس کو حدیث کہا جاتا ہے اس خدمت کے عطاء ہونے کا اظہار کیا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: ’’**وما اٰتکم الرسول فخذوه ومانهاکم عنه فانتهوا**‘‘ جو کچھ (حکم) تمہیں رسول دے لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ۔

اس مضمون کی آیات قرآن میں اور بہت ہیں مگر ہم آپ کی طرح ان سب کو شمار کر کے تطویل کلام نہیں کرنا چاہتے۔ یعنی اے مسلمانو! جو کچھ رسول اللہ ﷺ تم کو دے (قرآن ہو خواہ وحی غیر متلو حدیث) وہ لے لو اور جس سے روکے یعنی جو حکم کسی چیز کے عدم استعمال کی نسبت دے گو وہ حکم قرآن میں نہ ہو اس سے رک جاؤ۔ اس ارشاد قرآن کی ہدایت وشہادت سے حضرت ابن مسعود نے وشم (جسم کو گودنا) پر لعنت کی وعید کی جو صرف حدیث میں وارد ہے قرآن میں داخل قرار دیا تو اس پر ایک عورت ام یعقوب نے اعتراض کیا کہ یہ لعنت قرآن میں کہیں ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ جس حالت میں لعنت حدیث میں وارد ہے تو بحکم

آیۃ:''وما اٰتکم الرسول فخذوہ'' یہ قرآن کریم میں وارد ہے۔

چنانچہ صحیح مسلم میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے:''عن عبداللہ قال لعن اللہ الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات خلق اللہ قال فبلغ ذٰلک امرأۃ من بنی اسد یقال لھا ام یعقوب وکانت تقرأ القراٰن فاتتہ فقالت ما حدیث بلغنی عنک انک لعنت الواشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات لخلق اللہ فقال عبداللہ وما لی لاالعن من لعن رسول اللہ ﷺ وھو فی کتاب اللہ عزوجل فقالت المرأۃ لقد قرأت مابین لوحی المصحف فما وجدتہ فقال لئن کنت قرأتیہ لقد وجدتیہ قال اللہ عزوجل مااٰتکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا (صحیح مسلم ج۲ ص۲۰۵)'' کہ عبداللہ بن مسعود نے کہا خدا تعالیٰ نے ان عورتوں کو لعنت کی ہے۔ جو جسم گودتی (گودنا، سوئی وغیرہ سے جسم کی کھال میں سوراخ کر کے اس میں سرمہ وغیرہ رنگ بھرنا) ہیں اور گدواتی ہیں اور ابرو وغیرہ کے بال چنتی اور چنواتی ہیں اور دانتوں کو باریک کرتی اور کرواتی ہیں۔ خوبصورتی کے لئے خدا کی پیدائش میں تبدیلی چاہتی ہیں۔ یہ قول ابن مسعود کا ایک بنی اسد کی عورت ام یعقوب کو جو قرآن پڑھی ہوئی تھی پہنچا تو وہ ابن مسعود کے پاس آئی اور بولی یہ کیسی بات ہے جو تجھ سے پہنچی ہے کہ تو ایسی عورتوں کو لعنت کرتا ہے۔

وہ بولے میں ایسی عورتوں کو لعنت کیوں نہ کروں جن کو رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہو اور وہ لعنت قرآن مجید میں بھی ہو۔ وہ بولی میں نے تو قرآن سب کا سب پڑھا۔ اس میں تو کہیں یہ لعنت نہیں ہے۔ انہوں نے کہا تو (ٹھیک) قرآن کو پڑھتی تو اس میں یہ آیت پاتی: ''وما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا'' یعنی رسول جو حکم دے لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ۔

جناب صاحب الحدیث ﷺ نے اسی ارشاد قرآنی کے موافق ارشاد کیا ہے:''عن المقدام ابن معد یکرب قال قال رسول اللہ ﷺ الا انی اوتیت القراٰن ومثلہ معہ الا یوشک رجل شعبان علی اریکتہ یقول علیکم بھذا القراٰن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ وما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ وان ماحرم رسول اللہ ﷺ کما حرم اللہ الا لا یحل لکم الحمار الا ھلی ولا کل

ذی ناب من السباع ولا لقطة معاهد الّا ان یستغنی عنها صاحبها ومن نزل بقوم فعلیهم ان یقروه فان لم یقروه فله ان یعقبهم بمثل قراه (رواہ ابوداؤد ص ۲۷۶)‘‘ چنانچہ مقدام سے روایت ہے کہ آنحضرتﷺ نے فرمایا۔ سن رکھو مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ایک ایسی چیز جو اس کی مثل ہے (یعنی حدیث) سن رکھو عنقریب ایک شخص پیٹ بھرا اپنی چھپر کھٹ پر بیٹھا یہ کہے گا کہ لوگو تم (صرف) قرآن کو لازم پکڑو۔ اس میں جو حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جو حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۔ (یعنی جو حکم قرآن میں نہ ہو حدیث میں ہو اس کو نہ مانو) حالانکہ جس چیز کو رسول اللہﷺ نے حرام کیا ہے وہ ایسی ہی حرام ہے جو خدا نے حرام کی ہے۔ سن رکھو تمہارے لئے آبادی کے گدھے حلال نہیں اور نہ دانت کاٹنے والے درندہ اور نہ مسلمانوں کی امان و پناہ میں رہنے والی کافر کی کوئی گری ہوئی چیز۔ بجز اس حالت کے کہ وہ اس سے بے پرواہ ہو اور جو شخص کسی قوم کا مہمان ہو ان پر لازم ہے کہ وہ اسے کھانے کو دیں۔ وہ نہ دیں تو اسے حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے کھانے کے مقدار خود بخود ان کے مال سے لے لے۔

طیبی نے شرح مشکوٰۃ میں کہا ہے: ’’فی هذا الحدیث توبیخ وتقریع ینشاء من غضب عظیم علی ترک السنة وما عمل بالحدیث استغناء عنها بالکتٰب‘‘ اس حدیث میں بڑی زجر وملامت ہے جو بڑے غصہ سے پیدا ہوئی ہے۔ اس شخص کے لئے جو صرف کتاب اللہ کو کافی سمجھ کر حدیث کے عمل سے بے پروا ہو جائے اور اس کا عمل ترک کر دے۔

اس حدیث کو دارمی نے بھی نقل کیا ہے اور اس سے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے: ’’باب السنة قاضیة علی کتاب اللّٰہ‘‘ کہ حدیث کتاب کے اجمال وابہام کا فیصلہ کرنے والی ہے۔ یعنی حدیث ان وجوہات واختلافات قرآن کا فیصلہ کرنے والی ہے جو کتاب اللہ کے معانی مختلفہ سے لوگوں کے خیال میں آتی ہیں۔

پھر امام یحییٰ بن ابی کثیر سے نقل کیا ہے: ’’قال السنة قاضیة علی القراٰن ولیس القراٰن بقاض علے السنة (سنن دارمی ص۷۷)‘‘ کہ حدیث اجمال قرآن کا فیصلہ کرنے والی ہے۔ قرآن حدیث کا فیصلہ کرنے والا نہیں ہے۔ یعنی حدیث قرآن کے وجوہات واختلافات کا فیصلہ کرنے والی ہے اور قرآن ایسا نہیں کرتا کہ وہ حدیث کی وجوہ

اختلاف کا فیصلہ کرے۔یعنی اس لئے کہ خدمت خادم کا کام ہے نہ مخدوم کا۔

اوردارمی نے حسان سے نقل کیا ہے کہ:’’**قال کان جبریل ینزل علی النبی بالسنة کما ینزل علیه بالقرآن** (سنن دارمی ص۷۷) ‘‘جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ پر حدیث لے کر بھی ویسے ہی نازل ہوتے جیسا کہ قرآن لے کر آتے۔یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام جیسا کہ آنحضرت ﷺ پر قرآن اتارتے ویسے ہی حدیث۔

اورسعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے کہ:’’**انه حدث یوما بحدیث عن النبی ﷺ فقال الرجل فی کتاب الله ما یخالف هذا قال الا ارانی احدثک عن رسول الله ﷺ وتعرض فیه بکتاب الله کان رسول الله ﷺ اعلم بکتاب الله منک** (سنن دارمی ص۷۷) ‘‘حضرت سعید بن جبیر تابعی نے ایک دن آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث نقل کی تو ایک آدمی بولا قرآن میں اس حدیث کا خلاف موجود ہے۔حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تجھے آنحضرت ﷺ کی حدیث سناتا ہوں تو اس کے مقابلہ میں قرآن پیش کرتا ہے۔آنحضرت ﷺ تجھ سے بڑھ کر قرآن مجید جاننے والے تھے (یعنی آنحضرت ﷺ نے یہ حدیث فرمائی ہے تو قرآن کا مطلب سمجھ کر فرمائی ہے۔قرآن میں اس کا خلاف ہوتا تو آپ یہ حدیث کیوں فرماتے)

امام شعرانی نے منہج المبین میں کہا ہے کہ:’’**اجتمعت الامة علی ان السنة قاضیة علی کتاب الله** ‘‘ امت محمدیہ ﷺ کا اس پر اتفاق ہے کہ حدیث قرآن مجید کی وجوہ مختلف کے فیصلہ کرنے والی ہے۔

ان آیات قرآنی واقوال نبوی وآثار سلف کے مقابلے میں جو حدیث آپ نے تفسیر حسینی سے نقل کی ہے وہ قابل اعتبار نہیں ہے۔وہ حدیث زندیقوں یعنی چھپے مرتدوں کی بنائی ہوئی ہیں اور اگر اس حدیث کو بطور فرض محال صحیح فرض کرلیا جاوے تو وہ خود اپنے مضمون کی مبطل ومکذب ہے۔ہم اس حدیث کے رو سے پہلے اسی کو قرآن پر پیش کرتے ہیں تو بحکم آیۃ:’’**وما اٰتکم الرسول** ‘‘وغیرہ اس کو موضوع پاتے ہیں۔یہ بات میں صرف اپنی رائے سے نہیں کہتا بلکہ ائمہ محدثین اور فقہاء اصولیوں کی کتابوں میں پاتا ہوں۔

کتاب تلویح میں ہے کہ:’’**وقد طعن فیه المحدثون بان فی روية یزید بن ربیعة وهو مجهول وترک فی اسناده واسطة بین الاشعث وثوبان**

فیکون منقطعاً وذکر یحیی بن معین انه حدیث وضعة الزنادقة (تلویح ص ۲۲۹) ’’محدثین نے اس حدیث کو اس وجہ سے مطعون کیا ہے کہ اس کے راویوں میں ایک یزید بن ربیعہ ہے جو مجہول الحال تھا اور اس کی سند میں اشعث اور ثوبان کے درمیان سے ایک راوی چھوٹ گیا ہے۔ لہٰذا یہ منقطع ہے۔ (نہ متصل) اور یحییٰ بن معین (امام) نے کہا ہے کہ یہ ایسی حدیث ہے جس کو زندیقوں (چھپے مرتدوں) نے وضع کیا ہے۔ یعنی از خود گھڑ لیا ہے۔

مولانا بحر العلوم نے شرح مسلم الثبوت میں فرمایا ہے کہ: ’’**قال صاحب سفر السعادة انه من اشد الموضوعات قال الشیخ ابن حجر العسقلانی قد جاء بطرق لا تخلوا عن المقال وقال بعضهم قد وضعه الزنادقة وایضاً هو مخالف لقوله تعالٰی ما اتکم الرسول فخذوه فصحة هذا الحدث یستلزم وضعه ورده فهو ضعیف مردود**‘‘ صاحب سفر السعادت نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث سخت موضوعات سے ہے۔ شیخ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا ہے یہ حدیث کئی سندوں سے مروی ہے جو گفتگو سے خالی نہیں۔ بعض محدثین نے کہا ہے کہ اس کو زندیقوں (چھپے مرتدوں) نے وضع کیا۔ یعنی از خود بنا لیا ہے اور نیز یہ اس قول خداوندی کے مخالف ہے جس میں فرمایا ہے کہ رسول جو کچھ تمہیں دے لے لو۔

پس اگر اس حدیث کو صحیح مان لیں تو اس سے بھی اس کا موضوع و مردود ہونا لازم آتا ہے۔ (یعنی اس حدیث کو صحیح مان کر اس کے مضمون کے مطابق اس کو قرآن پر عرض کیا تو قرآن نے اس کے برخلاف ہر ایک صحیح حدیث کو قبول کرنے کا حکم دیا اور اس کے مضمون کو رد کر دیا)

ابن طاہر حنفی صاحب مجمع البحار تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ: ’’**وما اورده الا صولیون من قوله اذا روی عنی حدیث فاعرضوه علی کتاب اللّٰه فان وافقه فاقبلوه وان خالفه ردوه قال الخطابی وضعة الزنادقة ویدفعه حدیث انی اوتیت الکتاب وما یعد له ویروی ومثله وکذا قال الصنعانی وهو کما قال انتهی** (تذکرہ ابن طاہر) ’’ان اصولیوں نے جو آنحضرت ﷺ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ جب کوئی حدیث میری طرف سے مروی ہو تو اس کو قرآن پر عرض کرو۔ پس اگر وہ اس کے موافق نکلے تو اسے قبول کرو اور اگر مخالف نکلے تو رد کر دو۔ اس کی نسبت خطابی نے کہا ہے کہ زندیقوں نے اس کو گھڑ لیا ہے اور اس کو آنحضرت ﷺ کا وہ قول رد کرتا ہے جس میں ارشاد

ہے کہ میں قرآن دیا گیا ہوں اور وہ چیز جو اس کے برابر یا اس کی مانند (یعنی حدیث) ایسا ہی صنعانی کہا ہے اور حقیقت میں بھی ایسا ہے جیسا کہ اس نے کہا ہے۔

قاضی محمد بن علی شوکانی فوائد مجموعہ میں فرماتے ہیں: ’’حدیث اذا روی عنی حدیث فاعرضوه علی کتاب اللہ فان وافقه فاقبلوه وان خالفه ردوه قال الخطابی وضعته الزنادقة ویدفعه انی اوتیت القرآن ومثله معه وکذا قال الصنعانی قلت وقد سبقهما الٰی نسبة الٰی الزنادقة ابن معین کما حکاه الذهبی علی ان فی هذا الحدیث الموضوع نفسه مایدل علی رده لانا اذا عرضناه علی کتاب اللہ خالفه فی کتاب اللہ عزوجل ماآتکم الرسول فخذوه وما نهٰکم عنه فانتهوا ونحوه من الایات انتهٰی (تذکرہ موضوعات شوکانی ص ۱٦٦) ‘‘اس قول کی نسبت جو اصولیوں نے آنحضرت ﷺ سے نقل کیا ہے۔ خطابی نے کہا ہے اس کو زندیقوں نے وضع کیا ہے اور اس کو وہ قول رسول خدا رد کر رہا ہے۔ (جو حاشیہ سابق میں گزرا) ایسا ہی صنعانی نے کہا ہے اور ان دونوں سے پہلے یحییٰ بن معین نے اس کو زندیقوں کی طرف منسوب کیا ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے ان سے نقل کیا ہے۔ علاوہ بریں خود اس حدیث موضوع کا مضمون اس کو رد کر رہا ہے۔ کیونکہ ہم نے اس کے مضمون کے مطابق اس کو قرآن پر پیش کیا تو وہ قرآن کے مخالف نکلا۔ کیونکہ قرآن میں صاف آچکا ہے کہ جو کچھ تمہیں رسول (حکم) دے اس کو قبول کرو۔

اور جو حدیث حارث اعور آپ نے پیش کی ہے وہ بھی اوّلاً صحیح نہیں جس کتاب مشکوٰۃ سے آپ نے وہ حدیث نقل کی ہے۔ اس میں اس کا جرح موجود ہے۔ جس کو آپ نے سرقہ وخیانت سے نقل نہیں کیا۔ اس میں منقول ہے۔ ’’قال الترمذی هٰذا حدیث اسناده مجهول فی الحارث مقال ‘‘ایسا ہی تقریب التہذیب میں حارث اعور کو مجہول کہا ہے اور اس حارث کا حال ہم کتب اسماء الرجال سے بتفصیل نقل کریں تو ایک دفتر ہو جائے۔ یہ اعور بھی ایک دجال تھا اور اگر بطور فرض محال اس حدیث کو صحیح تسلیم کرلیں تو اس کے وہ معنی نہیں جو آپ نے بطور تحریف کئے ہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ لوگ دلائل شرعیہ یعنی قرآن وحدیث کو چھوڑ کر محض رائے والی باتوں میں خوض کریں تو اس فتنہ سے نجات قرآن سے متصور ہے اور احادیث وآثار سابقہ سے ظاہر ہو چکا ہے کہ حدیث بھی مثل قرآن ہے۔ وبناءً علیہ اس حدیث

کے یہ معنی ہوں گے کہ اس فتنہ سے نجات قرآن وحدیث دونوں کے اتباع سے متصور ہے نہ یہ کہ حدیث نبوی فتنہ ہے اوراس سے نجات مطلوب ہے۔ آپ نے اس حدیث کے ترجمہ میں لفظ احادیث کا ترجمہ لفظ حدیثوں سے کیا اور مسلمانوں کو پورا دھوکہ دیا۔ روئے زمین میں ایسا کوئی مسلمان نہ ہوگا جواس کلام میں احادیث سے نبوی حدیثیں مراد لیتا ہو۔

یہاں احادیث سے لوگوں کی باتیں جو اس کے لغوی معنی ہیں اور بہت سے احادیث نبویہ میں یہ لغوی معنی پائے جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے: ''ایاک والظن فان الظن اکذب الحدیث'' یعنی ظن سے بچو ظن جھوٹی بات ہے۔

ایک حدیث میں ذکر ہے کہ: ''کفی بالمرء کذباً ان یحدث بکل ما سمع'' آدمی کو جھوٹا بننے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ جو بات سنے اس کو نقل کر دے۔ یعنی صحیح وغیر صحیح کی تمیز وتحقیق نہ کرے۔

یہاں بھی حدیث سے بات کرنا مراد ہے جس حدیث میں بوقت قضاء حاجت دو شخصوں کے آپس میں باتیں کرنے سے ممانعت وارد ہے۔ اس حدیث میں بھی لفظ ''یحدثان'' بولا گیا ہے۔ کیا ان سب احادیث میں حدیث سے حدیث نبوی کی تحدیث مراد ہے؟ ہرگز نہیں۔

آپ نے اس حدیث اعور کے معنی میں تحریف کرنے کے وقت یہ غور نہ کیا کہ حدیث کے لغوی معنی کیا ہیں؟ یا دیدہ دانستہ لوگوں کو دھوکہ دیا۔ حضرت عمرؓ کے قول ''حسبنا کتاب اللہ'' سے جو آپ نے تمسک کیا ہے اس سے یہ مقصود نہیں کہ احادیث صحیحہ مسلم الصحۃ والثبوت کو چھوڑ کر کتاب اللہ کو کافی سمجھنا چاہئے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جہاں ہمارے پاس سنت صحیحہ نبویہ سے کوئی تفصیل نہ ہو وہاں قرآن کریم کو کافی سمجھیں گے۔ کیونکہ اس صورت میں یہ امر ناممکن ہے کہ قرآن کریم میں اس کا بیان کافی نہ ہوا ہو۔ قرآن میں اس کا بیان نہ ہوتا تو آنحضرتﷺ کی حدیث میں ضرور اس کی تفصیل پائی جاتی۔ اس پر روشن دلیل جس سے کوئی مسلمان انکار نہ کرے۔ یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی تمام عمر میں اپنے سے چھوٹے رتبہ کے لوگوں کی روایات کو قبول کیا ہے اوران روایات سے مستغنی ہوکر عمل کتاب اللہ کو کافی نہیں سمجھا۔ اس کی تفصیل ہمارے ضمیمہ جات سنہ ۱۸۷۸ء میں بخوبی ہوچکی ہے۔ اس مقام میں اس کی چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔ اوّل: قرآن مجید میں بیٹی کی

وراثت کا یہ حکم بیان ہوا ہے کہ کسی شخص کی ایک بیٹی ہو تو وہ نصف مال کی وارث ہے۔ اس حکم قرآنی کے مفسر یا یوں کہیں کہ مخصص آنحضرت ﷺ کی یہ احادیث ہیں: (۱) گروہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا جس کی دست آویز سے حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت فاطمہ زہراءؓ کو آنحضرت ﷺ کے خالص مال سے ورثہ نہ دیا۔ باوجودیکہ انہوں نے مطالبہ بھی کیا۔ (۲) آنحضرت ﷺ نے بیٹی بیٹے وغیرہ وارثوں کو اس حالت میں محروم الارث ٹھہرایا ہے جب کہ وہ اپنے مورث کو قتل کر دیں یا وارث ومورث کے مذہب میں اختلاف ہو جاوے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ان احادیث کو قبول فرمایا اور ان پر عمل کیا اور ان احادیث سے مستغنی ہو کر آیہ میراث کے عمل پر اکتفاء نہ کیا۔

۲...... قرآن مجید میں ان عورتوں کو جن کا نکاح مرد پر حرام ہے شمار کر کے فرمایا ہے: ''احل لکم مارآء ذٰلکم'' یعنی ان عورتوں کے سوا جن کا حکم حرمت نکاح قرآن میں بیان ہوا ہے سب عورتیں تم پر حلال ہیں۔ اس حکم قرآن کی تفسیر یا یوں کہیں کہ تخصیص میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ جورو کی خالہ اور پھوپھی جورو کی نکاح میں ہونے کی حالت میں نکاح میں نہ لائی جائے۔

چنانچہ فرمایا ہے: ''لاتنکح المرأة علی عمتها ولا علی خالتها'' آنحضرت ﷺ کے جملہ اصحابؓ نے جن میں حضرت عمرؓ بھی داخل وشامل ہیں اس حدیث نبوی کو قبول فرمایا ہے اور اس کو مخالف قرآن سمجھ کر اس کے عمل سے استغناء اور عمل قرآن پر اکتفاء نہیں کیا۔

فاضل قندہاری نے کتاب مغتنم الحصول میں کہا ہے کہ: ''ان الصحابة خصصوا واحل لکم ماورآء ذٰلکم بلاتنکح المرأة علی عمتها ولا علی خالتها ویوصیکم الله فی اولادکم بلایرث القاتل ولا یتو ارثان اهل الملتین ونحن محشر الانبیآء لانرث ولا نورث (مغتم الحصول) ''صحابہ نے اس آیہ کے حکم کو جس میں ارشاد ہے کہ محرمات مذکورہ قرآن کے سوا اور سب عورتیں تم پر حلال ہیں۔ اس حدیث سے مخصوص البعض ٹھہرایا ہے۔ جس میں ارشاد ہے کہ کسی عورت کو اس کی پھوپھی اور خالہ کے ساتھ نکاح میں جمع نہ کریں اور آیہ میراث کے حکم کو اس حدیث سے مخصوص البعض قرار دیا ہے جس میں ارشاد ہے کہ دو مختلف دین والے آپس میں وارث نہ

ہوں اور انبیاء کسی کے وارث نہیں ہوتے اور نہ ان کا کوئی وارث ہوتا ہے۔

۳...... حضرت عمر فاروق ؓ نے ایک بادیہ نشین راوی کی اس حدیث کو قبول فرمایا جس میں بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک عورت کو اس کے خاوند کی دیت کا وارث کیا۔ باوجودیکہ قرآن مجید اس عورت کو دیت کا وارث نہیں بناتا۔ کیونکہ وہ دیت بعد موت شوہر کا مال ہوتا ہے اور عورت بعد موت شوہر اس کی عورت نہیں رہتی۔ وبناءً علیہ حضرت عمر فاروق ؓ کی رائے یہ تھی کہ وہ عورت اس مال سے وراثت کی مستحق نہیں۔ مگر جب آپ کو حدیث مذکور معلوم ہوئی تو اپنی رائے کو چھوڑ دیا اور حدیث کو قبول فرمایا۔

ترمذی میں ہے: ’’کان عمر ابن الخطاب یقول الدیة علی العاقلة ولاترث المرٔة من دیة زوجها شیئاً حتی قال له الضحاک بن سفیان کتب الی رسول اللہ ﷺ ان ورث امرٔة اشیم اضابی من دیة زوجها فرجع عمر ؓ (رواه الترمذی وابوداؤد) ‘‘ حضرت عمر فاروق ؓ فرمایا کرتے خون بہا عصبات وغیرہ وارثوں پر ہے اور عورت اپنے شوہر کے خون بہاء سے وارث نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ ضحاک بن سفیان نے ان کو خبر دی کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے لکھا تھا کہ اشیم ضبابی کی عورت کو اس کے خون بہاء سے وارث بنالو تو حضرت عمر ؓ نے اپنے قول سے رجوع کیا۔

۴...... دیت جنین کی حدیث کو دو شخصوں کی روایت وشہادت سے آپ نے قبول کیا اور اس بات میں قرآن کریم کے حکم قصاص پر اکتفاء نہ فرمایا۔

ہشام نے اپنے باپ عروہ سے روایت کی ہے کہ: ’’عن هشام عن ابیه ان عمر بن الخطاب نشد الناس من سمع النبی ﷺ قضی فی السقط فقال المغیرة انا سمعته قضی فی السقط بغرة عبدا وامة قال ائت من یشهد معک علی هذا فقال محمد بن مسلمة انا اشهد علی النبی ﷺ بمثل هٰذا روا البخاری ص ۱۰۲۰ وزاد ابوداؤد ج۲ ص ۲۷۳ فقال عمر بن الخطاب اللہ اکبر لولم اسمع بهٰذا لقضینا بغیر هٰذا ‘‘ حضرت عمر ؓ نے لوگوں سے قسم دے کر پوچھا کہ کیا کسی نے اس بچہ کا حکم رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے جو ماں کے پیٹ سے مردہ گرایا گیا ہو تو مغیرہ نے کہا ہاں! میں نے سنا ہے۔ آپ نے اس کا خون بہاء ایک غلام یا لونڈی مقرر کیا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا تیرے ساتھ کوئی اور بھی اس بات کا گواہ ہے۔ محمد

بن مسلمہ بولے ہاں! میں گواہ ہوں۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ پھر حضرت عمر بولے اللہ اکبر! ہم یہ حکم نہ سنتے تو کچھ اور ہی فیصلہ کرتے۔

۵...... سبھی انگلیوں کے خون بہاء کے برابر ہونے کی حدیث آپ نے قبول فرمائی۔ باوجودیکہ آپ کی رائے اس میں یہ تھی کہ چھوٹی انگلی اور اس کے ساتھ والی کی دیت نو اونٹ ہونی چاہئے۔ بیچ والے اور اس کے ساتھ والی سبابہ کے ۱۲اونٹ، انگوٹھے کے ۱۵اونٹ جو بظاہر ان کے مختلف قوتوں اور مقداروں کی نظر سے انصاف اور عدل معلوم ہوتی ہے۔ مگر آپ نے حدیث سنی تو قبول فرمائی اور قرآن سے اس کے مطابق کرنے کی کچھ پرواہ نہ کی۔

صحیح بخاری ص۱۰۱۸ میں حدیث ہے: ''عن النبی ﷺ قال هذه هذه یعنی الخنصر والابهام سواء''[۲۶۸]

اور مسلم الثبوت کی شرح فواتح الرحموت میں ہے کہ: ''وترک عمر ؓ رأیه فی دیت الاصابع وکان رائه فی الخنصر والبنصر تسعا وفی الواسطے وفی المسجة اثنا عشرو فی الابهام خمسة عشر کل ذٰلک فی التیسیر قال الشارح وکذا ذکر غیره والذی فی روایت البیهقی انه کان یری فی المسبحة اثنا عشرو فی الوسطی ثلاثة عشر بخبر عمرو بن جزم فی کل اصبع عشر من الابل'' حضرت عمرؓ نے اپنی رائے کو انگلیوں کی خون بہاء میں ترک کر دی۔ ان کی رائے یہ تھی کہ چھوٹی انگلی اور اس کے ساتھ والی کا خون بہاء نو اونٹ بیچ والی کے اور کلمہ کی انگلی کے بارہ اونٹ۔ انگوٹھے کے پندرہ۔ ایسا ہی کتاب تیسیر میں ہے۔ شارح نے کہا ہے کہ ایسا ہی اوروں نے ذکر کیا ہے۔ مگر بیہقی کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر کلمہ والی انگلی کا خون بہاء بارہ اونٹ خیال کرتے اور بیچ والی کے تیرہ اونٹ۔ اس رائے کو آپ نے عمرو بن جزم کی اس حدیث سے ترک کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ہر ایک انگلی کا خون بہا دس اونٹ مقرر کئے ہیں۔

اس مضمون کی اور بہت مثالیں ہیں۔ مگر ہم آپ کی طرح تطویل پسند نہیں کرتے۔ ان امثلہ کو دیکھ کر کس وناکس بشرطیکہ ادنیٰ فہم وانصاف رکھتا ہو ہرگز نہ کہے گا کہ حضرت عمرؓ نے جو فرمایا ہے کہ ہم کو کتاب اللہ کافی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ حدیث نبوی کی ہم کو حاجت نہیں اور قرآن اس کی جگہ کافی ہے اور نہ یہ مراد ہے کہ جب تک کسی حدیث کی شہادت

قرآن میں نہ پائی جائے وہ لائق قبول نہیں بلکہ اس سے مراد صرف وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ جس مسئلہ میں سنت صحیحہ سے کوئی تفصیل نہ ہو وہاں قرآن کریم کافی ہے۔ اس قول فاروقی کے مورد کو دیکھا جائے تو اس سے بھی یہی معنی سمجھ میں آتے ہیں مگر اس کی بحث تفصیلی میں تطویل ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں شیعہ سنیوں کے باہمی اختلاف کو جو اس قول کی نسبت ان میں پایا جاتا ہے ذکر کرنا پڑتا ہے۔ جس سے بحث مقصود سے خروج لازم آتا ہے۔ امکان تضعیف وتوہین حدیث صحیحین پر آپ نے ایک یہ دلیل پیش کی ہے کہ قران کریم میں ارشاد ہے جب کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لاوے تو تم اس کی تفتیش کرو۔ یہ دلیل بھی آپ کی ناواقفی پر ایک دلیل ہے۔ احادیث صحیحین کے راوی تہمت فسق سے بری ہیں اور ان کی عدالت ثابت ومتحقق ہوچکی ہے۔ اسی نظر سے ان کتابوں کی احادیث اتفاق اہل اسلام کے ساتھ صحیح تسلیم کی گئی ہیں۔

امام ابن حجر مقدمہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: ''ینبغی لکل منصف ان یعلم ان تخریج صاحب الصحیح لای راوی کان مقتضی لعدالته عنده وصحة ضبطه وعدم غفلته ولا سیما ما انصاف الٰی ذٰلک من اطلاق جمهور الائمه علٰی تسمیة الکتا بین بالصحیحین وهٰذا المعنی لم یحصل لغیر من خرج عنه فی الصحیحین فهو نهایت اطباق الجمهور علی تعدیل من ذکر فیهما. هٰذا اذا اخرج له فی الاصول فاما ان اخرج له فی المتابعات والشواهد والمتعالیق فهذا یتفاوت درجات من اخرج له فی الضبط وغیره مع حصول اسم الصدق لهم وحینذا ذاوجدنا لغیره فی احد منهم طعنا فذالک الطعن مقابل للتعدیل لهٰذا الامام فلا یقبل الامبیّن السبب مضرًا بقادح یقحی فی عدالت هذا الراوی وفی ضبطه مطلقا اوفی ضبطه الخبر بعینه لان الاسباب الحاملة للائمة علی الجرح متفاوتة منها ما یقدح ومنها مالا یقدح وقد کان لشیخ ابوالحسن المقدسی یقول فی الرجل الذی یخرج عنه فی الصحیح هذا جاز القنطرة یعنی بذالک انه لا یلتفت الٰی ما قیل فیه قال الشیخ ابوالفتح القشیری فی مختصره وهکذا نعتقدوبه اقول ولا یخرج عنه الا بحجة ظاهرة وبیان شاف یزید فی غلبة

الظن علی المعنی الذی قدمناہ. من اتفاق الناس بعد الشیخین علی تسمیة کتابیھما بالصحیحین ومن لوازم ذٰلک تعدیل رواتھا. قلت فلایقبل الطعن فی احدمنھم الابقادح واضح (مقدمہ فتح الباری ص ۴۴۴) ’’ہر ایک منصف کو یہ جان لینا چاہئے کہ صحیح (بخاری یا مسلم) کے مصنف کا کسی راوی کی حدیث کو روایت کرنا اس کے نزدیک اس کے عادل ہونے اور اس کے ضبط کے صحیح ہونے اور اس کے غافل نہ ہونے کا مقتضی ہے۔ خصوصاً اس حالت میں کہ اس امر کے ساتھ جمہور علماء کا ان دو کتابوں کو صحیح کہنا ملایا جائے۔ یہ معنی ان راویوں میں پائے نہیں جاتے جن سے صحیحین میں روایت حدیث نہ ہوئی ہو۔ ان کتابوں کو صحیح کہنا ان کے راویوں کے عادل ہونے پر جمہور علماء کا پرلے سرے کا اتفاق ہے۔ یہ حکم اس وقت ہے جب کہ ان راویوں سے اصل روایات میں روایت کی گئی ہو اور اگر ان کی روایت اصل روایات کے شواہد ومتابعات میں ہو تو پھر ان راویوں کے درجات ضبط وغیرہ میں مختلف ہیں۔ یعنی بعض اعلیٰ بعض ادنیٰ ومعہذا راست گو ہونے کا نام ان سب راویوں پر صادق آتا ہے۔ جب یہ قرار پایا تو جب ہم کسی اور محدث کا کوئی طعن واعتراض ان کتابوں کے کسی راوی کے حق میں پائیں گے تو یہ طعن مصنف کتاب کے اس راوی کو عادل کہنے کے مقابل ہوگا۔ سو بلا بیان سبب طعن جو مفسر ہو اور اس راوی کے عادل ہونے کو توڑ سکے یا اس کے ضابطہ ہونے میں خلل انداز ہو مقبول نہ ہوگا۔ کیونکہ اسباب طعن جو موجب جرح سمجھے جاتے ہیں مختلف ہوتے ہیں۔ بعض قدح ضبط وعدالت کرتے ہیں۔ بعض نہیں کرتے۔ (لہٰذا اس کا بیان تفصیل سے ضروری ہے) شیخ ابوالحسن مقدسی اس شخص کے حق میں جس سے کتاب صحیح میں روایت ہو چکی ہو فرمایا کرتے تھے کہ یہ پل کے اس پار اتر گیا ہے۔ یعنی اس کے حق میں کسی کا طعن سنا نہ جائے گا۔ شیخ ابوالفتح قشیری اپنے مختصر میں فرما گئے کہ ہم بھی ایسا ہی اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس سے بجز دلیل روشن اور بیان شافی کے جو محدثین کے بالاتفاق صحیح کو صحیح کہنے پر جس سے رواۃ صحیحین کا عادل ہونا لازم آتا ہے۔ فوقیت رکھے عدول نہ کہا جائے گا۔ میں (صاحب فتح الباری) کہتا ہوں پس ان راویوں میں کسی کا طعن وجرح بلا بیان سبب جو قادح عدل وضبط نہ ہو قبول نہ ہوگا۔

اس کے مقابلہ میں جو آپ نے لکھا ہے کہ امکانی طور پر صدور کذب وغیرہ ذنوب ہر ایک سے بجز نبی کے ممکن الوقوع ہے یہ آپ کی ناواقفی پر ایک اور دلیل ہے۔ آپ یہ نہیں

جانتے کہ روایت اور شہادت کا حکم ایک ہے۔ جس میں فعلی صدور کذب مانع قبول واعتبار ہے نہ امکانی، اور اگر امکانی کذب بھی مانع قبول واعتبار ہوتا تو خداتعالیٰ کسی گواہ کی شہادت بجز نبی معصوم قبول نہ کرتا اور نہ عدالت شہود کا نام لیتا اور مسلمانوں کو یہ اجازت نہ دیتا۔ ’’واشھدوا ذوی عدل منکم‘‘یعنی دوگواہ عادل گواہ بناؤ۔

اور نہ فرماتا:’’ممن ترضون من الشھداء‘‘یعنی ان لوگوں کو گواہ بناؤ جن کو پسند کرو۔ یعنی بلحاظ ان کے عدل واستقامت کے اچھا سمجھو بلکہ صاف یہ فرماتا کہ ہر معاملہ میں نبی معصوم کو گواہ کرلیا کرو۔ کیونکہ امکان کذب وغیرہ ذنوب بقول آپ کے بجز نبی معصوم کے ہرایک گواہ میں موجود ہے اور امید ہے کہ یہ بات آپ بھی نہ کہیں گے کہ امکان کذب کی نظر ہے۔ شہادت بجز نبی معصوم کسی کی مقبول نہیں۔ پھر اس امکان کذب کی نظر سے روایت حدیث کو کیوں ناقابل اعتبار ٹھہراتے ہیں۔ آپ کے ایسے دلائل وآقاویل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو فن حدیث کے کوچہ سے بالکل ناآشنائی ہے۔ آپ کو کتب حدیث پر اتفاقی نظر بھی نہیں پڑی۔ صحیح مسلم کا ص۶، اگر آپ کی نظر سے گزرا ہوا ہوتا تو آپ ہرگز اس آیت سے اپنے دعویٰ پر استدلال نہ کرتے۔ یہ تو اس امر کی دلیل ہے کہ جب راویوں یا ناقلوں کے ظاہری صدق وعدالت کا حال معلوم نہ ہو تو ان کو بلاتحقیق قبول نہ کرو۔ نہ یہ کہ جن کا صدق وعدالت تم کو ثابت ہوا ان کو نقل وروایت میں اس خیال سے کہ ان سے صدور کذب ممکن ہے۔ بلاتحقیق جدید نہ مانو۔

صحیح مسلم کے ص۶ میں ہے:’’واعلم وفقک اللہ ان الواجب علے کل احد عرف التمیز بین صحیح الروایات وسقیمھا وثقاوت النافلین لھا من المتھمین ان لا یروی منھا الاما عرف صحت مخارجہ والستارۃ فی ناقلیہ وان یتقی منھا ما کان منھا عن اھل التھم والمعاندین من اھل البدع والدلیل علی ان الذی قلنا من ھٰذا ھو اللازم دون ما خلفہ قول اللہ تبارک وتعالی ذکرہ یایھا الذین اٰمنوا ان جائکم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علے ما فعلتم نادمین. وقال جل ثنأہ ممن ترضون من الشھداء وقال واشھدوا ذوی عدل منکم فدل بما ذکرنا من ھٰذہ الایۃ ان خبر الفاسق ساقط غیر مقبول وان شھادت غیر العدل مردودۃ والخبران

www.amtkn.com www.facebook.com/amtkn313 www.emaktaba.info

فارق معناه معنی الشهادة فی بعض الوجوه فقد یجتمعان فی اعظم معاینهما اذ کان خبر الفاسق غیر مقبول عند اهل العلم کما ان شهادة مردودة عند جمیعهم (صحیح مسلم ص ۶) ’’تو جان لے خدا تعالیٰ تجھے توفیق دے کہ ہر شخص پر جو صحیح وغیر صحیح روایات میں اور ثقہ اور غیر ثقہ راویوں میں تمیز رکھتا ہو یہ واجب ہے کہ وہی حدیث روایت کرے جس کے مخرج (جہاں سے وہ حدیث نکلی ہو اور مروی ہوئی ہے) کی صحت پہچان لے اور اس کے راوی کا مستور ہونا جان لے اور جو روایت متہم اور مخالفین حق اور اہل بدعت سے مروی ہو اس سے بچے۔ اس پر دلیل وہ قول خداوندی ہے جس میں یہ ذکر ہے۔ اے ایمان والو! کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لاوے تو تم اس کی تحقیق کرو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی قوم پر نادانی سے جاپڑو۔ پھر اپنے کئے پر نادم ہو اور وہ آیہ جس میں ارشاد ہے کہ جن گواہوں کو تم پسند کرو اور وہ قول جس میں فرمایا ہے دو گواہ عادل کو گواہ بناؤ۔ ان آیتوں سے ثابت ہے کہ فاسق کی خبر ساقط ہے مقبول نہیں ہے اور غیر عادل کی شہادت مردود ہے اور خبر اگرچہ بعض اوصاف میں شہادت سے متفارق ہے۔ مگر بڑی بھاری اوصاف میں وہ دونوں متفق ہیں۔ کیونکہ فاسق کی خبر اہل علم کے نزدیک مقبول نہیں ہے۔ جیسا کہ اس کی شہادت نامقبول ہے۔

میرے اس سوال کے جواب میں کہ قرآن مجید کو احادیث صحیحہ کا معیار صحت ٹھہرانے میں آپ کا کوئی شخص امام یا موافق ہے جو آپ نے فرمایا ہے کہ: ’’تمام مسلمان جو قرآن کو امام جانتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اس مسئلہ میں میرے موافق ہیں اور خاص کر صاحب تفسیر حسینی یا شیخ محمد اسلم طوسی میرا موافق ہے۔ جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے اس حکم سے کہ جو کچھ مجھ سے روایت کرو اس کو پہلے کتاب اللہ پر عرض کرو۔ حدیث: ’’من ترک الصلٰوة متعمداً فقد کفر ‘‘ کو قرآن پر عرض کیا اور تیس سال کے بعد اس کو آیت: ’’اقیموا الصلٰوة ولا تکونوا من المشرکین ‘‘ کے مطابق پایا تو اس حدیث کو قبول کیا۔‘‘ اس کے پہلے حصہ کا جواب تو سابقاً گزر چکا ہے کہ مسلمانوں کا قرآن کو امام جاننا اور اس پر ایمان لانا یہ نہیں چاہتا کہ وہ کوئی حدیث صحیح جب تک کہ اس کو قرآن پر عرض نہ کریں قبول نہ کریں۔ بلکہ وہ ایمان ان کو یہ سکھلاتا ہے کہ وہ حدیث کو جب اس کی صحت بقوانین روایت ثابت ہو فوراً قبول کریں اور اس کو قرآن مجید کی مانند واجب العمل سمجھیں۔ صرف

قرآن مجید کو کافی سمجھ کر اس حدیث سے استغناء نہ کریں۔

رہا جواب دوسرے حصہ کا کہ صاحب تفسیر حسینی یا شیخ محمد اسلم طوسی نے آپ کے اعتقاد کے موافق عمل کیا ہے اور حدیث ’’من ترک الصلوٰۃ متعمداً‘‘ کو قبول نہ کیا جب تک کہ اس کو آیت: ’’اقیموا الصلوٰۃ‘‘ کے مطابق وموافق نہ پایا۔

سو اس کا جواب یہ ہے کہ کلام صاحب حسینی یا شیخ محمد اسلم طوسی کا مطلب بیان کرنے میں آپ نے دو وجہ سے دھوکہ کھایا یا دیدہ ودانستہ مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہا ہے۔

وجہ اوّل یہ ہے کہ صاحب تفسیر حسینی یا شیخ محمد اسلم طوسی نے آپ کی مانند یہ عام اصول نہیں ٹھہرایا کہ احادیث صحیحہ مسلم الصحت کے ثابت ہو جانے کے بعد اس کی صحت کا امتحان اس اصول سے کیا جائے اور جب تک وہ حدیث مطابق قرآن نہ ہو اس کو صحیح نہ سمجھنا چاہئے۔ ان کی کلام میں اس عام اصول کا نام ونشان بھی نہیں ہے اور نہ آپ نے یہ عام اصول ان سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے صرف اس ایک حدیث ’’من ترک الصلوٰۃ‘‘ کو کتاب اللہ پر عرض کیا اور اگر اس حدیث کے سوا اور احادیث کو بھی انہوں نے اسی عرض کے ذریعہ سے صحیح قرار دیا ہے تو آپ یہ امر ان سے بنقل صحیح ثابت کریں۔ ورنہ آپ پر یہ الزام قائم ہے کہ آپ جزئی واقعہ کو عام اصول بناتے ہیں اور خود دھوکہ کھاتے اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اس پر اگر یہ سوال کرو کہ ان کے نزدیک یہ اصول تصحیح روایت عام مقرر نہ تھا تو انہوں نے اس حدیث ’’من ترک الصلوٰۃ‘‘ کو قرآن پر کیوں عرض کیا تو جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی صحت معنی میں ان کو کچھ شک ہوگا۔ اس شک کو رفع کرنے کی غرض سے انہوں نے یہ عمل کیا یا یہ کہ باوجود تسلیم صحت وعدم شک انہوں نے حصول مزید طمانیت کے لئے ایسا کیا اور اس حدیث کے اعتقاد کو اور پختہ کیا۔ اس کے جواب میں اگر یہ کہو کہ اس مسئلہ کا عام اصول ہونا خود اس حدیث کے الفاظ سے ثابت ہے۔ اس صورت میں یہ اصول گویا آنحضرت ﷺ کا مجوزہ اصول ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا آنحضرت ﷺ سے ثابت نہ ہونا بلکہ زندیقوں، چھپے کافروں کی بناوٹ ہونا سابقاً بخوبی ثابت ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ کا بحکم نبوی عام اصول ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔

دوسری وجہ یہ کہ صاحب تفسیر حسینی یا شیخ محمد اسلم طوسی کی کلام میں یہ تصریح نہیں ہے کہ جب تک شیخ طوسی نے اس حدیث کو آیۃ: ’’اقیموا الصلوٰۃ‘‘ کے موافق نہ کر لیا تھا۔ تب تک

اس کو غیر صحیح یا وضعی سمجھا تھا یا تیس سال کے عرصہ تک اس حدیث کی صحت یا عدم صحت کی نسبت کوئی فیصلہ نہ کیا تھا۔ کیوں جائز نہیں کہ وہ اس حدیث کو مان چکے تھے۔ مگر مزید اطمینان کے لئے وہ تیس برس تک قرآن مجید سے اس کا متوافق ہونا تلاش کرتے رہے۔ آپ سچے ہیں تو اس احتمال کو دلیل سے اٹھا دیں اور بنقل صریح ثابت کریں کہ شیخ طوسی تیس سال تک اس حدیث کو غیر صحیح یا موضوع سمجھتے رہے یا اس کی صحت میں متردد و متوقف رہے۔ اس احتمال کو بدلائل اٹھا کر اس امر کو بنقل صریح ثابت کرنے کے بغیر آپ کا اس قول طوسی سے استدلال کرنا اور اس پر یہ درخواست کرنا کہ میں نے ایک آدمی کا نام اپنے موافقین سے بتا دیا۔ اب آپ ضد چھوڑ دیں۔ کمال تعجب کا محل ہے اور شرم کا موجب ''ثبت العرش ثم انقش''

آپ شیخ محمد اسلم طوسی سے اس عرض کا عام اصول صحت احادیث ہونا یا تیس سال تک خاص کر حدیث: ''من ترک الصلوٰۃ'' کی صحت میں متوقف رہنا ثابت کریں تو ہمارے انکار کو ضد کہیں۔ یہ نہ ہو سکے تو اس حدیث کی صحت ہی ثابت کریں۔ پھر ہم شیخ طوسی سے ان امور کا ثبوت بہم پہنچانے کے طالب نہ رہیں گے اور اس حدیث کو جس کا مضمون خود ایک اصول ہے تسلیم کر کے اپنے انکار سے رجوع کریں گے۔ ''واللہ ثم باللہ ثم تاللہ. وکفٰی باللہ شھیداً. وکفٰی باللہ وکیلا''

اور اگر آپ صحت حدیث ثابت نہ کر سکیں یا شیخ طوسی سے امور مذکورہ بنقل صریح ثابت نہ کریں تو آپ اپنے مخترعہ متحدثہ اصول پر اصرار و ضد چھوڑ دیں۔ زیادہ ہم کیا کہیں۔

۵...... آپ لکھتے ہیں کیا آپ قرآن کریم کی ان خوبیوں کے بارے میں کہ وہ محک اور معیار اور میزان ہے کچھ شک میں ہیں۔ یہ کمال دھوکہ دہی ہے اور اپنے پرچہ نمبر۵ میں میرا یہ اقرار کہ میں قرآن کو امام جانتا ہوں اور احادیث صحیحین کو قرآن کے برابر نہیں سمجھتا۔ نقل کرنے کے بعد یہ استفسار ایک افتراء ہے جس سے مقصود صرف اپنے بے علم حاضرین مریدوں کو میری طرف سے بدظن کرنا ہے اور یہ جتانا ہے کہ یہ شخص قرآن کو نہیں مانتا۔

اس کا جواب میں پہلے بھی دے چکا ہوں کہ جو شخص قرآن کو حکم و امام نہ مانے وہ کافر ہے۔ اب پھر کہتا ہوں کہ قرآن ہمارا حکم، امام، میزان، معیار، قول فصل وغیرہ وغیرہ ہے۔ مگر آپ نے غیر پر یعنی لوگوں کے باہمی اختلافات و تنازعات پر جو رائے پر مبنی ہوں اور حدیث صحیح تو خادم و مفسر قرآن اور وجوب عمل میں مثل قرآن ہے وہ اس سے مخالف و منازع

نہیں اور کسی مسلمان کا اس کی صحت قبول کرنے میں اختلاف نہیں تو پھر قرآن اس کی صحت کا حکم و معیار و محک کیونکر ہوسکتا ہے۔

اے خدا کی مخلوق خدا سے ڈرو۔ مسلمانوں کو دھوکہ میں نہ ڈالو۔ قرآن وحدیث صحیح ایک ہی چیز ہیں اور ایک دوسرے کے مصدق ہیں تو پھر ایک دوسرے کے محک و معیار ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ موضوع ہونا کسی حدیث کا اور بات ہے۔ ضعیف ہونا اور ہے اور میں نے صحیح مسلم کی حدیث دمشقی کی ضعیف ہونے کا امام بخاری کو قائل قرار دیا ہے۔ انہوں نے اس حدیث کی روایت کو ترک کیا تو اس سے مجھے معلوم ہوا کہ انہوں نے اس حدیث کو ضعیف سمجھا ہے۔ جس کو موضوع ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔ اس قول میں ایک تو آپ نے دھوکہ دیا ہے۔ دوسرا اپنی ناواقفی کا اظہار کیا ہے۔ دھوکہ یہ کہ یہاں آپ ضعیف اور موضوع میں فرق کو تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ آپ کے نزدیک جو حدیث موافق قرآن نہ ہو وہ موضوع ہے اور کلام رسول ہونے سے خارج نہ اور قسم کی ضعیف، یہی وجہ ہے کہ آپ اپنی تحریرات نمبر (۳ وغیرہ) میں ایسی حدیثوں کو کبھی موضوع کہتے ہیں۔ کبھی غیر صحیح وضعیف جس سے صاف ثابت ہے کہ آپ کی اصطلاح میں موضوع وضعیف ایک ہے اور صحیح مسلم کی حدیث دمشقی کو بھی آپ قرآن کریم کے مخالف سمجھتے ہیں اور رسالہ ازالہ میں اس کی وجوہ مخالفت بڑے زور سے بیان کر چکے ہیں۔ لہٰذا وہ آپ کے نزدیک موضوع ہے نہ اور قسم کی ضعیف۔ یہاں اپنے اس اعتقاد کو چھپا کر مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

جس ناواقفی کا آپ نے اظہار کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ روایت صحیح مسلم کو امام بخاری کے ترک کرنے سے آپ نے یہ اجتہاد کیا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ صحیح سمجھتے تو وہ اس کو ضرور اپنی کتاب میں لاتے۔ یہ بات وہی شخص کہے گا جس کو حدیث کے کوچہ میں بھولے سے بھی کبھی گزر نہ ہوا ہوگا۔ امام بخاری نے بہت سی احادیث صحیحہ کو اپنی کتاب میں ذکر نہیں کیا اور یہ فرما دیا ہے کہ میں نے ان کو بخوف طوالت ترک کر دیا ہے۔

صحیح بخاری کے مقدمہ میں ہے: ''وروی من جهات عن البخاری قال صنفت کتابی الصحیح بسة عشر سنة خرجته من ستماته الف حدیث وجعلته حجة بینی وبین الله وروی عنه قال رأیت النبی ﷺ فی المنام و کانی

واقف بین یدیه وبیدی مروحة اذب عنه نسالت بعض المعبرین فقال انت تذب عنه الکذب فهو الذی حملنی علی اخراج الصحیح وروی عنه قال ما ادخلت فی کتاب الجامع الاماصح وترکت کثیراً من الصحاح لحال الطول (مقدمه صحیح بخاری ص ٦) ''امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے کئی سندوں سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ میں نے اپنی کتاب صحیح کو سولہ سال میں جمع کیا ہے اور وہ کتاب چھ لاکھ حدیث کا انتخاب ہے اور وہ خداتعالیٰ کے سامنے میری دست آویز ہے۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں آنحضرت ﷺ کے سامنے کھڑا ہوں اور ان کو پنکھا کر رہا ہوں۔ میں نے بعض تعبیر دانوں سے اس کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے یہ تعبیر بتائی کہ تو آنحضرت ﷺ سے جھوٹ کو دور کر رہا ہے۔ یہی خواب مجھے اس کتاب کے جمع کرنے کا باعث ہوا۔

امام بخاری سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ میں نے اس کتاب میں صرف صحیح احادیث کو داخل کیا ہے اور بہت سی صحیح حدیثوں کو طوالت کے خوف سے ترک کر دیا ہے۔ امام بخاری سے یہ بھی منقول ہے کہ مجھے دو لاکھ حدیثیں غیر صحیح اور ایک لاکھ صحیح یاد ہیں۔ باوجودیکہ صحیح بخاری میں چار ہزار احادیث منقول ہیں۔ جس سے ثابت ہے کہ چھیانوے ہزار حدیث اور امام بخاری کے نزدیک صحیح ہیں جن کو وہ اپنی کتاب میں نہیں لائے۔

''وجملة ما فی صحیح البخاری من الاحادیث المسندة سبعة الاف ومأتان وخمسة وسبعون حدیثاً بالاحادیث المکررة وبحذف المکررة نحو اربعة الاف کذا ذکر النووی فی التهذیب والحافظ ابن حجر فی مقدمة فتح الباری (مقدمه صحیح بخاری ص ٦) ''صحیح بخاری کی حدیثوں کی تعداد سات ہزار دو سو پچھتّر ہے۔ اگر مکرر احادیث کو شمار کریں اور اگر مکررات کو چھوڑ دیں تو کل چار ہزار حدیثیں ہیں۔ ایسا ہی امام نووی نے تہذیب میں اور حافظ بن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں ذکر کیا ہے۔

شیخ عبدالحق نے مقدمہ شرح مشکوٰۃ میں کہا ہے کہ: ''ونقل عن البخاری انه قال حفظت من الصحاح ماته الف حدیث ومن غیر الصحاح مائتی الف (مقدمه شرح مشکوٰة ص ٦) ''امام بخاری سے منقول ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک لاکھ حدیث صحیح یاد ہے اور دو لاکھ غیر صحیح۔

اس سے صاف ثابت ہے کہ امام بخاری کا کسی حدیث کی روایت کو ترک کرنا اس امر کا مثبت نہیں ہے کہ انہوں نے اس کو ضعیف قرار دیا۔ پھر امام بخاری کا ترک روایت حدیث مسلم کیونکر موجب ضعف ہو۔

امام مسلم نے خود اپنی کتاب میں بہت سی احادیث کو جن کو وہ صحیح سمجھتے ہیں ذکر نہیں کیا۔ جیسا کہ مقدمہ شرح مشکوٰۃ میں ہے: ''**قال مسلم الذی اوردت فی ھٰذا الکتاب من الاحادیث صحیح ولا اقول ان ماترکت ضعیف** (مقدمہ شرح مشکوٰۃ ص ۶) '' مسلم نے کہا ہے جو حدیث میں اس کتاب میں لایا ہوں وہ صحیح ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ جس حدیث کو میں نے چھوڑ دیا (یعنی اس کتاب میں نہیں لایا) وہ صحیح نہیں۔

امام مسلم نے خود اپنی کتاب صحیح میں فرمایا ہے: ''**لیس کل شیٔ عندی صحیح وضعته هنا (یعنی فی کتابه الصحیح) وانما وضعت ههنا اجمعوا علیه** (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۲) '' یہ نہیں کہ جو حدیث میرے نزدیک صحیح تھی وہ میں نے اس کتاب میں جمع کر دی ہے۔ میں نے اس میں وہی حدیث جمع کی ہے جس کی صحت پر سب کا اتفاق تھا۔ (یعنی جس حدیث کی صحت میں اختلاف تھا وہ میں نے اس کتاب میں نقل نہیں کی۔ گو میرے نزدیک وہ صحیح تھی)

اب دل میں سوچ کر انصاف سے کہیں کہ امام بخاری یا خود امام مسلم کے کسی حدیث کی روایت کو ترک کرنے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ وہ حدیث ان کے نزدیک صحیح نہ ہو۔ آپ اٹکل پچو ایسی باتیں کہہ کر یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ فن حدیث سے آپ کو کوئی تعلق اور کچھ مس نہیں۔ اس الزام دھوکہ دہی و ناواقفی کو آپ مانیں خواہ نہ مانیں۔ آپ کی کلام سے یہ تو ثابت ہوتا ہے جس کے ماننے سے آپ کو بھی انکار نہیں کہ حدیث دمشقی صحیح مسلم کو آپ نے اپنے اجتہاد سے ضعیف قرار دیا ہے اور آپ کے اعتقاد مخفی توہین صحیحین کے اظہار کے لئے اس مقام میں اسی قدر بس ہے۔ اہل حدیث جو آپ کے پنجہ میں گرفتار ہیں آپ کے اس قول واقرار سے یقین کریں گے کہ آپ حدیث صحیح مسلم کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور اس پر جو فتویٰ لگائیں گے وہ مخفی نہیں ہے۔

۶...... آپ لکھتے ہیں کہ ازالۃ الاوہام میں احادیث صحیح بخاری وصحیح مسلم کی نسبت میں نے یہ قطعی فیصلہ نہیں دیا کہ وہ موضوع ہیں۔ بلکہ شرطیہ طور پر کہا ہے کہ اگر ان کے باہمی تناقض کو

دور نہ کیا جائے گا تو ایک جانب کی حدیثوں کو موضوع ماننا پڑے گا۔ یہ آپ کی محض حیلہ سازی ہے۔ جس مقام میں آپ نے ان احادیث کو موضوع کہا وہاں شرط تناقض بیان نہیں کی بلکہ بڑے زور سے پہلے ان کا تعارض ثابت کیا ہے۔ پھر ان پر موضوع ہونے کا حکم لگا دیا ہے۔ جس سے صاف صاف ثابت ہے کہ آپ کے نزدیک ان احادیث میں تناقض وتعارض متحقق ہے۔ وبناءً علیہ وہ احادیث آپ کے نزدیک موضوع ہیں۔ ہاں! آپ نے ان احادیث میں کچھ کچھ تاویلیں بھی کی ہیں۔ جن سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ تاویل بغرض صحت احادیث مذکورہ آپ کرتے ہیں۔ آپ کے کلام سے صاف یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ احادیث اوّل تو آپ کے نزدیک صحیح نہیں موضوع ہیں اور اگر بالفرض وہ صحیح مانی جائیں تو پھر وہ آپ کے نزدیک تاویلات سے ماؤل ہیں۔ یہ مطلب آپ کی ان عبارات ازالہ اوہام سے جو ہم پرچہ نمبر۱۰ ج۱۳ اص۳۲۲ وغیرہ میں نقل کر چکے ہیں ان میں بلاشرط آپ نے ان احادیث کو موضوع کہا ہے۔ صاف ثابت ہے۔ آپ اس کے خلاف کے مدعی اور اپنے دعویٰ حال میں سچے ہیں تو اس مضمون کی عبارت نقل کریں۔ جس میں پہلے آپ نے قطعی اور صاف طور پر ان احادیث کو صحیح مان لیا ہو۔ پھر اس بیان صحت کے بعد شرطیہ طور پر یہ کہا ہو کہ ان احادیث کی تاویل نہ کی جائے تو یہ موضوع ٹھہرتی ہیں۔ آپ اپنی کتاب سے یہ تصریح نکال دیں گے تو ہم آپ کو اس الزام سے کہ آپ نے صحیحین کی احادیث کو موضوع قرار دیا ہے، بری کر دیں گے۔ ورنہ کس وناکس کو یقین ہوگا کہ درحقیقت آپ صحیح بخاری ومسلم کی حدیثوں کو موضوع ٹھہرا چکے ہیں۔ مگر اپنے اتباع عوام اہل حدیث کے خوف سے ان کو موضوع کہنے سے انکار کرتے ہیں تاکہ عوام آپ کو منکر احادیث نہ کہیں اور زمرۂ اہل سنت سے خارج نہ کریں۔

۷...... آپ لکھتے ہیں میرے نزدیک اجماع کا لفظ اس حالت پر صادق آسکتا ہے کہ جب صحابہ میں سے مشاہیر صحابہ اپنی رائے کو شائع کریں اور دوسرے باوجود سننے کے اس رائے کی مخالفت ظاہر نہ فرمائیں۔ سو یہی اجماع ہے۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ ابن عمر وجابر نے ابن صیاد کو دجال کہا تو یہ امر باقی صحابہ سے پوشیدہ نہ رہا ہوگا۔ سو میرے نزدیک بھی اجماع ہے۔ آپ کے نزدیک یہ اجماع نہیں تو بتادیں کہ کس صحابی نے ابن صیاد کے دجال ہونے سے انکار کیا۔ پھر آپ لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے ابن صیاد کو دجال کہنے پر آنحضرت ﷺ نے سکوت کیا ہے اور یہ ہزار اجماع سے افضل ہے۔

ان عبارات میں آپ نے میرے سوالات کا کہ (۱) یہ تعریف اجماع جو آپ نے لکھی ہے وہ کس کتاب میں ہے۔ (۲) بعض صحابہ کے اتفاق کو کون اجماع کہتا ہے۔ (۳) سکوت باقی صحابہ پر نقل صحیح کی کہاں شہادت پائی جاتی ہے۔ اس کو نقل کریں۔ ''غالباً'' اور ''ہوگا'' سے کام نہ لیں۔ کچھ جواب نہ دیا اور پھر اپنے خیالات سابقہ کو دوبارہ نقل کر دیا۔ جس سے صاف ثابت ہے کہ آپ علمی سوالات کو سمجھ نہیں سکتے اور مسائل متعلقہ اجماع سے واقف نہیں یا دیدہ ودانستہ مسلمانوں کو دھوکہ دہی کی غرض سے ان کے جواب سے جو آپ کے دعاوی کے مبطل ہیں چشم پوشی کرتے ہیں۔

اب میں ان سوالات کا پھر اعادہ نہیں کرتا۔ کیونکہ میں آپ سے جواب ملنے کی امید نہیں رکھتا اور بجائے اس کے آپ کی باتوں کا خود ایسا جواب دیتا ہوں۔ جس سے ثابت ہو کہ آپ نے جو کچھ کہا ہے وہ آپ کی ناواقفی پر مبنی ہے اور وہ میرے سوالات کا جواب نہیں ہوسکتا۔ آپ نے پرچہ نمبری (۵ وغیرہ) میں تین شخصوں کی جماعت کے اتفاق کو اجماع قرار دیا تھا۔ جو محض غلط اور ناواقفی پر مبنی ہے۔ علماء اسلام جو اجماع کے قائل ہیں اجماع کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ وہ ایک وقت کے جملہ مجتہدین کے جن میں ایک شخص بھی متفرد ومخالف نہ ہو، اتفاق کا نام ہے۔

توضیح میں ہے کہ: ''**هو اتفاق المجتهدين من امة محمد ﷺ فی عصر علی حکم شرعی**'' وقت کے تمام مجتہدوں کا ایک حکم شرعی پر اتفاق کرنا اجماع کہلاتا ہے۔ کتب اصول میں یہ بھی مصرح ہے کہ: ''**خلاف الواحد مانع**'' یعنی ایک مجتہد بھی اہل اتفاق کا مخالف ہو تو پھر اجماع متحقق نہ ہوگا۔

مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں ہے: ''**قيل اجماع الاكثر مع ندرة المخالف اجماع كغير ابن عباس اجمعوا على القول بالعول وغير ابى موسى الاشعرى اجمعو على نقض النوم الوضؤ وغير ابى هريرة وابن عمر رضی اللہ عنہ اجمعوا على جواز الصوم فى السفر والمختار انه ليس باجماع لانتفاء الكل الذى هو مناط العصمة** (مسلم الثبوت) '' بعض علماء قائل ہیں کہ اکثر مجتہدین کا اجماع مخالفین کی ندرت وقلت کی حالت میں اجماع سمجھا جاتا ہے۔

جیسا کہ ابن عباس کے سوا اور سب کا اس امر کا قائل ہونا کہ اگر اہل میراث کے حصے اس عدد سے جس کے حصہ نکالے گئے ہوں بڑھ جاویں تو اس عدد کو بڑھایا جائے اور ابوموسیٰ اشعری کے سوا اور سب لوگوں کا قائل ہونا کہ سوجانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے اور ابوہریرہ وابن عمر کے سوا اور سب لوگوں کا اس پر اتفاق کرنا کہ سفر میں روزہ رکھنا جائز ہے۔ مگر مذہب مختار یہ ہے کہ ایسا اجماع شرعاً اجماع نہیں کہلاتا۔ کیونکہ یہ اتفاق کل نہیں جو عصمت کا مدار ہے۔

اور نیز اس میں ہے: ’’**لا ینعقد الاجماع باهل البیت وحدهم لا نهم بعض الامة خلافا للشیعة** (مسلم الثبوت) ‘‘صرف اہل بیت نبوی کے اتفاق سے اجماع منعقد نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ صرف بعض مجتہدین امت ہیں شیعہ کو اس میں خلاف ہے جو اس کو اجماع سمجھتے ہیں۔

اور نیز اس میں ہے: ’’**ولا ینعقد بالخلفاء الاربعة خلافا لاحمد الامام** (مسلم الثبوت) ‘‘صرف خلفاء اربعہ کے اتفاق سے بھی اجماع منعقد نہیں ہوتا۔ اس میں امام احمد کا خلاف ہے۔

سکوت باقی اصحاب سے آپ نے اجماع استنباط کیا ہے۔ مگر اس کا ثبوت نہیں دیا بلکہ الٹا ہم سے ثبوت مخالفت طلب کیا ہے۔ یہ ثبوت پیش کرنا ہمارا فرض نہ تھا۔ مگر ہم آپ پر احسان کرتے ہیں۔ آپ کو سکوت کل کا ثبوت پیش کرنا معاف کر کے خود ثبوت خلاف پیش کرتے ہیں۔ پس واضح ہو کہ ابن صیاد کو دجال موعود نہ سمجھنے والے۔

ایک ابوسعید خدری صحابی تھے۔ ان سے صحیح مسلم میں منقول ہے: ’’**عن ابی سعید ؓ قال صحبت ابن صیاد الٰی مکة فقال لی ماقد لقیت من الناس یزعمون انی الدجال الست صمعت رسول اللہ ﷺ یقول انه لا یولد له قال قلت بلٰی قال فقد ولدے اولیس سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا یدخل المدینة ولا مکة قلت بلٰی قال فقد ولدت بالمدینة وها انا ارید مکة قال ثم قال لی فی اٰخر قوله اما واللہ انی لا علم مولده ومکانه واین هو فلبسنی** (صحیح مسلم ص۳۹۷) ‘‘کہ ابوسعید خدری ؓ کہتے ہیں میں مکہ تک ابن صیاد کے ساتھ ہوکر چلا تو اس نے کہا مجھے لوگوں سے کیا تکلیف پہنچی ہے۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ میں دجال ہوں تو

نے آنحضرت ﷺ سے نہیں سنا کہ آپ فرماتے دجال لاولد ہوگا۔ میں نے کہا ہاں سنا ہے۔ پھر وہ بولا کہ میں تو صاحب اولاد ہوں۔ پھر بولا کیا تو نے آنحضرت ﷺ سے یہ نہیں سنا کہ دجال مکہ ومدینہ میں داخل نہ ہوگا۔ میں نے کہا ہاں سنا ہے۔ پھر وہ بولا کہ میں مدینہ میں پیدا ہوا ہوں اور اب مکہ کو جارہا ہوں۔ ابوسعید نے فرمایا کہ اس نے اپنی آخر کلام میں کہا کہ میں جانتا ہوں کہ دجال کہاں پیدا ہوا اور اب وہ کہاں ہے۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے شبہ میں ڈال دیا۔

ابوسعید خدری ؓ کا یہ لفظ ''لبسنی'' صاف مشعر ہے کہ وہ ابن صیاد کو یقیناً دجال موعود نہ سمجھتے بلکہ اس میں ان کو ''لبس'' یعنی شبہ تھا۔

دوسرے تمیم داری نہیں جو دجال کو اپنی آنکھ سے ایک جزیرہ میں مقید دیکھ کر آئے تھے۔

چنانچہ صحیح مسلم میں فاطمہ بنت قیس سے روایت ہے کہ: ''وفی روایة فاطمة بنت قیس قالت سمعت نداء المنادی منادی رسول اللہ ﷺ ینادی الصلٰوة جامعة فخرجت الیٰ المسجد فصلیت مع رسول اللہ ﷺ فکنت فی صف النساء الذی یلی ظهور القوم فلما قضی رسول اللہ ﷺ صلوته جلس علے المنبر وهو یضحک فقال لیلزم کل انسان مصلاه ثم قال اتدرون لم جمعتکم قالوا اللہ ورسوله اعلم قال انی واللہ ما جمعتکم لرغبة ولا لرهبة ولٰکن جمعتکم لان تمیم الداری کان رجلا نصرانیاً فجاء فبایع واسلم وحدثنی حدیثاً وافق الذی کنت احدثکم عن مسیح الدجال حدثنی انه رکب فی سفینة بحریة مع ثلثین رجلاً من لخم وجذام فلعب بهم الموج شهرا فی البحر ثم ارفعؤا الیٰ جزیرة فی البحر حین تغرب حین مغرب الشمس فجلسوا فی اقرب السفینة فدخلوا الجزیرة فلقتیهم دابة اهلب کثیر الشعر لا یدرون ماقبله من دبره من کثرة الشعر فقالوا ویلک ما انت قالت انا الجساسة قالوا وما الجساسة قالت یاایها القوم انطلقوا الیٰ هٰذا الرجل فی الدین فانه الیٰ خبرکم بالاشواق قال لما سمت لنا رجلا فرقنا منها ان تکون شیطانة قال فانطلقنا سراعاً حتی دخلنا الدیر فاذا فیه اعظم انسان رایناه قط خلقا واشده وثاقا مجموعة یداه الیٰ عنقه ما بین

رکبتیہ الٰی کعبیہ بالحدید قلنا ویلک ما انت قال قد قدرتم علٰے خبری فاخبرونی ما انتم قالوا نحن اناس من العرب رکبنا فی سفینة بحریة فصاد فنا البحرحین اغتلم فلعب بنا الموج شهر اثم ارفیئا الٰی جزیرتک هذه فجلسنا فی اقربها فدخلنا الجزیرة فلقینا دابة اهلب کثیر الشعر لاندری ما قبله من دبره من کثرة الشعر فقلنا ویلک ما انت فقالت انا الجساسة قلنا وما الجساسة قالت اعمدوا الٰی هٰذا الرجل فی الدبر فانه الٰی خبرکم بالاشواق فاقبلنا الیک سراعًا وفزعنا منها ولم نا من ان تکون شیطانة فقال اخبرونی عن نخل بیسان قلنا عن ای شانها تستخبر قال اسئلکم عن نخلها هل یثمر قلنا له نعم قال اما انها یوشک ان لا تمثر قال اخبرونی عن بحیرة طبریة قلنا عن ای شانها تستخبر قال هل فیها ماء قالوا هی کثیرة الماء قال اما ان مائها یوشک ان یذهب قال اخبرونی عن عین زغرقالوا عن ای شانها تستخبر قال هل فی العین ماء وهل یزرع اهلها بماء العین قلنا له نعم هی کثیرة المآء واهلها یزرعون من مائها. قال اخبرونی عن نبی الامیین ما فعل قالوا قد خرج من مکة ونزل یثرب قال اقاتله العرب قلنا نعم قال کیف صنع بهم فاخبرناه انه قد ظهر علی من یلیه من العرب واطاعوه قال قال لهم قد کان ذاک قلنا نعم قال اما ان ذاک خیر لهم ان یطیعوه وانی مخبرکم عنی انی انا المسیح الدجال وانی اوشک ان یوذن لے فی الخروج فاخرج فاسیر فی الارض فلا ادع قریة الاهطبتها فی اربعین لیلة غیر مکة وطیبة فهما محرمتان علیّ کلتٰهما کلما اردت ان ادخل واحدة اوواحدًا منهما استقبلنی ملک بیده السیف صلتاً یصدنی عنها وان علٰے کل نقب منها ملائکة یحرسونها قالت قال رسول اللہ ﷺ وطعن بمخصرته فی المنبر هٰذه طیبة هٰذه طیبة یعنی المدینة الاهل کنت حدثتکم ذٰلک فقال الناس نعم فانه اعجبنی حدیث تمیم انه وافق الذی کنت احدثکم عنه وعن المدینة ومکة الا انه

فی بحر الشام اوبحر الیمن لابل من قبل المشرق ما ھو من قبل المشرق ما ھو من قبل المشرق ما ھو واومی بیدہ الیٰ المشرق قالت فحفظت ھٰذا من رسول اللہ ﷺ (صحیح مسلم ص ۴۰۴) ’’میں نے آنحضرت ﷺ کے مؤذن کی آواز اذان سنی تو میں مسجد کی طرف نکلی اور میں عورتوں کی صف میں جو مردوں کی پیٹھ پیچھے ہوتی جاٹھہری۔ جب آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ منبر پر رونق افروز ہوئے اور آپ نے یہ فرمایا کہ سب کوئی اپنی اپنی جگہ ٹھہرا رہے۔ پھر فرمایا تم جانتے ہو میں نے تمہیں کیوں جمع کیا ہے۔ وہ بولے اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ میں نے تمہیں ترغیب (رغبت وشوق دلانے) ترہیب (ڈرسنانے) کے لئے نہیں بلایا بلکہ اس لئے بلایا ہے کہ تمیم داری نصرانی تھا۔ وہ آیا ہے اور مسلمان ہوگیا ہے اور اس نے مجھے ایک ایسی بات کہی ہے جو میری اس حدیث کے مطابق وموافق ہے جو میں تمہیں دجال کی بابت سنایا کرتا تھا۔ اس نے کہا ہے کہ وہ تیس آدمیوں کے ساتھ جو بنی لخم وبنی جذام سے تھے ایک جہاز میں سوار ہوا۔ موج دریا نے ایک مہینے تک ان کے جہاز کو خراب کیا اور پھرایا۔ پھر وہ غروب آفتاب کے وقت ایک جزیرہ کی طرف پناہ گزین ہوئے اور ایک چھوٹی سی کشتی میں بیٹھ کر ایک جزیرہ میں داخل ہوئے تو ان کو ایک جانور سا ملا جس کو اہلب کہتے ہیں۔ اس کے بالوں کی کثرت کے سبب اس کا منہ اور پیچھا نظر نہ آتا تھا۔ وہ بولے تجھے خرابی تو کون ہے۔ وہ بولا میں جساسہ (دجال کا جاسوس) ہوں۔ وہ بولے کیسا جساسہ۔ اس نے کہا اس صومعہ (گرجا) میں چلو وہاں ایک آدمی تمہاری خبروں کا مشتاق ہے۔ جب اس نے ایک آدمی کا ذکر کیا تو ہم ڈر گئے کہ مبادا یہ کوئی بھوت یا چڑیل ہو۔ مگر ہم جلدی سے اس صومعہ میں گئے تو ایک اتنا بڑا آدمی جس کے برابر ہم نے کبھی کوئی نہ دیکھا تھا۔ نظر آیا جس کے ہاتھ گردن سے جکڑے ہوئے اور وہ گھٹنوں سے ٹخنوں تک لوہے کے زنجیروں سے بندھا ہوا ہے۔ ہم نے اس کو کہا تجھے خرابی تو کون ہے۔ وہ بولا تم میری خبر پر تو تم قادر ہو چکے۔ تم بتلاؤ کہ تم کون ہو۔ ہم بولے ہم عرب کے لوگ ہیں۔ ہم ایک جہاز پر ایسے وقت میں سوار ہوئے جب کہ دریا میں موجوں کا زور تھا۔ موج دریا نے ہم کو ایک مہینے تک خراب کیا۔ پھر ہم اس جزیرہ پر آلگے تو ہم کو یہ جانور ملا۔ (پھر جو اس سے سوال وجواب ہوئے ان کو بیان کیا) پھر کہا ہم تیری طرف

جلدی سے آگئے اور ہم ڈرے تھے کہ تو کوئی بھوت ہوگا۔ وہ بولا بتاؤ (موضع) بیسان کے باغ خرما کا کیا حال ہے۔ وہ پھل دیتا ہے۔ ہم بولے ہاں دیتا ہے۔ وہ بولا ایک وقت عنقریب ایسا آئے گا کہ وہ پھل نہ دے گا۔ پھر اس نے کہا بحیرہ طبریہ کا حال بتلاؤ۔ ہم نے کہا اس کا کیا حال پوچھتا ہے۔ وہ بولا اس میں پانی ہے۔ ہم نے کہا اس میں بہت پانی ہے۔ وہ بولا عنقریب ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس کا پانی جاتا رہے گا۔ پھر وہ بولا (موضع) زغر کے چشمہ کا حال بتاؤ۔ ہم نے کہا اس کا کیا حال پوچھتا ہے۔ وہ بولا اس میں پانی ہے۔ ہم نے کہا اس میں بہت پانی ہے۔ جس سے لوگ کھیتوں کو پانی دیتے ہیں۔ وہ بولا امیون (عرب کے ان پڑھوں) کے نبی کی مجھے خبر دو۔ اس کا کیا حال ہوا۔ ہم نے کہا آپ ﷺ مکہ سے نکلے اور مدینہ میں رونق افروز ہوئے ہیں۔ وہ بولا ملک عرب نے ان سے لڑائی کی ہے؟ ہم نے کہا ہاں کی ہے۔ وہ بولا پھر ان کا کیا حال ہوا۔ ہم نے کہا کہ آپ اپنے پاس والے عربیوں پر غالب آگئے ہیں اور وہ ان کے تابع ہوگئے ہیں۔ وہ بولا کیا انہوں نے ایسا کیا ہے۔ ہم نے کہا ہاں! ایسا کیا ہے۔ وہ بولا سن رکھو ان کے حق میں یہی بہتر ہے کہ وہ آپ کے مطیع ہوجائیں اور میں تمہیں اپنا حال کہتا ہوں کہ میں مسیح دجال ہوں۔ مجھے عنقریب نکلنے کی اجازت ہوگی تو میں نکلوں گا اور تمام زمین پر پھر جاؤں گا۔ کوئی گاؤں نہ چھوڑوں گا جس میں چالیس رات کا عرصہ میں نہ اتروں گا۔ بجز مکہ اور طیبہ کے کہ وہ دونوں مجھ پر حرام کئے گئے ہیں۔ جب میں ان دوشہروں میں داخل ہونا چاہوں گا فرشتہ تلوار ہاتھ میں کھینچے ہوئے میرے سامنے آئے گا اور مجھے روک دے گا۔ ان کے ہر ایک پھاٹک پر فرشتے ہوں گے جو ان کی حفاظت کریں گے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی چھڑی کو (جو آپ کے ہاتھ میں تھی) منبر پر مارا اور یہ فرمایا کہ طیبہ (جس کا دجال نے ذکر کیا ہے) یہی ہے۔ طیبہ یہی ہے۔ طیبہ یہی ہے یعنی مدینہ۔ سن رکھو کیا میں تمہیں یہ حدیث دجال کی سنایا نہ کرتا تھا۔ لوگوں نے کہا ہاں بے شک آپ سنایا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا مجھے یہ تمیم کی بات پسند آئی ہے۔ یہ میری اس حدیث کے موافق ہے جو میں تم کو دجال کی بابت اور مکہ و مدینہ کی بابت سنایا کرتا تھا۔ سن رکھو کیا وہ دریائے شام یا یمن میں بھی نہیں وہ تو مشرق کی طرف ہے۔ وہ وہی ہے جو مشرق کی طرف ہے۔ وہ وہی ہے جو مشرق کی طرف ہے اور آپ نے مشرق کی طرف ہاتھ سے بھی اشارہ کیا۔ فاطمہ اس حدیث

کی راوی کہتی ہے یہ حدیث میں نے آنحضرت ﷺ سے سنی اور یاد رکھی ہے۔

اس حدیث سے صاف ثابت ہے کہ تمیم داری نے دجال کو آنکھ سے دیکھا۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ وہ قول ابن عمرؓ کے موافق ابن صیاد کو دجال سمجھتے۔

آپ نے اس حدیث کا ضعف ایک دوست کے حوالے سے نواب حسن خان صاحب مرحوم سے نقل ہے۔ اس کا جواب ہم اس وقت دیں گے۔ جب آپ نواب صاحب کا اصل کلام نقل کریں گے۔ تیسرے وہ لوگ جو حضرت ابن عمرؓ کے منہ پر ابن صیاد کے دجال ہونے سے انکار کر چکے ہیں۔

چنانچہ صحیح مسلم میں: ''**فقلت لبعضهم هل تحدثون انه هو قال لا والله قال قلت كذبتني والله لقد اخبرني بعضكم انه لن يموت حتى يكون اكثركم مالا ولدا فكذلك هو زعموا اليوم** (صحیح مسلم ص ۲۹۹)''

حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں میں ابن صیاد کو دو دفعہ ملا (ایک دفعہ) میں اس سے ملا تو میں نے بعض لوگوں سے کہا کہ کیا تم یہ باتیں کرتے ہو کہ ابن صیاد دجال ہے۔ وہ بولے بخدا ہم یہ باتیں نہیں کرتے۔ میں نے کہا تم جھوٹ لاتے ہو۔ مجھے تم میں سے بعض لوگوں نے خبر دی تھی کہ دجال تب مرے گا جب کہ تم سے بڑھ کر مال اور اولاد والا ہو جائے گا اور وہ ان کے خیال میں آج ایسا ہے۔

یعنی حضرت ابن عمرؓ نے کہا ہے کہ میں نے بعض لوگوں کو (جن سے ان کے معاصر اصحاب مراد ہیں) کہا کیا تم کہتے ہو کہ ابن صیاد دجال ہے تو وہ بولے بخدا ہم نہیں کہتے میں نے کہا تم مجھے جھوٹا کرتے ہو۔ بخدا تمہیں سے بعض نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ دجال صاحب اولاد ہو کر مرے گا اور اب وہ (ابن صیاد) ایسا ہی صاحب اولاد ہے۔ یہ قول ابن عمر اس امر پر نص صریح ہے کہ ابن صیاد کو اور لوگ حضرت ابن عمر کے معاصر دجال نہیں جانتے تھے اور ان کے سامنے ان کی رائے سے خلاف ظاہر کرتے تھے۔

صرف حضرت ابن عمرؓ ہی کا یہ ایسا قول تھا جس میں ابن صیاد کو دجال موعود بلفظ مسیح دجال کہا گیا ہے۔ کیونکہ جابر و حضرت عمر کے قول میں یہ تصریح نہیں ہے کہ وہ دجال موعود ہے بلکہ انہوں نے ابن صیاد کو صرف دجال کہا ہے جس سے منجملہ تیس دجالوں کے ایک دجال

مراد ہوسکتا ہے۔ چنانچہ عنقریب اس کا ثبوت آتا ہے اور جب کہ ابن عمر کے صریح قول پر انکار پایا گیا ہے تو اس سے بڑھ کر خلاف کی تصریح آپ کیا چاہیں گے۔ آپ کے حواری حکیم نورالدین نے ہمارے سوال نمبری ۲۱ کے جواب میں اس اختلاف کو تسلیم کیا اور یہ کہا ہے کہ دجال کی نسبت مختلف خیال ہیں۔

آپ نے بڑا غضب ڈھایا کہ ابن صیاد کے دجال ہونے پر اجماع صحابہ کا دعویٰ کر لیا۔ اپنے حواری سے تو مشورہ کر لیا ہوتا۔ اخیر میں جو آپ نے قول فاروقی پر آنحضرت ﷺ کے سکوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو آنحضرت ﷺ کے سامنے ابن صیاد کو دجال کہا اور اس پر قسم کھائی تھی اس میں یہ تصریح نہ کی تھی کہ ابن صیاد ہی وہ دجال ہے۔ جس کے آنے کی آنحضرت ﷺ نے علامات خاصہ بیان کر کے خبر دی تھی اور جملہ انبیاء سابقین نے اپنی امت کو ڈرایا تھا۔ لہٰذا ممکن ومحتمل ہے کہ حضرت عمرؓ کے اس قول سے یہ مراد ہو کہ ابن صیاد منجملہ ان تیس دجالوں کے ہے۔ جن کے خروج کی آنحضرت ﷺ نے خبر دی ہے۔

اس صورت میں آنحضرت ﷺ کا سکوت آپ کے لئے کچھ مفید نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سکوت ابن صیاد کو آخری دجال کہنے پر نہوا بلکہ کوئی اور دجال منجملہ دجاجلہ۔

ملا علی قاری نے مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ میں کہا ہے۔ ’’**قیل لعل عمر اراد بذالک ان ابن خیار من الدجالین الذین یخرجون فیدعون النبوۃ ویضلون الناس ویلبسون الامر علیھم**‘‘ بعض کا قول ہے کہ شاید حضرت عمرؓ کے ابن صیاد کو دجال کہنے سے یہ مراد ہو کہ وہ منجملہ ان تیس دجالوں کے جو قیامت سے پہلے نکلیں گے اور نبوت کا دعویٰ کریں گے اور لوگوں کو بہکائیں گے اور ان پر دین کو مشتبہ کریں گے۔ ایک دجال ہے۔

اس پر شاید آپ اعتراض کریں کہ جابر کے قول ’’**ابن صیاد الدجال**‘‘ میں جو حضرت عمرؓ کی طرف بھی منسوب ہوا ہے۔ لفظ دجال پر ’’**الف ولام**‘‘ بتارہا ہے کہ دجال سے ان کی مراد خاص دجال ہے نہ کوئی دجال اور علماء معانی وبیان نے کہا ہے کہ خبر معرّف بلام ہو تو اس کا مبتداء میں حصر ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر دجال سے آخری دجال

مراد نہ لیں بلکہ منجملہ تیس دجال کے ایک دجال مراد ٹھہرائیں تو اس صورت میں بھی خاص دجال کی طرف الف ولام کا اشارہ ہوسکتا ہے۔

رہا جواب حصر سو یہ ہے کہ خبر معرّف بلام مقدم ہو جیسے کہ ابن عمرؓ کے قول ’’**المسیح الدجال ابن صیاد**‘‘ میں ہے تو بے شک وبلا اختلاف خبر کا مبتداء پر حصر ہوتا ہے۔ مگر درصورت یہ کہ خبر مؤخر ہو تو اس کا مفید حصر ہونا محل اختلاف ہے۔ صاحب کشاف نے فائق میں اس سے انکار کیا ہے۔

چنانچہ مولوی عبدالحکیم فاضل سیالکوٹی نے مطول کے حاشیہ میں کہا ہے: ’’**مال صاحب الکشاف الیٰ التفرقة بینهما حیث ذکر فی الفائق ان قولک الله وهو الدهر معناه انه الجالب للحوادث لا غیر الجالب وقولک الدهر هو الله معناه ان الجالب لحوادث هو الله لا غیره**‘‘ صاحب کشاف ان دونوں صورتوں میں فرق کی طرف مائل ہوا ہے۔ چنانچہ فائق میں اس نے لکھا ہے کہ: ’’**الله هو الدهر**‘‘ (جس میں خبر معرف باللام مؤخر ہے) کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ حوادث زمانہ کا لانے والا ہے۔ ایسا نہیں کہ وہ حوادث نہ لائے اور ’’**الدهر هو الله**‘‘ (جس میں خبر معرف باللام مقدم ہو) یہ معنی ہیں کہ خدا ہی حوادث لانے والا ہے۔ بجز خدا اور کوئی حوادث لانے والا نہیں ہے۔

’’**بناء علیه لام الدجال**‘‘ سے حصر ثابت نہیں ہوتا۔ لام کو عہدی کہو خواہ جنسی اور قول جابر یا حضرت عمر کے معنی یہ بنتے ہیں کہ ابن صیاد دجال ہے نہ کچھ اور یہ معنی نہیں کہ دجال وہی ہے نہ کوئی اور۔ مگر ان باتوں کے سمجھنے کے لئے علم ادب ومعانی وبیان میں دخل بکار ہے۔ آپ اس احتمال کو کہ حضرت عمرؓ نے دجال سے تیس دجالوں میں سے ایک دجال مراد رکھا تھا۔ کسی دلیل سے اٹھا دیں اور ان کے صریح الفاظ سے ثابت کریں کہ دجال سے ان کی مراد آخری دجال تھا تو پھر اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو جب انہوں نے ابن صیاد کو قتل کرنا چاہا تھا۔ یہ فرما دیا تھا کہ ابن صیاد وہ دجال ہے تو تجھے اس کے قتل پر قدرت نہ ہوگی۔ اس کے قاتل حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

چنانچہ صحیح مسلم میں ہے: ’’**فقال عمر بن الخطاب ذرنی یا رسول الله**

اضرب عنقه فقال له رسول الله ﷺ ان یکنه فلن تسلط علیه وان لم یکنه فلا خیر لک فی قتله (صحیح مسلم ص ۳۹۸) ’’کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا یارسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن ماروں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ دجال موعود ہے تو تو اس کے قتل پر ہرگز مسلط نہ ہوگا اور اگر یہ وہ نہیں تو اس کا قتل بہتر نہیں۔

شرح سنۃ کی روایت میں یوں آیا ہے: ’’ان یکن هو فلست صاحبه انما صاحبه عیسیٰ بن مریم وان لا یکن هو فلیس لک ان تقتل رجلا من اهل الذمه (مشکوٰۃ ص ۴۷۱) ’’اگر یہ دجال موعود ہے تو تو اس کا قاتل نہیں۔ اس کا قاتل عیسیٰ بن مریم ہے اور اگر یہ وہ نہیں تو تجھے نہیں پہنچتا کہ تو ایک ایسے شخص کو قتل کرے جو مسلمانوں کی امان وپناہ میں ہے۔

اس قول آنحضرت ﷺ سے صاف ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو اس خیال سے انہوں نے بالفرض ظاہر کیا ہو یا دل میں رکھا ہو (کہ ابن صیاد دجال موعود ہے) روک دیا اور بناءً علیہ اس کے قتل سے منع کر دیا۔ اس قول نبوی کے کتب حدیث میں موجود ہونے کے ساتھ یہ کہنا کہ آنحضرت ﷺ نے ابن صیاد کے دجال موعود کہنے یا سمجھنے پر سکوت کیا۔ اسی شخص کا کام ہے جس کو حدیث بلکہ کسی شخص کی کلام سمجھنے سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اس بیان سے صاف ثابت ہے کہ آپ نے جو کچھ اس باب میں کہا ہے وہ فن حدیث اصول فقہ علم معانی وبیان وادب وغیرہ سے ناواقفی پر مبنی ہے۔

۸...... آپ لکھتے ہیں کہ: ’’کسی کو کسی بات کا قائل ٹھہرانا تصریح پر موقوف نہیں۔ (۱) اس امر کی نسبت اس کے اشارات پائے جانے سے بھی اس کو قائل بنایا جاتا ہے۔ (۲) آنحضرت ﷺ کا ایک مدت طویل تک ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتے رہنا احتمالی امر نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے زبان سے ڈرسنایا ہوگا۔ تب ہی صحابی نے ’’لم یزل ‘‘ کا لفظ فرمایا۔ (۳) آنحضرت ﷺ اور سبھی انبیاء علیہم السلام دجال سے ڈراتے آئے ہیں۔ (۴) ایک شخص کا دس برس سے دہلی کی تیاری کرنا کوئی بیان کرے تو اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس شخص نے دہلی جانے کا ارادہ کبھی زبان سے بتایا ہوگا۔ (۵) اور اگر یہی احتمال مسلم ہو کہ آنحضرت ﷺ کے حالات سے آپ کا ڈرنا صحابی نے سمجھ لیا تھا تو یہ یہی احتمال ہے کہ زبان سے سنا ہو اور لفظ ’’لم یزل ‘‘ سے یہ احتمال قوی ہوتا ہے۔ (۶) اس صورت میں آپ کا

مجھ کو مفتری کہنا بے جا ہے۔‘‘

اس سے آپ کا افتراء سابق اور پختہ ومتیقن ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے جو کچھ پہلے کہا تھا وہ خطاءً نہیں کہا عمداً افتراء کیا ہے اور اس پر آپ کو اب تک ایسا اصرار ہے کہ جتلانے سے بھی باز نہیں آتے اور اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرتے۔ محدثین نے بیان کیا ہے کہ جو شخص روایت حدیث میں غلطی پر متنبہ کیا جائے اور پھر اس سے باز نہ آئے وہ ساقط العدالت ہو جاتا ہے۔

(۱) آپ کا یہ کہنا کہ اشارات سے بھی ایک شخص کو ایک امر کا قائل بنایا جاتا ہے۔ تب آپ کے حق میں مفید ہو جب صحابی آنحضرت ﷺ کو اس قول کا قائل بناتا جس کا قائل آنحضرت ﷺ کو آپ نے بنا دیا ہے۔ صحابی نے آنحضرت ﷺ کو قائل قول مذکور نہیں بنایا بلکہ اپنا خیال بیان کیا ہے تو پھر اس کہنے سے آپ کو کیا فائدہ ہے کہ اشارات سے بھی قائل بنایا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی طرف کسی قول کو منسوب کرنا اسی صورت وپیرایہ میں حلال ہے جس صورت وپیرایہ میں آپ نے فرمایا ہو۔ اشارتاً ہو تو اشارتاً صراحتاً کہا ہو تو صراحتاً۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:’’**اتقوا عنی الاما علمتم فمن کذب علے متعمداً فلیتبوا مقعدۃ من النار** ‘‘ آپ کی کتب حدیث میں نظر ہو تو آپ کو معلوم ہو کہ آنحضرت ﷺ کے اصحاب آپ سے کوئی ایسا لفظ نقل نہ کرتے جو آپ نے نہ فرمایا ہوتا اور اگر ان کو اصل لفظ حضرت رسالت میں شک واقع ہو جاتا تو شک وتردد کے ساتھ الفاظ بیان کرتے۔ آپ نے باوجودیکہ آپ کو یہ علم نہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے وہ الفاظ فرمائے ہیں جو آپ نے نقل کئے ہیں اور اب تک اس کا علم ویقین نہیں۔ صرف خیالی احتمال ہے۔ پھر آپ نے اس لفظ کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کیا تو یہ بجز افتراء عمدی اور کیا ہو سکتا ہے۔ (۲) آنحضرت ﷺ کے ابن صیاد سے ڈرنے کو احتمالی کون کہتا ہے۔ وہ ہمیشہ اس سے ڈرتے اور اصحاب اس امر کو ملاحظہ کرتے۔ تب ہی ایک صحابی نے کہہ دیا کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ ڈرتے تھے۔ لفظ ’’**ھمیشہ**‘‘ یا ’’**لم یزل**‘‘ کو یہ لازم نہیں ہے کہ آپ زبان سے بھی فرما دیا کرتے کہ میں ڈرتا ہوں۔ (۳) پہلے انبیاء اور آنحضرت ﷺ نے بے شک دجال موعود سے ڈرایا ہے۔ مگر اس سے یہ نکالنا کہ آپ نے ابن صیاد کو دجال کہہ کر ڈرایا ہے۔

آنحضرت ﷺ پر ایک اور افتراء ہے دجال سے ڈرانا۔ ابن صیاد سے ڈرانا نہیں ہے۔ خدا سے ڈرو۔ آنحضرت ﷺ پر افتراء نہ کرتے جاؤ۔ (۴) تیاری دہلی کی مثال میں آپ نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا ہے۔ ایک شخص کو دس برس سے اگر کوئی دیکھے کہ وہ وقتاً فوقتاً دہلی کا ٹکٹ خرید کر واپس کر آتا ہے اور اسی حالت میں آخری برس تک وہ رہا ہے تو وہ اس کی نسبت یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ دس برس سے تیار ہے گو تیاری کا حرف زبان کبھی زبان پر نہ لاوے۔

ہم سے ایک اور مثال سنئے۔ ایک شخص مدت العمر نمازوں اور دعاؤں میں زاری کرتا رہے۔ احکام شریعت کا پابند ہو۔ خدا کا اور بندوں کا حق تلف نہ کرے۔ اس کی نسبت کس وناکس بشرطیکہ فاترالحواس نہ ہو یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ خداتعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ گو وہ منہ سے کبھی نہ کہے کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں۔ (۵) ایک احتمال کے مقابل دوسرا احتمال ہو تو مدعی کو اس سے استدلال درست نہیں ہے۔ اس کے خصم منکر کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اس احتمال سے تمسک کر کے بحکم ''اذا[۲۶۹] جاء الاحتمال بطل الاستدلال'' مدعی کے استدلال کو توڑ دے۔ آپ اس امر سے ناواقف ہیں۔ تب ہی مدعی ہو کر احتمال سے استدلال کرتے ہیں۔ (۶) افتراء آپ کی قدیم سنت ہے۔ ان افتراؤں کے علاوہ جو ثابت کئے گئے ہیں آپ نے رسالہ ازالہ کے ص۲۰۱، خزائن ج۳ ص۱۹۸ میں حدیث: ''کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم وامامکم منکم'' کا ترجمہ کیا تو اس میں اس سوال وجواب کا رسول اللہ ﷺ پر افتراء کیا ہے کہ: ''تم جانتے ہو کہ ابن مریم کون ہے۔ وہ تمہارا ہی ایک امام ہوگا اور تم میں سے ہے۔ (اے امتی لوگو) پیدا ہوگا۔'' آپ نے عمداً رسول اللہ ﷺ پر افتراء نہیں کیا تو بتائیں کہ اس حدیث کے کس طریق یا وجہ میں یہ سوال وجواب وارد ہیں۔

رسالہ ازالہ کے ص ۲۱۸، خزائن ج۳ ص ۲۰۹ میں آپ نے دجال موعود کے محل نزول میں اختلاف علماء بیان کیا تو اس میں علماء اسلام پر یہ افتراء کیا ہے کہ: ''بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ بیت المقدس میں اترے گا نہ دمشق میں۔ بلکہ مسلمانوں کے لشکر میں اترے گا۔'' آپ اس قول کے بیان میں مفتری نہیں تو بتادیں کہ کس عالم کا یہ قول ہے کہ وہ نہ بیت المقدس میں اتریں گے نہ دمشق میں۔ آپ کے ان افتراؤں سے کامل یقین ہوتا ہے کہ آپ کسی الہام کے دعویٰ میں سچے نہیں اور جو تاروپود آپ نے پھیلا رکھا ہے وہ سب افتراء ہے۔

۹...... آپ لکھتے ہیں کہ آپ بخاری بخاری کرتے ہیں اور بخاری کی یہ حدیث اپنے رسالہ میں نقل کر چکے ہیں کہ محدث کی بات میں بھی شیطان کا دخل نہیں ہوتا۔ بخاری پر آپ کا ایمان ہے تو اس حدیث کی تسلیم سے ابن عربی کا قول آپ کے نزدیک مسلم ہے۔ پھر میں نے آپ پر کیا افتراء کیا۔ اس میں آپ نے مجھ پر ایک اور افتراء کیا اور مسلمانوں کو دھوکہ دیا۔

مہربان من میں صحیح بخاری کو تسلیم کرتا ہوں اور اس حدیث پر جو صحیح بخاری میں محدث کی شان میں مروی ہے میں ایمان رکھتا ہوں اور معہذا یہ اعتقاد رکھتا ہوں کہ جو شخص محدث کہلاوے اور صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی احادیث کو بشہادت الہام خود موضوع قرار دے۔ وہ محدث نہیں ہے شیطان کی طرف سے مخاطب ہے۔ واقعی محدث وملہم وہی شخص ہے جس کی تحدیث والہام الہام قدیم قرآن مجید واحادیث صحیحہ کے مخالف نہ ہو اور جو شخص محدث یا ملہم ہونے کا دعویٰ کرے اور اس کے ساتھ یہ کہے کہ مجھے فرشتوں نے کہا ہے یا خدا نے الہام کیا ہے یا رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا ہے کہ صحیحین کی حدیثیں موضوع ہیں۔ میں اس کو شیطان کا مخاطب اور اس کی طرف سے محدث بلکہ شیطان مجسم سمجھتا ہوں۔ ایسا جعلی محدث بعینہٖ ویسا ہے جو محدث بن کر کہے کہ مجھے الہام ہے کہ قرآن مجید خدا کا کلام نہیں ہے۔ جس کو امید ہے آپ بھی محدث تسلیم نہ کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت کے مسلمان جو بخاری کو مانتے ہیں آپ کے دعویٰ محدثیت کو قبول نہیں کرتے۔ کیا وہ اس انکار سے اس حدیث بخاری کے منکر ہوسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

خدا سے ڈرو اور مسلمانوں کو مغالطے نہ دو۔ یہ آپ کی کلام کا مختصر جواب ہے۔ جس سے آپ کے مغالطات اور ناواقفی اور دھوکہ دہی کا بخوبی اظہار ہوگیا۔ بعض مطالب پرچہ آخری اور پرچہ ہائے سابق کے جوابات ونتائج کو بخوف تطویل عمداً چھوڑ دیا گیا ہے۔ کیونکہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ ہمارے حصول مطلب کے لئے کافی ہے۔ ان باتوں کو ہمارے اصل مدّعا سے ایسا تعلق نہیں ہے کہ بلا بیان ان باتوں کے وہ مدّعا حاصل نہ ہوتا۔ ان باتوں کا اظہار صرف اس وجہ سے ہوا ہے کہ آپ نے اصل سوال کا جواب نہ دیا اور ان باتوں کے بیان سے جن کا جواب ہم نے دیا ہے جواب کو ٹلایا۔ آئندہ آپ اپنی طرز تحریر اور تطویل ودفع الوقتی کو بدل دیں تو اس طرف سے بھی اسی قسم کی باتوں سے قلم کو روک لیا جائے گا اور اگر اس تحریر کے جواب میں آپ نے پھر وہی روش اختیار کی تو آپ دیکھ لیں گے۔ اس

طرف سے بھی ایسا سلوک ہوگا۔ آپ کے لئے بہتر ہے کہ اس روش کو بدل دیں اور میرے اصل سوال کا جواب اتنی سطروں میں دیں جتنی سطروں میں میرا سوال ہے۔ میں سردست جواب بدلائل نہیں چاہتا۔ مجرد جواب کا طالب ہوں۔ جس وقت میں کسی مسئلہ میں آپ سے بحث ودلائل کا طالب ہوں گا اس وقت آپ تفصیلی بحث کریں۔ میری یہ نصیحت منظور ہو تو آپ مختصر بتادیں کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم کی احادیث جملہ صحیح اور واجب العمل ہیں یا جملہ موضوع ناقابل العمل یا مختلط جن میں بعض صحیح ہوں اور بعض موضوع۔ اس سوال کا جواب دو حرفی آپ نے دیا تو پھر میں اور سوال کروں گا اور اسی طرح اختصار آپ نے مدنظر رکھا تو ایک دن میں مباحثہ ختم ہوگا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ!

آئندہ اختیار......کما تدین تدان

ابوسعید محمد حسین، ۲۶؍جولائی ۱۸۹۱ء

تحریر نمبر ہشتم از جانب کادیانی اور اس پر ہماری طرف سے چند نوٹ:

یہ وہ تحریر ہے جس کو کادیانی نے آخری جلسہ مباحثہ میں پڑھ کر سنایا اور پھر مباحثہ کو ناتمام چھوڑ کر فرار اختیار کیا تھا۔ اس تحریر کی نقل دینے کا اس نے اس جلسہ میں تو اقرار کیا تھا مگر گھر پہنچ کر دوسرے دن بذریعہ خط نقل دینے سے انکار کر دیا۔ پھر اس تحریر کو چھاپ کر مشتہر کیا۔ تب بھی اس کو ہمارے پاس نہ بھجوایا۔ باوجودیکہ رسالہ اشاعۃ السنۃ سالہا سال سے زمانہ اشاعت تحریر مذکور تک بلاقیمت اس کے پاس پہنچتا رہا۔ اس قطع تعلق سے اس نے گویا ہم سے بحث وخطاب کا سلسلہ توڑ دیا اور ہم سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہا۔ لہٰذا ہم بھی اب اس کو اس تحریر میں اپنا مخاطب بنانا نہیں چاہتے اور اس کی تحریر ہشتم کے متعلق جو لکھنا چاہتے ہیں وہ بغرض مباحثہ ومطالبہ جواب نہیں لکھتے بلکہ صرف اپنے ناظرین خصوصاً کادیانی کے سادہ لوح دام افتادہ اہل حدیث معتقدین کو جو اس کو اہل حدیث سمجھ کر اس کے دام میں پھنسے ہوئے ہیں اس کی دھوکہ بازیوں اور اکاذیب پر مطلع کرنے کی غرض سے اس تحریر پر چند نوٹ (یادداشتیں) تحریر کرتے ہیں جن سے ان کو معلوم ہو کہ کادیانی اہل حدیث کی ایک ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی نہیں بلکہ وہ درپردہ زندیق (چھپا مرتد) ہے۔ وہ اہل حدیث بن کر سادہ لوح اہل حدیث کو زندیق بنانا چاہتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کی اصل تمام عبارت یا اس کے پورے مضمون کی نقل سے تعرض نہیں کرتے اور نہ اس کے ترک بحث وخطاب کی حالت میں اس امر کو اپنا فرض سمجھتے

ہیں بلکہ صرف اس کی تمہیدی تحریر کو جس میں اس نے ہماری تحریر نمبر ہشتم کا مجمل جواب دیا ہے۔ بعینہٖ اور باقی تحریر کے فقرات لائق نوٹ کا خلاصہ مطلب نقل کر کے اس پر نوٹ کرتے ہیں۔ وباللہ التوفیق!

نقل تمہید کادیانی جس کے فقرات لائق نوٹ پر نمبر ہم نے ازخود لگائے ہیں۔

حضرت مولوی صاحب میں نہایت افسوس سے تحریر کرتا ہوں کہ جس سوال کے جواب کو میں کئی دفعہ آپ کی خدمت میں گزارش کر چکا ہوں۔ (۱) وہی سوال آپ بار بار (۲) بہت سی غیر متعلق باتوں کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اچھی طرح میری تحریرات پر غور بھی نہیں کی اور نہ میری کلام کو سمجھا ہے۔ (۳) اسی وجہ سے آپ ان امور کا بھی الزام میرے پر لگاتے ہیں۔ جن کا میں قائل نہیں ہوں۔ (۴) لہٰذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ برعایت اختصار پھر آپ کو اپنے عقیدہ (۵) اور مذہب سے جو حدیثوں کے بارہ میں رکھتا ہوں اطلاع دوں۔ سو مہربان من آپ پر ظاہر ہو کہ میں اپنی تحریر چہارم (۶) و پنجم میں بہ تفصیل وتصریح بیان کر چکا ہوں کہ احادیث کے دو حصہ ہیں۔ ایک وہ حصہ جو سلسلہ تعامل کی پناہ میں آ گیا ہے۔ یعنی وہ حدیثیں جن کو تعامل کے (۷) محکم اور قوی اور اماریب سلسلہ نے قوت دی ہے اور دوسرا حصہ ہے جس کو سلسلہ تعامل سے کچھ تعلق اور رشتہ نہیں اور صرف راویوں کے سہارے اور ان کی راست گوئی کے اعتبار پر قبول کئے گئے ہیں۔ سو اگرچہ میں (۸) صحیحین کی حدیثیں اس قوت اور مرتبہ پر نہیں سمجھتا کہ باوجود مخالفت آیات صریحہ وبینہ قرآن ان کو صحیح سمجھ لکھوں لیکن سلسلہ (۹) تعامل کی حدیثیں میری اس شرط سے باہر ہیں۔ چنانچہ اپنی تحریر کے نمبر پنجم میں بتصریح لکھ چکا ہوں۔ اگر سلسلہ تعامل کی حدیثوں کے رو سے کسی حدیث کا مضمون قرآن کے کسی خاص حکم سے بظاہر مغائر معلوم ہو تو میں اس کو تسلیم کر سکتا ہوں۔ کیونکہ سلسلہ تعامل کی حدیثیں حجت (۱۰) قوی ہیں اور قرآن کو معیار ٹھہرانے سے سلسلہ تعامل کی حدیثیں مستثنیٰ (۱۱) ہیں۔ دیکھو تحریر نمبر پنجم بجواب آپ کی تحریر کے۔

آپ میری تحریر نمبر پنجم کے پڑھنے کے بعد اگر فہم اور تدبیر سے کام لیتے تو بیہودہ اور غیر متعلق (۱۲) باتوں سے اپنی تحریر کو طول نہ دیتے (۱۳) میں نے کب اور کہاں یہ اعتقاد ظاہر کیا ہے کہ سنت متوارثہ متعاملہ اور حدیث مجرد دونوں اس بات کی محتاج ہیں کہ قرآن کریم سے اپنی تحقیق کی صحت کے لئے پرکھی جائیں بلکہ میں نمبر مذکور میں صاف لکھ چکا ہوں کہ سلسلہ

تعامل کی حدیثیں بحث ’’مانحن فیہ ‘‘ سے خارج ہیں۔ اب مکرر آواز بلند کے ساتھ آپ پر کھولتا ہوں کہ سلسلہ تعامل کی حدیثیں یعنی سنن متوارثہ متعاملہ جو عاملین اور امرین کی زیر نظر چلی آتی ہیں اور علیٰ قدر مراتب تاکید مسلمانوں کے عملیات (۱۴) دین میں قرناً بعد قرنٍ وعصراً بعد عصرٍ داخل رہے ہیں وہ ہرگز میری آویزش کا مورد نہیں اور نہ قرآن کریم کو ان کا معیار ٹھہرانے کی ضرورت ہے (۱۵) اور اگر ان کے ذریعہ کچھ زیادت تعلیم قرآن (۱۶) پر ہو تو اس سے انکار نہیں۔

ہر چند میرا (۱۷) مذہب یہی ہے کہ قرآن اپنی تعلیم میں کامل ہے اور کوئی صداقت اس سے باہر نہیں۔ کیونکہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے: ’’ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئ ‘‘ یعنی ہم نے تیرے پر کتاب اتاری ہے جس میں ہر ایک چیز کا بیان ہے۔

اور نیز فرماتا ہے: ’’مافرطنا فی الکتاب من شئ ‘‘ یعنی ہم نے اس کتاب سے کوئی چیز باہر نہیں رکھی۔ لیکن ساتھ (۱۸) ہی اس کے یہ بھی میرا اعتقاد ہے کہ قرآن کریم سے تمام مسائل دینیہ کا استخراج واستنباط کرنا اور اس کے مجملات کی تفاصیل صحیحہ پر حسب منشاء الٰہی قادر ہونا ہر ایک مجتہد اور مولوی کا کام نہیں بلکہ یہ خاص طور پر ان کا کام ہے جو وحی الٰہی سے بطور نبوت (۱۹) یا بطور ولایت عظمیٰ مدد دیئے گئے ہوں۔ سو ایسے (۲۰) لوگوں کے لئے جو استخراج واستنباط معارف قرآن پر بعلت غیرملہم ہونے کے قادر نہیں ہوسکتے ہیں۔ یہی سیدھی راہ ہے کہ وہ بغیر قصد استخراج واستنباط قرآن کے ان تمام تعلیمات کو جو سنن متوارثہ متعاملہ کے ذریعہ سے ملے ہیں۔ بلاتأمل وتوقف قبول کرلیں اور جو لوگ وحی ولایت عظمیٰ کی روشنی سے منور ہیں اور ’’الا المطہرون ‘‘ کی گروہ میں داخل ہیں ان سے بلاشبہ عادت اللہ یہی ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً دقائق مخفیہ قرآن کے ان پر کھولتا رہتا ہے اور یہ بات ان پر ثابت کر دیتا ہے کہ کوئی زائد تعلیم آنحضرت ﷺ نے ہرگز نہیں دی بلکہ احادیث صحیحہ میں مجملات واشارات قرآن کریم کی تفصیل ہے (۲۱)۔ سو اس معرفت کے پانے سے اعجاز قرآن ان پر کھل جاتا ہے اور نیز ان آیات بینات کی سچائی ان پر روشن ہو جاتی ہے جو اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے۔ جو قرآن سے کوئی چیز باہر نہیں۔ علماء (۲۲) ظاہر بھی ایک قبض کی حالت کے ساتھ ان آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ تا ان کی تکذیب لازم نہ آوے۔ لیکن وہ کامل یقین اور سکنیت اور اطمینان جو ملہم کامل کو بعد معائنہ مطابقت وموافقت احادیث صحیحہ اور قرآن کریم

کے اور بعد معلوم کرنے سے احاطہ تام کے جو درحقیقت قرآن کو احادیث پر ہی ملتی ہے وہ علماء ظاہر کو کسی طرح مل نہیں سکتی۔ بلکہ بعض (۲۳) تو قرآن کو ناقص و ناتمام خیال کرتے ہیں اور جن غیر محدود صداقتوں اور حقائق اور معارف پر قران کریم کی دائمی اور تمام اعجاز کی بنیاد ہے اس سے وہ منکر ہیں اور نہ صرف منکر بلکہ اپنی انکاری کی وجہ سے ان تمام آیات بینات کو جھٹلاتے ہیں۔ جس میں صاف صاف اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے کہ قرآن جمیع تعلیمات دینیہ کا جامع ہے۔

اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ میں نے سنن متوارثہ متعاملہ کو نمبر پنجم و چہارم میں ایک علیحدہ حصہ بتصریح بیان کر دیا ہے اور میرے نمبر پنجم (۲۴) کے پڑھنے سے ظاہر ہوگا کہ میں نے ان سنن متوارثہ متعاملہ کو ایک ہی درجہ یقین پر قرار نہیں دیا بلکہ ان میں مراتب (۲۵) متفاوتہ کا قائل ہوں۔ جیسا کہ میرے نمبر پنجم کے ص۳ میں یہ عبارت (۲۶) ہے کہ: ''جس قدر حدیثیں تعامل کے سلسلہ سے فیضیاب ہیں وہ حسب استفاضہ اور بقدر اپنی فیضیابی کے یقین کے درجہ تک پہنچتی ہیں۔'' یعنی کوئی ان میں سے درجہ اوّل کے یقین پر پہنچ جاتی ہے اور کوئی اوسط تک اور کوئی ادنیٰ تک جس کو ظن غالب کہتے ہیں (۲۷) لیکن وہ تمام حدیثیں بغیر اس کے (۲۸) کہ قرآن سے آزمائے جائیں۔ بوجہ جمع ہونے دونوں قوتوں تعامل اور صحت روایت کے اطمینان کے لائق ہیں۔ مگر ایسی احاد حدیثیں جو سنن متوارثہ متعاملہ سے نہیں ہیں اور سلسلہ تعامل سے کوئی متعد بہ تعلق نہیں رکھتیں۔ وہ اس درجہ صحت سے گری ہوئی ہیں۔

اب ہر ایک دانا سمجھ سکتا ہے کہ ایسی حدیثیں اخبار گزشتہ وقصص ماضیہ یا آئندہ (۲۹) ہیں جن کو نسخ سے بھی تعلق نہیں۔ یہ میرا وہ بیان ہے جو میں اپنی اس تحریر سے پہلے لکھ چکا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے کسی پرچہ میں ان دوسرے حصہ کی احادیث کا نام سنن متوارثہ متعاملہ نہیں رکھا۔ بلکہ ابتداء تحریر سے ہر جگہ صرف حدیث کے نام سے یاد کیا ہے جس سے میری مراد واقعات ماضیہ واخبار گزشتہ یا آئندہ تھیں اور ظاہر ہے کہ سنن متوارثہ متعاملہ اور احکام متداولہ کے نکالنے کے بعد جو احادیث بکلی فرضیت تعامل سے باہر رہ جاتی ہیں۔ وہ (۳۰) یہی واقعات واخبار وقصص ہیں جو تعامل کی تاکید کے سلسلہ سے باہر ہیں اور ایک نادان بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہ بحث احکام کے اختلاف کی وجہ سے نہیں شروع کی گئی۔

اور میں تمام مسلمانوں کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے کسی ایک حکم میں بھی دوسرے مسلمانوں سے علیحدگی نہیں۔ جس طرح سارے مسلمان احکام اسلام (۳۱) بیّنہ قرآن کریم واحادیث صحیحہ وقیاسات مسلمہ (۳۲) مجتہدین کو واجب العمل جانتے ہیں۔ اسی طرح میں جانتا ہوں صرف بعض اخبار گزشتہ ومستقبلہ کی نسبت الہام الٰہی کی وجہ سے جس کو میں نے قرآن سے بکلی مطابق پایا ہے۔ بعض اخبار حدیثیہ کے میں اس طرح پر معنی (۳۳) نہیں کرتا۔ جو حال کے علماء کرتے ہیں۔ کیونکہ ایسے معنی کرنے سے وہ احادیث نہ صرف قرآن کریم کے مخالف ٹھہرتی ہیں (۳۴)۔ بلکہ دوسری احادیث کے جو صحت میں ان کے برابر ہیں مغائر ومبائن قرار پاتے ہیں۔ سو دراصل یہ تمام بحث ان اخبار سے متعلق ہے جن کے نسخ کی نسبت کوئی سلف وخلف میں سے قائل نہیں۔ کوئی باسمجھ انسان ایسا نہیں جس کا عقیدہ یہ ہو کہ قرآن کریم کی وہ آیتیں جن میں حضرت عیسیٰ کی وفات (۳۵) کا ذکر ہے حدیثوں سے منسوخ ہوچکی ہیں یا یہ عقیدہ ہو کہ حدیثیں اپنی صحت میں ان سے بڑھ کر ہیں (۳۶) بلکہ اس راہ میں بحالت انکار بجز اس طریق کے مجال کلام نہیں کہ یہ کہا جائے کہ وہ آیتیں پیش کرو۔ ہم حدیثوں سے مطابق کریں گے۔ سوائے (۳۷) حضرت مولوی صاحب آپ ناراض نہ ہوں۔ کاش! آپ نے دیانت وامانت کو مدنظر رکھ کر وہی طریق مقصود اختیار کیا ہوتا۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جو (۳۸) احادیث تعامل کے سلسلہ میں داخل ہوں ان کو میں بحث متنازعہ فیہ سے باہر کرچکا ہوں اور اگر معلوم تھا تو پھر کیوں آپ نے گدھے کے حرام ہونے کی حدیث پیش کی۔ کیا کسی چیز کا حرام یا حلال کرنا، احکام میں نہیں (۳۹) ہے اور کیا احکام اکل وشرب تعامل الناس سے باہر ہیں اور پھر آپ نے ''لعنت علی الواشمات والمستوشمات'' کی بھی حدیث پیش کردی اور آپ کو خیال نہ آیا کہ یہ توسب احکام ہیں (۴۰) جن کے لئے تعامل کے سلسلہ کے نیچے داخل ہونا ضروری ہے۔ آپ سچ کہیں کہ ان تمام غیرمتعلق باتوں سے آپ نے اپنا اور سامعین کا وقت ضائع کیا یا کچھ اور کیا۔ لوگ منتظر تھے کہ اصل بحث سننے سے کہ جس کا ایک دنیا میں شور پڑ گیا ہے۔ فائدہ اٹھاویں اور حق ناحق کا فیصلہ ہو۔ لیکن آپ نے نکمی اور فضول اور بے تعلق باتیں شروع کردیں۔ شاید ان باتوں سے وہ لوگ بہت خوش ہوتے ہوں گے جن میں اصل مقصود کی شناخت کا مادہ نہیں۔ لیکن میں سنتا ہوں کہ حقیقت شناس (۴۱) لوگ آپ کی اس تقریر سے سخت ناراض ہوئے اور

آپ کی مناظرانہ لیاقت کا مادہ انہوں نے معلوم کرلیا کہ کہاں تک ہے۔ بہرحال چونکہ آپ اپنے اس دھوکہ دینے والے مضمون کو ایک جلسہ عام میں سنا چکے ہیں۔ اس لئے میں مواضع مناسبہ سے آپ کے اقوال قولہ اقول کے طور پر ذیل میں بیان کرتا ہوں تا منصفین پر کھل جاوے کہ کہاں تک آپ نے دیانت وراستی وتہذیب وطریق مناظرہ کا التزام کیا ہے۔ ’’وباللہ التوفیق‘‘

یہ خاتمہ تمہید کادیانی ہے جس میں اس نے ہماری تحریر نمبر ہشتم کا ایک اجمالی جواب دیا ہے۔ اس کے بعد اس نے قولہ اقول کہہ کر اس اجمال کی تفصیل وتائید کی ہے۔ اس تفصیل میں اس نے احادیث محل تعامل کے اقسام ثلثہ (اعلیٰ ووسطیٰ وادنیٰ) کی ایسی تشریح کی اور مثال دی ہے کہ اس میں احادیث متعلقہ فروعات اختلافیہ (جن کے عمل وترک میں اختلاف ہے) کو بھی شامل کر دیا ہے۔ چنانچہ مباحثہ لدھیانہ مطبوعہ کے ص۸۵، خزائن ج۴ ص۸۷ میں کہا ہے: ’’ہاں! یہ سچ ہے کہ تعامل کے متعلق جو احکام ہیں وہ سب ثبوت کے لحاظ سے ایک درجہ پر نہیں۔ جن امور کی مواظبت ومداومت بلافتور واختلاف چلی آئی ہے وہ اوّل درجہ پر ہیں اور جس قدر احکام اپنے ساتھ اختلاف لے کر تعامل کے دائرہ میں داخل ہوئے ہیں وہ بحسب اختلاف اس پہلے نمبر سے کم درجہ پر ہیں۔ مثلاً رفع یدین وعدم رفع یدین جو دوطور کا تعامل چلا آتا ہے ان دونوں طوروں سے جو تعامل قرن اوّل سے آج تک کثرت سے پایا جاتا ہے اس کا درجہ زیادہ ہوگا اور باایںہمہ دوسرے کو بدعت نہیں ٹھہرائیں گے بلکہ ان دونوں عملوں کی تطبیق کی غرض سے یہ خیال ہوگا کہ باوجود مسلسل تعامل کے پھر اس اختلاف کا پایا جانا اس بات پر دلیل ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے ہفت قرأت کی طرح طرق ادائے صلوٰۃ میں رفع تکلیف امت کے لئے وسعت دے دی ہوگی……

……یاد رکھنا چاہئے کہ جو نمبر اوّل پر سلسلہ تعامل احکام ہے وہ اختلاف سے بکلی محفوظ ہے۔ کوئی مسلمان اس بات میں اختلاف نہیں رکھتا کہ فریضہ صبح کی دو رکعت ہیں اور مغرب کی تین۔‘‘

اس تمہید کادیانی اور اس کی مؤید تفصیل وتمثیل کے متعلق ہم بھی پہلے ایک اجمالی نوٹ تحریر کرتے ہیں۔ پھر اس کے ہر ایک فقرہ پر جس پر نمبر دے آئے ہیں۔ تفصیل وار نوٹ کریں گے۔

اس تمہید پر اجمالی نوٹ

اس تمہید اوراس کی مؤید تفصیل میں کادیانی نے بیان کیا ہے کہ: ’’میں اپنے مخاطب کے سوال کا جواب اپنی تحریر چہارم وپنجم میں یہ دے چکا ہوں کہ صحیحین کی جملہ احادیث جوعمل کے متعلق ہیں اوران میں فروعات اختلافیہ مثل رفع یدین وعدم رفع یدین شامل وداخل ہیں۔ بے چون وچرا صحیح ومقبول ہیں۔ کیونکہ عمل سے (گواختلافی طور پر ہو) وہ قوت پاکر قطعی ہوچکے ہیں۔ ان احادیث کوقرآن سے پرکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ بظاہر مخالف قرآن ہوں تو بھی مقبول ہیں اوران احادیث سے تعلیم واحکام قرآن پر زیادتی بھی جائز ہے اور جو صحیحین کی حدیثیں متعلق عمل نہیں ہیں۔ ان کے اگر یہی ظاہری معنی ہیں جوعلماء بیان کرتے ہیں تو وہ صحیح نہیں بلکہ موضوع ہیں اور لائق قبول واعتبار نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کو عمل سے قوت نہیں پہنچی۔ اس لئے وہ ظنی ہیں اوران کی صحت پرکھنے کے لئے ان کوقرآن پر پیش کرنا پھران کا موافق قرآن ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا جس حدیث کا مضمون مخالف قرآن ہو وہ حدیث صحیح نہیں۔ موضوع ہے اوراحادیث متعلقہ نزول حضرت مسیح بظاہر معنی جوعلماء بیان کرتے ہیں اس لئے مخالف قرآن ہیں کہ ان احادیث کے ان معانی سے حضرت مسیح کی حیات ثابت ہوتی ہے اور قرآن قطعی طور پر فیصلہ دیتا ہے کہ مسیح بن مریم فوت ہوگیا ہے۔‘‘ (یہ الفاظ زیر خط بعینہٖ کادیانی کے الفاظ ہیں) ہم کہتے ہیں اس بیان میں کادیانی نے محض کذب ودجالیت سے کام لیا ہے۔ جھوٹ بولا اور مسلمانوں کودھوکہ دیا اوران کو ضلالت والحاد میں پھنسانا چاہا ہے۔

اوّل تو اس کے اس بیان تمہید کا اس کی تحریر چہارم وپنجم یا کسی اور تحریر میں نام ونشان نہیں۔ (۲) اوراگر بالفرض یہ بیان ان تحریرات میں ہے تو یہ ہمارے اصل سوال کا قطعی کامل جواب نہیں ہے۔ (۳) اور یہ اس سوال کا جواب ہے تو یہ اسلام خصوصاً مذہب اہل سنت جماعت کے روسے صحیح جواب نہیں بلکہ ایک ملحدانہ جواب ہے جواصول مذہب اسلام وسنت سے بالکل مخالف ہے۔

ہماری اس تجویز کے پہلے شق کا ثبوت

کادیانی کی تمہید اوراس کی مؤید تفصیل کی فضول ونامعقول وبلاطائل طول باتوں سے (جو اس کا اکثر حصہ ہے) چشم پوشی کر کے اصل مطلب کی طرف دیکھا جاتا ہے تو وہ پانچ

امور یا دعاوی معلوم ہوتے ہیں۔

اوّل: یہ کہ احادیث تعامل سے اس کی مراد احادیث متعلق عمل میں جن میں اعمال اتفاقیہ (جیسے نماز وروزہ وحج وزکوٰۃ) واختلافیہ (مثل رفع یدین وآمین بالجہر) سب داخل ہیں۔

دوم: یہ کہ اس قسم کی سب احادیث صحیحین کی قطعی اور بلاریب ویقینی صحیح وثابت اور واجب العمل ہیں۔

سوم: ایسی احادیث کو دو جہت سے قوت وقطعیت حاصل ہوئی ہے۔ ایک تعامل سے دوسری صحت روایت سے۔

چہارم: یہ سب احادیث ایسی صحیح وقوی وقطعی الثبوت ہیں کہ ان کی صحت پرکھنے کے لئے ان کو قرآن پر پیش کرنا اور قرآن سے ان کی موافقت ثابت کرنا ضروری نہیں۔ بلکہ بظاہر مخالف قرآن بھی ہوں تو وہ واجب القبول والعمل ہیں اور ان احادیث کے رو سے قرآن مجید کی تعلیم واحکام پر زیادتی بھی جائز ہے۔

پنجم: ان احادیث کی قطعی ویقینی الثبوت ہونے کے تین مرتبہ یا درجہ ہیں۔ (۱) اعلیٰ جیسے احادیث متعلقہ عدد رکعات نماز فرائض۔ (۲) اوسط جس سے وہ احادیث مراد ہیں جن کے عمل میں اختلاف چلا آیا ہے۔ مگر جانب عمل میں بہ نسبت جانب ترک کثرت ہے۔ (۳) ادنیٰ جس سے وہ احادیث محل اختلاف مراد ہیں جن کی جانب عمل میں بہ نسبت جانب ترک قلت ہے۔

اس تیسری مرتبہ یقین کی نسبت کادیانی نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اس کو ظن غالب کہتے ہیں اور عقل انصاف وحیاء کو پیش نظر رکھ کر یہ خیال نہ کیا کہ ظن تو (اگرچہ غالب ہو) یقین کا مقابل ہوتا ہے اور میں نے خود اپنی تحریر نمبر چہارم وپنجم وغیرہ میں اس کو یقین کے مقابلہ میں ذکر کیا اور اس کا مقابل بنایا ہے۔ پھر وہ یقین کا ایک قسم کیونکر ہوسکتا ہے؟ مگر شاید وہ اس وجہ سے بےفکر وبلاخوف ہوکر ایسی باتیں کہہ دیتا ہے کہ اہل عقل وانصاف سے مجھے کیا کام۔ جن لوگوں سے مجھے کام ہے اور وہ میرے دام میں آچکے ہیں وہ عقل کے اندھے اور گانٹھ کے پورے ہیں۔ لہٰذا میں جو کچھ ان کو کہوں گا دن کو رات یا رات کو دن۔ وہ بے چون وچرا اس کو مان لیں گے اور اس کے شکریہ میں فلوس مقررہ بھیج دیں گے۔ اہل عقل انصاف جو چاہیں کہا کریں۔

ان پانچوں امور یا دعاوی میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جس پر کادیانی نے اپنی تحریر نمبر چہارم و پنجم یا کسی اور تحریر میں تصریح کی ہو یا اس کی طرف اس کا اشارہ پایا گیا ہو اور تحریرات میں تو وہ ان کے بیان کا خود مدعی نہیں ہوا۔ تحریر نمبر چہارم و پنجم میں ان کے بیان کا مدعی ہوا ہے۔ لہٰذا ان دونوں تحریروں کی عبارات اس مقام میں نقل کر کے ناظرین پر کادیانی کا کذب ثابت کیا جاتا ہے۔

نقل تحریر چہارم کادیانی واثبات مخالف مضمون آں بمضمون تمہید آں بہتانی

واضح ہو کہ جس تحریر کو کادیانی نے تحریر نمبر چہارم کہا ہے اور مباحثہ مطبوعہ مندرجہ رسالہ ''الحق'' میں اس کو نمبر چہارم قرار دیا ہے۔ وہ دراصل تحریر نمبر پنجم ہے۔ (چنانچہ اشاعۃ السنۃ نمبر ۸، ۹، ۱۰ ج ۱۳ کے ملاحظہ سے ناظرین کو معلوم ہوگا) اس تحریر میں کادیانی نے جو کچھ تعامل کے متعلق کہا ہے وہ یہ ہے (جو اشاعۃ السنۃ نمبر ۸ ج ۱۳ میں بصفحہ ۲۵۵ اور مباحثہ مندرجہ ''الحق مباحثہ لدھیانہ'' میں ص ۲۳، ۲۴، خزائن ج ۴ ص ۲۶۵ مندرج ہے) ''ان کا (یعنی محدثین کا) کسی حدیث کی نسبت یہ کہنا کہ یہ صحیح ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ حدیث من کل الوجوہ مرتبہ ثبوت کامل تک پہنچ گئی ہے...... ممکن ہے کہ ایک حدیث باوجود صحیح ہونے کے پھر بھی واقعی اور حقیقی طور پر صحیح نہ ہو۔ غرض علم حدیث ایک ظنی علم ہے جو مفید ظن ہے اور اگر کوئی اس جگہ یہ اعتراض کرے کہ اگر احادیث صرف مرتبہ ظن تک محدود ہیں تو پھر اس سے لازم آتا ہے کہ صوم وصلوٰۃ حج وزکوٰۃ وغیرہ اعمال جو محض حدیثوں کے ذریعہ مفصل طور پر دریافت کئے گئے ہیں وہ سب ظنی ہوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بڑے دھوکہ کی بات ہے کہ ایسا سمجھا جائے کہ یہ تمام اعمال محض روایتی طور پر دریافت کئے گئے ہیں۔ وبس بلکہ ان کے یقینی ہونے کا یہ موجب ہے کہ سلسلہ تعامل ساتھ ساتھ چلا آیا ہے۔ اگر فرض کر لیں کہ یہ فن دنیا میں پیدا نہ ہوتا تو پھر بھی سب اعمال وفرائض دین سلسلہ تعامل کے ذریعہ سے یقینی طور پر معلوم ہوتے۔ خیال کرنا چاہئے کہ جس زمانہ تک حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں کیا اس وقت تک لوگ حج نہیں کرتے تھے یا نماز نہیں پڑھتے تھے یا زکوٰۃ نہیں دیتے تھے۔ ہاں! اگر یہ صورت پیش آتی کہ لوگ ان تمام احکام واعمال کو یکدفعہ چھوڑ بیٹھتے اور صرف روایتوں کے ذریعہ سے وہ باتیں جمع کی جاتیں تو بے شک یہ درجہ یقینی وثبوت تام کا جواب ان میں پایا جاتا ہے ہرگز نہ ہوتا۔ سو یہ

ایک دھوکہ ہے کہ ایسا خیال کرلیا جائے کہ احادیث کے ذریعہ سے صوم وصلوٰۃ وغیرہ کی تفاصیل معلوم ہوئی ہیں بلکہ وہ سلسلہ تعامل کے ذریعہ سے معلوم ہوتی چلی آئی ہیں اور درحقیقت اس سلسلہ کو فن حدیث سے کچھ تعلق نہیں۔ وہ تو طبعی طور پر ہر ایک مذہب کو لازم ہوتا ہے۔‘‘ (مباحثہ لدھیانہ ص۲۷، خزائن ج۴ص۲۹) ’’میرا مطلب تو صرف اس قدر رہے کہ حدیثیں اگرچہ صحیح بھی ہوں لیکن ان کی صحت کا مرتبہ ظن یا ظن غالب سے زیادہ نہیں۔ سوان حدیثوں کی حقیقی صحت پر کھنے والا قرآن شریف ہے۔

اس تحریر نمبر پنجم (یا بقول کادیانی نمبر چہارم میں) کادیانی نے تعامل اور احادیث محل تعامل کی نسبت اس عبارت کے سوا ایک فقرہ بلکہ ایک لفظ تک نہیں کہا اور اس عبارت میں امور یا دعاوی خمسہ مذکورہ کا نام ونشان کہیں پایا نہیں جاتا۔ بلکہ ان کا خلاف موجود ہے۔ امر اوّل وپنجم کے برخلاف اس عبارت میں کادیانی نے تعامل قطعی اور یقینی وتام ثبوت کی تمثیل میں صرف اتفاقی احکام واعمال نماز وحج وزکوٰۃ کو ذکر کر کے یہ جتایا ہے کہ احادیث تعامل سے وہ احادیث مراد ہیں جن پر اتفاق کے ساتھ عمل چلا آیا ہے اور ان کو یقینی وثبوت تام کا درجہ حاصل ہے اور امر دوم وسوم کے برخلاف اس نے علم احادیث کو ظنی ومفید ظن کہا ہے اور اس فن کو سلسلہ تعامل سے بالکل بے تعلق قرار دیا ہے اور قطعیت حکم صوم وصلوٰۃ وحج وزکوٰۃ کو صرف تعامل کا اثر بتایا ہے اور روایت کو اس اثر میں محض بے دخل ٹھہرایا ہے اور امر چہارم وپنجم کے برخلاف اس نے جملہ احادیث کو ظن یا غالب ظن کے مرتبہ میں ٹھہرا کر ان سب کو امتحان صحت کے لئے قرآن پر عرض کرنے کا محتاج ٹھہرایا ہے اور کسی حدیث کو اس سے مستثنیٰ نہیں کیا۔

اب ناظرین! انصاف سے کہیں ان تصریحات وعبارات کے ساتھ اس کا یہ کہنا کہ جو کچھ میں تمہید میں کہہ رہا ہوں وہ تحریر نمبر چہارم میں کہہ آیا ہوں۔ کذب محض اور دھوکہ دہی نہیں تو کیا ہے؟

نقل عبارت تحریر نمبر پنجم کادیانی واثبات مخالفت مضمون آن بمضمون تمہید آں کذاب لاثانی

واضح ہو کہ جس اپنی تحریر کو کادیانی نے تحریر نمبر پنجم قرار دیا ہے اور مباحثہ مندرجہ الحق مباحثہ لدھیانہ ص۳۳،۳۴، خزائن ج۴ص۳۵،۳۶۔

’’احادیث کے دوحصہ ہیں۔ ایک وہ حصہ جو سلسلہ تعامل کی پناہ میں کامل طور پر آ گیا ہے۔ یعنی وہ حدیثیں جن کو تعامل کے محکم اور قوی اور لاریب سلسلہ نے قوت دی ہے اور مرتبہ یقین تک پہنچا دیا ہے۔ جس میں تمام ضروریات دین اور عبادات اور عقود اور معاملات اور احکام شرع متین داخل ہیں۔ سو ایسی حدیثیں تو بلاشبہ یقین اور کامل ثبوت کی حد تک پہنچ گئی ہیں اور جو کچھ ان حدیثوں کو قوت حاصل ہے وہ قوت فن حدیث کے ذریعہ سے حاصل نہیں ہوئی اور نہ وہ احادیث منقولہ کی ذاتی قوت ہے اور نہ وہ راویوں کی وثاقت واعتبار کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے بلکہ وہ قوت ببرکت وطفیل سلسلہ تعامل پیدا ہوئی ہے۔ سو میں ایسی حدیثوں کو جہاں تک ان کو سلسلہ تعامل سے قوت ملی ہے ایک مرتبہ یقین تک تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن دوسرا حصہ حدیثوں کا جن کو سلسلہ تعامل سے کچھ تعلق اور رشتہ نہیں اور صرف راویوں کے سہارے سے اور ان کی راست گوئی کے اعتبار پر قبول کی گئی ہیں...... کیونکہ جس طریق سے وہ حاصل کی گئی ہیں وہ یقینی اور قطعی الثبوت طریق نہیں ہے بلکہ بہت سی آویزش کی جگہ ہے۔ وجہ یہ کہ ان حدیثوں کا فی الواقع صحیح اور راست ہونا تمام راویوں کی صداقت اور نیک چلنی اور سلامت فہم اور سلامت حافظہ اور تقویٰ طہارت وغیرہ شرائط پر موقوف ہے اور ان تمام امور کا کماحقہ اطمینان کے موافق فیصلہ ہونا اور کامل درجۂ کے ثبوت پر جو حکم رؤیت کا رکھتا ہے، پہنچنا حکم محال کا رکھتا ہے اور کسی کو طاقت نہیں کہ ایسی حدیثوں کی نسبت ایسا ثبوت کامل پیش کر سکے...... سو چونکہ واقعی صورت یہی ہے کہ جس قدر حدیثیں تعامل کے سلسلہ سے فیضیاب ہیں، وہ حسب استفاضہ اور بقدر اپنی فیضیابی کے یقین کے درجہ تک پہنچ گئی ہیں۔ لیکن باقی حدیثیں ظن کے مرتبہ سے زیادہ نہیں۔ غایت کار بعض حدیثیں ظن غالب کے مرتبہ تک ہیں۔ اس لئے میرا مذہب بخاری اور مسلم وغیرہ کتب حدیث کی نسبت یہی ہے جو میں نے بیان کر دیا ہے۔ یعنی مراتب صحت میں یہ تمام حدیثیں یکساں نہیں ہیں۔ بعض بوجہ تعلق سلسلہ تعامل یقین کی حد تک پہنچ گئی ہیں اور بعض بباعث محروم رہنے کے اس تعلق سے ظن کی حالت میں ہیں۔ لیکن اس حالت میں میں حدیث کو جب تک قرآن کے صریح مخالف نہ ہو موضوع قرار نہیں دے سکتا...... ہر چند محدثین نے اپنے طریق پر روات کی حالت کو صحت یا غیر صحت حدیث کے لئے معیار مقرر کیا ہے لیکن کبھی انہوں نے دعویٰ نہیں کیا کہ یہ معیار کامل اور قرآن کریم سے مستغنی کرنے والا ہے...... اور ظاہر ہے کہ بوجہ اس کے کہ بجز نبی کے اور

کوئی معصوم نہیں ٹھہر سکتا اور امکانی طور پر صدور کذب وغیرہ ذنوب کا ہر یک سے بجز نبی کے ممکن الوقوع ہے۔ لہٰذا رواۃ کی حالات صدق وکذب ودیانت وخیانت کے پرکھنے کے لئے بڑی کامل تحقیقات درکار تھی۔ تا ان حدیثوں کو مرتبہ یقین کامل تک پہنچاتی۔ لیکن وہ تحقیقات میسر نہیں آسکی...... سو ہر یک منصف اور ایماندار کو یہی مذہب اور عقیدہ رکھنا پڑتا ہے کہ بجز ان حدیثوں کے جو آفتاب سلسلہ تعامل سے منور چلی آتی ہیں باقی تمام حدیثیں کسی قدر تاریکی سے پُر ہیں۔‘‘

’’اور صاف ظاہر ہے کہ چونکہ وہ تمام حدیثیں سلسلۂ تعامل کی تقویت یاب نہیں۔ صرف ظن یا شک کے درجہ پر ہیں اور فن حدیث کی تحقیقاتیں ان کو ثبوت کامل کے درجہ تک نہیں پہنچا سکتیں۔‘‘ (مباحثہ لدھیانہ ۳۸، خزائن ج۴ ص۴۰) ’’میری غرض تو صرف اس قدر ہے کہ حدیثوں کو قرآن کریم سے مطابق ہونا چاہئے۔ ہاں! اگر سلسلہ تعامل کے رو سے کسی حدیث کا مضمون قرآن کے کسی خاص حکم سے بظاہر منافی معلوم ہو تو اس کو بھی تسلیم کر سکتا ہوں۔ کیونکہ سلسلہ تعامل حجت قوی ہے۔ میں صحیح بخاری اور مسلم کی حدیثوں کو یوں ہی بلاوجہ ضعیف اور موضوع قرار نہیں دے سکتا۔ بلکہ میرا ان کی نسبت حسن ظن ہے۔ ہاں! جو حدیث قرآن کریم کے مخالف ہوگی اسکو میں منجانب رسول کریم یقین نہیں کروں گا۔ ہاں! سلسلہ کی حدیثیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔‘‘ (مباحثہ لدھیانہ ص۴۰، خزائن ج۴ ص۴۲)

اس عبارت میں بھی امور خمسہ مذکورہ بالا مندرجہ تمہید کا دیانی کا نام ونشان پایا نہیں جاتا بلکہ تحریر نمبر چہارم سے بڑھ کر ان امور کا خلاف اس میں موجود ہے۔ امر اوّل وپنجم کے برخلاف اس میں احادیث حصہ اوّل متعلقہ سلسلہ تعامل کا ایک مرتبہ یقین وکامل ثبوت مقرر کیا ہے اور باقی احادیث حصہ دوم کا (جن کو تعامل سے تعلق نہیں) مرتبہ ظن یا غالب ظن ٹھہرایا۔ اس کی عبارت میں حصہ اوّل کی نسبت الفاظ ’’ایک مرتبہ یقین، کامل ثبوت‘‘ وغیرہ استعمال کئے گئے ہیں اور اس کے مقابلہ میں حصہ دوم کی نسبت یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں کہ: ’’وہ مرتبہ ظن سے بڑھ کر نہیں۔ غایت کار بعض حدیثیں ظن غالب کے مرتبہ پر ہیں۔ وہ یقینی اور قطعی الثبوت نہیں۔‘‘ وغیرہ وغیرہ! ہر چند حصہ اوّل کی نسبت اس نے ایک لفظ بحسب استفاضہ وبقدر فیضیابی بھی بول دیا ہے۔ ولیکن چونکہ وہ لفظ اس نے مقابلہ ظن وغالب ظن بولا ہے۔ لہٰذا اس لفظ سے جو درجہ مراد ہوگا۔ وہ ضرور ایک یقین ہی کا درجہ ہوگا۔ اس سے ظن

غالب کا درجہ مراد نہ ہو سکے گا۔ جیسا کہ اس نے اب تمہید میں ادنیٰ درجہ یقین کو ظن غالب قرار دیا ہے اور روز روشن میں اپنے اتباع کی آنکھوں میں خاک ڈالنا چاہا ہے اور امر دوم سوم کا خلاف بڑے زور وشور سے کیا اور صاف کہہ دیا کہ جو قوت حصہ اوّل احادیث کو حاصل ہے۔ وہ روایت سے اور راویوں کی وثوق واعتبار کی وجہ سے نہیں ہے اور نہ وہ حدیث کی ذاتی قوت ہے اور نہ اس فن کی تحقیقاتیں قطعی اور یقینی ہیں اور نہ وہ ثبوت کامل کے مثبت ہوسکتی ہیں بلکہ وہ صرف تعامل کی وجہ سے ہے وبس۔

امر چہارم کے ان الفاظ کو کہ: ''احادیث تعامل قرآن پر عرض ہونے کی محتاج نہیں۔'' گو الفاظ تحریر پنجم (یا ہفتم) کادیانی سے ظاہری اتفاق ہے۔ مگر ان الفاظ کے معانی کو مضمون تحریر پنجم (یا ہفتم) سے کلی اختلاف ہے۔ الفاظ امر چہارم تمہید میں کادیانی نے احادیث تعامل کو ایسا عام اور وسیع کیا ہے کہ احادیث متعلقہ فروعات اختلافیہ رفع یدین وغیرہ کو جو باتفاق امت محمدیہ ظنیات سے ہیں۔ ان میں شامل کر لیا ہے اور پھر ظن کو ایک ادنیٰ مرتبہ یقینی قرار دے کر ان ظنیات فروعیہ اختلافیہ کو اس مرتبہ میں داخل کر کے یقین بنالیا ہے۔ مگر مضمون تحریر پنجم یا (ہفتم) میں احادیث متعلق تعامل کو بلاشبہ یقین اور کامل ثبوت کی قیدیں لگا کر ان احادیث سے مخصوص کر دیا ہے جو محل اتفاق ہیں اور ان کے عمل میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ جیسے احادیث متعلقہ حکم فرضیت صوم وصلوٰۃ یا عدد رکعات ہیں۔ لہٰذا مضمون تحریر پنجم (یا ہفتم) کا یہ فیصلہ ہے کہ جو احادیث بلا اختلاف متعلق تعامل ہیں اور وہ بلاشبہ اور بلاریب قطعی ویقینی ہیں اور ثبوت کامل کے درجہ تک پہنچ چکی ہیں۔ وہ محتاج عرض قرآن نہیں ہیں باقی سب احادیث جن کے عمل وترک عمل میں اختلاف ہے اور اس وجہ سے وہ رتبہ صحت وثبوت کامل تک نہیں پہنچیں اور وہ بلاشبہ قطعی ویقینی نہیں۔ وہ قرآن پر عرض ہونے کی محتاج ہیں اور یہ فیصلہ امر چہارم تمہید کے صریح مخالف ہے۔

اس بیان سے ہمارے تجویز کے شق اوّل ثابت ہوئے اور یہ بات ثبوت کو پہنچی کہ جو کچھ کادیانی نے تمہید میں بیان کیا ہے اس کی تحریر نمبر چہارم وپنجم میں اس کا نام ونشان نہیں۔ بلکہ صریح خلاف موجود ہے۔ اس بیان میں کادیانی نے جھوٹ بولا ہے اور مسلمانوں کو دھوکہ دیا۔

ہماری تجویز کے دوسرے شق کا ثبوت فرض کیا اور بطور تنزل مان لیا کہ کادیانی کا بیان تمہید اس کی تحریر نمبر چہارم وپنجم میں موجود ہے۔ تاہم اس بیان میں ہمارے سوال کا

جواب کامل وقطعی نہیں ہے۔ اس بیان میں گو احادیث صحیحین متعلقہ عمل کو صحیح وقطعی الثبوت وواجب العمل مان لیا ہے۔ مگر ان احادیث کی نسبت جو متعلق عمل نہیں بلکہ متعلق قصص واخبار ہیں (جیسے احادیث نزول مسیح) کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا۔ بلکہ شرطی طور پر یہ کہا ہے کہ اگر ان کا مضمون موافق قرآن ہوگا تو ان کو صحیح تسلیم کیا جاوے گا۔ مخالف ہوگا تو موضوع قرار دیا جاوے گا۔ پھر اس امر کا بھی قطعی فیصلہ نہیں کیا کہ احادیث متعلقہ نزول مسیح کا واقعی اور اصلی مضمون موافق قرآن ہے۔ وبناءً علیہ وہ احادیث صحیح وواجب التسلیم ہیں یا وہ مضمون مخالف قرآن ہے۔ لہٰذا وہ احادیث موضوع ہیں بلکہ ان کی نسبت شتر مرغی اختیار کر کے دورخی بات کہی ہے کہ ان احادیث کے جو ظاہری معنی علماء کرتے ہیں۔ ان معنی کی نظر سے وہ احادیث موضوع ہیں اور جو تاویلی معنی ہم خود بدولت کرتے ہیں ان معنی کی نظر سے وہ صحیح وموافق قرآن ہیں۔ جس پر اس سوال کی جگہ ہے کہ ان احادیث کے معانی واقع اور نفس الامر میں مراد شارع ﷺ ایک ہی ہوں گے۔ ظاہری (جو علماء اسلام بحکم قواعد مقررہ ومسلمہ مراد شارع ٹھہراتے ہیں) یا تاویلی وتحریفی (جو از روئے الحاد وباطنیت خود بدولت مراد لیتے ہیں) پس اگر آپ کی رائے واعتقاد میں ان احادیث کے وہی تاویلی معنی صحیح ہیں جو آپ نے گھڑ لئے ہیں اور وہ آپ کے خیال میں قرآن مجید کے مواق ومطابق ہیں تو آپ کو جزم ویقین کے ساتھ ان احادیث کو صحیح اور قطعی الثبوت اور واجب القبول قرار دینا چاہئے اور برملا اور صاف صاف کہنا چاہئے کہ ان احادیث کے یقیناً یہی معنی ہیں اور یہ قرآن مجید کے عین مطابق وموافق ہیں اور اس موافقت قرآن کے مقتضاء سے یہ احادیث صحیح وقطعی واجب القبول ہیں اور ان معنی کے یقین صحت اور اس یقین صحت معنی کی نظر سے یقین صحت احادیث مذکورہ کے ساتھ آپ کا ان احادیث کو ظاہری معنی کی نظر سے (جو آپ کے نزدیک صحیح نہیں) موضوع کہنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ یہ کہنا بعینہٖ ایسا ہے کہ کوئی شخص کسی آیت قرآن کے ایک معنی کو یقیناً صحیح ومراد خداوندی سمجھے اور دوسرے معنی کو غلط قرار دے اور پھر کسی شخص کے دوسرے معنی کی تجویز پر یوں کہے کہ اگر اس آیت سے وہ دوسرے معنی مراد ہیں تو یہ آیت قرآن کی آیت نہیں ہے بلکہ یہ کسی انسان کا کلام ہے جو قرآن میں ملایا گیا ہے یا مثلاً کوئی اپنے دیدہ وشناختہ کے باپ کی ایک صفت شجاعت یا سخاوت کا یقین رکھے اور اس صفت کے ساتھ اس کو اپنا باپ جانتا ہو اور پھر دوسرے شخص کے کہنے پر کہ وہ شجاع یا سخی نہیں کہہ دے کہ اگر وہ شجاع وسخی نہیں تو

وہ اس کا باپ نہیں ہے۔

اس شرطی نفی وانکار کو کوئی عاقل صحیح تسلیم نہیں کرسکتا بلکہ ہر کس ذی ہوش وحواس اس شرطیہ طور پر منکر آیت قرآن کو یہ الزام دے سکتا ہے کہ اگر تیرے نزدیک آیت کے ایک وہی معنی صحیح ومتعین ہیں جو تیرے خیال میں ہیں اور دوسرے معنی غلط ہیں تو مجھے جزم ویقین کے ساتھ ان معنی کی صحت کا دعویٰ کرنا اور بناءعلیہ آیت کو آیت قرآن اور اس کا جزء سمجھنا واجب ہے اور دوسرے معنی کو غلط قرار دینا لازم، نہ یہ کہ اس غلط معنی کی نظر سے آیت کو قرآن سے خارج کرنا اور اس شرطی طور پر باپ کے منکر کو یہ الزام دے سکتا ہے کہ اگر تیرے علم ویقین میں تیرا باپ سخی وشجاع ہے تو اپنے باپ کو سخی وشجاع جان کر باپ ماننا تم پر واجب ہے۔ نہ دوسرے کی نفی سخاوت وشجاعت کی شرط سے اس کے باپ سے ہونے سے انکار کرنا۔

ایسا ہی کادیانی پر یہ الزام قائم ہوسکتا ہے کہ اگر تمہارے نزدیک احادیث نزول مسیح کے وہی تاویلی معنی متعین ومتیقن جو تمہارے خیال میں ہیں تو ان احادیث کو نقارہ کی آواز سے صحیح ماننا تم پر واجب ہے۔ نہ ظاہری معنی کی نظر وشرط سے (جن کو تم صحیح نہیں سمجھتے) ان کو موضوع قرار دینا یا ان دونوں معنی کی نظر سے صحت احادیث میں شک وتردد ظاہر کرنا اور یوں کہنا کہ اگر ان احادیث کے ظاہری مراد ہیں تو یہ موضوع ہیں اور اگر تاویلی معنی مرادلیں تو صحیح ہیں۔ کادیانی کے جواب کو قطعی اور کامل جاننے والو! بتاؤ!! اب بھی اس جواب کو قطعی اور صحیح وکامل کہو گے؟ کادیانی کی محبت میں اندھے اور کانے ہورہے ہیں۔ وہ اب بھی اس جواب کو قطعی وکامل کہیں تو محل تعجب وافسوس نہیں۔ مگر صحیح وسلیم الحواس ناظرین وسامعین سے تو امید کامل ہے کہ وہ ہماری اس تقریر کو پڑھ کر یا سن کر کادیانی کے اس جواب کو یقیناً غیر قطعی وناکامل قرار دیں گے اور اس سے کادیانی کی دھوکہ بازی اور چالاکی کا یقین کریں گے اور اس کو اس جواب کی نظر سے شتر مرغ یا روباہ صفت سمجھیں گے اور اس قسم کی باتوں سے اس کی شعبدہ بازی کا یقین کریں گے۔

ہماری تجویز کی تیسری شق کا ثبوت یہ بھی بطور فرض محال فرض کیا اور بطور تنزل مان لیا کہ کادیانی نے جو جواب دیا ہے یہ بجائے خود قطعی جواب اور کامل ہے۔ لیکن یہ جواب اسلام خصوصاً مذہب اہل سنت وجماعت کے رو سے صحیح نہیں ہے بلکہ ملحدانہ جواب ہے جو اسلام اور تسنن کے بالکل مخالف ہے۔ کیونکہ اس جواب میں احادیث متعلقہ عمل کو اگرچہ ان

کے عمل وترک میں اختلاف ہو۔ قطعی صحیح اور بلاریب قوی اور یقینی الثبوت کہا ہے اور تعلیمات اور احکام قرآن پر زیادتی کرنے والے اور اجمال واشارات قرآن کی تفسیر وتفصیل کرنے والے قرار دیا ہے اور ان احادیث کو جو متعلق عمل نہ ہوں مشتبہ وشکی اور بلاشہادت وموافقت قرآن ناقابل قبول قرار دیا ہے اور اس رتبہ سے گرایا ہے کہ وہ بیان قرآن پر کچھ زیادتی کریں یا اس کے اجمال واشارہ کی تفسیر وتفصیل کر سکیں اور یہ محض ملحدانہ اصول ہے۔ جس سے احادیث متعلقہ عقائد کا جو اہل سنت کے نزدیک قطعیات سے ہیں ردوابطال اور احادیث متعلقہ فروعات اختلافیہ سے کتاب اللہ کا نسخ متصور ہے اور یہی اس اصول کی تمہید وتقریر سے کادیانی کا مقصود ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ فروعات اختلافیہ کے متعلق جس حدیث کو کوئی چاہے دست آویز بنا کر کتاب اللہ پر زیادتی کر لے جو نسخ کہلاتا ہے اور عقائد متفق علیہ اہل سنت وجماعت کے متعلق احادیث سے جس حدیث کو مثلاً احادیث متعلقہ توحید وصفات یا احادیث متضمنہ تفاصیل حالات برزخ (قبض ارواح، عذاب قبر، سوال منکر ونکیر) وحالات محشر (علامات قیامت، حشر اجساد از اجداث، وعبور پل صراط وحساب ووزن اعمال) ونعیم جنت (دیدار خدا وحور وقصور، انہار واشجار) وآلام جہنم (طوق واغلال وغیرہ) چاہے خیر باد کہہ کر ملحد وزندیق ونیچری بن جائے اور اس پر کادیانی کی یہ دلیل پیش کرے کہ یہ احادیث متعلق عمل نہیں۔ صرف قصص واخبار کے متعلق ہیں۔ لہٰذا ان کی صحت شکی ومشتبہ ہے اور بلاشہادت وموافقت قرآن ان کو قبول کرنا جائز نہیں اور قرآن میں ان تفاصیل کا نام ونشان نہیں۔ اس میں مجملاً احوال برزخ وقیامت کا بیان ہے۔ جس پر ان احادیث کے بیان سے زیادتی سے جائز نہیں اور یہ حدیثیں اس لائق نہیں کہ اس اجمال قرآن کی تفسیر وتفصیل بن سکیں۔ کیونکہ یہ احادیث تعامل یعنی عمل کی قوی اور بلاریب سلسلہ میں نہیں آئیں اور اس آفتاب کی روشنی سے فیضیاب نہیں ہوئیں۔

اسلام خصوصاً مذہب اہل سنت اس ملحدانہ اصول کے دونوں جز کا مخالف ہے۔ وہ احادیث صحیحہ متعلقہ فروعات اختلافیہ کو اگرچہ واجب العمل قرار دیتا ہے۔ مگر ان کو قطعی ویقینی الثبوت نہیں کہتا بلکہ باوجود واجب العمل قرار دینے کے ان کو مرتبہ ظن میں جگہ دیتا ہے اور عملیات میں ظن کو لائق عمل قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ہماری تحریر نمبر ہشتم میں بیان ہوا۔ اسلام میں ایسا کوئی شخص آج تک نہیں ہوا جو اختلافی مسئلہ فرعی کو یقینی وقطعی وبلاریب قوی کہے اور

احادیث متعلقہ اعتقاد کو احادیث متعلقہ عمل سے بڑھ کر واجب القبول قرار دے۔ وہ احادیث اسلام خصوصاً مذہب اہل سنت میں قطعی ویقینی الثبوت تسلیم کی گئی ہیں۔

دواوین اسلام کتب حدیث وکتب عقائد میں ان احادیث اوران سے مستخرجہ مسائل کوعقائد اسلامیہ سنیہ میں شمار کیا گیا ہے اوران احادیث اوران مسائل کی نسبت محدثین وائمہ کلام کا دعویٰ شہرت وتواتر ہے۔ وہ ان احادیث کو حد شہرت یا تواتر تک پہنچی ہوئی نہ سمجھتے تو ان احادیث اوران مسائل کو عقائد اسلامیہ میں ہرگز شمار نہ کرتے۔ کیونکہ یہ مسئلہ ان میں مسلم ومتفق علیہ چلا آتا ہے کہ باب عقائد میں ظنیات پر اعتماد جائز نہیں اور عقائد کی بناء قطعیات پر ہے اوراس مسئلہ پر ان کا نصوص کتاب اللہ سے استدلال استشہاد ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا ہے: ''**سیقول الذین اشرکوا لوشاء اللہ ما اشرکنا ولا اٰبآؤنا ولا حرمنا من شئ کذلک کذب الذین من قبلھم حتّٰی ذاقوا باسنا قل ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا ان تتبعون الا الظن وان انتم الا تخرصون** (انعام) '' شتاب منکر کہیں گے خدا چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ اور نہ ہم کسی چیز کو (اپنی طرف سے) حرام بناتے۔ ایسا ہی ان سے پہلوں نے جھٹلایا یہاں تک کہ ہمارا عذاب چکھ لیا تو ان سے کہہ دے تمہارے پاس (اس بیان پر) کوئی یقینی سند ہے جس کو نکال سکو تم تو ظن ہی کے پیچھے لگتے اوراٹکل دوڑا رہے ہو۔

اورفرمایا: ''**وما یتبع اکثرھم الا ظنا وان الظن لا یغنی من الحق شیئا ان اللہ علیم بما یفعلون** (یونس) '' ان میں بہت لوگ ظن ہی کے پیچھے لگتے ہیں اورظن حق کا کام کچھ نہیں دیتا۔ اللہ جانتا ہے جو یہ کرتے ہیں۔

پہلی آیت کی تفسیر میں قاضی بیضاوی نے کہا ہے۔ اس آیت میں ظن کی پیروی سے ممانعت پائی جاتی ہے۔ خصوصاً اعتقادی مسائل میں شاید یہ ممانعت اس موقع پر ہو۔ جہاں ظن کے مقابلہ میں کوئی یقینی امر ہو۔ کیونکہ آیت کا موردنزول ایسا ہی موقع ہے۔

لفظ ''شاید'' قاضی بیضاوی نے اس خیال سے بولا ہے کہ الفاظ قرآن کے عموم کا اعتبار ہے۔ نہ خاص موردنزول کا اور یہ امر بہت سی آیات واحادیث سے ثابت ہے اوراس کے موافق علمائے اسلام کا زمانہ صحابہ سے عمل چلا آیا ہے۔ لہٰذا اس آیت میں ہر ایک ظنی امر کے اتباع سے باب اعتقاد میں ممانعت ہے۔ اسکو اس ظنی امر سے (جس کے مقابلہ میں کوئی

قطعی امر ہو) خاص کرنا صحیح نہیں ہے۔

اور بیضاوی نے دوسری آیت کی تفسیر میں کہا ہے۔ اس آیت میں اس امر کی دلیل پائی جاتی ہے کہ باب اعتقاد میں یقین حاصل کرنا واجب ہے۔ اس میں ظن وتقلید پر اکتفاء جائز نہیں۔ خدا کا یہ فرمانا کہ خدا جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔ اتباع ظن اور ترک دلیل پر عذاب سے ڈرانا ہے۔

ایسا ہی دوسری آیت کی تفسیر میں نواب صاحب مرحوم نے فتح البیان میں فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کرخی نے کہا ہے۔ اس آیت میں اس بات کی دلیل پائی جاتی ہے کہ باب اعتقاد میں علم (یعنی یقین) حاصل کرنا واجب ہے اور ظن وتقلید کو کافی سمجھنا جائز نہیں۔ کیونکہ دین یقین ہی بتاتا ہے اور اسی یقین سے حق واضح ہوتا ہے اور ظن اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتا اور اس سے حق معلوم نہیں ہوتا۔ وہ ظن کسی امر میں حق کا کام نہیں دیتا۔ خدا کا یہ فرمانا ظن کے باطل ہونے کے بیان کے لئے ہے۔ اس میں حق سے علم مراد ہے۔

اور امام رازی نے فرمایا ہے: مسائل اعتقادیہ یقینیہ میں ظن پر اعتماد جائز نہیں۔ امام سیوطی نے امام رازی کا یہ کلام تفسیر اتقان میں نقل کر کے فرمایا ہے۔ تجھے یہ کلام اس امام کا اس باب میں بس ہے۔

بحر العلوم لکھنوی نے شرح مسلم الثبوت میں فرمایا ہے۔ اعتقاد ظن سے حاصل نہیں ہوتا۔ ہاں! اعمال میں ظن پر بھی عمل جائز ہے۔ علامہ تفتازانی نے تلویح میں فرمایا ہے۔ اعتقادی مسائل اکے دکے راویوں کی حدیثوں سے ثابت نہیں ہوتے۔ کیونکہ اعتکادیات کی بناء یقین پر ہوتی ہے۔

علامہ ہارون نے ناظور الحق میں لکھا ہے تو جان چکا ہے کہ باب اعتقاد میں ظن وقیاس جاری نہیں ہوتا اور اعتقاد اجتہاد اور لوگوں کی رائے سے ثابت نہیں ہوسکتا۔ اس میں حق قطعی ہوتا ہے جس میں اختلاف متصور نہیں۔

ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں بجواب اس قول شیخ علاء الدین قونوی کے کہ جمعرات اور جمعہ کے دن اہل قبور سے عذاب اٹھایا جاتا ہے۔ پھر وہ قیامت تک عود نہیں کرتا۔ فرمایا ہے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ عقائد کے باب میں یقینی دلائل معتبر ہیں نہ اکے دکے راویوں کی حدیثیں جو ظنی ہوتی ہیں۔ ہاں! جب کہ وہ کئی طریق (راویوں) سے مروی ہوں اور تواتر

معنوی کو پہنچ جائیں تو اس وقت وہ بھی قطعی ہو جاتی ہیں۔

اور ملا علی قاری نے رسالہ سم القوارض نے دم الروافض میں بیان فرمایا ہے۔ اہل علم وصاحب فہم یہ بات جانتے ہیں کہ عقائد کی بناء قطعی دلائل پر قائم ہوتی ہے نہ ظنی دلائل پر جو مسائل فرعیہ فقیہ میں کام دیتے ہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے کافروں کی مذمت میں فرمایا ہے کہ وہ ظن ہی کے پیچھے لگتے ہیں اور ظن حق کا کام نہیں دیتا تو اس سے منہ پھیر لے جو ہماری نصیحت سے پھر جاتا ہے اور بجز زندگی دنیا کے کچھ نہیں چاہتا۔ وہی ان کی سمجھ کی حد ہے۔ تیرا رب اس کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بہکا ہوا ہے اور جو اس کی راہ پر ہے اور اس باب میں آیات بکثرت موجود اور احادیث مشہور ہیں اور اس پر اجماع قائم ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک جن کو علم ہے۔

ایسا ہی شیخ عبدالحق نے تکمیل الایمان میں فرمایا ہے اور کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب میں آپ نے فرمایا ہے۔ شیخ علاء الدین قونوی کہ از محققین علمائے شافعیہ است میگوید کہ آنچہ برمن ظاہر میشود۔ اینست کہ اعتقاد حیات انبیاء علیہم السلام درقبور ووجود ایشان دروے بوجہیکہ پیش از وفات ثابت بود استمرار واستقرار ایشان درقبور ہمبرین وجہ از مسائل فروع نیست کہ دروے بدلائل ظنیہ غیر قطعیہ اکتفاء رود وبمشاہدہ حیانی ثابت شدہ کہ حیانے کہ ایشانرا پیش از وفات ثابت بود زوال پذیرفتہ وفانی شدہ دعود آن حیات را دلیلی قطعی وحجتے ساطع باید تا اعتقاد و بدان صورت بندد۔

یہ ان حضرات کی عبارات وتصریحات کا ترجمہ ہے اور اصل عبارات ہمارے رسالہ نمبر۵ ج۹ میں منقول ہیں۔ ان تصریحات واستدلات کے ساتھ ان حضرات محدثین ومتکلمین ومفسرین نے عقائد مذکورہ کو اپنی کتب میں بیان کیا اور ان پر احادیث مذکورہ سے تمسک واستدلال کیا ہے تو اس کی وجہ بجز اس کے اور کیا ہوسکتی ہے کہ انہوں نے ان احادیث کو حد شہرت وتواتر تک پہنچی ہوئی جانا اور قطعیات سے شمار کیا ہے۔

اور اگر وہ ان احادیث کو اخبار احاد سمجھتے اور ان عقائد کو جو ان احادیث سے ثابت ہیں ظنیات خیال کرتے تو تصریحات بالا کے ساتھ وہ ان عقائد کو اسلامی وسنی عقائد نہ ٹھہراتے اور اپنی کتب حدیث وتفسیر وعقائد میں ان پر ایمان لانے کی رغبت نہ دلاتے یہ جو ہم نے کہا ہے اس میں محض ظن واستنباط سے کام نہیں لیا اور صرف ان حضرات کے عمل سے نتیجہ کا استخراج

واثبات نہیں کیا۔ ان ائمہ نے تصریح وتوضیح کے ساتھ خود بھی ان احادیث کی نسبت شہرت وتواتر کا دعویٰ کیا اور صاف کہہ دیا ہے کہ یہ احادیث حد تواتر یا شہرت کو پہنچ گئی ہیں۔

فتویٰ علمائے پنجاب وہندوستان بحق مرزا کادیان (مندرجہ نمبر۵ وغیرہ ج۱۳) میں علماء متکلمین ومفسرین کے بعض اقوال کو ناظرین دیکھ چکے ہیں۔ متکلمین کے اور اقوال دیکھنے ہوں تو شرح عقائد وشرح مقاصد میں ملاحظہ کریں۔ اس مقام میں ہم بعض محدثین کے اقوال نقل کرتے ہیں جن میں احادیث متعلقہ نزول حضرت مسیح وخروج دجال وغیرہ کو حد تواتر تک پہنچنے والی اور یقینی قرار دیا گیا ہے۔

خاتمۃ المحدثین امام شوکانی رسالہ توضیح میں احادیث نزول حضرت مسیح کو ذکر کر کے فرماتے ہیں: ’’فھٰذہ تسعۃ وعشرون حدیثا تنضم الیھا احادیث اخر ذکر فیھا نزول عیسٰی علیہ السلام منھا ما ھو مذکور فی احادیث الدجال ومنھا ما ھو مذکور فی احادیث المنتظر وتنضم الٰی ذلک ایضاً الاثارا لواردۃ عن الصحابۃ فلھا حکم الرفع اذلامجال للاجتھاد فی ذٰلک فمنھا عن ابی ھریرۃ عند ابن ولی شیبۃ ومنھا عنہ ایضاً ذکرہ فی کنزالعمال ومنھا عنہ ایضاً ذکرہ فیہ ومنھا عن ابن عباس ذکرہ فی الکنز ومنھا عنہ ایضاً ذکرہ فیہ ومنھا عن عبداللہ بن عمر ذکرہ ابن ابی شیبۃ ومنھا عن ابن مسعود ذکرہ فی کنز العمال وجمیع ما سقناہ بالغ حدالتواتر کما لا یخفی علٰے من لہ فضل اطلاع فتقرر بجمیع ماسقناہ فی ھٰذا ان الاحادیث الواردۃ فی المھدی المنتظر متواترۃ والاحادیث الواردۃ فی الدجال متواترۃ والاحادیث الواردۃ فی نزول عیسٰی متواترۃ وفی ھٰذہ المقدار کفایۃ لمن لہ ھدایۃ (حجج عن التوضیح) ‘‘ یہ انتیس حدیثیں ہیں جن کے ساتھ اور احادیث بھی شامل ہوسکتی ہیں جن میں حضرت مسیح کے نزول کا ذکر ہے۔ ازانجملہ بعض وہ ہیں جو احادیث متعلقہ دجال کے ضمن میں مذکور ہیں۔ بعض ایسی ہیں جو احادیث مہدی موعود کے ضمن میں مذکور ہیں اور ان کے ساتھ صحابہ کے آثار واقوال بھی شامل ہوسکتے ہیں جو حدیث مرفوع کے حکم میں ہیں۔ کیونکہ ایسی احادیث کے بیان میں اصحاب کے اجتہاد ورائے کا دخل نہیں ہوسکتا۔ ازانجملہ ابوہریرہ کی حدیث ابن ابی شیبہ کی کتاب میں ہے۔ ایک اور اس کی حدیث

کنز العمال میں ہے۔اس میں ان کی ایک اور حدیث ہے۔وازانجملہ ایک حدیث کنز العمال میں ابن عباس سے ہے۔ اس میں ایک حدیث ان کی اور ہے۔ ازانجملہ عبداللہ بن عمر کی حدیث ابن ابی شیبہ نے بیان کی ہے۔ وازانجملہ ابن مسعود کی حدیث ہے جو کنز العمال میں ہے۔ یہ سب حدیثیں جن کو ہم نے بیان کیا ہے مل کر حد متواتر تک پہنچ چکی ہیں۔ ہمارے اس نقل وبیان روایات سے ثابت ہوا کہ جو احادیث مہدی موعود کے باب میں وارد ہیں وہ متواتر ہیں اور جو دجال کے حق میں ہیں وہ بھی متواتر ہیں اور جو حضرت عیسیٰ کے نزول کے متعلق وارد ہیں وہ بھی متواتر ہیں۔اس قدر بیان میں اس شخص کے لئے کفایت ہے جس کو ہدایت حاصل ہے۔

اور نیز امام شوکانی نے کہا ہے کہ:''**واما الاحادیث الواردة فی الدجال فالذی اذکرہ ھنا مائة حدیث ثم سردھا بقولہ الاول والثانی الٰی اٰخر المائة ثم قال ولنقتصر علٰی ھٰذا المقدار فلیس المراد ھنا الا بیان کون احادیث خروج الدجال متواترة والتواتر یحصل بالبعض مما شقناہ وقد بقیت احادیث واٰثار عن جماعة من الصحابة ترکنا ذکرھا ووقفنا علٰی ھذہ المائة الحدیث التی اشرنا الیھا والٰی من خرجھا (حجج من التوضیح)**'' دجال کے باب میں جو احادیث وارد ہیں ازانجملہ جو اس مقام میں ہم بیان کرنا چاہتے ہیں وہ سو احادیث ہیں۔ پھر ان کو نام بنام ذکر وشمار کیا اور اس کے بعد فرمایا۔اب ہم کو چاہئے کہ اسی قدر پر بس کریں۔ اس سے ہمارا مقصود صرف اس امر کا بیان ہے کہ احادیث دجال متواتر ہیں اور تواتر صرف بعض احادیث سے جو ہم نے بیان کیں ہیں۔ حاصل وثابت ہوسکتا ہے اور ہنوز بہت سی احادیث وآثار صحابہ کے باقی ہیں جن کے ذکر کو ہم نے ترک کر دیا ہے اور ان ہی سو احادیث کے بیان پر وقفہ کیا ہے۔

اور نیز امام شوکانی نے توضیح میں کہا ہے:''**ورد السوال من بعض الاعلام عن الاحادیث الواردة فی ھؤلاء ھل ھی متواترة ام لا فاقول اما الاحادیث الواردة فی المھدی فالذی امکن الوقوف علیہ منھا خمسون حدیثا ثم سردھا لقولہ الاول والثانی الٰی اٰخر الخمسین ثم قال فھٰذہ خمسون حدیثاً فیھا الصحیح والحسن والضعیف المنجبر وھی متواترة بلاشک**

ولا شبة بل یصدق وصف التواتر علٰی ما ھو دونھا علی جمیع الاصطلاحات المجردة فی الاصول والٰی ھنا انتھی الکلام علی الاحادیث الواردة فی المھدی واما الاٰثار عن الصحابة المصرحة باالمھدی فی کثیرة الٰی ان ذکر ثمانیة وعشرین ثم قال فھٰذه ثمانیة وعشرون اثر الھا حکم الرفع اذلا مجال للاجتھاد فی مثل ذٰلک (توضیح علٰی ما فی الحجج) ''بعض علماء اعلام نے سوال کیا ہے کہ ان لوگوں کے حق میں جو احادیث وارد ہیں وہ متواتر ہیں یا نہیں۔ اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ جو احادیث امام مہدی کے باب میں وارد ہیں ازانجملہ جن احادیث سے لوگوں کا واقف ہونا ممکن ہو وہ پچاس ہیں۔ پھر ان احادیث کو از اوّل ودوم تا آخر پنجاہم بیان کیا۔ پھر کہا یہ پچاس حدیثیں ہیں جن میں سے کوئی صحیح ہے۔ کوئی حسن، کوئی ضعیف جس کے ضعف کا جبر نقصان ہو چکا ہے اور وہ بلاشک وشبہ متواتر ہیں بلکہ یہ صفت تواتر توان سے کم درجہ احادیث پر صادق آتی ہے۔ یہ احادیث مرفوعہ کے متعلق گفتگو ہے۔ رہی آثار صحابہ جو آمد امام مہدی کو بتصریح بیان کرتی ہیں۔ سو بہت ہیں۔ پھر ان کو اٹھارہ تک شمار کیا۔ پھر کہا یہ اٹھارہ آثار ہیں جو احادیث مرفوعہ کے حکم میں ہیں۔ کیونکہ ایسے مضمون کا بیان رائے سے نہیں ہوسکتا۔

ان عبارات سے صاف ثابت ہے کہ احادیث متعلقہ نزول حضرت مسیح علیہ السلام وخروج دجال اور اس قسم کی اور احادیث کی نسبت علماء محدثین ومتکلمین کو تواتر کا دعویٰ ہے اور ان کی قطعیت کا اعتقاد وہ ان احادیث کو قطعی الثبوت اور یقینی صحیح جانتے ہیں اور جو مسائل وعقائد ان احادیث سے ثابت ہیں۔ ان کو وہ اسلامی وسنی عقائد ٹھہرا چکے ہیں اور ان کے مقابلہ میں مسائل فرعیہ اختلافیہ کو ظن اور ان کے متعلق احادیث کو ظنی الثبوت ومفید ظن قرار دے گئے ہیں۔

کادیانی نے اپنے جواب وبیان میں ان سب کا خلاف کیا اور ان کے قرارداد کے رو سے اسلام وتسنن کا خلاف کیا اور اس میں الحاد سے کام لیا۔ لہٰذا اس کا یہ جواب اسلامی وسنی اصول کے رو سے صحیح جواب نہیں ہے۔ اس مخالفت اصول واسلام وتسنن کے علاوہ یہ جواب عقل سلیم کے بھی مخالف ہے اور خود اپنے آپ کا مخالف اس کے آخر کو اوّل سے صریح تخالف ہے۔

عقل سلیم سے اس جواب کا مخالف ہونا

یہ اصول مسلم عقلاء ہے کہ یقین اعلیٰ رتبہ ہے اور ظن ادنیٰ اسی اصول کی نظر سے اہل اسلام کے نزدیک اعتقاد جو اعلیٰ رتبہ ہے۔ ظنیات سے متعلق نہیں ہوتا بلکہ وہ قطعیات سے مخصوص ہے اور عمل جو بہ نسبت اعتقاد ادنیٰ ہے اور اس کی توابع میں سے ہے۔ ظن سے بھی متعلق ہوسکتا ہے۔ چنانچہ عبارات علماء منقولہ بالا سے ثابت ہو چکا ہے۔

کادیانی نے اپنے جواب سے اس اصول عقلی کا بھی خلاف کیا (جیسا کہ قرارداد اسلام وتسنن کا خلاف کیا ہے) کہ حصہ اوّل احادیث متعلقہ عمل کو قطعی الثبوت ویقینی صحیح قرار دینے کے لئے اہل اسلام کے عمل کو گو اختلافی ہو۔ (جو مثبت ظن ہوتا ہے نہ مفید یقین) لائق لحاظ واعتبار ٹھہرایا ہے اور حصہ دوم احادیث متعلقہ اعتقاد کو ظنی قرار دینے کے لئے اہل اسلام کے اعتقاد کو (جو ان احادیث کے متعلق پایا گیا ہے اور وہ مفید یقین ہے) ساقط الاعتبار ونا قابل لحاظ ٹھہرایا ہے اور اس میں اعلیٰ کو ادنیٰ اور ادنیٰ کو اعلیٰ ٹھہرایا اور مرجوح کو راجح کیا اور راجح کو ساقط کر دیا جو عقلاء جہاں کے برخلاف ہے۔

اپنے آپ سے اس جواب کا مخالف ہونا یعنی اس کے آخر کا اوّل سے مخالف ہونا

اس جواب میں پہلے تو حصہ اوّل احادیث متعلقہ عمل کو قطعی ویقینی الثبوت بنانے کے لئے قرارداد علماء اسلام کو (جو اختلاف کے ساتھ ان احادیث کے عمل کے متعلق پائی گئی ہے) مسلم رکھا اور قبول کیا اور ان کی نسبت حسن ظن کو قائم رکھ کر یہ خیال وفرض کر لیا کہ اگر وہ احادیث صحیح نہ ہوتیں تو علماء اسلام کا عمل (گو اختلاف سے ہے) ان پر پایا نہ جاتا۔ مگر بعد میں حصہ دوم احادیث متعلقہ اعتقاد کو ظنی بنانے کے لئے اس قرارداد علماء کو (جو ان احادیث کے متعلق اعتقاد رکھنے اور ان سے مستخرجہ مسائل کو بالاتفاق قبول کر کے عقائد اسلامی وسنی قرار دینے میں وقوع میں آئی ہے) رد کر دیا اور نا قابل قبول ٹھہرایا اور ان کی نسبت حسن ظنی کو قائم نہ رکھا اور ان کے حق میں یہ نیک ظن نہ کیا کہ اگر یہ احادیث صحیح اور قطعی نہ ہوتیں تو علماء اسلام خصوصاً اہل سنت ان احادیث کو اتفاق کے ساتھ بسروچشم کیوں قبول کرتے اور ان سے مستخرجہ مسائل کو عقائد اسلامی وسنی کیوں ٹھہراتے۔ بلکہ ان احادیث کو صحیح وقطعی سمجھنے اور ان کے ظاہری معانی مراد ٹھہرا کر ان کو اسلامی وسنی عقائد ٹھہرانے میں ان سب علماء کو غلطی پر سمجھا اور

ان کے علم وفہم ودین پر برا گمان کیا اور یہ اپنی بات کا خود خلاف کرنا ہے۔ یعنی پہلے ان کے قرارداد کو (جو اختلاف کے ساتھ عمل کے متعلق پائی گئی ہے) مسلم رکھنا اور قبول کرنا اور اس میں علماء پر حسن ظن رکھنا پھر ان کے قرارداد کو (جو اتفاق کے ساتھ اعتقاد کے متعلق پائی گئی ہے) رد کرنا اور اس میں ان پر بدگمانی کرنا۔

کادیانی میں کچھ عقل وحیاء وشرم ہوتی تو وہ اس اختلاف وتناقض کا مرتکب نہ ہوتا بلکہ اگر وہ احادیث نبویہ اور اقوال وقرارداد علماء سے بد اعتقاد ہے۔ (چنانچہ اس کے لفظ لفظ سے مستفاد ہے اور اس کی ہر ایک جزء مذہب جدید کی اسی پر بنیاد ہے) تو وہ جملہ احادیث نبویہ کو عمل کے متعلق ہیں۔ خواہ اعتقاد کے متعلق برملا وعلی الاطلاق خیر باد کہتا اور علماء کے عمل واعتقاد دونوں کے قرارداد کو لغو ونا قابل اعتبار قرار دیتا اور اگر وہ احادیث نبویہ واقوال وقرارداد علماء سے حسن ظن رکھتا ہے۔ (جیسا کہ اس کا ظاہری دعویٰ ہے اور اس کے ناواقف دام افتادہ لوگوں کا اس کی نسبت اعتقاد ہے) تو وہ جملہ احادیث صحیحہ کو متعلق عمل ہیں، خواہ متعلق اعتقاد قبول کرتا اور ان کی نسبت قبولیت وقرارداد کا عمل سے وقوع میں آئی ہے خواہ اعتقاد سے لحاظ کرتا اور عمل اعتقاد دونوں میں ان پر حسن ظنی رکھتا۔ یہ مقتضائے حیاء وعقل نہیں ہے کہ احادیث متعلقہ عمل کو تو وہ قبول کرتا ہے اور ان کے متعلق علماء اسلام کے عملی قرارداد کو (گو اختلاف سے ہو) مانتا ہے اور اس میں ان پر حسن ظنی رکھتا ہے۔ مگر احادیث متعلقہ اعتقاد کو وہ واجب القبول نہیں سمجھتا اور ان کے متعلق ان کے اعتقاد قرارداد اتفاقی کو قبول نہیں کرتا اور اس میں ان پر حسن ظنی نہیں رکھتا۔

اس اضطراب واختلاف ورزی کا سبب ومنشاء

اس جواب میں جو کادیانی نے مخالفت اصول اسلام وتسنن وعقل سلیم کے ساتھ خود اپنا خلاف کیا ہے تو اس کا سبب ومنشاء یہ ہے (جو اس کے ہر ایک قول وکردار سے مفہوم ہوتا ہے (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال) کہ درحقیقت وہ کسی مذہب وملت سماوی کا پابند نہیں ہے اور نہ اسلامی اصول ودلائل کتاب سنت واجماع واقوال سلف امت وغیرہ کا پابند ہے بلکہ وہ خود اپنا نیا مذہب ودین قائم کرنا چاہتا ہے۔ (چنانچہ تصانیف کادیانی کے ریویو میں یا بقیہ فتویٰ علماء پنجاب وہندوستان میں مفصل ومدلل طور پر ثابت کیا جاوے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ) مگر وہ یہ بھی

جانتا ہے کہ مسلمانوں کو دام میں لانا پرانے اصول سے مطلق انکار اور نئے اصول کے برملا ادّعاء واظہار کے ساتھ ناممکن ہے۔ لہٰذا وہ اپنے ہر ایک بیان واظہار میں شترمرغی وروباہ بازی اختیار کرتا ہے اور جس موقعہ پر جو داؤ چلے چلا لیتا اور جس ہتھیار سے کام نکلے اسی کام میں لاتا ہے۔ کبھی زور وشور کے ساتھ اعتقاد تسلیم قرآن کا اظہار۔ کبھی آیات قرآنیہ کے ظواہر قطعیہ سے انکار۔ کبھی احادیث نبویہ کی تسلیم کا اقرار۔ کبھی کسی بہانہ سے ان کی تسلیم سے انکار۔ کبھی اجماع سے استدلال۔ کبھی اس کو کورانہ کہہ کر اس کے رد کا اقبال۔ وعلیٰ ہذا القیاس!

پھر فرط تہور وجرأت سے وہ اس اقبال وانکار کے اختلاف کی بھی کچھ پرواہ نہیں کرتا اور یہ سمجھ لیتا ہے کہ میرے مختلف اقوال متضمنہ انکار واقبال کا ہر ایک شخص کب موازنہ کرتا ہے۔ پس جس جال میں جو کوئی پھنسا وہی غنیمت ہے۔ مقابلہ اور موازنہ کرنے والے پھر پیچیدہ بات کی تہہ کو پہنچنے والے لوگ شاذ ونادر ہوتے ہیں۔ ’’والنادر کالمعدوم‘‘

اس جرأت وخیال سے وہ ایک مقام میں جس بات کا انکار کر چکا ہوتا ہے دوسرے مقام میں اس کا اقرار کر لیتا ہے اور جس بات کا اقرار کیا ہو اس سے انکار کر جاتا ہے اور جو بات نہ کہی ہو اس کے کہنے کا جھوٹا مدعی بن جاتا ہے اور جو بات کہہ چکا ہے اس کے کہنے سے منکر ہو جاتا ہے۔ اس کی ایک مثال اس کا یہی جواب مندرجہ تمہید ہے۔ جس کی نسبت وہ کہتا ہے کہ یہ جواب میں تحریر نمبر چہارم پنجم میں دے چکا ہوں۔ حالانکہ ان تحریرات میں اس کا نام ونشان نہیں۔ چنانچہ ناظرین پر مخفی نہیں ہے۔ ایک اور عام فہم مثال اس مقام میں ذکر کی جاتی ہے۔ رسالہ فتح الاسلام ص۵۴، خزائن ج۳ ص۳۲ میں اس نے لیلتہ القدر کی حقیقتاً رات ہونے کی نفی کی ہے اور اس کی نسبت صاف اور کھلم کھلا الفاظ سے یہ بات کہہ دی ہے۔ اس زمانہ کا نام بطور استعارہ لیلتہ القدر رکھا گیا ہے۔ مگر درحقیقت یہ رات نہیں ہے۔ یہ ایک زمانہ ہے جو بوجہ ظلمت رات کا ہمرنگ ہے۔

پھر آپ نے ازالہ کے ص۴۲۰، خزائن ج۳ ص۳۱۹، ۳۲۰ میں اور متعدد تحریروں میں اس نفی سے انکار کیا اور بضمن سوال وجواب یہ کہا ہے: ’’(۹) سوال لیلتہ القدر کے اور معنی کر کے نیچریت اور باطنیت کا دروازہ کھول دیا۔‘‘ ’’اما الجواب‘‘ معترض صاحب نے اعتراض سے لوگوں کو دھوکہ دیا ہے۔ اس جگہ اصل حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس عاجز پر ظاہر کیا ہے کہ پہلے معنی لیلتہ القدر کے جو علماء کرتے ہیں وہ بھی مسلم وبجا ہیں اور ساتھ ان کے

یہ بھی معنی ہیں اور دونوں معنوں میں کچھ منافاۃ نہیں۔ قرآن شریف ظہر بھی رکھتا ہے اور بطن بھی اور صدہا معارف اس کے اندر پوشیدہ ہیں۔ پس اگر اس عاجز نے تفہیم الٰہی سے لیلۃ القدر کے یہ معنی کئے تو کہاں سمجھا گیا کہ پہلے معنوں سے انکار ہے۔''

ناظرین اس عبارت ازالہ اور اس عبارت فتح کا مقابلہ کریں اور داد وانصاف دیکھ کر کہیں کہ کادیانی کا لیلۃ القدر کی رات ہونے سے عبارت فتح میں انکار اور اس انکار سے عبارت ازالہ میں انکار اور رات ہونے کا اقرار ہمارے دعویٰ کا مصدق اور اس کی ایک صریح وصحیح مثال ہے یا نہیں۔ ایسی صریح مثالیں اور بہت ہیں۔ ازانجملہ بعض کا بیان کادیانی کی تفصیل اقوال تحریر نمبر ہشتم کے متعلق آئندہ نوٹوں میں ہوگا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ!

یہ مضمون تمہید کادیانی پر ایک اجمالی نوٹ ہے جس سے صاف ثابت ہے کہ کادیانی نے جو تمہید میں دعویٰ کیا ہے کہ میں نے تحریر نمبر چہارم وپنجم میں اصل سوال مخاطب کا جواب دے دیا ہے۔ وہ اوّلاً محض کذب وخلاف واقع ہے۔ اگر اس جواب کا ان تحریرات میں ادا ہونا فرض کر لیا جائے تو وہ اس سوال کا قطعی وکامل جواب نہیں ہے اور اگر اس جواب کو قطعی وکامل جواب فرض کر لیا جائے تو وہ جواب اصول اسلام وتسنن اور عقل سلیم کے مخالف ہے۔ بلکہ وہ اپنا آپ مخالف ہے۔ اب ہم اس تمہید کے مطالب وفقرات پر نمبروار مفصل نوٹ کرتے ہیں۔

فقرات والفاظ زیرنشان نمبر ہا پر تفصیل نوٹ

(ان فقرات والفاظ کو ناظرین اصل تحریر کادیانی میں منقول ہے۔ ملاحظہ فرماویں گے تو ان کے متعلق نوٹوں سے حظ اٹھائیں گے)

نوٹ متعلق نمبر۱: یہ قول آپ کا محض کذب ہے۔ آپ نے آگے ایک دفعہ بھی ہمارے سوال کا جواب نہیں دیا اور نہ اب دیا ہے۔ چنانچہ اجمالی نوٹ تمہید میں ثابت ہو چکا ہے۔

نوٹ متعلق نمبر۲: ہم نے ایک بات بھی غیر متعلق پیش نہیں کی جس بات کو آپ غیر متعلق سمجھتے ہیں۔ یعنی احادیث ممانعت وشم وحرمت خرودرندگان سے آپ پر الزام وہ غیر متعلق نہیں۔ چنانچہ نمبر (۷،۸) وغیرہ کے متعلق نوٹ کے ضمن میں ثابت ہوگا۔

نوٹ متعلق نمبر۳: ہم تو آپ کے کلام کا مطلب وہ سمجھتے ہیں جو ہر عاقل صاحب حواس سلیمہ اس سے سمجھ سکتا ہے۔ افسوس آپ خود اپنی کلام کا مطلب نہیں سمجھتے۔ تب ہی کہنا

کچھ چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کچھ اور۔ (نوٹ متعلق نمبر ۷ وغیرہ ملاحظہ ہو)

نوٹ متعلق نمبر۴: آپ کے کلام سے صاف نکلتا ہے کہ آپ ان باتوں کے قائل ہیں۔ مگر چونکہ آپ اپنی کلام کا مطلب خود نہیں سمجھتے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ آپ دل سے قائل نہ ہوں۔ مگر ہم ظاہر کلام پر حکم لگا سکتے ہیں آپ کے دل کو چیر نہیں سکتے۔ (نوٹ متعلق نمبر ۷ وغیرہ ملاحظہ ہو)

نوٹ متعلق نمبر۵: آپ کے عام عقیدہ سے سوال نہ تھا بلکہ خاص صحت احادیث صحیحین سے سوال تھا۔ سو آپ نے اب تک صاف صاف ظاہر نہیں کیا۔

نوٹ متعلق نمبر۶: تحریر چہارم دراصل پنجم ہے اور پنجم دراصل ہفتم۔ آپ نے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے نمبروں کو الٹ پلٹ کر دیا ہے۔

نوٹ متعلق نمبر ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳: ان فقرات والفاظ میں اپنے تعامل واحادیث محل ومتعلق تعامل کے ساتھ محکم وقوی ولاریب وجحت قوی کی قیدیں لگا کر اپنے کلام کا مطلب ہر ذی فہم وشعور پر یہ ظاہر کیا ہے (گو خود نہ سمجھا ہو) کہ احادیث تعامل سے آپ کی مراد وہ احادیث ہیں جو قطعی ویقینی الثبوت ہیں اور ان کے عمل میں کسی کا اختلاف پایا نہیں گیا اور خاص کر وہی احادیث قرآن پر عرض کرنے سے مستثنیٰ ہیں باقی سب احادیث جن پر اتفاقی تعامل پایا نہیں گیا۔ وہ محتاج عرض قرآن ہیں۔ اسی وجہ سے آپ کو ان احادیث سے الزام دیا گیا تھا جو ممانعت وشم اور حرمت خرو درندگان کے باب میں وارد ہیں اور وہ اعتقادات میں سے ہونے کے سبب محل تعامل نہیں ہوسکتیں۔ اپنے اپنے کلام کا مفہوم خود نہیں سمجھا اور الٹا غیر متعلق بات کہنے اور غیر لازم الزام دینے کا ہم پر اعتراض کیا ہے۔ اس کی اور تشریح نوٹ متعلق نمبر ۳۸، ۳۹، ۴۰ میں ہوگی۔

نوٹ متعلق نمبر ۱۴، ۱۵، ۱۶: عملیات سے اگر مسائل اتفاقی متعلق عمل مراد ہیں۔ چنانچہ لفظ قرناً بعد قرنٍ وعصراً بعد عصرٍ کا اشارہ ہے تو اس کلام کا وہی مطلب ہے جو آپ کی تحریرات نمبر پنجم وہفتم (یا بقول آپ کے نمبر چہارم وپنجم) کا مطلب ہے۔ لہٰذا اس صورت میں آپ پر وہی الزام قائم ہوتا ہے جو ان تحریرات کے مضمون پر قائم ہوا ہے کہ اس سے ان جملہ احادیث متعلق عمل کا (جن پر اتفاقی عمل اور تعامل عام اہل اسلام پایا نہیں گیا) بے اعتبار ہونا لازم آتا ہے اور اگر اس سے عملیات اختلافیہ مراد ہیں تو یہ آپ نے اب نیا پہلو بدلا ہے۔ یہ بات آپ کی پچھلی تحریرات کے الفاظ سے کسی صاحب فہم وفراست صحیحہ کی سمجھ میں نہیں

آ سکتی۔ ومعہذا یہ بات کسی اسلامی مذہب میں صحیح نہیں سمجھی گئی کہ ہر ایک حدیث سے جس کے عمل میں اختلاف پایا گیا ہو۔ تعلیم قرآن پر زیادتی جائز ہے۔ یہ ملحدانہ بات آپ ہی کی قلم سے نکلی ہے۔ (اجمالی نوٹ ملاحظہ ہو)

نوٹ متعلق فقرہ نمبر۱۷، لغایت نمبر۲۳: ان فقرات میں کادیانی نے عجب روباہ بازی کی اور اپنے دجال ہونے کی پوری داد دی اور اچھی طرح اس کی تصدیق کر دکھائی ہے۔ فقرہ نمبر۱۷ میں اس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مسائل دین کی تعلیم میں قرآن کریم کامل وکافی ہے۔ کوئی صداقت اس سے باہر نہیں ہے۔ پھر فقرہ ۱۸، ۱۹ میں ان تفاصیل احکام کا جو احادیث میں پائے جاتے ہیں اور وہ تفاصیل یقیناً قرآن میں نہیں بلکہ قرآن سے باہر ہیں وجود تسلیم کرلیا ہے۔ پھر اس کے برخلاف فقرہ نمبر۲۱ میں ان تفاصیل میں قرآن سے زوائد تعلیم نہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

ونیز فقرہ ۱۸، ۲۰ میں علماء ظاہر ومجتہدین اسلام کا ان تفاصیل احکام کو (جو احادیث میں وارد ہیں) قرآن سے نکالنے پر قادر نہ ہونا بیان کر کے ان کے مقابلہ گروہ انبیاءؑ اور اولیاء ولایت عظمیٰ کے (جن میں وہ اپنے آپ کو اوّل نمبر سمجھتا ہے، چنانچہ اس کی تحریرات واشتہارات میں جابجا تصریح موجود ہے) قادر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ مگر فقرہ نمبر۲۱ میں انبیاء اولیاء کا مبلغ علم ومنتہی قدرت ومابہ الفرق بتایا تو صرف یہ بتایا کہ ان کو یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کوئی تعلیم قرآن سے زائد نہیں دی بلکہ احادیث صحیحہ میں مجملات واشارات قرآن کی تفصیل ہے۔ حالانکہ اس بات کے معلوم ہونے اور اس پر ایمان لانے میں اس نے فقرہ نمبر۲۲ میں علماء ظاہر کو بھی ان کے ساتھ شریک کرلیا ہے۔ ان انبیاء واولیاء کا خاصہ یہ نہیں بتایا کہ وہ ان تفاصیل کو قرآن سے نکال سکتے ہیں جس کا فقرہ نمبر۱۹ میں دعویٰ کیا تھا اور نیز فقرہ نمبر۲۲ میں علماء ظاہر کا اس بات پر جو انبیاء واولیاء مانتے ہیں ایمان لانا تسلیم کیا ہے۔ مگر فقرہ نمبر۲۳ میں اس کے برخلاف ان علماء کے اس بات سے منکر ہونے اور آیات قرآن کا مکذب ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

اس روباہ بازی اور اختلاف بیانی سے کادیانی کا مقصود لوگوں کو اشتباہ میں ڈالنا اور اس اشتباہ کے ذریعہ سے ان کو اصل مطلب سے دور لے جانا ہے جو دجالیت کا ایک خاصہ وخاص شیوہ ہے اور اپنے لئے گریز وفرار کی ایک راہ رکھ لینا تاکہ اگر کوئی ایک بات پر معترض

ہو (مثلاً کوئی کہے: (۱) قرآن تفاصیل احکام پر مشتمل نہیں ہے۔ (۲) یا اولیاء وانبیاء زمانۂ حال کے قرآن سے ان تفاصیل کو نکالنے پر قادر نہیں۔ (۳) یا علماء ظاہر قرآن میں مجملات واشارات احکام پائے جانے سے منکر نہیں ہیں) تو وہ اس کے مقابلہ میں دوسری بات کو پیش کر سکے۔ مثلاً (۱) یہ کہے کہ میں نے قرآن کو تفاصیل احکام پر مشتمل نہیں کہا بلکہ صرف اجمالات واشارات پر مشتمل بتایا ہے۔ (۲) اور اولیاء وانبیاء زمانۂ حال کو قرآن سے ان تفاصیل کے نکالنے پر قادر نہیں بتایا۔ وہ صرف اس بات کو جانتے ہیں کہ تفاصیل احادیث کا اجماع قرآن میں موجود ہے اور (۳) اور علماء ظاہر کو بھی اس بات کے ماننے سے منکر نہیں بتایا۔ بلکہ قائل ومؤمن ٹھہرایا ہے اور اگر کوئی ان باتوں کا عکس کہے تو یہ اپنی کلام سے اس کا عکس نکال دے۔

افسوس کادیانی کے دام افتادہ بے علم وکم علم لوگ اس کی باتوں کو حقائق ودقائق سمجھتے ہیں اور یہ نہیں سمجھ سکتے کہ یہ اس کی روباہ بازیاں ہیں جو علم اور حقائق اسلامیہ سے کوسوں دور ہیں۔

نوٹ متعلق فقرات نمبر۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷: کادیانی نے اپنی تحریر نمبر ہفتم میں (جس کو پنجم کہتا ہے) صاف بایں الفاظ کہا ہے کہ ’’میں ایسی حدیثوں کو جہاں تک کہ ان کو سلسلہ تعامل سے قوت ملی ہے ایک درجہ یقین تک تسلیم کرتا ہوں۔‘‘ اب اس کے برخلاف وہ یہ کہتا ہے کہ: ’’میں نے اس تحریر میں سنن متوارثہ متعاملہ کو ایک بھی درجہ یقین پر قرار نہیں دیا۔ یہ ایک سفید جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے۔‘‘ ہاں! اس ایک درجہ یقین کے بیان کے ساتھ اس نے اس تحریر میں لفظ ’’حسب استفاضہ اور بقدر فیضیابی‘‘ بھی بول دیا تھا۔ جس سے ازراہ روباہ بازی اس نے یہ ٹھہرالیا تھا کہ اگر کوئی ایک درجہ یقین کے لفظ سے میرے مخالف نتیجہ نکال کر احادیث محل اختلاف کو جو یقینی نہیں ہیں پیش کر کے مجھے الزام دے گا تو میں یہ عذر کر دوں گا کہ لفظ حسب استفاضہ اور بقدر فیضیابی کہہ کر میں نے یہ جتادیا تھا کہ یقین جو احادیث محل تعامل میں پایا جاتا ہے کئی مرتبہ ودرجہ رکھتا ہے۔ ازانجملہ ادنیٰ درجہ ظن غالب کا ہے جو احادیث محل اختلاف میں پایا جاتا ہے۔ لہٰذا ان احادیث سے الزام مجھ پر عائد نہیں ہوسکتا۔ مگر بدقسمتی سے لفظ حسب استفاضہ وبقدر فیضیابی کے ساتھ اس کی قلم سے لفظ درجہ یقین بھی نکل گیا تھا۔ جس سے ہر کس وناکس کو بشرطیکہ فہم وحواس سلیمہ رکھتا ہو۔ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جو تفاوت مراتب

یقین لفظ''حسب استفاضہ وبقدر فیضیابی'' سے سمجھ میں آتا ہے۔ وہ تفاوت ایسا نہیں کہ یقین کو اپنے درجہ سے اتار کر درجہ ظن تک پہنچاوے اور ظن غالب کو یقین کا ایک درجہ بنادے۔ بلکہ وہ تفاوت مراتب یقین حدود یقین کے اندر ہے اور سب مراتب متفاوتہ درجہ یقین میں شامل اور اس کے نیچے داخل ہیں۔ کوئی مرتبہ ایسا نہیں کہ وہ درجہ ظن میں اتر آیا ہو۔ لہٰذا اب کادیانی کا اپنے اس لفظ درجہ یقین کو بحکم ''دروغگو را حافظہ نباشد'' بھول کر یا دیدہ دانستہ لوگوں کو وہ لفظ بھلا کر لفظ حسب استفاضہ وبقدر فیضیابی کے تفصیل تین مراتب سے جن میں سے ادنیٰ درجہ ظن ہو کرنا اور عقل وحیاء کو استعفاء دے کر ان الفاظ کی تشریح میں یہ کہنا۔ یعنی کوئی ان میں سے درجہ اوّل کے یقین پر پہنچ جاتی ہے اور کوئی اوسط تک اور کوئی ادنیٰ تک جس کو ظن غالب کہتے ہیں ایک ایسی روباہ بازی ہے جس کو سابق رواہ بازی چلنے نہیں دیتی۔ اس کے الفاظ ''درجہ یقین'' سے اس کی تکذیب ہوتی ہے۔ دنیا میں ایسا کوئی عاقل نظر نہیں آتا جو ظن کو ایک درجہ یقین کا سمجھتا ہو۔ لہٰذا ممکن نہیں کہ کادیانی کا یہ قول اس کے قول سابق کی تشریح ہو سکے۔ وہ اپنی تحریرات سابقہ میں ظن اور ظن غالب کو یقین کا مقابل ٹھہرا چکا ہے۔ چنانچہ اجمالی نوٹ میں بیان ہوا ہے۔ پھر وہ اپنے قرارداد سابق کے برخلاف ظن غالب کو یقین کا ادنیٰ درجہ کیونکر ٹھہرا سکتا ہے۔

منصفو! انصاف کرو۔ کادیانیو! تم میں ذرا عقل وانصاف ہو تو ایک اسی بات پر کادیانی کے مکائد کا یقین کر کے اس کی پیروی سے دستبردار ہو جاؤ۔

نوٹ متعلق نمبر ۲۸: یہاں تو آپ نے احادیث متعلقہ عمل کا دنوں جہت (تعامل اور صحت روایت) سے قوت پا کر یقینی ہونا بیان کیا ہے اور سابقاً تحریر نمبر چہارم میں صاف کہا ہے کہ ان احادیث کے یقینی ہونے کا موجب صرف تعامل ہے اور فن حدیث کو اس سلسلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر یہ کادیانی کی ایک دروغگوئی دھوکہ دہی وروباہ بازی نہیں تو اور کیا ہے۔

کادیانیو! کچھ غیرت وشرم ہے تو اس کا جواب دو یا اس سے اس کا فریبی ہونا مان کر اس سے الگ ہو جاؤ۔ اب بھی وقت ہے۔

نوٹ متعلق نمبر ۲۹، ۳۰: قصص آئندہ میں حضرت مسیح کے نزول اور دجال کے خروج کا قصہ بھی داخل ہے بلکہ یہ خصوصیت کے ساتھ کادیانی کی چوٹ کے محل ہیں۔ ایسے ہی وہ قصص ان میں داخل ہیں۔ جو احوال حشر ونشر وبرزخ کے متعلق ہیں جن کو عمل سے تعلق نہیں

بلکہ وہ صرف متعلق اعتقاد ہیں۔ کادیانی نے بڑا غضب ڈھایا کہ ان سب قصص کو صرف اس وجہ سے کہ وہ متعلق عمل نہیں۔ درجۂ صحت واعتبار سے ساقط کر دیا اور احادیث متعلقہ عمل کو گو ان کے عمل میں اختلاف ہو۔ صرف عمل سے (گو اختلافی ہو) قوت یاب سمجھ کر ان کو ایسا قطعی ویقینی وبلاریب ثابت قرار دیا کہ ان کے دست آویز سے تعلیم قرآن پر زیادتی کو بھی جائز کر دیا ہے اور عقل وفہم سے کام لے کر یا دوسری اہل عقل وفہم وفراست کی پیروی کر کے اتنا خیال نہ کیا کہ احادیث متعلقہ عمل کو قبول کرنے اور ان کو بنظر عمل مساوی قرآن ٹھہرانے میں اس نے کس چیز پر اعتماد کیا ہے اور کس چیز نے اس کی نظر میں ان احادیث کو قطعی ویقینی اور عمل میں قرآن کے مساوی بنا دیا ہے اور وہ چیز احادیث متعلقہ اعتقاد میں جن کو وہ متعلقہ قصص کہتا ہے پائی جاتی ہے یا نہیں۔ اگر وہ اپنے یا پرائے عقل سے کام لیتا تو فوراً جان جاتا کہ وہ چیز قرارداد وقبولیت اہل اسلام ہے جو ان احادیث متعلقہ عمل پر ان کے عمل کرنے سے (گو اختلاف سے ہو) سمجھی جاتی ہے) اور وہ چیز اس قرارداد وقبولیت میں ان لوگوں پر یہ حسن ظنی ہے کہ اگر وہ حدیثیں صحیح نہ ہوتیں تو ان لوگوں کے عمل میں نہ آتیں اور یہ قرارداد وقبولیت بعینہا بلکہ بدرجہ اعلیٰ واقویٰ ہے۔ احادیث متعلقہ اعتقاد میں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ ان احادیث متعلقہ اعتقاد کو اہل اسلام خصوصاً اہل سنت نے اتفاق کے ساتھ قبول کیا اور اپنے اعتکادیات میں داخل کیا اور متعلق اعتقاد ٹھہرایا ہے۔ جو ان کے نزدیک بجز قطعیات متعلق نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان احادیث کی قبولیت میں ان پر یہ حسن ظنی بطریق اولیٰ واجب ہے کہ اگر یہ احادیث یقینی صحیح اور قطعی ثابت نہ ہوتیں تو وہ ان کو اعتکادیات اسلامیہ وسنیہ میں داخل نہ کرتے۔ اس وجہ سے یہ احادیث احادیث متعلقہ عمل سے بڑھ کر لائق قبول واعتبار ہیں اور نہ یہ خیال کیا کہ ان احادیث کو قرآن مجید اور دیگر احادیث صحیحہ سے کوئی مخالفت وتعارض نہیں تو پھر ان کے نسخ کی تجویز کیا ضرورت ہے۔

نوٹ متعلق نمبر ۳۱،۳۲: لفظ احکام اور واجب العمل کہہ کر آپ نے یہ جتایا ہے کہ عقائد اسلامیہ کے جو قرآن وحدیث سے ثابت ومستنبط ہیں۔ ماننے میں آپ مسلمانوں کے ساتھ متفق نہیں ہیں بلکہ ان عقائد سے منکر ہیں۔ ازانجملہ اعتقاد حیات نزول مسیح ہے جو قرآن سے مستنبط ہے اور حدیث میں مصرح ہے۔ مگر ازراہ روباہ بازی اس انکار کو آپ نے اس مقام میں صاف الفاظ میں ظاہر نہیں کیا تاکہ تمام مسلمانوں میں آپ کے ملحدانہ اعتقاد کی پردہ

دری نہ ہو۔ مگر خدا تعالیٰ نے آپ کا پردہ پھاڑ دیا اور ہمارے قلم سے آپ کے کلام کا مطلب ظاہر کر دیا اور اگر ان الفاظ سے عقائد اسلامیہ مستنبط قرآن وحدیث سے انکار آپ کا مقصود نہیں ہے تو پھر لفظ عمل وحکم کیوں بولا اس کے ساتھ لفظ اعتقاد کہہ کر اعتکادیات میں اہل اسلام سے موافقت کا اقبال کیوں نہ کیا اور نیز اور جگہ اعتقاد ونزول حضرت مسیح سے جو کتاب اللہ اور حدیث سے ثابت ہے۔ آپ نے کیوں انکار کیا اور اس اعتقاد کی متضمنہ احادیث کو مجرد قصص ٹھہرا کر کیوں رد کر دیا۔

فقرہ نمبر۳۲: میں جو اپنے قیاسات مسلمہ مجتہدین کو واجب العمل جاننے اور تسلیم کرنے کا اعتراف کیا ہے۔ یہ آپ کے دعویٰ نبوت کے برخلاف ہے اور نیز آپ کے اس دعویٰ کے مخالف ہے جو فقرہ نمبر۱۸،۱۹ میں آپ کہہ چکے ہیں کہ جس مقام معرفت دقائق وحقائق دین کو آپ پہنچے ہوئے ہیں۔ اس مقام تک مجتہدین کی رسائی نہیں ہوئی اور یہ بات اپنے موقع (علم اصول) میں ثابت ہے کہ ایک مجتہد کے قیاس کو دوسرا مجتہد نہیں مانتا اور اس میں اس کی تقلید نہیں کرتا۔ پھر آپ نبی اور درجہ ولایت عظمیٰ کے ولی ہوکر اور اس مقام معرفت کو جہاں مجتہدین پہنچ نہیں سکے۔ پہنچ کر مجتہدین کے قیاسات کو ماننے والے کب ہو سکتے ہیں اور آپ کا یہ اعتراف عوام فریب روباہ بازی نہیں تو اور کیا ہے اور اگر یہ اقرار دلی اور راستی پر مبنی ہے تو پھر وہ دعویٰ نبوت وولایت عظمیٰ فریب وروباہ بازی نہیں تو اور کیا ہے۔

الغرض ان دونوں دعاوی متناقض میں آپ سچے نہیں ہوسکتے۔ دعویٰ نبوت وولایت عظمیٰ میں سچے ہیں تو دعویٰ تسلیم وتقلید قیاسات مجتہدین میں جھوٹے ہیں۔ اس میں سچے ہیں تو اس میں جھوٹے ہیں۔

کادیانی کے دام افتادہ نام کے مولویو! تمہاری علم وفہم کہاں گئی۔ کادیانی کی تحریر میں یہ بات دیکھ کر بھی تم نے اس کی دام سے رہائی نہ پائی۔ ’’الحق الحبک للشئ یعمی ویصم ‘‘یعنی ایک چیز کی محبت تمہیں اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔’’فانھا لا تعمی الابصار ولا کن تعمی القلوب التی فی الصدور ‘‘یعنی ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں۔ دل کی جو سینوں میں ہے آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔

نوٹ متعلق نمبر۳۳،۳۴: یہ بھی کادیانی کی ایک روباہ بازی ہے۔ وہ احادیث متعلقہ نزول حضرت مسیح وخروج دجال کے الفاظ کو غیر صحیح وموضوع وضعیف قرار دے چکا ہے۔

چنانچہ میں ثابت ہو چکا ہے اور یہی اس کی تقریر کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ فقرہ نمبر۸ میں اس پر تصریح کر چکا ہے۔ مگر اس مقام میں وہ ان کے الفاظ کی عدم صحت کا دعویٰ چھوڑ کر صرف ان احادیث کے معانی ظاہری سے جو علماء اسلام کرتے ہیں انکار کا مدعی بن بیٹھا ہے۔ جس سے آپ نے دام افتادہ اہل حدیث کو اس نے یہ جتایا ہے کہ میں صحت ان احادیث کو تو مانتا ہوں۔ اس میں میں تمام مسلمانوں کا مخالف نہیں ہوں۔ ہاں! صرف میں اس کے معنی وہ نہیں کرتا جو علماء کرتے ہیں اور اگر یہ امر جو اس نے فقرہ نمبر۳۳ میں جتایا ہے، اس کے دلی اعتقاد کے مطابق ہے تو اس کا فرض ہے کہ جو اس کے کلام میں جابجا ان احادیث کے موضوع یا غیرصحیح یا ضعیف ہونے پر تصریح پائی گئی ہے۔ اس کے غلط ہونے کا اشتہار دے اور آئندہ صاف اور کھلے الفاظ سے اعتراف کرے کہ یہ احادیث متعلقہ نزول حضرت مسیح وخروج دجال وغیرہ صحیح ہیں۔ ان کی صحت میں مجھے کسی قسم کا شک واشتباہ اور عام مسلمانوں سے خلاف نہیں۔ میں صرف ان احادیث کے معانی میں عام مسلمانوں سے مخالف ہوں۔ ظاہری معانی چھوڑ کر تاویلی معنی کرتا ہوں اور اگر یہ اشتہار واعتراف اس سے وقوع میں نہ آوے (اور ہرگز امید نہیں کہ وقوع میں آوے۔ گو اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاوے) تو کادیانی کے دام افتادہ اہل حدیث اس کو صحت الفاظ احادیث متعلقہ نزول حضرت مسیح سے منکر سمجھیں۔ اس کے اس اعتراف واظہار فقرہ نمبر۳۳ کو جھوٹ اور روباہ بازی سمجھیں اور آئندہ اس کی اتباع سے دست بردار ہو جاویں۔ اگر وہ حق کے طالب ہیں۔

فقرہ نمبر۳۴: میں اس نے کہا ہے کہ یہ احادیث قرآن مجید اور دیگر احادیث صحیحہ کے مخالف ہیں۔ محض مغالطہ ودھوکہ ہے۔ احادیث نزول مسیح کو نہ قرآن سے مخالفت ہے نہ اور احادیث صحیحہ سے۔ یہ بات ناظرین کو ہمارے پرچہ نمبر۱ سے معلوم ہو چکی ہے اور کچھ آئندہ معلوم ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

نوٹ متعلق نمبر۳۵، ۳۶، ۳۷: یہ بھی محض کادیانی کا کذب ہے۔ قرآن کی کسی آیت میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں بلکہ قرآن حضرت مسیح کا نزول اشارۃً بیان کرتا ہے۔ احادیث اس اشارہ کی تصریح کرتی ہیں۔ پھر مخالفت کیسی اور تجویز نسخ کے کیا معنی اور مطابقت کی کیا ضرورت وحاجت باقی رہتی ہے۔

نوٹ متعلق نمبر۳۸، ۳۹، ۴۰: تعامل کو جو آپ نے قطعی ویقینی وبلاریب اور

احادیث محمل تعامل کو قطعی ویقینی الثبوت وبلاریب صحیح کہا تو اس سے مجھے کیا کس وناکس کو جو الفاظ قطعی ویقینی وبلاریب کے معنی جانتا اور سمجھتا ہے یہی سمجھ میں آیا کہ ان احادیث سے آپ کی مراد وہ احادیث ہیں جن پر امت محمدیہ کا اتفاق کے ساتھ عمل پایا گیا ہے اور ان میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے اور وہی احادیث آپ کے نزدیک اس لائق ہیں اور یہ رتبہ رکھتی ہیں کہ وہ قرآن پر عرض ہونے کی محتاج نہیں اور ان کی تسلیم صحت موافقت قرآن پر موقوف نہیں۔ بلکہ ان کا مضمون مخالف قرآن بھی ہو تو وہ لائق تسلیم ہے اور وہی احادیث تعلیم قرآن پر زیادتی کر سکتی ہیں اور وہی احادیث قرآن کی مفسر ہوسکتی ہیں اور جو حدیث ایسی قطعی ویقینی وبلاریب صحیح نہ ہو وہ بلاشہادت موافقت قرآن لائق تسلیم نہیں ہے اور نہ وہ حدیث قرآن کی مفسر ہوسکتی ہے۔ بلکہ ایسی حدیث کے مقابلہ میں قرآن اپنا مفسر آپ ہے۔ جس پر آپ کو درندوں کی حرمت اور گدھے کی ممانعت کی حدیث سے الزام دیا گیا اور یہ کہا گیا تھا کہ گدھے اور درندے کی ممانعت کی حدیث ایسی ہے کہ اس پر تعامل ہو ہی نہیں سکتا۔ چہ جائیکہ تعامل قطعی ہو۔ کیونکہ یہ حدیث متعلق اعتقاد حرمت خرودرندگان ہے نہ متعلق عمل۔ ومعہذا یہ حدیث معناً ان آیات قرآن کی شارح ومفسر ہے۔ جن میں بیان ہے کہ بجز مردار وخون وخنزیرتم پر کوئی جانور حرام نہیں اور جو کچھ زمین میں خدا نے پیدا کیا ہے۔ وہ تمہارے لئے مباح ہے۔ اس حکم حرمت خرودرندگان میں قرآن اپنا مفسر نہیں ہوا۔ پھر اس کی تائید وشہادت میں کہا گیا تھا کہ یہ خدمت تفسیر وشرح قرآن، حدیث کو قرآن نے خود عطاء کی ہے۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے کہ رسول جو کچھ تمہیں دے وہ تم لے لو۔ پھر اس آیت کی تفسیر وتشریح میں قول ابن مسعود کو پیش کیا گیا تھا کہ انہوں نے اس آیت کی رو سے حکم ممانعت وشم وغیرہ (بدن گودنے) کو جو حدیث نبوی میں وارد ہے داخل قرآن اور اس کا ایک حکم سمجھا۔ باوجودیکہ یہ حکم بھی متعلق اعتقاد حرمت وشم ہے۔ متعلق عمل نہیں ہے تاکہ یہ محل تعامل ہو سکے۔

اب ناظرین انصاف سے کہیں یہ دونوں حدیثیں (حدیث حرمت خرودرندگان وحدیث حرمت وشم) کادیانی کے اس دعویٰ سے کہ وہ حدیث جس پر تعامل قطعی ویقینی پایا نہ گیا ہو مفسر قرآن نہیں ہوسکتی اور اس کے مقابلہ میں قرآن اپنا مفسر آپ ہے۔ پورا تعلق رکھتی ہیں اور اس دعویٰ میں اس کو پورا الزام دیتی ہیں یا یہ اجنبی وغیر متعلق احادیث ہیں اور یہ بھی داد دیں کہ اس الزام کے جواب میں اب کادیانی کا یہ کہنا کہ یہ احادیث متعلق احکام ہیں اور

احکام تعامل میں داخل ہیں اور میں احادیث تعامل کو محل نزاع خارج کر چکا ہوں اور ان کو قرآن کی مفسر اور اس پر زیادتی کرنے والی مان چکا ہوں۔ ایک طرفہ روباہ بازی نہیں تو اور کیا ہے۔ اس میں ناظرین اوّلاً یہ غور کریں کہ یہ احادیث متعلقہ اعتقاد ہیں نہ متعلق عمل۔ پھر یہ محل تعامل کیونکر ہوسکتی ہیں؟

ثانیاً: یہ غور کریں کہ کادیانی نے اپنی تحریرات سابقہ میں ہر ایک حکم یا عمل کو محل نزاع سے خارج کیا اور اس کو مفسر قرآن ٹھہرایا ہے یا تعامل قطعی ویقینی اور بلا ریب اور اس کے متعلق احادیث قطعیہ یقینیہ بلا ریب صحیحہ ثابت کو۔

ادنیٰ غور وتوجہ سے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ کادیانی نے احادیث قطعی الثبوت کو جو تعامل قطعی ویقینی اور بلا ریب کا محل ومتعلق ہیں۔ خارج از محل نزاع کہا اور مفسر قرآن ٹھہرایا ہے۔ نہ ہر ایک عمل یا حکم کو اور نہ ہر ایک حدیث متعلق عمل کو اور احادیث متضمنہ حکم حرمت خرو درندگان وحرمت وشم تو مطلق عمل وتعامل کا محل نہیں۔ وہ صرف اعتقاد حرمت اشیاء مذکورہ کے متعلق ہیں۔ لہٰذا ان احادیث سے کادیانی پر پورا اور باموقع الزام عائد ہوتا ہے۔ کادیانی اگر دیانت اور امانت سے کام لیتا تو اس الزام کو مان لیتا۔ الٹا یہ الزام نہ دیتا کہ غیر متعلق حدیثوں کو پیش کیا۔

نوٹ متعلق فقرہ نمبر ۴۱،۴۲،۴۳: آپ نے لوگوں کا رفع انتظار خوب کیا۔ اخیر تک اصل جواب سوال کی طرف رجوع نہ کیا۔ ادھر ادھر کی باتوں، قطعی ظنی تعامل وغیرہ میں بحث مقدمات کو پھنسا رکھا نہ مقدمات کو ختم ہونے دیا۔ نہ بحث مقصود حیات وممات مسیح کی طرف رجوع کرنے دیا۔ آپ کے اس مناظرہ سے بہت حق شناس حقیقت رس لوگوں نے آپ کی دیانت اور مناظرانہ لیاقت وراستی وتہذیب کا خوب اندازہ کر لیا اور ان میں سے بہت لوگوں نے آپ کو جھوٹا اور فریبی اور دھوکہ باز سمجھ کر آپ کا اتباع ترک کیا۔ ازانجملہ اس مقام میں زیادہ لائق ذکر ایک حضرت میر عباس علی صاحب صوفی مرحوم لدھیانہ میں جو پہلے آپ کے خلیفہ تھے۔ پھر اس مناظرہ میں آپ سے بے اعتقاد ہوکر آپ کی اتباع سے بیزار ہوئے۔ فتویٰ علماء پنجاب وہندوستان ملاحظہ ہو۔ ایک میرے سادہ لوح دوست میر ناصر نواب صاحب بھی جو آپ کے خسر ہیں اور وہ آپ کے دھوکہ میں آکر آپ کے مرید ہوگئے تھے اور آخر اسی مباحثہ کو دیکھ کر ایک مجلس عام جامع مسجد پٹیالہ میں تائب ہوئے اور مظہر ہوئے کہ مجھے

باوجود خاص تعلق کادیانی کی دھوکہ دہی کا یہ علم نہ تھا جو مباحثہ لدھیانہ کے دیکھنے سے حاصل ہوا۔ حقیقت شناس اور بہت سے لوگ ہیں۔ ان کی فہرست پھر شائع ہوگی۔ ان شاءاللہ تعالیٰ! اس مقام میں گنجائش نہیں ہے۔

نوٹ متعلق نمبر۴۴: یہ تفصیل وتمثیل مصداق ''مشت بعداز جنگ'' آپ کو پہلے یاد نہ آئی۔ پہلے تو آپ نے قطعی ویقینی وبلاریب وغیرہ کی قیدیں لگا کر احادیث تعامل ان ہی احادیث کو بتایا تھا۔ جن کو اب نمبر اوّل قرار دیتے ہیں۔ اب رفع یدین وعدم والی حدیثوں تک کو ان احادیث تعامل میں شامل کرلیا۔ مگر یہ اخیر ہتھیار بھی آپ کا کام نہ آیا۔ خطاء گیا۔ اجمالی نوٹ میں ثابت کیا گیا ہے کہ اوّلاً یہ تفصیل اور اس قسم کے اور مضامین تمہید آپ کی سابق تحریرات کے مخالف ہیں۔ ثانیاً اس تفصیل کے ساتھ بھی یہ جواب ہمارے سوال کا جواب قطعی نہیں ہوسکتا۔ ثانیاً قطعی ہو بھی تو یہ جواب اصول اسلام کے برخلاف ہے اور خاص کر یہ تفصیل اپنے آپ کی خود مبطل ومکذب ہے۔ کیونکہ جس حالت میں احادیث اختلافی صرف اختلافی عمل کے سبب سے قطعی اور قرآن پر عرض ہونے سے مستغنی اور قرآن کی مفسر اور اس پر زیادتی کی مثبت ہوسکتی ہیں تو احادیث اعتقاد متعلق نزول حضرت مسیح وغیرہ اتفاقی تسلیم وقبولیت کے سبب ان سے بڑھ کر اور بدرجۂ اوّل قطعی ومستغنی ومفسر قرآن ومثبت زیادت ہوسکتی ہیں۔

فقرات تمہید زیر نشان نمبر ہا پر نوٹ پورے ہوئے۔ جن سے کادیانی کی تمام تحریرات نمبر ہشتم کے اصل اصول کی بیخ کنی ہوگئی اور حاجت باقی نہیں رہی کہ اب اس تحریر کے اقوال تفصیلہ پر کچھ نوٹ کئے جاویں۔ تاہم کادیانی کے علم دیانت راست بازی اور سلاست روی کی اور بھی قلعی کھولنے کی غرض سے منجملہ ان اقوال چند اقوال پر نوٹ کئے جاتے ہیں۔ وباﷲ التوفیق!

ان نوٹوں میں پہلے اپنی تحریر نمبر ہشتم کے اس فقرہ کا حوالہ دیا جائے گا جس کا کادیانی نے کچھ جواب دیا ہے۔ پھر کادیانی کے جواب کو بعینہٖ یا اس کا خلاصہ نقل کیا جائے گا۔ پھر اس پر مناسب نوٹ دیا جائے گا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ!

ہمارا قول نمبر۱: آپ نے میرے قول کا جواب صاف اور قطعی نہیں دیا۔

(اشاعۃ السنۃ نمبر۶ ج۱۴ ص۵۸)

کادیانی کا جواب: حضرت میں آپ کو کئی دفعہ جواب دے چکا ہوں کہ حصہ دوم احادیث سے جو اخبار گزشتہ یا مستقلہ کی قسم سے ہیں۔ اگر کوئی ایسی حدیث نص قطعی کے مخالف ہوگی تو قابل تاویل ہوگی یا موضوع قرار پائے گی۔ (مباحثہ لدھیانہ ص۸۱، خزائن ج۴ص۸۳ ملخص)

اس پر نوٹ: نوٹ متعلق تمہید میں ثابت ہو چکا ہے کہ یہ جواب ہمارے سوال کا قطعی جواب نہیں ہے۔ اس جواب میں حرف ''اگر'' اور ''یا'' اس کے قطعی ہونے سے مانع ہیں۔ کادیانی ان احادیث کو صحیح سمجھتا ہے تو صحت کا صاف اقراری ہو۔ پھر تاویل کا مدعی ہوکر اصول وشرط تاویل کی پابندی سے ان میں تاویل کرے اور اگر ان کو غیر صحیح سمجھتا ہے تو برملا ان کو رد کرے۔ موضوعات میں تاویلات کی کیا ضرورت ہے۔ مگر اس کو یہ دونوں باتیں اختیار کرنی مشکل ہیں۔ اگر وہ ان کو صحیح کہے تو پھر ان کے ظاہری معانی ماننے پڑتے ہیں۔ کیونکہ ان کی تاویل کی (جو کادیانی کرتا ہے) شرط (ظاہری معنی کا محال ہونا) پائی نہیں جاتی اور اگر ان کو برملا غیر صحیح کہتا ہے تو اس سے اس کے الحاد ونیچریت کی قلعی کھلتی ہے۔ اس کے دام افتادہ اہل حدیث جو اس کو اہل حدیث سمجھ کر اس کے دام میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اس کے دام سے نکلتے ہیں۔ اسی وجہ ''اگر'' اور ''یا'' کا لفظ کہہ کر اس نے قطعی ہونے سے اس جواب اور اپنی جان کو بچالیا اور پھر اس طرفہ جھوٹ کو دیکھو کہ ''میں تو جواب دے چکا ہوں۔''

ہمارا قول نمبر۲: صحیح بخاری ومسلم میں ایسی کوئی حدیث ہے؟ جو بوجہ تعارض موضوع ٹھہر سکے۔ (اشاعۃ السنۃ نمبر۶ ج۱۴ص۱۵۹)

کادیانی کا جواب بے شک حصہ دوم کے متعلق کئی ایسی حدیثیں ہیں جن میں سخت تعارض پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ وہی حدیثیں جو نزول ابن مریم کے متعلق ہیں۔ کیونکہ قرآن قطعی طور پر فیصلہ دیتا ہے کہ مسیح بن مریم فوت ہوگیا ہے اور صحیحین کی بعض حدیثیں بھی اس فیصلہ پر شاہد ناطق ہیں اور ایک گروہ صحابہ اور علماء امت کا بھی قرناً بعد قرنٍ اس بات کا مقر ہے اور نصاریٰ کا یونیٹرین فرقہ بھی اس بات کا قائل ہے اور یہودیوں کا بھی یہی اعتقاد ہے۔ اب اگر ان مخالف حدیثوں کے جو قرآن اور احادیث صحیحہ کے برخلاف ہیں ہماری طرز پر تاویل نہ کی جاوے تو پھر بلاشبہ موضوع ٹھہریں گی۔

ایسی کئی حدیثیں اور بھی ہیں جن میں سخت تعارض پایا جاتا ہے۔ مثلاً بخاری کی حدیث معراج پھر اس کے تعارض کی چار وجہ بیان کیں۔

ایک وجہ یہ کہ ایک حدیث میں جو بخاری کے صفحہ ۴۵۵ میں ہے۔ آنحضرت ﷺ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھٹے آسمان پر دیکھنا بیان ہوا ہے۔ دوسری حدیث میں جو صفحہ ۱۷۴ میں ہے چھٹے آسمان پر بجائے موسیٰ علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھنا بیان ہوا ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ ایک حدیث سے جو باب الصلوٰۃ میں ہے معراج کا بحالت بیداری ہونا معلوم ہوتا ہے دوسری حدیث میں جو صفحہ ۴۵۵ میں ہے۔ بیان ہے کہ معراج نیند میں ہوا تھا۔

تیسری وجہ یہ کہ ایک حدیث میں محل معراج جہاں فرشتہ آنحضرت ﷺ کو لینے آیا تھا۔ آپ کا گھر بیان ہوا ہے۔ دوسری حدیث میں بیت اللہ کے نزدیک۔

چوتھی وجہ یہ کہ شریک کی حدیث میں وقت معراج قبل وحی و پیغمبری بیان ہوا ہے جو دوسری احادیث کے مخالف ہے۔ بلکہ خود اس حدیث کے الفاظ مابعد کے مخالف ہے۔ جن میں یہ بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے اور نمازیں فرض ہوئیں۔

ان اختلافات کو بیان کر کے کادیانی نے کہا ہے کہ ان اختلافات کا اگر یہ جواب دیا جاوے کہ یہ اسراء متعدد اوقات میں واقع ہوا ہے۔ اسی وجہ سے کبھی موسیٰ کو چھٹے آسمان پر دیکھا اور کبھی ابراہیم کو تو یہ تاویل رکیک ہے۔ کیونکہ انبیاء اور اولیاء بعد موت کے اپنے اپنے مقامات سے تجاوز نہیں کرتے۔ جیسا کہ قرآن کریم سے ثابت ہے اور نیز اس تعدد معراج کی تجویز سے لازم آتا ہے کہ دو تین بار نمازیں پہلے پچاس پچاس فرض ہوئیں۔ پھر منسوخ ہوکر پانچ پانچ ہوئیں۔ جو ایک بازیچہ، کھیل اور لغو ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خداتعالیٰ نے پہلے حکم سے پشیمان ہوکر دو دفعہ دوسرا حکم دیا۔

<u>اس پر نوٹ</u>: اس جواب میں کادیانی نے احادیث بخاری و مسلم پر بیسواں کھلم کھلا حملہ کیا اور احادیث صحیحین کو برملا موضوع قرار دیا ہے۔

ہر چند احادیث متعلقہ نزول حضرت مسیح کو موضوع قرار دینے میں اس نے ذرا سے شرط عدم تاویل کی آڑ رکھ لی ہے۔ مگر احادیث متعلقہ معراج نبوی کو تعارض کے سبب موضوع قرار دینے میں کسی شرط کی آڑ نہیں رکھی اور بزعم خود بڑے زور وشور سے ان کا باہم متعارض ومتخالف ہونا ثابت کر کے ان کو موضوع قرار دیا ہے۔

پھر کادیانی کا اپنی تحریر پنجم میں یہ کہنا کہ: ’’بعض احادیث صحیحین جو تعارض پایا جاتا ہے اس کو دور کرنے کے لئے خدا نے میری مدد کی ہے۔‘‘ اور تحریر نمبر ہفتم میں اس کا یہ کہنا کہ: ’’میں نے کسی حدیث صحیحین کو موضوع قرار نہیں دیا۔‘‘ اور اشتہار یکم راگست ۱۸۹۱ء میں اس کا یہ کہنا کہ: ’’میں ان کتابوں کو قرآن کے بعد اصح الکتب جانتا ہوں۔‘‘ یہ سب منافقانہ چال اور اہل حدیث کو پھنسانے کے لئے ایک جال نہیں تو اور کیا ہے؟ کادیانی کو اہل حدیث اور قائل حدیث جاننے والو! اب بھی اس کے منکر صحت صحیحین ہونے میں شک کرو گے۔

اس حملہ میں کادیانی نے ایک وار تو احادیث متعلقہ نزول حضرت مسیح پر کیا ہے۔ دوسرا وار احادیث متعلقہ معراج پر۔ احادیث متعلقہ نزول مسیح کو موضوع بنانے کے لئے اس نے تین دعوے کئے ہیں۔ ایک: یہ کہ قرآن قطعی فیصلہ دیتا ہے کہ مسیح بن مریم فوت ہو چکا ہے۔ دوسرا: یہ کہ صحیحین کی بعض حدیثیں بھی اس فیصلہ پر شاہد ناطق ہیں۔ تیسرا: یہ کہ ایک گروہ صحابہ اور علماء امت کا بھی قرناً بعد قرنٍ اس بات کا مقر ہے۔ یہ تینوں دعاوی ایسے سفید جھوٹ ہیں کہ سچ کا ان میں شبہ وشائبہ بھی نہیں ہے۔

قرآن کی کسی آیت میں یہ فیصلہ قطعی کجا ظنی طور پر بھی نہیں ہوا کہ حضرت مسیح فوت ہو چکے ہیں اور نہ کسی حدیث صحیحین میں اس فیصلہ پر تصریح یا اشارہ پایا جاتا ہے اور نہ کسی ایک صحابی یا کسی زمانہ کے ایک عالم اسلام سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت مسیح فوت ہو چکے ہیں اور اب تک وہ مردہ ہیں۔

کادیانی نے ان تینوں دعاوی کا جو ثبوت اپنی تحریرات (ازالہ وغیرہ) میں پیش کیا ہے اس میں محض کذب ودجالیت سے کام لیا ہے اور کم علم لوگوں کو دھوکہ دیا ہے۔ اس اجمال کی کسی قدر تفصیل جواب فیصلہ آسمانی کادیانی میں ہو چکی ہیں اور پوری تفصیل آئندہ اس جواب کے تتمہ میں ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

اور اس دعویٰ موضوعیت احادیث متعلقہ نزول مسیح کی تائید میں جو قول یہود اور ایک فرقہ نصاریٰ کا اس نے پیش کیا ہے وہ بے شک اس کے اصلی دلائل ہیں۔ جن پر اس کا واقعی اعتماد اور اعتقاد ہے۔ مگر یہ دلائل ان ہی لوگوں کے لئے موجب اطمینان ہو سکتے ہیں جو کادیانی کی طرح معتقدات یہود ونصاریٰ کے پیرو ہوں۔ خود ابن اللہ کہلاویں یا کسی اور کو ابن اللہ سمجھیں اور تثلیث کو پاک بنا کر اس کے معتقد ہوں یا ملحد ہونے کے سبب اسلام ویہودیت

ونصرانیت کومساوی درجہ پر مانتے ہوں۔ مسلمان توان مذاہب کی ایسی باتوں کوجن کی قرآن وحدیث میں تصدیق نہیں ہوئی۔ لائق تسلیم نہیں سمجھتے اورحدیث:’’ ولا تصدقوا اهل الکتاب ولا تکذبوهم ‘‘(اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے۔اہل کتاب کو نہ سچا کہو، نہ جھوٹا اوراس کی شرح میں ہوچکی ہے) کے پابند ہیں۔ ان کے اعتقاد وایمان کے رو سے کوئی اعتقاد یہود ونصاریٰ کا احادیث صحیحین کی موضوعیت کا مثبت نہیں ہوسکتا۔ اشاعۃ السنۃ نمبر۲ لغایت ۱۰ جلد ۱۱ میں مضمون تعمیل احکام تورات وانجیل کی نسبت اسلامی اعتقاد ملاحظہ ہو۔

احادیث متعلقہ معراج کوموضوع بنانے کے لئے جواختلافات وجوہ اربعہ کادیانی نے بیان کئے، ان کے بیان میں وہ اپنے خیال میں دور کی کوڑی لایا ہے اور یہ خیال کر بیٹھا ہے کہ یہ اختلافات اورکسی کوکب معلوم ہوسکتے ہیں۔ مگر یہ خیال اس کی بے علمی اورناواقفی پر دلیل ہے۔ ان اختلافات کواہل حدیث کا بچہ بچہ جومشکوٰۃ تک نظر رکھتا ہو جانتا ہے۔ ان اختلافات کے علاوہ چھ وجوہ اختلافات اس حدیث میں اور بیان کئے گئے ہیں جو فتح الباری میں منقول ہیں۔ مگران سب وجوہات اختلاف کوخدا کے فضل سے محدثین نے رفع کردیا ہے اوراس حدیث کی صحت کوثابت کر دکھایا ہے۔ کادیانی خودتو کوچہ حدیث سے محض ناآشنا اور اس فن سے محض جاہل ہے۔ حکیم نورالدین نے جوکچھ حواشی صحیح بخاری سے اس کو بتایا۔ اس نے نئی بات سمجھ کرطمطراق کے ساتھ اس کونقل کردیا۔ اس مقام میں ان چاروں وجوہات اختلاف کاجوکادیانی نے بیان کئے ہیں جواب دیا جاتا ہے۔ باقی پھر سہی۔ اگرکادیانی نے اور چون وچرا کی۔

حدیث معراج میں پہلی وجہ اختلاف کا جواب

حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کو آنحضرت ﷺ کے چھٹے اور ساتویں آسمان پر دونوں جگہ دیکھنے میں درحقیقت کوئی مخالفت نہیں اور یہ ظاہری اختلاف ان احادیث کے موضوع ہونے کا مثبت وموجب نہیں ہوسکتا۔ جائز وممکن ہے کہ دونوں حضرات کوآپ نے دونوں جگہ چھٹے آسمان اور ساتویں آسمان پر دیکھا ہو اور ان دونوں آسمانوں پر دونوں حضرات اپنے وجود جسمانی سے موجود ہوگئے ہیں۔ وہ حضرات توعالم برزخ میں ہیں جوایک روحانی عالم ہے۔ جس میں ایسے امور متشابہ الحقیقۃ مجہول الکیفیہ کا وقوع مستبعد نہیں۔ متجردین

اور متبتلین الیٰ اللہ اس عالم دنیاوی اور جسمانی میں اپنے جسم اور ظاہری صورت کے ساتھ ایک ہی وقت میں مختلف ومتعدد مواضع میں دیکھے گئے ہیں اور یہ امر اہل باطن کے نزدیک مسلم ہے اور اس کی حکایات وواقعات مشہور ہیں۔ اس قسم کا ایک واقعہ حضرت سید احمد بریلوی کا بھی ہم نے سنا ہے۔ مگر یہ اس کے بیان کا محل نہیں۔ کادیانی چونکہ محض کور باطن وسیاہ دل نیچری ہے۔ لہٰذا وہ اس قسم کی باتوں کو نیچر کے خلاف سمجھ کر دل سے نہیں مانتا۔ گو زبان سے وہ اپنے لئے حاصل ہونے کا مدعی ہے۔ وہ دل سے ان باتوں کو مانتا یا صرف اپنی زبانی دعویٰ کا پاس کرتا تو ان حضرات کی دونوں جگہ دیکھے جانے پر معترض نہ ہوتا۔ وہ ہماری اس تنبیہ پر ہی اس روحانی سِر کو نہ مانے گا۔ لہٰذا اس کے اور اس کے ہم خیال کور باطنوں کو فہمائش کے لئے ظاہری اصول پر اس وجہ اختلاف کا جواب دیا جاتا ہے جو محدثین کرام نے جواب دیا ہے کہ جائز ومتحمل کا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت موسیٰ کو چھٹے آسمان پر پایا۔ مگر ان کی اس فضیلت کی نظر سے کہ وہ خدا سے ہم کلام ہوئے ہیں۔ آپ نے ان کو ساتویں آسمان تک ساتھ لے لیا اور وہ تواضعاً آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہوگئے اور یہ بھی احتمال ہے کہ جاتے وقت ان کو چھٹے آسمان پر پایا۔ آتے وقت ساتویں آسمان میں دیکھا۔ ایسا ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے چھٹے آسمان پر پھر ساتویں پر پانا ہوسکتا ہے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں بخاری کی حدیث شریک کی شرح میں جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چھٹے آسمان میں دیکھنا بیان ہوا ہے فرمایا ہے کہ: ''وقد قدمنا ان حدیث ابی ذر یوافقه لکن المشهور فی الروایة ان الذی فی السابعة هو ابراهیم واکدذٰلک فی حدیث مالک بن صعصعة بانه کان مسندًا ظهره الی البیت المعمور فمع التعدد لا اشکال ومع الاتحاد فقد جمع بان موسیٰ کان فی حالة العروج فی السادسة وابراهیم فی السابعة علی ظاهر حدیث مالک بن صعصعة وعند الهبوط کان فی السابعة لانه لم یذکر فی القصه ان ابراهیم کلمه فی شیٔ مما یتعلق بما فرض اللّٰہ علیٰ امته من الصلٰوة کما کلمه موسیٰ والسماء السابعة هی اول شیٔ انتهی الیه حالة الهبوط فناسب ان یکون موسیٰ بهالا نه هو الذی خاطب فی ذٰلک کما ثبت فی جمیع الروایات ویحتمل ان یکون لقی موسیٰ فے السادسة

فاصعد معه الیٰ السابعة تفضیلاً له علی غیره من اجل کلام اللّٰہ تعالیٰ وظهرت فائدة ذٰلک فی کلامه مع المصطفیٰ فیما یتعلق بامر امته فی الصلوٰة وقد اشار النووی الیٰ شئ من ذٰلک والعلم عند اللّٰہ تعالیٰ (فتح الباری ج۱۳ ص۴۰۱) ’’ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ابوذر کی حدیث اس کے موافق ہے۔ ولیکن مشہور روایت یہ ہے کہ ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اس امر کو مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یوں مؤکد کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور کی طرف پشت کی ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ (جو ساتویں آسمان میں ہے) پس اگر واقعہ معراج کو متعدد کہیں تو (اس اختلاف کی وجہ سے) کوئی اعتراض نہیں پڑتا اور اگر اس کو ایک ہی واقعہ قرار دیں تو اس اختلاف کو اس طور پر رفع کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حالت عروج نبوی میں چھٹے آسمان پر تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ساتویں میں۔ جیسا کہ حدیث مالک رضی اللہ عنہ کا ظاہر ہے اور ساتویں آسمان سے اوپر جا کر واپس آنے کے وقت موسیٰ ساتویں آسمان میں تھے۔ کیونکہ کسی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ عدد نماز کی کمی میں جو گفتگو آنحضرت ﷺ نے فرمائی ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی تھی۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس گفتگو کا ہونا بیان ہوا ہے اور اوپر سے نیچے کو اترنے کے وقت ساتواں آسمان ہی پہلے آتا ہے۔ لہٰذا حضرت موسیٰ کا وہاں ہونا مناسب ہے۔ کیونکہ جملہ روایات میں ان ہی سے اس باب میں آنحضرت ﷺ کا گفتگو کرنا ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس نظر سے کہ وہ خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے ہیں۔ خود ساتھ لے کر صعود فرمایا ہو۔ جس کا فائدہ یہ ظاہر ہوا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے نماز کے باب میں وہ گفتگو کی۔ اس باب میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کچھ اشارہ کیا ہے اور حقیقی واصلی علم خدا تعالیٰ کو ہے۔

عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں حدیث ابوذر رضی اللہ عنہ کی شرح میں کہا ہے کہ: ’’وفی الصحیحین من حدیث مالک بن صعصعة وفی السابعة ابراهیم وهو مخالف لروایة انس عن ابی ذرانه وجد ابراهیم فی السادسة وکذا جأفی صحیح مسلم واجیب بان الاسراء انکان مرتین فلا اشکال وان کان مرة فیکون اوّلاً راه فی السادسة ثم ارتقی معه الیٰ السادسة (عمدة القاری) ’’مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ساتویں

آسمان میں دیکھنا بیان ہوا ہے اور یہ حدیث ابوذرؓ کے جس میں چھٹے آسمان میں ان کو دیکھنا بیان ہوا ہے۔ مخالف ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ واقعہ معراج دودفعہ ہوا ہوتو پھر کوئی شبہ نہیں رہتا اور ایک دفعہ ہوا ہے تو یہ ہوگا کہ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چھٹے آسمان پر دیکھا۔ پھر وہ آپ کے ساتھ ساتویں آسمان پر چڑھ گئے۔

ایسا ہی قسطلانی نے ارشادالساری شرح صحیح بخاری میں کہا ہے: ’’وقد استشکل رویة الانبیاء فی السموات مع ان اجسادھم مستقرة فی القبور بالارض واجیب بان ارواحھم تشکلت بصور اجسادھم او احضرت اجسادھم لملاقاته ﷺ تلک اللیلة تشریفًا له وتکریماً (قسطلانی ج۶ ص ۳۲۰)‘‘ اور اس میں یہ بھی کہا ہے کہ انبیاء کے آسمانوں پر دیکھے جانے پر یہ شبہ کیا گیا ہے کہ ان کے اجسام تو قبروں میں زمین کے اندر مدفون ہیں۔ پھر وہاں آسمانوں پر کیونکر دیکھے گئے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان کی ارواح ان کے جسموں کی صورت سے مشکل ہوگئے یا یہ کہ ان کے اجسام بعینہٖ آنحضرت ﷺ کی ملاقات کے لئے آنحضرت ﷺ کی تعظیم وتکریم کو وہاں حاضر کئے گئے۔ ایسا ہی شیخ عبدالحق نے لمعات شرح مشکوٰۃ میں کہا ہے۔

ان عبارات میں جو تعدد واقعہ معراج کی تجویز بیان ہوئی ہے اس پر کادیانی کی تقریر سابق میں دو اعتراض ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ انبیاء بعد موت اپنی جگہ سے حرکت وانتقال نہیں کرتے۔ جس کو وہ ہمارے جواب مذکور پر بھی وارد کرسکتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اس تجویز سے تعدد نسخ نماز لازم آتا ہے جو ایک بازیچہ (کھیل) ولغو وموجب پشیمانی خداتعالیٰ بنتا ہے۔ اس میں سے اعتراض اوّل کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کے قرآن میں جو مکہ ومدینہ میں نازل ہوا ہے تو ایسی کوئی آیۃ نہیں جس سے انبیاء علیہم السلام کا بعد موت ایک مقام میں جکڑے رہنا ثابت ہو۔ ہاں! کادیانی قرآن مورد نزول ’’انا انزلناہ قریباً من الکادیان‘‘ (ازالہ اوہام ص۷۵، خزائن ج۳ ص۱۴۰) میں کوئی ایسی آیت ہوتو مسلمانوں کے نزدیک وہ جائز التسلیم نہیں۔ مسلمانوں کے قرآن سے کوئی ایسی آیت کادیانی پیش کرتا تو اس میں اسکی تحریف وتصرف کا جواب دیا جاتا۔

اور احادیث صحیحہ معراج میں صاف آچکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت موسیٰ وحضرت ابراہیم علیہما السلام وغیرہ انبیاء کو بیت المقدس میں بھی دیکھا اور ان انبیاء نے نماز میں

آنحضرت ﷺ کا اقتداء کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے اور وادی ازرق میں لبیک کرتے دیکھا اور معہذا آسمانوں پر بھی ان کو دیکھا۔ جس سے علماء اسلام نے یہی سمجھا ہے کہ زمین آسمان دونوں جگہ ان حضرات کا وجود پایا گیا ہے۔

صحیح مسلم میں آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ: ''عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ فقد رایتنی فی جماعة الانبیاء فاذا موسیٰ علیہ السلام قائم یصلی فاذا رجل ضرب من رجال شنؤة واذا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام قائم یصلے اقرب الناس شبهابه عروة بن مسعود الثقفے واذا ابراهیم علیہ السلام قائم یصلی اشبه الناس به صاحبکم یعنی لنفسه فحانت الصلوٰة فاممتهم (مسلم ج۱ ص۹۱) وعند احمد من حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ فلما اتی النبی ﷺ المسجد الاقصٰی قام یصلے فاذا النبیون اجمعون یصلون معه (قسطلانی ج۶ ص۲۲۹) '' آپ نے فرمایا میں نے اپنے آپ کو انبیاء کی جماعت میں دیکھا۔ میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ وہ میانہ قد ہیں۔ جیسے شنؤہ قوم کے لوگ اور میں نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ بھی نماز پڑھ رہے ہیں۔ ان سے زیادہ مشابہ عروہ بن مسعود ہے اور میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ بھی نماز پڑھ رہے ہیں۔ ان سے زیادہ مشابہ میں ہوں۔ پھر نماز کا وقت آ گیا تو میں نے ان سب کو نماز پڑھائی۔ امام احمد کی روایت میں۔ بیت المقدس میں آپ نے سب انبیاء کو نماز پڑھائی اور انہوں نے آپ کا اقتداء کیا۔

دراں مسجد امام انبیاء شد صف پیشنیاں را پیشوا شد

امام نووی نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا ہے: ''قال القاضی فان قیل کیف رائ موسیٰ علیہ السلام یصلی فی قبره وصلی رسول ﷺ بالانبیاء بیت المقدس ووجدهم علی مراتبهم فی السمٰوات وسلموا ورحبوابه فالجواب انه یحتمل ان یکون روية موسیٰ فی قبره عند الکثیب الاحمر قیل صعود النبی ﷺ الی السمآء وفی طریقه الی بیت المقدس ثم وجد موسیٰ قد سبقه الی السماء ویحتمل انه ﷺ رای الانبیاء صلوٰة اللہ وسلامه علیهم وصلی بهم علی تلک الحال لاول مارأهم ثم سألوا ورحبوابه

اویکون اجتماعہ معھم وصلٰوتہ ورویۃ موسٰی بعد انصرافہ ورجوعہ عن سدرۃ المنتھٰی (شرح مسلم ص۹۶) ’’قاضی عیاض نے کہا ہے اگر کوئی اعتراض کرے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے کیونکر دیکھا اور آنحضرت ﷺ نے انبیاء کو بیت المقدس میں نماز کیونکر پڑھائی۔ حالانکہ ان کو بحسب مراتب آسمانوں پر پایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ محتمل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں سرخ تودہ ریگ کے پاس آسمانوں کی طرف جانے سے پہلے دیکھا ہو اور بیت المقدس کے راستہ میں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام آنحضرت ﷺ سے پہلے آسمان پر پہنچ گئے ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ آنحضرت ﷺ کو پہلے دیکھا تو نماز پڑھائی۔ پھر انہوں نے مرحبا وغیرہ کہا ہو یا انبیاء کو آنحضرت ﷺ کا نماز پڑھانا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھنا۔ سدرۃ المنتہیٰ سے واپس آنے کے بعد ہوا ہو۔

اور شیخ عبدالحق نے لمعات شرح مشکوٰۃ میں کہا ہے: ’’**اما الذین صلوا معہ فی بیت المقدس فتحتمل علی الارواح المتمثلہ ویتحمل الاجساد ویتحمل انہ احضرت اجسادھم فی بیت المقدس لملاقاتہ ﷺ ثم رفعوا علی السمآء** (لمعات شرح مشکوٰۃ) ’’جن انبیاء نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ بیت المقدس میں نماز پڑھی ان کے ارواح متشکل ہوگئے تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ مجسم ہوگئے تھے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے (اصلی) جسم بیت المقدس میں آنحضرت ﷺ کی ملاقات کے لئے حاضر کئے گئے ہوں پھر وہ آسمان پر اٹھا گئے ہوں۔

ان نصوص صریحہ اور اقوال صحیحہ کے مقابلہ میں کادیانی کے اس ڈھکوسلہ کو کہ انبیاء علیہم السلام بعد موت ایک جگہ سے نہیں ملتے۔ گویا وہاں جکڑے ہوئے ہیں۔ (معاذ اللہ) کون سنتا اور اس دعویٰ بلا دلیل سے احادیث صحیحہ ثابتہ کو کیونکر موضوع سمجھا جاسکتا ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب تعدد معراج کو اگر یوں مانا جاوے کہ پہلے خواب میں یہ معراج ہوا۔ پھر بیداری میں۔ چنانچہ وجہ دوم اختلاف کے جواب میں مفصل بیان ہوگا تو پھر تعدد نسخ نماز اعتراض کادیانی کا مورد نہیں ہوسکتا۔ اس صورت میں پہلا حکم ایک تمہیدی اور مثالی حکم بنتا ہے۔ دوسرا اصلی اور واقعی اور اس خواب کی تعبیر۔ گویا پہلے خداتعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو معراج خواب میں دکھایا کہ ہم ایسا حکم دیں گے۔ پھر معراج بیداری میں

ویسا کر دکھا دیا۔ علاوہ بریں تعدد نسخ بحکم عقل ممنوع اور ناجائز نہیں ہے اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خداتعالیٰ نے پہلے حکم پر پشیماں ہوکر دوسرا حکم دیا ہے۔ اگر تعدد نسخ موجب پشیمانی ہوسکتا ہے تو چاہئے کہ ایک دفعہ کا نسخ بھی موجب پشیمانی ہو۔ اس صورت میں کادیانی کو لازم ہے کہ مطلق نسخ کو موجب پشیمانی ٹھہرا کر اس سے انکار کرے اور اپنے چھپے مذہب نیچریت کو برملا ظاہر کرے۔ جس میں نسخ کو خلاف تقدس سمجھا گیا ہے اور اس وجہ سے قرآن میں وقوع نسخ سے انکار کیا گیا ہے۔ چنانچہ کادیانی کے درپردہ پیرومرشد حکیم نورالدین نے رسالہ فصل الخطاب لمقدمہ قرأۃ فاتحۃ الکتاب کے خاتمہ میں اس انکار کا اظہار کیا ہے اور اس سے پہلے ان کے پیرومرشد انزابیل سرسید نے اس کا اشتہار دیا ہے۔ تعدد نسخ پر اعتراض کی آڑ میں شکار کھیلنے کی کیا ضرورت ہے۔ اہل سنت تو تعدد نسخ کو ویسا ہی جائز سمجھتے ہیں جیسا کہ مطلق نسخ کو اور نسخ کو پہلے حکم سے پشیمانی اور اس کی غلطی پر مبنی نہیں سمجھتے۔ بلکہ اس کو اس حکیمانہ تبدیلی کی نظیر خیال کرتے ہیں جو حکیم حاذق سے وقوع میں آتے ہیں کہ پہلے وہ ایک مریض کے حق میں ایک نسخہ کو مناسب سمجھتا ہے اور پھر جب اس کی حالت بدل جاتی ہے تو اس نسخہ کو منسوخ کر کے اس کے بدلے دوسرا نسخہ تجویز کرتا ہے اور جب پھر وہی پہلی حالت مریض عود کرتی ہے تو اس دوسرے نسخہ کو منسوخ کر کے پھر اس پہلے نسخہ کو تجویز کرتا ہے اور یہ امر اس کے علم وکمال میں کچھ فرق نہیں لاتا اور پشیمانی کا موجب نہیں ہوتا اور اس پر یہ گمان نہیں کیا جاتا کہ وہ اس تبدیلی میں پشیمان وحیران ہوا ہے بلکہ اس کے علم وکمال وتجربہ اور استقلال کا مثبت ہوتا ہے۔

اس تعدد نسخ کی مثال احکام اسلام میں قبلہ کا نسخ ہے کہ پہلے کعبہ، قبلہ تھا۔ پھر جب آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لے گئے تو وہاں یہودیوں کی اصلاح حالت کی نظر سے استقبال کعبہ منسوخ ہوکر بیت المقدس قبلہ مقرر ہوا۔ پھر جب یہودیوں کی حالت کا ناقابل اصلاح ہونا کس وناکس پر ظاہر ہوگیا تو پھر برعایت اصلاح حال عرب استقبال بیت المقدس منسوخ ہوا اور کعبہ کو قبلہ بنایا گیا۔ اس مسئلہ کی تفصیل کتب حدیث وتفسیر واصول میں ہے۔ اس مقام میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ اس بیان سے ثابت ہے کہ یہ دونوں اعتراض کادیانی کی لچر وپوچ ہیں اور واقعہ معراج کا متعدد ہونا کس اعتراض کا محل نہیں اور اختلاف وجہ اوّل کو دور کرنے کے لئے تجویز تعدد معراج بھی ایک عمدہ تجویز ہے اور جو جواب وجہ اختلاف اوّل کا ہم نے دیا ہے وہ واقعہ معراج کو ایک واقعہ ماننے سے پورا ہوسکتا ہے اور اس پر کادیانی کا

اعتراض اوّل وارد نہیں ہوتا اور یہ امر عقلاً جائز وممکن اور احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ وحضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہم السلام ایک ہی واقعہ میں مختلف مواضع میں دیکھے گئے ہیں۔ لہٰذا مومن ومتبع سنت کی یہ شان نہیں کہ اس امکان واحتمال کے ساتھ احادیث میں ظاہر اختلاف مواضع دیکھ کر احادیث میں تعارض کا مدعی ہوکر ان کو موضوع قرار دے۔ یہ جرأت کادیانی سے ہوئی تھی جس کو حدیث سے دلی عناد وانکار ہے۔

حدیث معراج میں دوسری وجہ اختلاف کا جواب

معراج نبوی کا بحالت بیداری ہونا بھی صحیح ہے اور بحالت خواب بھی درست اور ان دونوں میں کوئی مخالفت وتعارض نہیں ہے۔ جائز وممکن ہے کہ پہلے یہ معراج خواب میں ہوا ہو اور وہ معراج بیداری کے لئے ایک وعدہ اور بشارت ہو اور پھر بحالت بیداری معراج ہوا ہو۔ جو اس خواب کی ایک تعبیر وتصدیق ہو اور یہ بھی جائز وممکن ہے کہ ایک ہی معراج کے اوّل اور آخر آپ پر خواب کی حالت طاری ہو اور اوسط میں بیداری ہو اور یہ بھی ممکن اور متحمل ہے کہ معراج صرف بیداری میں ہوا ہو اور بعض احادیث میں جو نیند اور اس سے بیداری کا لفظ وارد ہے اس سے امور عالم بالا میں استغراق اور اس حالت استغراق سے افاقہ اور عالم دینوی کی طرف توجہ مراد ہو۔

قسطلانی نے شرح بخاری میں کہا ہے: ’’والجمهور علی ان وقوعهما معًا فی لیلة واحدة فی الیقظة بجسده المکرم ﷺ وقیل وقع ذٰلک مرتین مرة فی المنام توطیه وتمهیداً ومرة فی الیقظة (قسطلانی ج٦ ص٢٢٧) الثابت فی الروایات انه کان فی الیقظة فان قلنا بالتعدد فلا اشکال والا فیحتمل هٰذا مع قوله اٰخر الحدیث واستیقظ وهو فی مسجد الحرام علی انه کان فی طرفے القصة نائماً ولیس فی ذٰلک مایدل علی کونه نائماً فیها کلها (قسطلانی ج١٠ ص٥٠٥) ای استیقظ من نومة نامها بعد الاسراء اوانه افاق مما کان فیه مما خاطر باطنه من مشاهدة الملاء الاعلی فلم یرجع الی حال بشریة الاوهو نائم (قسطلانی ج١٠ ص٥٠٨) ای افاق مما کان فیه فانه کان اذا اوحی الیه یستغرق فیه فاذا انتهی رجع الی حالته الاولی فکنی

عنـه بـالاستيقاظه (فتح الباری ج۱۳ ص ۴۰۱) **قـال الـكـرمـانـی ثبت فی الـروايـات الأخـران الاسـراء كان فی اليقظة واجاب بقوله ان قلنا بتعدده فظاهروان قلنا باتحاده فيمكن ان يقال كان فی اوّل الامر وآخره فی النوم وليس فيه ما يدل علی كونه نائماً فی القصة كلها** (عمدة القاری) ’’جمہور قائل ہیں کہ اسراء بیت المقدس تک اور معراج آسمانوں تک دونوں یکبارگی ایک رات میں بیداری کی حالت میں جسم شریف کے ساتھ واقع ہوئے ہیں۔ بعض قائل ہیں کہ یہ واقعہ دو دفعہ ہوا۔ ایک دفعہ خواب میں بطور تمہید دوسری دفعہ بیداری میں۔ یہ بھی قسطلانی نے کہا ہے کہ عام روایتوں میں ہے کہ معراج بیداری میں ہوا ہے۔ سو اگر ہم تعدد معراج کے قائل ہوں تو پھر کوئی اعتراض واختلاف باقی نہیں رہتا۔ یعنی یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ خواب میں معراج ہوا ایک دفعہ بیداری میں اور ہم تعدد کے قائل نہ ہوں تو اس لفظ نیند سے اور جو آخر حدیث میں اس سے بیدار ہونے کا ذکر ہے۔ یہ مراد ہونا محتمل ہے کہ آپ اوّل اور آخر اس واقعہ کے نیند میں تھے اور یہ کہیں پایا نہیں گیا کہ آپ تمام واقعہ میں سوتے تھے۔

اور یہ بھی قسطلانی نے کہا ہے کہ آخر حدیث میں جو بیدار ہونے کا ذکر ہے اس سے یہ مراد ہے کہ وہ اس نیند سے بیدار ہوئے جو بعد واپسی آپ پر طاری ہوگئی تھی یا یہ مراد ہے کہ جس مشاہدہ عالم بالا میں آپ مستغرق تھے اس سے افاقہ میں آ کر حالت بشریت کی طرف ایسے وقت رجوع فرمایا کہ آپ سوتے تھے۔

اور فتح الباری میں کہا ہے کہ آپ کو اس حالت استغراق سے افاقہ ہوا۔ جس میں آپ مستغرق تھے اور آپ کی یہ عادت تھی کہ جب آپ کی طرف وحی ہوتی آپ اس میں مستغرق ہو جاتے۔ وہ حالت ہو چکی تو آپ نے پہلی حالت کی طرف رجوع کیا۔ اسی کو کنایۃً بیدار ہونا کہا گیا ہے۔

اور عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں کہا ہے کہ کرمانی نے فرمایا ہے اکثر روایات میں ثابت ہو چکا ہے کہ معراج بیداری میں تھا۔ پھر خود اس حدیث کا جس میں نیند کا ذکر ہے یہ جواب دیا ہے کہ اگر تعدد واقعہ معراج کے قائل ہوں تو ظاہر ہے (کہ پھر کوئی اختلاف نہیں رہتا) اور اگر ایک واقعہ کے قائل ہوں تو یہ کہنا ممکن ہے کہ آپ اوّل اور آخر

واقعہ میں سو گئے تھے اور یہ کہیں نہیں آیا کہ آپ تمام واقعہ میں سوتے تھے۔

اس امکان واحتمالات کے ساتھ کسی مؤمن وقائل حدیث سے ممکن ومتصور نہیں کہ خواب اور بیداری کے الفاظ دیکھ کر ان احادیث کے تعارض کا مدعی ہو کر ان احادیث کو موضوع کہہ دے۔ یہ کادیانی ہی کا کام تھا جو اس سے وقوع میں آیا۔ جس نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ درحقیقت صحیحین کا منکر اور حدیث کا دلی دشمن ہے۔

حدیث معراج میں تیسری وجہ اختلاف کا جواب

محل معراج ونزول فرشتہ جو آنحضرت ﷺ کے گھر اور بیت الحرام دونوں کو کہا گیا ہے۔ اس میں بھی کوئی مخالفت نہیں۔ جائز وممکن ہے کہ پہلے فرشتہ آپ کے گھر میں آیا ہو۔ پھر جب آپ حرم میں تشریف لائے تو وہاں حاضر ہو گیا ہو بلکہ اگر ایک دو مقام میں اور بھی آنحضرت ﷺ تشریف فرما ہوتے تو وہاں بھی فرشتہ کا جانا ممکن تھا۔

شیخ عبدالحق دہلوی نے لمعات شرح مشکوٰۃ میں کہا ہے کہ: ’’**اختلف الروایات فی تعیین مکان الاسراء ففی بعضها وانا فی الحطیم وفی بعضها فی الحجر وفی بعضها بینا انا عند البیت وفی بعضها فرج سقف بیتی وانا بمکة وفی بعضها استربه فی شعب ابی طالب وفی بعضها فی بیت ام هانی وهو اشهر والجمع بین هذه الاقوال علی ماذکره فی فتح الباری انه بات فی بیت ام هانی وبیتها فی شعب ابی طالب ففرج سقف بیتها واضاف البیت الی نفسه الشریفة لبیتوتته فیه فنزل الملک فاخرجه من البیت الٰی المسجد الحرام ثم اخذ الملک فاخرجه من المسجد (لمعات) هٰکذا فی المرقاة وزادفیه فاخرجه من البیت الٰ المسجد وکان مضطجعاً وفیه اثر النعاس ثم اخرجه من الحطیم الی باب المسجد (مرقاة علی قاری)**‘‘

معراج کے مکان کی تعیین میں روایات کا اختلاف ہے۔ بعض روایات میں حطیم کا ذکر ہے۔ بعض میں حجر کا بعض میں بیت اللہ کا بعض میں آپ کے گھر کی چھت سے فرشتہ کے آنے کا بعض میں ابوطالب کے شعب (پھاٹک) کا بعض میں ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر کا۔ ان سب کو فتح الباری میں یوں باہم متوافق کیا ہے کہ آپ اس رات ام ہانی کے گھر میں تھے جو

ابوطالب کے شعب میں تھا۔ اسی گھر کی چھت چیر کر فرشتہ آیا تھا۔ اسی کو آپ نے اپنا گھر کہا ہے۔ کیونکہ اس میں آپ رہتے تھے۔ پھر فرشتہ آپ کو مسجد الحرام میں لے گیا۔ ایسا ہی ملا علی قاری نے مرقاۃ میں بیان کیا ہے۔ اس میں یہ زیادہ کیا ہے کہ گھر سے فرشتہ آپ کو مسجد میں لایا۔ اس وقت آپ لیٹے ہوئے تھے اور آپ پر اونگھ کا اثر باقی تھا۔ پھر حطیم سے (جس کو حجر بھی کہتے ہیں) مسجد کے دروازہ پر لایا۔ وہاں سے براق پر سوار کرایا اور جب کہ ان سب مواضع میں فرشتہ کا آنا یوں ممکن ومحتمل ہے تو پھر اس ظاہری اختلاف کی نظر سے احادیث میں تعارض کا دعویٰ کرنا اور اس تعارض کی نظر سے ان کے موضوع ہونے کا مدعی ہونا مؤمن قائل حدیث سے کب متصور ہے اور یہ امر بجز قادیانی کے جو منکر حدیث ہے کس سے ہوسکتا ہے۔

حدیث معراج میں چوتھی وجہ اختلاف کا جواب

درحقیقت واقعہ معراج بعد نبوت ہوا ہے اور جو شریک کی حدیث میں قبل از وحی کا لفظ وارد ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ معراج وحی سے پہلے ہوا تھا۔ حاشا وکلاّ بلکہ اس حدیث میں صریح الفاظ کے ساتھ آچکا ہے کہ قبل از وحی کے فرشتہ آیا تو اس وقت وہ آپ کو پوچھ کر چلا گیا۔ پھر آپ نے اس کو نہ دیکھا۔ یہاں تک کہ پھر کسی اور شب کو آیا اور اس وقت آپ کو آسمان پر لے گیا۔ ان دونوں شب میں جو فاصلہ تھا اس کے تعیین میں اختلاف ہے۔ سات سے لے کر تیرہ سال تک فاصلہ بیان کیا گیا ہے۔ اس فاصلہ کو ایک شب کا فاصلہ مانا جاوے۔ تب ہی یہ مطلب اس حدیث کا بن سکتا ہے کہ جس شب قبل از وحی فرشتہ آیا اس شب میں وہ آپ کو پوچھ کر چلا گیا۔ اس شب معراج نہیں ہوا معراج کسی اور شب ہوا۔

جن لوگوں نے شریک کی اس روایت میں لفظ قبل از وحی کو غلط قرار دیا اور شریک کو اس کے بیان میں متفرد اور دوسرے راویوں کا مخالف کہا ہے انہوں نے اس حدیث کے اس جملہ کی طرف کہ فرشتہ اس رات آپ کو پوچھ کر چلا گیا اور پھر نظر آیا توجہ وغور سے نہیں دیکھا اور لفظ قبل وحی کو دوسری شب کے معراج سے متعلق کر دیا اور دھوکہ کھایا اور جن لوگوں نے اس جملہ کو توجہ سے پڑھا۔ انہوں نے صاف کہہ دیا ہے کہ شریک کے اس لفظ کے بیان میں کوئی غلطی نہیں۔ یہ لفظ قبل از وحی معراج کا محل ومتعلق نہیں ہے بلکہ یہ معراج سے پہلے فرشتہ کے آنے کا محل ومتعلق ہے اور اس لفظ میں شریک متفرد بھی نہیں اور راویوں نے بھی یہ لفظ بولا ہے

اور اس لفظ کو ان روایات سے جن میں معراج کا بعد از وحی ونبوت ہونا بیان ہوا ہے۔ کوئی مخالفت نہیں۔ کیونکہ اس لفظ کو معراج سے تعلق نہیں ہے۔ اس مقام میں اصل حدیث شریک کے الفاظ معہ ترجمہ نقل کئے جاتے ہیں اور خطوط وحدانی (بریکٹس) میں اس کی شرح میں اقوال بعض شراح منقول ہوتے ہیں۔ جس سے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ شریک کی اس میں کوئی غلطی نہیں بلکہ معترضین کی غلط فہمی ہے۔

صحیح بخاری اور اس کی شرح قسطلانی میں ہے:''جاء ثلثه نفرلم اقف علی اسمائهم صريحاً لكنهم من الملئكة لا كن فی روايه ميمون بن سياه عند الطبری فاتاه جبريل وميكائيل قبل ان يوحٰی اليه وهو نائم فی المسجد الحرام فقال اولهم ايهم هو محمد وقد روی انه كان نائماً معه حينئذٍ عمه حمزة بن عبدالمطلب وابن عمه جعفر بن ابی طالب فقال اوسطهم هو خيرهم فقال اخرهم ولا بی ذر عن الكشمينی فقال احدهم ای احد النفر الثلثة خزو خيرهم للعروج به الٰی السمآء فكانت تلك الليلة ای فكانت تلك القصة الواقعة تلك الليلة ماذكرها فلم يرهم ﷺ حتی آتوه ليلة اُخریٰ لم يعين المدة بين المجيئين فيحمل علی ان المجيئ الثانی كان بعد ان يوحی اليه وحينئذٍ وقع الاسراء والمعراج وان كان بين المجيئين مدة فلا فرق بين ان يكون تلك المدة ليلة واحدة اوليالی كثير اومدة سنين وبهذا يحصل الجواب عما استشكله الخطابی وابن حزم عبدالحق وعياض والنووی من قبل قوله قبل ان يوحی اليه ونسبتهم رواية شريك الی الغلط لان المجمع عليه ان فرض الصلوٰة كانت ليلة الاسراء فكيف يكون قبل الوحی وان شريكا تفرد بذلك فارتفع الاشكال كذا قررة ابن حجر اما دعوهم تفرد شريك فقال الحافظ بن حجر انه قد وافقه كثر بن خنيس عن انس كما اخرجه سعيد بن يحيٰی الاموی فيما يری قلبه وتنام عينه ولاينام قلبه وكذٰلك الانبياء تنام اعينهم ولاتنام قلبهم فلم يكلموا حتی احتملوه فوضعوه عند زمزم الحديث (بخاری ص ۱۱۲۰، قسطلانی ج۱۰ ص۵۰۵)'' تین شخص (میں ان کے نام پر مطلع نہیں ہوا۔ ہاں! میمون بن سیاہ کی روایت میں

جو طبری نے نقل کی ہے جبرئیل ومیکائیل کا نام آیا ہے) آپ پر وحی نازل ہونے سے پہلے ایسے وقت میں آئے کہ آپ مسجد الحرام میں سوتے تھے۔ ان میں سے اوّل بولا۔ ان (سونے والوں) میں محمد کون سا ہے (ایک روایت میں ہے اس وقت آپ کے ساتھ دو آدمی اور سوتے تھے ایک آپ کے چچا حمزہ دوسرے آپ کے چچازاد بھائی جعفر) ان ملائکہ سے بیچ والا بولا۔ محمد وہ ہے جو ان میں سے بہتر ہے۔ پس اخیر والا بولا (کشمینی کی روایت ہے ان میں سے ایک بولا) اس بہتر کو لے لو (یعنی آسمان پر لے جانے کو) پس اس رات اتنا ہی قصہ واقعہ ہوا۔ (یعنی جو مذکور ہوا ہے) پھر آنحضرت ﷺ نے اس کو نہ دیکھا یہاں تک کہ کسی اور رات وہ فرشتے آئے (ان دو دفعہ کے آنے کے بیچ کی مدت مقرر نہیں ہوئی۔ پس یہ قرار دیا جائے گا کہ دوسری دفعہ کا آنا بعد از وحی ہوا تھا اور اس وقت سیر معراج کا وقوع ہوا ان دو دفعہ کے آنے میں کچھ مدت تھی تو اس مطلب میں کہ دوسری دفعہ کا آنا بعد از وحی ہوا تھا۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ خواہ وہ مدت ایک رات کی ہو یا کئی راتوں کی یا چند سالوں کی۔ اس مطلب سے خطابی وغیرہ کے اس شبہ کا جواب ادا ہوا جو ان کو لفظ قبل از وحی سے پیدا ہوا تھا اور اس لفظ کے بیان میں انہوں نے شریک کو غلطی پر کہا۔ وہ شبہ یہ کہ بالاتفاق نماز معراج میں فرض ہوئی تھی۔ پھر معراج قبل از وحی کیونکر ہوسکتا ہے اور نیز یہ شبہ کہ اس لفظ کو صرف شریک ہی لایا ہے اور کسی نے یہ لفظ نہیں بولا یہ شبہ اس مطلب سے رفع ہوگیا۔ ایسا ہی حافظ بن حجر نے تقریر کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے یہ بھی کہا ہے کہ اس لفظ قبل از وحی کو کثیری خنیس ؓ بھی لایا ہے۔ چنانچہ یحییٰ بن سعید اموی نے کتاب المغازی میں نقل کیا ہے۔ یعنی شریک اس میں متفرد نہیں ہے) وہ فرشتے اس حالت میں آئے کہ آپ کا دل بیدار تھا اور آنکھ خواب میں تھی۔ دل خواب میں نہ تھا۔ ایسا ہی اور انبیاء کا حال ہوتا ہے۔ ان کی آنکھیں سوتی ہیں۔ دل نہیں سوتے۔ تب وہ فرشتے کچھ نہ بولے۔ آپ کو اٹھا کر لے گئے اور زمزم کے پاس لے جاکر رکھا تا آخر حدیث جس میں آنحضرت ﷺ کو اوپر لے جانے کا بیان ہے۔

ایسا ہی حافظ بن حجرؒ نے فتح الباری ج۱۳ ص۳۹۹ میں کہا ہے: ’’واما ماذکره بعض الشراح انه کان بین اللیلتین اللتین اتاه فیها الملئکة سبع وقیل ثمان وقیل تسع وقیل عشر وقیل ثلثه عشر فیحمل علی ارادة السنین لا کما فهمه الشارح المذکور انها لیالی (فتح الباری ج۱۳

ص ۳۹۹) ’’اور اس پر یہ زیادہ کیا ہے کہ ان دوراتوں میں مدت فرق بعض نے سات بعض نے آٹھ بعض نے نو بعض نے دس بعض نے تیرہ بیان کئے ہیں۔ جس سے سال مراد ہیں نہ راتیں۔ جیسا کہ بعض شراح نے سمجھا ہے کہ ان اعداد سے راتیں مراد ہیں۔

بعض علماء نے لفظ قبل از وحی کی یہ تاویل کی ہے کہ: ’’**قیل ان هٰذا کان اسراء المنام قبل الوحی واما اسراء الیقظته فبعد النبوة وقیل بل الوحی ههنا مقید ولیس بالوحی الذی هو مبدء النبوة والمراد قبل ان یوحی الیه فی شان الاسراء فاسری فجاءة من غیر تقدم اعلام** (زادالمعاد ج۱ ص۲۴) **وقیل المراد به قبل ان یوحی الیه فی بیان الصلوٰة** (قسطلانی ج۱۰ ص۵۰۵) ’’قبل از وحی خواب کا معراج تھا اور معراج بیداری بعد از وحی ہوا ہے۔ بعض نے یہ تاویل کی ہے کہ اس وحی سے وہ وحی مراد نہیں جو مبدء نبوت ہے بلکہ خاص کر وہ وحی جو بیان معراج کی بابت ہوئی ہے یا وہ وحی جو حکم نماز میں وارد ہوئی ہے۔ ان تاویلات کو حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے زادالمعاد میں اور قسطلانی نے شرح بخاری میں نقل کیا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک لفظ قبل از وحی کو معراج سے تعلق ہی نہیں۔ (چنانچہ الفاظ حدیث سے ثابت ہے اور ائمہ حدیث نے اس کو تسلیم اور بیان کیا ہے) تو پھر ان تاویلات کی کیا حاجت ہے۔ بالجملہ یہ لفظ قبل از وحی کسی طرح اعتراض کا محل نہیں ہے نہ یہ اور روایات کے مخالف ہے نہ اس کا راوی اس کے بیان میں متفرد ہے۔ لہٰذا اس لفظ کی نظر سے اس حدیث کو دوسری احادیث معراج کی معارض قرار دے کر موضوع ٹھہرانا کادیانی ہی کا کام ہے جو حدیث کا دلی دشمن ہے۔ مومن متبع سنت سے اس دعویٰ موضوعیت پر جرأت نہیں ہوسکتی۔

ہر چند بعض محدثین سلف نے شریک کی حدیث کے بعض الفاظ پر کچھ کچھ اعتراض کئے ہیں: ’’**تکلم ابن حزم والقاضی عیاض وغیرهما علی حدیث شریک هٰذا وانتصر له جماعة منهم ابوالفضل بن طاهر فصنف فیه جزاً وسنذکر مایتعلق به مستوفی عند الکلام علیه انشاء الله تعالٰی فی موضعه** (مقدمہ فتح الباری ص۴۴۳) ’’جن کی ایک جماعت محدثین نے کہ از انجملہ ایک ابوالفضل بن طاہر ہیں۔ حدیث شریک کی نصرت ومدافعت میں کھڑے ہوکر کافی جواب دیئے ہیں۔ مگر یہ جرأت کسی محدث سے نہیں ہوئی کہ ان الفاظ کے سبب شریک کی حدیث کو دوسری احادیث کی

معارض ومخالف ٹھہرا کران سب کو موضوع قرار دیا ہو۔ یہ زہر قاتل عداوت حدیث کا پیالہ کادیانی کا نصیب تھا۔ جو اس نے پی لیا اور اپنے آپ کو دشمن حدیث خصوصاً حدیث صحیحین بنا کر ہلاک کیا۔

محدثین سلف میں سے جس نے اپنی غلطی فہم سے کسی لفظ پر کوئی اعتراض کیا ہے اس نے صرف اسی لفظ کو شریک کے اغلاط سے خیال کرلیا۔ اصل حدیث اور اس کے تمام مضمون کو دائرہ صحت سے خارج نہیں کیا۔ جیسا کہ کادیانی سے عمل میں آیا اور اس سے اس کا چھپا انکار صحت صحیحین بخوبی آشکارا ہوگیا۔ اس نوٹ میں کادیانی کے جواب کا جواب بھی ادا ہوا اور ساتھ ہی اس کے کادیانی کا منکر صحت حدیث صحیحین ہونا بھی ثابت ہوگیا اور معلوم ہوا کہ وہ جو اپنی تحریرات واشتہارات میں صحیحین کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ لکھ چکا ہے وہ اس کا محض نفاق ہے۔ درحقیقت وہ ان کی صحت کا منکر ہے۔ امید ہے کادیانی کو اہل حدیث سمجھنے والے اور اس دھوکہ سے اس کے دام میں پھنسنے والے اب اس کو منکر حدیث سمجھ کر اس کے دام سے چھٹکارا پائیں گے۔ ان شاءاللہ تعالیٰ!

ہمارا قول نمبر۳: آپ لکھتے ہیں احادیث کے دو حصہ ہیں۔ اوّل وہ حصہ جو تعامل میں آچکا ہے۔ (اشاعۃ السنۃ نمبر۶ جلد۱۴ ص۱۶۲)

کادیانی کا جواب: میں نے اصطلاح اہل حدیث سے کچھ سروکار نہیں رکھا۔ ہر شخص اپنی اصطلاح قرار دینے کا مجاز ہے۔ میں نے ضروریات دین کے لفظ سے ان امور کو مراد لیا ہے۔ جن کا سلسلہ تعامل سے ضروری تعلق ہے وہ احکام فرمودہ اللہ اور رسول ہیں جو مسلمان بننے کے لئے ضروری ہیں۔ ہر ایک مسلمان ان تمام احکام کو عملی طور پر یاد رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ مسلمان بننے کی حالت میں دائمی طور پر اس کو کرنے پڑتے ہیں یا کبھی کبھی کرنے کے لئے وہ مجبور کیا جاتا ہے۔ بخلاف قصص واخبار کے جو سلسلہ تعامل سے خارج ہیں مسلمانوں کو ان کے علم واطلاع کی کوئی بھی ضرورت نہیں ہے۔ مسلمانوں سے ایسے آدمی بہت تھوڑے ہیں جن کو وہ قصے یاد و معلوم ہوں۔''

اس نوٹ پر ہمارا جواب: اس جواب میں کادیانی نے سراسر جھوٹ بول کر سخت دھوکہ دیا اور اپنا دجال ہونا ثابت کر دکھایا ہے۔ ضروریات دین سے احکام متعلق عمل کو مراد لیا۔ (۲) اور ان سب احکام کے جاننے اور عمل میں لانے کو مسلمان ہونے کے لئے ضروری

شرط ٹھہرایا۔ (۳)اور ہر ایک مسلمان کے ان احکام سے واقف ہونے کا دعویٰ کیا اور ان احکام عملیہ کے مقابلہ میں احادیث متعلقہ عقائد ایمانیہ اسلامیہ سنیہ کو محض قصص واخبار ٹھہرا کر ضروریات دین (متعلقہ ضرورت دین) سے خارج کیا۔ (۴)اور ان کے جاننے ماننے کو غیر ضروری بتایا (۵)اور اکثر مسلمانوں کو ان عقائد سے بے خبر قرار دیا اور ان چھ دعاوی میں ایسا محض کذب ومغالطہ سے کام لیا کہ سچ کو ان کے آس پاس بھی بھٹکنے نہیں دیا۔

ضروریات دین سے کادیانی کی مراد امور دین متعلقہ حاجت وضرورت دینی ہیں تو اعتکادیات اسلامیہ سنیہ عملیات فرعیہ (احکام متعلقہ عمل) سے بڑھ کر اور پیشتر ان ضروریات میں داخل وشامل ہیں۔ کادیانی نے ضروریات دینیہ میں صرف عملیات کو داخل کرنے اور اعتکادیات کو خارج کرنے میں دو جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے۔ (۲)ان اعتکادیات کو جاننا اور ماننا ایسا ضروری اور مسلمان بننے کا لازمہ ہے کہ ویسا احکام عملیہ کو جاننا ضروری نہیں ہے۔ عقائد اسلامیہ سنیہ کا جاننا ہر ایک مسلمان سنی کو ضروری ہے۔ بخلاف احکام متعلقہ عمل کہ ان سب کو ہر ایک مسلمان کا جاننا ضروری وشرط اسلام نہیں بلکہ خاص کر اسی مسلمان کو اس حکم کا جاننا ضروری ہے جو اس حکم کی تعمیل کے لائق ہو۔ مثلاً ایک شخص فقیر ہے اور وہ صرف ادائے حکم نماز کے لائق ہے تو اس پر اس حکم نماز کا جاننا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور جب وہ زکوٰۃ کے لائق مالدار ہو جائے تب اس پر احکام متعلقہ زکوٰۃ کا جاننا لازم ہوتا ہے اور جب وہ حج کے لائق مال پیدا کرلے تو اس وقت اس پر احکام متعلقہ حج کا جاننا لازم ہوتا ہے اور جب وہ تجارت کرنے لگے تو اس وقت اس پر احکام متعلقہ تجارت کا جاننا لازم ہوتا ہے۔

ایسے ہی اور ہزاروں بلکہ بے شمار احکام ہیں جن کا قبل از وقت تمام مسلمانوں کو جاننا ضروری نہیں ہے اور اعتکادیات کا یہ حال ہے کہ مسلمان کہلانے کے لئے ہر عاقل بالغ کو جو ایمان سے مامور ہے لازم ہے کہ وہ خدا پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور اس کی کتابوں اور فرشتوں کو ماننے اور قیامت پر اور مردوں کے جسموں کے ساتھ اٹھائے جانے اور میدان محشر میں حاضر ہونے پر اور نیک وبداعمال کا حساب دینے اور مؤمنوں کے بہشت میں جانے اور کافروں کے دوزخ میں داخل ہونے کا یقین رکھے اور سنی بننے کے لئے ہر ایک سنی کو جاننا اور ماننا ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خلفاء اربعہ کی خلافت برحق ہے۔ اہل بیت نبوی کی محبت جزء ایمان ہے۔ قبر کا عذاب برحق ہے اور اہل توحید گنہگاروں کے لئے

آنحضرت ﷺ کی شفاعت برحق ہے۔ وعلیٰ هذا القیاس!

بہت سے اعتقاد ہیں جو احکام عملیہ نہیں کہلاتے اور اس لئے وہ سلسلہ تعامل میں داخل نہیں ہوسکتے۔ کادیانی نے اس قسم کے اعتقادیات ایمانیہ وسنیہ کو جاننا اور ماننا مسلمانوں کے لئے غیر ضروری بتایا اور اس کے مقابلہ میں بے شمار احکام متعلقہ حج وزکوٰۃ وبیع شراوہبہ طلاق وغیرہ اعمال کو جاننا تمام مسلمانوں کے لئے ضروری ٹھہرایا ہے۔ اس میں بھی دو جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے۔ (۳) اعتقادیات مذکورہ ایسے ہیں جن سے ہزار مسلمان اور سنیوں میں سے دس نہ جانتے ہوں گے اور بے شمار احکام عملیہ ایسے ہیں جن کو ہزار مسلمانوں سے صرف دس بیس جانتے ہوں گے۔ کادیانی نے جملہ احکام عملیہ سے تمام مسلمانوں کو واقف اور اعتقادیات سے اکثر کو ناواقف قرار دینے میں بھی دو جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے۔

اپنی نئی اصطلاح کا کادیانی اور ہر شخص کو اختیار ہے۔ مگر دو شرط سے ایک یہ کہ جو اصطلاح کوئی مقرر کرے اس کو استعمال میں لانے کے وقت یا اس سے پیشتر مخاطبین کو مطلع کرے اور یہ بتاوے کہ فلاں اصطلاح سے میری مراد یہ معنی ہیں۔ دوسری یہ کہ اس اصطلاح میں اس فن یا مذہب یا جماعت کا خلاف نہ کرے۔ جس فن یا مذہب یا جماعت میں دخل دہی کا مدعی ہوکر وہ اصطلاح مقرر کرتا ہے اور جو شخص ان دونوں شرط کا خلاف کرتا ہے اس پر اس اصطلاح کے مخالف اصطلاح سابق سے الزام عائد ہوسکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص اپنی اصطلاح میں بکری کا نام خنزیر مقرر کر کے اس کو حلال کہہ دے اور یہ دعویٰ کرے کہ دین اسلام میں خنزیر حلال ہے تو اس پر یہ دو الزام قائم ہوں گے۔ (۱) تو نے پہلے سے یا اس کلام کے ساتھ یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ خنزیر سے میری مراد بکری ہے۔ (۲) اس اصطلاح سے تو نے اصطلاح دین اسلام کا جس نے بکری کو حلال اور خنزیر کو حرام قرار دیا ہے خلاف کیا۔ لہٰذا تیرا یہ کہنا اسلام کے مخالف ہے۔

کادیانی نے اعتقادیات اسلامیہ سنیہ کو ضروریات دین سے خارج کرنے میں بعینہٖ یہی کام کیا ہے۔ تحریر نمبر ہفتم میں ضروریات دین کا لفظ بولا تو اس لفظ کا کوئی مطلب بیان نہ کیا۔ جس پر وہ پہلے اعتراض کا مورد ہوا جو ہماری تحریر نمبر ہشتم میں اس پر وارد کیا گیا ہے۔ اب اس نے اس لفظ کا مطلب اصطلاح اہل اسلام کے یہ بیان کیا ہے کہ اس سے صرف احکام عملیہ مراد ہیں تو اب اس پر اعتراض دوم وارد کیا گیا ہے کہ یہ اصطلاح اہل اسلام کے

قرارداد کے مخالف ہے۔ کیونکہ وہ اعتکادیات کو عملیات سے بڑھ کر دینی ضرورت وحاجت کا متعلق سمجھتے ہیں۔ ایسا ہی کادیانی نے اورنئی اصطلاحات میں کام کیا ہے جس کا بیان قول مابعد اوراقوال آئندہ ہوگا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ!

ہماراقول نمبر۴: آپ نے سلامت فہم راوی کو شرط ٹھہرایا ہے۔

(اشاعۃ السنۃ نمبر۶ ج۱۴ص۱۶۴)

کادیانی کا جواب: میں محدثین کا متبع اور شاگرد ہو کر گفتگو نہیں کرتا۔ نا میرے لئے ان کی اصطلاحوں کا پابند ہونا ضروری ہو۔ میں (تو خداتعالیٰ کا شاگرد ہوں) الٰہی تفہیم سے گفتگو کرتا ہوں۔ سلامت فہم سے میری اصطلاح میں مراد یہ ہے کہ راوی کے دماغ میں کوئی آفت وخلل نہ ہو۔ وہ فاسدالعقل، مخبوط الحواس، نیم مجنوں، مدہوش نہ ہو۔ (۲) تم نے جو یہ کہا ہے کہ راوی حدیث صرف الفاظ سے غرض رکھتے تھے، ان کی معانی سمجھنے سے بکلی بے نصیب تھے۔ یہ کم فہمی ہے جو شخص اس قدر بھی فہم نہیں رکھتا کہ جو بات وہ دوسرے کو پہنچاتا ہے وہ کس زبان میں ہے۔ عربی، یا ترکی، یا انگریزی، یا عبری میں اس کی تبلیغ کیا خاک کرے گا۔ (۳) تم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ احادیث بعینہا الفاظ سے منقول ہیں۔ یہ محض فضول ہے۔ یہ ہوتا تو مثلاً احادیث معراج میں یہ اختلاف کیوں پڑتا کہ کبھی موسیٰ کو چھٹے آسمان پر کہہ دیا۔ کبھی ابراہیم کو۔ (۴) تم نے امام ابوحنیفہ کی تحقیر کی اوران کی نسبت یہ لکھ دیا کہ وہ حدیث نبوی کے پانے سے محروم رہے اوران کا قیاسی اٹکلوں پر گزارہ رہا ہے۔ (مباحثہ لدھیانہ ص۸۶تا۸۹)

کادیانی جواب پر ہمارا نوٹ: اس جواب میں بھی کادیانی نے محض کذب ومغالطہ سے کام لیا اوراس سے اپنا دجال ہونا ثابت کر دکھایا ہے۔ کادیانی نے اپنی تحریر نمبر پنجم میں راویوں کی شرائط میں ایک سلامت فہم کو (جو صحت کی مرادف ہے اوراس کی ضد مقابل غلط فہمی ہے) شمار کیا تھا۔ ہم نے اس کے جواب میں تحریر نمبر ہشتم میں کہا تھا کہ فہم معانی حدیث مطلق شرط روایت نہیں بلکہ خاص کر اس حالت میں شرط ہے کہ راوی حدیث کو بالمعنی روایت کرے تاکہ اس صورت میں مطلب حدیث میں وہ غلطی نہ کرے۔ کادیانی نے اس سیدھی بات کو بتنگڑ بنادیا اوراس کو یہ کہنا قرار دیا کہ حدیث کے راوی الفاظ کا مطلب بالکل کچھ نہ سمجھتے تھے۔ وہ ان الفاظ کے معانی سے ایسے ناآشنا وبے نصیب تھے جیسے ایک عربی شخص ہندی، انگریزی، ترکی اور عبرانی الفاظ کی معانی سے بے نصیب ہوتا ہے اوراس افتراء میں وعید

’’لعنة الله علی الکذبین‘‘ کا کچھ لحاظ نہ کیا۔ پھر اپنی شرط سلامت فہم (یعنی عدم غلط فہمی) کا مطلب ازراہ جعل سازی یہ گھڑ لیا کہ اس سے سلامت ہوش وحواس وعدم خبط وجنون ومدہوشی مراد ہے نہ فہم معانی اور شرم دنیا وخوف آخرت کو پیش نظر رکھ کر یہ نہ سوچا کہ سلامت فہم کے معنی کس وناکس محدث ہو۔ خواہ صرف لغت عرب کا واقف ہو۔ یہی سمجھتا ہے کہ فہم میں معانی غلطی نہ ہو بلکہ صحت وسلامتی ہو اور اس لفظ سے سلامت حواس وہوش وعدم جنون کے معنی نہ کوئی محدث سمجھ سکتا ہے نہ عام لغت عرب سے واقف اور یہ اصطلاح میں نے اگر خداتعالیٰ کی شاگردی سے مقرر کی تھی تو پہلے سے اس لفظ کو بولنے کے وقت اس کا ظاہر کرنا اور ایک الہامی ڈکشنری کا چھاپ دینا میرا فرض تھا۔ ورنہ مجھ پر وہ دونوں اعتراض وارد ہوتے ہیں جو نوٹ سابق میں بیان ہوئے ہیں۔

علاوہ برآں اس لفظ سے میری یہی مراد تھی تو پھر اس لفظ کے بعد لفظ سلامت قوت حافظہ کہنا ضروری نہ تھا جب دماغ کسی آفت کا محل نہ ہو۔ پھر قوت حافظہ کا سلامت ہونا۔ اس کے لئے لازم ہے۔ لہٰذا اس لفظ کے بعد اس لفظ کے کہنے کی حاجت نہیں رہتی۔ اس لفظ سلامت فہم کے بعد میرا لفظ سلامت قوت حافظہ کہنا ناظرین کو صاف یقین دلا رہا ہے کہ اس وقت اس لفظ سے میری مراد دماغ کا آفات سے سلامت ہونا نہ تھا۔ بلکہ فہم معانی احادیث میں غلطی نہ کرنا مراد تھا۔ جس پر مخاطب کا اعتراض مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اب ناظرین منصفین سے عموماً اور کادیانی کے اتباع سے (جو کسی غرض فاسد طمع مال یا نکاح ہائے جدیدہ یا ترویج سابق اعتقادات سے نیچریہ سے اس کے پیرو نہیں ہوئے بلکہ وہ طالب حق ہیں اور دھوکہ میں آکر وہ اس کی پیروی میں پھنس گئے ہیں) خصوصاً داد انصاف کی درخواست ہے۔ وہ خدارا طرفداری کو یکسو کر کے داد انصاف دیں اور ایمان سے کہیں کہ کادیانی کے لفظ سلامت فہم کے وہ معنی صحیح ہیں جو اس نے اب گھڑ کر بیان کئے ہیں یا وہ معنی جو ہم نے سمجھے اور بیان کئے ہیں اور ہمارے اس قول کے کہ فہم معنی ہر ایک حدیث کی روایت کے لئے شرط نہیں ہے۔ کیا وہ معنی ہیں جو کادیانی نے افتراء کئے ہیں کہ راوی حدیث معانی احادیث سے بالکل بے نصیب تھے اور وہ صرف الفاظ سے غرض رکھتے تھے۔ ان کی نسبت وہ اس قدر بھی فہم نہ رکھتے کہ وہ الفاظ کے عربی میں یا ترکی یا انگریزی وغیرہ یا یہ معنی (جو ہم نے بیان کئے ہیں) کہ ہر ایک حدیث کے معانی کو راوی حدیث کا سمجھنا شرط اور

لازمی اور ضروری امر نہیں ہے بلکہ خاص اس حدیث کے الفاظ کے معانی کو سمجھنا شرط روایت ہے جس کے الفاظ کے معانی کو وہ بیان کرے اور یہ جائز وممکن ہے کہ وہ بعض الفاظ حدیث کو ان کے غریب ونادر اور قلیل الاستعمال ہونے کے سبب باوجودیکہ وہ صاحب زبان ہو اور لغت حدیث سے واقف نہ سمجھے اور اس وجہ سے وہ ان الفاظ کو بعینہٖ نقل کردے۔

ناظرین! منصفین انصاف سے کام لیں گے تو امید ہے ہم کو ڈگری دیں گے اور کادیانی کو بہتانی وجعلساز کہیں گے۔

ہم اپنے اس قول اور اس کے صحیح معنی کی تائید میں اقوال محدثین واصولین سے شہادت پیش کرتے ہیں تاکہ منصفین کو داد انصاف دینے کے وقت وہ اقوال مدد دیں۔

طیبی نے رسالہ اصول حدیث میں پہلی شروط راوی کے بیان میں کہا ہے: ’’والضبط ان یکون متیقضاً حافظاً غیر مغفل ولا ساہ فی حالتی التحمل والاداء فان حدث عن حفظہ ینبغی ان یکون حافظاً وان حدث عن کتابہ ینبغی ان یکون ضابطاً لہ وان حدث بالمعنی ینبغی ان یکون عارفاً بما یختل بہ المعنی ولا یشرط المذکورۃ ولا الحریۃ ولا العلم بفقھہ وغریبہ ولا البصر ولا العدد (رسالہ اصول طیبی)‘‘ ضبط راوی سے یہ مراد ہے کہ راوی بیدار مغز ہو۔ صاحب حافظہ نہ غافل ہو اور نہ بھولنے والا۔ حدیث کو سننے اور بیان کرنے دونوں حالت میں اگر حفظ روایت کرے تو چاہئے کہ اس کو یاد رکھتا ہو اور اگر کتاب سے دیکھ کر روایت کرے تو چاہئے کہ اس کتاب کو ضبط کر رکھا ہو۔ (یعنی وہ غلطی وتغیر سے محفوظ ہو) اور اگر حدیث کو بالمعنی روایت کرے تو چاہئے کہ اس غلطی سے واقف ہو۔ جس سے معنی میں خلل واقعہ ہو اور روایت حدیث کے لئے یہ شرط نہیں کہ راوی مرد ہو (یعنی عورت نہ ہو) اور نہ یہ کہ آزاد ہو (یعنی غلام نہ ہو) اور نہ یہ کہ اس کو اس حدیث کی فقہ (یعنی مسائل خفیہ مستنبطہ کا علم ہو) اور نہ یہ کہ وہ اس کے غریب (نادر الاستعمال) الفاظ کے معنی جانتا ہو اور نہ یہ کہ وہ بینا ہو اور نہ کوئی معین عدد شرط ہے (کہ اتنے راوی ہوں)

حنفیہ کے ایک امام شیخ ابن الہمام کے استاد شیخ عبدالعزیز مصنف کشف وتحقیق نے غائۃ التحقیق میں کہا ہے کہ: ’’لم تیقل عن احدا من السلف اشراط الفقہ فی الراوی (غائۃ التحقیق)‘‘ راوی کا فقیہ ہونا یعنی معانی خفیہ حدیث، احادیث کو سمجھنا شرط

روایت نہیں ہے اور بعض الفاظ غریب ونادر الاستعمال حدیث کے معنی سے بے خبر ہونا بڑے بڑے ائمہ حدیث وغریب سے مروی ہے۔

فقہ وحدیث کے امام مشہور امام احمد بن حنبل سے کسی نے ایک حدیث کے ایک لفظ غریب کے معنی پوچھے: ’’رویـنا عن الميمونی قال سئل احمد بن حنبل عن حرف مـن غـريب الحديث قال سلوا اصحاب الغريب فانی اكره ان تكلم فی قول رسول اللهﷺ بالظن فاخطی (علوم الحديث ابن الصلاح) ‘‘تو آپ نے جواب دیا کہ اصحاب الغریب سے (یعنی ان لوگوں سے جو الفاظ غریب کی شرح کرتے ہیں) پوچھو میں پسند نہیں کرتا کہ آنحضرتﷺ کی حدیث میں اٹکل سے کچھ کہوں تو خطاء میں پڑوں۔

عربیت اور نحو کے امام اصمعی سے ایک شخص نے پوچھا: ’’وبـلغنا عن التاريخی مـحـمـد بـن عبـدالملک قال حدثنی ابوقلابة عبدالملک بن محمد قال قـلـت لـلاصمعی يا اباسعيد ما معنی قول رسول اللهﷺ الـجارا حق بسقبه فـقـال انـا لاافسر حديث رسول اللهﷺ ولا كـن الـعرب تزعم ان السقب اللـزدق ثـم ان غيـر واحـد مـن العلماء صنفوا فی ذٰلک النضر بن شميل وابوعبيدة مـعـمـر بـن الـمـثـنـی وابـوعبيد القاسم بن سلام وابو سليمان الخطابی (علوم الحديث ابن اصلاح مختصرا) ‘‘کہ آنحضرتﷺ کے اس قول کے کہ ہمسایہ اپنے سقب کا حقدار ہے۔ کیا معنی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں آنحضرتﷺ کی حدیث کی کوئی تفسیر نہیں کرتا۔ ہاں! اتنا کہتا ہوں کہ عرب سقب اس کو کہتے ہیں جو ملا ہوا ہو۔ یہ اقوال ان ائمہ کے ابن الصلاح نے علوم الحدیث میں بیان کئے ہیں پھر کہا کہ غریب الفاظ حدیث میں جن لوگوں نے کتابیں تصنیف کی ہیں وہ امام نضر بن شمیل ہیں اور امام ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ اور امام ابوعبید قاسم بن سلام اور امام ابوسلیمان خطابی تا آخر۔

اس بیان سے آپ کے دو کذب ومغالطے ظاہر ہوئے جو ہمارے کلام کو بگاڑنے اور اپنے قول کے جعلی معنی کرتے ہیں۔ آپ سے سرزد ہوئے ہیں۔ اب آپ کے باقی دو کذب ومغالطوں کی کیفیت ناظرین سنیں۔ صحابہ کی حدیث نبوی کو بالفاظ روایت کرنے کا مدعی میں ہی نہیں ہوں۔ یہ دعویٰ بہت سے علماء نے کیا ہے۔ جن میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جن کے کلام سے آپ بھی اپنی تحریر نمبر ہشتم میں متمسک ہوئے ہیں اور اس دعویٰ پر دلیل صحابہ

کی وہ روایات ہیں جن میں انہوں نے دولفظوں کو باوجود ہم معنی یا قریب المعنی ہونے کے شک کے ساتھ بیان کردیا ہے اوران کے معنی پر نظر کر کے ایک لفظ کے بیان پر اکتفاء نہ کیا۔

علامہ تفتازانی (جن کے کلام کے غلط معنی سمجھ کر اس کی دست آویز سے آپ نے صحیح بخاری میں حدیث موضوع کے پائے جانے کا دعویٰ کیا ہے) اپنی کتاب تلویح کے ص۲۲۵ میں فرماتے ہیں: ’’**اماثانیا فلان الظاهر من حال عدول الصحابة نقل الحديث بلفظه ولهذا نجد فى كثير من الاحاديث شک الراوى وانما استفاض النقل ما المعنى عند العلماء لتقر الحديث بالرواية والتدوين**‘‘ کہ عادل صحابہ کا ظاہر یہ حال تھا کہ وہ حدیث کو بلفظہ نقل کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم بہت سی احادیث میں (دو ہم معنی لفظوں کو) صحابہ کا شک کے ساتھ بیان کرنا پاتے ہیں۔ اگر وہ روایت بالمعنی کرتے تو ان الفاظ کے بیان میں وہ معنی کا لحاظ کر کے صرف ایک لفظ پر اکتفاء فرماتے۔ حدیث کو بالمعنی روایت کرنا تو علماء میں تب مروج ہوا ہے جب کہ احادیث کے الفاظ روایت اور تصنیف سے مقرر ہو چکے تھے۔

علامہ سندھی نے دراسات میں فرمایا ہے: ’’**ومن شدة اعتنائهم فى حفظ الالفاظ شكهم وترددهم بين اللفظين وعدم اقتصارهم علٰى احدهما حتى ظن ذٰلک من الدليل علٰى عدم صحة النقل بالمعنى فى اللفظين المتقاربين جدًا فى المعنى كما فى حديث عبدالله بن مسعود فى صلٰوة الوسطى ملاء الله اجوافهم وقبورهم نارًا اوحشى الله اجوافهم وقبورهم نارا الخ** (دراسات ص ۱۸۲) ‘‘ کہ حفظ الفاظ حدیث میں صحابہ کے کمال توجہ پر یہ دلیل ہے کہ صحابہ نے دو ہم معنی لفظوں کے بیان میں شک وتردد ظاہر کیا اوران میں سے ایک لفظ کے بیان پر اکتفاء نہ کیا۔ یہاں تک کہ ان کے اس فعل کو اس مسئلہ پر دلیل سمجھا گیا کہ حدیث کو بالمعنی روایت کرنا جائز ہی نہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود کی حدیث صلٰوۃ الوسطیٰ میں لفظ ’’**ملاء الله اوحشى الله**‘‘ شک سے وارد ہے (جس کے معنی پر کرنے کے ہیں) اس کے بعد علامہ نے امام ابن عبدالبر سے اس فعل ابن مسعود سے عدم جواز روایت بالمعنی نکالنے کا جواب نقل کیا ہے اوران الفاظ کی مثالیں کتب حدیث میں بہت پائی جاتی ہیں۔ ازانجملہ بخاری کے یہ بصفحہ ۱۴۴ حدیث کسوف میں لفظ مؤمن یا موقن اور لفظ منافق یا مرتاب شک کے

ساتھ مروی ہیں۔

اس دعویٰ کے مقابلہ میں جو کادیانی نے حدیث معراج میں آنحضرت ﷺ کا کبھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھٹے آسمان پر دیکھنا اور کبھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چھٹے آسمان پر دیکھنا بیان کیا اور اس کو روایت کے بالفاظہا مروی نہ ہونے پر دلیل ٹھہرایا ہے یہ اس کا محض مغالطہ ہے۔نوٹ سابق میں ثابت ہو چکا ہے کہ ان الفاظ میں کوئی مخالفت نہیں۔ یہ دونوں حضرت چھٹے آسمان پر دیکھے گئے تھے۔

حضرت امام الائمہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی توہین وتحقیر کا الزام جو کادیانی نے خاکسار پر لگایا ہے اور ان کے حق میں یہ کلمات کہنے کا کہ وہ حدیث نبوی سے محروم رہے اور قیاسی اٹکلوں پر ان کا گزارہ رہا۔مجھ پر بہتان لگایا ہے۔اس میں کادیانی نے سفید جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے۔

حضرت امام الائمہ کی توہین کرنے والے پر خاکسار ہزار لعنت بھیجتا ہے اور ناحق تہمت کرنے والے پر ہزار نہیں تو پانچ سو ہی سہی۔کادیانی سچا ہے تو اس پر آمین کہے اور بیش باد کا نعرہ بلند کرے۔خاکسار نے تو حضرت امام صاحب کی نسبت صرف اتنا کہا تھا کہ اگر صحیح بخاری، امام صاحب کے وقت میں ہوتی تو امام اعظم صاحب اس کو آنکھ پر رکھ لیتے۔پھر اس کی تائید وتصدیق میں امام شعرانی کی عبارات میزان سے نقل کر دی۔جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امام صاحب کے وقت میں حدیثیں جمع نہ ہوئی تھیں۔اس لئے آپ کو دوسرے اماموں کی نسبت احادیث کم پہنچیں۔اسی وجہ سے آپ نے قیاس کیا۔ یہ بات نہیں کہ آپ نے حدیث کے ہوتے قیاس کی طرف رجوع کیا۔جیسا کہ امام کے معترضین اور مخالفین سمجھتے ہیں۔

اصل کلام خاکسار وعبارت شعرانی رسالہ اشاعۃ السنۃ نمبر۷ جلد۱۴ کے صفحہ ۱۹۹ میں اور کادیانی کے مطبوعہ مباحثہ کے صفحہ ۴۹ میں ناظرین ملاحظہ فرما کر داد انصاف دیں کہ وہ کلام خاکسار وعبارت شعرانی امام صاحب کی مدح وتعریف کی مثبت ہے یا ان کی توہین کے موجب۔خاکسار کا کلام تو امام صاحب کی مدح وتعریف کے سوا کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔امام شعرانی کی عبارت بھی آپ کی مدح وتعریف وحمایت ہی میں فرمائی گئی ہے۔اس عبارت سے پہلے بصفحہ ۷۱ میزان کبریٰ امام شعرانی نے ایک فصل منعقد کر کے کہا ہے کہ اس

فصل میں اس شخص کے قول کا ضعف بیان ہوتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ امام ابوحنیفہ قیاس کو حدیث سے مقدم سمجھتے تھے۔ پھر کہا یہ کلام اس شخص سے صادر ہوا ہے جو امام صاحب کی نسبت تعصب رکھتا ہے اور اپنے دین میں دلیر ہے۔ گفتگو میں پرہیزگار نہیں اور خدا تعالیٰ کے اس قول سے غافل ہے۔ جس میں ارشاد ہے کہ انسان جو بات منہ سے نکالتا ہے اس کے پاس فرشتہ لکھنے کو منتظر وتیار رہے۔ پھر امام شعرانی نے حضرت امام صاحب کے بہت سے ایسے اقوال نقل کئے ہیں جن سے آپ کا رائے سے بیزار ہونا اور حدیث کو قبول کرنا ثابت ہے۔ اس کے بعد ص۲۷ میں وہ عبارت فرمائی ہے۔ جس کو کادیانی نے موجب توہین امام قرار دیا ہے۔

اب ناظرین انصاف کریں کہ اس مدّعا وغرض کے ساتھ وہ عبارت امام صاحب کی مدح بنتی ہے یا نہیں۔ ہمارے زمانہ کے سرآمد حنفیہ مولوی عبدالحیٔ صاحب مرحوم لکھنوی بھی اپنے رسالہ نافع کبیر میں اس عبارت میزان کو اپنے اس دعویٰ کی تائید میں لائے ہیں: ''**وما اتباعه الاحاديث والاٰثار خلاف مايظنه الظانون انه يقيس علی خلاف الحديث فيدل عليه ما اورده فی الميزان الیٰ ان نقل عبارتها ثم قال ومطالعة الميزان لهم نافع ولا وهامهم دافع** (النافع الکبیر ص۱۸) '' کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ احادیث وآثار کے متبع تھے۔ حدیث کے مقابلے میں قیاس نہ کرتے تھے۔ پھر اس عبارت کو نقل کر کے اس کی نسبت فرماتے ہیں کہ یہ عبارت ان بدگمانوں کے لئے جو امام صاحب کو حدیث کے مقابلے میں قیاس کرنے والا سمجھتے ہیں نافع ہے اور ان کے اوہام کے دافع ہے۔ اس عبارت میزان میں اگر ذرا بھی وہم توہین ہوتا تو ایسے مشاہیر حنفیہ کی کلام میں امام صاحب کی مدح اور برأت پر اس سے تمسک واستدلال نہ کیا جاتا۔

کادیانی نے اس الزام واتہام توہین امام صاحب سے حنفیوں کو اپنا دوست اور ہمارا دشمن بنانا چاہا تھا۔ جس سے الٹا نتیجہ نکلا۔ اس کا دجال ہونا ثابت ہوا اور اس کا وہ داؤ نہ چل سکا کسی حنفی نے اس کو اپنا دوست نہ سمجھا بلکہ تمام حنفیہ ہندوستان وپنجاب نے اس کو اپنا دشمن اور اپنے مذہب کا مخالف تصور کیا۔ خواص حنفیہ نے اس کے معتقدات پر کفر کا فتویٰ لگایا اور عوام حنفیہ نے اس فتویٰ پر کاربند ہوکر ہر شہر ودیار میں کادیانی پر نعرہ لعنت وتکفیر بلند کیا اور ہر جلسہ اور معرکہ میں اس کے مکفرین کا ساتھ دیا اور اس افتراء میں وہ خسر الدنیا والآخرہ کا مصداق بنا۔

ہمارا قول نمبر۵: شاید آپ کہیں کہ احادیث سبھی بالمعنی روایت ہوئے ہیں۔ جیسا کہ آپ کے مقتداء سید احمد خان نے کہا ہے جس کی تقلید سے آپ نے قرآن کو معیار صحت احادیث ٹھہرایا ہے۔ (اشاعۃ السنۃ نمبر۶ جلد۱۴ص۱۶۴)

کادیانی کا جواب: سید احمد خان میرا مقتداء نہیں۔ (۲) صحابہ حتی الوسع حفظ الفاظ نبی کرتے مگر ان کی روایتوں پر اعتماد کرنے کے لئے سلامت فہم ضروری شرط ہے۔ کیونکہ اگر فہم میں بباعث پیرانہ سالی یا اختلال دماغ کی کوئی آفت پیدا ہو جاوے تو مجرد حفظ الفاظ کافی نہیں۔ اس صورت میں تو الفاظ میں بھی شک پڑتا ہے کہ شاید اختلال دماغ کے سبب سے اس میں بھی کچھ تصرف ہوگیا ہو۔ (۳) قرآن کریم کی نسبت خداتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور ہر ایک امر کا بیان ہے۔ محجوب لوگ احادیث صحیحہ نبویہ کو اس نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ گویا وہ قرآن پر کچھ زوائد بیان کرتے ہیں یا بعض احکام میں ان کے ناسخ ہیں۔ اور نہ زوائد بیان کرتے ہیں بلکہ قرآن شریف کے بعض مجمل اشارات کے شارح ہیں اور حدیث معاذ بن جبل (جس میں یہ بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کو قاضی بنا کر یمن میں بھیجا تو فرمایا کہ تو کس چیز پر فیصلہ کیا کرے گا۔ اس نے کہا کتاب اللہ پر۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کتاب اللہ میں نہ پاوے گا تو پھر کس چیز پر۔ تب اس نے عرض کیا کہ پھر حدیث پر تا آخر) سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن میں ہر ایک امر دین درج ہے۔ کوئی چیز اس سے باہر نہیں۔ لہٰذا حق الامر یہ ہے کہ جو چیز قرآن کے باہر یا اس کے مخالف ہے وہ مردود ہے اور احادیث صحیحہ قرآن سے باہر نہیں۔ کیونکہ وحی غیر متلو کی مدد سے وہ مسائل قرآن سے مستخرج ومستنبط کئے گئے ہیں۔ لہٰذا جو حدیث ازقسم حصہ دوم (قصص واخبار) ہے ان کو پرکھنے کے لئے قرآن معیار ومحک ہے۔ یعنی جو حدیث قرآن میں نہیں یا اس کے مخالف ہے وہ موضوع ہے۔

<u>کادیانی کے جواب پر ہمارا نوٹ</u>: اس جواب میں بھی کادیانی نے کذب ومغالطہ سے کام لیا اور اپنا دجال ہونا ثابت کیا۔ اس میں آپ نے تین دعویٰ کئے ہیں۔ ایک یہ کہ سید احمد خان میرا مقتداء نہیں ہے۔ اس دعویٰ کا کذب ہونا ظاہر ہو چکا ہے۔ اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ کادیانی سید احمد کا شاگرد ہے۔ اس نے جو ملحدانہ ایجاد کیا ہے۔ اس کو سرسید سے بعینہٖ یا باصلہ لیا ہے۔ ہاں! اس شاگردی کے ساتھ وہ سرسید سے بڑھ گیا اور اس کا مقابل بن بیٹھا ہے۔ جس کی تفصیل ہو چکی ہے۔

دوسرا یہ دعویٰ کہ صحابہ کی مرویات پر اعتماد کرنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ مختل الحواس تو نہیں ہو گئے تھے۔ اس دعویٰ میں اس نے بہت غضب ڈھایا ہے اور دھوکہ دیا اور یہ بندوبست کرنا چاہا ہے کہ جس حدیث کو اپنے مذہب ملحدانہ کے مخالف دیکھا اس کو اس بہانہ سے کہ اس کا راوی صحابی مخبوط الحواس ہو گیا تھا رد کر دیا۔

اس دعویٰ کے کذب ومغالطہ ہونے پر یہ دلیل ہے کہ صحابہ کی عدالت بالاجماع مسلم ہے۔

امام ابن صلاح نے علوم الحدیث میں فرمایا ہے: ''**الثانیة للصحابة بامرهم خصیصة وهی انه لا یسئل عن عدالة احدمنهم بل ذٰلک امر مرفوع عنهم لکونهم علے الاطلاق معدلین بنصوص الکتاب والسنة واجماع من یعتدبه فی الاجماع (علوم الحدیث بن الصلاح)**'' کہ جملہ صحابہ کا یہ خاصہ ہے کہ ان کی عدالت سے سوال نہ ہو یہ سوال ان سے اٹھایا گیا ہے۔ کیونکہ وہ بلاتفصیل بحکم کتاب وسنت واجماع عادل ہیں۔ پھر اس پر کتاب وسنت سے استدلال کیا ہے۔

اور یہ بات کادیانی خود لکھ چکا ہے کہ عدالت تب ہی قائم رہ سکتی ہے جب کہ ہوش وحواس قائم ہوں۔ مباحثہ لدھیانہ صفحہ ۸۷، خزائن ج۴ ص ۸۹ میں اس کی تحریر نمبر ہشتم میں یہ عبارت موجود ہے۔ ''آپ (خاکسار کو فرماتے ہیں) اپنے بیان میں راوی کے لئے عدل کی شرط لگاتے اور صفت عدل صفت سلامت فہم کے تابع ہے۔ اگر سلامت فہم میں آفت ہو صفت درست فہمی میں اختلال راہ پاوے تو پھر کسی کے قول وفعل میں عدل قائم نہیں رہ سکتا۔'' اس کلام واعتراف کے ساتھ پھر اسی تحریر ہشتم میں کادیانی کا یہ کہنا کہ صحابہ کی مرویات پر تب ہی اعتماد کیا جاوے گا جب کہ ان کی فہم میں سلامت ہو یعنی اختلال نے راہ نہ پائی ہو۔ اس کہنے کے برابر ہے کہ وہ سب عادل نہ تھے۔ ان میں بعض ایسے لوگ بھی تھے جو مختل الحواس ہو کر ساقط العدالت ہو چکے تھے جو قرارداد اہل اسلام کے مخالف ہے اور محض کذب اور مغالطہ ہے۔

تیسرے دعوے میں کادیانی نے عجیب روبہ بازی کی ہے اور اپنے دجال ہونے کی پوری داد دی ہے۔ قرآن شریف کو جملہ امور متعلقہ دین کی تفصیل کا متضمن ٹھہرایا اور احادیث متعلقہ اعتقاد نزول حضرت مسیح وخروج دجال کو قصص واخبار بنا کر اس وجہ سے ساقط الاعتبار ٹھہرایا کہ قرآن میں ان کا مضمون پایا نہیں جاتا۔ ومعہذا ابر طبق مثل مشہور ''دروغ گورا حافظہ

نباشد‘‘ اور بحکم نص قرآن ’’فطبع علی قلوبھم فھم لا یفقھون ونص واللّٰہ لا یھدی القوم الفاسقین ‘‘ یہ دوفقرے بھی اس کی قلم سے نکل گئے۔(۱) احادیث مجمل اشارات قرآن کی شارح ہیں۔(۲) احادیث صحیحہ قرآن سے باہر نہیں۔ کیونکہ وحی غیر متلو کی مدد سے وہ تمام مسائل قرآن سے مستنبط کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا اس دعویٰ سوم کے ابطال اور اس کی روبہ بازی کے اظہار کے لئے ہم کو زیادہ تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ صرف ان ہی دوفقروں کے دست آویز سے یہ کہنا کافی ہے کہ جملہ امور متعلقہ دین کی تفصیل کا قرآن میں پایا جانا یہ معنی رکھتا ہے کہ قرآن میں ان امور کا بیان موجود ہے۔ مجمل ہو خواہ مفصل۔ جس آیت میں اس تفصیل کا ذکر ہے اس میں تفصیل سے مطلق بیان مراد ہے نہ وہ تفصیل جو اجمال کے مقابل ہوتی ہے۔ قرآن میں پانچ جگہ یہ لفظ تفصیل آیا ہے۔ جہاں مطلق بیان ہی کے معنی مراد ہیں (جو آپ کی قلم سے بھی بعد لفظ تفصیل بطور تفسیر نکل گئے ہیں) تفصیل مقابل اجمال مراد نہیں اور جو قرآن کا بیان اجمالی ہے۔ اس کی تفصیل وشرح حدیث صحیح نے کر دی ہے۔ چنانچہ آپ نے بھی فقرہ نمبر۱ میں اقرار کیا ہے اور اس کی مثال حکم ممانعت وشم ہے جو حدیث میں وارد ہے اور حضرت ابن مسعودؓ نے اس کو اس وجہ سے داخل قرآن قرار دیا ہے کہ وہ قرآن کے اس مجمل وعام حکم کے کہ ’’جو کچھ تمہیں رسول دے لے لو اور جس چیز سے روکے اس سے رک جاؤ۔‘‘ داخل وشامل ہے۔

بناء علیہ احادیث صحیحہ متعلقہ نزول حضرت مسیح وخروج دجال جس کو کادیانی نے قصص واخبار بنا کر خارج از قرآن ومخالف قرآن ٹھہرا کر ساقط الاعتبار کیا ہے۔ قرآن میں داخل ہیں۔ اس سے باہر نہیں۔ قرآن نے نزول حضرت مسیح کو پانچ آیتوں میں مجملاً ذی الوجوہ الفاظ سے بیان کیا ہے۔ احادیث نے ان وجوہات سے بعض وجوہ کی تفصیل وتعین کر دی ہے۔ لہٰذا ان احادیث کو ماننا عین قرآن کو تسلیم کرنا ہے۔ آپ نے احادیث متعلقہ احکام فرعیہ عملیہ اختلافیہ کو تو اس اصول سے قرآن میں داخل اور اس کے مجمل اشارات کا شارح تسلیم کیا ہے اور ان احادیث کو پرکھنے کے لئے محتاج قرآن نہیں ٹھہرایا۔ مگر احادیث متعلقہ اعتقاد کو جو احادیث عملیہ فرعیہ اختلافیہ سے بڑھ کر صحیح اور قطعی ہیں قرآن سے خارج کیا اور ساقط الاعتبار ٹھہرایا ہے۔ اس میں اپنے اصول کا خود خلاف کیا اور اس سے اپنا دجال ہونا ثابت کیا۔

ہمارا قول نمبر۶: آپ نے باستدلال آیہ: ’’وان الظن لا یغنی من الحق شیئا‘‘ احادیث پر اعتراض کیا ہے۔ (رسالہ اشاعۃ السنۃ نمبر۷ ج۱۴ ص۱۷۸)

قادیانی کا جواب: ’’میرا عام طور پر احادیث پر اعتراض نہیں بلکہ ان احادیث پر اعتراض ہے جو ادلہ قطعیہ بینہ قرآن کے مخالف ہوں۔‘‘

(مباحثہ لدھیانہ ص۹۲، خزائن ج۴ ص۹۴)

قادیانی کے نوٹ پر ہمارا جواب: یہ محض کذب ہے۔ جس مقام میں آپ نے اس آیہ سے تمسک کر کے احادیث کو ظنی اور ناقابل وثوق ٹھہرایا ہے اس مقام میں عموماً الفاظ احادیث پر اعتراض کیا ہے اور ان میں تعارض تجویز کر کے ان میں وقوع تحریف کا دعویٰ کیا ہے۔ اس اعتراض اور دعویٰ سے احادیث مخالفہ قرآن کو مخصوص نہیں کیا۔ ناظرین اصل عبارت مقام مذکور مباحثہ قادیانی کے صفحہ۹ میں ملاحظہ کریں۔

ہمارا قول نمبر۷: علماء کا حنفی ہوں یا شافعی، اہل حدیث ہوں یا اہل فقہ۔ اس پر اتفاق ہے کہ خبر واحد صحیح ہو تو واجب العمل ہے۔ (اشاعۃ السنۃ نمبر۷ جلد۱۴ ص۱۹۲)

قادیانی کا جواب: حنفیوں شافعیوں کا یہ مذہب نہیں کہ مخالفت قرآن کی حالت میں خبر واحد واجب العمل ہے۔ حنفیہ بجز خبر مشہور کسی حدیث سے قرآن پر زیادتی کو جائز نہیں رکھتے۔ شافعی بجز متواتر کسی حدیث سے زیادتی جائز نہیں رکھتے۔ آپ نے کس سے سن لیا کہ ان سب کے نزدیک خبر واحد بہرحال واجب العمل ہے۔‘‘

(مباحثہ لدھیانہ ص۹۲، خزائن ج۴ ص۹۴ ملخص)

قادیانی کے نوٹ پر ہمارا جواب: سنی سنائی باتیں کہنا آپ ہی کا کام ہے جو نہ کتابوں میں نظر نہیں رکھتے ہیں۔ نہ کسی اہل علم سے استفادہ۔ آپ کا علم لدونی (خیالی) ہے اور معلم استاد حکیم نورالدین انہوں نے جو کہا ہے آپ نے مان لیا۔ ہم تو ایسی بات کوئی نہیں کہتے جو کسی کتاب میں نہ ہو۔ آپ جس کتاب اصول سے چاہیں ہم یہ مسئلہ آپ کو نکال دیتے ہیں۔

کتاب توضیح میں ہے: ’’الثالث یوجب غلبة الظن اذا اجتمع الشرائط التی اذکرها وهی کافیه لوجوب العمل (توضیح ص ۳۰۴) الجمهور ذهبوا الیٰ انه یوجب العمل دون العلم (تلویح ص ۳۰۴) ‘‘ تیسری (خبر واحد) مفید ظن

ہے اور وہ وجوب عمل کے لئے کافی ہے۔ تلویح میں ہے جمہور کا بھی مذہب ہے کہ وہ (خبر واحد) عمل کو واجب کرتی ہے نہ یقین واعتقاد کو۔

اس مقام میں ہم نے صرف اتنا ہی دعویٰ کیا تھا۔ سو اس کا ثبوت دے دیا۔ رہا یہ مسئلہ کہ خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے یا نہیں اور وہ کتاب اللہ کے معارضہ میں مقبول ہے یا نہیں۔ سو اس مقام میں اجنبی ہے۔ ہمارے نزدیک احادیث محل نزاع (متعلقہ نزول حضرت مسیح وخروج دجال وغیرہ) کتاب اللہ کے مخالف نہیں بلکہ عین موافق ومطابق ہیں۔ لہٰذا اس مقام میں ہم کو اس مسئلہ کے بیان اور مذاہب کی تفصیل کی ضرورت نہ تھی۔

کادیانی نے جو اس باب میں شافعیوں کا مذہب نقل کیا ہے اس میں بھی کذب سے کام لیا ہے اور اپنی بے علمی کا اظہار کیا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ''**ولکن عند الشافعی رحمۃ اللہ علیہ هو دلیل فیه شبهة فیجوز تخصیصه بخبر الواحد والقیاس ای تخصیص علم الکتاب بکل واحد من خبر الواحد والقیاس** (توضیح تلویح ص ۷۱)'' عام کتاب اللہ کی خبر واحد سے تخصیص اور اس طور سے قرآن پر زیادتی کو جائز رکھتے ہیں۔ چنانچہ توضیح تلویح میں بتفصیل بیان ہوا ہے۔

ہمارا قول نمبر۸: اسی وجہ سے خاص کر صحیحین کی نسبت علمائے اسلام نے جن میں مقلد حنفیہ ومحدث سب داخل ہیں اتفاق کیا ہے کہ صحیحین کی احادیث واجب العمل ہیں۔ اس پر جو آپ کا یہ سوال ہے کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم مسلمانوں میں اتفاق کے ساتھ مسلم چلی آئی ہیں تو بعض علماء حنفیہ وغیرہ نے اس حدیث کا خلاف کیوں کیا اور سبھی نے ان کے موافق مذہب کیوں اختیار نہ کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خلاف فہم معانی میں اختلاف پر مبنی ہے یا بعض وجوہات ترجیح پر آپ فتح القدیر وبرہان ملاحظہ کریں۔

کادیانی کا جواب: یہ سفید جھوٹ ہے۔ اگر علمائے متقدمین کے نزدیک بخاری مسلم کی حدیثیں بغیر کسی عذر نسخ وغیرہ کے بہرحال واجب العمل ہوتیں تو وہ بھی آپ کی طرح امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے، رفع یدین کرتے۔ (۲) آپ کا یہ کہنا کہ وہ دوسرے طور پر معنی کرتے ہیں۔ دوسرا جھوٹ ہے۔ وہ تو صریح منسوخ یا ضعیف قرار دیتے ہیں۔ آپ سچے ہیں تو لدھیانہ کے علماء سے شہادت دلائیں۔'' (مباحثہ لدھیانہ ص۹۳، خزائن ج۴ ص۹۵)

کادیانی کے نوٹ پر ہمارا جواب: کسی پر صرف منہ سے جھوٹ بولنے کا دعویٰ کرنا آسان ہے۔ مگر انسان اور مرد میدان وہ ہے جو اپنے دعویٰ کو ثابت کر دے۔ آپ انسان اور مرد میدان ہیں تو ان اپنے دونوں دعوؤں کو حنفیہ کی کتابوں سے حنفی علماء کے مجمع میں ثابت کر دیں۔ یہ نہ ہو سکے (اور ہرگز نہ ہوگا۔ آپ میدان میں نہ نکلیں گے اور نہ کسی کتاب سے متقدمین حنفیہ کے اس کا ثبوت پیش کریں گے) تو اس باب میں مباہلہ کریں۔ میدان میں آویں اور قسموں کے ساتھ کہیں کہ بعض حنفیوں نے بعض احادیث صحیح بخاری کے برخلاف عمل کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ان احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اس کی یہ وجہ نہیں کہ ان کی تاویل ومعانی میں اختلاف کیا ہو یا اور وجوہات سے ان کی معارض حدیثوں کو ترجیح دی ہو۔ یہ بات جھوٹ ہو تو قائل پر خدا کی لعنت ہے۔

خاکسار نے اپنے بیان میں دو دعوے کئے ہیں۔ ازانجملہ اوّل دعویٰ کے ثبوت میں اقوال علماء محدثین وفقہاء نقل کر چکا ہے اور دوسرے دعویٰ کے ثبوت کے لئے فتح القدیر اور برہان شرح مواہب الرحمٰن کا حوالہ دے چکا ہے۔ اس ثبوت خاکسار کو اہل اسلام کی پبلک کافی نہ سمجھے تو میں اور ثبوت دینے کو مستعد ہوں اور کادیانی مباہلہ چاہے تو میں اس کے لئے بھی حاضر ہوں۔

دعویٰ ضعف کے ساتھ لفظ منسوخ کو جو کادیانی نے ملا دیا اس میں اس نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا ہے اور اپنا دجال ہونا ثابت کیا ہے۔ بے شک بعض احادیث صحیحین کو بعض حنفیہ نے منسوخ قرار دیا ہے۔ مگر کسی حدیث کے منسوخ ہونے سے اس کا ضعف ثابت نہیں ہوتا۔ نسخ تو آیات قرآن میں بھی پایا جاتا ہے۔ جس سے کوئی مسلمان نہیں نکالتا کہ وہ آیات ضعیف ہیں یعنی ان کا قرآن سے ہونا ثابت نہیں۔

آپ نے جب دیکھا کہ کسی حدیث بخاری کو حنفیوں کا ضعیف قرار دینا تو مجھ سے ثابت نہ ہو سکے گا تو بعض کا اس کے ساتھ منسوخ ہونے کا لفظ لگا دیا اور یہ خیال نہ کیا کہ مسلمان اس دھوکہ میں نہ آئیں گے۔ وہ جانتے ہیں کہ منسوخ ہونے سے ضعیف ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے۔

ہمارا قول نمبر۹: امام ابن الصلاح نے فرمایا ہے کہ ان کی اتفاقی حدیثیں موجب یقین ہیں۔ (رسالہ اشاعۃ السنۃ نمبر۷ جلد۱۴ ص۱۹۴)

کادیانی کا جواب: ابن الصلاح کا قول حجت نہیں۔ اس کا قول حجت ہے تو چاہئے کہ ان لوگوں کا قول بھی حجت ہو جنہوں نے بخاری مسلم کی حدیثوں میں قدح کیا ہے۔ (۱) تلویح میں لکھا ہے کہ بخاری میں یہ حدیث[۲۷۳]: ’’یکثر لکم الاحادیث من بعدی فاذا روی لکم حدیث واعرضوہ علی کتاب اللہ الخ‘‘ (یعنی جو صاحب تلویح کے نزدیک مجروح وموضوع ہے) (۲) مسلم کی شرح نووی میں شریک کی حدیث میں (جو بخاری مسلم میں ہے) ’’قبل الی یوحی الیہ‘‘ کا لفظ غلط لکھا ہے۔ (۳) نووی نے شرح مسلم میں حدیث ’’اقض بینی وبین ھٰذا الکاذب‘‘ کا جھوٹا ہونا تجویز کیا ہے۔

کادیانی کے جواب پر ہمارا نوٹ: ابن الصلاح یا کسی اور شخص کا قول بلادلیل تسلیم نہیں کیا جاتا اور نہ تسلیم کرایا جاتا ہے۔ بلکہ جس قول پر کوئی دلیل عقلی یا نقلی ہو اسی کو تسلیم کیا اور کرایا جاتا ہے۔ کسی امام کا ہو، خواہ کالے چور کا۔

قول ابن الصلاح کی دلیل صحت صحیحین پر اجماع امت ہے جس کو مخالفین وموافقین نے نقل کیا ہے۔ چنانچہ وغیرہ میں منقول ہوا۔ اس اجماع سے قطعیت صاف ثابت ہوتی ہے اور طرفہ یہ کہ آپ اشتہار یکم راگست ۱۸۹۱ء میں خود مان چکے ہیں کہ میں بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ یقین کرتا ہوں۔ اس اظہار یقین کے بعد آپ کو ابن الصلاح کا قول ماننے سے کب عذر ہوسکتا ہے۔

اب ان لوگوں کے اقوال کو دیکھا جاتا ہے جنہوں نے صحیحین کی حدیثوں پر جرح وقدح کیا ہے۔ وہ بے وجہ وبلادلیل نکلے تو پھر وہ کیونکر لائق تسلیم ہوسکتی ہیں۔ تلویح میں جو حدیث ’’یکثر لکم الاحادیث‘‘ پر جرح کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری اس جرح سے یقیناً پاک ہے اور وہ حدیث موضوع صحیح بخاری میں نہیں ہے بلکہ وہ کافروں، چھپے مرتدوں کی بنائی ہوئی ہے۔ چنانچہ رسالہ اشاعۃ السنۃ نمبر۸ جلد۱۴ ص۲۰۹ وغیرہ میں بیان ہوا ہے۔

صاحب تلویح نے جو اس حدیث کو موضوع کہا ہے اور اس پر جرح کیا ہے تو اس میں صحیح بخاری یا اس کے مصنف کو نشانہ نہیں بنایا اور نہ یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے۔ کادیانی نے جو کہا ہے کہ تلویح میں لکھا ہے کہ: ’’صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے یہ سفید جھوٹ ہے۔ تلویح میں یہ لفظ ہرگز نہیں لکھا ہے کہ صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے بلکہ تلویح میں اس حدیث کو رد کرنے اور موضوع قرار دینے کے بعد یہ فقرہ لکھا ہے: ’’ایراد البخاری

ایاہ فی صحیحہ لاینافی الانقطاع او کون احد رواتہ غیر معروف ’’جس کا ترجمہ لفظی یہ ہے کہ بخاری کا اس کو اپنی صحیح میں لانا اس کے منقطع اور اسکے راوی کے غیر معروف ہونے کے مخالف نہیں۔‘‘

یہ قول صاحب تلویح کا بقول ملا خسرو محشی تلویح کتاب کشف کے مصنف کے اس سوال کا کہ یہ حدیث بخاری میں ہے: ’’**قولہ ایراد البخاری ایاہ فی صحیحہ لاینافی الانقطاع اقول فیہ ردعلیٰ صاحب الکشف حیث قال ان الامام اباعبداللہ محمد بن اسمعیل البخاری اورد ھٰذا الحدیث فی کتابہ الخ** ص ۸۶‘‘ ردو جواب ہے۔ صاحب تلویح اس کے جواب میں گویا یہ کہتے ہیں کہ اگر بقول تمہارے یہ حدیث بخاری میں ہے تو بھی صحیح نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ یہ منقطع وغیر متصل ہے اور اس کا راوی غیر معروف ہے۔ صاحب تلویح نے صاحب کشف کے قول کو بطور فرض محال تسلیم کر کے اس کا یہ جواب دیا ہے۔ خود اپنے علم یا رویت سے اس حدیث کا بخاری میں ہونا بیان نہیں کیا۔

کادیانی نے غضب کیا ہے۔ یہ لفظ کہ ’’بخاری میں یہ حدیث ہے‘‘ از خود گھڑ لیا اور صاحب تلویح کی طرف منسوب کر کے اس پر افتراء کیا۔

مباحثہ لدھیانہ کے جلسہ آخیر میں کادیانی کو اس کے اس کذب پر متنبہ کیا گیا تو کادیانی اور اس کے ایک کاسہ لیس نے اس کے جواب میں عذر بدتر از گناہ کیا اس جھوٹ پر کئی اور جھوٹ کا ملمع چڑھا دیا۔ کادیانی نے اپنے (ازالہ ص۸۷۱،۸۷۲، خزائن ج۳ ص۵۷۵،۵۷۶) میں کہا ہے: ’’ظاہر ہے کہ صاحب تلویح نے بطور شاہد اپنے تئیں قرار دے کر بیان کیا ہے کہ وہ حدیث (یعنی ’’**عرض الحدیث علی القراٰن**‘‘) کی حدیث بخاری میں موجود ہے۔ اب اس کے مقابلہ پر یہ عذر پیش کرنا کہ نسخہ جات موجودہ بخاری جو ہند میں چھپ چکی ہیں۔ ان میں یہ حدیث موجود نہیں۔ سراسر ناسمجھی کا خیال ہے۔ کیونکہ علم محدود کے علم سے بکلی عدم شئے لازم نہیں آتا۔ جس حالت میں ایک سرگروہ مسلمانوں کا اپنی شہادت رؤیت سے اس حدیث کا بخاری میں ہونا بیان کرتا ہے اور آپ کو یہ دعویٰ نہیں اور نہ کر سکتے ہیں کہ تمام دنیا کے نسخہ جات بخاری کے قلمی وغیر قلمی آپ دیکھ چکے ہیں...... اگر ثانی الحال کوئی نسخہ قلمی نکل آوے جس میں یہ حدیث موجود ہو تو پھر آپ کا کیا حال ہو۔ مؤمن کی شہادت عند

الشرع قابل پذیرائی ہوتی ہے اور فقط ایک کی شہادت رویت ماہ رمضان سے تمام دنیا کے مسلمانوں پر روزہ رکھنا فرض ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں علامہ تفتازانی صاحب تلویح کی شہادت بالکل ضائع اور نکمی نہیں ہوسکتی...... اگر صاحب تلویح اپنی رؤیت میں کاذب ہوتا تو اسی زمانہ میں علماء کی زبان سے اس کی تشنیع کی جاتی اور اس سے جواب پوچھا جاتا اور جب کہ کوئی جواب پوچھا نہیں گیا تو یہ دوسری دلیل اس بات پر ہے کہ درحقیقت اس کی رؤیت صحیح تھی اور ان سب کا سکوت بطور شواہد مل کر اس امر کو اور بھی قوت دیتا ہے کہ درحقیقت وہ حدیث صاحب تلویح نے بخاری میں دیکھی تھی۔''

ایسا ہی کادیانی کے ایک کاسہ لیس نے جس کا ظاہر کادیانی کے باطن کا فوٹو اور عکس ہے۔ مباحثہ مطبوعہ کے حاشیہ میں لکھا ہے۔

اس کلام میں کادیانی نے اوّل سے آخر تک جو کچھ کہا ہے وہ سراسر کذب ومغالطہ ہے۔ علامہ تفتازانی نے کتاب تلویح میں اس حدیث کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ ہم نے نقل کر دیا ہے۔ اس میں علامہ نے نہ اس حدیث کا بخاری میں موجود ہونا بیان کیا ہے نہ اس حدیث کے متعلق اپنی رؤیت ظاہر کی ہے اور نہ اس حدیث کے بخاری میں ہونے کی شہادت دی ہے۔ اس کا کلام مذکور صرف صاحب کشف کے قول کا جواب ہے وبس۔ اب کادیانی کے اکاذیب ومغالطات کو دیکھیں کہ (۱) پہلے اس فقرہ کا کہ صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے۔ علامہ پر افتراء کیا۔ (۲) پھر علامہ کی رؤیت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ (۳) پھر علامہ کو اس بیان کا کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے، گواہ بنایا۔ (۴) پھر اس کی تائید میں یہ مسئلہ گھڑ لیا کہ ایک شخص کی رؤیت ہلال رمضان سے تمام دنیا کے مسلمانوں پر روزہ فرض ہو جاتا ہے جو علی الاطلاق کسی مذہب حنفی یا شافعی یا اہل حدیث کا مسئلہ نہیں۔ (۵) پھر دوسرے علماء کے اس دعویٰ رویت پر سکوت کو شہادت بنا دیا اور ان اکاذب ومغالطات سے اپنا دجال ہونا ثابت کیا ہے۔

جو شخص تلویح کو اس مقام سے دیکھے گا وہ صاف یقین کرے گا کہ جو کچھ کادیانی نے کہا ہے صاف جھوٹ ہے۔ علامہ تفتازانی نے نہ یہ کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے۔ نہ یہ کہا ہے کہ میں نے اس میں خود دیکھی ہے اور نہ اس حدیث کے متعلق علامہ کا بیان اس حدیث کے صحیح بخاری میں پائے جانے کی نسبت شہادت ہے اور نہ اور علماء کا اس پر سکوت کی شہادت ہوسکتی ہے۔

کادیانی نے جو یہ دھوکہ دیا اور کہا ہے کہ شاید کسی قلمی نسخہ صحیح بخاری میں یہ حدیث ہو گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث موضوع وافتراء کفار کا صحیح بخاری میں ہونا ایسا محال اور یقیناً ناممکن ہے۔ جیسا کسی نسخہ قرآن شریف یا صحیح بخاری میں شراب یا خنزیر کی حلت کا ہونا ناممکن ہے۔ اگر کوئی کادیانی کا بھائی یہ کہہ دے کہ ایک قلمی نسخہ قرآن میں اس مضمون کی آیت ہے کہ خنزیر حلال ہے اور صحیح بخاری کے ایک قلمی نسخہ میں اس مضمون کی حدیث میں نے دیکھی ہے تو اس کے جواب میں مسلمان یہی بات کہیں گے کہ ایسی آیت اور حدیث کا قرآن اور صحیح بخاری میں ہونا ناممکن ہے اور کوئی شخص بجز کادیانی یہ تجویز نہ کرے گا کہ شاید کسی قلمی نسخہ میں یہ آیت وحدیث ہو۔

ایسا ہی محدثین کے نزدیک اس حدیث کا صحیح بخاری میں ہونا ناممکن ہے۔ کیونکہ اس حدیث کا موضوع وافتراء کفار ہونا اور اس کے مضمون کا مخالف ومعارض قرآن ہونا محدثین کے نزدیک مسلم ہے اور صحیح بخاری موضوعات اور معارضات قرآن سے بالاتفاق پاک ہے۔

اس بیان سے یہ شبہ پیدا ہوگا کہ یہ حدیث ایسی موضوع وافتراء کفار ہے تو علامہ نے نہ ہی صاحب کشف نے اس کو صحیح بخاری کی حدیث کیوں سمجھا اور علامہ نے اس کے جواب میں صاف کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ حدیث موضوع ہے اور بخاری میں اس کے موجود ہونے کا دعویٰ غلط ہے یا اور اصولیوں نے اس کو اس کتاب میں وارد کر کے اس سے کیوں استدلال کیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص نے اس حدیث کو صحیح بخاری کی حدیث قرار دیا یا کسی اور کتاب کی حدیث صحیح سمجھا اس نے دوسرے سے سنی سنائی بات پر اعتماد کیا۔ بچشم خود حدیث کی کتابوں کی طرف رجوع نہیں اور یہ امر غیر واقع ومستبعد نہیں ہے۔ بہت ایسے اکابر گزرے ہیں جن کو خاص خاص فنون کا شغل وتعلق رہا ہے۔ جن میں ان کو امامت کا درجہ حاصل ہوا۔ دوسرے فنون کی طرف ان کو توجہ کرنے کا موقع نہیں ملا اور یہ امر ان کے رتبہ امامت میں جو خاص خاص فنون میں ان کو حاصل تھا خلل انداز نہیں سمجھا گیا۔

اس کی تائید میں ہم ایک عام شہادت پیش کرتے ہیں جو بمنزلہ اصول ہے۔ پھر ایک خاص شہادت پیش کریں گے جو اس عام اصول کی تمثیل ہوگی۔

عام شہادت

تذکرۃ الحفاظ ملخص طبقات ذہبی میں نوح کی نسبت کہا ہے کہ: ''نوح الجامع لجلالة فی العلم ترک حدیثه و کذٰلک شیخه مع عبادته فکم من امام فی فن مقصر عن غیره کسیبویه مثلاً امام فی النحو ولا یدری ما الحدیث ووکیع امام فی الحدیث ولایعرف العربیة وکابی نواس راس فی الشعر عری من غیره وعبدالرحمٰن بن مهدی امام فی الحدیث لا یدری ما الطب قط ومحمد بن الحسن راس فی الفقه لایدری ما القرأة وکحفص امام فی القرأة تالف فی الحدیث وللحرب رجال یعرفون بها (ملخص طبقات ذهبی) '' وہ جامع اور علم میں جلیل الشان تھا۔ متروک الحدیث تھا اور بہت سے لوگ ایسے گزرے ہیں جو ایک فن میں امام تھے۔ دوسرے میں قاصر۔ جیسے سیبویہ نحو میں امام تھے اور یہ نہ جانتے تھے کہ حدیث کیا چیز ہے اور وکیع حدیث میں امام تھے علم ادب نہ جانتے اور ابونواس شعر میں رئیس تھے اور فنون سے عاری اور عبدالرحمٰن بن مہدی حدیث میں امام تھے اور نہ جانتے طب کیا ہے اور امام محمد بن حسن (شاگرد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) فقہ کے سر تھے اور نہ جانتے علم قرأت کیا چیز ہے اور امام حفص قرأت میں امام تھے۔ حدیث سے خالی۔ (چنانچہ کہا گیا ہے) لڑائی کے لئے مخصوص لوگ ہوتے ہیں جو اس سے پہچانے جاتے ہیں۔

خاص شہادت

مفسرین اور فقہاء اصولین اپنی کتابوں میں بہت سی ایسی احادیث لائے ہیں جو موضوع اور ضعیف ہیں اور اس امر کو محدثین اور ان فقہاء نے جن کو علم حدیث میں دخل ہے بڑی شد و مد کے ساتھ بیان کیا ہے۔

طیبی شارح مشکوٰۃ نے رسالہ اصول حدیث میں کہا ہے: ''والواضعون للحدیث اصناف واعظمهم ضرراً من انتسب الی الزهد فوضع احتساباً ووضعت الزنادقة ایضاً جملا ثم نهضت جها بذة الحدیث بکشف عوارها ومحو عارها والحمد لله وقد ذهبت الکرامیة والطائفة المتبدعة الی جواز وضع الحدیث فی الترغیب والترهیب ومنه ماروی عن ابی عصمة نوح

ابن ابی مریم انه قیل له من این لک عن عکرمة عن ابن عباس فی فضائل القراٰن سورة سورة فقال انی رأت الناس قد اعرضوا عن القراٰن واشتغلوا بفقه ابی حنیفة ومغازے محمد بن اسحاق فوضعت هٰذه الاحادیث حسبة وقد اخطاء المفسرون فی ابداعها فی تفاسیرهم الا من عصمه الله ومما ادعوا فیها انه قال ﷺ حین قراء ومنوٰة الثالثة الاخری تلک الغرانیق العلیٰ اون شفاعتهن لترجی ولقد اشبعنا القول فی ابطاله فی باب سجدة التلاوة وکذا ما اورده الا صولیون من قوله اذا روی عنی حدیث فاعرضوه علی کتاب الله فان وافقه فاقبلوه وان خالفه فردوه قال الخطابی وضعه الزنادقة ویدفعه قوله انی قدا وتیت الکتاب وما یعد له ویروے اوتیت الکتاب ومثله معه (رساله اصول طیبی) ''حدیثیں وضع کرنے والے کئی قسم کے لوگ ہیں۔ ازانجملہ بہت ضرر رساں لوگ ہیں جو زاہد کہلاتے ہیں۔ انہوں نے بامید ثواب حدیثیں وضع کی ہیں اور بعض زندیقوں (چھپے مرتدوں) نے بھی حدیثیں وضع کی ہیں۔ پھر ماہرین حدیث کھڑے ہوگئے اور انہوں نے ان کے عیب کھول دیئے اور اس ننگ کو جوان احادیث کے سبب اسلام کو لاحق ہوا تھا مٹا دیا۔ کرامیہ (معتزلہ کا ایک فرقہ ہے) اور بعض بدعتی بھی ثواب کی رغبت دلانے اور ڈرانے کے لئے حدیثوں کو وضع کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ اس کی ایک مثال وہ ہے جو ابوعصمہ نوح ابن ابی مریم سے منقول ہے کہ اس کو کسی نے پوچھا کہ تیرے پاس جو فضائل قرآن میں عکرمہ عن ابن عباس کی حدیثیں ہیں یہ تو نے کہاں سے لی ہیں تو اس نے جواب دیا میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ قرآن کی طرف توجہ نہیں کرتے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ اور محمد بن اسحاق کے جنگ ناموں سے مشغول ہیں تو میں نے خدا کے لئے یہ حدیثیں ازخود بنائیں۔ بے شک تمام مفسرین (جیسے واحدی، زاہدی، بیضاوی وغیرہ مشاہیر مفسرین) نے بجز ان لوگوں کے جن کو خدا نے بچالیا خطاء کی کہ ان احادیث کو اپنی تفاسیر میں نقل کر دیا اور منجملہ موضوعات وہ حدیث ہے جن کو مفسرین تفاسیر میں لائے ہیں جس کا یہ مضمون ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورۂ نجم میں ''ومنوة الثالثة الاخرے'' پڑھا تو اس کے بعد ''تلک الغرانیق العلی وان شفاعتهن لترتجی'' بھی ان کی زبان سے نکل گیا۔ ہم نے اس روایت کے ابطال میں باب السجدة تلاوة میں بتفصیل بحث کی ہے۔

وازانجملہ وہ حدیث موضوع ہے جس کو اصولی اپنی کتابوں میں لائے ہیں کہ جب کوئی حدیث مجھ سے روایت ہو تو اس کو کتاب اللہ پر پیش کرو۔ موافق ہو تو قبول کرو۔ ورنہ رد کرو۔ خطابی نے کہا ہے کہ اس کو چھپے زندیقوں نے وضع کیا اور اس کو آنحضرت کا یہ قول رد کرتا ہے کہ میں قرآن دیا گیا ہوں اور اس کی مثل (یعنی حدیث) اس مضمون کے اور بہت سے محدثین کے اقوال ہیں۔ جن میں انہوں نے ان احادیث موضوعہ کو نقل کرنے والے مفسرین کے حق میں کہا ہے: ''فلیسو من اهل هٰذا الشان'' یعنی وہ لوگ فن حدیث کے اہل نہ تھے۔

شیخ عبدالحق صاحب فقیہ ومحدث دہلوی احادیث کتاب ہدایہ کی نسبت شرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں: ''وکتاب ہدایہ کہ در دیار ما مشہور معتبر ترین کتابہا است نیز درین ہم انداختہ چہ مصنف وے رحمۃ اللہ علیہ دراکثر بنائے کار بردلیل معقول نہادہ واگر حدیثے آوردہ نزد محدثین خالی از ضعفے نہ غالباً اشتغال وقت آن استاد درعلم حدیث کمتر بودہ است۔''

کادیانی شاید ان اقوال کے ذریعہ سے بھی عوام حنفیہ کو مشتعل کرے اور یہ کہے کہ ان میں فقہاء واصولین کی تنقیص وتوہین پائی جاتی ہے۔ مگر وہ یادرکھے کہ جیسے پہلے بہتان توہین امام ابوحنیفہ میں اس کو کامیابی ہوئی ہے۔ ویسے ہی اس اشتعال میں ہوگی۔ خواص علماء حنفیہ خوب جانتے ہیں کہ ان اقوال میں مفسرین واصولین وفقہاء کی توہین نہیں ہوتی۔ ہوتی تو اکابر حنفی علماء امثال شیخ عبدالحق دہلوی کی زبان سے یہ اقوال نہ نکلتے۔

(۲) شریک کی حدیث میں لفظ ''قبل ان یوحی'' کا غلط ہونا جو امام نووی سے کادیانی نے نقل کیا ہے اس کا جواب منقول ہو چکا ہے کہ یہ شریک کی غلطی نہیں بلکہ یہ معترضین کی غلط فہمی ہے۔

وکم من عائب قولاً صحیحاً وآفتہ من الفھم السقیم

(۳) حدیث ''اقض بینی وبین هذا الکاذب'' کا جھوٹا ہونا جو کادیانی نے امام نووی سے نقل کیا ہے۔ اس میں کادیانی نے کذب وخدع سے کام لیا اور اپنا دجال ہونا ثابت کیا ہے۔ امام نووی ہرگز اس بات کا قائل نہیں کہ یہ حدیث یا یہ الفاظ راوی کا کذب ہے۔ امام نووی نے صرف مازری سے یہ نقل کیا ہے کہ اگر ان الفاظ کی کوئی تاویل نہ ہوسکے اور باب تاویل بند ہو جاوے تو راوی کی طرف کذب منسوب کیا جائے گا۔ مگر آگے چل کر اسی مازری سے یہ بھی نقل کر دیا ہے کہ جب کہ اس لفظ کا ثابت اور صحیح سمجھنا ضروری ہے تو اس لفظ

کی تاویل ہوسکتی ہے اور اس کو بیان کیا۔

اس مقام میں امام نووی کا پورا کلام نقل کیا جاتا ہے تاکہ اس سے ناظرین کو کادیانی کے کذب کا یقین ہو اور اس کے دجال ہونے کی تصدیق۔

امام نووی نے شرح مسلم جلد دوم کے ص۹۰ میں کہا ہے: ’’قال المازری هذا اللفظ الذی وقع لا یلیق ظاهره بالعباس وحاش لعلی ان یکون فیه بعض هذه الاوصاف فضلا عن کلها ولسنا نقطع بالعصمة الا للنبی ﷺ ولمن شهد له بها لکنا مامورون بحسن الظن بالصحابة رضی الله عنهم اجمعین ونفی کل رذیلة عنهم واذا انسدت طرق تاویلها نسبنا الکذب الی رواتها قال وقد حمل هٰذا المعنی بعض الناس علی ان ازال هٰذه للفظة من نسخته تورعا عن اثبات مثل هذا ولعله حمل الوهم علی رواته قال المازری واذا کان هٰذا للفظ لا بدمن اثباته ولم نصف الوهم الی رواته فاجود ما حمل علیه انه صدر من العباس علی جهة الادلال علی ابن اخیه لانه بمنزلة ابنه وقال مالا یعتقده وما یعلم براة ذمة ابن اخیه منه ولعلّه قصد بذٰلک ردعه عما یعتقد انه مخطی فیه وان هٰذه الاوصاف یتصف بها لوکان یفعل ما یفعله عن قصدوان علیا کان لایراها الا موجبة لذلک فی اعتقاده وهٰذا کما یقول المالکی شارب النبیذ ناقص الدین ولحنفی یعتقد انه لیس بناقص فکل واحد بحق فی اعتقاده ولا بد من هٰذا التاویل لان هٰذه القضیة جرت فی مجلس فیه عمر رضی الله عنه وهو الخلیفة وعثمان وسعد وزبیر وعبدالرحمن رضی الله عنهم ولم ینکر احدمنهم هٰذا الکلام مع تشددهم فی انکار المنکر وما ذٰلک الالانهم فهمو بقرنیة الحال انه تکلم بمالا یعتقد ظاهره مبالغة فی الزجرقال المازری وکذلک قول عمر رضی الله عنه انکما جئتما ابابکر فرایتماه کاذباً اثما غادرا خانیا وکذلک ذکر عن نفسه انهما رایاه کذلک وتاویل هذا علی نحو ما سبق وهوا ان المراد انکما تعتقدان ان الواجب ان نفعل فی هٰذه القضیة خلاف ما فعلته اناوابوبکر فنحن علی مقتضی رأیکما لواتینا ونحن معتقدان ما تعتقد انه لکنا بهٰذه

الاوصاف (شرح مسلم ج۲ ص۹۰) ’’مازری نے کہا یہ ایسا لفظ واقع ہوا ہے جو بظاہر معنی حضرت عباسؓ کے مناسب حال نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت علیؓ کی شان اس سے پاک ہے کہ یہ اوصاف ان میں ہوں اور ہم کو بجز نبیﷺ کے یا اس شخص کے جس کے حق میں نبیﷺ نے شہادت دی ہو۔ کسی کے معصوم ہونے کا یقین نہیں۔ ولیکن ہم تمام صحابہؓ کے حق میں حسن ظن رکھنے اور ان کی نسبت برے خصائل کی نفی کرنے سے مامور ہیں۔ جب باب تاویل بالکل بند ہو جاوے گا تو ہم راوی کی طرف کذب کو منسوب کریں گے۔ بعض لوگوں نے اس لفظ کے یہی معنی (ظاہری) سمجھے تو اپنے نسخہ سے ان الفاظ کو کاٹ دیا۔ شاید اس نے یہ سمجھا ہو کہ ان الفاظ کے بیان میں راوی کو وہم ہو گیا ہے۔ مازری نے کہا ہے کہ جب کہ اس لفظ کا صحیح رکھنا ضروری ہے اور ہم راوی کو وہم سے موصوف نہیں کرتے تو اس کی عمدہ تاویل یہ ہے کہ حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کو اپنا بھتیجا بمنزلہ فرزند سمجھ کر یہ الفاظ زبان سے کہہ دیئے ہیں۔ مگر ان کا یہ اعتقاد نہ تھا کہ حضرت علیؓ ایسے ہی ہیں۔ شاید ان کا مقصود (اس الفاظ سے) یہ تھا کہ حضرت علیؓ اس خیال سے رک جائیں۔ جس خیال میں وہ حضرت عباسؓ کے نزدیک خطاء پر تھے اور یہ مقصود تھا کہ حضرت علیؓ اگر دیدہ دانستہ وہ خطا کرتے ہیں تو ویسے ہیں گو حضرت علیؓ اپنے خیال میں ایسے نہ تھے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی مالکی مذہب شیرۂ انگور یا کھجور پینے والے کو ناقص الدین کہے۔ جس کو حنفی اپنے خیال میں ناقص الدین نہیں سمجھتا اور ان دونوں میں سے ہر ایک شخص اپنے خیال میں حق پر ہے۔ یہ تاویل ضروری ہے کیونکہ یہ مقدمہ حضرت عمرؓ کے جو خلیفہ وقت تھے اور حضرت عثمان وسعد وزبیر وعبدالرحمٰنؓ کے سامنے پیش ہوا۔ ان میں سے کسی نے ان الفاظ پر انکار ظاہر نہ فرمایا۔ باوجودیکہ بری بات پر انکار کرنے میں ان کو تشدد تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بقرینہ حال یہ سمجھا کہ وہ ایسے الفاظ بولتے ہیں جن کے ظاہری معنی مراد نہیں لیتے۔ مازری نے کہا: ایسا ہی (یعنی اسی معنی سے) حضرت عمرؓ کا ان دونوں حضرت عباس وحضرت علیؓ کو یہ کہنا ہے کہ تم ابوبکرؓ کے پاس آئے تو تم نے ان کو کاذب، گنہگار، غادر اور خائن سمجھا۔ ایسا ہی اپنی نسبت ان کا خیال بیان کیا۔ اس کے معنی بنابر تاویل مذکورہ بالا بھی ہیں کہ تم جب کہ یہ سمجھ رہے ہو کہ معاملہ اراضی متنازعہ فیہا میں واجبی امر وہ تھا جو تمہارا خیال ہے تو اس کا یہ مقتضی ہے کہ ہم تمہارے خیال میں کاذب وغادر خائن ہیں۔

اس کلام امام نووی کو ناظرین انصاف سے دیکھیں اور داد انصاف دیں امام نووی نے ان الفاظ کو راوی کا کذب قرار دیا ہے یا ان کی تاویل کر کے ان الفاظ کو صحیح وثابت ٹھہرایا ہے؟

یہ ہم نے تحریر ہشتم کادیانی کے اقوال تفصیلی کا اوّل سے نہم قول تک بطور تمثیل کذب ودھوکہ ظاہر کیا ہے۔ اس تفصیل سے کادیانی کا کذاب دھوکہ باز ہونا بخوبی ثابت ہوگیا ہے اور اس سے ناظرین کو یقین ہوسکتا ہے کہ آئندہ اقوال میں بھی اس نے اسی کذب ودھوکہ بازی سے کام لیا ہوگا۔

اس وقت ہم کو باقی اقوال تحریر مذکور پر بحث کرنے کے لئے نہ وقت ہے اور نہ رسالہ میں جگہ۔ ناظرین کی اگر خواہش ہوئی یا کادیانیوں کی اس قدر سے تسلی نہ ہوئی تو آئندہ کسی پرچہ میں باقی اقوال پر بھی بحث ہوگی۔ ان شاءاللہ تعالیٰ! باقی آئندہ سہی۔

(رسالہ اشاعۃ السنۃ ج۱۴ ش۵ تا ۱۲ ص ۱۱۷ تا ۳۵۲)

ضمیمہ متضمن مسائل مذہب محدثین اہل سنت

نمبر پنجم لغایت دوازدہم جلد چہاردہم (۱۴)

بابت ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۸۹۱ء

حضرات ناظرین! اشاعۃ السنۃ کے اخص معاونین یہ آپ نے مثل مشہور ’’دیر آید درست آید‘‘ کتابوں میں دیکھی ہوگی۔ لوگوں کے منہ سے سنی ہوگی۔ مگر اس کے مضمون کی آپ کو کبھی ایسی تصدیق نہ ہوئی ہوگی جیسی اس دفعہ کی اشاعت کے ملاحظہ سے ہوگی۔ حضرات! بے شک اس دفعہ اشاعۃ السنۃ نے معمولی توقف سے زیادہ توقف کیا۔ (جس کے اسباب راقم کے اس عرصہ میں دوسفر پورب تا برحیم آباد، چار سفر دہلی ایک سفر میرٹھ اور متعدد اسفار اطراف لاہور جو اکثر قومی خدمات کے لئے تھے (۲) اور متعدد مباحثات کادیانیان (۳) اور لحوق امراض بہ کارکناں مطبع وغیرہ ہوئے) مگر اس توقف میں اشاعۃ السنۃ نے وہ کام کیا ہے جو مثل مذکور کا پورا مصداق اور مصدقہ اور قومی خدمات نتیجہ سفر شملہ ومیرٹھ وغیرہ کے علاوہ کادیانی کے مذہب جدید کی بیخ کنی کرنے اور کادیانی کی اصلی حقیقت کھولنے اور عام مسلمانان پنجاب وہندوستان کو اس کے فتنے سے بچانے کا کام اس سے ایسا ہوا ہے کہ آئندہ اس کی چنداں ضرورت نہیں رہی۔ اس نے اس جلد کے آٹھ نمبروں میں اور جلد پانزدہم (پندرہ) کے آٹھ نمبروں میں مطالب ذیل کو اس کے کلام وتصانیف سے اس زور کے ساتھ

ثابت کیا ہے کہ کوئی صاحب فہم واہل انصاف ان کے ملاحظہ کے بعد اس کے دام تزویر میں مبتلا نہ ہوگا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ!

اوّل: کادیانی پکا نیچری ہے اور جو بات اس نے اس وقت تک کہی ہے اس میں سرسید کی شاگردی کی ہے۔ وہ بات بعینہ یا آپ کا اصل اصول سرسید کی کلام میں موجود ہے۔

دوم: جھوٹ بولنے میں وہ ایسا دلیر ہے کہ جھوٹی آیت بنالیتا ہے۔ جھوٹی حدیث وضع کر لیتا ہے۔ علماء اسلام پر افتراء کر کے جھوٹے اقوال نقل کرتا ہے اور کتابوں کے جھوٹے حوالے دیتا ہے۔ لہٰذا اس کے کسی نقل نقال پر مسلمانوں کو اعتماد کرنا حلال نہیں۔

سوم: تاویل کے پردہ اور آڑ میں جھوٹ بولنے اور مغالطہ ودھوکہ دینے میں تو وہ ایسا یکتا ہے کہ اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ اس کا کوئی قول کوئی مضمون اس مغالطہ سے خالی نہیں۔ لہٰذا کسی کم علم مسلمان کو حلال نہیں ہے کہ اس کے کلام میں نظر کرے جب تک کہ اس کے ساتھ ہمارے تعقبات کو نہ دیکھے۔

چہارم: روحانیت اور فقیری اور صفائی باطن سے تو اس کو کچھ مس وتعلق نہیں ہے۔ وہ محض کور باطن ہے اور جو دعویٰ الہامات وبشارات وانکشافات مغیبات ونمائش آسمانی نشانات اور پیشین گوئیوں کا وہ کرتا ہے۔ وہ محض کذب اور مغالطہ ہے۔ اس نے کوئی نشان آسمانی آج تک نہیں دکھایا اور نہ آئندہ دکھا سکتا ہے اور اس کی کوئی پیشین گوئی الہامی نہیں اور نہ وہ خود الہامی ہوسکتا ہے۔

پنجم: اس کا ایک قول دوسرے کا کذب ہے اور ایک کلام دوسرے کا معارض۔ اس اندرونی دلیل کی شہادت سے بھی وہ اس لائق ہے کہ اس کی کسی تصنیف کو کوئی مسلمان نہ دیکھے اور اس کی کسی بات کو کوئی نہ سنے۔ جب تک ہمارے کلام کو نہ دیکھے یا نہ سنے۔

ششم: اس کے ہر ایک دعویٰ اور کارروائی کا اصل اصول دنیا طلبی وزر کشی ہے۔

ایں ہمہ از پے آنست کہ زرمے طلبی

اخلاص للّٰہیت نفع رسانی قوم اور نصرت اسلام سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہے۔

ہفتم: وہ اصول وفروع اسلام کو (العیاذ باللہ) مٹانا چاہتا ہے اور ایک نیا دین ومذہب قائم کرنا چاہتا ہے۔

ہشتم: وہ منجملہ ان تیس دجالوں کے جن کی خبر حدیث میں وارد ہے دجال ہے۔

نہم: وہ علوم ومسائل اسلام سے محض بے خبر ہے۔ گویا امی ہے۔ ’’وعلٰی ھذا القیاس ‘‘ان مطالب کا کامل ثبوت ان پرچوں میں ناظرین دیکھیں گے اور اس سے پہلے کادیانی کے مزخرفات اور باطل خیالات ومقالات کا سابق اثر اکثر بلاد پنجاب اور بعض ہندوستان میں پھیلا ہوا دیکھ کر ان کے رد وازالہ کی ضرورت کو مانتے ہوئے ہوں گے تو وہ ضرور ان نمبروں کا ملاحظہ فرما کر اس مثل کی تصدیق اور ہمارے خیال کی پوری تائید کریں گے اور اس قسم کی نظموں اور تقریظوں سے جو پچھلی اشاعت کے ص۱۱۲ میں درج ہیں۔ اپنی تصدیق وتائید کا اظہار فرمائیں گے۔ ان شاءاللہ تعالیٰ!

ان نمبروں میں کادیانی اور اس کے اتباع کے خطاب میں کسی قدر سختی (مگر واجبی) سے کام لیا گیا ہے۔ شاید یہ امر ان لوگوں کو پسند نہ ہو جو صلح کل کہلاتے ہیں یا نئی روشنی نئی تہذیب کی جھلک رکھتے ہیں لیکن اگر وہ ہماری تحریرات متعلقہ کادیانی کی غرض واصول کو غور وتأمل سے ملاحظہ فرمائیں گے اور اسلامی ہدایت ’’واغلظ علیھم ولا تاخذ کم بما رافة فی دین اللہ‘‘ وغیرہ وغیرہ کو نظر تدبر سے دیکھیں گے تو اس سختی پر معترض نہ ہوں گے۔

ہماری غرض حسب ہدایت آیات مذکورہ یہ ہے کہ کادیانی کے عقائد ومقالات متحدثہ سے (جو باتفاق علماء پنجاب وہندوستان کفر وضلالت قرار دیئے گئے ہیں اور ان عقائد ومقالات کی پیروی سے عوام وبعض ناواقف خواص کے مرتد ہو جانے کا اندیشہ ہے) ان عوام وخواص کو نفرت دلائیں اور اس تنفیر کے ذریعہ ان کو کفر وضلالت سے بچائیں۔

اس غرض کو پورا کرنے اور اس ہدایت کی تعمیل کے لئے ہم کو الفاظ کفر وکافر وکذب وکذاب دجالیت ودجال کا استعمال کرنا ناگزیر ہے اور بجائے ان الفاظ کے کادیانی کے عقائد باطلہ کی نسبت صرف الفاظ غلط یا غیر صحیح یا خطاء کا استعمال کرنا کافی نہیں ہے۔ ہمارے صلح پسند ناظرین اور مہذب ناصحین عوام وخواص کو کفر وضلالت سے روکنے کے لئے ہمارے الفاظ کے سوا اور الفاظ کو کافی سمجھتے ہیں تو ہم کو ان الفاظ سے بادلیل آگاہ کریں۔ ہم آئندہ انہیں الفاظ سے ان لوگوں کو مخاطب کیا کریں گے جو لوگ کادیانی کے معتقد یا حامی ہو کر ہم پر سختی کا اعتراض کریں۔ ان کی خدمت میں یہ غرض ہے کہ وہ حضرات پہلے کادیانی کی کلام کو غور وانصاف سے ملاحظہ کریں۔ اس میں اگر ہمارے مستعملہ الفاظ سے نو حصہ زیادہ سخت

الفاظ ہوں تو ہم کو اس کے دسویں حصہ کے استعمال میں معذور رکھیں۔ کادیانی تو مدعی روحانیت ونبوت اور ولایت عظمیٰ ہے۔ وہ اس قسم کے الفاظ دس گنا استعمال کر چکا ہے تو پھر وہ لوگ علماء ظاہر کے لئے ان کے دسواں حصہ کا استعمال کو کیوں روا نہ رکھیں گے۔

محتسب گر مئے خورد معذور دارد مست را

ان حضرات کو کادیانی کی کلام میں اس قسم کے الفاظ مستعمل ہونے سے انکار ہو تو وہ ہماری کلام میں جس لفظ کو زیادہ سخت سمجھیں اس کی نشان دہی کریں۔ ہم اس لفظ کا کادیانی کی کلام میں اپنی کلام کی نسبت دس گنا زیادہ مستعمل ہونا ثابت کر دکھائیں گے۔ پھر وہ حضرات کادیانی کے ازالہ کو ص۱۲ سے ص۳۶، خزائن ج۳ ص۱۰۸ تا ۱۲۱ تک ملاحظہ کریں جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ واقعی امر نیک نیتی سے اظہار سخت گوئی خلاف تہذیب نہیں ہے۔ اس مقام میں ازالہ کے چند فقرات نقل کئے جاتے ہیں۔

’’پہلی: نکتہ چینی اس عاجز کی نسبت یہ کی گئی ہے کہ اپنی تالیفات میں مخالفین کی نسبت سخت الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے مشتعل ہوکر مخالفین نے اللہ جل شانہ اور اس کے رسول کریم کی بے ادبی کی اور پر دشنام تالیفات شائع کر دیں۔

اما الجواب...... بڑے دھوکہ کی بات یہ ہے کہ اکثر لوگ دشنام دہی اور بیان واقعہ کو ایک ہی صورت میں سمجھ لیتے ہیں اور ان دونوں مختلف مفہوموں میں فرق کرنا نہیں جانتے بلکہ ایسی ہر ایک بات کو جو دراصل ایک واقعی امر کا اظہار ہو اور اپنے محل پر چسپاں ہو۔ محض اس کے کسی قدر مرارت کی وجہ سے جو حق گوئی کے لازم حال ہوا کرتی ہے دشنام ہی تصور کر لیتے ہیں۔ حالانکہ دشنام اور سب اور شتم فقط اس مفہوم کا نام ہے جو خلاف واقعہ دروغ کے طور پر محض آزار رسانی کی غرض سے استعمال کیا جائے اور اگر ہر ایک سخت اور آزاردہ تقریر کو محض بوجہ اس کے مرارت اور تلخی اور ایذاء رسانی کے دشنام کے مفہوم میں داخل کر سکتے ہیں تو پھر اقرار کرنا پڑے گا کہ سارا قرآن شریف گالیوں سے پر ہے۔ کیونکہ جو کچھ بتوں کی ذلت اور بت پرستوں کی حقارت اور ان کے بارے میں لعنت ملامت کے سخت الفاظ قرآن شریف میں استعمال کئے گئے ہیں یہ ہرگز ایسے نہیں ہیں جن کے سننے سے بت پرستوں کے دل خوش ہوئے ہیں بلکہ بلاشبہ ان الفاظ نے ان کے غصہ کی حالت کی بہت تحریک کی ہوگی۔ کیا خدا تعالیٰ کا کفار مکہ کو

مخاطب کر کے یہ فرمانا کہ ’’انکم وماتعبدون حصب جهنم ‘‘معترض کے من گھڑت قائدہ کے موافق گالی میں داخل نہیں ہے۔ کیا خدا تعالیٰ کا قرآن شریف میں کفار کو شرالبریہ قرار دینا اور تمام رزیل اور پلید مخلوقات سے انہیں بدتر ظاہر کرنا یہ معترض کے خیال کے رو سے دشنام دہی میں داخل نہیں ہوگا۔ کیا خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں ’’واغلظ عليهم ‘‘نہیں فرمایا۔ کیا مؤمنوں کی علامات میں ’’اشداء على الكفار ‘‘نہیں رکھا گیا۔ کیا حضرت مسیح کا یہودیوں کے معزز فقیہوں اور فریسیوں کو سؤر اور کتے کے نام سے پکارنا اور گلیل کے عالی مرتبہ فرمانروا ہیرودیس کا لومڑی نام رکھنا اور معزز سردار کاہنوں اور فقیہوں کو کنجری کے ساتھ مثال دینا اور یہودیوں کے بزرگ مقتداؤں کو جو قیصری گورنمنٹ میں اعلیٰ درجہ کی عزت دار اور قیصری درباروں میں کرسی نشین تھے۔ ان کریہہ اور نہات دل آزار اور خلاف تہذیب لفظوں سے یاد کرنا کہ تم حرام زادے ہو اور حرام کار ہو۔ شریر ہو۔ بدذات ہو۔ بے ایمان ہو۔ احمق ہو۔ ریاکار ہو۔ شیطان ہو۔ جہنمی ہو۔ تم سانپ ہو۔ سانپوں کے بچے ہو۔ کیا یہ سب الفاظ معترض کی رائے کے موافق فاش اور گندی گالیاں نہیں ہیں۔‘‘

اس کے بعد ص۳۶ تک قرآن اور انجیل کے سخت الفاظ کی اور تفصیل کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ وہ سخت گوئی اور گالیاں نہیں بلکہ حق گوئی ہے۔ اس کلام کو دیکھ کر کادیانی کے حامی ہمارا ان الفاظ کو جو کادیانی کے حق میں علماء پنجاب وہندوستان کے اتفاق واجازت سے اور کمال نیک نیتی سے لکھے گئے ہیں۔ ہرگز سخت گوئی خلاف تہذیب نہ کہیں گے بلکہ سراسر حق گوئی اور مسلمانوں کی خیرخواہی تسلیم کریں گے اور ان کے مقابلہ میں کادیانی کے ان الفاظ کو جو ہمارے اور اپنے تمام مخالفین علماء کے حق میں وہ فیصلہ آسمانی اور ’’وساوس‘‘ کادیانی دیگر تصانیف میں شائع کر چکا ہے۔ فحش گالیاں قرار دیں گے اور کادیانی کے اس اصول وبیان ازالہ کی حد جواز سے ان کو خارج تسلیم کریں گے۔

امر دوم: کادیانی نے یہ مباحثہ چھپوایا تو اس کے اکثر پرچوں کو الٹ پلٹ کر دیا۔ سوال کوئی ہے اور اس کا جواب کوئی اور لگا دیا۔ ناظرین اس کے مطبوعہ مباحثہ کو ہمارے رسالہ سے مقابلہ کر کے ملاحظہ میں لائیں گے تو اس سے کادیانی کے دجال وکذاب ہونے کا یقین فرمائیں گے۔ (اشاعۃ السنہ ج۱۴ ش۴ ص۱۱۳ تا ۱۱۶)

حاشیہ جات

۱؎ یہاں تو ان اصول کو پیش کرنے کی اجازت دی ہے۔ بلکہ خود بھی اس قسم کے اصول پیش کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے مگر اب بعد از فرار وشکست یا بی ان اصول کو بیہودہ ولایعنی کہا جاتا ہے۔ ناظرین اس سے ان حضرات کے صدق وانصاف کا اندازہ کریں۔

۲؎ قولہ: اطلاع نہیں یہ محض کذب ہے اور ممکن نہیں کہ آپ نے ان اصول کو نہ دیکھا ہو۔ رسالہ اشاعۃ السنۃ نمبر۱،۲،۳ جلد۱۳ آپ کے پاس پہنچا اور وہ آپ کے جواب وخطاب میں ہے۔ پھر کیا امکان تھا کہ آپ اس رسالہ کو نہ دیکھتے۔ آپ نے اپنے خط نمبری ۹ مؤرخہ ۲۰؍اپریل ۱۸۹۱ء میں میرے ان اصول کو لغو قرار دیا ہے جس سے صاف ثابت ہے کہ آپ کو ان پر اطلاع ہوئی ہے۔ نہ ہوتی تو آپ ان کو لغو نہ کہتے اور اگر اس کے جواب میں یہ کہیں کہ ہم نے قبل از اطلاع ان کو لغو کہا تھا تو اس سے آپ کی اور ایمانداری اور راست شعاری وحق طلبی ثابت ہوتی ہے کہ ایک امر کو قبل از علم لغو کہہ دیا۔ بہرحال آپ کے اس قول سے آپ کی راستی وحق طلبی کو بٹہ لگتا ہے۔

۳؎ آپ نے رسالہ پڑھنے سے روک دیا اور یہ کہا کہ رسالہ مجھے دے دیں میں خود ان اصول کو دیکھتا اور ان کی نسبت اپنی رائے لکھتا ہوں۔

۴؎ قولہ: معنے کئے جاتے ہیں۔ معنے حدیث سے سوال نہ تھا صرف صحت حدیث سے سوال تھا جو الفاظ سے متعلق ہے نہ معانی سے۔ معانی ہمیشہ الفاظ کے تابع ہوتے ہیں۔ جس حدیث کے الفاظ صحیح ہوں اس کے معنے صحیح ہوسکتے ہیں اور وہ قرآن شریف کے مواق ومطابق کئے جاسکتے ہیں اور جس حدیث کے الفاظ غیرصحیح ہوں اس کے معنے باوجودیکہ بجائے خود صحیح ومطابق قرآن ہوں قابل اعتبار نہیں ہوتے اور وہ اپنے الفاظ کے تابع ہوکر غیرصحیح وناقابل اعتبار سمجھے جاتے ہیں۔ لہٰذا ہر ایک منصف وطالب حق کا فرض ہے کہ جب وہ کسی حدیث سے تمسک کرنا چاہے تب پہلے اس کی صحت الفاظ کی تحقیق کرے۔ پھر اس کے معانی کی طرف رجوع کرے جو بصورت صحت الفاظ صحیح وموافق قرآن ہوسکتے ہیں۔ کادیانی نے جو بحث صحت الفاظ کو چھوڑ کر پہلے ہی سے صحت معانی کی طرف رجوع کیا ہے تو اس سے اس کا مقصود احقاق حق نہیں ہے بلکہ بحث سے خروج اور احقاق حق سے گریز اس کا مقصود ہے۔ ناظرین اسی ایک امر کو توجہ سے ملاحظہ کریں گے تو اس سے کادیانی کے خروج از بحث وشکست وفرار کا یقین کریں گے۔ ان شاءاللہ تعالیٰ!

جو لوگ کادیانی کے اس جواب کو (جس سے بڑھ کر اس نے تمام مباحثہ میں ہمارے اصل سوال کا جواب نہیں دیا) ہمارے سوال کا کافی جواب سمجھتے ہیں۔ وہ اس منصفانہ اصول کو توجہ سے پیش نظر رکھیں تو یقین

کریں کہ کادیانی نے ہمارے سوال کا شروع مباحثہ سے اخیر تک جواب نہیں دیا۔ ہمارا سوال صحت الفاظ حدیث سے ہے۔ اس کا جواب صحت معانی کے متعلق ہے۔ ونیز اس کا جواب ایک شرطی جواب ہے کہ: ”اگر کسی حدیث کے معنے قرآن کے موافق پائیں گے تو اس کو صحیح سمجھیں گے ورنہ موضوع قرار دیں گے۔“ ہمارا مطلوب قطعی جواب ہے جو ”اگر“ اور ”مگر“ سے ادا نہیں ہوتا اور وہ یہ تصریح چاہتا ہے کہ بخاری مسلم وغیرہ کتب حدیث کی احادیث (خواہ ان کو اس شرطی اصول روایت مجوزہ کادیانی سے پرکھا جائے یا اصول روایت مجوزہ محدثین سے) سب کے سب صحیح ہیں یا نہیں ہیں اور یہ جواب مرزا کی کلام میں اوّل سے آخر تک صاف وصریح طور پر پایا نہیں جاتا بلکہ جابجا اس کے بیان سے گریز وفرار وخروج از بحث پایا جاتا ہے۔ جس کی یہ پہلی دفعہ ہے۔

۵ قولہ: موضوع قرار دیں گے۔ اس تجویز کو آپ آئندہ جوابات میں خاص کر صحیح بخاری ومسلم کی نسبت بھی بتصریح ظاہر فرما چکے ہیں۔ ناظرین آپ کے اقوال اور ہمارے نوٹوں کو توجہ سے دیکھتے جائیں اور پھر انصاف سے کہیں کہ آپ بخاری ومسلم کی جملہ احادیث کو صحیح جانتے ہیں اور آپ کا اقرار اشتہار یکم راگست ۱۸۹۱ء کہ میں صحیحین کو بسروچشم مانتا ہوں اور بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ جانتا ہوں۔ دل سے ہے؟ ہرگز نہیں۔

(۶، ۷ آیہ: ”فبای حدیث بعد اللہ وایاتہ یؤمنون“ کا ترجمہ کادیانی نے جوان الفاظ سے کیا ہے کہ: ”تم بعد اللہ اور اس کی آیات کی کس حدیث پر ایمان لاؤ گے“ تو اس میں حاضرین جلسہ اور اپنے بے علم اتباع کو یہ جتانا چاہا ہے کہ خداتعالیٰ نے حدیث نبوی کا حکم خود قرآن میں یہ بیان فرمایا ہے کہ آیات قرآن کے ہوتے کسی حدیث نبوی کو نہ مانو اور اس معنے کے بیان سے اپنا ملحد ومحرف قرآن ہونا ثابت کر دکھایا ہے۔ کادیانی کے اتباع میں اگر ایک ذرہ بھی فہم وانصاف ہو تو وہ صرف اسی جرأت کی نظر سے اس کو پورا ملحد ومحرف قرآن سمجھ لیں اور اس کی اتباع سے دست بردار ہو جائیں۔ اس آیہ میں لفظ حدیث سے اصطلاحی حدیث نبوی جو وحی خفی اور الہام الٰہی ہے ہرگز مراد نہیں ہے بلکہ حدیث کے لغوی معنی (بات چیت) مراد ہے جس کو اصطلاحی معنی حدیث نبوی وحی خفی سے یہاں تعلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس آیہ میں یہ ارشاد فرماتا ہے کہ لوگ خدا کی آیات کو چھوڑ کر اور کس بات پر ایمان لائیں گے۔

اس بات سے خاص کر آنحضرتﷺ کی حدیث مراد ٹھہرانا یا اس بات سے عام باتیں مراد ٹھہرا کر آنحضرتﷺ کی حدیث کو ان میں داخل وشامل سمجھنا اس اعتقاد کو ظاہر کرنا ہے کہ آنحضرتﷺ کی حدیث وحی خفی والہام الٰہی اور معنی آیات اللہ میں داخل نہیں۔ جس پر کوئی مسلمان جرأت نہیں کر سکتا اور قرآن مجید کی وہ آیات جن میں ارشاد ہے کہ: ”ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا

(الحشر:۷) ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ (النجم:۳،۴) ’’آنحضرتﷺ جو کہ تمہیں دیں (یعنی فرمادیں) تم قبول کرو اور جس سے روکیں اس سے باز آؤ اور ارشاد ہے آنحضرتﷺ جو کچھ (دین میں) فرماتے ہیں وہ وحی سے کہتے ہیں اپنی خواہش نفس سے نہیں کہتے۔ اس اعتقاد کے کذب وضلالت ہونے پر شاہد عدل ہیں۔

کادیانی نے اپنے (ازالہ ص۳۳۵،۳۴۱،۶۰۱، خزائن ج۳ ص۲۷۰،۲۷۴،۴۲۴) میں خود اقرار کیا ہے کہ قرآن کے کوئی معنی عام محاورہ قرآن کے مخالف اپنے دل سے گھڑ لینا الحاد وتحریف ہے۔ اس کے اس اقرار وشہادت سے بھی اس کی اس جرأت کا کہ آیہ قرآن کے لفظ حدیث سے حدیث نبوی مراد ہے۔ الحاد وتحریف ہونا ثابت ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کے جس مقام میں لفظ حدیث استعمال ہوا ہے اس سے اصطلاحی حدیث نبوی جو وحی خفی کہلاتی ہے مراد نہیں ہے بلکہ اس سے حدیث کے لغوی معنی بات مراد ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ مختلف صورت میں (حدیث، الحدیث، حدیثاً) سے بائیس مقام میں وارد ہے جو نقشہ ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں۔

نمبر	مقام	آیہ قرآن	ترجمہ
۱	نساء:۱۴۰	حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ	آیات قرآن سے انکار وہنسی کرنے والوں کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ کوئی اور بات کریں۔
۲	انعام:۶۸	ایضاً	ہماری آیتوں میں ٹٹول کرنے والوں سے منہ پھیرو یہاں تک کہ وہ اور بات میں ٹٹول کریں۔
۳	اعراف:۱۸۵	فبای حدیث بعدہ یؤمنون	ہماری بات کو چھوڑ کر کس بات میں ایمان لاویں گے۔
۴	کہف:۶	ان لم یؤمنوا بھذا الحدیث اسفاً	شاید تو افسوس سے اپنا گلا گھونٹ ڈالے کہ وہ اس بات پر ایمان نہیں لائے۔
۵	طہٰ:۲۲	ھل اتاک حدیث موسیٰ	کیا تجھے موسیٰ کی بات (یعنی حکایت) پہنچی ہے۔
۶	لقمان:۶	ومن الناس من یشتری لھو الحدیث	بعض ایسے لوگ ہیں جو کھیل کی باتیں (یعنی قصے کہانیاں) خریدتے ہیں۔
۷	احزاب:۵۳	ولامستأنسین لحدیث	آنحضرتﷺ کے گھر میں آپس میں کی باتوں میں جی لگاتے نہ ٹھہرے رہو۔

۸	زمر:۲۳	اللہ نزل احسن الحدیث کتابا متشابھا	خدائے تعالیٰ نے اچھی بات اتاری کتاب آپس میں ملتی۔
۹	جاثیہ:۶	فبای حدیث بعد اللہ و اٰیاتہ یؤمنون	پھر اللہ اور اس کی آیات کو چھوڑ کر کس بات کو مانیں گے۔
(یہ وہ آیت ہے جس کے ترجمہ میں کادیانی نے تحریف والحاد سے کام کیا ہے)			
۱۰	ذاریات:۲۴	ھل اتاک حدیث ضیف ابراھم المکرمین	تجھے ابراہیم کے معزز مہمانوں کی بات پہنچی ہے؟
۱۱	طور:۳۴	فلیأتوا بحدیث مثلہ ان کانوا صادقین	وہ سچے ہیں تو ایسی ہی کوئی بات لے آویں۔
۱۲	واقعہ:۸۱	افبھذا الحدیث انتم مدھنون	کیا اس بات میں تم سستی کرتے ہو۔
۱۳	نجم:۵۳	افمن ھذا الحدیث تعجبون	کیا اس بات سے تعجب کرتے ہو۔
۱۴	القلم:۴۴	فذرنی ومن یکذب بھذا الحدیث	چھوڑ دے مجھے اور اس بات کے جھٹلانے والوں کو۔
۱۵	مرسلت:۵۰	فبای حدیث بعدہ یؤمنون	اس کو چھوڑ کر کس بات پر ایمان لائیں گے۔
۱۶	نازعات:۱۵	ھل اتاک حدیث موسیٰ	کیا تجھے موسیٰ کی بات پہنچی۔
۱۷	بروج:۱۷	ھل اتک حدیث الجنود	کیا تجھے لشکروں کی بات پہنچی۔
۱۸	غاشیہ:۱	ھل اتک حدیث الغاشیہ	کیا تجھے ڈھانکنے والی (یعنی قیامت) کی بات پہنچی۔
۱۹	نساء:۴۲	ولا یکتمون اللہ حدیثاً	اللہ سے کوئی بات نہ چھپائیں گے۔
۲۰	نساء:۷۸	فما لھو لآء القوم لایکادون یفقھون حدیثاً	ان کو کیا ہوگیا کہ یہ ایک بات بھی سمجھتے نہیں لگتے۔
۲۱	یوسف:۱۱۱	ماکان حدیثاً یفتری	یہ (قصہ یوسف) بناوٹی بات نہیں۔
۲۲	تحریم:۳	واذاسر النبی الیٰ بعض ازواجہ حدیثاً	جب چھپا کر کہی نبی ﷺ نے اپنی کسی بی بی سے ایک بات۔

ان مقامات میں سے کسی جگہ لفظ حدیث سے اصطلاحی حدیث نبوی جو وحی خفی والہام الٰہی ہوتی ہے مراد نہیں۔ آخری آیہ میں گو حدیث کی نسبت آنحضرتﷺ کی طرف ہوئی ہے۔ مگر اس سے بھی اصطلاحی حدیث نبوی وحی الٰہی مراد نہیں بلکہ لغوی حدیث بات مراد جو آنحضرتﷺ نے صرف اپنے جی سے (نہ وحی الٰہی) سے ایک بی بی کو کہہ دی تھی کہ میں اپنے حرم ماریہ قبطیہ کے پاس نہ جاؤں گا یا ایک بیوی کے پاس جا کر شہد نہ پیؤں گا جو خدا تعالیٰ کو پسند نہ آئی اور اس پر یہ آیت اتری کہ اے نبی تو خدا کے حلال کو حرام کیوں کرتا ہے۔

اس عام محاورہ قرآن کے مخالف کادیانی کا قرآن کے لفظ حدیث سے حدیث نبوی مراد لینا اپنے اقرار واصول کے مطابق الحاد وتحریف قرآن کا مرتکب ہونا ہے۔ کادیانی کے اتباع اس الحاد وتحریف پر بھی اس کی اتباع سے دست بردار نہ ہوں اور اس کی ایسی تفسیر قرآن کو حقائق ومعارف سمجھ کر اس کو مجدد کہیں تو پھر ان کی ہدایت کی کوئی صورت وامید نہیں ہے۔ ''**ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور ومن یھدیہ بعد اللہ**''

۸ قولہ: مفید ظن۔ یہ ظنی ہونی احادیث سے تعرض اجنبی ہے۔ ظنی یا قطعی ہونے احادیث سے سوال نہ تھا۔ صرف صحت ویا عدم صحت احادیث سے سوال تھا۔ لہٰذا جواب میں صرف صحت یا عدم صحت کا بیان چاہئے نہ ظنیت وقطعیت کی بحث یہ دوسری دفعہ آپ نے بحث سے خروج کیا۔

۹ ایسا ہی کادیانی کے اصل تحریر میں ''ہے'' بصیغہ واحد ہے۔

۱۰ قولہ: قطعی جواب نہیں۔ مرزا کادیانی کی تقلید ومحبت میں اندھے اور کانے حواری مرزا کے جواب کو قطعی جانتے اور ہمارے انکار قطعیت پر حیرت ظاہر کرتے ہیں۔ جس کا سبب یہ ہے کہ علم سے تو پہلے ہی سے عاری وبے بصیرت تھے۔ رہا فہم، سو مرزا کی بیعت کر کے اس کی نذر کر چکے ہیں۔ لہٰذا وہ اس قدر نہیں سمجھ سکتے کہ لفظ ''اگر'' حرف شرط ہے اور یہ حرف شرط مرزا کے جواب میں موجود ہے جو اس کو قطعی نہیں ہونے دیتا۔ جواب قطعی وہ ہوتا ہے جس میں بغیر کسی شرط کے ''ہست'' یا ''نیست'' کا بیان ہو۔ لہٰذا ہمارے سوال کا جواب قطعی یہ ہے کہ احادیث صحیحین سب کی سب صحیح ولائق عمل ہیں یا سب کی سب غیر صحیح وموضوع ہیں یا بعض صحیح اور بعض غیر صحیح جس کا مرزا کی کلام میں اوّل سے آخر تک کہیں نام ونشان نہیں ہے۔

۱۱ یہاں سے خاکسار نے اصل سوم (منجملہ اصول مندرجہ ص۱۱۹ اشاعۃ السنۃ) کو شامل بحث کر دیا ہے اور آئندہ سوالوں وجوابوں میں خاص کر صحیحین کی حدیثوں سے بحث کی ہے۔

۱۲ اس سوال جواب اعتقاد کی بناءً امام ابن الصلاح اور ان کے موافقین کے مذہب پر ہے جو

احادیث صحیحین کو قطعی نظری جانتے اور موجب اعتقاد سمجھتے ہیں تو ان کو اس مقام میں اس مذہب کی حمایت وتائید مقصود نہیں۔ ہماری بحث صرف صحت احادیث صحیحین میں ہے۔ اس کو آپ قطعی صحت مانیں خواہ ظنی۔ کادیانی نے جملہ احادیث صحیحین کی ظنی صحت کا بھی نہ اقبال کیا نہ صاف انکار اور ہمارے اس سوال کے جواب میں قطعی صحت سے انکار کی بحث کو چھیڑ دیا اور خروج از مبحث کیا۔ جس کا بیان حاشیہ ص ۲۲۷ میں ہوگا۔

۱۳؎ یہاں سے آپ بخاری ومسلم کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کی احادیث کو موضوع قرار دینے پر آمادہ ہو بیٹھے ہیں۔ بخاری ومسلم پر آپ کا یہ پہلا کھلا حملہ ہے۔

۱۴؎ یہ صاف اقرار ہے کہ آپ نے میرے سوال کا مطلب سمجھ لیا ہے۔ مگر افسوس اخیر بحث تک اس کا قطعی جواب نہ دیا جو کچھ کہا اس میں خروج از بحث کہا حواشی صفحہ آئندہ ملاحظہ ہوں۔

۱۵؎ یہ میرے سوال کا (جس کو آپ خود نقل وبیان کر چکے ہیں) جواب نہیں ہے۔ اس طولانی جواب کا خلاصہ دو امر کا بیان ہے جو خارج از بحث ہیں۔ امر اوّل یہ کہ احادیث صحیحین قرآن کے برابر قطعی ویقینی صحیح نہیں ہیں۔ جس کے بیان میں کادیانی نے تیسری دفع خروج از مبحث کیا۔ امر دوم یہ کہ جو حدیث صحیحین قرآن کے موافق نہ ہو وہ لائق قبول نہیں ہے۔ جس کے بیان میں کادیانی نے چوتھی دفعہ خروج از مبحث کیا۔ ناظرین اس جواب کو غور سے ملاحظہ فرمائیں گے تو اس میں ان دو امروں خارج از بحث کے بیان ومؤیدات کے سوا کچھ نہ پائیں گے۔

۱۶؎ ایسا ہی کادیانی کی تحریر میں ''ہیں'' بلفظ جمع ہے۔

۱۷؎ ایسا ہی اصل تحریر کادیانی ''ہوں'' بصیغہ واحد ہے۔

۱۸؎ میں نے اصول روایت سے احادیث کی صحت کو لائق تسلیم کہا ہے جو الفاظ سے متعلق ہے۔ معانی کی تسلیم یا عدم سے میری کلام میں اوّل سے آخر تک کہیں تعرض نہیں ہوا۔ پھر دھوکہ دینے والا قول کس شخص کا ہے۔ ہمارا یا آپ کا۔ آپ بار بار معانی احادیث کو مخالف قرآن قرار دے کر اس کو ساقط الاعتبار ٹھہراتے اور ناواقف مسلمانوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ ہم پہلے بھی (حاشیہ نمبر۴ ص ۲۱۷ میں) کر چکے ہیں اور آپ پھر کہتے ہیں کہ معانی ہمیشہ الفاظ کے تابع ہوتے ہیں۔ لہٰذا جس حدیث کے الفاظ صحت وثبوت کو پہنچ جائیں اس کے معنے قرآن کے موافق ومطابق ہو سکتے اور بناءً علیہ کسی حدیث سے تمسک کرنے والے کا پہلا فرض یہ ہے کہ اس حدیث کی لفظی صحت وثبوت کی تحقیق میں کوشش کرے اور جب اس کی صحت ثابت ومتحقق ہو جائے تو پھر اس کے معانی کو موافق ومطابق قرآن اور دیگر احادیث صحیحہ کر کے اس پر عمل وتمسک کرے۔ آپ سوال صحت حدیث کے جواب میں کبھی معانی حدیث کو پیش کرتے ہیں۔ کبھی احادیث

کے ظنی ہونے کو کبھی ان کے پایہ ثبوت میں قرآن کے مساوی نہ ہونے کو اور بار بار خروج از مبحث کے مرتکب ہوتے ہیں جو لوگ حواریین کا دیانی سے خروج از بحث اور طوالت کا الزام خاکسار پر قائم کرتے ہیں۔ وہ اس قسم کے جوابات کادیانی کو ملاحظہ کر کے انصاف سے کہیں کہ خروج از مبحث کون کرتا ہے۔

۱۹ اس قول کا جواب متن (تحریر نمبری ۸) میں دیا گیا اور ثابت کیا گیا ہے کہ عملیات میں ظن واجب العمل ہے۔

۲۰ تمام الفاظ کے بعینہا منقول ہونے کا کون مدعی ہوا ہے؟ ہاں! یہ دعویٰ ہے کہ صحیحین کی جملہ احادیث مرفوعہ متصلہ صحیح ہیں۔ سو اس پر قسم کھانے سے کوئی شخص جھوٹا نہیں ہوتا۔ (چنانچہ عنقریب اس کا ثبوت ناظرین کو ہماری تحریر نمبر ۸ میں ملے گا) آپ نے تمام الفاظ کی قید لگا کر اس قسم کو جھوٹ بنانا چاہا اور مسلمانوں کو دھوکہ دیا ہے۔

۲۱،۲۲ دعویٰ تعارض کا جواب تو ہماری تحریر نمبر ۸ میں موجود ہے۔ اس تعارض سے جو آپ نے تحریف کا نتیجہ نکالا ہے وہ صریح اور صاف اقرار ہے کہ آپ جملہ احادیث صحیحین کو صحیح نہیں جانتے بلکہ ان کی بعض احادیث میں وضع وتحریف واقع ہونے کے قائل ہیں۔ یہ بخاری مسلم پر آپ کا دوسرا کھلم کھلا حملہ ہے۔ اہل حدیث جو آپ کو اہل حدیث سمجھ کر آپ کے پنجہ میں پھنسے ہوئے ہیں آپ کے اس دعویٰ تحریف کو ایمان وانصاف سے دیکھیں تو آپ کو منکر صحت احادیث صحیحین جان لیں اور آپ کے اس اقرار کو کہ ''میں بسروچشم صحیحین کو مانتا ہوں اور صحیح بخاری کو بعد کتاب اللہ اصح الکتب یقین کرتا اور واجب العمل جانتا ہوں۔'' جس کو آپ ان کی پرائیویٹ مجلسوں اور اشتہار یکم راگست میں ظاہر کر چکے ہیں۔ کذب ونفاق سمجھ لیں۔ آپ کا یہ اقرار تب صحیح اور دلی ہوسکتا ہے۔ جب کہ آپ کے اس اقرار کے مخالف یہ تصریحات آپ کے کلام میں نہ پائے جائیں یا ان تصریحات سے آپ رجوع کا اشتہار دیں۔

۲۳ مرتبہ اعلیٰ ثبوت وصحت کا جو قرآن کو حاصل ہے اس کا ادّعا تو احادیث صحیحین کی نسبت کسی نے نہیں کیا۔ ہاں! مرتبہ قرآن کے بعد جو اعلیٰ مرتبہ صحت ہے اسی کا دعویٰ احادیث صحیحین کے حق میں ہم نے کیا ہے اور وہی اہل اسلام میں مسلم ہے اور طرفہ یہ کہ آپ بھی منافقانہ طور پر اشتہار یکم راگست میں اس کو مان چکے ہیں۔ پھر اس مقام میں صحیحین کی احادیث کو اعلیٰ مرتبہ صحت سے گری ہوئی کہنا کیونکر صحیح ہے۔ اقرار وتسلیم اشتہار یکم راگست منافقانہ نہیں ہے تو اس مقام کے دعویٰ سقوط احادیث صحیحین کو واپس لیں۔ ورنہ مسلمان آپ کے اس اقرار کو یقیناً نفاق سمجھیں گے۔ یہ آپ کا احادیث صحیحین پر تیسرا حملہ ہے۔

۲۴ اس تحقیق کو آپ کا ناقص کہنا اپنے عقل کے نقصان کا اظہار ہے اور اس اعتقاد نقصان کے

ساتھ آپ کا اشتہار یکم راگست میں صحیحین کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہنا نفاق نہیں تو کیا ہے۔ یہ آپ کا صحیحین پر چوتھا حملہ ہے۔

۲۵ ہو سکتی کیا ہو چکی ہے مگر آپ اس کوچہ سے محض نابلد ہیں۔ ہماری تحریر نمبر ۸ ملاحظہ ہو۔

۲۶ اشاعۃ السنۃ میں نہ یہ تصریح ہے کہ بعض اکابر (شیخ اکبر) نے یہ بات اتفاقی احادیث صحیحین کی نسبت کہی ہے اور نہ یہ تصریح ہے کہ ان اکابر کی رائے سے صاحب اشاعۃ السنۃ کو اتفاق ہے۔ بلکہ اشاعۃ السنۃ میں صاف تصریح ہے کہ صاحب اشاعۃ السنۃ کو قول شیخ اکبر سے اتفاق نہیں ہے۔ چنانچہ ہماری تحریر نمبر ۶ میں اس بیان کی تصدیق موجود ہے اور اس قول شیخ اکبر کا صحیح محمل وہی احادیث معلوم ہوتی ہے جن کی صحت میں اختلاف ہو۔ لہٰذا اس عبارت اشاعۃ السنۃ کو اس مقام میں پیش کرنا مسلمانوں کو دھوکہ دینا ہے۔

۲۷ یہ صاف اقرار ہے کہ آپ کشف کے ذریعہ سے احادیث صحیحین کو موضوع ٹھہرانے کے مدعی ہیں۔ اب آپ کی صحت احادیث صحیحین سے منکر ہونے میں کیا کسر رہ گئی ہے۔ یہ احادیث صحیحین پر مرزا کا پانچواں حملہ ہے۔ کہاں ہیں وہ اہل حدیث جو کادیانی کو اہل حدیث سمجھتے اور پیرو حدیث خیال کرتے ہیں۔ وہ کادیانی کے اس دعویٰ کو دیکھیں اور پھر انصاف سے کہیں کہ اہل حدیث میں کوئی اور بھی ایسا ہے کہ جو بخاری و مسلم کی حدیثوں کو بذریعہ کشف موضوع ٹھہراتا ہو۔ اگر کہو کہ تم اور شیخ اکبر یہ بات کہہ چکے ہو تو اس کا جواب ابھی دیا گیا ہے کہ یہ محض کذب ہے۔ یہ بات نہ ہم نے کہی ہے نہ کہ شیخ اکبر نے فرمائی ہے۔ چنانچہ ہماری تحریر میں تشریح ہو چکی ہے۔ احادیث بخاری و مسلم بذریعہ کشف موضوع ٹھہر سکیں تو پھر دنیا میں کوئی ایسی حدیث نہ ہوگی جو کشف سے موضوع نہ ہو سکے۔ اس صورت میں کشف حدیث سے بڑھ کر ہوا اور یہ مسئلہ مسلمہ کہ کشف و الہام غیر نبی کا کتاب اللہ و سنت پر عرض کرنا ضروری ہے۔ باطل ہوا جس کے اہل حدیث کیا کوئی اہل اسلام قائل نہیں۔

۲۸ غالباً اور اکثر کی قیدیں بتارہی ہیں کہ آپ بعض احادیث صحیحین کو نہیں مانتے اور اس مقام میں آپ نے صاف وصریح یہ بھی کہہ دیا ہے کہ ہم کیونکر حلف اٹھا سکتے ہیں کہ وہ ساری صحیح ہیں۔ یہ احادیث صحیحین پر کادیانی کا چھٹا حملہ ہے۔ کادیانی کو اہل حدیث وقائل احادیث صحیحین جاننے والو! اب تو اقرار کرو کہ وہ اہل حدیث نہیں اور وہ بعض احادیث صحیحین کی صحت کا منکر ہے۔

۲۹ احادیث صحیحین کو مخالف و معارض قرآن ٹھہرا کر صحت سے خارج کرنے کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ محض مغالطہ ہے اور کوئی حدیث صحیح قرآن کے مخالف نہیں ہوتی اور اس کی زیادہ تفصیل ہماری تحریر نمبر ۸ میں ہوگی۔ اس قول میں کادیانی نے احادیث صحیحین پر ساتواں حملہ کیا اور یہ جتا دیا ہے کہ وہ جملہ

احادیث صحیحین کو صحیح نہیں جانتا۔ کادیانی کو اہل حدیث اور قائل صحت صحیحین جاننے والے اس کے اس انکار کو انصاف سے دیکھ کر بھی اس کو قائل صحت صحیحین کہیں گے؟

۳۰… پھر اشتہار یکم/ اگست میں جو آپ نے بعد قرآن کے بخاری کے اصح کتب ہونے پر یقین ظاہر کیا ہے وہ منافقانہ نہیں تو کیا ہے؟

۳۱… چاروں امام احادیث صحیحین کے جمع ہونے کے وقت کہاں تھے۔ کادیانی کے اتباع میں ایک ذرہ بھی فہم وانصاف کا مادہ ہو تو اسی ایک بات پر اس کی بے علمی یا دھوکہ بازی کے قائل ہوکر اس کی اتباع سے دستبردار ہو جائیں۔ یہ کیا ہے آئندہ دھوکوں کو حاشیہ نمبر۲ وغیرہ میں دیکھو۔

۳۲،۳۳… یہ دونوں لفظ صاف بتارہے ہیں کہ کادیانی کو حضرت امام اعظم صاحب کے وقت میں احادیث صحیحین کے موجود ہونے اور امام صاحب کے ان پر مطلع ہونے کا دعویٰ ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ احادیث صحیحین وہی احادیث کہلاتی ہیں جو ان دونوں کتابوں میں موجود ہوں اور ان دونوں کے مصنفوں (امام بخاری وامام مسلم) کے واسطہ سے آنحضرتﷺ تک پہنچی ہوں اور جس حدیث کی سند وروایت میں امام بخاری وامام مسلم کا واسطہ نہ ہو وہ بخاری مسلم کی حدیث نہیں کہلا سکتی۔ لہٰذا امام اعظم صاحب کے وقت میں ان کتب کی احادیث کے موجود ہونے وامام صاحب کو ان احادیث کے مل جانے کا دعویٰ کرنا بعینہٖ یہ دعویٰ کرنا ہے کہ یہ دونوں کتابیں امام صاحب کے وقت میں موجود تھیں۔ ناظرین! اس دعویٰ کادیانی کو یاد رکھیں اور جو ہماری تحریر نمبر۸ کے اس اعتراض کے جواب میں کہ ’’آپ نہیں جانتے کہ امام اعظم کب ہوئے اور صحیح بخاری کب لکھی گئی۔‘‘ آپ نے لکھا ہے کہ: ’’میں نے یہ کب کہا ہے کہ امام اعظم کے وقت میں صحیح بخاری موجود تھی۔‘‘ اس کو پڑھنے اور دیکھنے کے وقت کادیانی کے کذب وجرأت ومغالطہ کا اندازہ کریں۔

۳۴… تحریر نمبری۸ میں ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ مقلدین مذہب اربعہ کسی حدیث صحیحین کی صحت کے منکر نہیں اور ان کی مخالفت بعض احادیث صحیحین سے اختلاف رائے وفہم معانی وتاویل وترجیح پر مبنی ہے۔ صرف ایک آپ مسلمان پھر اہل سنت پھر اہل حدیث کہلا کر بعض احادیث صحیحین کی صحت سے بعد اتفاق اہل سنت انکاری ہوئے ہیں اور صرف اس انکار کی نظر سے آپ کو کافر نہیں کہا گیا۔ ہاں! اس کا چھوٹا بھائی فاسق اور متبدع تو ضرور کہا جائے گا۔ ہماری تحریر نمبر۸ میں حضرت شاہ ولی اللہ وغیرہ محدثین کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

۳۵… ایسا ہی کادیانی کی تحریر میں لفظ ’’کی‘‘ ہے۔

۳۶… احادیث صحیحین کو ایسا یقینی کون کہتا ہے کہ ان کے انکار سے کفر لازم آئے۔ جمہور علماء بظن غالب ان کو صحیح جانتے ہیں اور امام ابن الصلاح اور ان کے ہم خیال نظری یقینی کہتے ہیں۔ لہٰذا ان کے انکار

سے فاسق اور متبدع ہونا لازم آتا ہے اور اس سے بڑھ کر کسی کو دعویٰ نہیں ہے۔

۳۷… ایک حدیث صحیح دوسری حدیث صحیح کے مخالف نہیں ہوتی۔ چہ جائیکہ مخالف قرآن ہو۔ حدیث صحیح کو قرآن کے مخالف قرار دینا ان ہی لوگوں کا کام ہے جو اس حیلہ سے حدیث صحیح کو موضوع بنانا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے کیا ہے۔ آپ بار بار احادیث صحیحین کو مخالف قرآن ٹھہرا کر ساقط الاعتبار بناتے ہیں اور اپنا منکر احادیث ہونا ثابت کررہے ہیں۔ جس کا جواب بھی آپ کو کئی بار دیا گیا ہے۔ یہ آپ کا احادیث صحیحین پر آٹھواں حملہ ہے۔

۳۸… بلاخوف زید وعمرو کیوں کہتے ہیں۔ بلاخوف خدا کہیں۔ بار بار احادیث صحیحین کو مخالف ومعارض قرآن کہنے سے آپ کی غرض بھی تھی کہ ان احادیث کو موضوع قرار دیں۔ سو آپ نے حاصل وظاہر کی ہے اور آپ کے منہ سے یہ بات صاف نکل گئی کہ بخاری ومسلم کی احادیث کو آپ موضوع کہیں گے۔ یہ آپ کا احادیث صحیحین پر نواں حملہ ہے۔ کادیانی کو اہل حدیث وقائل صحت احادیث صحیحین جاننے والو! اس لفظ کو پڑھو اور بتلاؤ کہ اب بھی اس کو اہل حدیث کہو گے؟ اور صحیحین کی صحت ماننے والا جانو گے۔

۳۹… اس کا نتیجہ بجز اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ حدیث عین قرآن اور وحی متلو نہیں۔ نہ یہ کہ حدیث واجب العمل نہیں اور یہ تو ہم نے بھی نہیں کہا کہ حدیث عین قرآن ہے اور بجائے قرآن اس کو نماز میں پڑھ سکتے ہیں۔ صرف یہی کہا ہے کہ حدیث قرآن کی مانند واجب العمل ہے۔ پھر اس بات کے کہنے سے بجز دھوکہ دہی عوام کیا فائدہ متصور ہے۔

۴۰… لفظ اجتہاد سے جو مراد اپنی تحریر نمبر۵ میں بیان کی ہے اس مراد سے احادیث متعلقہ ابن صیاد دجال اجتہادی نہیں ہوسکتیں۔ اس کی تفصیل حواشی تحریر کادیانی نمبر۵،۸ میں ہوگی۔

۴۱،۴۲،۴۳،۴۴… احادیث صحیح مسلم میں وجود تعارض کا دعویٰ کرنا (جو آپ کے نزدیک موضوع ہونے کی دلیل ہے) احادیث صحیح مسلم پر دسواں کھلم کھلا حملہ ہے اور اس تعارض کا ادّعاء محض کذب ہے۔ جس حدیث میں ابن صیاد کو دجال کہا گیا ہے۔ وہ حدیث تمیم داری کے مخالف ومعارض نہیں اور نہ کسی اور حدیث صحیح کی معارض ہے۔ حضرت عمرؓ نے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے اس پر قسم نہیں کھائی کہ ابن صیاد دجال موعود ہے اور نہ آنحضرت ﷺ نے اس مضمون کی قسم پر سکوت کیا۔ ان کی قسم اور آنحضرت ﷺ کا سکوت تو صرف ابن صیاد کو دجال کہنے پر تھا۔ جس کے معنے یہ کئے گئے ہیں کہ ابن صیاد منجملہ ان تیس دجالوں کے ایک دجال ہے جن کے خروج کی خبر آنحضرت ﷺ نے دی تھی۔ ایسا ہی حضرت جابرؓ کا ابن صیاد کو دجال کہنا ہے۔ اس میں بھی یہ تصریح نہیں کہ ابن صیاد دجال موعود ہے۔ رہا حضرت ابن عمرؓ کا ابن صیاد کو مسیح دجال کہنا۔

سو یہ حضرت ابن عمرؓ کا اپنا قول موقوف ہے جو حدیث مرفوع تمیم داری وغیرہ کا معارض نہیں ہوسکتا۔

۴۵ آنحضرتﷺ سے آپ نے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ: ’’میں ابن صیاد کے دجال موعود ہونے سے ڈرتا ہوں۔‘‘ یہ ایک سفید جھوٹ ہے۔ جس کا ثبوت آپ سے طلب کیا گیا تو اخیر تحریر تک کچھ نہ بتایا اور جو کہا اس میں افتراء سے کام لیا ہے۔ تحریرات فریقین نمبر۶، ۷ ملاحظہ ہوں۔

۴۶ آپ کا یہ دعویٰ بھی محض کذب ہے کہ مسلم کی ایک حدیث میں لکھا ہے کہ صحابہ کا اس پر اتفاق ہوگیا تھا کہ دجال موعود ابن صیاد ہی ہے۔ صحیح مسلم میں اس مضمون کی کوئی حدیث موجود نہیں۔ قادیانی سے اس کا ثبوت طلب کیا گیا تو اس نے بھی کوئی پتہ نہیں دیا۔ جس سے اس کا دعویٰ ثابت ہو جو کہا اس سے اس کا اور بھی کذب ثابت ہوا۔ اس کا مفصل بیان ہماری تحریر نمبری۷ میں ہے۔

۴۷ یہ محض کذب وافتراء ہے اور یہ قادیانی اور اس کی اتباع واحباب کے دجال وکذاب ہونے پر ایک روشن دلیل ہے۔ نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم نے ابن صیاد کے دجال ہونے کو ترجیح نہیں دی اور نہ حدیث تمیم داری کی تضعیف کی ہے۔ اپنی کتاب حجج الکرامہ فی آثار القیامہ کے ص۴۱۶ میں ابن صیاد کے دجال موعود ہونے کے باب میں صحابہ سے دو قول نقل کر کے فتح الباری شرح صحیح بخاری سے احادیث جابر بن عبداللہ وعبداللہ ابن عمرو ابوسعید خدری وقسم حضرت عمرؓ بحضور آنحضرتﷺ نقل کئے ہیں۔ پھر ۴۱۷ میں صاحب فتح الباری حافظ ابن حجر سے نقل کیا ہے کہ یہ احادیث اس باب میں نص (یعنی بیان واضح) نہیں کہ ابن صیاد دجال موعود ہے۔ پھر نقل کیا ہے کہ آنحضرتﷺ کا ابن صیاد کے باب میں متردد رہنا (یعنی حضرت عمرؓ کو ارادہ قتل ابن صیاد کے وقت یہ فرمانا کہ اگر ابن صیاد دجال موعود ہے تو تجھے اس کے قتل پر قدرت نہ ہوگی اور اگر یہ اور ہے تو اس کا قتل کرنا اچھا نہیں) تمیم داری کا قصہ سننے سے پہلے تھا اور پھر جب تمیم داری سے آنحضرتﷺ نے اس کا حال سن لیا تو آپ کو یقین ہوگیا کہ دجال موعود وہی شخص ہے جو جزیرہ میں محبوس ہے اور تمیم داری اس کو دیکھ آیا ہے۔ پھر حدیث تمیم داری کی نسبت فتح الباری سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کی راوی صرف فاطمہؓ بنت قیس ہی نہیں ہے بلکہ ابوہریرہؓ وعائشہؓ وجابرؓ بھی اس حدیث کی روایت میں فاطمہؓ کے ساتھ شریک ہیں۔ پھر ان اصحاب کی روایات حدیث تمیم داریؓ کو کتب محدثین سے نقل کر کے ان کا صحیح وحسن ہونا محدثین سے نقل کیا ہے۔ اس کے بعد صحیح مسلم سے پوری حدیث تمیم داریؓ نقل کر کے ۴۱۸ میں بیہقی سے نقل کیا ہے کہ دجال کہن سال بڈھا ہے۔ پھر اس حدیث کی سند کی صحت نقل کر کے بیہقی سے نقل کیا ہے کہ دجال اکبر جو آخیر زمانہ میں پیدا ہوگا ابن صیاد کے سوائے کوئی اور شخص ہے اور ابن صیاد منجملہ دجالین کذابین جن کے خارج ہونے کی آنحضرتﷺ

نے خبر دی ہے، ایک دجال ہے اور جو لوگ ابن صیاد کو دجال سمجھتے تھے انہوں نے قصہ تمیم داری نہ سنا تھا۔ پھر ص ۴۱۹ میں اس کے مؤیدات فتح الباری سے نقل کر کے کہا ہے۔ ’’اینست ملخص کلام فتح الباری وحاصلش اصح بودن دجال غیر ابن صیادست بوجہ آنکہ اعور باشد واز یہود باشد ودر یہودیہ ساکن بود الی غیر ذالک۔ واحادیث ابن صیاد ہمہ محتمل ست وحدیث جساسہ نص ست پس مقدم باشد ودر اشاعہ گفتہ ومؤید مرجح بودن او غیر ابن صیادست زیرا کہ قصہ تمیم داری متأخرست از قصۂ ابن صیاد پس ہچو (ہچو ناسخ یعنی ناسخ کی مانند یعنی اس کو بے اعتبار کرنے والا یہ اس لئے کہا ہے کہ حقیقۃً نسخ اخبار میں نہیں ہوتا۔ ناسخ کی مانند اس لئے ہوا کہ اس روایت تمیم نے ان روایات کو جن سے اس کے خلاف کا وہم پیدا ہوتا تھا بے اعتبار ’’وکان لم لکن‘‘ کردیا۔ ناسخ باشد برائے او ونیز وقت اخبار آنحضرت ﷺ بآنکہ دجال در بحر شام یا بحر یمن لا بلکہ از طرف شرق برآید، ابن صیاد در مدینہ بود پس اگر وے دجال می بودی فرمود کہ وے در مدینہ است ونتوان گفت کہ این صرف بآن جہت نفرمود کہ مبادا اورا بکشند وخبر داد بانجام کار او زیرا کہ قتل شخصی قبل از اجل او نمے تواند شد۔ ومقدر آنست کہ قاتل وے نبی خدا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ست واگر ہم چنین مے بود بیان نمی کرد آنحضرت ضِئْضِئ (ضئضئ وبمعنے اصل یہ کلمہ بعض خارجیوں کے حق میں آپ نے فرمایا تھا کہ اس کے اصل یعنی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو دین سے خارج ہوں گے) خوارج را۔

اس مضمون آثار قیامت اور عبارت نواب صاحب مرحوم کو کادیانی اور اس کا کذاب دوست دیکھ کر شرمندہ نہ ہوں تو بجز لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین کیا کہا جائے۔ مضمون وعبارت مذکور صاف پکار رہی ہے کہ نواب صاحب مرحوم نے ابن صیاد کے دجال ہونے کو ترجیح نہیں دی اور نہ حدیث تمیم کی تضعیف کی ہے۔

۴۸، ۹۔۔۔ آپ کا یہ رونا اور اظہار مصیبت وماتم کرنا اس امر کا صریح اقرار ہے کہ آپ صحیح مسلم ان احادیث کو جن میں ابن صیاد اور دجال کا ذکر ہے باہم متعارض ومتخالف جانتے ہیں اور بناءً علیہ حدیث تمیم داری کو جس میں ابن صیاد کے سوا کسی اور شخص کو دجال کہا گیا ہے غلط وموضوع قرار دیتے ہیں۔ اس تعارض اور غلطی کا آپ یقین نہ رکھتے تو یہ رونا نہ روتے اور ماتم نہ کرتے، بلکہ یقین اور وثوق کے ساتھ یہ کہتے کہ ان سب احادیث میں ایک ہی دجال ابن صیاد مراد ہے۔ لہٰذا یہ سب احادیث باہم متوافق اور صحیح ہیں۔ آپ کا ایسا نہ کہنا اور برخلاف اس کے ان احادیث کے تعارض پر نوحہ کر کے ایک حدیث تمیم داری کو غلط قرار دینا صاف یقین دلاتا ہے کہ اس حدیث کو آپ غلط موضوع جانتے ہیں۔ یہ احادیث صحیح مسلم پر آپ کا گیارھواں حملہ ہے۔ کادیانی کو اہل حدیث جاننے والے آپ کے اس ماتم کو دیکھیں اور پھر انصاف سے کہیں کہ آپ صحت احادیث صحیحین کے قائل ہیں یا منکر اشتہار یکم راگست میں آپ کا اقرار تسلیم احادیث صحیحین دلی اقرار

ہے یا منافقانہ اظہار۔ اب آپ کی اس مصیبت پر جس پر آپ رونا روتے ہیں تعزیت کی جاتی ہے کہ یہ مصیبت آپ کی خیالی مصیبت ہے نہ واقعی مصیبت۔ کیونکہ واقع اور حقیقت میں تمیم داری کی حدیث میں اور ان احادیث میں جس میں ابن صیاد کو دجال کہا گیا ہے کوئی تعارض نہیں۔ حضرت عمروحضرت جابر تو ابن صیاد کے دجال معہود ہونے کا ذکر بھی نہیں کیا۔ حضرت ابن عمرؓ نے اس کو مسیح دجال کہا ہے۔ سو یہ ان کا قول موقوف ہے جو حدیث مرفوع تمیم داری کا معارض نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ حواشی ص ۲۴۷ میں بیان ہوا۔ پھر یہ مصیبت کیا ہے اور یہ رونا کیسا۔

۵۰ یہ مصیبت پر مصیبت کا اظہار اور سخت تعارض احادیث صحیح مسلم کا اشتہار۔

۵۱،۵۲ اور عدم تسلیم صحت احادیث ایک جانب کا اقرار صاف اقبال ہے کہ آپ صحیح مسلم کی حدیث تمیم داری کو صحیح نہیں جانتے اور جو اشتہار یکم راگست میں تسلیم صحت کا اقرار کرتے ہیں وہ منافقانہ اقرار ہے۔ آپ کا دلی اعتقاد یہی ہے جو بار بار آپ کے منہ پر آتا ہے۔ یہ آپ کا احادیث صحیح مسلم پر بارھواں حملہ ہے۔ کادیانی کو اہل حدیث جاننے والے ایمان وانصاف کو کام میں لاکر کہیں کہ وہ صحیح مسلم کی جملہ احادیث کو صحیح جانتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس مصیبت باردوم پر دوبارہ آپ کی تعزیت کی جاتی ہے کہ یہ مصیبت بھی آپ کی خیالی مصیبت ہے۔ نہ واقعی مصیبت اور جن احادیث ثلثہ صحیح مسلم میں یہ ذکر ہے کہ سو برس کے بعد زمین پر کوئی زندہ نہ رہے گا۔ وہ حدیث تمیم داری کی معارض ومخالف نہیں ہے۔ ان احادیث میں ان ساکنین مدینہ یا زمین عرب کا جو اس وقت تک پیدا ہوچکے تھے، حال وفات بیان ہوا ہے نہ کل زمین کے ساکنین کا یا ساکنین بحر وجزائر کا اور حدیث تمیم داری میں جس دجال کا قرب قیامت تک زندہ رہنا بیان ہوا ہے وہ عرب کی زمین میں نہیں بلکہ سمندر کے ایک مشرقی جزیرہ میں ہے۔ پھر ان احادیث میں اور حدیث تمیم داری میں تعارض کہاں ہوا۔ ان احادیث میں زمین سے خاص کر زمین عرب کا مراد ہونا ایسا ہے جیسا کہ آیت: ''انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ان یقتلوا اویصلبوا ان تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف اوینفوا من الارض (مائدہ)'' میں زمین سے محاربین کا وطن مراد ہے اور اس زمین سے نکال دینے سے ان کو جلاوطن کرنا مراد ہے۔ محدثین کرام ان احادیث کے یہی معنی کرتے ہیں اور بناءً علیہ ان احادیث کے حکم سے حضرت خضر وحضرت عیسیٰ اور ملائکہ علیہم السلام اور ابلیس علیہ اللعنۃ کا مستثنیٰ ہونا بیان فرماتے ہیں۔

امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں فرمایا ہے کہ ان (سو برس والی) احادیث سے بعض شاذ ونادر محدث لوگوں نے حضرت خضر کی موت پر استدلال کیا ہے۔ مگر جمہور محدثین ان کو زندہ سمجھتے ہیں: ''وقد احتج بھذالاحادیث من شذ من المحدثین فقال الخضر علیہ السلام میت والجھور علی حیوۃ

کما سبق فی باب فضائله ویتاولون هذه الاحادیث علی انه کان علی البحر لاعلی الارض اوانها عام مخصوص (شرح مسلم ج ۱ ص ۲۱۰) ''اوران احادیث کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ (ان میں زمین کے باشندوں کا حال بیان ہوا ہے) اور حضرت خضر دریا میں رہتے تھے یا ان احادیث میں عام لوگوں کا حال بیان ہوا ہے جن سے حضرت خضر مخصوص ومستثنیٰ ہیں۔

اور قسطلانی نے شرح بخاری میں فرمایا ہے کہ:''لا یبقی ممن هو علی ظهر الارض احد ممن ترونه او تعرفونه عند مجیه او المراد ارضه التی نشاء بها ومنها بعث کجزیرة العرب المشتملة علی الحجازوتهامة ونجد فهو علی قوله تعالیٰ اوینفوا من الارض ای بعض الارض التی صدرت الجنایة فیها فلیست ال للاستغراق وبهذا یندفع قول من استدل بهذا الحدیث علی موت الخضر علیہ السلام کالمؤلف اویتحمل ان یکون الخضر فی غیر هذه الارض المعهودة وان سلمنا ان ال للاستغراق فقوله احد عموم یتحمل اذ علی وجه الارض الجن والانس والعمومات یدخلها التخصیص باذن قرینة (قسطلانی ج ۱ ص ۴۰۲) ''آنحضرت ﷺ کے اس قول سے کہ کوئی پشت زمین پر نہ رہے گا۔ یہ مراد ہے کہ جن کو تم دیکھتے ہو یا جب وہ تمہارے سامنے آویں تو تم اس کو پہچان لو وہ لوگ فوت ہو جائیں گے یا یہ مراد ہے کہ اس زمین کے لوگ فوت ہو جائیں گے جس میں آپ ﷺ پیدا ہوئے اور نبی ہو کر آئے۔ یعنی جزیرہ عرب جس میں حجاز، تہامہ نجد، تینوں حصہ شامل ہیں۔ (اس صورت) میں یہ قول نبوی ایسا ہے جیسا یہ قول خداوندی ہے کہ محاربین زمین سے نکال دیئے جائیں۔ جس سے یہ مراد ہے کہ وہ اس زمین سے نکالے جاویں۔ جس میں ان سے جرم بغاوت صادر ہوا ہو۔ اس صورت میں الف ولام استغراق کے لئے نہیں ہے۔ یعنی جو تمام حصص زمین کو شامل ہو، اس تقریر سے ان محدثین کا قول جو اس حدیث سے حضرت خضر علیہ السلام کی موت پر استدلال کرنے میں رد ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت حضرت خضر علیہ السلام زمین عرب میں نہ تھے اور اگر ہم یہ بھی بطور فرض مان لیں کہ یہ لام استغراق کے لئے ہے تو پھر یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام اس سے مستثنیٰ ہیں۔

عینی نے شرح بخاری میں کہا ہے کہ:''وقیل اراد النبی بالارض البلدة التی هو منها وقال تعالیٰ الم تکن ارض الله واسعة یرید المدینه (عینی شرح بخاری) ''اس حدیث میں زمین سے وہ شہر (مدینہ) مراد ہے جس میں آنحضرت ﷺ موجود تھے۔ چنانچہ اس قول خداوندی سے کہ کیا خدا کی زمین فراخ نہ تھی۔ مدینہ مراد ہے۔

بخاری کی بعض شروح میں ہے کہ: ’’قوله ظهر الارض احتراز عن الملائكة وعیسٰی علیہم السلام واحتج به البخاری وغیره علی موت خضر والجمهور علی خلافه واجابوا بانه عام مخصوص البعض اوكان فی البحر ولايعترض بهاروت وماروت لانهما ليسا ببشرو كذالک الجواب فی ابليس قال العينی الا وجه ان يقال المراد ممن هو علی ظهر الارض امته امة اجابة كانت اودعوة وعيسٰی وخضر ليسا داخلين فی الامة والشيطان ليس من بنی اٰدم (هامش بخاری ص ۸۰) ‘‘اس حدیث میں زمین کا لفظ کہنے سے ملائکہ اور حضرت عیسیٰ جدا ہوئے۔ بخاری نے اس حدیث سے حضرت خضر کی وفات پر استدلال کیا ہے مگر جمہور محدثین اس کے مخالف ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ ایک عام بات فرمائی ہے جس سے حضرت خضر علیہ السلام مخصوص ہیں یا یہ کہ اس میں زمین والوں کا حال بیان ہوا ہے اور حضرت خضر دریا میں ہیں۔ ہاروت وماروت کے موجود ہونے سے بھی بیان اعتراض نہیں پڑتا۔ کیونکہ وہ دونوں بشر نہیں۔ ایسا ہی ابلیس کے موجود ہونے پر اعتراض کا جواب ہے۔ عینی نے کہا ہے کہ بہت باوجہ جواب یہ ہے اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کا حال بیان کیا ہے اور حضرت عیسیٰ وحضرت خضر اس امت سے نہیں ہیں اور شیطان جو موجود ہے تو وہ بنی آدم سے نہیں۔

کادیانی نے اپنے اس قول کی شرح میں زبانی یہ تقریر کی تھی کہ یہ بات کہ سو برس کے بعد کوئی جاندار زمین پر نہ رہے گا۔ آنحضرت ﷺ نے سوال قیامت کے جواب میں فرمائی تھی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان احادیث میں قیامت قائم ہونے اور تمام زمین کے زندہ اشخاص کے مرجانے کی خبر دی گئی ہے۔

یہ بات آپ نے اپنے خسر دوم منشی ناصر نواب کو بھی زبانی کہی تھی اور اس کی تصدیق کے لئے مشکوٰۃ کے ص۴۷۲ میں ایک حدیث دکھا کر اس کا مطلب یہ سمجھایا تھا کہ آنحضرت ﷺ سے لوگوں نے وقت قیامت سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ سو برس کے بعد زمین پر کوئی نہ رہے گا۔ اس کے بعد زبانی تقریر میں کادیانی صاحب نے فرمایا تھا کہ اس قول نبوی سے زمین سے کوئی خاص زمین مراد ہو تو یہ قول سوال قیامت کا جواب نہیں بنتا۔ کیونکہ کسی ایک زمین کے زندہ اشخاص کے فوت ہو جانے سے قیامت کا قائم ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔ قیامت تب ہی قائم ہو جب کہ تمام زمین پر کوئی زندہ نہ رہے۔

اس تقریر میں کادیانی نے مسلمانان حاضرین مجلس اور اپنے دام افتادہ خسر بیچارہ منشی نواب کو دھوکہ دیا اور اس دھوکہ سے اپنا دجال ہونا خوب ثابت کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا یہ قول کہ سو برس کے بعد کوئی جاندار نفس زمین پر نہ رہے گا۔ سوال قیامت کا جواب ہرگز نہیں ہے۔ یہ قول سوال قیامت کا جواب ہوتا تو پھر کیا ممکن تھا کہ سو برس کے بعد کوئی زمین پر زندہ رہتا اور آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی میں تخلف ہوتا اور

قیامت کا ہنگامہ برپا نہ ہوتا ہرگز نہیں۔ یہ قول تو آپ نے سوال قیامت کے جواب سے اعراض وانکار کر کے فرمایا تھا۔لوگوں نے آپ سے وقت قیامت سے سوال کیا۔آپ نے جواب میں وقت قیامت سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا اور صاف فرمادیا کہ وقت قیامت کا علم تو مجھے نہیں ہے۔ یہ علم تو خدا تعالیٰ ہی سے مخصوص ہے۔ہاں! میں یہ بات قسم سے کہتا ہوں کہ جو لوگ آج کے دن تک زمین پر موجود ہو چکے ہیں وہ سو برس کے بعد زندہ نہ رہیں گے۔اصل حدیث یہ ہے جو صحیح مسلم کے ص۳۱۰ میں ہے اور وہی حدیث مشکوٰۃ ص۴۷۲ منقول ہے۔

''عن جابر بن عبدالله سمعت النبی ﷺ یقول قبل ان یموت بشهر تسائلونی عن الساعة وانما علمها عند الله واقسم بالله ماعلی الارض من نفس منفوسه تأتی علیها مائة سنة وهی حیة یومئذ ''اس حدیث کا مطلب وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کا مقصود یہ ہے کہ آپ کے اہل قرن (ہم عصر لوگ) سو برس تک گزر جائیں گے نہ یہ کہ تمام دنیا کے لوگ سو برس تک مر جائیں گے اور قیامت برپا ہوگی۔

چنانچہ اسی کتاب صحیح مسلم میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ:''قال ابن عمر فوهل الناس فی مقالة رسول الله ﷺ تلک فیما یتحدثون من هذه الاحادیث عن مائة سنة وانما قال رسول الله ﷺ لا یبقی ممن هو الیوم علیٰ ظهر الارض احد یرید بذلک ان ینخرم ذلک القرن (صحیح مسلم ص ۳۱۰) ''لوگ جو آپس میں سو برس کے بعد قیامت آنے کی باتیں کرتے ہیں اس میں وہ آنحضرت ﷺ کے کلام کے معنی سمجھنے میں غلطی کر رہے ہیں۔آنحضرت ﷺ نے تو یہ فرمایا تھا کہ جو آج تک پیدا ہو چکے ہیں وہ سو برس کے بعد نہ رہیں گے جس سے آپ کا مقصود یہ تھا کہ آپ ﷺ کا قرن سو برس کے بعد گزر جائے گا۔

یہ قول ایک جلیل الشان صحابی (ابن عمرؓ) کا بھی اس باب میں نص ہے کہ آنحضرت ﷺ کا وہ قول سوال قیامت کا جواب نہیں تھا اور اس سے قیامت برپا ہونے کی خبر دینا مقصود نہ تھا بلکہ بیان انقضاء قرن مقصود ہے اور جب اس قول سے جواب سوال قیامت مقصود نہ ہوا تو پھر اس سے تمام زمین کے زندہ اشخاص کا فوت ہو جانا مراد ٹھہرانا ضروری نہ ہوا۔ کیونکہ یہ تو بقول قادیانی اسی صورت میں ضروری تھا جب کہ یہ قول سوال قیامت کا جواب ہوتا اور اس سے قیامت ہونے کی خبر دینا مقصود حضرت رسالت ہوتا۔

لفظ قرن کو (جس کے گزر جانے کا بیان بقول حضرت ابن عمرؓ مقصود حضرت رسالت تھا) دیکھا جائے تو اس سے بھی تمام زمین کے لوگوں کا مراد نہ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کے اہل قرن وہی لوگ کہلاتے جو آپ سے شرف صحبت وملاقات رکھتے تھے نہ تمام دنیا کے لوگ حدیث مشہور ''خیر القرون

قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ’’(سب زمانوں کے لوگ سے بہتر وہ لوگ ہیں جو میرے قرن کے ہیں۔ پھر وہ جو ان کے متصل ہوں گے۔ پھر وہ جو ان کے متصل ہوں گے) میں آنحضرتﷺ نے اپنے قرن والوں کو بہترین اہل زمانہ فرمایا ہے۔ پھر ان کو جو ان کے قریب ہوں پھر ان کو جو ان سے متصل ہوں اور اس قول سے ان تینوں زمانوں کے تعامل عام کو حجت ٹھہرایا ہے۔ کیا اس حدیث میں ان تین زمانوں کے تمام دنیا کے لوگوں کو (یورپ میں ہوں خواہ ایشیاء میں یا امریکہ وچین وغیرہ میں) آنحضرتﷺ نے بہتر کہا اور ان کے تعامل کو حجت ٹھہرایا ہے۔ ہرگز نہیں۔

مجمع البحار ج۳ کے ص۱۷۸ میں نہایہ جزری سے نقل کیا ہے:’’قرنہ اصحابہ علی الصحیح وقیل قرنہ ما بقیت عین رأتہ والثانی مابقیت عین رات من راہ والثالث کذلک مجمع البحار ‘‘آنحضرتﷺ کا قرن بنا برقول صحیح آپ کے اصحاب تھے۔ بعض کا قول ہے کہ آنحضرتﷺ کا قرن اس وقت تک ہے کہ آپ کو دیکھنے والی آنکھ رہے۔ دوسرا قرن اس وقت تک ہے کہ آپ کو دیکھنے والوں کو دیکھنے والی آنکھ رہے۔ ایسا ہی تیسرا قرن ہے۔

اور اسے مجمع البحار جلد ثالث کے ص۱۴۲ میں طیبی سے نقل کیا ہے کہ:’’قرنہ اصحابہ والثانی ابنائھم والثالث ابناء ابنائھم وقیل کل طبقا مقترنین فی وقت والصحیح ان قرنہ اصحابہ والثانی التابعون والثالث تابعوھم وقد ظھران مدۃ مابین البعثۃ الٰی اخر من مات من الصحابۃ مائۃ وعشرون بالتقریب وان نظرا الٰی وفاتہ کان مئاتیہ اما قرن التابعین فان اعتبرا من سنۃ مائیتہ کان نحو خمسین فظھران مدۃ القرن مختلف باعتبار اعمار اھل کل زمان. واتفق ان اخر اتباع التابعین من عاش الٰی عشرین ومایتین وفیہ ظھر البدع ظھوراً فاشیا واطلقت المعتزلہ السنتھا ورفعت الفلاسفہ رؤسھا ‘‘آپ کا قرن آپ کے اصحاب تھے۔ دوسرا قرن ان کے بیٹے۔ تیسرا قرن ان کے پوتے۔ بعض کا قول ہے۔ قرن وہ لوگ ہیں جو کسی وقت میں ملے ہوں۔ مگر صحیح یہ تفسیر ہے کہ آنحضرت کا قرن آپ کے اصحاب ہیں۔ دوسرا قرن تابعین کا۔ تیسرا قرن تبع تابعین کا اور یہ امر ظاہر ہے کہ آنحضرتﷺ کے مبعوث (نبی) ہونے کے وقت سے آخری صحابی کی موت تک تقریباً ایک سوبیس برس ہوتے ہیں اور اگر آنحضرتﷺ کے سال وفات سے (جس سے ایک مہینہ پیشتر آپ نے وہ قول سو برس تک کسی کے زندہ نہ رہنے کا فرمایا تھا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں بصفحہ۳۱۰ اور مشکوٰۃ میں بصفحہ۴۷۲ تصریح ہے) حساب کیا جاوے تو ایک سو برس ہوتے ہیں۔ تابعین کا قرن اس سو برس کے بعد سے شمار کیا جائے تو تقریباً اور ستر برس تک ختم ہوتا ہے اور تبع تابعین کا قرن اس کے بعد سے شمار کیا جائے تو تقریباً

اور پچاس برس تک ختم ہوتا ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ قرن ہر ایک زمانہ والوں کی عمر کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ آخری تبع تابعین دو سو بیس برس تک زندہ رہا ہے۔ اس کے بعد بدعت وفساد کا عام شیوع ہوگیا۔ معتزلہ نے زبان کو کھولا۔ فلاسفہ نے سر اٹھایا وغیرہ وغیرہ!

ان عبارات کی شہادت سے صاف ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قرن سے جس کے گزر جانے کی بقول حضرت ابن عمرؓ آنحضرت ﷺ نے اس قول میں خبر دی تھی۔ صحابہ مراد ہیں جو عرب وغیرہ بلاد کی زمین میں رہتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس قول میں ان ہی کے فوت ہو جانے کی خبر دی تھی نہ تمام دنیا کے لوگوں کی۔ آپ کے قرن سے سارے دنیا کے لوگوں کو مراد ٹھہرایا جائے تو آنحضرت ﷺ کی اس حدیث مشہور میں جو لفظ قرن وارد ہے۔ اس سے بھی تمام دنیا کے لوگ مراد لینا اور ان کا بہتر ہونا اور ان کے تعامل کا حجت ہونا لازم آئے گا جس کا کوئی مسلمان قائل نہیں ہوسکتا۔ اس بیان سے ثابت ہے کہ قادیانی فن حدیث سے ناواقف ہوکر ناحق دخل در معقولات دیتا ہے اور احادیث صحیحہ کے غلط معنی کر کے ان کو باہم متعارض ٹھہراتا اور مسلمانوں کو دھوکہ وضلالت میں ڈالتا ہے اور آنحضرت ﷺ کا وہ قول سو برس والا واقع میں حدیث دجال کے متعارض نہیں اور دجال کے موجود ہونے کی نفی کرتا۔

۵۳… جملہ احادیث کو یقینی الثبوت کہنے کا جواب بارہا دیا گیا۔ ان میں تعارض کا عدم وقوع بھی ظاہر کیا گیا۔ آپ بار بار اسی بات کا اعادہ کرتے اور خروج از مبحث کا ارتکاب عمل میں لاتے ہیں۔ جس کی پانچویں دفعہ ہے۔

۵۴… پورا چھوڑ ادھورا جواب بھی نہیں دیا اور نہیں بتایا کہ احادیث صحیحین اصول روایت کی رو سے صحیح ہیں یا سب کے سب غیر صحیح یا بعض صحیح بعض موضوع۔ ہمارے سوال کا یہی جواب تھا جس کا کوئی حصہ بھی آپ کی تمام کلام میں پایا نہیں جاتا۔ پورا جواب کہاں۔

۵۵… احادیث صحیحین کا واجب العمل ہونا باوجود ظنی تسلیم ہونے کے شرط توافق قرآن کریم سے مشروط نہیں۔ وہ احادیث بلامراجعت قرآن واجب العمل ہیں اور کوئی حدیث صحیحین قرآن شریف کے مخالف نہیں۔

۵۶… یہ ہم پایہ ہونا کس نے کہا اور کس نے اس سے سوال کیا۔ یہ چھٹی دفعہ آپ نے مبحث سے خروج کیا کہ ایک ایسے امر سے تعرض کیا جس سے بحث وسوال نہ تھا۔

۵۷… ہمارے اس اظہار مفہوم پر بعض دجاجلہ اتباع قادیانی نے اعتراض کیا ہے کہ جب تم کو اس مفہوم کا علم واعتراف ہے تو پھر کیوں کہتے چلے گئے ہو کہ ہمارے سوال کا جواب نہیں دیا۔ اس کے جواب دو

ہیں۔ اوّل یہ کہ اس مفہوم کی نسبت کادیانی سے اسی مقام میں یہ سوال کیا گیا۔ ’’ہمارے کلام کا یہی مطلب ہے تو صرف ہاں کہہ دو۔‘‘ تو اس نے اس کے جواب میں ہاں نہیں کہا۔ لہٰذا سوال واستفسار کا حق رہا۔ دوم یہ کہ یہ مفہوم کادیانی کے لفظ لفظ سے ٹپک رہا ہے۔ مگر ہم اس سے صاف اقرار کرانا چاہتے تھے اور عوام اہل حدیث پر جو اس کو اہل حدیث اور قائل صحت صحیحین جان کر اس کے پنجہ میں پھنسے ہوئے ہیں، اس کا منکر صحت صحیحین ہونا اس کے اقرار سے ثابت کرنا پیش نظر رکھتے تھے۔ سو اگرچہ اس نے یہ صریح اقرار نہیں کیا۔ مگر بار بار کا مفہوم واشارہ بھی صریح اقرار کے مانند ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے ہم نے تحریر نمبر۸ میں اس کو یقیناً منکر صحت صحیحین ٹھہرادیا اور اس پر جو حکم مناسب تھا لگایا۔

۵۸؎ یہ وہی سوال ہے جس کا ذکر حاشیہ سابق میں ہے۔ کادیانی نے اس کا جواب صاف نہیں دیا اور ’’ہاں‘‘ قلم ومنہ سے نہ کہا۔

۵۹؎ ناظرین خیال رکھیں کہ ہم نے کس اعتقاد وبیان میں کادیانی کے امام کا نام دریافت کیا ہے اور کادیانی نے جواب میں کس مسئلہ میں اپنے لئے امام کا غیر ضروری ہونا بتایا ہے۔

۶۰؎ محدثین پر ظاہر ہونے میں کیا شک ہے۔ مگر آپ پر تو وہ قاعدہ تنقید ایسا مخفی ہے جیسے شب پر آفتاب، آپ کے الفاظ ’’سلامت فہم وغیرہ‘‘ جن کے پیچھے (تحریر نمبری ۸) میں آپ نے تاویل کی ہے۔ بتا رہی ہیں کہ آپ اس کوچہ میں کبھی نہیں گزرے۔

۶۱؎ موجب تطویل نہ کہئے یہ فرمایئے۔ ہم کو ان کا علم نہیں۔ مگر یہ تب ہو جب کہ آپ کو بے ریائی واخلاص سے کوئی تعلق ہو۔ یہاں تو تمام سلسلہ کی بنا ہی بناوٹ اور جھوٹ اور تکلف اور نمائش پر ہے۔ پھر لاعلمی کا اقرار کیونکر ہو۔

۶۲؎ جس قدر ثبوت عمل کے لئے کافی ہے تو کامل ومکمل احادیث صحیحین کو حاصل ہے۔ رہی آپ کی قید عدم امکان غلطی سو محض دھوکہ ہے۔ عمل کے لئے یہ امر ضروری نہیں ہے اور حدیث صحیح باوجود امکان غلطی واجب العمل ہے۔

۶۳؎ صحیحین کی احادیث واقعی صحیح نہ ہوں تو ان کی صحت پر قسم کھانے سے کفارہ لازم آوے۔ حالانکہ یہ کفارہ لازم نہیں ہے۔ چنانچہ ہماری تحریر نمبری ۸ میں اس کا بیان آتا ہے۔ ان کتابوں کی صحت پر امت کا اتفاق واقعی صحت کا مثبت ہے۔ کیونکہ امت اپنے اتفاق میں معصوم ہے۔ اس کا بیان بھی نمبری ۸ میں ہے۔

۶۴؎ نماز وروزہ وحج وزکوٰۃ وغیرہ اعمال کے اتفاقیہ ارکان گو تعامل سے ثابت ومعلوم ہیں۔ مگر ان کی اختلافی اجزاء ومسائل تعامل سے ثابت نہیں۔ ان کا ثبوت احادیث ہی سے ملتا ہے۔ حدیث نہ ہو تو ان

مسائل کے ثبوت کا پتہ نہ لگے۔ ان پر تعامل پایا جاتا تو ان میں اختلاف واقع نہ ہوتا۔ کادیانی جوان سب کو تعامل سے ثابت بناتا اوران کو یقینی ٹھہراتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نہ تعامل کے معنے جانتا ہے اور نہ ان اختلافات سے واقف ہے جو ان اعمال کے اجزاء ومسائل میں پائے جاتے ہیں۔ اس کی تفصیل ہی ہمارے نمبری ۱۸ اوراس کے حواشی میں ہوگی۔

۶۵ اے ناخداترس مسلمانوں کو دھوکہ دینے والے مفتری احادیث وہی نہیں کہلاتیں جو کسی کتاب میں جمع ہوں اور لکھی بھی جاچکی ہوں۔ صدر اوّل میں تو احادیث زبانی روایت کی جاتی تھیں اور سینوں میں محفوظ تھیں اوران ہی حدیثوں کی ہدایت کے موافق صدر اوّل کے لوگ نماز وروزہ وحج وزکوٰۃ وغیرہ اعمال وارکان اسلام بجالاتے اور کسی وقت میں وہ احادیث سے مستغنی نہیں ہوئے۔ حدیث نہ ہوتی تو اسلام کے ایک رکن پر مطلق عمل جاری نہ ہوتا۔ تعامل کیسا اور کس کا۔

۶۶ ان اعمال کے جملہ ارکان ومسائل کا یقین ثبوت آپ کو ہوگا۔ مسلمان تو عموماً ان کی اختلافی تفصیلات کے لئے وہی مرتبہ ثبوت تجویز کرتے ہیں جو احادیث صحیحہ کا مرتبہ ثبوت ہے۔ یعنی ثبوت بظن غالب یہی وجہ ہے کہ ان اختلافی مسائل میں ایک فریق دوسرے کی تکفیر وتفسیق نہیں کرتا۔

۶۷ خواہ مخواہ کیوں موضوع کہیں گے۔ آپ کوئی وجہ نکال کر موضوع قرار دیں گے۔ مخالفت قرآن کی وجہ وجیہ آپ کو ہاتھ لگ گئی ہے۔ جس حدیث کو چاہا مخالف قرآن قرار دے کر موضوع قرار دے دیا۔ جیسا کہ احادیث متعلقہ دجال وحضرت مسیح کو آپ نے مخالف قرآن وتوحید قرآن قرار دے کر موضوع قرار دے دیا ہے۔ نمبر۴ کے ص ۱۱۵، ۱۲۵، ۱۲۷ میں فتوے ملاحظہ ہو۔

۶۸، ۶۹ جس طور سے تطبیق احادیث بقرآن آپ کرتے اوراس کو خدا کی مدد سمجھتے ہیں۔ وہ صریح انکار احادیث سے بدتر ہے۔ آپ اگر ان احادیث کی نسبت (جن کو بزعم خود قرآن کے مخالف سمجھتے) صاف یہ کہہ دیں کہ یہ احادیث موضوع ہیں تو اس سے اسلام اور مسلمانوں کا کچھ نقصان نہ ہو۔ مسلمان اس دعوے موضوعت میں آپ کو متبدع سمجھیں اوران احادیث کا موافق قرآن ہونا علماء اسلام دریافت کرلیں۔ مگر جب ناواقف اردوخواں مسلمان آپ کی کلام میں ان احادیث کی قرآن سے تطبیق دیکھتے ہیں اور ایسے ایسے معانی سنتے ہیں جو زمانہ حضرت رسالت سے اس وقت تک کسی مسلمان کے خیال میں نہیں آئے تو وہ اس سے سخت گمراہ ہوتے ہیں اور وہ ان احادیث کے ظاہری معانی کو جو ابتداء سے آج تک مسلمانوں میں متوارث چلے آئے ہیں اور حقارت کی نگاہ سے دیکھ کر ان سے انکاری ہوجاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ ہوگا کہ وہ رفتہ رفتہ پورے ملحد وباطنی ہوجائیں گے اور صوم وصلوٰۃ کے ظاہری معانی سے بھی انکار کریں گے۔ اس کی

تمثیلات فتوے اور ریویو میں بکثرت بیان ہوئی ہیں۔ اس مقام میں ایک مثال ذکر کی جاتی ہے۔

حدیث اتفاقی صحیحین میں آیا ہے کہ مسیح آئیں گے تو وہ خنازیر کو قتل کریں گے جس سے مراد یہ کہ وہ خنزیر پالنے اور اس کو کام میں لانے کو موقوف کر دیں گے۔ موجودہ خنزیروں کو قتل کا حکم دیں گے اور آئندہ خنزیر رکھنے سے لوگوں کو روک دیں گے۔ آپ نے جب دیکھا کہ عام دنیا کو خنزیر پالنے سے روکنا تو ریاست وسیاست کا کام ہے اور حاکم وقت کے سوا کسی سے ممکن نہیں ہے اور آپ کا حکم تو خاص کر کادیان کے ایک محلّہ میں بھی نہیں چلتا۔ حکم کیسا آپ کو تو اپنی جان بچانے کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ کادیان میں سر چھپا کر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دہلی گئے تو پولیس کی پناہ میں رہے۔ پھر آپ مسیح موعود بنیں تو کیونکر بنیں۔ یہ سوچ کر آپ نے پہلے اس حدیث کے معنی کو بگاڑا اور اس لائق کر دیا کہ آپ کے بے علم اتباع کی نظر میں ان کا مخالف قرآن ہونا دکھائی دے اور کہا کہ اس حدیث کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ حضرت مسیح جنگلوں میں خنزیروں کا شکار کھیلتے پھریں گے اور چوہڑے (بھنگی) اور ساہنسی پنجاب میں ایک قوم ہے جو چوہڑوں کی طرح مردار کھاتے ہیں) گنہدیلوں، بیلیے اور سکھ اور شکاری کتے آپ کے ساتھ ہوں گے۔ پھر ان معنی کے مخالف قرآن ہونے کے ثبوت میں فرمایا کہ یہ معنی نبی کی اس شان کے برخلاف ہیں جو قرآن کریم سے ثابت ہے۔ لہٰذا یہ حدیث اپنے ظاہری معنی کے رو سے قرآن کریم کے مخالف ہے۔ پھر اس حدیث کے قرآن سے تطبیق کرنے کی غرض سے اس کی یہ تاویل فرمائی کہ اس حدیث میں خنزیر سے خنزیر صفت انسان مراد ہیں اور قتل سے ان کا مغلوب کرنا اور اس معنی سے یہ حدیث قرآن کے موافق ہوسکتی ہے۔

(توضیح المرام ص۱۳، خزائن ج۳ ص۵۷)

اس تاویل وتطبیق کادیانی کو جو لوگ مان چکے ہیں وہ قتل خنزیر کے ظاہری معنی پر خوب قہقہہ اڑا رہے ہیں اور تمام مسلمانوں کے حق میں جو زمانہ رسالت سے اس وقت تک اس کے ظاہری معنی مراد سمجھتے چلے آئے ہیں، یہ گمان کر بیٹھے ہیں کہ وہ حضرت مسیح کی نسبت خنزیروں کا شکار کھیلنے اور چوہڑوں اور چماروں اور کھنڈیلوں اور کتوں کو ساتھ لے کر جنگلوں میں دوڑتے پھرنے کا اعتقاد رکھتے چلے آئے ہیں اور اس گمان سے وہ نصوص نبویہ اور قرآنیہ کے ظاہری معنی مراد لینے کو ایک نہایت شرمناک اور غیر مہذبانہ واحمقانہ خیال سمجھنے لگے ہیں۔ جس کا عنقریب یہ نتیجہ ظاہر ہوگا کہ وہ آیات حرمت خنزیر میں بھی خنزیر سے خنزیر صفت انسان مراد لیں گے اور اصلی خنزیر کو حلال سمجھ کر نوش جان فرمائیں گے۔ اس اصول پر وہ نماز وروزہ وحج وزکوٰۃ کی نصوص کی وہ تاویلیں کریں گے جو فتویٰ ص۱۴۱ میں باطنیہ سے منقول ہوئی ہیں۔ اس وقت تک تو وہ احادیث کے ظاہری معانی پر قہقہے اڑا رہے ہیں۔ چندروز کے بعد جب اصول تاویل کادیانی ان کے خیال میں استحکام

کے ساتھ جاگزین ہوگا تو وہ آیات قرآن کے ظاہری معانی پر ان کو دوسری آیات اور تعلیم قرآنی وتقدس رحمانی کے برخلاف سمجھ کر قہقہے اڑائیں گے اوران ظواہر سے انکار کریں گے۔اس انکار ظواہر آیات کی پٹری بھی ان کے پیغمبر کادیانی نے جمادی ہے اور آیات لیلۃ القدر وسجود آدم ومعجزات مسیح ازقسم احیاء موتیٰ وخلق طیور وغیرہ کے ظاہری معانی کو خلاف تعلیم قرآنی وتقدس رحمانی وبرخلاف حقائق نفس الامر یہ قرار دے کر ان کی تاویل کردی ہے اور یہ انکار آپ کا حدیث نبوی کے ظاہری معانی میں محدود ومحصور نہیں رہا۔ظواہر حدیث کو تو آپ نے ظنی ہونے کے بہانہ سے نشانہ بنایا ہے۔ظواہر قرآن کو اس حیلہ سے اڑانا شروع کردیا ہے کہ وہ ظواہر دوسری آیات کے مخالف ہیں اور تعلیم قرآن وتقدس رحمانی کے منافی ہیں جس سے یقین ہوتا ہے کہ آپ کی یہ تطبیق وتاویل آپ کے اتباع میں مسلم ہوگئی۔(خدا اس کو مسلم نہ ہونے دے اور باطل ومضمحل کر دے) تو آپ اور آپ کے اتباع جملہ نصوص قرآنیہ واحادیث نبویہ کے ظواہر وحقائق سے منکر ہوجائیں گے اور پکے اور پورے باطنی وملحد بن جائیں گے۔اے خدا! تو ان کو اس بلا سے بچا۔

۰ے یہ صاف وصریح اقرار ہے کہ آپ کے نزدیک صحیحین کی بعض احادیث میں حقیقی اور واقعی تعارض بھی موجود ہے جس کو نہ آپ دور کر سکتے ہیں نہ آپ کے زعم میں کوئی اور شخص، اور تعارض آپ کے نزدیک وضع وتحریف کی علامت ہے۔ چنانچہ اپنی تحریر نمبر۴ وغیرہ میں آپ بیان کر چکے ہیں ان دونوں مقدمات سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ صحیحین میں آپ کے نزدیک بعض احادیث موضوع بھی موجود ہیں۔ یہ احادیث صحیحین پر آپ کا تیرہواں حملہ ہے۔

اے میں نے یہ سوال نہیں کیا۔حاشیہ نمبر۱،۲ص ۲۵۳ اور متن صفحہ مذکور ملاحظہ ہو اور جو اس سوال کے جواب میں آپ نے کہا ہے وہ بھی بے محل ہے اور جس عبارت ریویو سے آپ نے استدلال کیا ہے وہ بھی آپ کی مدعا سے اجنبی ہے۔اس عبارت میں آیہ وحدیث کے ہوتے تقلید کو غیرضروری بتایا گیا ہے اور آپ کا دعویٰ تعارض احادیث ابن صیاد ودجال محض باطل خیال ہے۔احادیث نبویہ سے اس پر شہادت پائی نہیں جاتی۔حاشیہ نمبر۱،۲ص ۲۴۱ ملاحظہ ہو۔

۲ے حدیث صحیح کا مرتبہ ثبوت میں قرآن کریم کے مساوی نہ ہونا تو میں نے ظاہر کیا تھا۔مگر قرآن کا محک صحت احادیث صحیحہ ہونا اپنی طرف سے ملا کر مجھے ان دونوں باتوں کا قائل قرار دیا اور اس میں اپنی دجالیت کا ایک ثبوت پیش کیا ہے۔میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ احادیث صحیحہ کا معیار صحت اصول روایت ہیں اور احادیث صحیحہ ثبوت صحت کے بعد خود بخود موافق قرآن ہوجاتی ہیں۔احادیث صحیحہ کی صحت کو قرآن سے نہیں پہچانا جاتا۔ممکن ہے کہ ایک حدیث کا مضمون قرآن کے مطابق ہو اور وہ حدیث صحیح نہ ہو۔

۳۔ یہ غلطی کا اعتراف منافقانہ ہے۔ یہ اعتراف صادق اور دل سے ہوتا تو میرے اس اعتقاد کو کہ: ’’احادیث صحیحہ کی صحت کا مرتبہ قرآن کے برابر نہیں‘‘ بیان وتسلیم کرنے کے بعد آپ اس مانی منائی ہوئی بات کو میرے خطاب میں پیش نہ کرتے۔ حالانکہ آخری تحریر تک اس بات کا آپ نے پیچھا نہیں چھوڑا۔ ہر یک تحریر میں اس کا اعادہ کیا ہے۔

۴۔ اس قول میں کادیانی نے عجیب تدلیس وتلبیس سے کام لیا ہے اور اپنا دجال ہونا بہت زور سے ثابت کر دکھایا ہے۔ اس کی جملہ تلبیسات وتحریفات نصوص قرآن وحدیث کا اصل اصول یہی امر ہے جو اس قول میں اس نے اختیار کیا ہے۔ ناظرین اس کی شرح توجہ سے سنیں۔ اس قول میں آپ نے دعویٰ یہ کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ وحی مجمل میں اجتہاد کرتے اور اس میں غلطی کیا کرتے۔ جو جملہ مجملات وحی متلو (قرآن مجید) اور وحی غیر متلو (حدیث شریف) کو شامل ہے اور اس دعویٰ سے کادیانی نے یہ جتایا ہے کہ قرآن کی جو آیۃ مجمل ہے یا احادیث نبویہ سے جو حدیث مجمل ہے وہ محل اجتہاد ہے اور اس میں غلطی ہوسکتی ہے۔ اسی نظر سے کادیانی نے اپنی تحریر نمبری ۴ میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ: ’’بعض حدیثیں اجتہادی طور سے آنحضرت ﷺ نے فرمائی ہیں۔ اس وجہ سے ان میں باہم تعارض ہوگیا ہے۔‘‘ جس پر ہم نے اپنی تحریر نمبر ۵ میں معنے اجتہاد سے سوال کیا تھا، اسی کا جواب کادیانی نے اس قول میں دیا ہے جس کا مطلب مضمون تحریر نمبر۴ اور ازالہ کادیانی کا مضمون ص ۲۰۲، ۲۰۷ وغیرہ ملا کر یہ ہوا کہ ’’بعض آیات واحادیث کی وحی آنحضرت ﷺ کو مجمل ہوتی۔ آنحضرت ﷺ اپنے اجتہاد سے اس کی تفسیر وتشریح فرماتے اور اس میں غلطی بھی کیا کرتے۔ اسی وجہ سے ان میں تعارض واقع ہوگیا ہے اور احادیث متعلقہ دجال وابن صیاد وحضرت مسیح اسی قسم سے ہیں۔ آنحضرت کو اس بات میں کچھ مجمل وحی ہوئی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی تشریح وتفسیر اپنے اجتہاد سے کر کے وہ حدیثیں فرمادی ہیں اور ان میں غلطی کی۔ یہی وجہ ہے کہ ان احادیث میں تعارض واقع ہوگیا ہے۔‘‘

اس عام دعویٰ (وحی مجمل قرآن وحدیث کو آنحضرت ﷺ کے اجتہاد سے تفسیر کرنے اور اس میں غلطی کے مرتکب ہونے) پر جو دو دلیلیں کادیانی نے پیش کی ہیں وہ آنحضرت ﷺ کے دو خواب ہیں۔ (چنانچہ حاشیہ آئندہ متصلہ میں ان کی تشریح ہوگی) اور نبی کا خواب گو ایک خاص قسم کی وحی ہے۔ جس کی تعبیر اجتہاد سے ہوسکتی ہے اور اس میں غلطی ممکن ہے۔ مگر اس خاص قسم وحی کے محل اجتہاد غلطی ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہر قسم کی وحی مجمل قرآن وحدیث کی تفسیر آنحضرت ﷺ اجتہاد سے فرماتے اور اس میں غلطی کیا کرتے۔

دعویٰ تو آپ نے عام کیا کہ ہر ایک وحی مجمل قرآن وحدیث میں آنحضرت ﷺ اجتہاد کرتے اور اس میں غلطی کے مرتکب ہوتے اور دلیل خاص ایک قسم (خواب) میں آنحضرت ﷺ کا اجتہاد وغلطی کرنا

پیش کیا اور مسلمانوں کو دھوکہ دیا اور اس دھوکہ سے اپنا دجال ہونا ثابت کیا۔ مسلمان اور غیر مسلم سبھی عقلاً اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ دلیل خاص سے دعویٰ عام ثابت نہیں ہوتا۔ مگر آپ کو ایسے اتباع مل گئے ہیں جو عقل سے بھی اب کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ جیسا کہ نقل کو پہلے ہی سے آپ سے بیعت کر کے سلام کہہ چکے تھے۔ لہٰذا آپ بے دھڑک وبلا پابندی نقل وعقل جو چاہتے ہیں کہہ دیتے ہیں اور وہ ’’آمنا کل من ربنا‘‘ کہہ کر اس کو تسلیم کر لیتے ہیں) آپ دو تین خوابوں کی تعبیر میں آنحضرتﷺ کے اجتہاد وخطاء کو ہتھکنڈا بنا کر انہیں کے دست آویز سے جس پیشین گوئی قرآن وحدیث کو چاہتے ہیں وحی مجمل قرار دیتے ہیں اور اس کو آنحضرتﷺ کے اجتہاد کا ایک غلط نتیجہ ٹھہرا کر اس کے ظاہر معانی کو بے کار وبے اعتبار ٹھہراتے اور اپنی تاویل کا محل بنا لیتے ہیں اور نصوص قرآن وحدیث کو زیر وبالا کر دیتے اور وہ لوگ عقل ونقل سے آزاد اس کو حقائق ومعارف سمجھ کر اس پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ لوگ تو ہمارے کلام کو شاید سمجھ بھی نہ سکیں گے۔ ہم ناواقف اہل اسلام کو یہ بتاتے ہیں کہ اسلام میں مجملات قرآن حدیث کا کیا حکم مقرر ومسلم ہے۔

اسلام ومسلمانوں میں مجملات قرآن حدیث کا یہ حکم مسلم ومقرر ہے کہ جس مخزن ومخرج سے مجمل کا صدور ہوتا ہے۔ اسی مخزن ومخرج سے اس کا بیان صادر ہوتا ہے۔ یعنی وحی الٰہی ونص شارع سے جس کو اجتہاد اور اجتہادی غلطی ہرگز نہیں کہا جاسکتا۔

مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی کتاب اصول فقہ حسامی میں لکھا ہے: ’’**وضد المفسر المجمل: وهو ما اندحمت فيه المانى فاشبه المراد به اشتباها لا يدرک الا ببيان من المجمل كآية الربٰو وحكمه التوقف فيه علٰى اعتقاد حقية المراد به الى ان ياتيه البيان** (حسامی ص۶)‘‘ مفسر کی ضد مجمل ہے جس کی مراد میں کثرت معانی کے سبب ایسا اشتباہ واقع ہو جو بلا بیان شارع رفع نہ ہو۔ جیسے آیہ ربٰو ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی مراد قرار دینے میں توقف کیا جائے۔ جب تک کہ شارع سے بیان وارد نہ ہو۔ آیہ ربٰو کے مجمل ہونے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ربٰو عربی زبان میں ہر ایک بڑھوتری کو کہا جاتا ہے اور کوئی بیع ایک جانب کی بڑھوتری سے خالی نہیں۔ لہٰذا یہ معنی لغوی ربٰو کے اس آیہ میں مراد نہیں ہوسکتی اور وجوہات سے بڑھوتری مراد لیں تو ان میں کثرت وجوہات کے سبب اشتباہ واقع ہے اور کسی خاص وجہ کی بڑھوتری مراد نہیں لی جاسکتی۔ لہٰذا اس کی مراد قرار دینے میں توقف کیا گیا۔ یہاں تک کہ شارعﷺ نے اس کی مراد کو خود بیان کر دیا اور صاف فرمادیا کہ چھ چیزوں گندم، جو، نمک، کھجور، سونا، چاندی کا اپنی ہم جنس سے مبادلہ ہو تو اس میں ایک جانب کی بڑھوتری ربٰو ہے تو وہ اشتباہ رفع ہوا۔ اس بیان نبوی کی نسبت کوئی مسلمان یہ تجویز نہیں کرتا کہ آنحضرتﷺ نے یہ بیان اجتہاد سے فرمایا ہے۔ جس میں

خطاء کا احتمال ہے بلکہ بالاتفاق یہی تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہ بیان وحی الٰہی سے ہوا ہے۔ جس کو شریعت کہا جاتا ہے اور اس بیان میں آپ کو شارع تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کی مثالیں کتاب وسنت میں اور بہت ہیں۔ کتاب اللہ کی اور تمثیلات کا کوئی سائق ہو تو تفسیر اتقان مطبوعہ دہلی کے ص ۳۰۸ میں دیکھئے اور احادیث کی تمثیلات کتب احادیث میں نبی کے خواب کے مجملات اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اور اس کی تعبیر وحی الٰہی پر موقوف نہیں۔ وہ اجتہاد سے بھی ہوسکتی ہے۔

نبی ﷺ کا خواب گو ایک قسم کا وحی ہے۔ چنانچہ ابن ابی حاتم اور بخاری کی حدیث میں آیا ہے: ’’**رویا الانبیاء وحی رواہ ابن ابی حاتم مرفوعاً والبخاری من قول عبید بن عمر**‘‘ مگر چونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنی خوابوں کے اجتہاد سے تعبیر کی اور اس میں بعض جگہ (جن کا ذکر حاشیہ آئندہ میں ہے) غلطی بھی ظاہر ہوئی تو اس سے ثابت ہوا کہ اس قسم کی مجمل وحی منامی کا حکم عام مجملات قرآن وحدیث سے متغائر ہے۔ اس میں اجتہاد سے کام لینا جائز ہے اور شرع اور وحی سے درود بیان کی تعبیر خواب میں ضرورت نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس قسم وحی منامی کے چھیالیسوں حصہ (مومنوں کی خواب) میں جس کو بخاری کی حدیث نبوی: ’’**رویا المؤمن جزء من ستة واربعین جزء من النبوة** (بخاری ص۱۰۳۵)‘‘ میں نبوت کا چھیالیسواں حصہ کہا گیا ہے۔ اجتہاد سے تعبیر کو جائز رکھا گیا ہے اور اگر اس قسم کی وحی کی تعبیر بھی بیان شارع پر موقوف رکھی جاتی تو اس کی جزء (چھیالیسواں حصہ) میں بھی اس بیان شارع کے کسی جزء کی ضرورت ہوتی اور چونکہ یہ ناممکن امر ہے کہ ہر ایک مؤمن کی سچی خواب کی تعبیر کا کوئی حصہ بیان شارع میں پایا جائے۔ لہٰذا اس کے کل یعنی وحی منامی نبوی میں بھی اس بیان کی ضرورت کو اٹھایا گیا اور اجتہاد سے اس کی تعبیر کو جائز رکھا گیا۔

الحاصل خاص خواب کا حکم اور ہے۔ عام مجملات قرآن وحدیث کا حکم اور۔ کادیانی مسلمان کو دھوکہ دیتا ہے کہ عام وحی مجمل قرآن وحدیث کو خواب کے حکم میں ٹھہرا کر جس آیہ حدیث کو چاہتا ہے وحی مجمل قرار دے کر اجتہادی غلطی کا قرار دیتا اور اس میں جو تاویل چاہتا ہے کرتا ہے۔ یہ آپ کے ملحدانہ اصول کا ابطال ہے۔ اب اس باطل اصول کے بداثر سے ان احادیث کو بری کیا جاتا ہے جن کو اس اصول کے شکنجہ میں پھنسا کر کادیانی نے خواب یا تعبیر ٹھہرا کر محل اجتہاد وغلطی اجتہادی وناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ یعنی احادیث متعلقہ دجال وابن صیاد خصوصاً حدیث تمیم داری جس کو خصوصیت کے ساتھ کادیانی نے تحریر نمبری ۴ میں نشانہ بنایا ہے۔

پس واضح ہو کہ جن احادیث میں دجال کی آمد کی خبر ہے ان میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس میں کسی قسم کا اجمال ہو یا احادیث ابن صیاد سے اس کا تعارض ہو یا اس میں آنحضرتﷺ کے خواب کی حکایت یا کسی خواب کی تعبیر ہو یا اس کا خلاف مشاہدہ میں آیا ہو۔ جس سے ثابت ومفہوم ہو کہ وہ اجتہادی تعبیر تھی جو خلاف واقعہ نکلی بلکہ وہ احادیث اپنے منطوق ومفہوم والفاظ وسیاق سے صاف بتارہی ہیں کہ ان احادیث میں آنحضرتﷺ نے جو حالات بیان کئے ہیں وہ آنحضرتﷺ کی چشم دید واقعات ہیں جو بمشاہدہ عینی بوحی الٰہی آپ پر منکشف ہوئے ہیں اور ان احادیث میں کسی قسم کا تعارض وتخالف نہیں ہے۔ احادیث متعلقہ ابن صیاد کا احادیث دجال سے متعارضہ ہونا حاشیہ سابقہ میں بیان ہوچکا ہے اور احادیث دجال کا آپس میں متعارض نہ ہونا ریویو ازالہ کادیانی میں ثابت کیا جائے گا اور حدیث تمیم داری بالفاظ ہماری تحریر نمبر۸ میں منقول ہے۔ اس مقام پر چند احادیث متعلقہ آمد دجال نقل کی جاتی ہیں جو ابطال عموم دعویٰ کادیانی کے لئے کافی ہیں۔ ناظرین انصاف سے دیکھیں کہ ان میں کسی قسم کا اجمال یا ان کا خواب یا تعبیر خواب ہونا یا ان کا اجتہادی ہونا کسی لفظ سے مفہوم ہوتا ہے؟

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا ہے کہ: ’’**عن عبدالله بن عمرؓ قال قام رسول اللهﷺ فی الناس فاثنی علی الله بما هو اهله ثم ذکر الدجال فقال انی لا نذر تکموه وما من نبی الا انذره قومه ولا کنی ساقول فیه قولاً لم یقله نبی لقومه انه اعور وان الله لیس باعور** (بخاری ص۲۵۵ ومعناه فی مسلم ص۴۰۰) ‘‘آنحضرتﷺ لوگوں میں (خطبہ کے لئے) کھڑے ہوئے۔ پھر خدا کی تعریف کے بعد آپ نے دجال کا ذکر کیا تو فرمایا کہ میں تمہیں اس سے ڈراتا ہوں اور کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اس سے اپنی قوم کو ڈرایا نہ ہو۔ ولیکن میں اس کے حق میں ایک ایسی بات کہتا ہوں جو پہلے کسی نبی نے نہیں کہی وہ یہ ہے کہ وہ دجال کانا ہوگا اور خدا تعالیٰ کانا نہیں ہے۔

’’**عن انس بن مالک ما بعث نبی الانذر امته الاعور الکذاب وان ربکم لیس باعور وان بین عینیه مکتوب کافر** (بخاری ص۱۰۵۶، مسلم ص۴۰۰) ‘‘حضرت انس آپ سے یہ نقل کرتے ہیں کہ کوئی نبی نہیں ہے جس نے اس کانے کذاب سے ڈرایا نہ ہو اور تمہارا رب کانا نہیں ہے۔

’’**وفیه یقرء کل مؤمن کاتب وغیر کاتبه عن حذیفه عن النبیﷺ قال فی الدجال ان معه ماء ونارًا فناره ماء بارد وماء ہ نار** (بخاری ص۱۰۵۶، مسلم ص۴۰۰) ‘‘ اس کانے کذاب کی دو آنکھوں کے مابین لفظ ’’ک ف ر‘‘ یعنی کافر لکھا ہوگا جس کو ہر ایک مؤمن پڑھا ہوا اور ان پڑھ پڑھ لے گا۔

''وفیہ فاما ادرکن احد ملیات النھر الذی یراہ ناراً فلیغس وعن ابی سعید الخدری قال حدثنا رسول اللہ ﷺ یوماً حدیثاً طویلاً عن الدجال فکان فیما یحدثنا بہ انہ قال یاتی الدجال وھو محرم علیہ ان یدخل نقاب المدینۃ فینزل الیٰ بعض السباخ التی تلی المدینۃ فیخرج الیہ یومئذ رجل ھو خیر الناس او من خیار الناس فیقول اشھد انک الدجال الذی حدثنا رسول اللہ حدیثہ فیقول الدجال ارایتم ان قتلت ھذا ثم احییتہ ھل تشکرن فے الامر فیقولون لا فیقتلہ ثم یحییہ فیقول واللہ ما کنت فیک اشد بصیرہ منی الیوم فیر یدالدجال ان یقتلہ فلا یسلط علیہ (مسلم ص۴۰۷، بخاری ص۱۰۵۶)'' حضرت حذیفہ نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ دجال کے ساتھ پانی بھی ہوگا آگ بھی ہوگی۔ سو اس کی آگ (واقعہ میں) پانی ہوگا اور پانی (واقعہ میں) آگ پس اگر کوئی اس کو پائے تو جو آگ نظر آوے اس میں غوطہ لگائے۔ حضرت ابوسعید خدری نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہم کو ایک دن دجال کے حق میں ایک لمبی حدیث سنائی۔ اس میں یہ ذکر بھی تھا کہ دجال پر شہر مدینہ کے دروازوں میں داخل ہونا حرام کیا جائے گا۔ وہ مدینہ کے متصل بعض زمین شور میں پہنچے گا تو اس کی طرف ایک ایسا شخص نکلے گا جو اس دن تمام لوگوں سے بہتر ہوگا۔ (علماء کہتے ہیں یہ حضرت خضر ہوں گے لو یہ ایک مصیبت کادیانی پر نازل ہوئی۔ وہ حیات حضرت مسیح کو ناممکن سمجھتا تھا۔ یہاں ایک اور بھی غیر معمولی زندہ پیر نکل آئے) وہ شخص دجال کو کہے گا میں گواہی دیتا ہوں کہ تو وہ دجال ہے جس کی بات ہم مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ نے کہی ہوئی ہے۔ دجال اپنے ذریات کو کہے گا بتاؤ اگر میں اس شخص کو مار ڈالوں اور پھر زندہ کروں تو تم کو میرے معاملہ میں کچھ شک رہے گا۔ وہ کہیں گے نہیں۔ پھر وہ اس کو قتل کرے گا۔ پھر زندہ کرے گا تو وہ شخص کہے گا کہ مجھے جیسا اس وقت (یعنی تیرے افعال کو دیکھ کر) تیرے دجال ہونے کا یقین حاصل ہوا ہے ایسا یقین پہلے حاصل نہ تھا۔ پھر وہ اس کو (دوبارہ) مارنا چاہے گا تو اس پر قدرت نہ پائے گا۔

''عن انس بن مالک قال قال النبی ﷺ یحیی الدجال حتی ینزل فی ناحیۃ المدینۃ ترجف ثلث رجفات فیخرج الیہ کل کافر ومنافق (بخاری ص۵۵، مسلم ص۴۰۵)'' حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے دجال آئے گا تو مدینہ کی ایک جانب اترے گا۔ اس وقت مدینہ میں تین دفعہ زلزلہ واقع ہوگا۔ جس سے ہر ایک منافق وکافر جو مدینہ میں ہوگا نکل کر دجال کے پاس چلا جائے گا۔

ان احادیث کے الفاظ اور سیاق اور محل بیان (موقعہ خطبہ) صاف بتارہے ہیں کہ ان احادیث

میں جو حالات دجال کے آنحضرت ﷺ نے بیان کئے ہیں وہ آپ کے چشم دید حالات ہیں اور ان احادیث کے الفاظ وسیاق وسباق میں کوئی تصریح یا اشارہ پایا نہیں جاتا ہے کہ یہ خواب کی حکایت یا خواب کی تعبیر ہے اور آنحضرت ﷺ نے جو کچھ ان میں فرمایا ہے وہ ظن واجتہاد سے کہا ہے۔ یہ تصریح یا اشارہ نہ ان احادیث میں پایا جاتا ہے نہ کسی اور حدیث میں۔

اب ہم ناظرین کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کادیانی نے ان احادیث کو اپنے اس باطل اصول کے شکنجہ میں کیونکر پھنسایا اور کس تحریر میں ان کو خواب ٹھہرا کر اجتہادی وناقابل اعتبار قرار دیا ہے اور اس کا جواب کیا ہے۔ جس سے ان احادیث کے خواب ہونے سے برأت ہو۔ پس واضح ہو کہ کادیانی نے ایک تو مسلم کی حدیث دمشقی روایت نواس بن سمعان سے دجال کے حق میں آنحضرت کا یہ لفظ ''کانی اشبہ بعبد العزیٰ'' جس کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں گویا دجال کو عبدالعزیٰ سے تشبیہ دے رہا ہوں لے لیا اور لفظ کو اس امر کا مشعر ٹھہرایا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دجال کو حقیقۃً نہیں دیکھا تھا بلکہ کشف یا خواب کی حالت میں دیکھا تھا۔ تب ہی لفظ گویا فرمایا۔

دوسری بخاری کی وہ حدیث لے لی ہے جو اس کے ص۴۸۹ وغیرہ میں مروی ہے اور اس میں یہ ذکر ہے کہ: ''آنحضرت ﷺ نے خواب میں دجال کا کعبہ کو طواف کرتے دیکھا۔'' اس حدیث کے بیان خواب اور حدیث نواس بن سمعان کے لفظ ''گویا'' کے مشعر، کشف یا خواب ہونے سے اس نے یہ نکال لیا ہے کہ نواس بن سمعان کی تمام حدیث اور حضرت مسیحؑ اور دجال کی جملہ احادیث خواب ومکاشفات ہیں جو تعبیر وتاویل کی محتاج ہیں نہ حقائق واقعہ چنانچہ (ازالہ ص۲۰۳، خزائن ج۳ ص۲۰۰) میں حدیث نواس بن سمعان کے لفظ مذکور سے استدلال کر کے کادیانی نے کہا ہے کہ: ''آنحضرت ﷺ کو جو حضرت عیسیٰؑ اور دجال کی نسبت امور معلوم ہوئے تھے وہ حقیقت میں سب مکاشفات نبویہ تھے جو اپنے اپنے محل پر مناسب تاویل وتعبیر رکھتے ہیں۔ ان ہی میں سے یہ دمشقی حدیث بھی ہے جو مسلم نے بیان کی ہے۔ جس کا اس وقت ہم ترجمہ کر رہے ہیں اور ہمارے اس بیان پر کہ تمام پیشین گوئیاں مکاشفات نبویہ ہیں اور رؤیا صالحہ کی طرح بالتزام قرائن محتاج تعبیر ہیں۔ خود آنحضرت ﷺ کے بیانات مقدسہ شاہد ناطق ہیں۔'' پھر اس کی تمثیل وتائید میں ص۲۰۴، ۲۰۵ میں بخاری کی حدیث مذکور متضمن خواب طواف دجال نقل کر کے (ص۲۰۷، ۲۰۸، خزائن ج۳ ص۲۰۲، ۲۰۳) میں اس کی نسبت کہا ہے کہ: ''ایسے کلمات کو ظاہر پر حمل کرنا بڑی غلطی ہے۔ یہ درحقیقت مکاشفات اور خوابوں کے پیرایہ میں بیانات ہیں جن کی تعبیر وتاویل کرنی چاہئے۔ جیسا کہ عام طور پر خوابوں کی تعبیر کی جاتی ہے۔ سو اس کی تعبیر یہ ہے...... کہ دجال اپنے ظہور کے وقت اپنے فتنہ اندازی کے کام کے گرد

پھرے گا۔‘‘ اس کے بعد بڑے زور وشور کے ساتھ جلی قلم سے لکھا ہے کہ ’’اب کہاں ہیں وہ حضرات مولوی صاحبان جوان حدیثوں کے الفاظ کو حقیقت پر حمل کرنا چاہتے ہیں اوران کے معانی کو ظاہر عبارت سے پھیرنا کفر والحاد سمجھتے ہیں۔ ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ سلف صالح نے اس حدیث کے معنی کرنے کے وقت مسیح دجال کے طواف کرنے کو ایک خواب کا معاملہ سمجھ کر کیسی اس کی تاویل کردی جو ظاہر الفاظ سے بہت بعید ہے۔ پھر جس حالت میں لاچار ہوکر ان مکاشفات کی ایک جزو کی تعبیر کی گئی تو پھر کیا وجہ کہ باوجود موجود ہونے قرائن قویہ کے دوسری جزوں کا تعبیر نہ کی جائے۔‘‘ (ازالہ ص۲۰۸،۲۰۹، خزائن ج۳ ص۲۰۳) اس کے بعد (ازالہ ص۲۱۰، خزائن ج۳ ص۲۰۳) میں لکھا ہے کہ ’’جس طرح ہمارے علماء نے مسیح دجال کے طواف کو ایک کشفی امر سمجھ کر اس کی ایک روحانی تعبیر کردی ایسا ہی خود جناب خاتم الانبیاءﷺ (جس معنی کو کادیانی آنحضرتﷺ کو خاتم الانبیاء سمجھتا ہے اس کی تشریح فتویٰ میں ص۱۱۶،۱۷۱،۱۷۴ ہو چکی ہے۔ ایسے الفاظ وہ مسلمانوں کو اپنی دام میں لانے کے لئے بولتا ہے اور حقیقت میں آنحضرتﷺ کے بعد وہ اپنے آپ کو نبی مرسل سمجھتا ہے) نے کئی مقامات میں ظاہر فرمادیا ہے کہ جو کچھ میرے پر کشفی طور پر کھلتا ہے جب تک منجانب اللہ قطعی اور یقینی معنی اس کے معلوم نہ ہوں میں ظاہر پر حمل نہیں کرسکتا۔‘‘ (ازالہ ص۲۱۰، خزائن ج۳ ص۲۰۴) ’’پھر اس کی تمثیل میں ایک حدیث صحیح بخاری کی ص۵۵۱ سے یہ نقل کی ہے۔ آنحضرتﷺ کو خواب میں بی بی عائشہ صدیقہؓ دکھائی گئیں اور یہ کہا گیا کہ یہ تیری زوجہ ہے۔ تسپر آنحضرتﷺ نے فرمایا یہ امر خدا کی طرف سے ہے تو خدا اس کو نافذ کرے گا۔‘‘ دوسری حدیث خواب میں مقام ہجرت دیکھنے کی، جس کا بیان آگے ہوگا۔

یہ کادیانی کی تقریر پرتزویر ہے جس میں اس نے احادیث متعلقہ دجال اور حضرت مسیح کو اپنے اصول کے شکنجہ میں پھنسا کر خواب قرار دیا ہے۔ اب اس کا جواب ناظرین سنیں۔ کادیانی نے جو کچھ اس تقریر میں کہا ہے اس کا مطلب وماحصل وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے کہ وہ آنحضرتﷺ کی دوتین خوابوں کو تہہ کنہڈا بنا کر ان کے ذریعہ سے جس آیہ یا حدیث کو چاہتا ہے۔ وحی مجمل اور خواب یا مکاشفہ محتاج تعبیر وتاویل بنادیتا ہے۔

اور اس کا جواب بھی گزر چکا ہے کہ یہ محض مغالطہ ہے اور صاف دھوکہ بعض احادیث میں جو آنحضرتﷺ کی خاص خوابوں کا بیان ہے وہ جملہ احادیث نبویہ متعلقہ دجال وحضرت مسیح کو وحی مجمل اور خواب نہیں بنا سکتا اور دلیل خاص سے دعویٰ عام ثابت نہیں ہوتا اور خاص خواب کا حکم اور ہے اور عام مجملات قرآن وحدیث کا حکم اور ہے۔ مگر اس مقام میں کادیانی نے مغالطات مسلمانوں پر ظاہر کرنے کی غرض سے

اس جواب کی اور تشریح کی جاتی ہے۔

کادیانی کا حدیث نواس بن سمعان کے لفظ کانی (بمعنی گویا) کے مشعر کشف یا خواب کہنا۔ پھر کشف اور خواب دونوں کو یکساں محتاج تعبیر وتاویل کہنا پھر اس لفظ کی شہادت سے تمام حدیث نواس بن سمعان کو ایک کشف یا خواب قرار دینا مغالطہ در مغالطہ ہے۔

اس میں ایک مغالطہ کادیانی کا آنحضرت ﷺ کے رویت دجال کو خواب تجویز کرنا ہے جو محتاج تعبیر ومحل تاویل ہوتا ہے۔ دوسرا مغالطہ اس خواب کے ساتھ لفظ ''یا کشف'' لا دینا تاکہ ناظرین کو یہ متوہم ہو کہ وہ کشف بھی خواب میں ہی ہوگا یا یہ کشف بھی خواب کی طرح محتاج تعبیر ومحل تاویل ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ آگے چل کر یہ بات اس نے بتصریح بھی کہہ دی ہے۔ یہ دونوں مغالطے اس ایک تجویز سے دفع ہوسکتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو خداتعالیٰ نے بحالت بیداری دجال کی اصلی صورت دکھائی ہو۔ جیسے آپ کی سیر بیت المقدس کو اہل مکہ کے نہ ماننے کے وقت بیت المقدس کی اصلی صورت آپ کو دکھائی تھی۔ ''**قال رسول اللہ ﷺ لما کذبتنی قریش قمت فی الحجر فجلی اللہ لی البیت المقدس فطفقت اخبرھم عن اٰیاتہ وانا انظر الیہ متفق علیہ** (مشکوٰۃ ص ۲۴۲) '' آپ مکہ کے مقام حجر میں بیت المقدس کو بچشم خود دیکھ رہے اور کفار قریش کو اس کے پتے بتاتے جاتے تھے یا جیسے حضرت عمر فاروق ؓ کو خطبہ کی حالت میں منزلوں کے فاصلہ پر ایک امیر لشکر (ساریہ نامی) کے (جو اپنی لڑائی میں بے موقع کھڑا ہونے کے سبب شکست پا چکا تھا) صورت وحالت خداتعالیٰ نے دکھا دی۔ ''**عن ابن عمر ان عمر بعث جیشا وامر علیہ رجلا یقال لہ ساریہ فبینما عمر یخطب فجعل یصیح یا سارے الجبل فقدم رسول من الجیش فقال یا امیر المؤمنین لقینا عدونا فھزمونا فاذا بصائح یصیح یا ساری الجبل فاسندنا ظھورنا الی الجبل فھزمھم اللہ تعالیٰ (رواہ البیھقی فی دلائل النبوت مشکوٰۃ** ص ۵۳۸) '' تو آپ نے اسی حالت خطبہ میں چلّا کر یہ بات کہی کہ اے ساریہ پہاڑ کو پس پشت لے اور ادھر ساریہ کو خداتعالیٰ نے یہ آواز سنا دی تو اس نے پہاڑ کو پس پشت لے کر جنگ کی اور فتح پائی۔

یہ رویت عینی اور کشف بحالت بیداری ہوا تھا جو کسی تاویل کا محل اور تعبیر کا محتاج نہیں سمجھا گیا اور زمانہ صحابہ سے اس وقت تک کے اہل اسلام کے نزدیک اپنے ظاہری معانی پر محمول ہوا۔ پھر کیوں جائز نہیں کہ آنحضرت کا دجال کو دیکھنا بھی ایسا ہوا ہو اور جو آنحضرت نے اس رویت کے بیان اور صورت دجال کی تشبیہ کے وقت بلفظ ''کانی'' (یعنی گویا) تردد ظاہر فرمایا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ وہ رؤیت اس تشبیہ وبیان کے وقت سے پہلے کسی وقت ہوئی ہو اور بوقت تشبیہ دجال کی پوری صورت آپ کے یاد وخیال سے

جاتی رہی ہو۔ اس لئے کانّی ’’گویا‘‘ کا لفظ فرمایا۔ اس میں تیسرا مغالطہ یہ ہے کہ کادیانی اس رؤیت صورت دجال کا وقوع خواب یا کشف میں تجویز کر کے جملہ مضامین حدیث دمشقی روایت نواس بن سمعان کو خواب یا کشف قرار دے دیا۔ حالانکہ اس حدیث کے واقعات واحکام وہدایات صاف شہادت دے رہے ہیں کہ وہ خواب یا کشف نہیں بلکہ واقعات خارجیہ واحکام نفس الامریہ ہیں۔

اس میں ایک یہ ہدایت ہے کہ جو شخص دجال کو پاوے وہ اس کے سامنے سورۂ کہف پڑھے۔ وہ دجال کے فتنے سے اس کی محافظہ ہوگی۔ ایک واقعہ آئندہ اس میں یہ بیان ہوا ہے کہ جب دجال نکلے گا چالیس روز زمین پر پڑے گا۔ جس میں ایک دن برس روز کا ہوگا۔

اس کو صحابہ نے ظاہری معانی پر محمول کر کے ایک واقعہ آئندہ خارجی سمجھا تو اس پر آنحضرت ﷺ سے یہ سوال کیا کہ کیا برس روز کے دن میں ہم کو ایک ہی دن کی نمازیں کافی ہوں گی تو اس کے جواب میں یہ حکم ہوا کہ کافی نہ ہوں گی بلکہ اوقات پنجگانہ کا انداز کر کے نمازیں پڑھنی ہوں گی۔ یعنی نماز صباح سے چھ یا سات گھنٹہ کے بعد نماز ظہر، پھر تین یا چار گھنٹہ کے بعد نماز عصر۔ پھر دو یا تین گھنٹہ کے بعد نماز مغرب۔ پھر ایک گھنٹہ کے بعد نماز عشاء۔ پھر بارہ یا تیرہ گھنٹہ کے بعد نماز فجر وعلیٰ ہذا القیاس! اسی قسم کے واقعات واحکام اس حدیث میں اور بیان ہوئے ہیں جن کو کوئی صاحب ہوش وحواس سلیمہ بیان خواب نہیں کہہ سکتا۔ وہ بیان خواب ہوتا تو اس کے سامعین اصحاب اس پر اس قسم کے سوالات نہ کرتے اور نہ آنحضرت ﷺ اس کے متعلق یہ احکام ہدایات فرماتے۔

اور کادیانی کا حدیث طواف دجال سے استدلال بھی مغالطات کا مجموعہ ہے۔ اس میں ایک مغالطہ تو کادیانی نے یہ دیا ہے کہ اس ایک واقعہ خواب سے جملہ احادیث متعلقہ دجال وحضرت مسیح کو خواب بنا دیا اور یہ کہہ دیا کہ آنحضرت ﷺ کو جو امور حضرت عیسیٰ اور دجال کی نسبت معلوم ہوئے ہیں وہ سب کے سب مکاشفات نبویہ تھے۔ اس کا جواب گزر چکا ہے کہ حدیث طواف دجال میں ایک واقعہ خواب بیان ہوا ہے۔ اس سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت نے جو کچھ دجال اور مسیح کے باب میں فرمایا ہے وہ سب کا سب اس واقعہ خواب کا بیان یا تعبیر ہے۔ یہ بات نہ اس حدیث سے مفہوم ہوتی ہے نہ کسی اور حدیث میں پائی جاتی ہے اور نہ عقل اس کی مجوز ہے۔ کیا جو شخص ایک دفعہ زید کو (مثلاً) خواب میں دیکھے اور پھر وہ زید کے حالات واقعہ وسوانح عمری (کہ وہ عمرو کا بیٹا ہے اور خالد کا باپ اور وہ تجارت پیشہ ہے۔ دہلی میں دس برس رہا۔ کلکتہ میں پچاس برس اور سال آئندہ وہ بمبئی جانے والا ہے) بیان کرے تو ان واقعات وحالات کو سن کر کوئی عاقل سلیم الحواس یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ اسی خواب کی تعبیر یا بیان ہے؟ ہرگز نہیں۔

اوراس میں دوسرا مغالطہ کادیانی کا یہ کہنا ہے کہ مکاشفات رؤیا صالحہ کی مانند محتاج تعبیر ہیں۔اس کا جواب بھی گزر چکا ہے کہ مکاشفات بحالت بیداری محتاج تعبیر نہیں ہوتے اور وہ اپنے ظاہری معنی پر محمول ہوتے ہیں۔جیسے مکاشفہ بیت المقدس ومکاشفہ جنگ ساریہ وغیرہ وغیرہ!

تیسرا مغالطہ حدیث طواف دجال کونقل کر کے کادیانی کا یہ کہنا ہے کہ ایسے کلمات کوظاہر پر حمل کرنا بڑی غلطی ہے۔

اس میں کادیانی نے پیش تو وہ حدیث خواب طواف دجال کی ہے جوکسی کے نزدیک ظاہر معنی پر محمول نہیں۔مگراس سے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ جملہ احادیث متعلقہ دجال وحضرت مسیح کا خواب ہیں اور ظاہری معنی پرمحمول نہیں۔اس کا جواب بھی سابق میں ادا ہو چکا ہے کہ بے شک حدیث طواف دجال ایک خواب ہے جو ظاہری معنی پرمحمول نہیں ہے۔مگراس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جملہ احادیث متعلقہ دجال وحضرت مسیح (جن میں واقعات خارجیہ ومشاہدات عینیہ واحکام عملیہ کا بیان ہے اوران کوکوئی مسلمان خواب یا تعبیر خواب نہیں کہہ سکتا) خواب یا تعبیر خواب ہوں اور ظاہری معنی پرمحمول ہوں۔

چوتھا مغالطہ حدیث طواف دجال کی تعبیر کرنے کے بعد کادیانی کا قلم جلی سے یہ لکھنا ہے کہ: ''کہاں ہیں وہ علماء جوان حدیثوں کے الفاظ کوحقیقت پرحمل کرنا چاہتے ہیں اوران کے معانی کوظاہر عبارت سے پھیرنا کفر والحاد سمجھتے ہیں۔'' اس میں آپ نے وہی (تیسرا) دھوکہ دیا ہے کہ پیش تو ایک حدیث خواب طواف دجال کی اوراس سے ان سب حدیثوں کا جو دجال اور حضرت مسیح کے باب میں وارد ہیں ظاہر پرمحمول نہ ہونا اوران کی تاویل کا کفر نہ ہونا نکال کر علماء پراعتراضی سوال قائم کردیا۔

اس کا جواب بھی وہی ہے کہ کوئی عالم ایسا نہیں کہ حدیث طواف دجال کوظاہر پرحمل کرتا ہو اور اس کی تعبیر وتاویل کوکفر والحاد سمجھتا ہو۔آپ کو جو علماء وقت کافر وملحد کہتے ہیں تو وہ حدیث خواب طواف دجال کی تاویل کے سبب نہیں کہتے بلکہ اس لئے کافر وملحد کہتے ہیں کہ آپ اور نصوص قطعیہ قرآن واحادیث میں (جن میں احادیث متعلقہ دجال وحضرت مسیح بھی شامل ہیں) تاویل وتحریف کرتے ہیں اور بلاوجہ قوی ومانع ہے قطعی ان کے ظاہری معانی کوچھوڑتے جاتے ہیں جوملحدین باطنیہ کا شیوہ ہے۔

پانچواں مغالطہ کادیانی کا تاویل طواف دجال کو ذکر کر کے یہ کہنا ہے کہ جس حالت میں لاچار ہوکران مکاشفات کی ایک جز کی تعبیر کی گئی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ دوسری جزوں کی تعبیر نہ کی جاوے۔اس میں کادیانی نے حدیث طواف دجال کوایک جز ٹھہرا دیا ہے اور دوسری احادیث متعلقہ دجال وحضرت مسیح کو دوسری اجزاء اوران سب روایات کوایک حدیث قرار دیا ہے اور ناواقف مسلمانوں کودھوکہ دینا چاہا ہے۔

اس کا جواب بھی جوابات سابقہ میں ادا ہوا اور ثابت ہو چکا ہے کہ یہ محض کذب وکید کادیانی ہے۔ حدیث طواف دجال خاص ایک وقت کا واقعہ ہے جن کو دوسری احادیث متعلقہ دجال وحضرت مسیح سے کوئی اتحاد نہیں ہے نہ وہ اس کی اجزاء ہیں نہ یہ ان کا جز۔ نہ جانبین کسی تیسری حدیث کا جز۔

اخیر تقریر میں جو کادیانی نے کہا کہ ''آنحضرت نے کئی مقامات میں فرمادیا ہے کہ جو کچھ میرے پر کشفی طور پر کھلتا ہے میں ان کو ظاہر معانی پر حمل نہیں کرسکتا۔ جب تک منجانب اللہ اس کے قطعی اور یقینی معنے معلوم نہ ہوں یہ بھی کادیانی نے محض جھوٹ بولا ہے اور اس سے اس نے مسلمانوں کو یہ سخت دھوکہ دینا چاہا ہے کہ جو تاویل وتحریف نصوص قرآن وحدیث کا ملحدانہ اصول اس نے بیان کیا ہے وہ خود آنحضرت کا فرمودہ ہے۔ لہٰذا اس میں کسی مسلمان کو جائے کلام نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت نے یہ ملحدانہ اصول اور قول ہرگز نہیں فرمایا اور نہ مکاشفات عینیہ حالت بیداری کو اپنے ظاہری معنی پر حمل کرنے سے کہیں انکار یا توقف وتردد ظاہر فرمایا ہے۔ یہ کادیانی نے آنحضرت پر محض افتراء کیا ہے۔ اس کذب صریح وبہتان قبیح کے ثبوت میں جو حدیثیں کادیانی نے پیش کی ہیں ان میں یہ ملحدانہ قول واصول پایا نہیں جاتا۔ پہلی حدیث میں صرف یہ بیان ہے کہ آنحضرت کو حضرت عائشہ صدیقہ خواب میں دکھائی گئیں اور یہ کہا گیا یہ تیری زوجہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہ امر خدا کی طرف سے ہے تو خدا اس کو نافذ کرے گا۔

تو دیکھو اس میں آنحضرت نے صرف ایک خواب کے ظاہری معنی مراد ہونے میں اپنا تردد ظاہر فرمایا ہے نہ اس کو تمام خوابوں کی نسبت عام اصول وقانون بنایا ہے اور نہ خواب کے سوا مکاشفات حالت بیداری کی نسبت اس میں کچھ ارشاد کیا ہے۔ پھر کادیانی نے جو اس خاص خواب کی تعبیر میں آنحضرت کے متردد ہونے سے وہ عام ملحدانہ اصول نکال لیا اور اس کو آنحضرت کا قول قرار دیا ہے۔ یہ آنحضرت پر افتراء اور کذب محض نہیں تو کیا ہے؟

دوسری حدیث میں بھی آنحضرت کا خواب میں اپنی ہجرت کی جگہ کو دیکھنا اور پھر تعبیر میں وہم کرنا بیان ہوا ہے۔ (چنانچہ حاشیہ آئندہ میں بیان ہوگا) اس میں بھی نہ کادیانی کے اصول ملحدانہ کا نام ونشان ہے نہ بجز خواب مکاشفات خارجیہ حالت بیداری کا حکم پایا جاتا ہے۔ بالجملہ کادیانی نے جو کچھ اس تقریر پرتزویر میں کہا ہے وہ سراپا کذب ومغالطہ ہے۔ اس سے حدیث متعلقہ دجال وحضرت مسیح کا خواب اور محتاج تعبیر ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔

اس بیان سے ثابت ہوا کہ احادیث متعلقہ دجال وحضرت مسیح، کادیانی کے ملحدانہ اصول کے اثر

سے بری نہیں۔ وہ احادیث وحی مجمل اور اجتہادی اور خواب اور ظاہری معنی سے مصروف ومحتاج تعبیر ہرگز نہیں ہوسکتیں۔ بلکہ وہ اپنی معانی میں نصوص ہیں اور ظاہری معانی پر محمول ہیں۔

۵… یہ حدیث بخاری میں ہے: ''عن النبی ﷺ رایت فی المنام انی اھاجر من مکۃ الیٰ ارض بھا نخل فذھب وھلی الی انھا یمامۃ اوھجر فاذاھی مدینہ (صحیح بخاری ص ۵۵۱)'' جس کا پورا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں مکہ سے ایسی زمین کی طرف ہجرت کرتا ہوں جس میں درخت خرما ہیں۔ پس میرا وہم اس طرف گزرا کہ وہ (زمین) یمامہ ہے یا (موضع) ہجر ہے ناگاہ وہ مدینہ نکلا۔ اس حدیث کو ناظرین بنظر غور وانصاف ملاحظہ کریں۔ اس میں خاص ایک واقعہ خواب کی تعبیر میں آنحضرت کو وہم ہوجاتا بیان ہوا ہے۔ اس سے عام وحی مجمل قرآن وحدیث کا محل اجتہاد وغلطی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ (جس کا کادیانی کو اس تحریر نمبر۵ میں دعویٰ ہے) اور نہ اس حدیث میں آنحضرت کا یہ قول پایا جانا ہے کہ جو کچھ مجھ پر کشفی طور پر کھلتا ہے میں اس کو ظاہر پر حمل نہیں کرسکتا۔ (جس کا کادیانی نے ازالہ کے ص۲۱۰ میں دعویٰ کیا ہے) کادیانی نے اس دونوں دعاوی میں کذب سے کام لیا اور آنحضرت ﷺ پر افتراء کیا ہے۔

۶… یہ اجتہاد یا اس میں غلطی آنحضرت ﷺ سے نہیں ہوئی بلکہ آنحضرت کی ایک خواب کی تعبیر میں صحابہ سے یہ غلطی ہوئی ہے۔ ''وقد کان اصحاب رسول اللہ خرجوا وھم لا یشکون فی الفتح لرؤیا راھا رسول اللہ (معالم التنزیل ص ۸۳۲) قال عمر ؓ قلت لہ علیہ السلام اولیس کنت تحدثنا انا سنأتی البیت فنطوف بہ وعند الواقدی انہ ﷺ کان رای فی منامہ قبل ان یعتمر انہ دخل ھو واصحابہ البیت فلما راؤاتا خیر ذلک شق علیھم قال علیہ السلام بلیٰ فاخبرتک انا ناتیہ العام ھذا قال عمر قلت لا قال فانک اٰتیہ وتطوف بہ قال عمر فاتیت ابابکر فقلت اولیس کان یحدثنا انا سنأتی البیت ونطوف بہ قال ابوبکر بلیٰ افاخبرک علیہ السلام انک تاتیہ العام ھذا قال عمر قلت لا قال فانک اٰتیہ ومطوف بہ (قسطلانی ج۴ ص ۵۰۶)'' آنحضرت نے خواب میں دیکھا تھا کہ آپ اور آپ کے اصحابہ مکہ میں داخل ہوئے اور کعبہ کا طواف کررہے ہیں۔ اس خواب کو آنحضرت نے اصحاب کے پاس بیان کیا تو انہوں نے اس کی تعبیر میں یہ سمجھ لیا کہ اسی سال آپ مکہ فتح کریں گے اور اس میں داخل ہوکر طواف کریں گے اور جب آنحضرت ﷺ اس سال بعزم عمرہ وزیارت کعبہ وبحکم وحکمت الٰہی جس کا ظہور ربیعۃ الرضوان سے ہوا نہ بنابر تعبیر خواب خود مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور مقام حدیبیہ میں کفار مکہ کی طرف

سے روکے گئے تو وہ صحابہ اپنی تعبیر کی غلط فہمی سے آپ پر معترض ہوئے کہ کیا آپ ہم کو نہ فرماتے تھے کہ ہم کعبہ میں داخل ہوں گے اور اس کا طواف کریں گے۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ کیا میں نے یہ کہا تھا کہ ہم اسی سال میں داخل ہوں گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یہ تو آپ نے نہیں فرمایا تو اس پر آپ نے ارشاد کیا کہ پھر تم ضرور (یعنی ایک نہ ایک دن) اس میں داخل ہوگے اور اس کا طواف کرو گے اور حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی آنحضرت ﷺ کی طرف سے یہی جواب دیا اور ان لوگوں کو مطمئن کیا جب ان کے سامنے یہ اعتراض پیش ہوا۔ یہ صحیح بخاری اور اس کے شرح قسطلانی اور تفسیر معالم التنزیل کے بیان کا خلاصہ ہے اور اس سے صاف ثابت ہے کہ اس خواب کی تعبیر میں جو غلطی ہوئی ہے وہ آنحضرت سے نہیں ہوئی وہ بعض صحابہ کی فہم کی غلطی تھی۔ آنحضرت ﷺ اور صدیق اکبر نے ان کی غلطی ان پر ثابت کردی اور اس غلطی سے آپ کی برأت ظاہر کی۔ کادیانی نے جو اس غلطی کو آنحضرت کے اجتہاد کی غلطی قرار دیا ہے تو اس میں آنحضرت ﷺ پر افتراء کیا ہے اور مسلمانوں کو دھوکہ دیا۔

۷… یہ محض کذب ہے یا صریح مغالطہ۔ اس حدیث میں نہ اجماع صحابہ کا بیان ہے اور نہ وہ اجماع اس کے کسی لفظ سے مستنبط ومفہوم ہوسکتا ہے۔ ابن صیاد کے ان الفاظ سے کہ لوگ مجھے دجال سمجھتے ہیں۔ یہ اجماع مستنبط نہیں ہوسکتا۔ ہاں! بجائے لفظ لوگ ''لفظ'' سبھی لوگ وہ بولتا تو ابن صیاد کے بڑے بھائی اور اس کو سچا جاننے والے کادیانی کو اجماع استنباط کرنے کا موقع ملتا اور جس حالت میں اس نے یہ لفظ نہیں کہا اور بہت سے صحابہ کا ابن صیاد کو دجال نہ کہنا کتب حدیث میں ثابت وموجود ہے۔ چنانچہ حواشی میں بیان ہوا ہے اور آئندہ تحریر نمبری ۸ میں اور بھی بیان ہوگا۔ تو پھر کادیانی کا اس قول ابن صیاد کے تمسک سے دعویٰ جماع کذب یا مغالطہ نہیں تو اور کیا ہے۔

۸… اس قول میں کادیانی نے ایک صریح جھوٹ بولا ہے اور ایک مغالطہ دیا ہے اس کا صریح جھوٹ تین صحابہ (حضرت عمر، حضرت جابر، حضرت ابن عمر جن کا نام وہ تحریر نمبری ۴ میں بتاچکا ہے) کو اس بات کا قائل بنانا ہے کہ ابن صیاد دجال معہود ہے۔ حالانکہ ان حضرات ثلثہ سے صرف ایک ابن عمر ہیں جنہوں نے ابن صیاد کو مسیح دجال کہا ہے۔ باقی حضرت عمر، حضرت جابر نے تو اس کو صرف دجال کہا ہے (جس کے یہ معنی ہوسکتے ہیں کہ وہ منجملہ ان تیس دجالوں کے ایک دجال ہے جن کے خروج کی خبر آنحضرت نے دی ہے) نہ دجال معہود حاشیہ سابق ملاحظہ ہو اور اس کا مغالطہ صرف تین صحابہ کے (بزعم خود) اتفاق کو اجماع قرار دیتا ہے۔ حالانکہ صحابہ میں سے صرف تین یا دس بیس صحابہ کا اتفاق شرعی اجماع نہیں کہلاتا۔ اس کا مفصل بیان تحریر نمبری ۸ میں ہوگا۔

۷۹ یہ بھی کذب یا مغالطہ ہے۔ایک جماعت کا اتفاق اجماع نہیں کہلاتا بلکہ اجماع اتفاق کل کا نام ہے اور کل میں سے ایک شخص کا خلاف بھی مانع انعقاد اجماع ہے۔اس کا ثبوت بھی تحریر نمبری ۸ میں ہے۔

۸۰ اس سوال وجواب کے بیان میں بھی کادیانی نے اپنا شیوہ کید ومغالطہ پورا ظاہر کیا ہے اور اس سے اپنا دجال ہونا ثابت کر دکھایا ہے۔ناظرین اس کا بیان توجہ سے سنیں۔نہ ہم نے اس سے یہ دریافت کیا تھا کہ کہاں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتے تھے اور نہ اس نے صرف ابن صیاد کے دجال ہونے سے آنحضرت ﷺ کے فعل ڈرنے کا دعویٰ کیا تھا۔تاکہ اس کا ثبوت اس سے طلب کیا جاتا۔اس نے تو تحریر نمبری۴ میں آنحضرت کے قول کا دعویٰ کیا اور یہ کہا تھا کہ:''آنحضرت ﷺ نے آپ بھی فرمایا ہے کہ میں اپنی امت پر ابن صیاد کے دجال معہود ہونے کی نسبت ڈرتا ہوں۔''جس پر تحریر نمبری ۵ میں ہم نے یہ سوال کیا ہے کہ:''آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ آنحضرت نے ابن صیاد کی نسبت فرمایا ہے کہ میں اس کے دجال معہود ہونے سے ڈرتا ہوں۔کتب حدیث میں اس کا ذکر کہاں ہے۔''اس سوال کے جواب میں کادیانی نے اخیر مباحثہ تک نہ بتایا کہ آنحضرت کا یہ قول فلاں فلاں کتب حدیث میں ہے۔بلکہ اوّل تو ہمارے سوال کو بدل دیا اور ہم کو بھلانا چاہا اور بجائے سوال ثبوت قول نبوی سوال ثبوت فعل نبوی (خوف کرنے کا) ہماری طرف سے قائم کیا اور اس کے جواب میں حدیث شرح السنۃ کو ثبوت فعل میں پیش کر دیا اور اس چالاکی سے یہ ثابت کر دیا کہ مخاطب کو دھوکہ دینے اور اس کا سوال اس کو بھلا دینے میں آپ اپنا ثانی نہیں رکھتے اور اس وجہ سے آپ ہمیشہ تحریری مباحثہ کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ایسی بات زبانی کہیں تو حاضرین مجلس سے کوئی تو اس کو سمجھ لے اور ایسی بات کو واپس لینے پر آپ کو مجبور کرے۔طولانی تحریروں میں ایسی باتیں پڑھی جاتی ہیں تو غالباً ان کو کوئی سمجھ نہیں سکتا ہے اور آپ کا داؤ چل جاتا ہے۔پھر جب کہ آپ کی اس بھول بھلیاں کو ہم نے سمجھ لیا اور آپ کے اس جواب کا اپنی تحریر نمبر۶ میں یہ جواب دیا کہ شرح السنۃ سے جو حدیث آپ نے نقل کی ہے اس میں آنحضرت ﷺ کا کوئی قول منقول نہیں بلکہ اس میں ایک صحابی اپنا خیال ظاہر کرتا ہے جو اس کے فہم میں آتا ہے (کہ آنحضرت ﷺ ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتے تھے) اس قول صحابی کو آنحضرت کا قول قرار دینا آنحضرت پر افتراء نہیں تو اور کیا ہے؟

تو آپ نے تحریر نمبری ۶ سے یہ کہنا شروع کیا کہ صحابی نے آنحضرت کو یہ کہتے ہوئے سنا ہوگا کہ میں ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتا ہوں۔تب ہی اس نے آپ سے یہ فعل نقل کیا کہ:''آپ ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتے تھے۔''جس کا جواب تحریر نمبری ۷ میں مفصل دیا گیا ہے۔

اس مقام کے بیان سے اور بیان ہائے تحریرات آئندہ سے ناظرین کو بخوبی معلوم ہوگا کہ یہ قول

کہ:’’میں اپنی امت پر ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتا ہوں۔‘‘ آنحضرت سے کسی کتاب حدیث میں مروی ومنقول نہیں ہے اور نہ کادیانی نے اس قول کا ثبوت کسی کتاب کی نقل سے پیش کیا ہے۔ اس قول کو آنحضرت کی طرف منسوب کرنے میں اس نے صریح جھوٹ بولا ہے۔ اب اس جھوٹ کو سچ بنانے کے لئے ان احتمالات سے کہ آنحضرت نے یہ قول فرمایا ہوگا یا صحابی نے آپ کے اشارہ سے یہ قول سمجھ لیا ہوگا۔ ہاتھ پاؤں مارتا ہے جن کے مقابلہ میں ایسے احتمال بھی موجود ہیں جن سے ممکن وقرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابن صیاد سے ایسے معاملات کئے جن سے آنحضرت ﷺ کا ابن صیاد سے ڈرنا صحابی کے خیال میں آیا۔ (جیسے آنحضرت ﷺ کا چھپ کر ابن صیاد کے حالات دیکھنا اور اس کا امتحان کرنا وغیرہ جو ہماری تحریر نمبری ۷،۸ میں بیان ہوئے ہیں) تو اس صحابی نے کہہ دیا کہ آنحضرت ﷺ ابن صیاد سے ڈرتے تھے۔ لہٰذا اس کے کہنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ کلمہ کہ’’میں ابن صیاد کے دجال معہود ہونے سے ڈرتا ہوں۔‘‘ آنحضرت ﷺ نے خود فرمایا اور صحابی نے اس کو آنحضرت ﷺ کے منہ سے سنا۔

۸۱… اس سوال وجواب میں بھی آپ نے تدلیس وتلبیس سے کام لیا اور مسلمانوں کو دھوکہ دیا ہے۔ نہ ہمارا سوال پورا نقل کیا ہے اور نہ اس کا جواب پورا دیا۔ ہمارا سوال تحریر نمبری ۵ میں اور آپ کا دعویٰ تحریر نمبری۴ میں جس پر وہ سوال کیا گیا تھا ناظرین ملاحظہ کریں وانصاف سے کہیں کہ ہمارا صرف یہی سوال تھا؟ اور اس کا یہی جواب ہے؟

۸۲… اب آپ کو سوجھا کہ ہمارا جواب پورا جواب نہیں تو آپ کو برطبق مثل چور کی داڑھی میں تنکا یہ کھٹکا ہوا کہ اس سوال میں یہ امر بھی درج تھا کہ کشف سے احادیث کو صحیح وموضوع قرار دینے کی نسبت مؤلف رسالہ اشاعۃ السنۃ نے اپنا اعتقاد کیا۔ ظاہر کیا ہے جس کا ہم نے کوئی جواب نہیں دیا تو آپ نے تنکا نکالنے کے لئے یہ کہا ہے کہ اگرچہ اس امر کی نسبت آپ نے اپنا اعتقاد ظاہر نہیں کیا۔ مگر آپ کے فحوائے کلام سے سمجھ میں آتا ہے کہ آپ کا عقیدہ اس کے موافق ہوگا۔ ورنہ وہ قول آپ کے مؤیدات میں مذکور نہ ہوتا۔ اس کا جواب ہم نے تحریر نمبری ۶، ۷ میں مفصل دے دیا اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ کشف کے ذریعہ سے احادیث کی تصحیح وتضعیف سے ہم نے اشاعۃ السنۃ میں اتفاق نہیں بلکہ اختلاف ظاہر کر دیا تھا اور اس قول کی نقل سے ہمارا اور ہی مقصود تھا جس سے اس قول کو تسلیم کرنا لازم نہیں آتا۔

۸۳… اس صورت میں لغو ٹھہرتا ہے کہ اس کی نقل سے کوئی اور مقصود نہ ہو اور جس حالت میں اس قول کے نقل سے اور مقصود اسی پرچہ اشاعۃ السنۃ میں (جہاں یہ قول منقول ہے) بیان ہو چکا ہے تو پھر اس کی نقل بلا اعتقاد کو لغو ٹھہرانا خود لغو کہنا ہے۔

۸۴ اس حدیث کی نقل وتسلیم صحت سے یہ لازم نہیں آتا کہ کشف کے ذریعہ سے احادیث صحیحہ کا موضوع ہونا ہمارے نزدیک مسلم ہے۔ ہمارے نزدیک جو محدث ہونے کا دعویٰ کرے اور احادیث صحیحہ اتفاقیہ کو کشف کے ذریعہ سے موضوع کہے وہ محدث نہیں شیطان ہے۔ ہماری تحریر نمبری ۸ ملاحظہ ہو۔

۸۵ اس قدر کیوں یہ مقدار کس نے مقرر کر دیا اور اس امر میں کہ احادیث صحیحہ کا مرتبہ ظن یا غالب ظن سے زیادہ نہیں۔ کس نے آپ سے نزاع کی تھی اور یہ مسئلہ آپ سے کس نے پوچھا تھا، جس پر آپ کو اس مقدار کے بیان وتقریری کی ضرورت ہوئی۔ آپ نے اس بیان اور تقریری میں ناحق وبلاضرورت خروج از مبحث کیا جس کی یہ ساتویں دفعہ ہے۔

۸۶ حقیقی صحت کے لفظ سے اگر آپ کی مراد قطعی صحت ہے تو اس کے پرکھنے کے لئے قرآن معیار نہیں ہوسکتا جو حدیث ظنی ہے وہ موافقت قرآن کی حالت میں بھی ظن رہے گی۔ موافقت مضمون قرآن اس کو قطعی نہ بناویں گے اور اگر موافقت مضمون قرآن موجب صحت یا قطعیت ہوسکتی ہے تو چاہئے کہ ایک موضوع حدیث جس کا مضمون قرآن کے موافق ہو، صحیح اور قطعی ہو (جس کا کوئی مسلمان قائل نہیں) اور اگر اس قطعی صحت کا مطلب کچھ اور بطن قائل ہے تو اس کے اظہار پر اس میں گفتگو کی جائے گی۔

۸۷ ان آیات کا ترجمہ وہی خصوصیات وصفات ہیں جن کو کادیانی نے بعد ختم آیات نمبروار بیان کیا ہے۔ ان صفات وخصوصیات میں ایک خصوصیت بھی ایسی نہیں جس سے ثابت ہو کہ قرآن احادیث صحیح نبویہ کی صحت وقطعیت کے لئے معیار ومحک ہے۔ ناظرین غور وانصاف سے ان خصوصیات وصفات کو ملاحظہ کریں اور داد انصاف دے کر کہیں کہ ان آیات کے نقل وبیان میں کادیانی نے خروج از مبحث کیا ہے جس کی یہ آٹھویں دفعہ یا ان آیات کو سوال زیر بحث سے تعلق ہے۔ خصوصیت نمبری ۱۱ میں آپ نے قرآن کا سچ کی شناخت کے لئے محک ہونا بیان کیا ہے۔ سو وہ ان آیات میں سے کسی آیت کا ترجمہ نہیں ہے۔ ہوتا تو بھی احادیث صحیحہ نبویہ سے اس کا کچھ تعلق نہ ہوتا۔ حدیث صحیح نبوی بذات خود حق ہے۔ وہ صحت وثبوت کے بعد اپنے حق ہونے کے ثبوت میں کسی اور کسوٹی پر لگانے کی محتاج نہیں ہے۔

۸۸ یہ متعدد آیات کے الفاظ ہیں جن کو آپ نے ایک آیت قرار دیا ہے اور ان کے ترجمہ بھی نمبری ۱۴ میں ایسا کیا ہے جس سے صاف ثابت ہے کہ آپ اس کو ایک آیت سمجھتے ہیں۔ مگر مسلمانوں کے قرآن عربی میں اس آیت کا بایں الفاظ وترتیب ومقدار پتہ نہیں ہاں ’’انا انزلناہ قریباً من الکادیان‘‘ والے قرآن میں اس کا پتہ ہو تو خبر نہیں۔ ایسا ہی اور آیات میں آپ نے تصرف کیا ہے اور ان کو آیت واحدہ قرار دیا ہے اور کہیں کچھ بڑھا گھٹا دیا جس شخص کا الفاظ قرآن کے حفظ وضبط میں یہ حال ہو وہ قرآن کے

حقائق ومعارف کیا خاک بیان کرے گا۔ لاہور کے مباحثہ میں جومولوی عبدالحکیم صاحب سے ہوا تھا آپ نے آیات قرآن کو غلط پڑھا۔ ایک کتاب حدیث کی عبارت پڑھی تو غلط پڑھی۔ جس سے حاضرین کو یقین ہوگیا کہ آپ ایک رکوع قرآن شریف اور ایک حدیث صحیح نہیں پڑھ سکتے۔

۸۹ اس فطرت کی ذرا توضیح، تشریح کی ہوتی جس میں یہ تعلیم قرآن مکنون ومنقوش ہے تاکہ اچھی طرح آپ کا نیچری ہونا ناظرین پر ثابت ہوتا۔ شاید اسی خوف سے آپ نے اس توضیح سے سکوت کیا ہے نہ اور نقل آیت پر اکتفاء فرمایا۔ جو لوگ اس کے نیچری اصول پر توضیح چاہیں وہ سرسید کی تصانیف مطالعہ کریں اور اگر اسلامی اصول پر فطرت اور آیت قطران کی شرح مطلوب ہو تو اشاعۃ السنۃ ملاحظہ فرماویں۔

۹۰ ان عظمتوں اور خوبیوں کا منکر کون مردود ہے اور ان سے بحث نزاع کس کو ہے۔ آپ نے ناحق بلاضرورت ان خوبیوں کو بیان کیا اور تحصیل حاصل اور خروج از مبحث کا ارتکاب کیا جس کی یہ نویں دفعہ ہے۔

۹۱ آپ کی اس قسم کی نکتہ چینیاں کہ تیس یا چالیس ہزار فٹ سے اوپر ہوا نہیں۔ لہٰذا آسمان پر کسی زندہ کا جانا ممکن نہیں۔ وبناءً علیہ آنحضرت ﷺ کا جسمانی معراج اور حضرت مسیح علیہ السلام کا جسم سے آسمان پر عروج ممکن نہیں ہے۔ مسیح آسمانوں پر ہیں تو وہاں کیا کھاتے ہوں گے اور آپ کے بال بڑھ گئے ہوں گے اور اگر حضرت جبرائیل امین بذات خود زمین پر نازل ہوں تو سورج (جوان کا ہیڈ کوارٹر ہے فاسد اور معدوم ہو جائے) اور حضرت مسیح نے واقعہ میں کوئی جانور نہیں بنایا اور کوئی مردہ زندہ نہیں کیا اور کوئی کوہڑی اور اندھا اچھا نہیں کیا۔ وہ صرف مسمریزم کا عمل کیا کرتے یا اپنے باپ یوسف نجار سے سیکھی ہوئی کام نجاری سے کلیں اور کھلونے بناتے اور ان چیزوں کا ظاہری مراد لینا عقل وایمان وتوحید قرآن کے مخالف ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ نیچریوں کی طرح نکتہ چینی نہیں تو آپ بیان کریں کہ پھر کسی صحابی یا تابعی یا امام ومجتہد قرون ثلاثہ سے اس قسم نکتہ چینی قال اللہ وقال الرسول پر مروی ثابت ہے۔

۹۲ الحمدللہ! ’’رجل قضی علی نفسہ‘‘ آپ نے اپنے نفس پر خود ہی فیصلہ کیا اور صحیح فتویٰ لگادیا۔ اسی نظر سے کہ ایسے نکتہ چینی کرنے والے آپ کے اعتراف سے ملحد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ آپ کو علماء اسلام ملحد اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ فتویٰ تکفیر ملاحظہ ہو۔

۹۳ محض کذب ہے اور ابلہ فریبی۔ آپ گو ان الفاظ پر جو خدا ورسول ﷺ نے فرمائے ہیں ایمان رکھتے ہیں۔ مگر ان معانی پر جو ان الفاظ سے خدا ورسول ﷺ نے مراد رکھے ہیں اور زمانہ رسالت سے اس وقت تک مسلمانوں میں وہ مراد خدا ورسول ﷺ تسلیم کی گئی ہے آپ ہرگز ایمان نہیں رکھتے اور لفظی ایمان (جو آپ رکھتے ہیں) نیچری بھی رکھتے ہیں۔ وہ ملک جبرائیل وحی نزول وغیرہ الفاظ زبان پر لاتے اور

ان کو مانتے ہیں۔ وبا اینہمہ وہ آپ کے اقرار لسانی کے بموجب ملحد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں تو پھر آپ کیوں خارج نہ ہوئے۔ فتویٰ تکفیر ملاحظہ ہو۔

۹۴ یہ عاجزی دلی اور مخلصانہ نہیں بلکہ لفظی اور منافقانہ ہے۔ مصداق بیت صائب ؎

سنگین دل ست ہر کہ بظاہر ملائم ست   صاب درون پنبہ نگر مپسند دانہ را

اور یہ ظاہری اور لفظی عاجزی بھی بعض تحریروں میں ہے۔ آپ نے بعض تحریروں میں تو درشتی اور سخت گوئی اس وسعت سے اختیار کی ہے کہ اس سے صحابہ، تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین اور عامۃ المسلمین قرون اولیٰ سے لے کر اس وقت تک نہیں چھوٹے۔ آپ ان لوگوں کو اعتقاد حیات و معجزات مسیح علیہ السلام کی سزا میں مشرک و احمق و بے حیا و بے ایمان لکھ چکے ہیں۔ کیا عاجزی و انکساری اسی کا نام ہے؟ یہ تو پرلے سرے کی رعونت و تکبری ہے۔ ہمارے اس بیان کی تصدیق مطلوب ہو تو نمبر۴ جلد ہذا کا ۱۲۷ ص ۱۲۸ وغیرہ ملاحظہ ہو اور فیصلہ آسمانی اور اشتہار دہلی مطبوعہ ۱۷؍ اکتوبر ۱۸۹۲ء میں اس وقت کے علماء کے حق میں گالیاں دیکھیں۔

۹۵ محض کذب ہے اور صریح مغالطہ ہر چند قرآن کریم رتبہ ثبوت میں حدیث سے مقدم ہے۔ مگر حدیث صحیح اپنے منصب و خدمت تشریح و تفسیر میں قرآن سے مقدم ہے۔ حدیث نہ ہو تو قرآن مجید کے بہت سے احکام سمجھ میں نہ آویں اور نہ وہ دستور العمل ہوسکیں۔ فتوے کا ص ۱۸۳ ملاحظہ ہو۔

۹۶ غلط محض و مغالطہ ہے۔ چنانچہ بارہا بیان ہوا ہے آپ بار بار ایک ہی بات کا اعادہ کرتے ہیں۔ ہم کہاں تک اس کے جواب کا اعادہ کریں۔

۹۷ اشاعت نہیں آپ بزعم خود قرآن کا اخمال اور اماتت چاہتے ہیں۔ کیا قرآن کی یہی اشاعت ہے کہ اس کے معجزات کے حقائق مشہورہ متوارثہ کو مٹادیں اور اس کی اخبار اور پیشین گوئیوں کو نیست نابود کرنا چاہیں جو آپ کر رہے ہیں۔ مگر آپ خود یاد رکھیں کہ خداتعالیٰ قرآن کا محافظ خود ہے۔ ’’انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون ‘‘ اور وہ اپنے نور کو آپ پورا کرنے والا ہے۔ اگرچہ منکر ناخوش ہوں۔ ’’واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون‘‘

۹۸ اب نیچریوں کے شاگرد اور اس گھرانے کے فیضیاب ؎

بابا کے یہاں سے کون لایا   جس نے پایا یہیں سے پایا

اور پھر مدعی عداوت! نمک خوردن اور نمکدان شکستن اسی کا نام ہے۔ حضرت اپنے جو عقائد باطلہ ظاہر کئے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور وہ سولی چڑھائے گئے ہیں اور ان کے معجزات مسمریزم کا اثر تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس میں سر بسر سرسید کی زلہ ربائی اور کاسہ لیسی کی ہے۔ چنانچہ حواشی تحریر

نمبری ۸ میں تفصیل وتشریح کے ساتھ ثابت کیا جائے گا۔ پھر آپ کا یہ دعویٰ کہ نیچری کا اوّل دشمن میں ہوں۔ اس خاندان کا کفران نعمت نہیں تو کیا ہے۔ اس خاندان کے متوسلین خصوصاً امرتسر وگجرات کے ساکنین کی خدمت میں ناصحانہ التماس ہے کہ ایسے ناشکر وعاق شاگرد سرسید کو آپ لوگ سرسید کا خلیفہ سمجھ کر اس سے حسن عقیدت رکھتے ہیں۔ یہ سرسید کی حق تلفی وناشکری ہے اور بڑے افسوس اور کمال شرم کی بات، سرسید، کادیانی کا یہ کلمہ سنیں اور پھر کادیانی کے حق میں آپ لوگوں کے حسن عقیدت پر مطلع ہوں تو یقیناً آپ لوگوں سے دل سے ناخوش ہوں۔ گو فرط مروت سے بظاہر کچھ نہ کہیں۔

بہتر ہے کہ آپ لوگ غیرت وحمیّت مذہبی کو کام میں لاویں اور کادیانی کے شاگرد ہوکر مدعی عداوت ہونے پر اس کا ساتھ نہ دیں اور یہ تو سوچیں اور کہیں کہ وہ کون سا نیچرل عقدہ ہے جو سرسید سے حل نہیں ہوا اور اس کو کادیانی نے حل کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے آپ اس کے پیچھے لگ گئے ہیں۔ ایسا کوئی عقدہ بیان نہ کر سکیں تو خیال فرماویں کہ پھر سرسید کو چھوڑ کر اس کا اتباع آپ کے لئے کب زیبا ہے؟

۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲ ان تینوں فقرات میں آپ نے کذب ومغالطہ سے کام لیا ہے اور اس سے اپنا دجال ہونا ثابت کیا ہے۔ کسی حدیث میں یہ پایا نہیں جاتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام آئیں گے تو علماء وقت ان کی مخالفت کریں گے اور نہ نواب صاحب مرحوم مغفور نے کتاب آثار قیامۃ میں یہ بات کہی ہے۔ حضرت مجدد صاحب سرہندی نے بھی مکتوبات کے ص۱۰۷ میں یہ نہیں کہا کہ علماء وقت حضرت مسیح کو اہل الرائے کہیں گے اور یہ خیال کریں گے کہ یہ حدیثوں کو چھوڑتا ہے اور صرف قرآن کا پابند ہے۔ جیسا کہ آپ نے ان سے نقل کیا اور اس کو مسیح موعود کا خاصہ سمجھ کر اپنے لئے تجویز کیا ہے بلکہ مجدد صاحب نے اس مقام میں جو کہا ہے وہ یہ ہے: ''نزدیک است کہ علماء ظواہر مجتہدات اور علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام از کمال دقت وغموض ماخذ انکار نمایند ومخالف کتاب وسنت دانند'' اس قول میں مجدد صاحب کی صاف تصریح ہے کہ جو لوگ حضرت مسیح کے مجتہدات پر انکار کریں گے۔ وہ ان کو کتاب وسنت دونوں کے مخالف قرار دیں گے نہ قرآن کے موافق اور صرف حدیث کے مخالف۔ یہ آپ کے کذب کا ثبوت ہے۔ اب اپنا مغالطہ سنئے کہ آپ نے صرف الزام مخالفت حدیث کے مورد ہونے سے اپنا مسیح ہونا نکال لیا اور اس مغالطہ سے ناواقف مسلمانوں کی آنکھوں میں خاک ڈال کر ان کو اس روشن بات کے دیکھنے سے اندھا کرنا چاہا ہے کہ حدیث بلکہ قرآن کے ہزاروں مخالف ہر زمانہ میں گزر چکے ہیں اور علماء وقت ان کو منکر وملحد وبے دین کہتے چلے آئے ہیں۔ پھر وہ کیا صرف اس الزام مخالفت کا مورد ہونے سے مسیح بن گئے ہرگز نہیں۔

ہم ان ناواقف مسلمانوں کو آپ کے اس مغالطہ سے بچانے کی غرض سے آگاہ کرتے ہیں کہ مسیح

کا خاصہ صرف یہی نہیں جو آپ نے ان کا خاصہ قرار دیا ہے بلکہ ان کی خواص وعلامات وہ برکات ومعجزات ہیں جو قرآن اور حدیث میں بیان ہوئے ہیں اور زمانہ نزول قرآن سے اس وقت تک اہل اسلام میں مسلم چلے آئے ہیں اور آپ کی ذات میں ان خواص وعلامات کا نام ونشان نہیں بلکہ مسیحی صفات وخواص وبرکات کے اضداد آپ میں موجود ہیں جن کی نظر سے آپ کو ضد المسیح کہنا واجب ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے مردے زندہ کئے۔ کوہڑے اچھے کئے۔ آپ خود ہمیشہ انواع امراض میں مبتلا رہتے ہیں جن کی نظر سے آپ کے حواری آپ کی شان میں بلسان حال یہ کہہ رہے ہیں ۔

جو طبیب اپنا تھا وہ خود ہی مرض سے زار ہے　　مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے

حضرت مسیح ایسے اخلاق مجسم تھے کہ خنزیر پاس سے نکلا تو اس کو سلام سے مخاطب کیا۔ آپ ایسے بدخلق وبدگو ہیں کہ مسلمانوں کو کتے کا خطاب دیتے ہیں۔ دیکھو ازالہ ص ۱۸۷، خزائن ج ۳ ص ۱۹۰ وغیرہ۔ حضرت مسیح برائی کے بدلے میں بھی برائی نہ کرتے۔ آپ ناحق وناکردہ گناہ مسلمانوں کو گالیاں دیتے ہیں۔ اشتہار ۱۷؍اکتوبر ۱۸۹۱ء، فیصلہ آسمانی ملاحظہ ہو۔ لہٰذا ممکن نہیں کہ ان اضداد صفات مسیح کے ساتھ صرف اس خیالی الزام کے سبب آپ مسیح بن سکیں۔

۱۰۳ پیرایہ تو آپ کو معلوم ہے اور الفاظ بھی مخفی نہیں۔ الفاظ صرف ہست یا نیست ہیں اور پیرایہ یہ کہ احادیث صحیحین سب کی سب صحیح ہیں یا نہیں یا بعض صحیح ہیں بعض غیرصحیح۔ مگر ان الفاظ اور اس پیرایہ میں جواب دینا آپ کو مشکل ہے۔ اس لئے آپ حیران اور یہ سوچ رہے ہیں کہ اگر کل یا بعض احادیث صحیحین کو غیرصحیح وموضوع بناتے ہیں تو آپ کے دام افتادہ اہل حدیث (خصوصاً منشی ناصرنواب خسر شریف اور حافظ محمد یوسف ومنشی عبدالحق اور ان کی پارٹی) دام سے نکلتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ اہل حدیث کہلاتے ہیں اور آمین بالجہر کرتے ہیں اور آپ کو اہل حدیث سمجھ کر آپ کے دام میں پھنسے ہوئے ہیں۔ لہٰذا احادیث صحیحین کی صحت سے صریح انکار پر ان کے منحرف ہو جانے کا اندیشہ ہے اور اگر جملہ احادیث صحیحین کو صحیح مانتے ہیں تو آپ کے جملہ خیالات ومقالات متحدثہ (مثلاً حضرت مسیح بن مریم فوت ہو چکے ہیں اور آنے والے مسیح وہ نہیں ہیں آپ ہیں وغیرہ وغیرہ) کی بیخ کنی ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کتب کی حدیثوں میں ان خیالات کا صریح خلاف موجود ہے۔ اس حیرت وتردد میں آپ کا اس سانپ کا سا حال وخیال ہے جو چھپکلی کو منہ میں لے کر یہ سوچ رہا تھا کہ اس کو کھاتا ہوں تو کوہڑی بنتا ہوں۔ چھوڑتا ہوں تو کلنکی کہلاتا ہوں۔ جس کی پنجابی زبان کی اس مثل میں حکایت ہے کہ کھائے تان کوہڑی چھڈے تان کلنکے۔

۱۰۴، ۱۰۵ آپ یہ اقرار نہ کریں اور کل یا بعض احادیث صحیحین کو غیرصحیح وموضوع قرار دیں تو

اس میں بھی ہم خوش ہیں۔ کیونکہ اس میں آپ کی قلعی کھلتی ہے اور ان لوگوں کی جو آپ کو اہل حدیث سمجھ کر آپ کے دام میں مبتلا ہیں۔ آپ کے پنجہ سے نجات اور ہدایت متصور ہے۔ آپ یہ بات صاف وصریح طور پر کہہ کر دیکھیں ہم اس پر کیسی مسرت ظاہر کرتے ہیں اور ان سے کیا نتائج نکالتے ہیں۔

۱۰۶۔ اس صورت میں تقویٰ کا طریق یہ ہے کہ اپنی لاعلمی کا اظہار کیا جائے اور ''لا ادری'' یعنی میں نہیں جانتا ہوں کہا جائے جو نصف العلم کہلاتا ہے اور نہ یہ کہ نہ اقبال کریں نہ صاف انکار اور ادھر ادھر کی باتوں میں جواب کو ملا دیں۔ جیسا کہ آپ کر رہے ہیں اور اگر اس قول سے یہ مقصود ہے کہ جملہ احادیث صحیحین کو صحیح کہنا بے بصیری ہے تو یہ محدثین سلف وخلف پر جو ان احادیث کو صحیح سمجھتے ہیں تعریض وطعن ہے۔

۱۰۷، ۱۰۸۔ یہ لفظ پکار رہا ہے کہ آپ احادیث صحیحین کو صحیح نہیں سمجھتے اور ان کے صحت کے دعوائے کو بڑی دلیری کا کام خیال کرتے ہیں اور محدثین سلف وخلف کو جو ان احادیث کو صحیح کہتے ہیں۔ اس دلیری کا مرتکب سمجھتے ہیں اور اگر اس سے یہ مقصود ہے کہ محدثین سلف وخلف کو ان احادیث کی صحت کی وجوہات معلوم ہوں گی۔ اس لئے ان کا صحیح کہنا بجا تھا۔ مجھے معلوم نہیں اس لئے میں دلیری نہیں کر سکتا تو اس صورت میں اوّلاً آپ کو اپنی لاعلمی کا اعتراف ضروری تھا۔ ثانیاً اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب تک کسی حدیث کی وجہ صحت معلوم نہ ہو وہ آپ کے نزدیک لائق تسلیم نہیں ہے اور اس باب میں محدثین کی تحقیق پر اعتماد جائز نہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ کے اور آپ کے اتباع کے نزدیک جملہ احادیث بے کار وبے اعتبار ہیں۔ کیونکہ ان کی وجہ صحت کا آپ کو علم حاصل نہیں اور نہ اس وقت بدون اتباع محدثین یہ علم آپ کو یا کسی اور کو ہوسکتا ہے۔ کسی حدیث کے مضمون کا قرآن کے مطابق وموافق ہونا یا کسی حدیث پر بعض لوگوں کا عمل کرنا اس حدیث کی صحت کی وجہ نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ بعض موضوعات کا مضمون بھی قرآن کے موافق ہے اور ان پر بعض لوگوں کا عمل ہی پایا جاتا ہے۔ حالانکہ ان کو کوئی مسلمان صحیح نہیں کہہ سکتا۔

۱۰۹۔ موحدین کے لفظ سے آپ ان لوگوں کی مراد رکھتے ہیں جن کو عام لوگ غیر مقلد یا وہابی کہتے ہیں۔ یہ لفظ کہہ کر آپ نے جتانا چاہا ہے کہ احادیث صحیحین کو صرف غیر مقلد یا وہابی لوگ صحیح اور واجب العمل جانتے ہیں، نہ مقلدین مذہب حنفی وغیرہ مذاہب جس سے ناواقف مقلدین حنفیہ کو اپنے ساتھ ملانا اور صحت احادیث صحیحین سے ان کو منکر بنانا آپ کا مقصود ہے اور یہ محض غلط اور مغالطہ ہے۔ احادیث صحیحین کو غیر مقلدین ومقلدین وفقہاء ومحدثین سبھی یکساں صحیح واجب العمل جانتے ہیں۔ ہماری تحریر نمبری ۸ میں عبارات فقہاء ومحدثین اس امر کی تصدیق میں ناظرین کی نظر سے گزریں گے۔

۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲۔ پھر آپ نے قطعی یقینی ثبوت کی بحث کو چھیڑا اور ایک ایسے امر سے تعرض کیا جس کا

نہ ہم کو دعویٰ ہے نہ آپ کو اس سے انکار کی ضرورت ہے اور اس بحث میں آپ نے (دسویں دفعہ) خروج از مبحث کیا۔

۱۱۳ ریویو براہین احمدیہ کی جو عبارت آپ نے نقل کی ہے اس میں اجماع کے متعلق اختلاف علماء اس غرض سے بیان کیا گیا ہے کہ اجماع باوجود محل اختلاف ہونے کے شرعی حجت اور معتبر سمجھا گیا ہے تو پھر الہام غیر نبی محل اختلاف ہونے کے سبب کیوں نامعتبر ہو۔ یہ غرض عبارت منقولہ کادیانی کی ماقبل ومابعد میں بتصریح بیان کی گئی ہے۔ اس عبارت کے ماقبل بصفحہ ۳۳۰ رسالہ اشاعۃ السنۃ نمبر ۱۱ کے کہا ہے۔ اس الہام کے متفق علیہ نہ ہونے سے اس کا بے اعتبار ہونا اس لئے ثابت نہیں ہوتا کہ اعتبار کا مدار اتفاق پر نہیں ہے۔ یہ ہوتو کوئی امر اختلافی لائق اعتبار نہ ہو۔ حالانکہ مسائل دین اسلام کا حصہ اختلافی حصہ اتفاقی سے بڑھ کر ہے اور ہر ایک فریق اس حصہ اختلافی کو معتبر اور قابل عمل سمجھتا ہے۔ دور نہ جاؤ۔ ادّلہ اربعہ میں انحصار دلائل شرعیہ کے مسئلہ ہی کو دیکھ لو۔ کیا یہ چاروں دلیلیں اتفاقی دلیلیں ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ان میں دو دلیلیں کتاب وسنت تو اتفاقی ہیں اور دو باقی اجماع وقیاس اختلافی ہیں اس کے بعد وہ عبارت مرقوم ہے جو کادیانی نے نقل کی ہے۔ اس کے بعد کے ص ۳۳۲ میں کہا ہے۔ پھر جب اختلاف کے سبب اکثر مسائل شرعیہ (خصوصاً ادّلہ اربعہ میں حصر دلائل شرعیہ کا مسئلہ) بے اعتبار نہ ہوئے تو اختلاف کے سبب الہام کیونکر بے اعتبار ہوسکتا ہے۔ یہ عبارات ماقبل ومابعد عبارت منقولہ کادیانی صاف پکار رہی ہیں کہ مؤلف رسالہ اشاعۃ السنۃ کے نزدیک اجماع کی نسبت وہ اختلافات جو عبارات منقولہ کادیانی میں بیان ہوئے ہیں۔ لائق لحاظ واعتبار نہیں ہیں اور اجماع باوجود محل اختلاف ہونے کے صحت شرعی اور معتبر ہے۔ کادیانی نے اس عبارت کی نقل وبیان میں وہی کام کیا ہے کہ: ''لا تقربوا الصلوٰۃ'' کو تو لے لیا اور ''انتم سکاریٰ'' کو چھوڑ دیا۔ یعنی اس عبارت کا ماقبل ومابعد اڑا دیا اور صرف درمیانی عبارت متضمنہ اختلافات متعلقہ اجماع کو نقل کر کے مؤلف اشاعۃ السنۃ کو اس کا قائل ومصدق بنادیا اور ناظرین کو یہ جتایا کہ مؤلف رسالہ اشاعۃ السنۃ وجود اجماع اور اس کے حصول علم سے اور حجت ہونے سے منکر ہے۔ پھر احادیث صحیحین کی صحت پر دعویٰ اجماع کیوں کرتا ہے اور اس جعل وتصرف سے کادیانی نے اپنا دجال ہونا ثابت کر دکھایا ہے۔ ناظرین اصل عبارت اشاعۃ السنۃ نمبر ۱۱ ج ۷ میں ملاحظہ فرماویں گے تو کادیانی کے اس جعل وتصرف کا مشاہدہ کر کے اس کے دجال ہونے کا کامل یقین کریں گے۔

۱۱۴، ۱۱۵ حاشیہ سابقہ میں بیان ہوا ہے کہ جو کچھ آپ نے رسالہ اشاعۃ السنۃ سے نقل کیا ہے اس میں دجالیت سے کام لیا ہے تو اب ان سوالات کا موقع نہیں رہا۔ ہمارے نزدیک اور ہر ایک محقق قائل اجماع کے نزدیک وہ دعویٰ درست ہے اور راستی کے رنگ سے رنگین۔ عبارات فقہاء ومحدثین اس اجماع کے مثبت

ومصدق تحریر نمبری ۸ میں منقول ہوں گی۔ ان شاءاللہ تعالیٰ!

۱۱۶ یہ محض دروغ بے فروغ ہے۔ خاکسار ہرگز اس بات کا قائل نہیں ہے کہ عہد صحابہ کے بعد کوئی اجماع حجت نہیں ہوسکتا بلکہ بتصریح کہہ چکا ہے کہ اجماع باوصف محل اختلاف ہونے کے حجت ولائق اعتبار ہے۔

۱۱۷ امام احمد کے اس قول سے ہم نے اپنی رضا وتسلیم ظاہر نہیں کی اور اس کی نقل کرنے سے جو غرض ہے وہ بیان ہوچکی ہے۔ امام احمد کا یہ قول لائق تسلیم ہے تو اس کا محل ومتعلق اختلافی اور اڑتے پڑتے اجماع ہیں جن کی سند وثبوت کا پتہ نہیں۔ نہ وہ اجماع جن کی سند وثبوت پر اتفاق ہو۔ جیسا کہ صحت احادیث صحیحین پر اجماع ہے۔

۱۱۸ یہ محض کذب ہے۔ اتفاقی احادیث صحیحین کو کوئی مسلمان (جس کے قول کا اجماع واختلاف میں لحاظ ہو) غیر صحیح نہیں جانتا اور بعض احادیث سے ان کا عمل نہ کرنا اور وجوہات اجتہادیہ پر مبنی ہے۔

۱۱۹، ۱۲۰ پھر آپ نے قطعی صحت کی طرف رجوع کیا اور گیارھویں دفعہ مبحث سے خروج کیا۔ قرآن کریم میں یا آنحضرتﷺ کی وصایا میں خاص بخاری ومسلم کا نام لے کر حکم بیان ہوتا تو ان کی احادیث سے انکار پر آپ کو اور دیگر مبتدعین کو جو بخاری مسلم کو نہیں مانتے قطعی کافر کہا جاتا۔ آپ کو اور دیگر منکرین بخاری ومسلم کو تو اس انکار کے سبب صرف فاسق ومبتدع کہا گیا ہے۔ پھر آپ آیۃ یا وصیت نبوی کیوں پوچھتے ہیں۔ آیات قرآن اور وصایا نبویہ میں عموماً احادیث صحیحہ کے قبول کرنے کا حکم وارد ہے اور ان احادیث میں بخاری ومسلم داخل ہیں۔ اس عموم کے ترک عمل وانکار قبول سے صرف فاسق ومبتدع ہونے کا فتویٰ لگایا جاسکتا ہے جو آپ پر لگایا گیا ہے۔

۱۲۱ علماء محققین حنفی مذہب کا یہ قول نہیں اور نہ اس پر ان کا عمل ہے۔ وہ لوگ سبھی مجتہدات حضرت امام ابوحنیفہ پر عمل نہیں کرتے بلکہ ان کے بعض مجتہدات چھوڑ کر نصوص شرعیہ پر عمل کرتے ہیں یا اقوال دیگر ائمہ مذہب حنفی پر۔ آپ نے ناحق یہ الزام عیسائیوں کی طرح سے حنفیہ پر قائم کیا اور ان کو اہل حدیث سے لڑانا چاہا ہے۔

۱۲۲ اہل حدیث اور مقلدین مذاہب اربعہ صحیحین کی احادیث کو صحیح ماننے میں کسی نص میں آیۃ یا حدیث کے مخالف نہیں ہیں۔ پھر ان پر یہ اعتراض تقلید مقابل نصوص (جو حنفیہ پر آپ نے ناحق قائم کیا ہے) کیونکر قائم ہوسکتا ہے۔ اس اعتراض کے دعویٰ میں آپ نے (دروغ گویم برروئے تو) پر عمل کیا اور ناظرین کو دھوکہ دیا۔

۱۲۳ یہ تقلید نہیں ہے بلکہ اجماع امت کی پیروی ہے جو ایک دلیل شرعی ہے۔

۱۲۴، ۱۲۵ احادیث صحیحین کی صحت باجماع امت ثابت ہے تو تمام احادیث صحیحین کو صحیح ماننا

ہمارے اس بیان کے کہ جو حدیث صحیح ہو اس پر عمل کرنا چاہئے اور جو غیر صحیح ہو اس کو چھوڑ دینا چاہئے۔ مخالف نہیں ہے بلکہ عین مطابق وموافق ہے۔ اس اعتراض میں اپنے مسلمانوں کو دھوکہ دیا اور اپنا دجال ہونا ثابت کیا۔

۱۲۶… اس قول میں بھی آپ نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا ہے اور اپنا دجال ہونا ثابت کیا۔ مسلمانوں نے صرف امام بخاری اور امام مسلم کو معصوم سمجھ کر ان کی احادیث کو صحیح نہیں مانا۔ بلکہ تمام امت محمدیہ کو جن کا ان کتابوں کی صحت پر اجماع ہے۔ معصوم مان کر ان کے اجماع کی شہادت سے ان کتابوں کی احادیث کو صحیح مانا ہے اور امت محمدیہ اپنے اتفاق میں معصوم ہے۔

۱۲۷… کوئی حدیث صحیح قرآن کے مخالف نہیں ہوتی اور آپ کو جو یہ تفہیم ہوتی ہے کہ بعض احادیث صحیحین قرآن کے مخالف ہیں تو یہ تفہیم شیطان کی طرف سے نہ خدا کی طرف سے۔

۱۲۸… آپ نے بخاری ومسلم کو غیر معصوم قرار دے کر ان کی احادیث کا مخالف قرآن ہونا تجویز کر کے ان احادیث کی نسبت یہ بات کہی ہے۔ یہ بخاری ومسلم پر آپ کا تیرھواں حملہ ہے۔ کادیانی کو اہل حدیث جاننے والو! اب بھی اس کو اہل حدیث کہو گے؟

۱۲۹… یہ کفر والحاد آپ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے جو صحیحین کو اصح الکتب مان کر پھر اس کی بعض احادیث کو مخالف قرآن قرار دے کر ان کے چھوڑنے پر مستعدی ظاہر کرتے ہیں۔ بخاری ومسلم کو صحیح ماننے والے مسلمانوں کے نزدیک تو ان کی کوئی حدیث ایسی نہیں جو قرآن کے مخالف ہو۔

۱۳۰… اس کلمہ سے کادیانی نے اپنا ملحد ودجال ومنکر قرآن ہونا ثابت کیا ہے۔ قرآن بھی تو زید ابن ثابتؓ وغیرہ انسانوں کے ہاتھ کو لکھا ہوا ملا ہے۔ لکھا لکھایا عالم بالا سے نہیں اترا۔ بناءً علیہ کادیانی کے نزدیک قرآن میں بھی انسانی باتوں کا ملنا نہ صرف احتمالی امر ہے بلکہ یقینی طور پر پایا جاتا ہے۔ پھر اس کا بار بار قرآن کریم کی طرف رجوع کرنا اور یہ لفظ زبان پر لانا مسلمانوں کے پھنسانے کے لئے ایک جال نہیں تو اور کیا ہے۔ مسلمانو! خدا کے لئے داد انصاف دو اور بتاؤ کہ اس کلمہ کے کہنے کے بعد کادیانی، مسلمان، مسلم ومصدق قرآن ہوتا ہے؟

۱۳۱… میں آپ کو یقین دلاتا ہوں اور خود یقین رکھتا ہوں جس پر میں قسم کھانے کو تیار ہوں کہ خذلان آپ کا شامل حال ہے اور شیطان آپ پر مسلط ہے۔ وہی اس قسم کے ملحدانہ خیال آپ کے دل میں ڈالتا رہتا ہے۔ خداتعالیٰ کی تفہیم اور اس کا الہام والقاء آپ جیسے شخص کے حق میں احاطہ امکان سے خارج ہے۔ خداتعالیٰ نے قرآن میں قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ جھوٹے بدکاروں کے پاس شیاطین آتے اور وہی ان کے دل میں ایسی باتیں القاء کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے: ''وان الشیاطین لیوحون الی اولیائھم

لیجادلوکم (انعام) هل انبئکم علی من تنزل الشیاطین تنزل علی کل افاک اثیم (شعراء) ’’کہ شیاطین اپنے دوستوں کے دل میں (ایسے ملحدانہ) خیال ڈالتے ہیں تاکہ وہ مسلمانوں سے لڑیں اور جھگڑیں، اور ارشاد فرمایا: میں بتاؤں کہ شیطان کن لوگوں پر نازل ہوتے ہیں وہ ان لوگوں پر اترتے ہیں جو بڑے جھوٹے ہیں اور بدکار۔

۱۳۲، ۱۳۳ کفر کی میخ اور وساوس شیطانی کی بارش ہے۔

۱۳۴ بہت سی احادیث صحیحین کو آپ موضوع کہہ چکے ہیں۔

۱۳۵ یہ آپ نے عجیب طریق اختیار کر رکھا ہے۔ جس دعویٰ کا ثبوت نہ دے سکے اس دعویٰ کو بدیہی واتفاقی ومسلم کل بنادیا اور بار ثبوت اپنے اوپر سے ٹلادیا۔ اس طریق کا ابطال یہ ہے کہ یہ ادّعا آپ کا محض دروغ ہے۔ آپ کے خصم کو اس قسم کے دعویٰ میں یہ کلام ہے کہ کوئی مسلمان ان باتوں کا قائل نہیں۔ پس آپ کا فرض ہے کہ آپ کوئی قائل بتائیں ورنہ دروغ گو سمجھے جائیں گے۔ قرآن کریم بے شک ولاریب مسلمانوں کے نزدیک ہدایت ہے حبل اللہ ہے۔ قول فصل ہے اور جو کچھ اس کے شان میں خداتعالیٰ نے فرمایا ہے اس پر مسلمانوں کا ایمان ہے۔ مگر کسی آیۂ قرآن میں یہ بیان نہیں ہوا کہ قرآن مجید صحت احادیث صحیحہ کا معیار ومحک ہے اور جس حدیث کا مضمون قرآن کریم کے موافق نہ ہو وہ حدیث لائق تسلیم نہیں ہے۔

۱۳۶ ان آیات کا ترجمہ گزر چکا۔ ناظرین اس کو ملاحظہ کر دیکھیں کہ ان آیات کو کادیانی کے اس دعویٰ سے کہ حدیث صحیح کی صحت کا محک قرآن ہے، کیا تعلق ہے۔

۱۳۷ اس عرض کا قرآن یا حدیث میں کہیں حکم نہیں اور اس بات میں جو حدیث تحریر نمبری ۷ میں آپ نے نقل کی ہے وہ موضوع ہے اور اس عرض وموافقت مضمون قرآن سے صحت حدیث ثابت نہیں ہوسکتی ہے۔ بعض موضوعات کا مضمون بھی قرآن کے موافق ہوتا ہے۔

۱۳۸ یہاں بھی آپ نے وہی طریق اختیار کیا ہے کہ جو دعویٰ ثابت نہ ہوا تو اس کو مسلم کل کا قرار دیا اور اس کے بار ثبوت کو ٹلایا۔

۱۳۹، ۱۴۰ محض کذب سے اور صریح بہتان، اہل حدیث صحیح بخاری کا رتبہ صحت رتبہ کتاب اللہ کے بعد مانتے ہیں۔ نہ اس کے برابر اور کسی حدیث غیر صحیحین کے مخالفت کے سبب غیر صحیح قرار نہیں دیتے۔ بلکہ اس حدیث کی صحت ثابت ہو تو اس کو حدیث صحیحین کے موافق کرتے اور ان میں باہم تطبیق دیتے ہیں۔ آپ نے جو کچھ اس بات میں کہا ہے اس میں افتراء کر کے اپنا دجال ہونا ثابت کیا ہے۔

۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴ اس بات میں بھی آپ نے جو کچھ کہا ہے محض کذب ومغالطہ ہے۔ نہ تمام

صحابہ نے یہ کہا ہے کہ ابن صیاد دجال معہود ہے اور نہ دوسرے صحابہ نے اس پر سکوت کیا اور نہ حضرت عمرؓ نے ابن صیاد کے دجال معہود ہونے پر قسم کھائی نہ حضرت ﷺ نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی ہے۔

۱۴۵ جماعت صحابہ کی خاموشی کا جواب تو حاشیہ سابق میں دیا گیا ہے۔ ایک جماعت کے سکوت یا اتفاق کا اجماع نہ ہونا۔ حاشیہ پہلے میں بیان ہوا۔

۱۴۶ دیکھو دجال کی چال۔ ہم نے آنحضرت ﷺ کی اس قولی حدیث کا کہ میں اپنی امت پر ابن صیاد کے دجال معہود ہونے سے ڈرتا ہوں۔ جس کو آپ نے آنحضرت ﷺ پر افتراء کیا تھا یہ پتہ پوچھا تھا۔ آپ نے اس کے جواب میں جابر بن عبداللہ صحابہ کے اس قول کو کہ آنحضرت ﷺ ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتے تھے۔ شرح السنۃ سے نقل کر دیا۔ جس پر ہم نے یہ سوال کیا تھا کہ یہ آنحضرت ﷺ کا قول نہیں ہے۔ اس کے جواب میں اب آپ نے کہا ہے کہ صحابی کا قول بھی ایک قسم کی حدیث ہوتی ہے اور شرم وحیاء کو کام میں لاکر یہ خیال نہ کیا کہ مطلق حدیث سے یا ہر قسم کی حدیث سے سوال نہ تھا بلکہ خاص آنحضرت ﷺ کی قولی حدیث سے سوال تھا اور ہر ایک قسم کی حدیث تو موضوع حدیث بھی ہوتی ہے۔ پھر اس سوال کے جواب میں بھی کہا ہوتا کہ گو وہ حدیث جو ہم نے بیان کی وضعی اور ہماری بناوٹی ہے۔ مگر آخر یہ بھی تو ایک قسم کی حدیث ہے۔

۱۴۷ افتراء کون کہتا ہے۔ صحابی جابر بن عبداللہؓ نے آنحضرت ﷺ کی خوفناک حالت کو دیکھا تو اس سے سمجھ لیا کہ آپ اس کے دجال ہونے سے ڈرتے ہیں اور یہ کلمہ فرمادیا کہ آپ اس کے دجال ہونے سے ڈرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی طرف تو انہوں نے کوئی قول منسوب نہیں کیا۔ پھر افتراء کیونکر ہوا۔

۱۴۸، ۱۴۹ حسن ظن رکھتے ہیں تب ہی تو یہ تجویز کرتے ہیں کہ اس نے آنحضرت ﷺ کی حالت خوف کو دیکھا تو اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ آپ اس سے ڈرتے تھے۔

۱۵۰ ناحق کیوں۔ جس غرض سے ہم نے وہ قول نقل کیا ہے وہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ لہٰذا اس کی نقل کرنے سے اس کے مضمون سے اتفاق ثابت نہیں ہوتا۔

۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴ اس آخری کلام میں بھی کادیانی نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا اور اپنا دجال ہونا ثابت کیا۔ یہاں بحث وسوال اس امر کا نہ تھا کہ الہام غیرنبی حجت ہے یا نہیں۔ جس کا یہ کلام جواب ہوسکتا۔ خاکسار کا سوال تو یہ تھا کہ میں نے شیخ اکبر کے اس قول کو کہ کشف کے ذریعہ سے بعض احادیث موضوع اور بعض غیرصحیح ٹھہر سکتی ہیں۔ مؤلف اشاعۃ السنۃ نے کب صحیح تسلیم کیا اور اس کی نسبت اپنا توافق رائے کہاں ظاہر کیا ہے۔ اس کا جواب اپنے تحریر نمبری ۵ میں یہ دیا تھا کہ آپ کے نزدیک وہ قول لائق تسلیم نہ ہوتا تو اس کو کس غرض سے نقل

کیا جاتا۔ اس کا جواب تحریر نمبری ۶ میں خاکسار نے یہ دیا کہ اس قول ونقل سے جو غرض ہے۔ وہ اشاعۃ السنۃ نمبر ۱۱ جلد ۷ میں بیان ہو چکی ہے۔

اور اس صفحہ میں اس قول کے مضمون سے ہم نے اپنا خلاف صاف طور پر ظاہر کر دیا اور کہہ دیا ہے کہ ہم الہام غیر نبی کو حجت ودلیل شرعی نہیں جانتے۔ جس کو کادیانی نے اس مقام میں نقل کیا ہے۔ لہٰذا اس کے جواب میں کادیانی کا اب ان امور کو پیش کرنا کہ (۱) اس قول کے آپ مخالف ہوتے تو اس کو نقل کیوں کرتے۔ (۲) اور الہام آپ کے نزدیک ملہم کے حق میں تو حجت ہے۔ (۳) اور محدث کا الہام دخل شیطانی سے منزہ ہے۔ (۴) اور میرے لئے یہی کافی ہے۔ (۵) آپ کو میں اس بات کے لئے مجبور نہیں کرتا۔ سوال وجواب متنازع فیہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اور یہ بجز دجالی دجال کے (جس سے سائل کو اس کا سوال بھلا دینا اور اصل متنازعہ فیہ کو چھوڑ کر دوسری طرف لے جانا مقصود ہوتا ہے) اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ ان امور سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مؤلف اشاعۃ السنۃ نے الہام کے ذریعہ احادیث صحیحہ کے موضوع اور موضوعہ کے صحیح ہوسکنے کو رسالہ میں تسلیم کیا ہے اور اسی کے ثبوت کا کادیانی سے مطالبہ ہوا تھا۔

انتباہ: کادیانی کی تحریر نمبری ۶ ختم ہوئی۔ اس تحریر کو معہ اس کے نوٹوں اور حواشی کے ناظرین توجہ سے پڑھیں گے تو یقین کریں گے کہ اس تحریر میں بھی کادیانی نے بجز ان دو پرانی باتوں خارج از مبحث کے کہ (۱) جس حدیث کا مضمون قرآن کو مخالف ہوگا وہ صحیح لائق قبول نہیں اور (۲) حدیث صحیح بھی ہو تو وہ رتبہ صحت میں قرآن کے برابر نہیں اور کچھ نہیں کہا اور ہمارے اس سوال کا کہ بخاری مسلم کی جملہ احادیث صحیح ہیں یا غیر صحیح یا مختلط کوئی قطعی اور صاف جواب نہیں دیا۔

۱۵۵؎ اس وجہ سے آپ کا بعض احادیث کو ضعیف کہنا موضوع کہنے کی مانند ہے اور بعض احادیث کی نسبت تو آپ نے صاف اور صریح لفظ موضوع استعمال کیا ہے۔ چنانچہ متن میں اس کی تفصیل ہے اور حاشیہ میں بعض تمثیلات گزر چکی ہیں۔

۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹؎ ان الفاظ کو ناظرین توجہ سے ملاحظہ فرماویں اور داد انصاف دیں کہ کیا کادیانی احادیث صحیحین کو موضوع وغیر صحیح وضعیف جس کو اس نے موضوع کے قائم مقام استعمال کیا ہے نہیں کہتا۔

۱۶۰؎ قطع نظر اس امر سے کہ انہوں نے ابن صیاد کو صرف دجال کہا تھا۔ نہ دجال موعود ومعہود۔

۱۶۱؎ احتمال جو آپ کے لفظ ''ہوگا'' کا مفہوم ہے۔

۱۶۲؎ کہ صرف احتمال سے کہ آنحضرت ﷺ کو امر متحمل کا قائل بنا دیا ہو۔

۱۶۳؎ دجال بھی وہ جو موعود ہے کیونکہ اسی سے ہم کو انکار ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے۔ اس وجہ سے یہاں پر اس سے تعرض نہیں ہوا۔

۱۶۴؎ یعنی آپ کا قول۔

۱۶۵؎ یعنی آنحضرت ﷺ نے ہمسایہ کے لئے شفعہ کا حکم دیا۔ آنحضرت ﷺ نے کسی موقع پر کسی ہمسایہ کو شفعہ دلوایا تو اس واقعہ سے راوی حدیث نے یہ فیصلہ اور حکم نکال لیا اور اس کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کیا۔ اس نسبت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس نے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے یہ لفظ سنا ہو کہ: ’’ہمسایہ کو شفعہ دلانا چاہئے‘‘ یا اس کی مانند کوئی اور لفظ۔

۱۶۶؎ یہ تصریح وتکرار کے ساتھ کادیانی کا ہمارے سوال کو سمجھ لینا اور اس کا جواب صاف الفاظ میں مطلوب ہونے کا اعتراف ہے۔ مگر اس دلیری وحیا کو دیکھو کہ پھر بھی اس نے اس سوال کا جواب صاف الفاظ میں نہیں دیا۔ اسی پرانے گول مول اور شرطی جواب کا کہ اگر حدیث صحیحین جس پر تعامل نہ پایا گیا ہو موافق قرآن ہوگی تو یقیناً صحیح اور واجب العمل سمجھی جائے گی اعادہ کیا اور اس کے ثبوت میں بھی ان ہی دلائل سابقہ کا ’’از قرآن معیار ہے۔ حکم ہے۔ وغیرہ وغیرہ‘‘ اعادہ کردیا۔ اس جواب کے میں ایک بات بھی ایسی نہیں کہی جو پہلے جوابوں میں نہ کہی ہو۔ تعامل کا ذکر آپ کی تحریر پنجم میں ہے۔ باقی باتیں موافقت ومخالفت قرآن وقطعیت وظنّیت احادیث کا ذکر اکثر جوابوں میں ہے۔ کادیانی کے اتباع اور اس کے طرفداروں پر سخت افسوس وتعجب ہے کہ وہ آنکھیں بند کر کے ان جوابوں کو صحیح مان رہے ہیں اور کادیانی کی چالبازیوں کو وہ نہیں سمجھتے۔ الحق کادیانی کی محبت نے بحکم حبک للشیٔ یعمی ویصم ان کو اندھا کر رکھا ہے۔

۱۶۷؎ کادیانی کی تحریر ہشتم سے معلوم ہوتا ہے کہ تعامل سے اس کے مراد تمام لوگوں کا عمل نہیں بلکہ احادیث کا متعلق عمل ہونا۔ گو ان کے عمل میں لوگوں کا اختلاف ہو۔ یعنی بعض لوگوں کا ان پر عمل ہو۔ بعض کا ان کے خلاف پر عمل ہو اور اس قید تعامل سے ان احادیث کا علیحدہ ومستثنیٰ کرنا اس کو منظور ہے جو واقعات آئندہ اور پیشین گوئیوں کے متعلق ہیں اور ان سے عمل کرنا مقصود شارع نہیں بلکہ اعتقاد ومقصود ہے۔ اس مراد ومقصود کادیانی پر دو الزام قائم ہوتے ہیں۔ ایک یہ الزام کہ پھر تمام احادیث کو جو عبادات ومعاملات وغیرہ امور دین کے متعلق ہیں۔ قطعی کہنا اپنی جہالت کا اظہار واقرار کرنا ہے۔ کیونکہ احادیث متعلقہ اعمال عبادات ومعاملات کا اکثر حصہ ظنی ہے نہ قطعی۔ اس الزام کی تشریح ہماری تحریر نمبر۸ میں اور جواب تحریر کادیانی نمبر۸ میں ہے۔

دوسرا الزام یہ کہ اس صورت میں احادیث کا وہ بڑا حصہ جو متعلق اعتقاد ہے اور اس میں توحید وصفات خالق وحالات برزخ وقیامت حشر ونشر وغیرہ کی نسبت اعتقاد کی تعلیم ہوئی ہے۔ حکم قطعیت سے خارج ہوتا ہے۔ حالانکہ اس حصہ کا خصوصیت کے ساتھ قطعی ہونا ضرور ہے۔ احادیث متعلقہ اعمال تو ظنی ہونے کے ساتھ بھی مقبول اور واجب العمل ہیں۔ اس الزام کی تشریح میں جواب تحریر ہشتم کادیانی میں ہوں

گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ! کادیانی اور اس کے اتباع نے جو مولوی کہلاتے ہیں (جیسے حکیم نورالدین بھیروی جمونی اور مولوی محمد احسن امروہی) احادیث مسیح ودجال کو ظنی ومحل تاویل بنانے کے لئے جملہ احادیث متعلقہ اعتقاد کو غیر قطعی اور اپنے ظاہری معانی سے مصروف ٹھہرادیا اور حکم مرتبہ اعتقاد کا کچھ لحاظ نہ کیا۔ کادیانی پر تو چنداں افسوس نہیں کیونکہ وہ تو علوم دینیہ سے محض امی واجنبی ہے۔ حکیم نورالدین ومولوی محمد احسن پر سخت افسوس وتعجب ہے کہ انہوں نے کادیانی کی محبت میں اندھے بہرے ہوکر اپنا تھوڑا بہت پڑھا پڑھایا سبھی بھلا دیا اور اپنی مولویت کو ڈبودیا اور علم کو خاک میں ملادیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

۱۶۸ لفظ ضرورت صحابہ اہل علم میں دو معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ ایک بمعنی حاجت دوسرے بمعنی ہدایت ضد نظریت۔ مگر یہاں اس لفظ کے دونوں معنی صحیح نہیں ہوسکتے۔ اس کی تشریح تمہاری تحریر نمبری ۸ میں ہوچکی ہے اور کچھ جواب تحریر ہشتم کادیانی میں ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

۱۶۹،۱۷۰ یقین یا ظن سے کس نے سوال کیا ہے؟ ہمارا سوال تو مطلق صحت یا عدم صحت سے ہے۔ آپ نے قطعی وظنی کی بحث کو چھیڑ کر ناحق خروج از مبحث کیا جس کی یہ بارہویں دفعہ ہے اور اصلی جواب کو ٹلایا اور اپنے ناظرین ومعتقدین کو اصلی مبحث مطلوب بھلا کر دوسری طرف لے جانا چاہا ہے۔

۱۷۱،۱۷۲ ان فقرات کو ناظرین خیال میں رکھیں کادیانی نے اپنی تحریر نمبر ہشتم میں ان کا خلاف کیا ہے اور تعامل کے تین مراتب یقین بنا کر سوم مرتبہ ظن غالب کو کہا ہے۔

۱۷۳،۱۷۴،۱۷۵،۱۷۶،۱۷۷ ایسا ہی اصل میں اوازش کا لفظ ہے جس کا مطلب دربطن کادیانی ہے۔ شاید اس کی مراد لفظ آویزش ہو۔ ان شروط واوصاف راوی کے بیان سے آپ نے یہ جتایا ہے کہ فن حدیث کے کوچہ میں بھول سے بھی کبھی آپ کا گزر نہیں ہوا۔ تقویٰ کی صفت نیک چلنی وصداقت وغیر صفات کی جامع اور اس پر حاوی ہے پھر اس صفت کے ساتھ نیک چلنی وصداقت کو کیوں ذکر کیا ہے۔ سلامت فہم کے ظاہری معنی یہی ہیں کہ فہم راوی میں غلطی نہ ہو اور اس معنی کو سلامت فہم شرط روایت نہیں ہے۔ یہ امر ہم نے اپنی تحریر ہشتم میں آپ کو جتایا تو آپ نے تحریر ہشتم میں اس کا ایسا جواب دیا کہ وہ عذر بدتر از گناہ کا مصداق ہے۔ چانچہ اس تحریر کے جواب میں ثابت کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

طہارت سے ظاہری اور وضو وغسل وتیمّم وغیرہ ہی ہوسکتا ہے۔ سوکسی کے نزدیک روایت حدیث میں شرط نہیں۔ نہ بوقت تحمل حدیث یہ طہارت شرط ہے نہ بوقت ادائے روایت حدیث شرط ہے۔

۱۷۸ جس قدر اطمینان عمل کے لئے بکار ہے وہ تحقیق شروط رواۃ میں حاصل ہوچکی ہے۔ آپ اس کوچہ سے نابلد ہیں۔ اس لئے اس کو محال جانتے ہیں۔ ہماری تحریر نمبری ۸ میں اس کی تفصیل ہے۔

۱۷۹ احادیث صحیحین کی صحت کی نسبت یہ اطمینان لائق عمل حاصل ہے اور اس پر قسم جائز ہے۔

۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲ پھر قطعی وظنی کی بحث کو ناحق آپ نے چھیڑا اور خروج از مبحث اختیار کیا جس کی یہ تیرھویں دفعہ ہے۔ یہاں اپنے ظن غالب کو یقین کا مقابل ٹھہرایا ہے اور تحریر نمبر ہشتم میں اس کا خلاف کیا اور ظن غالب کو یقین کا ادنیٰ مرتبہ ٹھہرایا۔

۱۸۳، ۱۸۴ اس مقام میں آپ نے احادیث بخاری ومسلم کی ظنی صحت مان کران اہل حدیث کی آنسوؤں کو پونچھ دیا جو آپ کو اہل حدیث سمجھ کر آپ کے دام میں مبتلا ہیں۔ پھران احادیث کے مخالف قرآن ہونے کی صورت میں ان کو موضوع کہنے پر مستعدی کا اظہار کیا اور آئندہ رداحادیث صحیحین کے لئے راستہ نکال لیا جو آحادیث صحیحین پر آپ کا چودھواں حملہ ہے۔ مگر ایک شرط مخالفت قرآن کی آڑ میں جس کے وقوع کو آپ نے ازالہ میں ص۲۲۴ سے ۲۲۹ تک بیان کر چکے ہیں۔ چنانچہ قبل میں آپ کی عبارات منقول ہیں۔

۱۸۵ ان کا یہ دعویٰ طشت از بام کا مصداق ہے۔ وہ کبھی کسی حدیث کو اصول روایت سے صحیح ہو جانے کے بعد امتحان صحت کے لئے قرآن پر عرض نہ کرتے اور یہ مانتے چلے آئے ہیں کہ حدیث بحکم اصول روایت صحیح ہو تو پھر وہ دوسری حدیث صحیح کے مخالف نہیں ہوتی۔ چہ جائیکہ مخالف قرآن ہو۔

۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸ اس آیت کو صرف امکان صدور کذب وغیرہ ذنوب کی نظر سے ثقہ وعادل محقق الثقۃ والعدالۃ راویوں پر لگانا اور ان کو فاسق بنانا اور صدق کو معصوم میں منحصر کرنا اپنے فسق کا اقرار اور چھپے رفض کا اظہار کرنا۔ مسلمان اہل سنت تو ظاہر العدالۃ راوی کی روایت کو راست اور صحیح سمجھتے ہیں اور امکان صدور کذب کے لحاظ سے صحیح روایت کی عدم صحت تجویز نہیں کرتے۔ اپنی تحریر ہشتم میں کادیانی نے صحیح احادیث کے راویوں میں امکان کذب کی جو وجہ بتائی ہے اس کا جواب اس تحریر کے جواب میں ادا ہوگا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ!

۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱ جس قدر کامل تحقیقات صحت احادیث کے لئے بکار ہے وہ میسر وحاصل ہو چکی ہے۔ آپ فن حدیث سے جاہل ہونے کے سبب بار بار یقین کامل کا لفظ زبان وقلم میں لاتے ہیں۔ صحت احادیث کے لئے ظن غالب (جس کے حصول کو آپ مان چکے ہیں) کافی ہے۔

۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴ اس قول میں صحابہ کے حالات کو اور ائمہ حدیث تک احادیث کو پہنچانے والے راویوں کے حالات کو آپ نے روشن اور یقینی کہا ہے اور ان دونوں گروہ کے درمیان کے راویوں کے حالات کو آپ نے غیر یقینی ومشتبہ بنایا ہے اور یہ ایسا کذب اور خلاف واقع قول ہے۔ جس کی نہ قرارداد محدثین سے موافقت ہوسکتی ہے نہ کادیانی کے اپنے قول واعتقاد سے۔ کادیانی کے اپنے قول واعتقاد سے اس کی عدم موافقت کی یہ وجہ ہے کہ وہ اس قول سے دوسطر پہلے یہ کہہ چکا ہے کہ بجز نبی اور کوئی معصوم نہیں ہے اور امکانی طور پر صدور کذب وغیرہ ذنوب ہر ایک سے بجز نبی ممکن الوقوع ہے اور یہ بھی وہ کہہ چکا ہے کہ امکان

کذب قطعیت ویقین کا مخالف ہے۔ پھراس کا صحابہ اور ائمہ حدیث تک احادیث کو پہنچانے والے راویوں کے حالات کو یقینی قرار دینا اپنے سابق قرارداد اعتقاد کے مخالف نہیں تو اور کیا ہے اور اگر اس قول کے وقت کادیانی نے اس قول واعتقاد سے رجوع کیا اور اس کو غلط سمجھا ہے تو پھر جیسے صحابہ وائمہ حدیث تک رواۃ کے حالات باوجود امکان صدور کذب وغیرہ ذنوب قطعی ویقینی ہیں۔ ویسے ہی درمیانی لوگوں کے حالات باوجود اس امکان کے یقینی ہونے چاہئے۔ کیونکہ ان کے حالات کی تفصیل وبیان حالات صحابہ ورواۃ ائمہ حدیث سے کم نہیں ہیں۔ جس قدر کوئی صحابہ کے حالات میں تفصیل کرے۔ اسی قدر ہم سے درمیانی راویوں کی حالات کی تفصیل سن لے۔ قرارداد محدثین سے اس قول کادیانی کی عدم موافقت کی یہ وجہ ہے کہ محدثین کے نزدیک جس قدر تفصیل حالات درمیانی راویوں کی ہو چکی ہے اس قدر ان لوگوں کے حالات کی تفصیل نہیں ہوئی جو آئمہ حدیث سے نیچے کے لوگ ہیں اور انہوں نے ائمہ حدیث تک حدیثوں تک پہنچا دیا ہے۔ ان میں بعض تو ایسے ہیں جن کے حالات قلمبند ہی نہیں ہوئے اور ان کو اکثر لوگ نہیں جانتے اور بعض ایسے ہیں جن کے حالات قلمبند ہوئے ہیں مگر وہ بہت تھوڑی تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔

ہم ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنی تصانیف کے ذریعہ سے ائمہ حدیث تک حدیثوں کو پہنچادیا ہے صرف ایک شخص مؤلف مشکوٰۃ کے حالات اور ان لوگوں میں سے جو کتب حدیث کو ائمہ حدیث سے بطور سند روایت کرتے چلے آئے ہیں چند راویوں کے حالات کادیانی اور اس کے حواریوں سے پوچھنا اور سننا چاہتے ہیں۔ اگر کادیانی اور اس کے تمام اعوان وانصار جو اہل حدیث کہلاتے ہیں ان لوگوں کے حالات ائمہ حدیث اور صحابہ کے درمیانی راویوں کے حالات کا عشر عشیر بھی بیان کریں تو ہم سے ہماری حیثیت کے موافق جس قدر چاہیں انعام لیں اور اگر وہ ان کے حالات اس قدر نہ بتا سکیں تو اس بات کو تسلیم کریں کہ کادیانی نے ان کے حالات کے علم وتفصیل کی نسبت جو دعویٰ کیا ہے وہ محض کذب ہے اور بے خبری وجہالت پر مبنی ہے اور ان لوگوں کے بیان حالات کو درمیانی راویوں کے بیان حالات سے وہ نسبت بھی نہیں جو ایک کو سو سے ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ محدثین کے نزدیک نقل وصحت روایت کا مدار ائمہ حدیث اور ان کے مشہورہ تصانیف ہیں جن کے اوپر کے راویوں کے حالات ایسی تفصیل ووضاحت سے معلوم ہو چکے ہیں کہ گویا وہ چشم دید حالات ہیں اور ائمہ حدیث سے نیچے کے راویوں کے حالات کی نظر سے تصحیح احادیث ممکن نہیں ہے اور اس وقت سلسلہ اسناد صرف تبرک کے طور پر ہے نہ تصحیح روایات کی غرض سے جو محدثین سے اوپر کے اسناد سے مقصد تھا۔

امام ابن الصلاح (جو ساتویں صدی میں گزر چکے ہیں) اپنی کتاب علوم الحدیث میں فرماتے ہیں: ”اذا وجدنا فیما یروی من اجزاء الحدیث وغیرها حدیثا صحیح الاسناد ولم

نجده فی احد الصحیحین ولا منصوصاً علی صحته فی شئی من مصنفات ائمه الحدیث المعتمدة المشهوره فانا لا نتجاسر علے الجزم بصحته فقد تعذر فی هذه الاعصار الاستقلال بادراک الصحیح بمجرد اعتبار الا ساینید لا نه من اسناد من ذلک الا وتجد فی رجاله من اعتمد فی روایة علی ما فی کتابه عریا عما یشترط فی الصحیح من الحفظ والضبط والاتقان قال الامر اذافی معرفة الصحیح والحسن الی الاعتماد علی مانص علیه ائمة الحدیث فی تصانیفهم المعتمدة التی بیّن فیها الشهرتها من التغیر والتحریف وصار معظم المقصود بما یتد اول من الاساینید خارجا عن ذلک ابقاء سلسلة الاسناد التی خصت بها هذه لامة زادها الله شرفا ’’اس عبارت کا خلاصہ ترجمہ وہی ہے جو عبارت آئندہ کا ترجمہ ہے۔

اورطیبی شارح مشکوٰۃ (جو آٹھویں صدی میں ہوئے ہیں) شرح مشکوٰۃ کے مقدمہ میں جو جامع ترمذی مطبوعہ مطبع احمدی کے ابتداء میں سید شریف جرجانی کے نام سے ملحق ہے۔فرماتے ہیں:’’اعرض الناس فے هذه الاعصار عن مجموع الشروط المذكورة اكتفوا من عدالة الراوی بان یکون مستورا ومن ضبطه بوجود سماعه مشبتاً بخط موثوق به وروایة من اصل موافق لاصل شیخه وذلک لان الحدیث الصحیح والحسن وغیرهما قدجمعت فی کتب الائمة فلایذهب شئی منه عن جمعهم والقصد بالسماع ابقاء السلسلة فی الاسناد المخصوص بهذة الامة ‘‘ان زمانوں میں محدثین نے جملہ شروط مذکورہ سے منہ پھیرلیا ہےاورراوی کے عدالت کی جگہ اس امر کوکافی سمجھا ہے کہ وہ مستورالحال ہو۔یعنی اس کا کوئی عیب معلوم نہ ہواوراس کی ضبط حدیث سے اس قدر پراکتفاء کیا ہے کہ اس کی روایت ایسے دستخطوں سے لکھی ہوئی ہوجس پر اس کا اعتاد ہو اور وہ روایت شیخ کے مطابق ہو۔ یہ اس لئے ہوا کہ احادیث صحیح اورحسن وغیرہ کتب حدیث میں جمع ہوچکی ہیں۔اس سے کوئی حدیث فوت نہیں ہوتی اوراس وقت روایت سننے سے مقصود صرف سلسلہ اسنادکو باقی رکھنا ہے جواس امت کا خاصہ ہے۔یعنی اس وقت اسناداورحالات راویوں کی نظر سے تصحیح احادیث ممکن نہیں ہے۔

اوراگرائمہ حدیث نیچے کے راویوں کے حالات ان کےاورصحابہ کے درمیانی راویوں کی نسبت زیادہ مفصل ومبین ہوتی تو محدثین پچھلے زمانوں میں اسناد کی نظر سے تصحیح حدیث کے دروازہ کو بند نہ کرتے بلکہ پہلے زمانہ کی نسبت اس کواورفراخ کرتے ہیں اورآسان قراردیتے۔حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہوا۔امام ابن الصلاح کے قول سے امام نووی وغیرہ نے خلاف کیا ہےتو صرف اس امر میں کیا ہے کہ پچھلے زمانوں میں بھی تصحیح احادیث بنظراسانید صاحب بصیرت واہلیت کے لئے ممکن ہے۔یہ کسی نے نہیں کہا کہ پہلے یادرمیانی

زمانوں کی نسبت پچھلے زمانوں میں راویوں کے حالات زیادہ مفصل ومشروع ہو چکے ہیں۔ اس لئے ان زمانوں میں تصحیح الحدیث بنظر اسناد آسان ہے۔

اس بیان سے ثابت ہے کہ کادیانی نے جو اس قول میں دعویٰ کیا ہے وہ محض کذب ہے، نہ قرارداد محدثین سے اس کی موافقت ہوسکتی ہے نہ کادیانی کے اپنے قرارداد واعتقاد سے۔

۱۹۵، ۱۹۶؎ تمہارا ہی ایمان یہ گواہی دیتا ہوگا کہ صحیحین کی حدیثیں تاریکی میں ہیں۔ مسلمانان اہل سنت کا ایمان تو یہ فتویٰ دیتا ہے کہ صحیحین کی جملہ احادیث تاریکی منافی صحت سے باہر ہیں۔ عبارات فقہاء ومحدثین ہماری تحریر نمبر۸ میں ملاحظہ ہوں۔

(۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱؎ ان الفاظ سے آپ نے اپنے جھوٹ کو کسی قدر راستی کا لباس پہنانا اور اس دھوکہ کے ملمع سے ناواقف مسلمانوں کو دام میں لانا چاہا ہے۔ ان کو بظاہر یہ کہا ہے کہ جس قدر روشنی ویقینی ثبوت وصحت تام کا دعویٰ قرآن کی نسبت ہوسکتا ہے اور اس قدر احادیث صحیحین کی نسبت نہیں ہوسکتا اور اس سے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ صحیحین کی صحت مشتبہ وشکی ہے اور یہ سراسر دھوکہ ومقابلہ ہے۔ صحت وثبوت کا مرتبہ صرف ایک وہی نہیں ہے جو قرآن کو حاصل ہے تاکہ احادیث صحیحین میں اس مرتبہ کے مفقود ہونے سے ان کی صحت میں شک واشتباہ لازم آوے بلکہ قرآن سے اتر کر صحت وثبوت کے مرتبہ سات اور ہیں جن میں اعلیٰ وارفع مرتبہ صحیحین کے متفق علیہ احادیث کو حاصل ہے اور باقی چھ مراتب اور احادیث کو حاصل ہیں۔

طیبی نے شرح مشکوٰۃ میں کہا ہے: ’’**وتتفاوت درجات الصحيح بحسب قوة شروطه وضعفها واول من صنف فى الصحيح المجرد الامام البخارى ثم مسلم وكتاباهما اصح الكتب بعد كتاب الله العزيز. واعلىٰ اقسام الصحيح مااتفقا عليه ثم ماانفرد به البخارى ثم ما انفرد به مسلم ثم ما كان على شرطهما وان لم يخرجاه ثم علے شرط البخارى. ثم علے شرط مسلم ثم ما صحه غيرهما من الائمه فهذه سبعة اقسام**‘‘ ایسا ہی شرح نخبۃ الفکر وغیرہ میں ہے۔ اس کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ درجات صحیح قوت شروط کی نظر سے متفاوت ہیں۔ سب سے اعلیٰ قسم بخاری مسلم کی اتفاقی حدیث ہے۔ وہ جس کو صرف بخاری لایا ہے۔ وہ جس کو مسلم لایا ہے۔ وہ دونوں کی شرط پر ہے۔ گو اسی کتاب میں وہ جو صرف بخاری کی شرط پر ہے وہ جو مسلم کی شرط پر ہے وہ جس کو کسی اور سند صحیح کہا ہے۔ کادیانی نے غضب کیا اور ناواقف مسلمانوں کو سخت دھوکہ دیا ہے کہ ان سب مراتب ہفتگانہ صحت سے آنکھ بند کر کے صحت وثبوت کا ایک ہی مرتبہ (جو قرآن کو حاصل ہے) مقرر کیا اور احادیث صحیحین کو اس مرتبہ سے خارج کر کے اس سے ان کی صحت کا شکی ومشتبہ ہونا نکال لیا اور صحیحین پر یہ پندرھواں حملہ کیا اور طرفہ یہ کہ اپنی تحریر نمبر۸ میں کادیانی نے اس کا خلاف کیا اور جملہ احادیث متعلقہ عمل کو (جن میں احادیث بمحل اختلاف

مثل حدیث رفع یدین وغیرہ کو ہی اس نے داخل وشامل کر لیا ہے) علیٰ اختلاف المراتب قطعی صحیح اور واجب العمل تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ عنقریب ناظرین کو اس کی تحریر سے معلوم ہوگا۔ مگر اس وقت اس دجال کو بحکم ''دروغگو را حافظہ نباشد'' یہ خیال نہ آیا اور یاد نہ رہا کہ میں نے تو قطعی صحت کا مرتبہ ایک ہی قرار دیا ہوا ہے جو قرآن کو حاصل ہے۔ پھر میں ان احادیث کی قطعی صحت علی اختلاف المراتب کیوں تسلیم کرتا ہوں۔

یا یہ کہ وہ دیدہ دانستہ لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے جس بات سے کوئی دام میں آوے اس سے اس کو دام میں لاتا ہے اور اس میں اختلاف اپنے اقوال کا بھی کچھ لحاظ نہیں کرتا اور یہ سمجھ رہا ہے کہ جو قول کسی کی نظر میں پڑے گا وہ اس کے دام میں آئے گا۔ دوسرا دوسرے قول کے دام میں سبھی لوگ سبھی اقوال کو کہاں دیکھتے ہیں کہ اختلاف وتعارض کا اعتراض کریں گے۔

۲۰۲، ۲۰۳ے قطعی ہونے سے سوال نہ تھا اور نہ جواب میں اس سے تعرض کی ضرورت تھی۔ آپ اس قطعیت کے ذکر ونصوص سے بار بار خروج از مبحث کرتے ہیں جس کی یہ چودھویں دفعہ ہے۔

۲۰۴ے یہ قول صاف مشعر ہے کہ اگر کوئی حدیث صحیحین آپ کو مخالف قرآن معلوم ہوگی (جیسے احادیث متعلقہ حضرت مسیح دجال ہیں جن کو آپ ازالہ کے ص ۲۲۴ وغیرہ میں اور تحریر نمبر ہشتم میں مخالف قرار دے چکے ہیں) تو اس کو موضوع کہنے کے لئے آپ مستعد وتیار ہیں۔ یہ احادیث صحیحین پر آپ کا سولھواں حملہ ہے۔

۲۰۵، ۲۰۶ے اس پرچہ میں ہم نے یہ سوال کہیں نہیں کیا اور جو جواب آپ نے دیا ہے وہ بھی کوئی نیا جواب نہیں اس میں پچھلی ہی باتوں کا اعادہ ہے۔ چنانچہ اس جواب میں آپ نے خود اعتراف کیا ہے کہ میں بار بار یہی جواب دوں گا۔ یہ ہمارے اس دعویٰ کی تصدیق ہے جو حاشیہ میں ہم کر آئے ہیں۔

۲۰۷، ۲۰۸ے احادیث صحیحہ مسلم الصحت قرآن سے جدا اور اس کے مخالف نہیں تو وہ بھی حبل اللہ میں داخل ہیں اور ان سے تمسک بعینہٖ قرآن سے تمسک ہے۔

۲۰۹، ۲۱۰ے حدیث صحیح قرآن کے مخالف نہیں ہوتی تو پھر رجوع بحدیث رجوع القرآن ہے نہ اعراض از قرآن۔

۲۱۱، ۲۱۲ے حدیث صحیح قرآن کے مخالف نہیں بلکہ موافق اور اس کے اجمال کی مبین ہوتی ہے تو دست آویز حدیث عین دست آویز قرآن ہے اور عین شرف جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔

۲۱۳ے اس آیت اور اس کی تفسیر سے (جو آپ نے کی ہے) گو یہ ثابت ہے کہ قرآن کی بعض آیات بعض کی تفسیر ہیں۔ مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حدیث قرآن کی تفسیر نہیں ہے اور آپ نے خود بھی اس آیت سے یہ نتیجہ نہیں نکالا بلکہ دبی زبان سے یہ قرار کر لیا ہے کہ عوام الناس کو سمجھانے کے لئے احادیث سے بھی قرآن کی تفسیر ہوئی ہے اور اس آیۃ یا پہلی چار آیتوں سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ صحت احادیث کا

معیار قرآن شریف ہے۔ پھر ان آیات کو اس مدعا کے ثبوت کے لئے پیش کرنے سے بجز تکرار بلا حاصل وتطویل بلا طائل کیا مقصود ہے۔ آخری آیہ کی تفسیر میں جو آپ نے حالات باطنی کی تشریح کی ہے یہ محض اجنبی ہے۔ جس کو نہ ہمارے سوال سے کوئی تعلق ہے نہ آپ کے جواب سے۔ لہٰذا اس کے بیان سے اپنے پندرھویں دفعہ خروج از مبحث کا ارتکاب کیا ومعہذا آپ نے اس میں ارتکاب سرقہ کیا۔ کیونکہ اس تشریح کا مضمون آپ نے تفسیر رحمانی وغیرہ سے لیا مگر ان کا حوالہ نہیں دیا بلکہ یہ جتایا کہ یہ آپ کا ایجاد ہے۔

ونیز اس تشریح میں مسلمانوں کو دھوکہ دیا اور یہ جتایا ہے کہ اس مضمون کے مصداق خود بدولت ہیں اور اس میں کذب محض سے کام لیا۔ آپ کو خشیت وہیبت الٰہی ومعارف وحقائق قرآنی سے کیا تعلق۔ اطاعت وعبادت وذکر سے کیا نسبت اور جو یہ باتیں آپ قرآن سے نکالتے ہیں (فتویٰ علماء ہندوستان وپنجاب اشاعۃ السنۃ نمبر۴ ج۱۳ میں ملاحظہ ہو) آپ کی اطاعت وعبادت وذکر کا یہ حال کہ مدت العمر جمعہ جماعت کا التزام نہیں رہا۔ آپ سے اور ذکر کیا ہوگا۔ نماز کے بعد تینتیس تینتیس دفعہ ''سبحان اللہ والحمدللہ'' کہنا آپ کو نصیب نہیں ہوتا۔ آپ کو دس ہزار روپیہ مالیت کی ملکیت کا دعویٰ ہے۔ مگر کبھی زکوٰۃ نہیں دی۔ ساٹھ سال عمر کو پہنچے مگر اب تک حج کعبہ کی توفیق نہ ملی۔ اخلاق کا یہ حال ہے کہ بازاری فحش اور عامیانہ گالیوں سے آپ کا قلم وزبان نہیں بچ سکتے۔ آپ کا رسالہ شحنۂ حق وفیصلہ آسمانی وغیرہ تصانیف اور ہمارا جواب فیصلہ آسمانی وغیرہ پر چھاپہ سے اشاعۃ السنۃ جلد۱۳، ۱۴ ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے تو اس بیان کی پوری تصدیق وتائید کریں گے۔ ایسے اعتقادات واخلاق وخیالات وطاعات والے اشخاص انکشاف معارف قرآنی کے محل ہوں تو پھر وہ معارف یقیناً رحمانی نہیں شیطانی ہوں گے۔

۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷ ان چاروں فقروں میں قادیانی نے عجب روباہ بازی کی ہے اور کید قادیانی کی پوری داد دی اور شتر مرغی کر دکھائی ہے۔ پہلے فقرہ میں اس نے قرآن کا اپنی تفسیر میں محتاج احادیث نہ ہونا بیان کیا ہے۔ دوسرے فقرہ میں اس کو تعامل کا جو احادیث مقابلہ وسنن متوارثہ میں پایا جاتا ہے محتاج بنایا۔ تیسرے فقرہ میں ربی زبان سے حدیث کا مفسر قرآن ہونا تسلیم کیا۔ چوتھے فقرہ میں پھر حقیقۃً ان کا مفسر قرآن نہ ہونا ظاہر کیا۔ اس روباہ بازی وشتر مرغی سے اس کا مقصود یہ ہے کہ اگر جانب ثانی نے حدیث کا مفسر قرآن ہونا ثابت کر دیا تو میں کہوں گا کہ میں نے حدیث کے مفسر قرآن ہونے سے کب انکار کیا ہے۔ (اور ایسا ہی آپ سے وقوع میں آیا ہے نمبر۸ میں ہم نے حدیث کا مفسر قرآن ہونا بشہادت قرآن وحدیث وآثار ثابت کیا تو اس کے جواب میں اپنی تحریر نمبر۸ میں آپ نے صاف کہہ دیا کہ میں نے کہاں اور کس جگہ کہا ہے کہ حدیث قرآن کی مفسر نہیں) اور اگر جانب ثانی نے اس کا ثبوت پیش نہ کیا تو اس انکار کے ذریعہ سے ان احادیث کو اڑایا جائے گا جن کو تفصیل نزول حضرت مسیح وغیرہ میں پیش کیا جانا ہے۔ ہم اس کے

اس کلام سے اس کی غرض ومقصد کے مخالف نتیجہ نکال سکتے اور اس کو الزام دے سکتے ہیں۔ اس کے پہلے فقرہ کی نظر سے اس کو حدیث کے مفسر قرآن ہونے سے منکر ہونے کا الزام دے سکتے ہیں۔ (چنانچہ نمبر۸ میں ہم سے وقوع میں آیا ہے) اور اس کے تیسرے فقرہ کی نظر سے اس کو حدیث کے مفسر قرآن ہونے کا قائل بنا کر اس پر ان احادیث سے الزام قائم کر سکتے ہیں۔ جو نزول مسیح وغیرہ میں قرآن کی تفسیر کر رہے ہیں۔ فقرہ سوم کے برخلاف دوسرے اور چوتھے فقرہ میں جو کادیانی نے قرآن کا امور غیر متعاملہ میں اپنا مفسر آپ ہونا ان میں حدیثوں کی طرف محتاج نہ ہونا بیان کیا ہے۔ وہ محض غلط وخلاف واقعہ ہے۔ امور غیر متعاملہ کا بڑا حصہ وہ اعتقادات ہیں جو حالات برزخ اور وقائع حشر ونشر وصفات بہشت ودوزخ میں وارد ہیں۔ ان کی تفصیل وتفسیر جو احادیث میں وارد ہے اور اہل اسلام کے مختلف فرقوں میں وہ اتفاق کے ساتھ مسلم چلے آئے ہیں۔ وہ قرآن میں کہیں نہیں ہیں۔ کادیانی نے وہ تفاصیل وتفاسیر قرآن سے نکال دی تو ہر ایک امر کی تفصیل پر ہم سے پانچ روپیہ انعام لے ورنہ ندامت کے ساتھ ان فقرات کو واپس لے۔ کادیانی اور اس کے اتباع نے صرف احادیث متعلقہ نزول مسیح کو نا قابل تفسیر قرآن بنانے کی غرض سے تفسیر قرآن ہونے کے لئے احادیث متعلقہ اعمال کو مخصوص کیا اور جملہ احادیث متعلقہ اعتقاد کو نا قابل تفسیر قرار دیا اور یہ خیال نہ کیا کہ اس اصول پر حملہ احادیث وتفسیر وتفاصیل برزخ وحشر ونشر واحوال جنت واحوال دوزخ مہمل وبیکار آپ کا ہو جائے گی۔ افسوس افسوس افسوس!

۲۱۸ اس بات میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ کون سا ضروری امر تھا۔ اس کے بیان میں بھی آپ نے خروج از اصل بحث ومطلب کہا۔ جس کی یہ سولہویں دفعہ ہے۔

۲۱۹ مخالفت معلوم وثابت ہو جائے تو پھر عرض کی کیا حاجت ہے۔ عرض تو قائلین عرض کے نزدیک بھی قبل از علم مخالفت وموافقت ہونا چاہئے۔ آپ کے اس فقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سخن فہمی میں ایسے طاق ہیں کہ اپنی کلام کا مطلب بھی نہیں سمجھتے اور پھر یہ دعویٰ کہ الہام وتفہیم الٰہی میری شامل حال ہے اور روح القدس آپکا رہبر ہے۔ **لا حول ولا قوۃ!**

کادیانی کی اندھے اور کانے ہوکر تقلید کرنے والے اور اس کی ان تحریرات کے مضمون سے اس کا ملہم وموید من اللہ ہونا ثابت کرنے والے اس کے اس قول کو بھی منجانب اللہ کہیں گے؟

۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳ اس حدیث کا ہماری تحریر ہشتم میں کافی جواب دیا گیا ہے۔ یہاں ناظرین اس کے ترجمہ کے الفاظ نمبر۲، ۳، ۴ کو دیکھیں کہ ان میں احادیث سے احادیث نبویہ مراد بتائی ہے اور اس سے پوری تحریف جو یہودیت کہلاتی ہے اختیار کی ہے۔ اس تحریف سے آپ نے وہ نتیجہ نکالا ہے جس کا ذکر حاشیہ میں ہے۔

۲۲۴؎ اس نتیجہ کا ماخذ ومولد وہی تحریف ہے جو لفظ احادیث کے ترجمہ میں آپ نے کی ہے اور درحقیقت کسی مسلمان کے نزدیک اس حدیث میں لفظ احادیث نبویہ (جو وحی غیر متلو ہوتی ہے) مراد نہیں بلکہ احادیث کے لغوی معنی لوگوں کی باتیں جو قرآن وحدیث کے برخلاف۔ وہ اس وقت کررہے تھے مراد ہیں۔ اس کی تفصیل تمہاری تحریر نمبر۸ میں ہے اور لفظ حدیث کے لغوی معنی تفصیل وتشریح حواشی نمبر۲،۳ تحریر نمبر سوم کادیانی میں میں ہوچکی ہے۔

۲۲۵؎ یہ محض غلط ومغالطہ ہے جو اختلاف امت محمدیہ کے بہتر(۷۲) فرقوں نے فرقہ اہل سنت وجماعت سے کیا ہے۔ وہ احادیث کی طرف رجوع کرنے پرمبنی نہیں ہے بلکہ وہ اختلاف احادیث کو چھوڑ کر صرف قرآن سے تمسک کرنے پر (جیسا کہ آج کل کادیانی کررہا ہے) مبنی ہے۔ معتزلہ جو معافی گناہوں کے لئے شفاعت انبیاء سے منکر ہیں وہ اس انکار پر ان آیات قرآن سے تمسک کرتے ہیں۔ ’’لا بیع فیہ ولا خلۃ ولاشفاعۃ (البقرہ)‘‘ جن میں قیامت کے دن شفاعت نہ ہونے کا ذکر ہے اور اگر وہ اسباب میں حدیث کی طرف رجوع کرتے اور اس میں سے صاف تصریح پاتے۔ ’’یستاذن علی ربی فی دارہ فیوذن لی علیہ فاذارایتہ وقعت ساجدًا فیقول ارفع محمد راسک وقل تسمع اشفع تشفع متفق علیہ (مشکوٰۃ ص ۴۸۰) اسعد الناس بشفاعتی یوم القیمۃ من قال لا الہ الا اللہ خالصا من قلبہ اونفسہ رواہ البخاری (مشکوٰۃ ص ۴۸۱) شفاعتی لاھل الکبار من امتی رواہ الترمذی وابوداؤد (مشکوٰۃ ص ۴۸۶)‘‘ کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے اذن سے شفاعت کریں گے اور آپ کی شفاعت کا مستحق وہ شخص ہے جو مشرک نہ ہو آپ کی شفاعت آپ کی امت یعنی مسلمان گنہگاروں کے لئے ہے تو وہ انکار وشفاعت سے بچ جاتے اور آیات نفی شفاعت کے یہ معنی کرتے کہ وہ کافروں سے مخصوص ہیں جن کے لئے خداتعالیٰ اذن شفاعت نہ دے گا اور نہ انبیاء ان کے لئے شفاعت کریں گے۔

شیعہ وغیرہ جو قیامت کے دن دیدار خدا سے منکر ہیں وہ اس انکار پر اس آیۃ قرآن ’’لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار (انعام)‘‘ سے تمسک کرتے ہیں جس میں ذکر ہے کہ خداتعالیٰ کو کوئی آنکھ نہیں پاتی اور اگر وہ اس بات میں حدیث کی طرف رجوع کرتے اور اس میں یہ تصریح پاتے ’’قال جریر بن عبداللہ کنا عند النبی ﷺ اذ نظر الی القمر لیلۃ البدر فقال اما انکم سترون ربکم کماترون ھذا لا تضامون فی رویتہ (بخاری ص ۸۱)‘‘ کہ تم خدا کو ایسا دیکھو گے جیسا چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو جس کے دیکھنے میں آپس میں تم ازدحام نہیں کرتے تو خدا کے دیدار کے قائل ہوجاتے اور اس آیۃ کے یہ معنی کرتے کہ دنیا کی آنکھیں خدا کو نہیں دیکھتی یا اس کے کنہ کو نہیں پاسکتیں۔

خوارج جو گناہ کے سبب مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں وہ اس تکفیر پر اس آیت قرآن: ’’ومن یقتل

مؤمنا متعمدا فجزاء ہ جهنم خالدا فیها (نساء) ‘‘ سے تمسک کرتے ہیں جس میں ذکر ہے کہ جو شخص مؤمن کو عمداً قتل کرے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

اوراگروہ اس بات میں حدیث کی طرف رجوع کرتے اوراس میں یہ تصریح پاتے’’ قال رسول اللہ ﷺ ویخرج من النار قال لا الہ الا اللہ وفی قلبه وزن ذرة من خیر فقال ابوعبداللہ قال ابان حدثنا قتادہ حدثنا انس عن النبی ﷺ من ایمان مکان خیر (بخاری ص ۱۱) ‘‘ کہ جو شخص لا الہ الا اللہ کہے گا اوراس کے دل میں ذرہ کے برابر ایمان ہوگا وہ دوزخ سے نکالا جائے گا اور بہشت میں داخل ہوگا تو وہ مؤمن کو گناہ کے سبب کافر خارج از ملت نہ کہتے اوراس آیت کے معنے وہ یہ کرتے کہ جو شخص مؤمن کو اس کے مؤمن ہونے کی نظر سے مارے اورایمان کو برا سمجھے وہ ہمیشہ آگ میں رہے گا۔ معتزلہ جو الہامات وغیرہ کرامات اولیاء سے منکر ہیں تو وہ اس انکار پر اس آیہ قرآن سے تمسک کرتے ہیں:’’ولا یظهر علی غیبه احدًا الا من ارتضی من رسول فانه یسلک من بین یدیه ومن خلفه رصدًا (الجن) ‘‘جس میں بیان ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے غیب پر بجز رسول کسی کو مطلع نہیں کرتا اوراگروہ حدیث کی طرف رجوع کرتے اوران میں بہت سے مواقع میں غیرنبی کا بعض امورغیب پر خدا کی طرف سے مطلع کیا جانا۔ (جیسے حضرت عبداللہ والد جابر کا جنگ احد میں سب سے پہلے اپنے شہید ہونے پر مطلع ہونا’’عن جابر قال لما حضر احد دعانی ابی من اللیل فقال لا ارانی الا مقتولاً فی اوّل من یقتل من اصحاب النبی ﷺ وانی لا اترک بعدک اعز علی منک غیر نفس رسول اللہ ﷺ وان علی دینا فاقض واستوص باخواتک خیرا فاصبحنا فکان ابی اوّل قتیل رواہ البخاری ‘‘یا حضرت عمرؓ کا کئی منزلوں کے فاصلہ سے حضرت ساریہؓ کے جنگ میں بے موقع کھڑا ہونے کو دیکھ لینا وغیرہ وغیرہ۔’’وعن ابن عمر ان عمر بعث جیشا وامر علیهم رجلا یدعی ساریه بینما عمر یخطب فجعل یصیح یا ساری الجبل فقدم رسول من الجیش فقال یا امیر المؤمنین یقنا عدونا فهزمونا فاذا بصائح یصیح یا ساری الجبل فاسندنا ظهورنا الی الجبل فهزمهم اللہ تعالیٰ رواہ البیهقی فی دلائل النبوة (مشکوٰة ص ۳۶، ۵۳۸) ‘‘)اوردیگر برکات وکرامات اولیاء کرام کو دیکھتے تو الہامات وکرامات اولیاءاللہ کے قائل ہو جاتے اوراس نفی کو جو آیہ سے مفہوم ہوتی ہے اس حالت وکیفیت پر جس سے انبیاء مطلع کئے جاتے ہیں۔ یعنی وحی بحراست ملائکہ پر محمول کرتے۔ اس کے نظائر اور بہت ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فرقہ ہائے ضالہ سے جو فرقہ گمراہ ہوا ہے وہ اسی سبب سے گمراہ ہوا ہے کہ اس فرقہ نے حدیث شارح قرآن کو چھوڑ کر صرف قرآن سے تمسک کیا ہے اوران کے مقابلہ میں فرقہ اہل سنت وجماعت اس ضلالت سے اسی سبب سے بچے

رہے کہ وہ ان مسائل میں احادیث کی طرف رجوع کر کے قرآن کا وہ مطلب سمجھتے ہیں جو اس کے شارح ومفسر احادیث سے ثابت ومفہوم ہوتا ہے اور وہی مطلب قرآن اس امت کے لئے صحابہ کی جماعت نے سمجھا ہے اور اس وجہ سے اس فرقہ کا نام اہل سنت وجماعت رکھا گیا ہے۔ اس نام میں سنت سے مراد آنحضرت ﷺ کا قول وفعل وتقریر ہے جس کا دوسرا نام حدیث قولی وفعلی وتقریری ہے اور جماعت سے صحابہ کی جماعت مراد ہے جن کے اقوال، احوال وتقریرات کتب حدیث میں مروی ہیں۔

اس بیان سے صاف اور قطعی نتیجہ نکلتا ہے کہ اس وقت اور آئندہ بھی اس ضلالت سے وہی شخص بچے گا جو ذوالوجوہ آیات قرآن کا مطلب حدیث صحیح سے سمجھے گا اور جو شخص احادیث کو چھوڑ کر ایسی آیات کا مطلب اپنے فکر نارسا وفہم نارسا سے کچھ قرار دے گا۔ وہ یقیناً گمراہ ہوگا اور سیدھا جہنم کو جائے گا۔

اسی نظر سے حضرت فاروق اعظم ؓ نے فرمایا ہے۔ چنانچہ سنن دارمی میں آیا ہے کہ: ''عن عمر بن الخطاب قال انه سیاتی ناس یجادلونکم بشبهات القرآن فخذوهم بسنن فان اصحاب السنن اعلم بکتاب الله وعن سعید بن جبیر انه حدث یوما بحدیث عن النبی ﷺ فقال رجل فی کتاب الله ما یخالف هذا قال الاارانی احدثک عن رسول الله ﷺ وتعرض فیه بکتاب الله کان رسول الله ﷺ اعلم بکتاب الله منک (دارمی ص ۳۸،۷۷)'' جو لوگ قرآن کے متشابہ آیتیں پیش کریں ان کو احادیث سے پکڑو۔ کیونکہ حدیث والے قرآن خوب جانتے ہیں اور سعید بن جبیر نے ایک دن ایک حدیث بیان کی تو ایک شخص نے کہا کہ قرآن میں اس حدیث کا خلاف ہے۔ اس پر انہوں نے فرمایا میں آنحضرت ﷺ کی حدیث پڑھتا ہوں اور تو اس کے مقابلہ میں قرآن پیش کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ (جنہوں نے یہ حدیث فرمائی ہے) تجھ سے بڑھ کر قرآن جاننے والے تھے یعنی یہ حدیث مخالف قرآن ہوتی تو آپ ﷺ نہ فرماتے۔

اور اسی نظر سے امت محمدیہ کا اس پر اتفاق ہوا ہے۔ چنانچہ شعرانی نے منہج میں نقل کیا ہے: ''اجتمعت الامة علی ان السنة قافیة علی کتاب الله (منهج شعرانی)'' کہ سنت کتاب اللہ کی وجوہات مختلف کا فیصلہ کرنے والی ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ کے پاس حدیث پڑھی جارہی ہے: ''دخل علیه مرة رجل والحدیث یقرء عنده فقال الرجل دعونا عن هذه الاحادیث فزجره الامام اشد الزجر وقال لولا السنة مافهم احدنا القرآن (میزان کبریٰ ج ۱ ص ۱۳)'' ایک شخص (کادیانی کا کوئی بھائی ہوگا) وہاں آیا اور کہنے لگا ان احادیث کو چھوڑو۔ اس پر حضرت امام ابوحنیفہ نے اس کو سخت جھڑکا اور فرمایا کہ حدیث نہ ہوتی تو ہم قرآن نہ سمجھتے۔

کادیانی نے جو اس وقت قرآن قرآن کہہ کر لوگوں کو حدیث سے مستغنی وبے اعتقاد کر رہا ہے

اور حمقا و جہلاء فرقہ اہل حدیث کو دام میں لا رہا ہے تو اس کا اصل مقصود یہی ہے کہ لوگ قرآن کی ذوالوجوہ آیات کے جو معنی چاہیں کریں اور اصلی دین قدیم و صراط مستقیم کو جس پر اہل سنت و جماعت کو چلنے کی توفیق ملی ہے چھوڑ کر ملحد و مرتد ہو جائیں اور کم سے کم اہل بدعت و ضلالت تو بنیں ورنہ در حقیقت اس کو قرآن سے بھی کوئی اعتقاد نہیں ہے۔ قرآن کو وہ سچا اور لائق اتباع سمجھتا تو اس کی متعدد آیات متعلقہ معجزات مسیح وغیرہ کو صرف عقل کے مخالف سمجھ کر کیوں ترک کرتا۔ (فتویٰ علماء ہندوستان پنجاب ملاحظہ ہو جو اشاعۃ السنۃ نمبر۴،۵ وغیرہ ج۱۳ میں ہے۔

۲۲۶ محض کذب و صریح مغالطہ ہے۔ حنفیہ کی مخالفت احادیث بخاری سے وجوہ اجتہاد پر مبنی ہے۔ (چنانچہ ہماری تحریر نمبر۸ میں مفصل بیان ہوا ہے) کادیانی میں کچھ شرم و حیا ہے تو بتاوے کہ علماء حنفیہ کو بخاری کی کس حدیث کی صحت پر اعتراض ہے اور وہ کیا ہے؟

۲۲۷ یہ بھی محض کذب و صریح مغالطہ ہے۔ قرآن مجید کو عام مسلمان حکم، رہنما، مہیمن، فرقان وغیرہ جانتے ہیں۔ مگر خاص کر ان باتوں میں کے فیصلہ کے لئے جو لوگ اپنی رائے سے کریں اور ان میں انکا باخود ہا اختلاف ہو نہ حدیث صحیح نبوی مسلم الصحت کی صحت پرکھنے کے لئے جو وحی غیر متلو کہلاتے ہیں اور وہ ہمیشہ موافق و مثل قرآن ہوتی ہے نہ مخالف قرآن۔ آپ بار بار یہ دعویٰ قلم میں لاتے ہیں تو ہم کو بھی بار بار اس کا یہی جواب دینا پڑتا ہے۔ اس میں جو تکرار واقع ہوتا ہے اس کا گناہ بحکم الوزر علی البادی آپ کی گردن پر ہے۔

۲۲۸ اس حدیث میں یہ بیان نہیں ہے کہ حدیث صحیح کے فتنہ سے بجز ذریعہ قرآن نجات ممکن نہیں ہے۔ یہ مطلب مرزا صاحب نے لفظ حدیث کے معنی میں تحریف والحاد اختیار کر کے نکالا ہے۔ لہٰذا اس حدیث کے بیان کرنے والے (گو کیسے ہی قوی یا ضعیف ہوں) آپ کے ساتھ نہیں ہیں۔

۲۲۹ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول مذکور کے یہ معنی نہیں کہ حدیث چھوڑ کر قرآن کافی ہے۔ (چنانچہ ہماری تحریر نمبر۸ میں اس کی تفصیل ہوئی ہے) لہٰذا حضرت عمر بھی آپ کے ساتھ نہیں ہیں۔

۲۳۰،۲۳۱،۲۳۲،۲۳۳ صاحب تفسیر حسینی یا شیخ طوسی نے نہ حدیث ’’من ترک الصلوٰۃ‘‘ کی صحت لفظی کو قرآن سے پرکھا ہے اور نہ اس کو عام اصول ٹھہرایا۔ چنانچہ تحریر نمبر۸ میں بہ تفصیل ثابت کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ دونوں صاحب بھی آپ کے موافق نہیں ہیں اور ان کے فعل و قول سے آپ کا مذہب ثابت نہیں ہوتا۔ اب آپ ہی کو مناسب ہے کہ اپنی ضد چھوڑ دیں۔

۲۳۴ شک کے لفظ کو ناظرین دیکھیں اور پھر جملہ احادیث پر (جن میں صحیحین داخل ہیں بلکہ وہ خاص کر مقصود بالحکم ہے) آپ کے شکی ہونے کا حکم لگانے کو ملاحظہ فرماویں۔ یہ صحت صحیحین پر آپ کا سترھواں حملہ ہے۔

۲۳۵؎ وہ تحقیقاتیں مثبت صحت کامل نہیں تو پھر موافقت قرآن جو ایک موضوع حدیث کو بھی حاصل ہوسکتی ہے ان کو کامل صحت تک کیونکر پہنچا سکتی ہے۔

۲۳۶؎ یہ آپ لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ ورنہ آپ خوب جانتے ہیں اور پرچہ نمبر۵ میں مان چکے ہیں کہ ہم کو قرآن کی خوبیوں کی تسلیم میں کچھ شک نہیں بلکہ اس کا اقبال ہے۔(آپ کی تحریر نمبر۵ اور ہماری تحریر نمبر۸ ملاحظہ ہو)

۲۳۷؎ حدیث صحیحین کے واجب العمل ہونے کو تو آپ بارہا مان چکے ہیں۔ اشتہار یکم راگست ۱۸۹۱ء وغیرہ میں جلی قلم سے لکھ چکے ہیں کہ ''میں صحیحین کو مانتا ہوں۔ بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ یقین کرتا ہوں اور واجب العمل مانتا ہوں۔'' آپ کو شک ہے تو وجوب اعتقاد میں سے نہ وجوب عمل میں جو ظنیات پر بھی جائز ہے پھر یہ سوال معاندانہ ہے؟ یا وہ اقبال منافقانہ ''بیّنوا وتوجروا'' اس کے جواب میں جو شق اختیار کریں گے اس سے آپ کی قلعی کھلے گی۔ کادیانی کو اہل حدیث سمجھنے والو سوچو کہ وہ اس سوال کے ساتھ اہل حدیث کہلا سکتا ہے؟ اور اس کا اقرار اشتہار یکم راگست ۱۸۹۱ء دلی قرار ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

۲۳۸،۲۳۹؎ یہ آپ کا بخاری ومسلم کو شکی ومشتبہ کہنا اور ان کے واجب العمل ہونے پر ایمان نہ لانے کا اقراری ہونا، صاف یقین دلاتا ہے کہ جو اشتہار یکم راگست ۱۸۹۱ء وغیرہ میں آپ نے وجوب عمل کا اقرار کیا ہے۔ وہ منافقانہ اقرار ہے اور درحقیقت آپ ان کتابوں کی جملہ حدیثوں کو واجب العمل نہیں سمجھتے اور وجوب عمل کے قائل ہونے کو ایک غلط وبے دلیل امر جانتے ہیں۔ یہ صحیحین پر آپ کا اٹھارھواں حملہ ہے۔

۲۴۰؎ یہ کھلم کھلا اشارہ ہے کہ محدثین کی تقلید بے دلیل سے احادیث صحیحین کو صحیح ماننے والے کافر ہیں۔ کیونکہ وہ اس تسلیم وصحت میں غیر خدا کی اطاعت کرتے ہیں۔ جس میں حکم خدا یعنی قرآن کی مخالفت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ بخاری ومسلم کی بہت سی حدیثیں مخالف قرآن ہیں۔ یہ بخاری ومسلم پر کادیانی کا انیسواں حملہ ہے۔ جس میں اس نے بخاری ومسلم کو صحیح ماننے والوں کو بھی شامل کر لیا ہے۔ کادیانی کو اہل حدیث جاننے والو! اب تو کادیانی کی اتباع سے دست بردار ہو جاؤ۔ ورنہ تم کو تسلیم صحت صحیحین کے سبب اپنا کافر ہونا ماننا پڑے گا یا بخاری ومسلم کی تسلیم صحت سے دست بردار ہونا۔

۲۴۱،۲۴۲،۲۴۳؎ حضرت شیخنا ومولانا عبداللہ غزنوی مرحوم کے خط میں یہ تصریح کجا اشارہ بھی پایا نہیں جاتا کہ آنحضرت ﷺ کی حدیث صحیح ''من دونہ'' میں داخل ہے۔ صحیحین کو اور دوسری کتب کی حدیث احادیث صحیحہ کو وہ نصب العین رکھتے اور مدت العمر اپنا دستور العمل بنائے ہوئے تھے۔ کسی حدیث صحیحین کو انہوں نے مخالف قرآن قرار دے کر ''من دونہ'' میں کبھی داخل نہیں کیا۔ یہ امر ان کے احباب واصحاب واولاد میں سے کسی نے ان سے نقل نہیں کیا۔ کادیانی نے (جو ان کی فیض صحبت سے محروم رہا ہے)

خاکسار کے ذریعہ ان کا یہ خط پاکران پر افتراء کیا ہے۔

۲۴۴ہماری تحریر نمبر ۸ میں بتفصیل ثابت ہے کہ ضعیف وموضوع ہونا آپ کے نزدیک ایک ہے اور آپ مسلم کی اس حدیث کو موضوع جانتے ہیں۔

۲۴۵ یہی مطلب ہے اور آپ نے اچھے طور سے احادیث صحیحین متعلقہ دجال کو موضوع قرار دیا ہے۔ ہماری تحریر نمبر ۸ ملاحظہ ہو۔

۲۴۶، ۲۴۷ احادیث مسئلہ تعامل سے آپ کی مراد وہ احادیث ہیں جو متعلق عمل ہیں۔ جن میں احادیث متعلقہ فروعات اختلافی بھی داخل وشامل ہیں۔ ایسی احادیث کو باوجود مخالف قرآن قطعی وحجت قوی ماننا اور احادیث متعلقہ اعتقاد کو (کہ ازانجملہ احادیث نزول مسیح وخروج دجال ہیں) مخالف قرآن قرار دے کر غیر قطعی قرار دینا آپ ہی کا کام ہے جو نہ قطعی ویقینی کے معنی جانتے ہیں نہ تفاوت مراتب احکام وعقائد سے واقف ہیں۔ اس امر کی تشریح کادیانی تحریر نمبر ۸ کے جواب میں ہم کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

۲۴۸، ۲۴۹ میں نے آپ سے نہیں پوچھا کہ آپ کے نزدیک اجماع کی تعریف کیا ہے بلکہ یہ تین سوال کئے تھے۔ (۱) تعریف اجماع جو آپ نے کی تھی وہ کس کتاب میں ہے؟ (۲) بعض صحابہ کے اتفاق کو اجماع کون کہتا ہے؟ (۳) باقی صحابہ کے سکوت پر نقل کی شہادت کہاں ہے؟

آپ نے ان سوالات کا جواب کچھ نہ دیا بلکہ سوالات کو بھلا دینے کی نیت سے جواب سوالات میں پہلی باتوں کا اعادہ کر دیا جس سے ثابت ہوا کہ سائل کو اس کا سوال بھلا دینا اور اس کو دوسری طرف لے جانا آپ ہی پر ختم ہے۔ مگر یہاں سے مصرع ''ہر رنگے کہ مے آئی شناسم'' کے مشاق ومصداق ہیں۔ آپ کی بھول بھلیاں میں نہیں پھنسے۔ دیکھو تحریر نمبر ۸ میں آپ کے اس جواب کی جیسی کیسی خبر لی گئی ہے جس سے آپ کی یہ دھوکہ بازی خوب ظاہر ہوئی ہے۔

۲۵۰ یہ مسلم ہے مگر جو بات آنحضرت ﷺ کے اشارہ سے ثابت ہو اس کو صریح قول نبوی قرار نہیں دیا جاتا اور اس کی نسبت یہ نہیں کہا جاتا کہ آنحضرت ﷺ نے وہ بات خود فرمادی ہے جیسا کہ آپ نے کہا اور رسول اللہ ﷺ پر افتراء کیا۔ آپ کی تحریرات نمبر۴، ۵ اور ہماری تحریرات نمبر۴، ۵، ۸ ملاحظہ ہو۔

۲۵۱ دیکھو دجال کا جال۔ آنحضرت ﷺ کے دل میں کس دجال کا خوف تھا اور اس نے اس کو کس کا خوف بنا دیا۔ پھر اس کا ظہور لازمی تھا اور بے شک آنحضرت ﷺ دجال موعود سے ڈرتے اور اس ڈر کا بارہا اظہار کرتے اور لوگوں کو اس سے ڈراتے۔ مگر وہ دجال آپ کے نزدیک ابن صیاد ہرگز نہ تھا وہ ہوتا تو آپ صاف فرمادیتے کہ یہی ابن صیاد دجال موعود ہے۔ اس سے میں ڈرتا ہوں اور اس سے پہلے انبیاء ڈرتے چلے آئے ہیں اور اس کی علامات ایسی بیان فرمائیں جن کا ابن صیاد میں نام ونشان بھی پایا نہ جاتا تھا۔

جیسے اس کے ساتھ آگ و پانی کی نہریں ہونا اور اس ایک آدمی کو قتل کر کے زندہ کر دینا وغیرہ وغیرہ۔ جو نہ صرف صحیح مسلم میں بلکہ صحیح بخاری میں بھی مروی ہیں۔ بلکہ وہ دجال اور جس کا تفصیلی حال آنحضرتﷺ نے صحیح حدیثوں میں فرمادیا ہے اور روز قیامت کے قریب ظاہر ہوگا۔

۲۵۲؎ ہاں! قرار پاتا ہے مگر اس معنی کو کہ وہ اس کا معتقد ہے اور اس بات کو جائز رکھتا ہے یا پسند کرتا ہے۔ نہ اس معنی کو کہ اس نے یہ بات بتصریح کہہ دی اور فرمادی ہے۔ اشارہ کو صریح قول قرار دینا تو محض کذب کہلاتا ہے جو آپ سے وقوع میں آیا ہے۔ آنحضرت نے تو بقول آپ کے ابن صیاد کے دجال ہونے کی طرف صرف اشارہ کیا تھا۔ مگر آپ نے اس اشارہ کو صریح قول نبوی سے تعبیر کیا اور اپنی تحریر نمبری ۵ میں لکھ دیا کہ آنحضرتﷺ نے آپ ہی فرمایا ہے کہ میں اپنی امت پر ابن صیاد کے دجال ہونے سے ڈرتا ہوں اور آپ نے ازالہ ص ۲۲۵، خزائن ج۳ ص۲۱۲ میں لکھ دیا ہے کہ آنحضرت کیوں فرماتے کہ: ’’ہمیں اس کے (یعنی ابن صیاد کے) حال میں ابھی تک واشتباہ ہے۔‘‘ ان فقرات میں آپ کا اشارہ نبوی کو جو آپ کے نزدیک (نہ نفس الامر اور واقع میں) ثابت تھا۔ قول نبوی سے تعبیر کرنا اور اس تعبیر کے لئے اتنی لمبی عبارت از خود بنالینا۔ آنحضرتﷺ پر افتراء نہیں تو پھر معلوم نہیں افتراء کس جانور کا نام ہے۔

۲۵۳؎ خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ آپ کو اپنے جھوٹ بولنے اور آنحضرتﷺ پر افتراء کرنے کا یقین ہوگیا ہے۔ مگر اب اس افتراء پردازی کے اقبال سے آپ کا منصب دجالیت مانع ہے۔ آپ یقین رکھتے ہیں کہ میں نے اپنے کذب یا غلطی کا اعتراف کیا تو میرے دعویٰ پیغمبری والہامات عصمت میں فرق آجائے گا اور آپ کی دجالیت کا پردہ پھٹ جائے گا۔

۲۵۴، ۲۵۵؎ اس مثال اور احتمال کا مفصل جواب ہماری تحریر ہشتم میں ناظرین ملاحظہ کریں۔

۲۵۶، ۲۵۷؎ تائید صرف الہام ومحدثیت کی ثبوت ووجودگی کی ہے نہ اس امر کی کہ ملہم ومحدث کا قول دوسرے پر حجت ہوتا ہے اور نہ اس امر کی کہ اگر کسی کو احادیث صحیحہ اتفاقیہ کے برخلاف الہام یا تحدیث ہو تو وہ واقعی محدث اور منجانب اللہ ملہم ہے۔ ایسا شخص تو یقیناً شیطان کا مخاطب ہے۔ ہماری تحریر ہشتم ملاحظہ ہو۔

۲۵۸؎ مرد آدمی کبھی تو امام بخاری کا صحیح نام محمد بن اسماعیل منہ سے نکال۔ اسماعیل امام بخاری کے والد کا نام ہے نہ ان کے نام کا جز، یہ علم ومعلومیت اور یہ دعویٰ پیغمبری وتفہیم الہام الٰہی۔ لاحول ولاقوۃ!

۲۵۹؎ اجتہاد نہیں محض کذب وافتراء ہے۔ خصوصاً اس حالت میں کہ غلطی بتائی جاتی ہے۔ پھر آپ نہیں مانتے۔

۲۶۰؎ آپ کو ظن صحت کہاں سے آپ تو صحت صحیحین کو مشکوک ومشتبہ قرار دے چکے ہیں۔

۲۶۱؎ حدیث صحیحین کی قرآن سے مخالفت تجویز کرنا اور اس شرط سے اس کے قول رسول ہونے سے

انکاری ہونا اس کہنے کے برابر ہے کہ حدیث صحیحین سب کی سب صحیح نہیں اور یہ صحیحین پر آپ کا بیسواں حملہ ہے۔

۲۶۲… کیوں صاحب! اب تک تو آپ نے کسی بات کا اعادہ نہیں کیا۔ شرم، شرم، شرم! اس جواب میں آپ نے وہ کون سی نئی بات کہی ہے جو پہلے جوابوں میں نہ ہو۔ اب بھی اعادہ میں کچھ کسر رہی ہے تو کچھ اور بھی فرمالیجئے۔

۲۶۳… مرزا صاحب کے جوابات ہمارے سوالات کے مقابلے میں بعض روساء لدھیانہ نے سنے تو اس کی نظیر میں ایک چشم دید حکایت بیان کی۔ اس حکایت کو اس مقام میں نقل کرنا لطف سے خالی نہیں۔ رئیس مذکور نے بیان کیا کہ ایک رسالہ کی ایک کمان افسر یورپین صاحب تھے جو رات کو دو گھنٹہ دربار کرتے اور اس میں اپنی فوج کے معروضات اور رسالے کے یومیہ واقعات سنتے۔ ایک دن ایک سردار کی اونٹنی کھوگئی۔ صاحب کمان افسر کو یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے رات کے دربار میں سردار اونٹی کے مالک سے کہا کہ سردار صاحب! اس واقعہ کے متعلق مجھے آپ صرف تین باتوں کا جواب دیں اور کچھ نہ فرماویں۔ یہ اس لئے کہہ دیا تھا کہ صاحب بہادر کو اس بات کا علم تھا کہ سردار صاحب بڑے باتونی ہیں۔ وہ مطلب کی بات کا جواب جلد نہ دیں گے۔ وہ تین باتیں یہ تھیں کہ اونٹنی کس پڑاؤ پر کھولی گئی اور کس تاریخ اور کس وقت۔ سردار صاحب نے یہ تمہید شروع کی کہ حضور وہ اونٹنی میں نے ۳۵۰ روپے کو خریدی تھی اور اس کے ۵۰۰ روپے مانگے جاتے تھے۔ صاحب نے کہا سردار صاحب میں نے یہ بات آپ سے نہیں پوچھی۔ جو میں نے پوچھا ہے اس کا جواب دیں۔ سردار صاحب نے فرمایا کہ حضور وہ اونٹنی میں نے بیکانیر کی منڈی سے خریدی تھی۔ اس پر صاحب بہادر نے فرمایا کہ سردار صاحب! یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔ آپ میرے سوالات کا جواب دیں۔

سردار صاحب نے فرمایا کہ ہاں! حضور جواب دیتا ہوں۔ وہ اونٹنی سو کوس روز چلتی۔ اس پر صاحب نے پھر وہی عذر کیا کہ سردار صاحب اور تکلیف نہ کریں صرف میرے سوالات کا جواب دیں۔ اس پر بھی سردار صاحب نے ان تینوں سوالوں کا کوئی جواب نہ دیا اور اپنی اونٹنی کی وقائع عمری شمار کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ دربار کا وقت مقرری گزر گیا اور ان سوالات ثلثہ کا جواب نہ دیا۔

۲۶۴… اس تحریر کے جواب میں جو آپ نے تحریر نمبر۸ میں تعامل کی تشریح کی اس سے آپ کے یہی مراد ثابت ہوتے ہیں۔ لہٰذا جو اعتراض اس مراد پر وارد ہوتا ہے وہ یقیناً آپ پر وارد ہے۔ تحریر نمبر۸ کا دیانی کا جواب ملاحظہ ہو۔

۲۶۵، ۲۶۶… اس امر کا ثبوت پیش کرنے کا ہم کو تحریر نمبر ہشتم میں طوالت تحریر کے سبب موقعہ نہیں ملا۔ وہ ثبوت اب پیش کیا جاتا ہے۔ احادیث مسلم الصحت کو صحیح اور درحقیقت قول نبوی قرار دینے کے لئے

موافقت قرآن کو شرط ٹھہرانے میں آپ نے سرسید کی کاسہ لیسی کی ہے۔اس مسئلہ کی کیا خصوصیت ہے جو بات آپ نے تمام مسلمانوں کے برخلاف اسلام میں نکالی ہے اس میں سرسید کی متابعت وشاگردی اختیار فرمائی ہے۔اس مسئلہ میں جو آپ نے کہا ہے وہ ناظرین تحریرات فریقین پر مخفی نہیں ہے۔اب ناظرین آپ کے پیرومرشد سرسید کا کلام سنیں اور فرع کی اصل سے فقرہ بفقرہ مطابقت کرلیں۔سرسید نے تہذیب الاخلاق نمبر۲۰ جلد۲ مطبوعہ یکم رذی الحجہ ۱۲۸۸ھ میں ایک مضمون نمبر۶۱ بعنوان ''اقسام حدیث'' شائع کیا ہے۔اس کی تمہید میں آپ نے کہا ہے: ''انسان کی روحانی ترقی اور دنیاوی بہبودی اور حسن معاشرت اور علم وتجربہ کا کمال بہت کچھ اس کے مسائل مذہبی کی تنقیح پر موقوف ہے۔اوہام مذہبی کی تاریکی انسان کے دل کو سیاہ اور اس کے دماغ اور عقل کو کند اور خراب کردیتی ہے۔اس لئے جو لوگ مسلمانوں کی ترقی علوم اور ترقی تہذیب وشائستگی پر بحث کرتے ہیں ان کو ایسے مسائل سے بحث کرنا جو غلطی سے ان چیزوں کے مانع خیال کئے جاتے ہیں، ناگزیر ہوتا ہے۔(۲) منجملہ ان ہی موانع کے بہت سے مسائل ہیں جن کی بنیاد غلط یا نامعتبر حدیثوں پر بھی ہوتی ہے۔(۳) مسلمانوں میں یہ ایک عام خیال ہوگیا ہے جو بات کسی حدیث میں آئی ہے اس سے انکار کرنا کفر یا خوف معصیت ہے۔مگر اس بات پر خیال نہیں جاتا کہ جب ہم یہ بات سنیں کہ فلاں بات کسی حدیث میں ہے تو اوّل اس بات کی بھی تحقیق کرلیں کہ آیا وہ حدیث بھی معتبر ہے یا نہیں اور درحقیقت وہ قول یا فعل یا تقریر رسول خداﷺ کی ہے یا نہیں۔(۴) غالباً لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ تحقیق حدیث کا زمانہ گزر گیا اور جو کچھ کہ اگلے علماء تحقیق کر کے لکھ چکے ہیں۔وہی احادیث محققہ ہیں۔اب ہمارے لئے صرف اتنی بات کا جاننا کافی ہے کہ وہ حدیث کتب حدیث میں مندرج ہے اور علماء نے اس کو صحیح لکھا ہے۔(۵) ہمارا بھی مطلب اس مقام پر کسی نئی تحقیق سے نہیں ہے۔بلکہ ہم ان ہی حدیثوں کی نسبت جو کتب حدیث میں مندرج ہیں۔یہ بات دیکھنی چاہتے ہیں کہ ان میں کون سی حدیث درحقیقت قول یا فعل یا تقریر رسول خداﷺ کی ہے اور کون سی ان کی نہیں بلکہ دوسرے شخص کی ہے تاکہ ہم اپنے رسول مقبول کی کلام کو دوسرے شخص کی کلام سے بالکل جدا کرلیں۔پس اس مراد سے ہم اقسام حدیث کو جو علماء حدیث نے بیان کئے ہیں اس مقام پر لکھتے ہیں۔اس کے بعد آپ نے ایک قسم حدیث بالمعنی بیان کیا ہے۔(یعنی وہ حدیث جس کو راوی نے آنحضرتﷺ کے الفاظ سے نقل نہ کیا ہو۔بلکہ اپنے الفاظ سے آنحضرتﷺ کی مراد کو بیان کیا ہو) دوسرا قسم حدیث درحکم مرفوع (یعنی وہ حدیث جس کو بتصریح آنحضرتﷺ کی طرف منسوب نہ کیا گیا ہو۔بلکہ صحابی کے ایسے قول کو جو عقل سے نہ کہا جاسکتا ہو آنحضرتﷺ سے مسموع قرار دے کر حدیث نبوی قرار دیا گیا ہو)

گیارھویں قسم حدیث معنعن (یعنی وہ جس کو راوی حدیث نے بلفظ عن آنحضرتﷺ سے نقل کیا ہو) بارھویں قسم حدیث مؤنن (یعنی وہ حدیث جس کو راوی نے بلفظ ان نقل کیا ہو) اور دیگر اقسام حدیث

موقوف، مقطوع، معلق، مرسل یا منقطع، بعض، تدلیس، مضطر (مضطر حدیث ہم نے تو کوئی نہیں دیکھی نہ سنی۔ شاید اس سے آپ کی مراد مضطرب ہو)

(۶) اس کے بعد کہا ہے۔ یہ بارہ قسمیں حدیث صحیح کی (یہ محض غلط وتدلیس ہے۔ قسم سوم سے دہم تک کو محدثین صحیح ولائق دست آویز نہیں سمجھتے بلکہ ضعیف وناقابل اعتماد قرار دے چکے ہیں اور ان اقسام کی حدیثوں کو وہ کتب حدیث ملتزم الصحہ کے مقاصد میں نہیں لائے) جو ہم نے بیان کی ہیں۔ ایسی ہیں کہ ہر عاقل شخص یہ بات کہے گا کہ ان میں سے حدیث نبوی ہونا بھی ممکن ہے اور ان میں سے کسی کا بھی بالیقین حدیث نبوی ہونا ثابت نہیں۔ پھر آپ فرماتے ہیں: (۷) علماء متقدمین نے جو کچھ رائے اس کی نسبت قائم کی ہے وہ صرف ان کی رائے ہے۔ کوئی حدیث یا حکم منجانب شارع اس پر نہیں۔ پس ہمارا بھی یہی مقصود ہے کہ جہاں تک ممکن ہے ہم بھی ان راویوں اور بزرگوں کا ادب ملحوظ رکھیں اور ہمیشہ دل سے حسن ظن ان کی طرف رکھیں۔ مگر ایسا کرنے میں بالکل اندھے نہ ہو جاویں اور کچھ بھی خیال نہ کریں۔ بلکہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان حدیثوں کو حدیث نبوی ٹھہرانے کے لئے کوئی عمدہ اصول قرار دیں۔ پس وہ اصول یہ ہے۔ اوّل ہم کو دیکھنا چاہئے کہ آیا وہی حدیث احکام وقرآن مجید کے برخلاف ہے یا نہیں۔ اگر ہو تو ہم کو یقین کرنا چاہئے کہ وہ حدیث نبوی نہیں۔ اس کے بعد چھ اصول آپ نے اور بیان کئے ہیں جو نیچری اصول ہیں اور پھر کہا ہے: اقسام مذکورہ بالا کی حدیثیں تمام کتب میں یہاں تک کہ بخاری ومسلم میں بھی موجود ہیں۔ پس ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ اسی قدر کہتے ہیں کہ اس قسم کی حدیثوں میں سے کسی حدیث کو صرف اسی وجہ سے کہ فلاں حدیث کی کتاب میں (مثلاً بخاری میں یا مسلم میں کیونکہ بخاری ومسلم کا نام اوپر صراحت کے ساتھ لے چکے ہیں) مندرج ہے۔ حدیث نبوی کہنا نہیں چاہئے بلکہ ان اصول ہفتگانہ سے اس کا امتحان کرنا لازم ہے۔ اس میں بھی وہ ٹھیک اور پوری اترے۔ اس وقت اس کی نسبت حدیث ہونے کا ظن غالب رکھنا چاہئے۔ کیونکہ اس امتحان کے بعد بھی اس سبب سے کہ اس حدیث کی روایت ہی اس قسم کی ہے جس سے حدیث نبوی ہونے کا ثبوت نہیں ہے۔ اس حدیث کو بالجزم اور بالیقین حدیث نبوی نہیں کہہ سکتے۔ راقم سید احمد!

اس کلام کا فقرہ اولیٰ تمہیدی ہے باقی فقرات میں جو کہا گیا ہے وہ کادیانی کی کلام میں موجود ہے۔ فقر دوم وسوم میں جو احادیث کو غلط ونامعتبر کہا گیا ہے اور ان کے درحقیقت قول وفعل وتقریر نبوی ہونے سے انکار کیا گیا ہے یہ آپ بخاری ومسلم کی نسبت بارہا کہہ چکے ہیں اور ان احادیث کے درحقیقت احادیث نبوی ہونے سے انکار کر چکے ہیں۔ فقرہ چہارم، پنجم، ہفتم، ہشتم میں راویان حدیث کی نسبت حسن ظن وادب کا بھی اظہار کیا ہے اور ان کے اصول روایت اور تحقیق کو مان کر ان کی احادیث کو بظن غالب صحیح قرار دیا ہے۔ ومعہذا ان احادیث کے بلاتحقیق صحیح مان لینے کو اندھا پن قرار دے کر موافقت قرآن سے ان کی صحت کا

امتحان ضروری ٹھہرایا ہے۔ یہ کادیانی کی اکثر تحریرات سابقہ وتحریر آئندہ نمبر۸ میں پایا جاتا ہے۔ فقرہ ہشتم میں اور فقرہ ششم کے آخر میں جو ان احادیث کا بالجزم والیقین کلام نبوی نہ ہونا بیان کیا گیا ہے یہ بھی آپ کی ہر ایک تجویز میں موجود ہے۔

ناظرین! تحریرات کادیانی کو بغور وتوجہ ملاحظہ فرمائیں گے تو یقین وایمان لائیں گے کہ احادیث صحیحہ مسلم الصحت کو مخالف قرآن ہونے یا غیر قطعی ہونے کے بہانہ سے رد کرنا۔ کادیانی نے سرسید سے سیکھا ہے اور جو کچھ اس باب میں اس نے کہا ہے وہ سرسید ہی کا اولچہ ہے۔ رہا بیان اس امر کا کہ سرسید کی ان باتوں کا جن میں کادیانی نے ان کی تقلید وشاگردی کی ہے۔ کیا جواب ہے سو اس مکان میں اجنبی ہے۔ یہ بیان ہمارے مضمون ''حدیث نبوی اور نیچری وعیسائی'' میں جو اشاعۃ السنۃ جلد پنجم کے متعدد نمبروں میں (۲ سے ۵ تک) درج ہے۔ شائع ومشتہر ہو چکا ہے۔ ناظرین ان نمبروں کو ملاحظہ فرمادیں گے تو جان لیں گے کہ ان تمام باتوں میں سرسید احمد نے دھوکہ کھایا اور کادیانی وغیرہ اتباع وتلامذہ کو دھوکے کے گرداب میں ڈال دیا۔ یہ احادیث صحیحہ کو ظنیت ومخالفت قرآن کے بہانہ سے رد کرنے میں کادیانی کے شاگردی سرسید کا ثبوت ہے۔ اب اور مسائل مخالفہ اسلام میں آپ کا شاگرد سرسید ہونا ثابت کیا جاتا ہے۔

ان سب مسائل کو تفصیل واستیعاب سے اس مقام میں نقل کرنے کی گنجائش نہیں۔ اس تفصیل کے لئے مستقل مجلد بکار ہے۔ اس مقام میں صرف چند مسائل بطور تمثیل ایک نقشہ کے ضمن میں نقل کئے جاتے ہیں جو تصانیف سرسید اور تصانیف کادیانی میں ان مسائل کا پتہ بتادے اور رسالہ اشاعۃ السنۃ میں ان مسائل کے مواضع جواب کی یہی نشان دہی کرے۔ وہ یہ ہے:

نمبر شمار	مضمون مسئلہ جو کادیانی نے سرسید سے لیا ہے	تصانیف کادیانی میں اس کا پتہ	تصانیف سرسید میں اس کا حوالہ	اشاعۃ السنۃ میں اس کا محل جواب
۱	اپنے خیالی نیچر کو خدا کی قدرت کا قانون قرار دینا اور اس کی دستاویز سے عقائد اسلام کو رد کرنا	توضیح المرام ص۶،۹، ازالۃ الاوہام ص۴۵، ۱۴۶، جن کی اصل عبارات رسالہ اشاعۃ السنۃ نمبر۱۲ میں بضمن فتویٰ منقول ہیں	تہذیب الاخلاق نمبر۱۱ ج۵ تہذیب نمبر۲ ج۶، تہذیب ماہ رجب ۱۲۸۶ھ	نمبر۳ ج۶ نمبر۸ ج۲ نمبر۱۱،۱۲ ج۳ نمبر۸ ج۴

نوٹ: اس نمبر میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ نیچر کوئی مشخص ومقرر امر نہیں ہے۔

اس کا تقرر وتشخص انسانی قدرت سے باہر ہے اور طرفہ یہ ہے کہ کادیانی نے خود اس امر کو سرمہ

چشم آریہ میں ثابت کیا ہے اور اس کے ص۱۳ سے ۲۴، خزائن ج۲ ص۶۱ سے ۲۷ تک یہ بیان کیا ہے کہ اپنے مشاہدات وتجارب کو خدا کی قدرت کا قانون ومعیار ٹھہرانا کمال درجہ کا کفر وبے ایمانی وادبی ہے اور اس کے ص۴۷ سے ۵۲، خزائن ج۲ ص۹۵ سے ۱۰۰ تک ایسے نظائر بیان کئے ہیں جس کو بظاہر قانون قدرت کے مخالف سمجھا جاتا ہے اور درحقیقت وہ قانون قدرت کے مخالف نہیں ہیں۔

نمبر شمار	مضمون مسئلہ جو کادیانی نے سرسید سے لیا ہے	تصانیف کادیانی میں اس کا پتہ	تصانیف سرسید میں اس کا حوالہ	اشاعۃ السنۃ میں اس کا محل جواب
۲	حضرت مسیح کے معجزات خلق طیور واحیائے موتیٰ وغیرہ کے حقائق مشہورہ سے انکار کرنا اور ان کو مسمریزم یا عمل الترب قرار دینا	ازالہ کادیانی ص۳۰۳، ۳۰۵، ۴۴۲ وغیرہ جن کی اصل عبارات اشاعۃ السنۃ نمبر۴ ج۱۳ میں منقول ہیں	تفسیر القرآن ج۲ سید احمد خان ص۲۳۵، ۲۴۴، ۲۶ وغیرہ	جلد۱۴ کے متعدد نمبر جو ہنوز زیر طبع ہیں
۳	حضرت مسیح کا صلیب پر چڑھایا جانا	ازالہ کادیانی ص۳۷۱ سے ص۲۵۲	تفسیر القرآن ج۲ ص۴۳ سے ۴۵	بشرح نمبر۲

نوٹ: ان دونوں حوالوں کی مجوزہ عبارات مضمون نمبر۴ کے حوالہ جات میں منقول ہے۔

ناظرین اصل ازالہ کادیانی وتفسیر سرسید احمد خانی میں ان عبارات کو تمام وکمال ملاحظہ فرمائیں گے تو یقین لائیں گے کہ کادیانی نے جو کچھ لکھا ہے وہ تفسیر سید احمد خان سے سرقہ ہے۔ ہر چند انجیلوں میں بھی واقعہ صلیبی کا قصہ مذکور ہے۔ مگر اس قصہ میں جو اکاذیب کا لون مرچ کادیانی نے ملایا ہے وہ نہ انجیلوں میں ہے نہ کسی اور آسمانی یا اسلامی کتاب میں ہے۔ وہ صرف سرسید ہی کی تفسیر میں ہے اور اسی سے اس نے اخذ کیا ہے۔ مگر اس کو کسی قدر تقدیم تاخیر وکمی بیشی کا رنگ دے دیا ہے۔ آپ کے ایک سادہ لوح حواری مبارک علی سیالکوٹی نے (جو ہمارا ایک عاق ونافرمان شاگردان شاگرد ہے) اشاعت عام رسالہ ازالہ سے پہلے اس کے بعض مضامین باطلہ کو بغرض امتحان ردوقبول اپنے رسالہ قول جمیل کے ذریعہ سے شائع کیا تو ازالہ کے اس مضمون واقعہ صلیب کو سید احمد خان کی تفسیر سے ماخوذ سمجھ کر اس کی تفصیل کو سرسید ہی کی تفسیر کی بعینہٖ عبارت والفاظ سے نقل کر دیا اور یہ جتایا کہ آپ کے پیرومرشد نے بھی اس مضمون کو اسی تفسیر سے اخذ کیا ہے۔ ان اکاذیب کی تفصیل حاشیہ مضمون نمبر۴ میں ہوگئی۔

نمبر شمار	مضمون مسئلہ جو کادیانی نے سرسید سے لیا ہے	تصانیف کادیانی میں اس کا پتہ	تصانیف سرسید میں اس کا حوالہ	اشاعۃ السنۃ میں اس کا محل جواب
۴	حضرت مسیح کے حق میں جو قرآن میں ’’وما صلبوہ ‘‘فرمایا گیا ہے تو اس کا معنی یہ مراد ہے کہ وہ صلیب پر فوت نہیں ہوئے نہ یہ مراد کہ وہ صلیب پر چڑھائے ہی نہیں گئے۔	ازالہ کادیانی ص۳۷۸، خزائن ج۳ص۲۹۴ جس کی عبارت یہ ہے ’’قرآن کریم کا منشاء ماصلبوہ کے لفظ سے یہ ہرگز نہیں کہ مسیح صلیب پر چڑھایا نہیں گیا بلکہ منشاء یہ ہے کہ جو صلیب پر چڑھانے کا اصل مدعا تھا یعنی قتل کرنا اس سے خدا نے مسیح کو محفوظ رکھا۔‘‘	تفسیر القرآن ص۴۹ ج۲ جس کی عبارت یہ ہے۔’’وما صلبوہ ‘‘پہلے مانفیہ سے قتل کا صلیب مراد ہے اور دوسرے سے کمال کا کیونکہ صلیب پر چڑھانے کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب صلیب کے سبب موت واقع ہوتی۔ حالانکہ صلیب پر موت واقع نہیں ہوئی	بشرح نمبر۳

نوٹ: یہ وہ عبارات ہیں جن کا نوٹ سابق میں وعدہ دیا گیا تھا اور تفصیل واقعہ صلیب ازالہ کے ص۳۸۱، خزائن ج۳ص۲۹۶ میں ہے اور تفسیر سید کے ص۴۳ ج۲ میں ان عبارات میں جو حضرت مسیح کا صلیب پر فوت نہ ہونا بیان کیا ہے یہ کسی کتاب آسمانی یا تصنیف اسلامی میں پایا نہیں جاتا۔ قرآن نے تو سرے سے حضرت مسیح کے صلیب پر چڑھائے جانے کی نفی کی اور یہ بات فرمادی ہے:’’وما صلبوہ ‘‘یعنی یہود نے مسیح کو صلیب پر نہیں چڑھایا۔ چاروں انجیلوں میں ان کے صلیب پر چڑھائے جانے کا ذکر ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی ان چاروں میں تصریح ہے کہ حضرت مسیح نے صلیب پر جان دے دی اور اس کی تجہیز

وتکفین دستور یہودیوں کے مطابق ہوئی۔ انجیل متی کے باب ۲۷ میں ہے۔ (۵۰) تب یسوع نے بڑی آواز سے چلاّ کر دم چھوڑ دیا۔ (۵۷) جب شام ہوئی یوسف نامی ارمتیا کا ایک دولت مند جو یشوع کا بھی شاگرد تھا آیا۔ (۵۸) اس نے پلاط کے پاس جاکے لاش مانگی۔ تب پلاطس نے حکم دیا کہ لاش اسے دیں۔ (۵۹) یوسف نے لاش لے کر سوتی صاف چادر میں لپیٹی اور اپنے نئی قبر میں جو چٹان میں کھودی تھی رکھی اور ایک بھاری پتھر قبر کے منہ پر دھلکا کے چلا گیا اور انجیل مرقس کے باب ۱۵ ہے۔ (۳۷) تب مسیح نے بڑی آواز سے چلاّ کر دم چھوڑ دیا۔ (۴۳) یوسف آرمتیا آیا اور دلیری سے پلاطس کے پاس جاکے یشوع کی لاش مانگی۔ (۴۴) تب پلاطس نے متعجب ہوکر شبہ کیا کہ وہ ایسا جلد مر گیا اور صوبیدار کو بلا کے پوچھا کیا دیر ہوئی کہ وہ مر گیا۔ جب صوبیدار سے ایسا معلوم کیا تو لاش یوسف کو لا دے اور اس نے مہین سوتی کپڑا مول لیا اور اسے اتار کے اس کپڑے میں کفنایا۔ (تا آخر مطابق بیان سابق) اور انجیل یوحنا باب ۲۳ میں ہے ۴۶ اور یشوع نے بڑی آواز سے پکار کے کہا۔ اے باپ میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں اور یہ کہہ کر دم چھوڑ دیا۔ (۵۷) جب شام ہوئی یوسف نامی آریتا کا ایک دولت مند جو یشوع کا بھی شاگرد تھا آیا۔ (۵۸) اس نے پلاطس کے پاس جاکے لاش مانگی۔ تب پلاطس نے حکم دیا کہ لاش اسے دیں۔ (۵۹) یوسف نے لاش لے کر سوتی صاف چادر میں لپیٹی اور اپنی نئی قبر میں جو چٹان میں کھودی تھی رکھی اور انجیل یوحنا باب ۱۹ میں ہے۔ ۳۰ تب یشوع نے سر جھکا کے جان دی۔ (۳۷) لیکن انہوں نے مسیح کی طرف آ کے دیکھا کہ وہ مر چکا ہے تو اس کی ٹانگیں نہ توڑیں۔ پر سپاہیوں میں سے ایک نے بہانے سے اس کی پسلی چھید دی۔ (۴۰) پھر انہوں نے یشوع کی لاش لے کے سوتی کپڑے میں خوشبوؤں کے ساتھ جس طرح دفن کرنے میں یہودیوں کا دستور ہے کفنایا۔ اور جس جگہ کہ اس نے صلیب دی تھی ایک باغ تھا اور اس باغ میں ایک نئی قبر تھی جس میں کوئی نہ دھرا گیا تھا۔ سو انہوں نے یشوع کو یہودیوں کی تیاری کے دن کے باعث وہیں رکھا۔ کیونکہ یہ قبر نزدیک تھی۔

ان تصریحات ونصوص اناجیل اربعہ سے پہلے سرسید نے آنکھ بند کر کے اپنی تفسیر میں مسیح کے صلیب پر فوت ہونے سے انکار کیا اور دلیری وبہادری کے ساتھ یہ کہہ دیا کہ کسی کتاب سے بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کوئی رسم تجہیز وتکفین کی حضرت عیسیٰ کے ساتھ عمل میں آئی تھی۔ پھر ان کی تقلید وپیروی میں قادیانی نے اپنے آپ کو اندھا کر کے صلیب پر حضرت مسیح کے فوت ہونے سے انکار کیا اور جو سرسید نے کہا تھا سو کہا اور اس کے ساتھ ایک اور دلیری کر کے یہ دعویٰ کیا کہ اس واقعہ کے متعلق جو کچھ آپ نے دروغ بے فروغ ملایا ہے وہ انجیلوں میں لکھا ہوا ہے اور خوف خداوننگ دنیا کو پیش نظر رکھ کر اتنا نہ سوچا کہ چاروں انجیلوں میں تو حضرت مسیح کا صلیب پر فوت ہو جانا، پھر دستور یہودیوں کے مطابق کفنانا ودفنایا جانا بتصریح بیان کیا گیا۔ پھر میرا یہ جھوٹ کب تک چھپا رہے گا کوئی انجیلوں کو نکال کر دیکھے گا تو مجھے کیا کہے گا۔

کادیانی میں کچھ شرم وحیا ہوتا تو اپنے اس بیان سراپا بہتان کا انجیلوں میں پایا جانا نہ بتاتا۔ صرف یہ کہتا کہ میں نے سید احمد خان کی تفسیر میں ایسا پایا ہے اور کسی کتاب آسمانی یا تصنیف اسلامی میں اس کا اثر نہیں دیکھا۔ مگر اس کو شرم کہاں ہے اور سرسید کی شاگردی کے اظہار کی جرأت کہاں۔ وہ تو سرسید کے کام سے اپنا نام کرنا اور خود استاذ بننا چاہتا ہے اور اس وجہ سے اس کی اتباع سے عار وانکار کرتا ہے اور نمک خوردن ونمکدان شکستن پورا کاربند ہو رہا ہے۔ مگر خدا نے اس کا بھانڈا پھوڑ دیا اور اشاعۃ السنۃ کے ذریعہ سے کس وناکس کو بتادیا کہ یہ سرسید کا چور ہے اور ان کا شاگرد ہے مگر ناشکر۔

نمبر شمار	مضمون مسئلہ جو کادیانی نے سرسید سے لیا ہے	تصانیف کادیانی میں اس کا پتہ	تصانیف سرسید میں اس کا حوالہ	اشاعۃ السنۃ میں اس کا محل جواب
۵	صلیب سے اترنے کے بعد حضرت مسیح کو فوت شدہ قرار دینا	فتح، توضیح، ازالہ واشتہار ۲؍مئی ۱۸۹۱ء جن کی اصل عبارات اشاعۃ السنۃ نمبر۴ ج۱۳ میں بضمن فتویٰ منقول ہیں	تفسیر القرآن ج۲ ص۴۶ سے ۵۰ تک	نمبر۲،۳،۴ ج۱۴ وغیرہ کی نمبر ہا جو زیر طبع ہیں
۶	آیۃ: ’’وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن به ‘‘میں ایمان سے حضرت مسیح کے صلیب پر مارے نہ جانے پر ایمان مراد ہے	ازالہ کادیانی ص۳۶۹ سے ص۳۷۶ جن کے بعض فقرات یہ ہیں۔ ’’کسی کو ان دونوں گروہوں سے مسیح کے مصلوب ہونے پر یقین نہیں۔‘‘ (ازالہ ص۳۷۵، خزائن ج۳ ص۲۹۳) ’’کوئی اہل کتاب ایسا نہیں جو ہمارے اس بیان پر جو ہم نے اہل کتاب کی	تفسیر ج۲ ص۱۶۵ جس کی اصل عبارت یہ ہے۔ ’’نہیں کوئی اہل کتاب سے کہ یقین کرے یا نہ اس کے یعنی حضرت عیسیٰ کے صلیب پر مارے جانے کے قبل اپنے مرنے کے یعنی	بشرح سابق

		حالات کی نسبت ظاہر کئے ہیں ایمان نہ رکھتا ہوں۔‘‘(ازالہ ص۳۷۶، خزائن ج۳ ص۲۹۱)	بعد مرنے کے وہ جان لے گا کہ صلیب پر حضرت عیسیٰ کا مرنا غلط تھا	

ناظرین! دیکھو یہ دونوں عبارتیں کیسی صاف بتارہی ہیں کہ ان میں سے اوّل الذکر ثانی سے مسروق یا ماخوذ ہے اور اس آیۃ کی تاویل وتحریف میں کادیانی نے سرسید کی شاگردی کی ہے۔ پھر کادیانی کی اس جرأت کو ملاحظہ کرو کہ اس نے اپنے ازالہ کے ص۳۷۶، خزائن ج۳ ص۲۹۳ میں یہ ادّعاء سراسر افتراء کیا ہے کہ ان معنی کا انکشاف مجھے بذریعہ وحی والہام ہوا ہے۔ ہم کہتے ہیں سچ ہے یہ الہام ہوا ہے۔ مگر نہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بلکہ سرسید اور ان کی تفسیر سے یا معلم الملکوت کی طرف سے۔’’کما قال اللہ تعالیٰ وان الشیٰطین لیوحون الی اولیأهم. وقال اللہ تعالیٰ یوحی بعضهم الٰی بعض زخرف القول غرورًا‘‘

نمبر شمار	مضمون مسئلہ جو کادیانی نے سرسید سے لیا ہے	تصانیف کادیانی میں اس کا پتہ	تصانیف سرسید میں اس کا حوالہ	اشاعۃ السنۃ میں اس کا محل جواب
۷	روح القدس جبرئیل وغیرہ انسان کی صفت ہے جو خدا کی محبت اور انسان کامل کی محبت کے ملنے سے متوار ہوتی ہے	توضیح کے ص۲۱،۲۲، خزائن ج۳ ص۶۱، ۶۲ میں ہے۔’’ان دو محبتوں کے ملنے سے جو درحقیقت نر اور مادہ کا حکم رکھتی ہیں...... ایک تیسری چیز پیدا ہو جاتی ہے جس کا نام روح القدس ہے‘‘ اور اس کے ص۲۵، خزائن ج۳ ص۶۴ میں ہے: ’’یہ کیفیت دونوں	تفسیر القرآن کی ج۱ کے ص۴۹ میں ہے: ’’ان باریک باتوں پر غور کرنے سے اور اس بات کے سمجھنے سے کہ خداتعالیٰ جو اپنی جاہ وجلال اور اپنی قدرت اور اپنے افعال کو فرشتوں سے نسبت کرتا ہے تو جن فرشتوں	اشاعۃ السنۃ نمبر جلد

		محبتوں کے جوڑ سے پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کو روح امین بولتے ہیں...... اس کا نام شدید القوی یہی ہے...... اس کا نام ذوالافق الاعلیٰ بھی ہے۔"	کا قرآن میں ذکر ہے اس کا کوئی اصلی وجود نہیں۔ بلکہ خداتعالیٰ کی بے انتہاء قدرتوں کے ظہور کو اور ان قوی کو جو خدا تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں مختلف قسم کی پیدا کئے ہیں۔ ملک یا ملائکہ کہا ہے۔ جن میں ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے۔ پہاڑوں کی قوت صلابت پانے کی رقت، درختوں کی قوت نمو برق کی قوت جذب ودفع غرض تمام قوی جن سے مخلوقات موجود ہوئے ہیں اور جو مخلوقات میں نہیں وہی ملائک یا ملائکہ ہیں جن کا ذکر قرآن میں ہوتا ہے۔	

۸	آنحضرت وغیرہ انبیاء وصلحاء جو ملائکہ کی صورت میں دیکھتے یا ان کی آوازیں سنتے یہ ان کی خیالی صورتیں ہیں نہ ان کے وجود سے خارج ملائکہ کی اصلی صورتیں۔	توضیح مرام کے ص۷۰، خزائن ج۳ص۸۷میں ہے: ”جب انسان بوجہ افتراء ان محبتیں روح القدس کی نالی کے قریب اپنے تئیں رکھ دیتا ہے معاً اس نالی میں سے فیض وحی اس کے اندر گر جاتا ہے یا یوں کہو کہ اس وقت جبرئیل اپنا نورانی سایہ اس مستعد دل پر ڈال کر ایک عکسی تصویر اپنی اس کے اندر لکھ دیتا ہے تب جیسے اس فرشتہ کا جو آسمان پر مستقر ہے جبرئیل نام ہے اس عکس تصویر کا نام بھی جبریل ہی ہوتا ہے یا مثلاً اس فرشتہ کا نام روح القدس ہے تو اس عکسی تصویر کا نام بھی روح القدس ہی رکھا جاتا ہے۔ سو یہ نہیں کہ فرشتہ انسان کے اندر گھس آتا ہے بلکہ اس کا عکس انسان کے آئینہ قلب	تفسیر القرآن ج۲ کے ص۳۴۲ میں ہے تمام یہودی یقین رکھتے تھے کہ ان میں ایک مسیح پیدا ہونے والا ہے جو یہودیوں کی بادشاہت کو پھر قائم کرے گا۔ اس لئے یہودی اور یہودی عورتیں بیٹا ہونے کی نہایت آرزو رکھتی تھیں اور دعائیں مانگتی تھیں اور عبادتیں کرتی تھیں کہ وہ شخص ہمارا ہی بیٹا ہو۔ ایسی حالتوں میں اس قسم کے خوابوں کا دیکھنا یا بن بولنے والی آرزوؤں کا سننا یا متخیلہ میں کسی مجسم شئے کا دکھلائی دینا ایسا امر	

		میں نمودار ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب تم نہایت مصفٰی آئینہ اپنے منہ کے سامنے رکھ دو گے.....تو تماری شکل کا عکس اس میں پڑے گا یہ نہیں کہ تمہارا منہ اور سر گردن سے ٹوٹ کر الگ ہو کر آئینہ میں رکھ دیا جائے گا اور اس کے توضیح ص۷۹،۸۰، خزائن ج۳ ص۹۲ میں ہے۔ ”پس جب جبرئیلی......جنبش میں آتا ہے تو معاً اس کے ایک عکسی تصویر جس کو روح القدس کے ہی نام سے موسوم کرنا چاہئے۔ محبت صادق کے دل میں منقش ہو جاتی ہے اور اس کی محبت صادقہ کا ایک عرض لازم ٹھہر جاتی ہے۔ تب یہ قوت خداتعالیٰ کی آواز سننے کے لئے کان کا فائدہ بخشتی ہے اور اس	ہے جو بمقتضاء سے فطرت انسان واقع ہوتا ہے۔ اس عبارت میں اور کادیانی کی عبارت میں گو اس خیالی صورت کے جو انبیاء وصلحاء دیکھتے تھے چھپا ہونے کا موجب جداگانہ بیان ہوا ہے۔ مگر اس صورت کو خیالی قرار دینے میں دونوں عبارتوں کا اتفاق ہے۔ ایسا ہی اس سے پہلے مضمون کی مصدق عبارات کا گو کسی قدر اختلاف ہے۔ مگر قوی پر ملائکہ کا اطلاق کرنے میں دونوں کا اتفاق ہے۔ اس سے	

		کے...... الہامات زبان پر جاری ہونے کے لئے ایک ایسی محرک حرارت کا کام دیتی ہے جو زبان کی پہیہ کو زور کے ساتھ الہامی خط پر چلاتی ہے...... یہ قوت جو روح القدس سے موسوم ہے ہر ایک دل میں یکساں نہیں ہوتی۔‘‘	ناظرین باتمکین سمجھ سکتے ہیں کہ کادیانی نے مضمون نمبر۷،۸ سرسید سے لیا ہے مگر اس کی ادا کی طرز بیان کو بدل دیا ہے	
۹	آنحضرت ﷺ کو جسم سے معراج نہیں ہوا	ازالہ کادیانی ص۴۷، خزائن ج۳ ص۱۲۶ وغیرہ	تہذیب الاخلاق نمبر۱۱ ج۵ بابت شعبان،۱۸۹۱ء	بشرح بالا

اس مسئلہ کے اخذ وشاگردی میں شاگرد صاحب استاذ سے بڑھ گئے۔ استاذ صاحب (سرسید) نے تو دوراندیشی سے کام لیا اور جسمانی معراج کو بحکم عقل محال وناممکن قرار نہیں دیا تھا اور اس انکار پر بزعم خود صرف نقلی دلائل قرآن وحدیث واقوال بعض صحابہ سے (جو اس معراج کو ایک خواب قرار دیتے ہیں) استدلال کر کے اپنے اصل مذہب اور اس کی عقلی وجہ انکار پر پردہ ڈال دیا تھا۔ مگر شاگرد صاحب کادیانی کوتاہ اندیشی سے کھیل کھیلے اور جسمانی معراج کو عقلاً ناممکن ومحال قرار دے کر عقلی وجوہات اور نیچرل استدلال سے اس کے مبطل ہوئے ہیں۔ استاذ کا اصل کلام جو پرچہ مذکور میں ہے: ’’نسبت معراج رسول خدا ﷺ کے تین مذہب ہیں۔ اوّل مذہب حضرت عائشہ صدیقہ ؓ اور بعض صحابہ ؓ کا جو اس بات کے قائل ہیں کہ معراج روحانی ہے نہ جسمانی۔ دوسرا مذہب چند اکابرین دین کا ہے اور وہ یہ ہے کہ معراج بیت المقدس تک جسمانی تھی اور وہاں سے ملاء الاعلیٰ تک روحانی۔ تیسرا مذہب عام جو سب میں مشہور ہے کہ تمام معراج جسمانی تھی۔ میری یہ رائے ہے کہ جہاں تک اس مسئلہ پر اور قرآن مجید اور احادیث پر غور کیا جاتا ہے تو مذہب حضرت عائشہ ؓ کا ٹھیک اور درست معلوم ہوتا ہے۔ وہی مذہب میں نے اختیار کیا ہے۔‘‘

شاگرد صاحب کا اصل کلام (جو بظاہر حضرت مسیح کے عروج آسمانی پر ایک حملہ ہے مگر اس میں آپ نے آنحضرت ﷺ کی معراج کو بھی لپیٹ لیا ہے) یہ ہے جو ازالہ ص۴۶ تا۴۸، خزائن ج۳ ص۱۲۵،۱۲۶ میں ہے۔ ’’ماسوا اس کے اور کوئی طریق سے ان پرانے خیالات پر سخت سخت اعتراض عقل کے وارد ہوتے ہیں جن سے مخلصی حاصل کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی...... ازاں جملہ ایک یہ اعتراض کہ نیا اور پرانا فلسفہ بالاتفاق اس بات کو محال ثابت کرتا ہے کہ کوئی انسان اپنے خاکی جسم کے ساتھ کرہ زمہریر تک بھی پہنچ سکے بلکہ علم طبعی کی نئی تحقیقاتیں اس بات کو ثابت کر چکے ہیں کہ بعض بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچ کر اس طبقہ کی ہوا ایسی مضر صحت معلوم ہوئی ہے کہ جس میں زندہ رہنا ممکن نہیں ہے۔ پس اس جسم کا کرہ ماہتاب یا کرہ آفتاب تک پہنچنا کس قدر لغو خیال ہے...... اسی صفحہ کے حاشیہ میں مرزا نے لکھا۔ اس جگہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ اگر جسم خاکی کا آسمان پر جانا محالات سے ہے تو آنحضرت ﷺ کا معراج اس جسم کے ساتھ کیونکر جائز ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ سیر معراج اس جسم کثیف (یہ لفظ آنحضرت ﷺ کے جسم شریف ولطیف کی نسبت اسی کے منہ سے نکل سکتا ہے جس کے دل میں آنحضرت ﷺ کی مطلق تعظیم نہ ہو) کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ نہایت اعلیٰ درجہ کا کشف تھا جس کو درحقیقت بیداری کہنا چاہئے۔ ایسی کشف کی حالت میں انسان ایک نوری جسم کے ساتھ حسب استعداد نفس ناطقہ اپنے کے آسمان کی سیر کر سکتا ہے...... اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے۔‘‘

اس کلام کو ناظرین غور سے دیکھیں۔ اس میں آپ نے کیسی نیچرل وجوہات سے جسمانی معراج نبوی کا بزعم خود ابطال کیا ہے اور جس قسم کا روحانی اور کشفی معراج آنحضرت ﷺ کے لئے تجویز کیا ہے۔ اس میں اپنا حصہ بھی رکھ لیا اور صاف یہ دعویٰ کیا ہے کہ ایسا معراج کشفی مجھے خود ہو چکا ہے۔ نعوذ باللہ! کبرت کلمة تخرج من افواههم ان یقولون الا کذبا!

اس کلام کو دیکھ کر بھی کوئی شخص آپ کے نیچری ہونے میں شک ظاہر کرے تو سمجھا جاوے گا کہ وہ خود نیچری ہے۔ جو ایسے ایمانی امور متشابہ الحقیقت مجہول الکنہ پر ایمان نہیں رکھتا۔

نمبر شمار	مضمون مسئلہ جو قادیانی نے سرسید سے لیا ہے	تصانیف قادیانی میں اس کا پتہ	تصانیف سرسید میں اس کا حوالہ	اشاعۃ السنۃ میں اس کا محل جواب
۱۰	بنی اسرائیل کا مقتول جس کا ذکر آیۃ ’’واذ قتلتم نفساً فاذا رأتم‘‘ میں ہے درحقیقت زندہ نہیں ہوا تھا۔	ازالہ قادیانی ص۷۴۹، ۷۵۰، خزائن ج۳ ص۵۰۳،۵۰۴ جس کی اصل عبارت یہ ہے۔	تفسیر القرآن ج۱ ص۱۲۰ ص۱۲۱ وغیرہ جس کے بعض فقرات یہ	بشرح بالا

		’’ایسے قصوں میں قرآن شریف کی کسی عبارت سے نہیں نکلتا کہ فی الحقیقت کوئی مردہ زندہ ہوگیا تھا اور واقعی طور پر کسی قالب میں جان پڑ گئی تھی بلکہ اس آیۃ پر نظر غور کرنے سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے ایک خون کر کے چھپا دیا تھا اور بعض بعض پر تہمت خون لگاتے تھے۔ سو خدائے تعالیٰ نے اصل جرم کے پکڑنے کے لئے یہ تدبیر سمجھائی تھی کہ تم ایک گائے کو ذبح کر کے اس کی بوٹیاں کو اس لاش پر مارو اور وہ تمام اشخاص جن پر شبہ ہے ان بوٹیوں کو نوبت بہ نوبت اس لاش پر ماریں۔ تب اصل خونی کے ہاتھ سے جب لاش پر بوٹی لگے گی تو لاش	ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے دل میں یہ بات ڈالی تاکہ سب لوگ جو موجود ہیں اور ان ہی میں قاتل بھی ہیں۔ مقتول کے اعضا سے مقتول کو ماریں جو لوگ درحقیقت قاتل نہیں وہ بہ سبب یقین اپنی بے جرمی کے ایسا کرنے میں کچھ خوف نہ کریں گے۔ مگر اصل قاتل بہ سبب خوف اپنے جرم کے جواز روی خطرات انسان کے دل میں اور بالتخصیص جہالت کے زمانہ میں ایں قسم کی باتوں سے	

		سے ایسی حرکات صادر ہوں گی جس سے خونی پکڑا جائے گا۔ اب اس قصہ سے واقعی طور پر لاش کا زندہ ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ صرف دھمکی تھی کہ تا چور بے دل ہوکر اپنے تئیں ظاہر کرے۔ لیکن ایسی تاویل سے عالم الغیب کا عجز ظاہر ہوتا ہے اور ایسی تاویلیں وہی لوگ کرتے ہیں کہ جن کو عالم ملکوت کے اسرار سے حصہ نہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ طریق علم عمل الترب یعنی مسمریزم کا ایک شعبہ تھا جس کے بعض خواص یہ ہیں کہ جمادات یا مردہ حیوانات میں ایک حرکت مشابہ بحرکت	دل میں ہوتا ہے۔ ہرگز ایسا نہیں کرنے کا اور اس وقت معلوم ہو جائے گا۔ اس قسم کے حیلوں سے اس زمانہ میں بہت سے چور معلوم ہو جاتے ہیں اور وہ بہ سبب خوف اپنے جرم کے ایسا کام جو دوسرے لوگ بلاخوف کرتے ہیں نہیں کر سکتے۔ پس یہ ایک تدبیر قاتل کو معلوم کرنے کی تھی۔ اس سے زیادہ کچھ نہ تھا۔	

		حیوانات پیدا ہو کر اس سے بعض مشتبہ ومجہول امور کا پتہ لگ جاتا ہے۔ہمیں چاہئے کہ کسی سچائی کو ضائع نہ کریں اور ہر یک وہ حقیقت یا خاصیت جو عین صداقت ہے اس کو خداتعالیٰ کی طرف سے علم عمل الترب ایک عظیم الشان ہے جو طبیعی کا ایک روحانی حصہ ہے۔‘‘ تا آخر ص۵۳ پر جو ملاحظہ ناظرین کی لائق ہے۔		

اس مسئلہ کے اخذ شاگردی میں بھی شاگرد صاحب (کادیانی) اپنے استاذ (سرسید) سے بڑھ گئے۔استاد صاحب نے تو مقتول بنی اسرائیل کے زندہ ہونے سے انکار پر یہ پردہ ڈالا تھا کہ جو کام اس مقتول کی نسبت بحکم الٰہی کیا گیا تھا وہ صرف ایک دھمکی تھی۔شاگرد صاحب نے اس پردہ کو ناکافی بھرا سمجھ کر اس انکار زندگی مقتول پر یہ پردہ ڈالا کہ وہ مسمریزم کا عمل تھا۔جو نئی روشنی نئی تہذیب والوں کی نظروں میں خوشنما معلوم ہوا۔مگر اس سبقت کے ساتھ جو انہوں نے اپنے استاد پر دھمکی کی تجویز کے سبب یہ طعن کیا ہے کہ وہ علم عالم ملکوت اور عمل الترب سے بے نصیب ہیں۔اس میں استاد کی ناشکری وکفران نعمت کا ارتکاب کیا اور بہت مشہور ہے ۔

کس نیا موخت علم تیرا زمن   کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

کا پورا عمل کر کے دکھا دیا اور یہ خیال نہ فرمایا کہ عمل مسمریزم کا مسئلہ تو میں نے سرسید ہی سے سیکھا ہے۔ چنانچہ پہلے بیان ہوا ہے۔ پھر ان کو اس عمل کے علم سے بے نصیب قرار دینا ناشکری نہیں تو کیا ہے۔ ہاں! یہ سچ ہے کہ اس آیت کی تاویل وتحریف کے وقت یہ تجویز عمل مسمریزم استاد کو یاد نہ آئی۔ مگر اس سے ان کی بے علمی وبے نصیبی ثابت نہیں ہوتی۔ یہ تو صرف بھول ہے جو بڑے بڑے استادوں سے ہو جاتی ہے۔ اس بھول پر آپ کا ان کو بے علم وبے نصیب کہنا اور اس بات پر جو ان ہی سے سیکھی ہوئی ہے۔ فخر کرنا ہرگز مناسب نہ تھا۔

لطیفہ اعجوبہ اس عبارت کے آخر میں آپ نے علم مسمریزم یا عمل الترب کو عظیم الشان کہا ہے اور آپ نے ازالہ کے ص ۳۰۹، خزائن ج ۳ ص ۲۵۸ میں مکروہ اور قابل نفرت کہا ہے۔ اس سے آپ نے مثل مشہور ''دروغ گورا حافظہ نباشد'' کو سچ کر دکھایا اور یہ جتایا ہے کہ علم عمل الترب کی نسبت آپ کو کچھ واقفیت اور دلی یقین نہیں ہے اور کچھ اس کے متعلق آپ نے کہا ہے۔ اس میں لاف زنی کی ہے اور کذب سے کام لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے قلم سے اس کے متعلق کہیں کچھ نکل گیا ہے۔ کہیں کچھ۔

ان امثلہ کی نظائر کادیانی کے کلام میں اس کثرت سے ہیں کہ ان سب کو اس پرچہ میں شمار کرنا گویا دریا کو کوزہ سے ماپنا ہے۔ (جیسے کادیانی کا حضرت مسیح کی نسبت یہ سوالات کرنا کہ اگر وہ جسم کے ساتھ آسمان پر ہیں تو کبھی سوتے کبھی جاگتے ہوں گے۔ دنیوی طعام وشراب پیتے کھاتے ہوں گے۔ اوقات ضرورت میں پاخانہ پیشاب کرتے ہوں گے اور ناخن اور بال کٹواتے ہوں گے۔ ان کے لیٹنے کے لئے کوئی چارپائی بستر اہوگا وغیرہ وغیرہ! دیکھو ازالہ کادیانی ص ۴۱، ۴۲۷، خزائن ج ۳ ص ۴۹۹ وغیرہ) اور تفسیر لیلتہ القدر میں اس کا یہ کہنا کہ اس سے کمال درجہ کی ظلمت مراد ہے نہ درحقیقت کوئی رات۔ (فتح الاسلام ص ۵۴، خزائن ج ۳ ص ۳۲) اور تفسیر سورۂ الشمس میں اس کا یہ کہنا کہ ناقۃ اللہ سے نفس انسانی مراد ہے اور سقیا سے یاد الٰہی اور معارف کا چشمہ (توضیح المرام ص ۶۵، خزائن ج ۳ ص ۸۴) اور تفسیر علامات قیامت میں اس کا یہ کہنا کہ: ''دابۃ الارض'' سے علماء ظاہر مراد ہیں۔ (ازالہ ص ۵۰۳، خزائن ج ۳ ص ۳۷۰) اور دخان سے یہ قحط مراد ہے جو اس وقت اس ملک میں پڑا ہوا ہے۔ (ازالہ ص ۵۱۱، خزائن ج ۳ ص ۳۷۴) اور مغرب سے طلوع آفتاب سے یورپ میں اسلام کا پھیلنا مراد ہے۔ (ازالہ ص ۵۱۵، خزائن ج ۳ ص ۳۷۶) اور خروج یاجوج وماجوج سے روس وانگریزوں کا باہم جنگ کرنا۔ (ازالہ ص ۵۰۸، خزائن ج ۳ ص ۳۲۳) اور دجال سے پادری وغیرہ انگریز مراد ہیں۔ (ازالہ ص ۴۹۵، خزائن ج ۳ ص ۳۶۶ وغیرہ) اور خر دجال سے ریل

گاڑی انگریز مراد ہیں۔ (ازالہ ص ۱۴۶، خزائن ج ۳ ص ۱۷۴ وغیرہ) اوران چیزوں کے حقائق مشہورہ کو ہنسی اور ٹھٹھے میں اڑانا چنانچہ ازالہ ص ۵۰۵ تا ۵۰۷، خزائن ج ۳ ص ۳۷۱، ۳۷۲ میں لکھا ہے۔ ’’مولوی صاحبان کوشش کر کے کوئی یاجوج ماجوج کا آدمی یا دجال کی جساسہ یا ابن صیاد کو ہی کسی جنگل سے پکڑ کر لے آویں۔ پھر کیا بات ہے۔ سب مان جائیں گے کہ اسی طرح حضرت مسیح بھی آسمان پر زندہ ہیں اور مفت میں فتح ہو جائے گی۔ حضرات اب ہمت کیجئے۔ کہیں سے دجال شریر کے جساسہ کو بھی پکڑیئے۔ حوصلہ نہ ہاریں۔ آخر یہ سب زمین پر ہی ہیں۔ ابن تمیم (ابن تمیم نہیں تمیم نام ہے۔ کادیانی حدیث سے خود تو جاہل محض ہے۔ حکیم نورالدین وغیرہ سے سنی سنائی باتیں نقل کر دیتا ہے۔ پس جو خیال میں آیا سولکھ مارا۔ یہ حدیث تمیم داری کی وہ حدیث ہے جو معہ ترجمہ کے آگے منقول ہوگی۔ ناظرین خیال فرماویں کہ اس مقام میں اس حدیث کے مضمون پر کادیانی نے کیسی ہنسی اڑائی ہے اور طرفہ یہ ہے کہ اس ہنسی اڑانے کے لئے احادیث متعلقہ دجال وابن صیاد و یاجوج و ماجوج میں اس نے بہت سی باتیں خارج از قیاس از خود ملادی ہیں۔ جیسے اس کا یہ کہنا کہ یہ کروڑوں یاجوج و ماجوج صدہا برسوں سے زندہ ہیں مرنے میں نہیں آتے اور ابن صیاد اور دابۃ الارض بھی زندہ موجود ہیں۔ وغیرہ وغیرہ! جن کا کسی حدیث میں ذکر نہیں اور نہ کوئی مسلمان قائل ہے۔ اس طعن وتمسخر کے ساتھ اس کا یہ کہنا کہ میں نیچری نہیں ہوں۔ کیونکہ نیچریوں کے دل میں حدیث کی عظمت نہیں اور میں حدیث کو مانتا ہوں اور صحیح بخاری اور مسلم کو اصح الکتب جانتا ہوں۔ کذب ونفاق اور مسلمانوں کو دام میں لانے کے لئے ایک جال نہیں تو کیا ہے) کی حدیث کو مسلم میں بڑھ کر اس پتہ سے جساسہ دجال کا سراغ لگالئے یا خبیث دجال کو ہی جو زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ بچشم خود دیکھ کر پھر اوروں کو دکھلائے تو خوب ہے انگریزوں نے ہمت اور کوشش کر کے نئی دنیا کا سراغ لگا ہی لیا۔ آپ اس ایک ناکارہ کام میں ہی کامیابی دکھلائے۔ شاید ان لوگوں میں کسی کا پتہ چلے ؎

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد اگر خارے بود گلدستہ گردد

اور اگر ایسا نہیں کرو گے تو پھر خیر اس میں ہے کہ ان بیہودہ خیالات سے باز آجاویں…… یہ تحقیق اور تدقیق کا زمانہ ہے۔ اسلام کا ایسا خاکہ کھینچ کر نہ دکھلائے۔ جس پر بچہ بچہ ہنسی کرے۔ غور کر کے سوچئے کہ یہ کروڑہا انسان جو صدہا برسوں سے زندہ فرض کئے گئے ہیں جواب تک مرنے میں نہیں آتے۔ کس ملک کس شہر میں رہتے ہیں۔ تعجب ہے کہ معمورہ دنیا کی حقیقت بخوبی کھل گئی اور پہاڑوں اور جزیروں کا حال بخوبی معلوم ہوگیا اور تفتیش کرنے والوں نے یہاں تک اس تفتیش کو کمال تک پہنچایا جو ایسی آبادیاں جو ابتدائے دنیا

سے معلوم نہ تھیں وہ اب معلوم ہوگئیں مگر اب تک اس جساسہ اور دجال اور ابن صیاد مفقود الخبر اور دابۃ الارض اور یاجوج وماجوج کے کروڑہا انسانوں کا پتہ نہیں ملتا۔'' اور اپنے ازالہ ص ۲۶۸، ۲۶۹، خزائن ج ۳ ص ۲۳۵، ۲۳۶ میں اس نے کہا ہے کہ: ''اس فلسفی الطبع زمانہ میں جو عقلی شائستگی اور ذہنی تیزی اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ ایسے عقیدوں کے ساتھ دینی کامیابی کی امید رکھنا ایک بڑی بھاری غلطی ہے۔ اگر افریقہ کے ریگستان یا عرب کے صحراءنشین امیوں اور بدوؤں میں یا سمندر کے جزیروں کےاور وحشی لوگوں کی جماعتوں میں یہ بے سروپا باتیں پھیلائیں تو شاید آسانی سے پھیل سکیں۔ لیکن ہم ایسی تعلیمات کو جو عقل اور تجربہ اور طبعی فلسفہ سے بکلی مخالف ہیں۔ تعلیم یافتہ لوگوں میں ہرگز پھیلا نہیں سکتے اور نہ یورپ اور امریکہ کے محقق طبع لوگوں کی طرف جو اپنے دین کے لغویات سے دست بردار ہورہے ہیں۔ بطور ہدیہ وتحفہ بھیج سکتے ہیں۔ جن لوگوں کے دماغ کو نئے علوم کی روشنی نے انسانی قوتوں میں ترقی دے دی ہے وہ ایسی باتوں کو کیونکر تسلیم کریں گے۔ جس میں سراسر خدائے تعالیٰ کی توہین اور اس کی توحید کی اہانت اور اس کے قانون قدرت کا ابطال اور اس کے کتابی اصول (کتابی اصول اور توحید کو آپ نے صرف مسلمانوں کو دام میں لانے کے لئے شامل کرلیا ہے۔ آپ کا اصل استدلال اسی قانون قدرت یعنی نیچر سے ہے۔ لہٰذا اسی کے ذکر پر اکتفاء آپ کو مناسب تھا۔ جو حالات دجال یاجوج وماجوج وغیرہ کے آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائے ہیں۔ وہ کتابی اصول وتوحید خداوندی کے ہرگز مخالف نہیں۔ اس کی تفصیل ان امور کے متعلق عقلی بحث میں ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!) کی تنسیخ پائی جاتی ہے۔''

ایسے ہی بے حدوبے شمار نظائر تصانیف کادیانی میں اور پائے جاتے ہیں جو بعینہا یا ان کا اصول سرسید کے کلام میں موجود ہے۔ ان نظائر کی نظر سے ہمارا یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ کادیانی نے جو نئی بات نکالی ہے وہ سرسید سے لی ہے اور اس میں ان کی شاگردی اختیار کی ہے۔ گو بعض باتوں میں شاگرد نے استاد پر سبقت حاصل کرلی ہے۔

ان چند امثلہ سے جو اس مقام میں بیان ہوئے ہیں۔ ہمارا وہ دعویٰ کہ سرسید احمد خان کادیانی کے مقتداء ہیں اور کادیانی ان کا شاگرد ومقلد ہی ثابت ہوا۔ آئندہ انصاف ناظرین پر ہے۔ کادیانی نے جو ان کی شاگردی وپیروی سے اپنی تحریر نمبر پنجم میں انکار کیا ہے کہ نیچریوں کا اوّل دشمن میں ہوں تو اس کی ایک وجہ تو وہی آپ کی ناشکری ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے کہ آپ سرسید کے کام سے اپنا نام چاہتے ہیں اور شاگرد ہوکر استاد کہلانے کے فکر میں ہیں۔

دوسری وجہ یہ کہ آپ نے یہ خیال کیا کہ سرسید اوران کے پیروان بہ نظر مذہب مسلمانوں میں بدنام ہیں۔ لہٰذا ہم ان کے پیرووشاگرد کہلا کر مسلمانوں کو اپنے دام تزویر میں نہیں لا سکتے۔ یہ سوچ کر آپ نے ان کے اصول ومسائل کو سرگرمی کے ساتھ رواج دیا۔ مگر ان کے شاگرد و پیرو ہونے سے انکار مناسب سمجھا۔ بلکہ کہیں کہیں ان کی مخالفت وعداوت کا اظہار ہی ضروری خیال کیا۔ چنانچہ تحریر نمبر۵ میں آپ سے ظہور میں آیا ہے۔ ایسا ہی ازالہ کے ص ۷۴۹، خزائن ج ۳ ص ۵۰۴ میں آپ کا سرسید کو اشارۃً علم عمل الترب سے بے نصیب کہنا ہے اور ازالہ کے ص ۵۵۵، خزائن ج ۳ ص ۳۹۹ میں تمام نیچریوں کو صراحۃً برا کہنا اور یہ دعویٰ کرنا ہے کہ ان کے دلوں میں ''قال اللہ وقال الرسول'' کی عظمت نہیں اور یہ لوگ حدیثوں کو نہیں مانتے۔ وغیرہ وغیرہ!

ولیکن عقل وحیاء سے کام لے کر آپ نے یہ خیال نہ فرمایا کہ اصول نیچر کی پیروی وموافقت کے ساتھ آپ کی یہ مخالفت ظاہری کس کام آتی ہے۔ جس قدر طعن وتوہین واستہزاء بحق احادیث صحیحہ آپ کی کلام میں پایا جاتا ہے۔ سرسید اوران کے اتباع کی کلام میں اس کا عشر عشیر بھی پایا نہیں جاتا اور جن باتوں میں آپ نے سرسید کی شاگردی وپیروی اختیار کی ہے ان کے اظہار وبیان میں آپ نے سرسید کو پیچھے چھوڑ دیا اور سبقت کا علم بلند کیا۔ مثلاً (۱) انہوں نے تو حضرت مسیح کو صرف مردہ قرار دیا تھا۔ آپ نے ان کو مار کر یا زندہ درگور کر کے ان کا عہدہ خود چھین لیا اور اپنے مسیح موعود ہونے کا اشتہار دے دیا۔ (۲) انہوں نے تو معجزات مشہورہ حضرت مسیح سے صرف انکار کیا اور ان کو مسمریزم کا اثر قرار دیا تھا۔ آپ نے حضرت مسیح کے معجزات کو عمل مسمریزم قرار دے کر ایک مکروہ وناقابل نفرت فعل ٹھہرایا اور خود حضرت مسیح سے بڑھ کر یا اس کے برابر یہ عمل مسمریزم کر دکھانے کا دعویٰ کیا۔ (۳) انہوں نے تو منصب نبوت کو وسیع کر کے اوروں (جیسے کالون، لوتھر اور بابو کشب چندر سین وغیرہ) کا نبی ہونا تجویز کیا تھا۔ آپ نے ختم نبوت کو توڑ کر خود دعویٰ نبوت ورسالت کیا اور اپنا احمد رسول مبشر بزبان عیسیٰ علیہ السلام بنص قرآن ''ومبشراً برسول یأتی من بعدی اسمہ احمد'' ہونا مشتہر کر دیا۔ وعلیٰ ہذا القیاس! پھر اس سبقت کے ساتھ آپ کا انکار شاگردی وپیروی سرسید سے کیا فائدہ بخش سکتا ہے اور اس سے آپ کا نیچری ہونا کب چھپا رہ سکتا تھا۔ ان باتوں نے عام لوگوں کی نظروں میں آپ کو سرسید کا مرشد (جیسا کہ آپ چاہتے ہیں) بنا دیا اور ان کو سرسید کا ذکر بھلا دیا۔ مگر ہم انصاف کا خون کرنا جائز نہیں رکھتے اور ''الفضل للمتقدم'' کو نظر انداز نہیں کر سکتے اور اس لئے اب تک سرسید کو آپ کا استاد اور آپ کو ان کا شاگرد مان رہے ہیں۔ عام لوگوں کو اختیار ہے جو چاہیں سو کہیں۔

اس بحث و بیان سے کوئی نادان اتباع سرسید احمد خان سے شاید یہ نتیجہ نکال لے کہ جو کچھ کادیانی نے کہا ہے اگر یہ سرسید کے کلام میں بعینہ یا باصلہ موجود ہے تو کادیانی صاحب سرسید کے شاگرد اور خلیفہ ٹھہرے۔ یہی ہم اپنے امام کے خلیفہ کی پیروی کیوں نہ کریں اور کھلے خزانہ عیسائی مرزائی کیوں نہ کہلاویں۔ مگر ان کا یہ نتیجہ نکالنا محض دھوکہ کھانا ہے۔ اس لئے کہ کوئی شخص کسی کا خلیفہ تب ہی ہوسکتا ہے جب کہ وہ دو شرطوں کا پابند ہو۔ ان میں سے ایک شرط کا بھی وہ خلاف کرے گا تو ہرگز خلیفہ نہیں کہلائے گا۔

اوّل یہ کہ وہ اس کی پیروی اور نیابت اور خلافت کا معترف ہو۔ اس کی پیروی کا منکر اور اس کے مقابلہ کا مدعی نہ ہو۔ کیونکہ اس صورت میں وہ اس کا باغی کہلاتا ہے نہ خلیفہ۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اس کے اصول کا پابند رہے۔ ان کی مخالفت نہ کرے۔ کیونکہ درصورت مخالفت اصول وہ اس کا خلیفہ نہیں کہلاتا بلکہ ایک مستقل امام کہلانے کا مدعی سمجھا جاتا ہے۔

اور کادیانی میں یہ دونوں شرطیں مفقود ہیں اور ان کی اضداد صریحہ موجود وہ سرسید کی پیروی و نیابت کا منکر اور ان کے مقابلہ کا مدعی اور ان کے اصول جدیدہ کی پیروی کے ساتھ اس بات کا مدعی ہے کہ یہ اصول ایجاد بندہ ہیں۔ سرسید تو ان سے محض بے نصیب ہیں اور ان کے اصول کے مقابلہ میں وہ بعض ایسے پرانے اصول کو بھی ہاتھ مارتا ہے جو اصول مذہب سرسید کے مخالف ہیں اور اس سے وہ تناقض اور جمع بین الضدین کا مرتکب ہورہا ہے۔ مثلاً: (۱) وہ معجزات انبیاء کا منکر ہے۔ مگر اپنے لئے معجزات وخوارق کے انبار وطومار تجویز کر رہا ہے۔ (۲) وہ حضرت مسیح کے صعود ونزول جسمانی اور اس کے متعلقات ولوازم کو خلاف قانون قدرت (نیچر) وغیر معمولی سمجھ کر اس سے منکر ہے۔ مگر اپنے لئے غیر معمولی الہام ثابت کر رہا ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس! اسی وجہ سے ان کے پیرومرشد سرسید نے اپنے پرچہ (اخبار) میں اس کے الہامات کے برخلاف ایک مضمون شائع کر دیا ہے۔ جس میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ اس الہام کی تجویز میں وہ اصول سرسید کی پیروی سے خارج ہوگیا اور ایک ناخلف مرید اور عاق شاگرد بن گیا ہے۔ اس لئے وہ سرسید کا خلیفہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

اب اتباع سرسید کو اگر وہ ان کے سچے اتباع ہیں ہرگز مناسب نہیں ہے کہ اس مخالفت وبغاوت کے ساتھ صرف بعض اصول جدیدہ میں اس کے پیرو سید ہوجانے کے سبب اس کو سرسید کا خلیفہ سمجھیں اور اس کے اتباع وپیروی کو سرسید کی پیروی اتباع قرار دیں۔ قطع نظر اس سے ان کو یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ وہ کون سا نیچرل عقدہ ہے جو سرسید سے حل نہیں ہوا اور اس کو کادیانی نے حل کر دیا ہے۔ پھر پیرومرشد کو چھوڑ کر شاگرد

ومرید کی پیروی کا دم بھرنے سے فائدہ ہی کیا ہے۔ اس امر کو ہم حاشیہ ص۴۹ نمبر۱۰ ج۱۳، اشاعۃ السنۃ میں جتا چکے ہیں۔ اس حاشیہ کی طرف بھی مراجعت کریں۔ حاشیہ ختم ہوا جس کی اختتام سے وہ وعدہ پورا ہوا جو حاشیہ ص۲۹۷ نمبرا ج۱۳ میں ہوا تھا۔ فالحمدﷲ!

۲۶۷؎ یہ تعداد بھی معلوم نہیں کس ملک کے حنفیوں کی ہے۔ ہندوستان میں تو حنفیوں کی یہ تعداد نہیں ہے۔ ہندوستان کے کل مسلمان چھ کروڑ ہیں جن میں حنفی اہل حدیث شیعہ وغیرہ سب شامل ہیں۔

۲۶۸؎ یعنی آنحضرتﷺ سے مروی ہے کہ چھوٹی انگلی اور انگوٹھا برابر ہیں۔

۲۶۹؎ جب کسی دلیل میں احتمال مخالف پیدا ہو تو اس دلیل سے دست آویز کرنا باطل وبیکار ہو جاتا ہے۔

۲۷۰؎ یہ مباحثہ مطبوعہ کادیانی کے الفاظ ہیں۔ ہمارے پاس جو کچھ کادیانی کا قلمی پرچہ ہے اس میں یہ الفاظ ہیں: ''کسی قدر تاریکی میں پڑی ہوئی ہیں'' پھر ان الفاظ کو کاٹ کر کادیانی کی قلم سے یہ الفاظ لکھے گئے: ''کسی قدر تاریکی سے باہر نہیں۔''

۲۷۱؎ انبیاء کو بلفظ جمع لانا مشعر ہے کہ اس وقت آپ کے سوائے اور نبی بھی موجود ہیں جو قرآن سے تفاصیل احکام شرعیہ نکال سکتے ہیں۔ مگر معلوم نہیں وہ انبیاء کون ہیں حکیم نوردین، میاں کریم بخش یا اور صاحب ہیں۔ ان کے نام بتادیں تو لفظ جمع اختیار کرنے کی وجہ معلوم ہو۔

۲۷۲؎ یہاں آپ یہ لکھنا بھول گئے ہیں یا آپ کا کاتب بھول گیا ہے کہ درحقیقت نہ وہ احادیث قرآن کی ناسخ ہیں اور نہ زوائد۔ الخ!

۲۷۳؎ یہ پوری حدیث معہ ترجمہ درص۱۴۶، ۲۰۹ وغیرہ میں منقول ہوچکی ہے۔ ناظرین یہ وہ حدیث ہے جس کو کادیانی نے تحریر نمبر۷ میں صحیح سمجھا اور اس کے دست آویز سے حدیث کو قرآن پر عرض کرنا ضروری ٹھہرایا تھا۔ اب بخاری پر جرح وقدح کرنے کی حرص سے اس حدیث کا علامہ تفتازانی کی تقلید سے موضوع ہونا مان لیا۔ یہ شتر مرغی یا روباہ بازی نہیں تو اور کیا ہے۔

۲۷۴؎ یہ وہ رسالہ ہے جس کا نام کادیانی نے برطبق مثل مشہور ''برعکس نہند نام زنگی کافور'' دافع الوساوس رکھا ہے۔

۲۷۵؎ دوسری یہ کہ الٹا اس کے مقابل کو بے محل اور غیر متعلق بات کہنے کا الزام دیں۔ چنانچہ منشی احسن امروہی نے رسالہ تائید کفریات کادیانی میں کیا اور مجھ کو یہ الزام دیا کہ تمہاری فلاں بات فلاں پرچے میں نہیں اور پرچہ میں ہے۔

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

قادیانی

کے

فیصلہ آسمانی کا جواب

حضرت مولانا محمد حسین بٹالویؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ و کفٰی و سلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی!

کیفیت وعرضداشت سالانہ اشاعۃ السنۃ

جون ۱۸۹۱ء سے مارچ ۱۸۹۲ء تک جو اشاعۃ السنۃ کا کوئی پرچہ نہیں نکلا تو کیا اس سے وہ غیر حاضر اور اپنے منصبی فرض اور قوم کی خدمت کے ادا کرنے میں قاصر متصور ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس عرصہ میں جو خدمت قلمے، قدمے، درمے اس نے کی ہے وہ اپنے زمانۂ خدمت چودہ سال میں کبھی نہیں کی۔ جون ۱۸۹۱ء میں وہ نمبر۱،۲،۳، جلد۱۳ میں کیفیت گریز وفرار کادیانی اور اس کے ایک فرضی حواری حکیم نورالدین جمونی کی رپورٹ کر کے پھر جولائی ۱۸۹۱ء سے اس اسلام ومسلمانوں کے دوست نما دشمن، عقائد قدیمہ اسلام کے رہزن وبیخ کن (کادیانی) کے تعاقب میں رہا اور مشکل ولطائف الحیل جولائی ۱۸۹۱ء میں بمقام لدھیانہ اس کو جا پکڑا اور بارہ دن تک خوب رگیدا اور چتھاڑا اور ۳۱؍جولائی ۱۸۹۱ء کو ذلت کی شکست دے کر بھکا دیا۔ پھر ہندوستان پہنچ کر اس کے عقائد ومقالات کی نسبت ایک استفتاء مرتب کیا اور ایک لمبا سفر اختیار کر کے مختلف بلاد ہندوستان کے علماء کا فتویٰ اس کے حق میں حاصل کیا اور خواص وعوام ہندوستان وپنجاب کو اس فتویٰ اور اپنے زبانی بیانات اور مواعظ کے ذریعہ سے اس کے عقائد باطلہ پر آگاہ کر کے اس سے بچنے کے لئے ہوشیار کر دیا۔ پھر جب ماہ اکتوبر ۱۸۹۱ء میں کادیانی نے دہلی پہنچ کر سر اٹھایا اور وہاں کے اکابر کے مقابلہ میں جو اس کو مخاطب کرنے کے لائق نہ سمجھتے تھے ''ھل من مبارزٍ'' کا نعرہ بلند کیا تو یہ خادم دہلی پہنچا اور وہاں اس کو پچھاڑا اور بھگایا۔ پھر جب وہ لاہور وسیالکوٹ پہنچا تو وہاں اس کا پیچھا کیا اور مباحثہ سے صاف وصریح انکار کرا کے بھگا دیا۔ ان واقعات کی مفصل کیفیت وقتاً فوقتاً اشتہارات کے ذریعہ شائع ہوتی رہی ہے اور مجمل ''اشاعۃ السنۃ'' نمبر ہذا ودیگر نمبروں میں ہوچکی ہے۔ اس خدمت وکارگزاری میں نو مہینے کا عرصہ اور صدہا روپیہ صرف ہوا۔

ابوسعید محمد حسین

کادیانی کے فیصلہ آسمانی کا جواب

ملقب

کادیانی کے فیصلہ آسمانی کی ترمیم اوراس کے مسلمانوں کے تصفیہ کے لئے آسان تجویز باتقویم

تمہید

کادیانی نے مباحثہ لدھیانہ میں فاش شکست پائی اوراس میں اس کو ذلت کے ساتھ ہزیمت نصیب ہوئی۔ جس کی کیفیت چھپ چکی ہے تو پہلے آپ نے (اشتہار یکم راگست ۱۸۹۱ء مجموعہ اشتہارات ج۱ص۲۸۰) میں اس مضمون کا دعویٰ کیا کہ میں پھر بمقام لاہور مباحثہ کرنا چاہتا ہوں۔ جس کا جواب (اشتہار یکم راگست ۱۸۹۱ء) میں اس کو یہ دیا گیا کہ ہم آپکے مناظرہ کے لئے ہروقت حاضر ومستعد ہیں۔ لاہور میں کریں خواہ پشاور میں اوراگر خاص مسکن ومولد شریف کادیان میں ہوتو نہایت مناسب ہے۔ تاکہ مقولہ صادقہ،''دروغ گورا تا بخانہ باید رسایند'' پر بھی عمل ہو جائے۔ یہ جواب اس لئے دیا گیا تھا کہ چھتاڑا اور پچھاڑا ہوا نامنفعل ہوکر پھر مقابل ہونا چاہے تو اس کا یہی علاج ہے نہ یہ کہ سابق پچھاڑ اور لتاڑ کی نظر سے اس کے دعویٰ پر خاموش ہورہیں اوراس کو لاف زنی کرنے دیں۔ اس جواب سے اس کے دانت کھٹے ہوئے اوراس کے چھکے چھوٹ گئے تو پھر آپ دہلی پہنچے اور وہاں جاکر ایک شیخ وقت اور مستند العصر جناب حضرت مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب محدث کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہوگئے۔ اس میں آپ یہ سوچ بیٹھے کہ شیخ وقت تو اپنی بزرگی اور ہماری نااہلی کی نظر سے مجھے مخاطب نہ بنائیں گے اور ابوسعید محمد حسین اتنی دور نہ آئیں گے۔ کیونکہ''دہلی دورست'' مثل مشہور ہے چلو اس میں کام ہوا ہینگ لگی نہ پھٹکری اور میدان ہاتھ میں آیا۔ مگر بدقسمتی سے اور ایک نابینا کے کہنے سے اس اشتہار میں جس میں حضرت شیخ وقت سے مباحثہ کا دعویٰ کیا تھا مولوی عبدالحق صاحب مؤلف تفسیر حقانی کا جو شیخ وقت کے تلامذہ سے ہیں نام بھی درج کر دیا۔ لہٰذا پہلے تو مولوی صاحب موصوف ہی ان کی خدمت گزاری کو حاضر ومستعد ہوگئے۔ پھر یہ خادم قوم دہلی پہنچا اوراپنے شیخ وشیخ الکل کی طرف سے مباحثہ کے لئے مستعد ہوگیا۔ خاکسار کے دہلی پہنچنے سے پہلے تو کادیانی صاحب مولوی صاحب (مولانا عبدالحق دہلوی) موصوف سے مباحثہ کرنے کو بظاہر مستعد تھے اور اس کو شروط ناجائز کی آڑیں کھڑی کر کے

((۱) صاحب ڈپٹی کمشنر کی خاص اجازت میرے نام سے آوے۔ (۲) جلسہ میں یورپین افسر موجود ہو۔ (۳) گفتگو یوں ہو کہ فریقین اپنے ہاتھ سے تحریر کر کے لوگوں کو سناویں۔ یہ نہ ہو کہ سوال وجواب زبانی ہوں اور دو منشی ان کو لکھتے جائیں) ٹلا رہے تھے۔ مگر جب یہ خادم دہلی پہنچا تو آپ مولوی عبدالحق صاحب کے مکان پر بہ نفس نفیس حاضر ہو کر مظہر وملتمس ہوئے کہ میں آپ سے گفتگو کرنا نہیں چاہتا۔ مجھے حافظ احمد نابینا نے دھوکہ دیا کہ آپ کا نام بھی اشتہار میں لکھوادیا۔ میں تو غیر مقلدوں سے بحث کرنا چاہتا ہوں۔ آپ تو ہمارے بھائی ہیں اور ایسے اور ایسے مولوی صاحب نے یہ سمجھا کہ گرانے سے بھگانا اچھا ہوتا ہے اور جواب دیا کہ تم بذریعہ اشتہار اس مباحثہ سے انکار کر دو گے تو ہم بھی دست بردار ہو جائیں گے۔ اس پر کادیانی نے ۶ر اکتوبر ۱۸۹۱ء کو ایک اشتہار جاری کیا اور اس میں مولوی عبدالحق سے گفتگو کرنے سے انکار کیا اور صرف حضرت شیخ الکل سے مباحثہ کا دعویٰ قائم رکھا۔ مگر بدقسمتی سے ان کے ساتھ اس خاکسار کا نام بھی شامل کر دیا جس کی وجہ ہماری ہی ایک حکمت عملی اور تدبیر عقلی تھی جو آپ کے ایک سادہ لوح حواری کے ذریعہ سے عمل میں آئی تھی۔

اس اشتہار میں آپ نے یہ مضمون لکھا: ''اس عاجز نے اشتہار ۲ر اکتوبر ۱۸۹۱ء میں حضرت مولوی ابومحمد عبدالحق صاحب کا نام بھی درج کیا تھا۔ مگر عندالملاقات اور باہم گفتگو کرنے سے معلوم ہوا کہ مولوی صاحب ایک گوشہ گزین آدمی ہیں اور ایسے جلسوں سے جن میں عوام کے نفاق شقاق کا اندیشہ ہے۔ طبعاً کارہ ہیں اور اپنے کام تفسیر قرآن میں مشغول ہیں اور شرائط اشتہار کے پورا کرنے سے مجبور ہیں۔ کیونکہ گوشہ گزین ہیں۔ حکام سے میل وملاقات نہیں رکھتے اور بباعث درویشانہ صفت کے ایسی ملاقاتوں سے کراہت بھی رکھتے ہیں۔ لیکن مولوی نذیر حسین صاحب اور ان کے شاگرد بٹالوی صاحب جواب دہلی میں موجود ہیں۔ ان کاموں میں اوّل درجہ کا جوش رکھتے ہیں۔ لہٰذا اشتہار دیا جاتا ہے کہ اگر ہر دو مولوی صاحب موصوف حضرت مسیح ابن مریم کو زندہ سمجھنے میں حق پر ہیں تو میرے ساتھ باپابندی شرائط بحث کرلیں۔''

(اشتہار بمقابل مولوی سید نذیر حسین صاحب سرگروہ اہل حدیث مجموعہ اشتہارات ج۱ ص۲۳۸)

مگر کادیانی کا یہ حیلہ کارگر نہ ہوا۔ ادھر مولوی عبدالحق صاحب نے ان کے عذر اور وجہ انکار کو جھوٹا سمجھا اور ۹ر اکتوبر ۱۸۹۱ء کو مطبع یوسفی دہلی میں اس عذر کا یہ جواب چھپوا کر مشتہر

کیا کہ مولوی عبدالحق صاحب حکام سے نہیں ملتے۔ مگر بالائے انتظام کرنے کے لئے اوپر کے لوگ موجود ہیں۔ کادیانی صاحب ۱۱؍اکتوبر ۱۸۹۱ء کو ٹاؤن ہال میں آئیں اور ان سے مباحثہ کر لیں۔ ورنہ جھوٹے سمجھے جائیں گے اور ادھر خاکسار نے کادیانی کے اقرار مباحثہ کے جواب میں اشتہار ۷؍اکتوبر ۱۸۹۱ء مشتہر کر دیا اور اس میں یہ درج کیا کہ آپ نے خاکسار اور ہمارے شیخ وشیخ الکل دونوں کو مقابل ومباحث بنانا چاہا ہے اور یہ بات ظاہر ومسلم کل ہے کہ آخر گفتگو کے وقت ایک ہی شخص بولے گا نہ یہ کہ دونوں مل کر آپ سے کلام کریں گے۔ لہٰذا یہ قرار پایا ہے کہ پہلے خاکسار آپ سے گفتگو کرے۔ پس اگر آپ کو ساکت اور لاجواب کر دے تو حضرت شیخنا کو کسی تکلیف کی ضرورت نہ رہے اور اگر خاکسار آپ کے جواب سے ساکت ہو جاوے تو پھر حضرت شیخ الکل سے آپ کے استفادہ کی نوبت پہنچے اور یہی امر بحکم عقل مناسب ہے۔ شاگردوں کے ہوتے ایک شیخ وامام وقت کو زیبا نہیں ہے کہ وہ آپ جیسوں کو اپنا مخاطب ومناظر بنائیں۔

اس اشتہار کے اخیر میں یہ بھی لکھ دیا کہ اگر آپ اپنی ہی شرطیں بلاکم وبیش منظور کرانا چاہتے ہیں تو ہم اس امر کے لئے بھی حاضر ہیں۔ لیجئے بتاریخ ۱۱؍اکتوبر ۱۸۹۱ء بوقت ۹؍بجے دن کے چاندنی محل میں تشریف لاویں اور خاکسار سے گفتگو کر لیں۔ ہماری طرف سے کوئی شرط نہیں اور آپ کی سبھی شرطیں منظور ہیں۔ یہ اشتہار چھاپ کر متعدد وسائل سے کادیانی کے پاس بھیجا گیا اور کادیانی نے اس اشتہار کے مضمون سے کوئی عذر وانکار نہ کیا تو اس سے اس کی رضا وتسلیم سمجھ کر چاندنی محل میں فرش وغیرہ کا انتظام کرایا گیا اور بنظر احتیاط ایک خط بھی خاکسار اور مولوی عبدالحق صاحب کی طرف سے ان کے نام بھیجا گیا جس کا یہ مضمون تھا کہ کل کے اشتہار میں مولوی عبدالحق صاحب نے ٹاؤن ہال میں مباحثہ کے لئے آپ کو بلایا تھا۔ آج باتفاق چاندنی محل قرار پایا ہے۔ آپ وقت مقرر پر ضرور تشریف لاویں۔ کیونکہ فرش وغیرہ پر بہت سا روپیہ صرف ہو چکا ہے۔

اس خط کے پہنچنے پر آپ نے اشتہار ۶؍اکتوبر ۱۸۹۱ء کے عہد واقرار کو توڑ دیا اور خاکسار کے ساتھ مباحثہ کرنے سے صاف انکار کر دیا اور اسی بات پر اصرار اختیار کیا کہ میں خاص مولوی نذیر حسین صاحب سے گفتگو کروں گا۔ مولوی ابوسعید محمد حسین کی گفتگو سے مجھے بالطبع نفرت ہے۔ ہاں! وہ مولوی سید نذیر حسین صاحب کے مددگار رہیں۔ ان کو لکھنے میں مدد

دیں یا کوئی بھولی بات یاد دلادیں تو مضائقہ نہیں اور اس اصرار کے پورا ہونے کی شرط سے جلسہ ۱۱راکتوبر۱۸۹۱ء میں حاضر ہونا منظور کیا۔ جناب حضرت شیخ الکل نے اس کے اس اصرار کو منظور کرلیا اور حسب قرارداد ۱۱راکتوبر۱۸۹۱ء کو چاندنی محل میں پہنچ کر منظوری شرط واصرار کادیانی کا متضمن خط اس کے نام بھجوایا۔

اس خط کے پہنچنے پر کادیانی نے اپنے اس اقرار کو بھی توڑا اور مجلس میں آنے سے صاف انکار کیا اور اس مضمون کا خط لکھا: ''چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ جوش عوام کا حد سے بڑھا ہوا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ اس جوش کی حالت میں کسی مفسدہ کا اندیشہ ہے۔ ابھی ایک شخص مجھے کہہ گیا ہے کہ میں خیرخواہی کے رو سے کہتا ہوں کہ عوام کی نیت فساد پر ہے۔ لہٰذا یہ تجویز قرار پائی ہے کہ غلام قادر صاحب ڈپٹی کمشنر کے پاس جاکر اطلاع دیں تو پھر ایک تاریخ مقرر کر کے جلسہ ہو۔''

جس پر جلسہ برخاست ہوا اور کس وناکس سکنائے دہلی نے جان لیا کہ کادیانی کو مباحثہ منظور نہیں ہے اور وہ صرف حیلہ وبہانہ سے مباحثہ کو ٹلاتا ہے۔ اس واقعہ کی مفصل کیفیت اشتہار ۱۲راکتوبر میں مشتہر ہوچکی۔ اس سے پہلے بھی ایک دفعہ حضرت شیخ الکل نے کادیانی کے اس اصرار کو توڑا، اور خود بہ نفس نفیس اس کے شبہات کو دور کرنا چاہا۔ یکم ربیع الاوّل مطابق ۵ راکتوبر۱۸۹۱ء کو ایک خط اس مضمون کا اس کے پاس بھیج دیا کہ آپ بے تکلف میرے مکان پر آجائیں اور اپنے شکوک کا ازالہ کرالیں۔ اس خط کے جواب میں بھی اس نے آنے سے انکار کیا اور یوربین افسر کے موجود ہونے کی شرط کو آڑ بنایا۔ حضرت شیخ الکل اور اس خاکسار کے علاوہ بہت سے علماء دہلی نے کادیانی کو مباحثہ کی طرف بلایا اور اس کی جملہ شروط کو منظور کر کے اس سے مباحثہ کرنا چاہا۔ ازاں جملہ ایک مولوی عبدالمجید صاحب واعظ دہلی ہیں۔ جنہوں نے کئی اشتہاروں میں کادیانی کو مدعو کیا اور اس کے ثبوت دعویٰ پر ایک ہزار روپیہ انعام بھی دینا منظور کیا۔ ازاں جملہ ایک مولوی رحیم بخش صاحب مدرس مدرسۃ القرآن ہیں جنہوں نے بمنظوری جملہ شرائط کادیانی اپنے مدرسہ میں ان کو بلایا۔ ازاں جملہ مولوی محمد علی خان صاحب ہیں جنہوں نے ۱۰راکتوبر۱۸۹۱ء کو بمنظوری جملہ شرائط مسجد فتح پوری میں کادیانی سے مباحثہ کا اشتہار دیا۔ ازاں جملہ مولوی عبدالحمید صاحب ہیں جنہوں نے کادیانی کے عذرات کو اپنے اشتہار ۷راکتوبر۱۸۹۱ء میں یوں توڑا کہ آپ اپنے کوٹھے کی چھت پر بیٹھ کر گفتگو کریں۔ میں

اس کے مقابل کوٹھے کی چھت پر بیٹھ کر گفتگو کروں گا اور بیچ میں بازار حائل رہے گا اور کسی قسم کا اندیشہ آپ کو باقی نہ رہے گا اور اسی قسم کے اور اشتہارات آپ کے مقابلہ میں نکلے۔ جن کی تعداد چودہ سے زیادہ ہے۔ مگر آپ نے کسی شخص سے مباحثہ اور مقابلہ کا حوصلہ نہ پایا اور اپنے گھر سے جس کے دروازہ پر پولیس کا پہرہ بٹھا رکھا تھا قدم باہر نہ رکھا۔

کادیانی کچھ اس گریز اور فرار خصوصاً چاندنی محل کے جلسہ میں آنے سے انکار کا تمام شہر دہلی بلکہ تمام ہندوستان و پنجاب میں شہرہ ہوگیا اور سخت ذلت و بدنامی کی سیاہی کا دھبہ آپ پر لگ گیا تو آپ نے اس دھبہ کو اٹھانے کے لئے یہ تجویز نکالی کہ جس طرح ہو سکے ایک مجمع عام میں حضرت شیخ الکل سے ایک دفعہ آمنا سامنا ہو جائے۔ گو گفتگو کچھ بھی نہ ہو۔ یہ سوچ کر آپ نے ۱۷ر اکتوبر کو ایک اشتہار (مجموعہ اشتہارات ج۱ ص۲۴۸ طبع چناب نگر) نکالا جس میں دو ڈزن (یعنی درجن) سے زائد حضرت شیخ الکل کو گالیاں دیں۔ پھر اس کے اخیر میں یہ فریب کا بھرا ہوا مضمون درج کر دیا کہ: ''اگر شیخ الکل مجھے غلطی پر سمجھتے ہیں تو مجمع عام میں میرے خیالات و دلائل کے جھوٹا ہونے پر قسم کھالیں۔'' حضرت شیخ الکل و خاکسار اور بعض ارباب شوریٰ حضرت شیخ الکل، کادیانی کی اس غرض کو سمجھ گئے تھے اور اس کو مجلس عام میں حاضر ہونے اور اس سیاہی کے دھبہ کو اتارنے کا موقعہ دینا پسند نہ کرتے تھے اور یقیناً جانتے تھے کہ وہ اپنے اقرار پر قائم نہ رہے گا نہ مباحثہ کرے گا اور نہ حضرت شیخ الکل کی قسم پر راضی ہوگا۔

اسی نظر سے اس کے اشتہار ۱۷ر اکتوبر ۱۸۹۱ء کا جواب ''اعلام عام اہل اسلام'' کے مضمون میں یہ دیا گیا کہ کادیانی اس بدگوئی اور سخت زبانی کے ساتھ جناب شیخ الکل سے خطاب کے لائق نہیں رہا۔ ہاں! خاکسار اور حضرت شیخ کے دیگر تلامذہ سے جس کو وہ پسند کرے اور اس سے گفتگو کرے اگر مباہلہ ہی کرنا ہے تو صوفی عبدالحق امرتسری سے کرے یا مولوی عبدالمجید صاحب سے۔ یہ اعلام ۸ صفحہ پر ہے جو ۱۸ر اکتوبر ۱۸۹۱ء کو چھپ کر شائع ہوا۔ مگر عوام الناس اور بعض خواص نے حضرت شیخ الکل کو جامع مسجد دہلی میں جانے پر مجبور کیا۔ جب حضرت شیخ الکل نے جامع مسجد میں پہنچ کر نواب سعید الدین احمد خان صاحب بہادر رئیس لوہارو و مولوی عبدالمجید صاحب اور میر بشارت حسین صاحب کوتوال شہر کی وساطت سے کادیانی کو یہ پیغام بھیجا کہ میں آپ کے عقائد باطلہ کے غلط اور ناحق ہونے پر قسم کھانے کو تیار ہوں۔ ہمارے سامنے آؤ اور اپنے عقائد و دلائل بیان کرو تو کادیانی نے اس

سے صاف انکار کیا۔ مباحثہ کی طرف بلایا گیا تو اس سے بھی فرار اختیار کیا۔ اس کی مفصل کیفیت تحریر مطبوعہ ۲۱ر اکتوبر ۱۸۹۱ء محررہ مولوی عبداللطیف خلف الصدق مولوی عبدالمجید سے نقل کی جاتی ہے۔ اس کے صفحہ ۶ میں ہے۔

''بعد ادائے نماز فریضہ جناب مولوی عبدالمجید صاحب وسید بشیر حسین صاحب انسپکٹر پولیس وجناب نواب سعیدالدین احمد خان صاحب بہادر منجانب جناب مولانا صاحب ممدوح مرزا صاحب کے پاس گئے اور کہا حسب قرارداد جناب مولانا صاحب (مولانا سید نذیر حسین) آپ لکھ دیں کہ اگر جناب مولانا صاحب نے میرے دلائل بحلف رد کر دیئے تو میں اسی مجمع میں توبہ کرلوں گا۔ مرزا صاحب خاموش رہے۔ بعض حوارےین گھبرا کر کھڑے ہو گئے اور کہا ایک سال کے بعد توبہ کریں گے۔ مگر اس میں یہ شرط ہے کہ اگر جناب مرزا صاحب کی بددعا کا اثر نہ ہوا (یعنی اگر ایک سال کے اندر مولانا صاحب کو نصیب دشمنان بخار آ گیا یا دردسر ہو گیا تو توبہ نہ کریں گے) سٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب بہادر پولیس (ہنس کر) یہ تو کوئی کام کی بات نہیں۔ آپ کی اس بات کو تو کوئی بھی منظور نہیں کر سکتا۔ مولوی عبدالمجید صاحب (صاحب موصوف سے مخاطب ہو کر) ہم آپ کو ثالث مقرر کرتے ہیں۔ آپ ان سے دریافت کریں کہ بموجب تحریر جناب مولانا صاحب آپ اپنے عقائد کا ثبوت بیان کر سکتے ہیں اور درصورت عدم تسلیم مولانا صاحب کی قسم اور حلف پر اس وقت توبہ کریں گے یا نہیں؟ ہم بات بڑھانی اور وقت گزارنا نہیں چاہتے۔

صاحب بہادر، مرزا صاحب اور ان کے اعوان کو عرصہ تک سمجھاتے رہے کہ تم کیوں بات بڑھاتے ہو۔ ایک بات مختصر کہو کہ تم کو یہ بات منظور ہے یا نہیں۔

مرزا صاحب: ہم صرف حیات وممات مسیح میں گفتگو کرنی چاہتے ہیں اور کچھ نہیں۔

مولوی صاحب: اس مسئلہ حیات وممات کا بھی اور آپ کے کل عقائد کا ہم فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہم کیوں ایک ہی مسئلہ کا فیصلہ کریں۔ جب آپ کے بہت سے عقائد خلاف اہل اسلام ہیں بڑا دعویٰ تو آپ کو مسیحائی کا ہے۔ آپ اس کا کچھ ثبوت دے سکتے ہیں۔

نواب صاحب: جناب بخشی اکرام اللہ خان صاحب رجسٹرار ومجسٹریٹ ونواب سید سلطان مرزا صاحب آنریری مجسٹریٹ اور تمام معززین واراکین

جلسہ بے شک ایسا ہی ہونا چاہئے۔ مرزاصاحب کی طرف سے، وہی معمولی جواب۔

مولوی صاحب: پبلک کی رائے پر آپ کیوں فیصلہ نہیں کرتے۔

حواریین: مرزاصاحب پبلک آپ کے ساتھ ہے۔

صاحب بہادر: (مرزاصاحب سے مخاطب ہوکر) آپ مسیح موعود ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو ثبوت پیش کریں۔ فرض کروکہ مسیح مرگئے تو اس حالت میں سب لوگ برابر ہیں۔ آپ کو کیا زیادہ حق ہے کہ مسیح سمجھا جائے۔ بہرصورت آپ کو اپنے دعویٰ کا ثبوت دینا ضرور ہے۔ مرزاصاحب کی طرف سے کچھ جواب نہ ملا۔

مولوی صاحب: (بآواز بلند) صاحبو خاموش ہم ہر مسئلہ میں گفتگو کے لئے تیار ہیں۔ آپ کے پاس اگر کوئی شرعی برہان ہے تو لائیے (بہت بلند آواز سے ''**ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین**''

غلام قادر صاحب: (صاحب بہادر سے مخاطب ہوکر) دیکھئے صاحب یہ لوگ کو سناتے ہیں۔

صاحب بہادر: کیوں نہ سنائیں۔

خواجہ محمد یوسف: (وکیل علی گڑھ منجانب مرزاصاحب، مولوی صاحب سے مخاطب ہوکر) حضرت ایک شخص مسلمان ہوتا ہے۔ کیوں اسے مسلمان نہیں کرتے۔

مولوی صاحب: اگر توبہ کرے ہمارا بھائی ہے۔

خواجہ صاحب: میں ابھی ان سے توبہ لکھوائے لیتا ہوں۔ وہ لکھ دیں گے کہ جو کچھ قرآن وحدیث کے خلاف میں نے لکھا ہے وہ مردود ہے اور میں مسلمان ہوں۔

مولوی صاحب: اگر وہ بغیر کسی مغالطہ کے ایسا لکھیں تو ہم ابھی منظور کرتے ہیں۔

مرزاصاحب: توبہ نامہ لکھنے لگے۔ مگر ویسا ہی لکھا جیسا کہ ۱۲؍اکتوبر۱۸۹۱ء کے اشتہار میں شائع کرچکے ہیں۔

مولوی صاحب: یہ تو مرزاصاحب پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ لکھنا تو یہ چاہئے کہ جو عقائد خلاف اہل اسلام میں نے فتح اسلام، توضیح مرام، ازالہ اوہام میں

لکھے ہیں ان سے توبہ کرتا ہوں۔

خواجہ صاحب: مرزا صاحب نے کوئی امر خلاف اہل اسلام نہیں لکھا۔ مگر سمجھنے کا فرق ہے۔

مولوی صاحب: اچھا مرزا صاحب! اس میں گفتگو کر لیں کہ ان کے عقائد خلاف قرآن وحدیث ہیں یا نہیں؟ ہم ابھی ان کی کتابیں پیش کرتے ہیں۔

مرزا صاحب: ہم گفتگو نہیں کرتے۔

اراکین جلسہ: یہ جلسہ اس لئے ہوا ہے کہ آپ اپنے عقائد کا ثبوت بیان کریں۔ مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب تسلیم کریں یا بحلف ان کا خلاف قرآن وحدیث ہونا بیان کریں تو آپ توبہ کریں۔

مرزا صاحب: ہم صرف حیات وممات مسیح میں تحریری ثبوت چاہتے ہیں اور کوئی گفتگو نہیں کرتے۔

اراکین جلسہ: یہ مجمع تحریروں کے لئے منعقد نہیں ہوا۔ یہ کام تو گھر بیٹھے بھی ہو رہے ہیں۔ جب آپ ثبوت دعویٰ نہیں بیان کرتے تو خلقت کو رخصت کر دینا چاہئے۔ آخر میں جناب نواب سعید الدین احمد خان صاحب نے اراکین جلسہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اچھا کچھ نہیں تو مرزا صاحب صرف ممات مسیح میں اپنے دلائل پیش کریں۔

مرزا صاحب: ہم تو صرف مولانا صاحب سے تحریری ثبوت چاہتے ہیں۔

اراکین جلسہ: اگر آپ گفتگو اور فیصلہ کرنا چاہتے ہیں تو مولانا صاحب اور ان کے تلامذہ تیار ہیں۔ خلاف مقصود تحریروں کے لئے جلسہ نہیں ہے۔

خواجہ صاحب: (پبلک کی طرف مخاطب ہو کر) میں مرزا صاحب کی ایک تحریر سناتا ہوں۔

مولوی صاحب: آپ اس بات کا مجاز نہیں رکھتے۔

خواجہ صاحب: (کھڑے ہو کر) آپ نہ بولیں۔ میں سناؤں گا۔

مولوی صاحب: آپ سنائیں ہم ہر ہر جملہ کا رد کریں گے۔

صاحب بہادر: (خواجہ صاحب کو روک دیا) آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ پھر صاحب بہادر نے مولوی عبدالمجید صاحب سے مخاطب ہو کر کہا آپ لوگوں سے پکار کر کہہ دیں کہ رخصت، سب لوگ جاؤ۔ مرزا صاحب گفتگو نہیں کرتے۔

مولوی صاحب: صاحبو! جلسہ برخاست۔ مرزا صاحب اپنے دعوؤں کا ثبوت نہیں بیان کرتے۔

صاحب بہادر: مولوی نذیر حسین صاحب سے بھی کہہ دیجئے کہ جلسہ برخاست۔

مولوی صاحب: انسپکٹر صاحب نے جناب مولانا صاحب کے پاس آ کر بھی یہی کہہ دیا کہ جلسہ برخاست۔ مرزا صاحب گفتگو نہیں کرتے۔

اس کے بعد صاحب بہادر وانسپکٹر صاحب نے مرزا صاحب سے کہا کہ تشریف لے چلئے۔ اب بیٹھنا بیکار ہے۔ مرزا صاحب اس کو بسا غنیمت سمجھے اور مع حواریین کے جلدی سے کھڑے ہو گئے۔ صاحب بہادر نے مرزا صاحب کو پولیس مینوں کی حفاظت میں ان کی گاڑی تک پہنچا دیا۔ جامع مسجد سے گاڑی تک جس ہیئت وشان سے مرزا صاحب پہنچے ہیں اس کا نقشہ اے ناظرین میں آپ کو کیونکر دکھاؤں۔ مرزا صاحب کی اس وقت عجیب قابل دید کیفیت تھی۔ فی الجملہ اس شعر سے آپ اندازہ کر لیں۔

اڑاتا خاک سر پر جھومتا مستانہ آتا ہے عجائب چال سے ظالم ترا مستانہ آتا ہے

مرزا صاحب کے چہرے پر ہلدی کھنڈی ہوئی تھی۔ ہوائیاں چھوٹ رہی تھیں۔ شرم سے سرنگوں، عرق میں غرق۔ تمام اعضاء میں رعشہ۔ از پا تا فرق پیر رکھتے کہیں تھے پڑتا کہیں تھا۔ دونوں طرف حواری سہارا لگائے ہوئے آگے آگے سٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب بہادر اور انسپکٹر صاحب پولیس چاروں طرف پولیس مینوں کا ایک حلقہ۔ دورویہ راہ میں تماشائی زمانہ اور ہر شخص کی زبان حال مرزا صاحب کے مناسب حال یہ ترانہ۔

کیا یہی تھی طمطراق اور ادّعائے دستگار کیا اسی برتے پر تھی اس برقعہ پوش کی پکار

لو کہاں یہ اور جناب شیخ عالم دین پناہ شان مولیٰ یہ بساط اور اہل حق سے ہمسری

اس تحریر میں جو یہ ذکر ہوا ہے اگر آپ گفتگو اور فیصلہ کرنا چاہتے ہیں تو مولانا صاحب اوران کے تلامذہ تیار ہیں۔ اس پر حاشیہ میں یہ لکھا ہے: ''مولوی عبدالمجید صاحب تو وہاں موجود ہی تھے۔ نواب سید سلطان مرزا صاحب نے مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب کا بھی ہاتھ پکڑ کر آگے کیا کہ لیجئے اسی مسئلہ میں گفتگو کیجئے۔ مرزا صاحب نے انکار کیا۔'' ہم اس کی اس قدر تشریح کرنا چاہتے ہیں کہ نواب سید سلطان مرزا صاحب، جناب میاں صاحب کے پاس آئے اور خواستگار ہوئے کہ آپ اپنے شاگرد کو مباحثہ کے لئے میرے ساتھ بھیج

دیں اور پھر حسب الحکم حضرت شیخ الکل، خاکسار کا ہاتھ لے کر کادیانی کی مجلس میں پہنچے اور باآواز بلند فرمانے لگے کہ مرزا صاحب آپ کو مناظرہ کا دعویٰ ہے تو لیجئے یہ مولوی صاحب حاضر ہیں۔ ان سے مباحثہ کرلیں۔ کادیانی کہاں تھے کہ بولتے اور مباحثہ کی طرف رجوع کرتے۔ وہ خاکسار (مولانا محمد حسین بٹالوی) کی صورت دیکھتے ہی سرد ہوگئے اور بھی زرد پڑ گئے اور مباحثہ سے انکاری ہوئے۔ اس انکار کا آپ کے حواری نے سیالکوٹ گزٹ مطبوعہ ۱۴ر نومبر ۱۸۹۱ء میں بایں الفاظ اقرار کیا ہے کہ: ''بٹالوی صاحب آئے کہ اس مسئلہ (وفات مسیح) پر بحث میں کرتا ہوں۔ ہم نے صاف کہہ دیا کہ اس وقت آپ مخاطب نہیں ہیں۔ شیخ الکل صاحب بحث کریں۔ چنانچہ وہ اپنا سامنہ لے کر واپس چلے گئے''۔

اس ہزیمت وشکست جامع مسجد کے بعد آپ نے مولوی محمد بشیر صاحب سے جو حسب استدعاء کادیانی بھوپال سے مباحثہ کے لئے آئے تھے گفتگو کی ٹھہرائی تو آپ نے خط ۲۲ر اکتوبر ۱۸۹۱ء میں ان سے یہ شرط کر لی کہ اس جلسہ میں ابوسعید محمد حسین اور مولوی عبدالمجید شامل نہ ہوں۔ پھر چندروز ان سے گفتگو کر کے اس کو ناتمام چھوڑا اور رات کے تین بجے پنجاب کا قصد کیا۔ اثناء راہ میں پٹیالہ جانے کا آپ کو اتفاق ہوا تو وہاں مولوی محمد اسحاق صاحب پروفیسر عربی مہندر کالج نے آپ کو جا پکڑا اور خوب رگڑا اور رگیدا۔ جس کی مفصل کیفیت لدھیانہ میں چھپ کر شائع ہونے والی ہے۔

پھر لدھیانہ میں آپ کا ورود ہوا تو وہاں میر عباس علی صاحب نے جو آپ کے سب سے پہلے حواری تھے آپ کو سخت ملزم کیا اور مختصر گفتگو کر کے لاجواب کر دیا۔ جس کی مفصل کیفیت مطبع دبدبہ اقبال ربی لدھیانہ میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ یہ متعدد شکستیں اور ہزیمتیں پا کر آپ افسردہ وپژمردہ ہو کر کادیان میں پہنچے تو چاروں طرف سے نعرہ لعنت وملامت آپ پر بلند ہونے لگا اور آپ کی ہزیمت وشکست کا شہرہ عام ہوگیا اور اس سے آپ پر ہموم وافکار کا غلبہ ہوا تو اس غم کو غلط کرنے اور اس شہرت وبدنامی کو حواریوں کی نظر میں کم کرنے کی غرض سے آپ نے یہ آسمانی فیصلہ لکھ مارا۔ جس میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ صرف وہی پرانی باتیں ہیں جو شروع زمانہ دعویٰ الہام سے آپ کہتے چلے آئے ہیں۔ فرق ہے تو اتنا ہے کہ ان کا پیرایہ بدلا گیا ہے۔ اس فیصلہ کو قبل از اشتہار سنانے کے لئے آپ نے کادیان میں جلسہ کیا اور اس میں اپنے مخلص خلیفوں کو جن میں اکثر کہ ہیڈ یا شیرازہ حکیم نورالدین جمونی ہیں، بلایا اور وہ فیصلہ

پڑھ سنایا اور اس کے ذریعہ سے بہت سارو پیہ بھی وصول کیا اور کچھ غم غلط ہوا۔

افسوس! حاضرین جلسہ مذکور میں برطبق: ''الیس منکم رجل رشید'' ایک شخص بھی ایسا نہ نکلا جس نے یہ سمجھا ہو کہ اس فیصلہ میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ وہی پرانی باتیں ہیں جو مدت سے لکھی جاتی ہیں بلکہ سب نے کادیانی کے مسمریزم کی نگاہ سے مفتون ہو کر اس فیصلہ کو ایک نیا شگوفہ سمجھ لیا اور اس کو شائع کرنے کا مشورہ دیا۔ اس فیصلہ کا جو حال ہے ناظرین کو اس کے جواب پڑھنے سے معلوم ہوگا۔

اس مقام میں دو باتیں اور اس کے متعلق کہنی ضروری ہیں۔ اوّل یہ کہ اس فیصلہ میں پچھلے مباحثات میں کادیانی نے اپنی فیروزی وفتح مندی ظاہر کر کے آئندہ مباحثہ کرنے کا بھی دعویٰ کیا تھا۔ فیصلہ میں تو صرف شیخ الکل کا نام درج کیا۔ مگر زبانی جلسہ فیصلہ میں اور اس سے آگے پیچھے خاکسار کا نام بھی لیا اور اپنا مباحث بنانا چاہا۔ اس بات کو سکنائے بٹالہ اور اس کے اطراف موضع سیکھوان نے بیان کیا ہے جس پر لاہور وامرتسر وغیرہ شہروں میں یہ چرچا پھیل گیا کہ کادیانی صاحب اب لاہور میں آویں گے اور مباحثہ کریں گے۔ چرچا سن کر یہ خاکسار جو کادیانی کے شکار کرنے کا عادی اور کمال درجہ کا شائق ہے۔ اپنے وطن بٹالہ سے لاہور آپہنچا اور مباحثہ کے لئے مستعد ہو بیٹھا۔ خدا خدا کر کے کادیانی صاحب اوائل فروری میں لاہور تشریف لائے اور منشی میران بخش صاحب میونسپل کمشنر کی کوٹھی میں فروکش ہوئے۔ ان کے آنے سے دوسرے ہی دن خاکسار کا پیام مباحثہ پہنچا تو آپ نے اور آپ کے حواریوں نے انکار کیا۔ مگر آپ کی اس بہادری کو دیکھو کہ اس انکار پر بھی آپ نے دوسری مجلسوں میں دعویٰ مباحثہ نہ چھوڑا۔ جس پر ایک نوٹس مباحثہ خاکسار اور تین دیگر علماء شہر لاہور کی طرف سے آپ کے پاس بھیجا گیا۔ وہ نوٹس آپ نے نہ لیا تو چھپوا کر آپ کے دروازہ پر چسپاں کیا گیا۔ پھر تو آپ نے قیام لاہور کو موجب موت وہلاکت سمجھا اور مالک مکان سے کرایہ جو پیشگی دے چکے تھے واپس لے کر اسی نوٹس کے دن رات کے نو بجے سیالکوٹ کا راستہ لیا۔ وہاں جا کر بھی پرائیویٹ جلسوں میں مباحثہ کا دعویٰ نہ چھوڑا تو وہاں نوٹس نمبر۲ آپ کے نام ۱۷ر فروری ۱۸۹۲ء کو بھیج کر ۲۲ تاریخ تک جواب کا انتظار کیا۔ جواب نہ آیا تو یہ خاکسار حسب درخواست رؤساء وسکنائے سیالکوٹ وہاں پہنچا۔ نوٹس کے پہنچنے کے دن سے آپ کو یہ الہام ہو چکا تھا کہ اب سیالکوٹ سے کوچ کرنا مناسب ہے۔ خاکسار کے پہنچنے پر تو وہ الہام

قطعی واجب العمل ہوگیا اور آپ نے رات کی ٹرین میں وہاں سے کوچ کیا۔ روانگی سے پیشتر معزز اشخاص کا ڈپیوٹیشن جن میں غلام حیدر خان صاحب برشتہ دار ضلع کا نام اس وقت یاد نہیں ان کے پاس پہنچا اور انہوں نے کادیانی صاحب کو مباحثہ کے لئے بہت کہا۔ مگر انہوں نے اس عذر سے انکار کیا کہ ابوسعید محمد حسین میری تکفیر کا فتویٰ دے چکے ہیں اور مجھے گالیاں دیتے ہیں۔ میں ان سے بحث نہیں کرتا۔

ہر چند لوگوں نے اس عذر کا یہ جواب دیا کہ آپ کی تکفیر کا فتویٰ جو لکھا گیا ہے اس میں مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب نے اپنی خاص رائے کو درج نہیں کیا اور وہ فتویٰ ہنوز عام میں مشتہر نہیں ہوا اور جن گالیوں کا آپ اندیشہ کرتے ہیں ان کا مجلس مناظرہ میں صدور ہو تو اس پر فی گالی سو روپیہ جرمانہ دینے کو وہ حاضر ہیں۔ مگر پھر بھی انہوں نے مباحثہ منظور نہ کیا۔ ملک قطب الدین خان صاحب بہادر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر سیالکوٹ نے لوکل حکام سے اجازت لے کر مباحثہ کی یہ تجویز نکالی تھی کہ فریقین جدا جدا بیٹھیں اور اپنا سوال وجواب بذریعہ تحریر پیش کریں۔ جس کا مناسب ومطابق مطلوب ہونا ایک وکیلوں کی جماعت دیکھے اور درصورت غیر مطابقت راقم کو واپس دے اور اس کو الزام یافتہ قرار دے اور اس تجویز سے خاکسار کے سیالکوٹ پہنچنے سے پہلے کادیانی نے بھی رضامندی ظاہر کی تھی۔ مگر وہ اس عاجز کے پہنچنے کے بعد انہوں نے رضامندی سے انکار کیا اور بوریا باندھا اٹھایا اور کوچ بولا۔ ایک سبب جلد کوچ کرنے کا کادیانی نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ ہمارے دیر کرنے سے ہماری زمین خراب ہو رہی ہے۔ مگر جب آپ نے کوچ کیا تو کپورتھلہ کا راستہ لیا۔ جہاں ان کی کوئی زمین نہیں ہے وہاں بھی خاکسار کا ایک اشتہار موسوم بدعا نامہ جس میں کپورتھلہ پہنچ کر آپ سے مباحثہ کرنے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ آپ کے پاس بھیجا گیا۔ وہاں ادھر سے یہ اشتہار پہنچ گیا اور ادھر علمائے کپورتھلہ اور اس کے قرب وجوار مولوی نظام الدین صاحب ومولوی عبدالقادر صاحب وغیرہ نے آپ کو جا پکڑا۔ جس کی کیفیت اشتہار کپورتھلہ میں چھپ کر شائع ہوئی ہے تو آپ نے معمولی راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ جالندھر کا قصد کیا۔ جالندھر کے بعض احباب نے کادیانی کے مقابلہ کے لئے خاکسار کو بلایا تو یہ عاجز بشرط منظوری مباحثہ از جانب کادیانی جالندھر جانے کو تیار رہا۔ مگر جالندھر سے ایک خط مرسلہ ماسٹر فتح الدین خان صاحب وحاجی بدرالدین صاحب اس مضمون کا پہنچا کہ وہ آپ کے ساتھ گفتگو کرنے سے صاف انکار کرتا

ہے۔اب یہ امر پنجاب کے مشہور شہروں میں زبان زد عامہ خلائق ہے کہ کادیانی کو مولوی ابوسعید محمد حسین کے ساتھ مباحثہ کرنے سے صاف اور قطعی انکار ہے۔اس سے ناظرین اہل انصاف یقین کر سکتے ہیں کہ اس فیصلہ آسمانی اور اپنے بیان زبانی میں اس کا دعویٰ مباحثہ صرف ابلہ فریبی اور طفل تسلی ہے اور حقیقت میں اس کو مباحثہ منظور نہیں۔

دوسرے ایک بات اس مقام لائق اطلاع عامہ ناظرین یہ ہے کہ مباحثہ میں اس نے پہلے دن سے یہ شرط قائم کر رکھی ہے کہ مباحثہ تحریری ہو نہ تقریری اور تحریری بھی اس طرز سے کہ آپ جو جی میں آوے اور جس قدر جی چاہے اور جتنے وقت میں ہو لکھتے جاویں۔کوئی اس سے مزاحمت نہ کرے اور بوقت قرأت تحریر والا بھی اس پر کوئی ایک کلمہ تک منہ سے نہ نکالے اور اس مجلس میں کوئی منصف بھی نہ ہو جو اپنے منصب کے موافق اس تحریر پر کوئی اعتراض کر سکے اور پرچے بھی محدود ہوں اور مباحثہ کا بند کرنا آپ ہی کے اختیار سے ہو۔اس شرط سے کس وناکس بشرطیکہ عقل انسانی کا کوئی حصہ رکھتا ہو سمجھ سکتا ہے کہ اس شرط سے آپ کا مقصود صرف یہ ہے کہ آپ جو چاہیں لایعنی اور فضول باتیں کہتے جائیں اور فریق ثانی فضول گوئی سے تنگ آ کر مباحثہ ترک کرے اور اس مجلس میں آپ کا نام ہو جاوے کہ آپ نے اتنے اوراق لکھے اور اتنی دیر تک بولتے رہے اور باوجود عدم مداخلت علوم رسمیہ کئی دن تک فلاں عالم سے مباحثہ کرتے رہے اور اس سے آپ کی شہرت ہو۔یہ مقصود آپ کا ہرگز نہیں کہ کسی مسئلہ میں حق ظاہر ہو یا علمی تحقیقات سے لوگوں کو نفع پہنچے۔

ایک شرط آپ نے مباحثہ لدھیانہ میں زک اٹھا کر یہ قائم کر رکھی ہے کہ مبحث مقصود سے پہلے تمہیدی امور اصول موضوعہ پیش نہ ہوں۔جس سے آپ کا مقصود یہ ہے کہ آپ کی فضول گوئی وآزادی کو کوئی مانع نہ ہو۔جس حدیث یا اجماع یا دلیل عقلی یا قاعدہ اصول یا صرف یا نحو یا معانی وبیان کو آپ چاہیں۔دلیل مانیں جس کو نہ چاہیں اس کو دلیل ہونے سے خارج کریں اور جس آیت اور حدیث کے جو معنی چاہیں اختیار کریں۔جس معنی کو چاہیں رد کریں۔ماضی سے مضارع مراد لیں اور مضارع سے ماضی۔حقیقت کو مجاز ٹھہراویں اور مجاز کو حقیقت۔وعلیٰ ھذا القیاس!

بناء علیہ طالب حق کو بغرض وامید احقاق حق آپ سے مناظرہ کرنا عبث اور محض فضول ہے۔کوئی ان سے مباحثہ کرنا چاہے تو اس کو یہ امید قطع کر کے صرف اس غرض سے

مباحثہ کرنا چاہئے کہ وہ اس کو ملزم کرے اور اس کے علم و دیانت و حق طلبی کی قلعی کھولے۔ اسی غرض سے یہ عاجز مدت سے اس کے تعاقب میں ہے اور اپنے دوسرے اسلامی بھائیوں کو بنظر خیر خواہی یہ کہنا مناسب سمجھتا ہے کہ اس خدمت کو اسی عاجز کے سپرد کر دیں اور خود اس سے سبکدوش ہو رہیں۔ خاکسار اس کے الزام اور افحام کے طریق و انداز سے بخوبی واقف ہو چکا ہے۔ اس لئے وہ اپنے سب بھائیوں کی طرف سے کافی ہے۔

یہ دعویٰ مباحثہ کے متعلق واجب الغرض امور تھے جو بیان کئے گئے اور فیصلہ آسمانی کا شان نزول بتایا گیا۔ اس فیصلہ کا اصل حال اس کے جواب سے بخوبی ظاہر ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

کادیانیؑ کے آسمانی فیصلہ کی ترامیم اور اس کی مسلمانی کے تصفیہ کے لئے آسان تجویز باتقویم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. اما بعد!

مرزا غلام احمد کادیانی نے اپنے مسلمان ہونے اور الزام کفر و الحاد زندقہ و ارتداد سے جو اتفاق رائے علمائے پنجاب و ہندوستان سے اس پر قائم ہوا ہے اپنے بری ہونے کے لئے جو آسمانی فیصلہ مشتہر کیا ہے وہ عدل و انصاف پر مبنی نہیں بلکہ ترمیم کے لائق ہے۔ اس فیصلہ کے دو حصے ہیں جو سولہ صفحہ میں پورے ہوئے ہیں۔

پہلا حصہ (جو آٹھ صفحہ میں ہے) محض سب و شتم لعن وطعن کا مجموعہ ہے۔ جس کی چند تمثیلات بطور مشتے نمونہ خروار یہ الفاظ و فقرات ہیں جو کادیانی نے ایک آل رسول لخت جگر بتول حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب محدث دہلوی اور اس خاکسار راقم ترمیم کے حق میں استعمال کئے ہیں۔

۱...... اوّل الکافرین وہی ٹھہرائے گئے ہیں۔ (آسمانی فیصلہ ص۳، خزائن ج۴ ص۳۱۱)

۲...... دیانت و تقویٰ بالکل ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ (آسمانی فیصلہ ص۳، خزائن ج۴ ص۳۱۲)

۳...... کنارہ کشی کی ذلت۔

۴...... اوباشانہ لاف و گزافؐ۔ (آسمانی فیصلہ ص۵، خزائن ج۴ ص۳۱۶)

۵...... ان کی مفسدانہ اوراوباشانہ باتیں سن چکا ہوں۔

(آسمانی فیصلہ ص۵، خزائن ج۴ ص۳۱۶)

۶...... ایسے رسوا ہوں گے۔ (آسمانی فیصلہ ص۵، خزائن ج۴ ص۳۱۶)

۷...... سخت صدمہ خجالت وشرمندگی کا پہنچ گیا۔ (آسمانی فیصلہ ص۳، خزائن ج۴ ص۳۱۲)

۸...... سراسر خیانت وبددیانتی۔ (آسمانی فیصلہ ص۳، خزائن ج۴ ص۳۱۲)

۹...... بڑی ذلت کے ساتھ ہمیشہ کے لئے شکست۔ (آسمانی فیصلہ ص۳، خزائن ج۴ ص۳۱۲)

۱۰...... چوہڑوں اور چماروں کے بھی کان کاٹے۔ (آسمانی فیصلہ ص۳، خزائن ج۴ ص۳۱۲)

۱۱...... یہ کیسی سفلہ پن کی باتیں ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے مہذب ڈوم اور نقال مین تھوڑا بہت حیاء کو کام میں لاتے ہیں اور پشتون کے سفلے بھی ایسی کمینگی اور شیخی سے بھرا ہوا بکترا اپنے حقیقت شناس کے سامنے زبان پر نہیں لاتے۔

(آسمانی فیصلہ ص۷، خزائن ج۴ ص۳۲۰)

۱۲...... اس کی کھوپڑی میں ایک کیڑا ہے جس کو ضرور ایک دن خداتعالیٰ نکال دے گا۔

(آسمانی فیصلہ ص۷، خزائن ج۴ ص۳۲۰)

۱۳...... فرعونی رنگ کے تکبر سے۔ (آسمانی فیصلہ ص۷، خزائن ج۴ ص۳۲۰)

۱۴...... منہ کو لگام دیوے۔ (آسمانی فیصلہ ص۷، خزائن ج۴ ص۳۲۰)

۱۵...... یہ کیا شرارت اور بے حیائی کا بیان ہے۔ (آسمانی فیصلہ ص۷، خزائن ج۴ ص۳۲۰)

۱۶...... میں ان سفلے ملاؤں کو سراسر بے بصیرت سمجھتا ہوں اور بخدا ایک مرے ہوئے کیڑے کے برابر میں انہیں خیال نہیں کرتا۔ (آسمانی فیصلہ ص۸، خزائن ج۴ ص۳۲۱)

۱۷...... میں ان کی گندی گالیوں (گندی اورنجاست بھری گالیوں کی ایک تو مثال دی ہوتی) اور نجاست بھری ہوئی باتوں سے ترسان ہوا۔ (آسمانی فیصلہ ص۸، خزائن ج۴ ص۳۲۱)

۱۸...... ہمیشہ شرفا بدگفتار لوگوں سے ڈرا کرتے ہیں اور مہذب لوگ گندی زبان والوں سے پرہیز کر جاتے ہیں۔ شریف از سفلہ نمے ترسد بلکہ از سفلگی اوے ترسد۔

(آسمانی فیصلہ ص۸، خزائن ج۴ ص۳۲۱)

۱۹...... پردہ دری کرے۔ (آسمانی فیصلہ ص۸، خزائن ج۴ ص۳۲۱)

۲۰...... بٹالوی کو ایک مجنون درندہ کی طرح تکفیر اور لعنت کی جھاگ منہ سے نکالنے کے لئے چھوڑ دیا۔
۲۱...... محض شرارت کی راہ سے کہتے ہیں۔
۲۲...... تکفیر کی شیطانی منصوبوں سے باز آجائیں۔

اس قسم کے اور بہت سے الفاظ سب وشتم آپ نے زبان درافشان سے نکال کر قلم اعجاز رقم کے حوالے کئے ہیں۔ اس درافشانی کی آپ نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ اس کے مخالفوں نے اس کو کافر وملحد دجال وکذاب کہا ہے اور بٹالوی نے جامع مسجد دہلی میں اس کو فحش گالیاں دیں اور پھلور کے اسٹیشن پر اس کے لئے کتے کی موت تجویز کی۔ پھر آپ فرماتے ہیں: ''اس لئے مجھے مقابلہ نے کسی قدر درشت الفاظ پر مجبور کیا۔ ورنہ میری فطرت اس سے دور ہے کہ کوئی تلخ بات منہ پر لاؤں۔'' (آسمانی فیصلہ ص۷، خزائن ج۴ ص۳۲۰)

یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ: ''میں گالیوں کے عوض میں گالیاں نہیں دینا چاہتا اور نہ کچھ کہنا چاہتا ہوں۔'' (آسمانی فیصلہ ص۷، خزائن ج۴ ص۳۲۰)

جس سے صاف ثابت ہے کہ جس قدر گالیاں آپ کے دماغ میں جمع ہیں ان کے مقابلہ میں یہ گالیاں جو آپ قلم میں لاچکے ہیں کچھ مقدار نہیں رکھتیں۔ گویا یہ گالیاں ہی نہیں ہیں بلکہ یہ آپ کے مسیحی اخلاق اور جمالی صفات کا نمونہ ہیں۔

فریق ثانی کا اس کے مقابلہ میں یہ عذر وجواب ہے کہ انہوں نے نہ تو جامع مسجد دہلی میں فحش گالیاں دیں اور نہ پھلور اسٹیشن پر کادیانی کے لئے کتے کی موت تجویز کی۔ اس بیان میں کادیانی نے افتراء کیا اور اپنی عادت قدیم کذب سے کام لیا ہے۔ ہاں! دجال وکذاب وملحد وکافر اوران معنی کے اور الفاظ وہ اس کے حق میں ضرور کہتے ہیں۔ مگر اس میں وہ ایک امر واقعی اور حکم شرعی کا اظہار وبیان کرتے ہیں جس کے امر واقعی اور حکم شرعی ہونے پر علمائے پنجاب اور ہندوستان ان سے اتفاق رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان کا فتویٰ بحق کادیانی جو عنقریب شائع ہونے والا ہے اس بیان پر شاہد عدل ہے اور ایک امر واقعی کے اظہار وبیان کا گالی نہ ہونا کادیانی نے خود تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ آپ نے (ازالہ ص۱۲،۱۳، خزائن ج۳ ص۱۰۸،۱۰۹) میں اس نے کہا ہے: ''پہلی نکتہ چینی اس عاجز کی نسبت یہ کی گئی ہے کہ اپنی تالیفات میں اپنے مخالفین کی نسبت سخت الفاظ استعمال کئے ہیں۔ جس سے مشتعل ہوکر مخالفین

نے اللہ جل شانہ اور رسول کریم ﷺ کی بے ادبی کی اور پر دشنام تالیفات شائع کر دیں۔ قرآن شریف میں صریح حکم وارد ہے کہ مخالفین کے معبودوں کو سب اور شتم سے یاد مت کرو تاوہ بھی بے سمجھی اور کینہ سے خدا تعالیٰ کی نسبت سب وشتم کے ساتھ زبان نہ کھولیں۔ لیکن اس جگہ برخلاف طریق ماموریہ کے سب وشتم سے کام لیا گیا۔

اما الجواب پس واضح ہو کہ اس نکتہ چینی میں معترض صاحب نے وہ الفاظ بیان نہیں فرمائے جو اس عاجز نے بزعم ان کے اپنی تالیفات میں استعمال کئے ہیں اور درحقیقت سب وشتم میں داخل ہیں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے میں نے ایک لفظ بھی ایسا استعمال نہیں کیا جس کو دشنام دہی کہا جائے۔ بڑے دھوکہ کی بات یہ ہے کہ اکثر لوگ دشنام دہی اور بیان واقع کو ایک صورت میں سمجھ لیتے ہیں اور ان دونوں مختلف مفہوموں میں فرق کرنا نہیں جانتے بلکہ ایسی ہر ایک بات کو جو دراصل ایک امر واقعی کا اظہار ہو اور اپنے محل پر چسپاں ہو محض اس کی کسی قدر مرارت کی وجہ سے جو حق گوئی کے لازم حال ہوا کرتی ہے دشنام دہی تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ دشنام اور سب وشتم فقط اس مفہوم کا نام ہے جو خلاف واقعہ اور دروغ کے طور پر محض آزار رسانی کی غرض سے استعمال کیا جاوے اور اگر ہر یک سخت اور آزاردہ تقریر کو محض بوجہ اس کی مرارت اور تلخی اور ایزارسانی کے دشنام کے مفہوم میں داخل کر سکتے ہیں۔ تو پھر اقرار کرنا پڑے گا کہ سارا قرآن شریف گالیوں سے پر ہے۔

پھر جب ص۳۶ تک آپ نے اس اجمال کی تفصیل کی اور بزعم خود قرآن سے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ امور واقعہ کا بیان گالی نہیں کہلاتا۔ بناء علیہ ہذا آپ کو کافر ودجال وکذاب وملحد وامثال ذلک کہنا ہرگز گالی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ باتفاق علمائے ہندوستان وپنجاب یہ ایک امر واقعی کا بیان ہے۔ ہاں! آپ کا اپنے مخالفوں کو اس فیصلہ میں ''کافر'' اور ''اوّل الکافرین'' کہنا یا بے حیا وبے دیانت قرار دینا آپ کے اصول واقرار کے موافق گالی ہے۔ کیونکہ آپ اپنی تحریرات میں ان لوگوں کی نیک نیتی کی تعریف کر چکے ہیں اور اس خلاف کو جو آپ سے وہ ظاہر کر رہے ہیں ایک خطاء اجتہادی سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے آپ ان کے مقابلہ میں مباہلہ کرنے اور لعنت کہنے پر مستعد نہیں ہوتے۔

کادیانی کے اس حصہ فیصلہ کو جس میں اس نے گالیوں کی بوچھاڑ کی ہے۔ راقم ترمیم غلط اور لائق ترمیم سمجھتا ہے۔ مگر بجائے اس کے یہ تجویز مناسب نہیں سمجھتا کہ ان گالیوں

کے بدلے اس کو گالیاں دے اور اپنے اس فیصلہ کے پرچے کو پکڑ گاہ بنادے۔’’ولیس ذٰلک له بخلق بحمد الله ‘‘یہ اس کی کبھی عادت نہیں ہوئی۔ اس نے چودہ سال (زمانہ اشاعۃ پرچہ) میں کبھی کسی کو گالی کا جواب گالی سے نہیں دیا اور نہ گالی سے ابتداء کیا ہے۔ پہلے اس کا علاّتی بھائیوں، حنفیوں سے تخاطب رہا تو ان کی سخت گوئی کے جواب میں اس نے یہ شعر پیش کیا۔

بدم گفتی وخور سندم عفاک اللہ نکو گفتی جواب تلخ مے زیبد لعل شکر خارا

پھر ایک مدت تک نیچر کو مذہب جاننے والوں سے اس کا مقابلہ رہا تو اس میں بھی اس بیت پر اس کا عمل رہا۔

دشنام خلق راند ہم جز دعای جواب ابرم کہ تلخ گیرم شیریں عوض دہم

اب ایک عرصہ سے وہ اپنے عینی بھائیوں اہل حدیث سے مخاطب ہے تو ان سے بھی برا سنتا ہے اور اچھا کہتا ہے اور’’ادفع بالتی ھی احسن ‘‘پر کاربند ہے۔ پھر وہ کادیانی کی گالیوں کا مقابلہ گالیوں سے کیونکر کرے اور اپنی فطرت اور عادت قدیم کو کیونکر بدل سکے۔

ہاں! بجائے اس کے ایک اور تجویز مناسب اس کے خیال میں آئی ہوئی ہے جس کے فکر میں وہ اس وقت سے مصروف ہے جب کہ کادیانی نے اشتہار ۱۷؍اکتوبر ۱۸۹۱ء (مجموعہ اشتہارات ج۱ ص۲۴۱-۲۴۹) میں اس کے شیخ اور شیخ الکل کی جناب میں گستاخی کی تھی اور اس سے پیشتر اپنے بھوپالی حواری محمد احسن امروہی سے تبرابازی کرائی تھی۔ مگر اس کی تعمیل کا ابھی وقت نہیں آیا۔ وہ وقت آ گیا تو کادیانی کی بدزبانی کا کافی علاج ہو جائے گا اور اس فساد کا پورا انسداد عمل میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

دوسرے حصہ میں کادیانی نے اپنے کفر وایمان کے لئے ایک معیار تجویز کیا اور اس معیار سے اپنے مؤمن ہونے اور کافر وملحد نہ ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس فیصلہ کو اس نے بحسب عادت قدیم تطویل بلاطائل اور بغرض تلبیس وتغلیط مخاطب طولانی اور پیچیدہ عبارات میں تحریر کیا ہے۔ جس کو پورا اور بعینہٖ نقل کرنا نہ صرف فضول بلکہ مخل مطلوب ہے۔ لہٰذا اس مقام میں اس کا خلاصہ مطلب بیان کر کے اس کی ترمیم اور بجائے اس کی آسان تجویز باتقویم بیان کی جاتی ہے۔

خلاصہ فیصلہ کادیانی یہ ہے کہ مؤمن وکافر کا امتحان بحکم قرآن چار علامتوں سے ہوتا ہے۔

اوّل: بشارات سے یعنی مؤمن کو اس کی مرادات اور اس کے دوستوں کے مطلوبات قبل از وقوع بتائے جاتے ہیں۔

دوم: اطلاع مغیبات یعنی مؤمنوں کو دنیا کے واقعات متعلقہ غیر پر قبل از وقوع اطلاع دی جاتی ہے۔

سوم: قبولیت دعوات یعنی مؤمن کی اکثر دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

چہارم: کشف عجائبات قرآن یعنی مؤمن کو قرآن کے ایسے عجائبات معارف دقائق سوجھائے جاتے ہیں جو پہلے کسی مسلمان مفسر صحابی یا تابعی یا امام کو نہ سوجھے ہوں اور کسی اسلامی کتاب تفسیر میں بیان نہ ہوئے ہوں۔ (خلاصہ آسمانی فیصلہ ص۹، خزائن ج۴ ص۳۱۳)

ان چہارگانہ علامات ایمان وآلات امتحان میں کادیانی نے ازراہ دوراندیشی ایک قید واستثناء بھی لگادی اور یہ بات کھول کر کہہ دی ہے کہ یہ علامات اکثری ہیں کلی نہیں ہیں اور بعض اوقات یہ علامات مؤمن میں پائی نہیں جاتی بلکہ اس کے مقابل کافر میں پائی جاتی ہیں۔ بعض بشارتیں مؤمن کو نہیں ملتی۔ کافر کو مل جاتی ہیں۔ بعض واقعات آئندہ مؤمن پر نہیں کھلتی کافر پر کھلتی ہیں۔ بعض دعائیں مؤمن کی اس وجہ سے کہ تقدیر مبرم میں ان کی عدم قبولیت لکھی گئی ہے قبول نہیں ہوتیں کافر کی ہوجاتی ہیں۔ بعض اوقات مؤمن پر قرآن کے عجائبات نہیں کھلتے۔

یہ قید واستثناء آپ نے اس غرض سے لگائی ہے کہ جن بے شمار اشخاص کے لئے آپ دعائیں کر چکے اور ان کے عوض میں ان سے ہزارہا روپیہ لے کر ہضم کر گئے ہیں چنانچہ (فتح الاسلام ص۴۹، خزائن ج۳ ص۴۹) میں اس امر کے اقراری ہوئے ہیں اور اب تک وہ لوگ مطلب کو نہیں پہنچے اور آپ کی دعاؤں سے فائدہ نہیں پائے وہ اس قاعدہ امتحان کو سن کر کہیں چونک نہ پڑیں اور اپنے حق میں آپ کی دعاؤں کے مقبول نہ ہونے سے آپ کو کافر سمجھ کر واپسی روپیہ کے خواستگار نہ ہوجائیں اور چاروں طرف سے دیوانی نالشوں کے نوٹس نہ پہنچنے لگیں۔ ان کا منہ اس استثناء سے بند کردیا اور ان کو یہ سمجھا دیا کہ ان کی قسمت اور تقدیر مبرم میں حصول مراد مقدر نہ تھا۔ اس لئے ان کے حق میں آپ کی دعاؤں کا اثر نہ ہوا۔ یہ ان کی قسمت کا قصور ہے نہ آپ کی دعاؤں کا۔

ازانجملہ ایک ہمارے شہر لاہور کے معزز رئیس اور ہمارے مہربان دوست سردار بہادر رسالدار پنشنر ہیں جن سے ان کے گھر میں بیٹا پیدا ہونے کے لئے دعاء کے وعدہ وامید پر آپ نے پانچ سوروپیہ یکمشت اور کئی رقمیں متفرق اپنے ایک دلال (جو اہل حدیث کہلاتے اور آمین بالجہر اور رفع یدین کرتے ہیں اور اس جامہ کے پردہ میں لوگوں کو پر اعتبار جما کر ان کا صدہا روپیہ کادیانی کے خزانہ میں جمع کراچکے ہیں) کے ذریعہ سے وصول کی ہیں۔ وازاں جملہ بعض متعلقین نواب محمد ابراہیم علی خان صاحب والئی ریاست مالیرکوٹلہ ہیں جن سے دعاء صحت نواب صاحب کے وعدہ وامید پر آپ نے پانچ سوروپیہ وصول کئے مگر وہ اب تک صحت یاب نہ ہوئے۔ وازاں جملہ ہمارے ایک دوست مولوی جلال الدین صاحب ساکن پیرکوٹ علاقہ حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ ہیں جو مرض نزول الماء سے نابینا ہوکر کئی بار کادیان میں ماحضر لے کر حاضر ہوئے اور اب تک اس مرض سے صحت یاب نہیں ہوئے اور اگر وہ کسی ڈاکٹر کے پاس جاکر آپریشن کراتے تو غالباً اچھے ہوجاتے۔’’وقس علٰی ھذا‘‘

اس قاعدہ سے کادیانی نے اپنے اور اپنے مخالفوں کے ایمان کے امتحان کی یہ تجویز کی ہے کہ لاہور میں ایک بڑی انجمن (جنرل کمیٹی) قائم ہو جس کے ممبر کادیانی کے مخالفین بھی ہوسکتے ہیں۔ اگر وہ درخوست کریں ورنہ صرف کادیانی کے حوارین وموافقین کافی ہیں اور اس کمیٹی کے برانچ (شاخیں) دور دراز ملکوں (مثلاً مدراس، بمبئی، کلکتہ وغیرہ) میں مقرر ہوں۔ وہ کمیٹی یا کمیٹیاں دفتر ورجسٹر بنادیں۔ اس دفتر میں کادیانی اور اس کے مخالف مولوی اپنی اپنی تحریرات متضمنہ بشارات وپیشین گوئی ہائے متعلقہ واقعات باثبات شہادات چارکس اہل اسلام ایک سال کے عرصہ تک بھیجتے رہیں اور کمیٹی ان تحریرات کے مطالب کو اپنے رجسٹروں میں درج کر کے ان تحریرات کی رسیدیں باثبات دستخط تمام ممبران یا کم سے کم پانچ اشخاص کے فریقین کو دیتے رہیں اور ان تحریرات کے نتیجہ کے ظہور پر اس کو اپنے رجسٹروں میں درج کرے اور اس پر جملہ ممبران یا پانچ ممبر اپنے دستخط ثبت کیا کریں۔ ایک سال کے بعد وہ کمیٹی فریقین کے سامنے ان کی بشارات اور پیشین گوئیوں کے نتائج کا موازنہ ومقابلہ کرے۔ پس جس فریق کی جانب کثرت ہو یعنی اس کی بشارتیں اور پیشین گوئیاں فریق مقابل کی نسبت زیادہ سچ نکلیں اس کو مؤمن کامل تصور کیا جائے۔

وہی کمیٹی یا (کمیٹیاں) اہل حاجات مختلف مذاہب اور مختلف مصائب میں مبتلاء (مثلاً کوہڑی، اندھے، لنگڑے یا کسی سخت سزا عبور دریا شور یا پھانسی کے حکم یافتہ یا اپنے پیارے مفقود الخبر کے غمزدہ یا لاولد ہونے کی مصیبت میں مبتلا) لوگوں کو اشہارات کے ذریعہ سے (جن کو آپ کے مخلص حواری میاں غلام قادر صاحب ایڈیٹر مالک پنجاب گزٹ سیالکوٹ مفت چھاپ دیں گے) طلب کر کے اکٹھا کریں۔ (یہاں دو باتیں آپ بیان کرنا بھول گئے) اوّل یہ کہ اگر اشہار واذن عام کو دیکھ کر ہزاروں کوہڑی جمع ہونے کو تیار ہو جائیں گے تو ان کی سکونت کے لئے کوہڑ خانہ لاہور میں میوہسپتال کے قریب یا اور کہیں بنوانا پڑے گا یا خود کمیٹی کو قصبہ ترنتارن ضلع امرتسر پنجاب میں جہاں کوہڑی بکثرت رہتے ہیں جا کر ایک مدت تک کوہڑیوں کے ساتھ رہنا ہوگا۔

امر دوم کہ ان کوہڑیوں کا اگر وہ لاہور میں جمع ہونا چاہیں گے خرچ خوراک کون دے گا۔ کیا وہی میاں غلام قادر یا ان کے ہم زلف آپ کے پہلے اور بڑے حواری حکیم نورالدین جن کے ہاتھ میں خزانۂ ریاست جموں کا ایک حصہ ہے یا یہ خرچ ان بے چارے مولویوں پر جو کادیانی کے مخالف ہیں ڈالا جائے گا۔ شاید ان دونوں امر کی نسبت آپ کو کچھ الہام نہیں ہوا۔ قافیہ الہام تنگ ہوگیا تھا۔ تب ہی ان کے بیان سے تعرض نہیں کیا) اور ان سب اہل مصائب کی درخواستیں لے کر ایک صندوق میں (اس صندوق کی نسبت بھی یہ الہامی بیان نہیں ہوا کہ وہ کراماتی صندوق (تابوت سکینہ) ہوگا یا معمولی دیسی یا ولایتی لکڑی کا یا لوہے کا اور اس کا خرچ (اگر ولایتی لوہے کا ہو) کس پر پڑے گا۔ شاید اس کا خرچ آپ کے تیسرے حواری میاں عبدالکریم سیالکوٹی اپنے ذمہ لیں گے۔ کیونکہ ان کو اس صندوق سے خصوصیت کے ساتھ ذاتی جسمانی فائدہ پہنچنے کی توقع ہوسکتی ہے) جمع کرتی رہے اور ان سب کے نام بقید ولدیت وسکونت وپیشہ ومذہب ونوع مصیبت کمیٹی اپنے رجسٹروں میں درج کرے اور ایک مہینہ کی یا جس قدر مدت کے بعد کمیٹی مناسب سمجھے درخواست کنندگان اہل مصائب کی دوفردیں بناوے اور ان کو قرعہ اندازی کے ذریعہ سے کادیانی اور اس کے مخالف مولویوں میں تقسیم کردے۔ جس فریق کے حصہ میں جس فرد کے اہل مصائب آویں روز تقسیم سے ایک سال تک وہ فریق ان کے حق میں دعا کرتا رہے۔ پھر جس فریق کی دعا سے کثرت سے لوگ اچھے ہوں وہ فریق مؤمن کامل تصور کیا جائے۔

اس کمیٹی کے سامنے کادیانی اور مخالف مولوی قرآن شریف کے ایسے عجائبات معانی بیان کریں جو پہلے کسی کتاب تفسیر میں بیان نہ ہوں۔ یعنی پہلے کسی مسلمان کو نہ سوجھے ہوں۔ پس جس فریق کے بیان کردہ معارف کمیٹی کے جلسہ میں صحیح وخالی از تکلف ثابت ہوں وہ مؤمن کامل اور صاحب علم لدنی سمجھا جائے۔

اس امتحان میں مقابلہ کی وجہ کادیانی نے یہ بتائی ہے کہ اگر وہ یکطرفہ نشان دکھائے گا تو اس کے مخالف مولویوں کو اعتبار نہ آئے گا اور عام لوگ چونکہ مولویوں کے تابع ہوتے ہیں لہٰذا وہ بھی ان نشانوں کو نہ مانیں گے۔ پھر کہا ہے کہ ہاں! اگر مولوی لوگ وعدہ دیں کہ ہم کادیانی کا یکطرفہ نشان دیکھ کر اس کو مسلمان مان لیں گے تو یکطرفہ نشان دکھانے کو بھی آپ حاضر ہیں۔ اس فیصلہ کے دنبالہ میں کادیانی نے علمی مباحثہ کی طرف بھی اپنے مخالفوں کو بلایا اور یہ کہا ہے کہ میرے مخالف میرے دعوے وفات مسیح میں مجھ سے بحث نہ کر سکے اور اس بحث کو ناجائز شروط پیش کر کے ٹلا چکے تو میں نے یہ آسمانی گولہ چلایا ہے۔ وہ اب بھی لاہور میں اگر مجھ سے بحث کریں تو میں مباحثہ کے لئے بھی حاضر ہوں اور اس کے حواری اس پر یہ حاشیہ چڑھاتے پھرتے ہیں کہ حضرت کادیانی صرف اسی وجہ سے لاہور میں آئے ہیں کہ وہ مولوی ابوسعید محمد حسین سے ان کے بٹالہ چلے جانے سے پہلے بحث کریں۔ حضرت کادیانی کو ان کے بٹالہ چلے جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو آپ ابھی لاہور میں نہ آتے۔ کئی ضروریات ان کو اس سفر سے مانع تھی۔ ان کو ملتوی کر کے وہ لاہور میں اس غرض مباحثہ سے آئے ہیں۔

اس دنبالہ کے آخیر میں آپ نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ دعویٰ وفات مسیح میں قرآن اور حدیث آپ کے ساتھ ہے۔ قرآن میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ آنے والا مسیح حقیقی طور پر صلیب توڑے گا اور قتل خنازیر کا حکم دے گا اور اسلامی حکم جزیہ کو منسوخ کرے گا اور کتاب صحیح بخاری میں یہ نہیں لکھا کہ آنے والا مسیح ناصری بنی اسرائیلی ہوگا۔ بلکہ اس میں یہ لکھا ہے کہ وہ تم میں سے اور تمہارا ایک امام ہوگا اور لکھا ہے کہ حضرت مسیح وفات پاچکے ہیں۔ یہ آپ کے فیصلہ اور اس کے حواشی اور دنبالہ کا خلاصہ ہے۔

اب اس میں ترمیم اور بجائے اس کے فیصلہ کی آسان تجویز باتقویم پیش کی جاتی ہے۔ پس واضح ہو کہ یہ فیصلہ بوجوہ ذیل لائق نسخ وترمیم ہے۔

وجہ اوّل: یہ کہ قرآن مجید نے امتحان ایمان طریق یہ نہیں بتایا کہ مدعی ایمان کو ان چارگانہ علامتوں سے آزمایا جائے۔ ان میں اس کا نمبر کم رہے تو اس کو کافر تصور کیا جائے۔ بلکہ امتحان ایمان کے لئے آسمانی فیصلہ یہ ہے کہ آسمانی قرآن اور آسمانی وحی خفی حدیث نبوی پر مدعی ایمان کے اقوال وعقائد کو عرض کیا جائے۔ پس اگر وہ اقوال وعقائد قرآن وحدیث کے مطابق ہوں تو اس کو مؤمن تصور کیا جائے ورنہ کافر۔

سورۂ ممتحنہ میں ارشاد ہے: ’’**یاایھا الذین اٰمنوا اذا جائکم المؤمنات مھاجرات فامتحنوھن اللہ اعلم بایمانھن فان علمتوھن مؤمنات فلا ترجعوھن الی الکفار لاھن حل لھم ولاھم یحلون لھن واتوھم ما انفقوا** (ممتحنہ:۱۰) **یاایھا النبی اذا جآئک المؤمنات یبایعنک علی ان لا یشرکن باللہ شیئا ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن ولایأتین ببھتان یفترینہ بین ایدھن وارجلھن ولا یعصینک فی معروف فبایعھن الاٰیۃ** (ممتحنہ:۱۲) ‘‘تمہارے پاس مؤمن عورتیں ہجرت کر کے اویں تو (ان کے ایمان) کا امتحان کرو۔ خداتعالیٰ کو ان کے ایمان کا خوب علم ہے تم ان کو مؤمن جانو تو ان کو کافروں کی طرف نہ پھیرو۔ وہ ان کے لئے حلال نہیں اور نہ وہ ان کے لئے حلال ہیں اور ان (کافروں) کو (واپس) دو جو انہوں نے (مہر) دیا تھا۔

اور ارشاد ہے کہ اے نبی جب تیرے پاس مؤمن عورتیں اس پر بیعت کرنے کو آویں کہ وہ شرک نہ کریں گی چوری نہ کریں گی زنا نہ کریں گی اپنی اولاد قتل نہ کریں گی اور بہتان نہ لائیں گی اور کسی امر معروف (حکم شرعی) میں تیری نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت کرلے۔

اور صحیح بخاری میں عائشہؓ سے روایت ہے کہ: ’’**ان عائشۃ زوج النبی ﷺ اخبرتہ ان رسول اللہ ﷺ کان یمتحن من ھاجر الیہ من للمؤمنات بھذہ الاٰیۃ بقول اللہ یاایھا النبی اذا جائک المؤمنات یبایعنک الیٰ قولہ غفور رحیم قالت عائشۃ ممن اقر بھذا الشرط من المؤمنات قال لھا رسول اللہ ﷺ قد بایعتک کلاما** (صحیح بخاری ص۷۲۶) ‘‘

آنحضرت ﷺ ہجرت کرنے والی عورتوں کا امتحان ایمان خداتعالیٰ کے اس قول سے جس

میں شرک وغیرہ گناہ نہ کرنے کا اقرار لیا گیا ہے کرتے۔ پھر جو عورت اقرار کرتی اس کو فرمادیتے کہ میں نے تجھ سے بیعت لی۔

تفسیر فتح البیان وغیرہ میں لکھا ہے کہ: ''اختلف فیما کان یمتحنھن بہ فقیل کان یستحلفن باللّٰہ ما خرجن من بغض زوج ولا رغبۃ من ارض الیٰ ارض ولا لا لتماس دین بل حبا للّٰہ ولرسولہ ورغبۃ فی دینہ فاذا حلفت کذلک اعطی النبی ﷺ زوجھا مھرھا وما انفق علیھا ولم یردھا الیہ...... وقیل الامتحان ھو ان تشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وان محمدا رسول اللّٰہ فاذا علموا ان ذلک حق منھن لم یرجعن الیٰ الکفار وأعطی بعلھا فی الکفار الذین عقدلھم رسول اللّٰہ ﷺ صداقھا الذی اصدقھا واحلھن للمؤمنین اذا اتوھن اجورھن قالہ ابن عباس وقیل ماکان لا امتحان الابان یتلوا علیھن رسول اللّٰہ ﷺ الاٰیۃ وھی یاایھا النبی اذا جائک المؤمنات الیٰ اٰخرھا (فتح البیان ج۹ ص۲۹۸)'' اس امتحان کی تفسیر میں بعض علماء کا یہ قول ہے کہ آنحضرت ﷺ ان مہاجر عورتوں کو قسم دے کر پوچھتے کہ وہ خاوند سے ناخوش ہوکر اور ہرایک جگہ سے دوسری جگہ کو پسند کر کے تو نہیں آئیں بلکہ محض خدا رسول ﷺ کی محبت اور دین اسلام میں رغبت کے لئے آئی ہیں۔ جب وہ اس پر قسم کھالیتیں تو آنحضرت ﷺ ان کو کافر شوہروں کی طرف نہ پھیرتے اور ان کے مہر ان کو واپس دیتے اور بعض کا قول یہ ہے کہ امتحان یوں ہوا تھا کہ وہ کلمہ شہادت پڑھتیں جب اس کلمہ سے معلوم ہوتا کہ وہ مسلمان ہیں تو آنحضرت ﷺ ان کو واپس نہ کرتے بلکہ ان کے مہر واپس کردیتے۔ بعض کا یہ قول ہے کہ امتحان صرف اس طرح ہوا تھا کہ آپ ان کے سامنے وہ آیت قرآن جس میں شرک وغیرہ گناہ نہ کرنے کا اقرار ہے پڑھ دیتے۔

یہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ اور اقوال علماء امت محمدیہ بالاتفاق ناطق ہیں کہ امتحان ایمان کے لئے آسمانی اور قرآنی فیصلہ وہی ہے جو اوپر بیان ہوا ہے کہ مدعی ایمان کے اقوال اعتقادات کو قرآن وحدیث پر عرض کیا جائے نہ یہ کہ علامات چہارگانہ مجوزہ کادیانی سے اس کو آزمایا جائے۔ کادیانی نے علامات مذکورہ سے امتحان کرنے کو قرآنی فیصلہ قرار دینے میں نہ صرف انصاف کا خلاف کیا بلکہ خدا اور قرآن پر صریح افتراء کیا ہے۔ قرآن میں اس کی تجویز کا کہیں نام ونشان نہیں ہے۔

اب کادیانی اپنے اس افتراء سے تائب ہو اور امتحان وایمان کا محک ومعیار قرآن وحدیث سید الابرار کو تسلیم کر کے قرآن وحدیث سے اپنا مسلمان ہونا ثابت کرے۔ ہر چند کادیانی نے زبان سے کلمہ شہادت پڑھتا اور منہ سے یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ قرآن وحدیث میں جو امور ایمان قرار دیئے گئے ہیں میں ان کو مانتا ہوں۔ ولیکن چونکہ اس کی تصنیفات میں اس اقرار کے مخالف صریح انکار پایا جاتا ہے۔ لہٰذا اس کا صرف کلمہ شہادت پڑھنا اور زبان سے امور ایمان کو تسلیم کرنا لائق اعتبار نہیں اور یہ اس تسلیم واقرار کی مانند ہے جو منافقین زمانۂ حضرت رسالت ﷺ سے وقوع میں آیا اور قرآن مجید نے اس کو صحیح ومعتبر نہیں سمجھا۔

چنانچہ آیت منقولہ حاشیہ میں بیان ہوا ہے کہ: ''**اذا جآئک المنٰفقون قالوا نشهد انک لرسول اللّٰه واللّٰه یعلم انک لرسوله واللّٰه یشهد ان المنٰفقین لکٰذبون** (منافقون:۱)'' جب منافق تمہارے پاس (اے رسول مقبول) آتے ہیں تو یہ کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ خدا کے رسول ہیں۔ یہ بات خداتعالیٰ بھی جانتا ہے (مگر) خدا گواہی دیتا ہے کہ منافق (اس گواہی دینے میں) جھوٹے ہیں وہ جو کہتے ہیں دل سے نہیں کہتے۔

بناءً علیہ کادیانی کو لازم ہے کہ اگر اس کا یہ اقرار اور کلمہ پڑھنا دل سے ہے تو وہ اپنے اس انکار سے رجوع مشتہر کرے اور ان کتابوں کے (جن میں وہ انکار پایا جاتا ہے) پڑھنے سے لوگوں کو روک دے یا مجمع علماء میں حاضر ہو کر اس انکار کے ایسے معنی بتادے جو اس اقرار سے موافق ومطابق ہوسکیں۔

وجہ دوم یہ کہ صورت مجوزہ کادیانی سے ایمان کا امتحان بعض اوقات اور بعض حالات میں بحکم عقل ناممکن ہے جس کے عدم امکان پر قرآن کی شہادت بھی موجود ہے کیونکہ صورت مجوزہ کادیانی سے آسمانی نشان کے ظاہر ہونے میں کادیانی نے بعض اوقات وحالات کی استثناء لگادی اور یہ بات بتصریح کہہ دی ہے کہ بعض اوقات مؤمن کو بشارتیں نہیں ملتیں اور اس پر واقعات آئندہ اور معارف قرآنی نہیں کھلتے اور دعاء کی نسبت تو اس نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ: ''جو تقدیر حقیقی اور واقعی طور پر مبرم ہو وہ مؤمن کامل کی دعاؤں سے ہرگز نہیں بدلتی۔ اگرچہ مؤمن کامل نبی یا رسول کا رتبہ رکھتا ہو۔'' (آسمانی فیصلہ ص۱۱، خزائن ج۴ ص۳۲۷ مفہوم)

اوراس استثناء سے حالت مقابلہ کی استثناء کہیں ثابت نہیں۔ یعنی یہ بات قرآن وحدیث میں کہیں نہ آئی کہ اگر مؤمن کامل کسی کافر یا مؤمن ناقص کے مقابلہ میں آسمانی نشان دکھانا چاہے گا تو اس حالت وصورت میں نشان دکھانے کا قاعدہ کلیہ اور دائمی رہے گا اوراس استثناء کا جس کو بعض حالات میں کادیانی نے تسلیم وتجویز کیا ہے اس میں دخل نہ ہوگا بلکہ قرآن مجید سے اس کا خلاف ثابت ہے اور بعض اوقات عین مقابلہ کی حالت میں نشان دکھانے سے انکار ثابت ہوا ہے۔ اگرچہ اکثر اوقات مقابلہ کے وقت نشان دکھانا بھی قرآن سے ثابت ہے۔

مقابلہ کی حالت میں نشان دکھانے کی تمثیلات کی نقل تفصیلی اس مقام میں ضروری نہیں ہے کیونکہ فریقین کو اس پر اتفاق ہے اور وہ تمثیلات شہرۂ آفاق ہیں جیسے مشرکین مکہ کے مقابلہ میں آنحضرت ﷺ کا چاند کو دوٹکڑے کر دکھانا اور بدر کی لڑائی میں آنحضرت ﷺ کی دعاء سے فرشتوں کا نازل ہونا اور آنحضرت ﷺ کے ایک کف دست مٹی اور سنگریزہ پھینکنے سے تمام مشرکین کی آنکھوں اور نتھنوں کا خاک اور کنکروں سے پر ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔

اس مقام میں ایک ایسی مثال کی تفصیل کی جاتی ہے جس میں آنحضرت ﷺ کا مشرکین کے مقابلہ کے لئے آسمانی نشان چاہنا اور اس پر نشان دکھانے سے انکار پایا جانا ثابت ہے۔ سورۂ انعام میں ارشاد ہے کہ: ’’**وان کان کبر علیک اعراضهم فاٰن استطعت ان تبتغی نفقا فی الارض اوسلما فی السماء فتاتیهم باٰیة ولو شاء الله لجمعهم علیٰ الهدی فلا تکونن من الجاهلین** (انعام:۳۵)‘‘ اگر تجھ پر (اے رسول مقبول) مشرکین مکہ کا (اسلام سے) منہ پھیرنا ناگوار ہو تو اگر تجھے زمین میں سرنگ نکال کر یا آسمان میں سیڑھی لگا کر کوئی نشان (جو وہ چاہیں) دکھانے کی طاقت ہے تو ان کو نشان لادے۔ خداتعالیٰ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر اکٹھا کر دیتا تو اس حرص یا سوال سے نادان نہ ہو جائیو۔

تفسیر معالم میں لکھا ہے کہ: ’’**وکان رسول الله ﷺ یحرص علی ایمان قوم اشد الحرص وکانوا اذا سألوا اٰیة احب ان یرنیهم الله تعالیٰ ذلک طمعافی ایمانهم فقال الله عزوجل فان استطعت الاٰیة** (معالم ص۳۰۸)‘‘ آنحضرت ﷺ کو اپنی قوم کے مؤمن ہو جانے کی کمال حرص تھی۔ وہ جب کوئی نشانی مانگتے تو آپ خداتعالیٰ سے چاہتے کہ وہ ان کو نشان دکھاوے۔ اس طمع سے کہ وہ لوگ مؤمن ہو

جائیں۔جس پر خدا تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا۔
بیضاوی میں آخر آیۃ کی تفسیر میں لکھا ہے:’’من الجاهلين بالحرص على ما لا يكون (بیضاوی ص ۲۵۳) ‘‘جو امر نہ ہو اس کی حرص سے نادان نہ ہو۔
اس قسم کی آیات قرآن مجید میں اور بھی ہیں جن میں مقابلہ کی حالت میں انبیاء سابقین اور آنحضرت ﷺ کا نشان دکھانے سے انکار کرنا پایا جاتا ہے۔
کادیانی نے جو مقابلہ کی حالت میں نشان ظاہر ہونے کو ضروری اور لازمی قرار دیا اور اس کو اپنے استثناء سے مستثنیٰ کر دیا ہے تو اس پر اس نے دو آیات قرآن سے تمسک کیا ہے۔ایک وہ آیت:’’ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين ‘‘ جس کا اس نے یہ ترجمہ کیا ہے:’’اے مؤمنو مقابلہ سے ہمت نہ ہارو اور کچھ اندیشہ مت کرو اورانجام کار غلبہ تمہیں کا ہے اگر واقعی طور پر مؤمن ہو۔‘‘
دوسری وہ آیت: جس کا ترجمہ اس نے بایں الفاظ کیا ہے کہ:’’خدا تعالیٰ ہرگز کافروں کو مومنوں پر راہ نہیں دے گا۔‘‘ مگر اس میں اس نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا ہے اور آیات کا مطلب غلط بتایا ہے۔ان آیات میں ہر وقت اور عام حالات میں مسلمانوں کو کافروں پر ظاہری اور دم نقد غلبہ دینے کا وعدہ نہیں دیا گیا بلکہ پہلی آیت میں تو ایک خاص موقع جنگ احد کے بعد جنگ بدر صغریٰ کی تیاری پر یہ وعدہ دیا گیا تھا۔
چنانچہ پہلی آیت کی تفسیر میں معالم میں لکھا ہے کہ:’’نزلت هذه الآية بعد احدٍ حين امر النبی ﷺ اصحابه لطلب القوم بعد ما اصابهم الجرح فاشتد ذلک على المسلمين فانزل هذه الاية (معالم) ‘‘اس آیت کا نزول جنگ احد کے بعد ہوا جب آنحضرت ﷺ نے اپنے اصحاب کو ابوسفیان کے مقابلہ کا ان کے زخمی ہو جانے کے بعد حکم دیا تھا اور وہ حکم ان پر گراں گزرا تھا۔تب خدا تعالیٰ نے اس آیت کو اتارا۔
اور دوسری آیت میں نہ تو خاص کر کے آسمانی نشان دکھانے سے غلبہ کا وعدہ دیا گیا ہے اور نہ ہر ایک وقت اور ہر ایک حالت میں مسلمانوں پر کافروں کو راہ دینے کا وعدہ ہے۔ اسی عدم عموم حالات کی وجہ سے اس آیت کی تفسیر میں صحابہ کا اختلاف رہا ہے:’’قال علی فی الاخرة وقال عكرمة عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ای حجة وقيل ظهورا على اصحاب النبی ﷺ (معالم ص ۳۵۹) ‘‘حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ آخرت

میں خدا کافروں کو مومنوں پر راہ نہ دے گا۔ حضرت ابن عباس ؓ نے کہا ہے کافر دلائل سے (جو اکثر آسمانی نشان کے سوا بھی ہوتے ہیں) مسلمانوں پر غالب نہ آئیں گے۔

بعض کا قول ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے اصحاب پر غالب نہ ہوں گے۔ یہ تفسیر معالم کا بیان ہے۔ ایسا ہی بیضاوی میں لکھا ہے اور اس میں تخصیص آخرت پر آیۃ کے سیاق کو دلیل سمجھ کر کہا ہے: ’’**فاللّٰہ یحکم بینکم یوم القیمۃ ولن یجعل اللّٰہ للکافرین علی المؤمنین سبیلاً حینئذٍ** (النساء:۱۴۱)‘‘ ﴿پس خدا تعالیٰ تم میں قیامت کے دن فیصلہ کرے گا اور خدا تعالیٰ کافروں کو مؤمنوں پر اس دن راہ نہ دے گا۔﴾ اور ان آیات سے کسی مسلمان سلف یا خلف نے یہ نہیں سمجھا کہ ان میں مؤمنوں کو کافروں پر ہر حالت اور ہر وقت میں غلبہ دینے کا وعدہ دیا گیا ہے اور واقعہ اور مشاہدہ کی شہادت بھی اس کے برخلاف ہے۔ ہم صاف دیکھتے ہیں کہ بارہا مسلمانوں کا کافروں سے مقابلہ ہوا اور بظاہر کافروں نے غلبہ پایا۔ عام مسلمانوں کا ذکر ہے خاص انبیاء پر بعض کافروں نے غلبہ پایا اور ان کو شہید کیا۔ دیکھو قرآن میں ’’**وقتلهم الانبیاء بغیر حق** (النساء:۱۵۵)‘‘ کادیانی نے بھی دل سے ان آیات کا یہ مطلب نہیں سمجھا جو یہاں بیان کرتا ہے۔ وہ خود یہ مطلب سمجھتا ہے تو کیوں دلیری کے ساتھ بلاحراست پولیس وحفاظت حوارین کبھی میدان میں نہیں نکلتا۔

دہلی میں چاندنی چوک کے جلسہ عام اہل اسلام میں نہ آیا اور اس نے صاف اور صریح الفاظ کے ساتھ یہ عذر لکھ بھیجا کہ: ’’اس جوش کی حالت میں کسی مفسدہ کا اندیشہ ہے۔ ابھی ایک شخص مجھ کو کہہ گیا ہے کہ میں محض خیرخواہی کے رو سے کہتا ہوں کہ عوام کی نیت فساد پر ہے۔ لہٰذا یہ تجویز قرار پائی ہے کہ میرے دوست مولوی غلام قادر صاحب ڈپٹی کمشنر کے پاس جاکر آپ کی تحریر ذمہ داری سے اطلاع دے دیں اور یہ بھی التجاء درخواست کریں کہ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر اپنی طرف سے امن قائم کرنے کے لئے کچھ مدد کریں۔ بعد اطلاع ڈپٹی کمشنر آپ کو اطلاع دی جاوے گی۔‘‘

اور آپ نے (اشتہار ۱۷/اکتوبر ۱۸۹۱ء مجموعہ اشتہارت ج۱ ص۲۴۵) میں یہ مشتہر کیا ہے کہ عوام کے مفسدانہ حملوں نے جو ایک ناگہانی طور پر کئے گئے۔ اس دن مجھے حاضر ہونے سے روک دیا۔ صدہا لوگ اس بات کے گواہ ہیں کہ اس جلسہ کے عین وقت پر مفسد لوگوں کا اس قدر ہجوم میرے مکان پر ہو گیا کہ میں ان کی وحشیانہ حرکت دیکھ کر اوپر کے زنانہ مکان میں

چلا گیا۔ آخر وہ اس طرف آئے اور گھر کے کواڑ توڑنے لگے اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ بعض آدمی زنانہ مکان میں گھس آئے۔

ایسا ہی آپ نے تقریر مطبوع ۲۳؍اکتوبر ۱۸۹۱ء میں اور آپ کے حواری میاں غلام قادر نے سیالکوٹ گزٹ ۱۴؍نومبر میں مشتہر کیا ہے۔ اس واقعہ کے بعد جتنے دن آپ دہلی میں رہے اپنے گھر پر پولیس کا پہرہ رکھوایا اور جس دن دہلی سے کوچ کیا رات کے تین بجے ریلوے اسٹیشن کا راستہ لیا۔

لاہور میں آپ کا قدم آیا تو یہاں بھی اردگرد حواریوں کا پہرہ رکھوایا اور جس دن سے آپ کے ثانی اثنین مہدیؑ لاہوری نے سربازار آپ کی خدمت کی۔ اس دن سے تو آپ نے اکثر زنانخانہ میں (جو اسی غرض سے ساتھ رہتا ہے) خلوت اختیار کی اور بہت کم نیچے کے مکان مردانہ میں نشست فرمائی۔

پس اگر ان آیات کا وہی مطلب آپ کے دل میں ہوتا جو یہاں بیان کیا ہے تو یہ امر آپ سے وقوع میں نہ آتا۔ ناظرین! انصاف وایمان سے کہنا جس شخص کو خدا کی طرف سے مقابلہ کے وقت غلبہ کا وعدہ دیا جائے وہ خدا پر بھروسہ چھوڑ کر ڈپٹی کمشنر یا پولیس یا اور لوگوں کی پناہ لیتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

اور اگر کادیانی کو یہ دعویٰ ہے کہ ان آیات میں ظاہری وجسمانی مقابلہ کے وقت مؤمنوں کو غلبہ دینے کا وعدہ نہیں دیا گیا بلکہ باطنی اور روحانی کے مقابلہ کے وقت یہ وعدہ دیا گیا ہے تو وہ اس کا ثبوت پیش کرے اور نقل صحیح سے یہ بتاوے کہ جس موقع پر یہ آیات نازل ہوئی تھیں وہ ظاہری اور جسمانی مقابلہ کا موقع نہ تھا بلکہ باطنی اور روحانی مقابلہ کا موقع تھا۔ اس بات کا کادیانی ثبوت دے تو ہم سے ایک دلیل پر سو روپیہ انعام لے۔

ہرچند آیات (اگر عمومات ہوں) اپنے مواقع سے مخصوص نہیں ہوتیں۔ مگر یہ تو ضروری اور لازمی امر ہے کہ موقع نزول کو وہ شامل ہوتی ہیں اور یہ امر بالاتفاق ناممکن ہے کہ وہ اپنے معانی کی نظر سے موردنزول کو شامل نہ ہوسکیں۔ اس بیان سے صاف ثابت ہوا کہ مقابلہ کی صورت میں بھی ہروقت اور ہرحالت میں مؤمنوں کو غلبہ دینے اور آسمانی نشان دکھانے کا خدا کی طرف سے وعدہ نہیں دیا گیا بلکہ بعض اوقات عین مقابلہ کی حالت میں نشان دکھانے سے انکار پایا گیا ہے اور اس قاعدہ نشان نمائی میں جو استثناء کادیانی نے تجویز وتسلیم کی ہے اس سے حالت

مقابلہ مستثنٰی نہیں ہے۔ بناء علیہ ہذا صورت فیصلہ مجوزہ کادیانی سے بعض حالات میں فیصلہ ناممکن ہے۔ کیونکہ بحکم استثناء مجوزہ ومسلمہ کادیانی ممکن ہے کہ مقابلہ کے وقت دونوں فریق یا ایک فریق پر ایک مدت محدود تک (سال تمام کیوں نہ ہو) کسی بشارت یا پیشین گوئی یا عجائبات قرآنی کا انکشاف نہ ہو اور فریقین یا کسی ایک فریق کے فرد اہل حاجات ومصائب میں ایسے لوگ آجائیں جن کے حق میں تقدیر مبرم کا قلم چل چکا ہو اور ان کے حق میں کسی کی دعاء مقبول نہ ہو۔ اس حالت میں علامات چارگانہ مجوزہ کادیانی سے فریقین یا احد الفریقین کا کافر یا مؤمن ہونا ثابت نہ ہوسکے گا اور صورت مجوزہ کادیانی سے فیصلہ ممکن نہ ہوگا۔

وجہ سوم یہ کہ صورت فیصلہ مجوزہ کادیانی کا وقوع بحکم عادت بھی ناممکن ہے اور اس سے امتحان ایمان کادیانی متعذر رہے۔

ان مالی مشکلات کہ کوہڑی خانہ کی تیاری کے لئے روپیہ کون دے گا اور مفلس کوہڑیوں کا خرچ روزمرہ کا اگر وہ صدہا لاہور میں جمع ہوگئے کون ذمہ دار ہوگا اور اگر حکیم صاحب جموں کے خزانہ عامرہ کی نظر سے ان کو آسان تصور کیا جائے۔ تب بھی بڑی بھاری مشکل اس تجویز کی وقوع سے مانع یہ ہے کہ کمیٹی ممتحنہ کے ممبر اگر صرف حواریان کادیانی ہوں (جو روپیہ ملنے اور دو وقت مفت پلاؤ کھانے کے طمع سے بخوشی ممبر ہوسکتے ہیں) تو ان کے امتحان اور ایمان پر فریق ثانی اور عام مسلمانوں کو اعتبار نہ ہوگا اور اگر اس کمیٹی میں فریق ثانی کے اشخاص ممبر مقرر کئے جاویں تو یہ امر بخیال طوالت میعاد ایک سال کے ناممکن الوقوع ہے۔ وہ لوگ کادیانی کو اس کی ایسی دعاوی کی نظر سے جھوٹا اور فریبی جانتے ہیں اور خود آسمانی نشان کو دکھانے کے مدعی نہیں ہیں۔ پھر وہ کس امید پر اپنے کام کاج چھوڑ کر ایک سال تک اس کی نوکری میں لگ سکیں گے۔ اسی نظر سے کادیانی نے یہ کمیٹی تجویز کی ہے اور ایک سال ان کی نوکری اور حاضر باشی کی میعاد ٹھہرادی ہے۔ اس کو امر کا یقین حاصل ہے کہ ایک سال کی میعاد مقرر کرنے سے کوئی مسلمان اس کمیٹی میں شامل ہونا پسند نہ کرے گا اور اس قدر عرصہ تک ناحق وبلاضرورت اپنی اوقات کا خون کرنا روا نہ رکھے گا۔

یہ یقین اس کو ان اشتہارات کے جاری کرنے سے ہو چکا ہے جو سابقاً مخالفین اسلام کے مقابل میں ایک سال تک حاضری کی شرط پر آسمانی نشان دکھانے کے لئے اس نے جاری کئے تھے اور مخالفین ان اشتہارات کی طرف ملتفت نہ ہوئے۔ کسی نے اس کو فریبی اور

دھوکہ باز سمجھا۔ کسی نے دیوانہ قرار دیا اور اس نے اپنے احمق اتباع پر اس کا نتیجہ یہ ظاہر کیا کہ کوئی اس کا مقابلہ نہ ہوا اور میدان اس کے ہاتھ میں رہا۔ یہی نسخہ اس نے مسلمانوں سے پیچھا چھڑانے اور اپنے احمق اتباع کے سامنے ان پر اپنی فتح ظاہر کرنے کے لئے استعمال کرنا چاہا ہے۔ مگر دانا ہر فرقہ کے خوب سمجھتے ہیں کہ یہ اس کی فتح نہیں گریز ہے اور ایک ناممکن الوقوع امر کو شرط مقابلہ ٹھہرانا گریز کا ایک بہانہ ہے۔

بھلا اگر کادیانی کو کوئی یہ کہے کہ ایک سال کے عرصہ تک وہ اس کی خدمت میں حاضر ہے ایک سال کے بعد وہ اس کو خداتعالیٰ کی ظاہری آنکھوں سے زیارت کرادے گا یا اس کو پر لگا کر آسمان پر اڑا کر پہنچادے گا تو کیا کادیانی اس امید پر ایک سال تک اس کی خدمت میں رہنا منظور کرے گا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ پھر وہ مسلمانوں کو (جو اس کو محض فریبی سمجھتے ہیں اور اس سے صدور خوارق وکرامات کو ویسا ہی محال جانتے ہیں) کیوں ایسی بات کہتا ہے؟ ہاں! وہ میعاد نشان نمائی ہفتہ یا دو ہفتہ کردے تو مسلمان نہ اس امید پر کہ وہ نشان دکھا سکتا ہے بلکہ صرف اس خیال سے کہ وہ جھوٹا ہے۔ خدا اس کو جھوٹا کرے گا اور عام لوگوں پر اس کا فریب ظاہر کردے گا۔ اس قلیل مدت تک اپنی اوقات کو صرف کرسکتے ہیں۔ سال بھر تک تو وہ اپنی اوقات کو اس کی تکذیب کے لئے صرف کرنا ''کوہ کندن وگیاہ برآوردن'' کا مصداق سمجھتے ہیں اور اس سے آسان تدبیر تقریر وتحریر کے ذریعہ سے اس کا جھوٹا اور فریبی ہونا ظاہر کرسکتے ہیں۔ لہٰذا میعاد ایک سال کے لئے ان کا اس کمیٹی کا ممبر ہونا ناممکن الوقوع ہے۔

وجہ چہارم یہ کہ صورت مجوزہ کادیانی سے فیصلہ وقوع میں آ بھی جاوے تو وہ مشتبہ رہتا ہے۔ کیونکہ بعض علامات جس کو کادیانی آسمانی قرار دیتا ہے آسمانی نہیں بلکہ شیطانی یا انسانی ہونے کا احتمال رکھتی ہیں۔

وہ کشف واقعات آئندہ ہے جو بذریعہ علم نجوم ورمل وجفر اور حدس صائب اور قیافہ شناسی اور پولیٹکس بھی ہو جاتا ہے اور اس قسم کے واقعات کو بطور پیشین گوئی نجومی رملی وپولیٹیشن اشخاص اکثر بتاتے ہیں اور وہ اخباروں میں مشتہر ہوتے رہتے ہیں اور واقعی بھی نکلتے ہیں۔ بس اگر کادیانی (جو علم نجوم میں دخل رکھتا ہے (چنانچہ اس کی عبارات توضیح مرام منقول فتویٰ تکفیر کادیانی سے ظاہر ہوتا ہے) اور پولیٹیشن اور قیافہ شناس تو پورا ہے) ان علماء اسلام کے مقابلہ میں (جو رمل ونجوم کا علم نہیں رکھتے اور کادیانی کے برابر وہ قیافہ شناس اور

پولیٹیشن بھی نہیں ہیں) کچھ واقعات آئندہ بتادے جن کی مثل وہ علماء نہ بتاسکیں تو اس سے ان واقعات کے بیان کا آسمانی نشان ہونا کیونکر متیقن ہوسکتا ہے۔

وجہ پنجم یہ کہ بعض علامات مجوزہ کادیانی یقیناً آسمانی نہیں بلکہ شیطانی ہیں جن کی نظر سے اس فیصلہ کو یقیناً شیطانی کہہ سکتے ہیں۔ وہ آیات قرآن میں اس کی وہ تحریفات ہیں جن کو وہ معارف قرآنی کہتا ہے (جیسے کادیانی کے نزدیک لیلۃ القدر سے رات مراد نہ ہونا بلکہ ایک ظلمانی زمانہ جس کی ظلمت حد کمال تک پہنچ چکی ہو مراد ہونا۔ (۲) اور سجود آدم سے حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی طرف ملائکہ کا سجدہ مراد نہ ہونا بلکہ انسان کامل کی خدمت واطاعت مراد ہونا۔ (۳) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احیاء موتی وشفاء مرضٰی سے روحانی مردوں اور مریضوں کو ہدایت کرنا یا عمل مسمریزم کے ذریعہ سے اپنا خیالی اثر حیات وصحت ان پر ڈالنا اور خلق طیور سے کل وار کھلونے بنانا مراد ہونا وغیرہ وغیرہ) اور مسلمان ایسے معانی کے بیان کو تحریف وکفر والحاد وزندقہ وباطنیت سمجھتے ہیں اور اس پر وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ وہ معانی ظاہر نصوص کے (جو باتفاق اہل اسلام واجب الاعتقاد ہے) مخالف ہیں اور سلف صالحین صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین واکابر محدثین سے مروی وماثور نہیں۔ اس امر کا تو کادیانی خود فخر کے ساتھ مدعی ہے اور کہتا ہے کہ وہ معانی کسی کتاب تفسیر میں موجود نہ ہوں گے۔ لہٰذا وہ تحریفات بحکم حدیث ''**من احدث فی امرنا ھٰذا ما لیس منه فھو رد**'' (یعنی جو شخص ہمارے دین میں ایسی بات نکالے جو اس میں نہ ہو (یعنی قرون ثلثہ میں جن کی بہتری کی آنحضرت ﷺ نے شہادت دی ہے پائی نہ جاوے) وہ مردود ہے) مسلمانوں کے نزدیک لائق رد ہیں۔ پھر وہ ان تحریفات کو آسمانی نشان کیونکر مان لیں اور اس میں کادیانی کا مقابلہ کس طرح کریں۔ کادیانی کے مقابلہ میں وہ تھوڑی دیر کے لئے بھی کافر نہیں بن سکتے۔

وجہ ششم یہ کہ صورت فیصلہ مجوزہ کادیانی نہایت طوالت اور مہلت طلب ہے۔ ایک عرصہ انعقاد وتقرری کمیٹی ہائے مختلف ملکوں کے لئے چاہئے اور بعد انعقاد کمیٹی ہا اور شروع کارروائی پھر ایک سال انتظار نتائج دعاؤں اور پیشین گوئیوں کے لئے چاہئے۔ حالانکہ یہ کئی سالوں کی راہ ایک دن یا چند دنوں میں بآسانی طے ہوسکتی ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ وہی کمیٹی جو آئندہ دعاؤں اور پیشین گوئیوں کے نتائج اور قرآنی معارف کا امتحان کر کے کادیانی کو پاس کرے گی۔ کادیانی کی گزشتہ دعاؤں اور پیشین گوئیوں کے نتائج اور اس کے بیان

کردہ قرآنی معارف کا امتحان کرے۔ اس کمیٹی میں کادیانی کے مخالف مولوی بھی شامل ہوسکتے ہیں کیونکہ یہ صرف چند دنوں کا کام ہے اوراس میں ان کو بنظر کاذب اور مفتری ہونے کادیانی کے اور کذب ہونے اس کی پیشین گوئیوں کے اور کفر والحاد ہونے اس کے بیان کردہ معارف کے اپنی کامیابی کی کامل امید ہے۔

اس کمیٹی کے ممبر فریقین سے مساوی منتخب ہوں اوراس کا پریذیڈنٹ ایک نیوٹرل (ثالث غیرطرفدار) ہو۔ یہ کمیٹی کادیانی کی پچھلی دعاؤں اور پیشین گوئیوں کے نتائج اور قرآنی معارف کو درست اور صحیح اور آسمانی نشان قرار دے تو کادیانی کو مؤمن کامل تصور کیا جائے ورنہ کافر دروغ گو۔

پچھلی دعاء والوں میں شاید ان لوگوں کے نام بھی پیش ہوں جن کا ہزارہا روپیہ کادیانی صاحب کھا کر ہضم کر چکے ہیں اوران کے کام نہیں ہوئے اوران کی نسبت شاید وہ یہ عذر پیش کریں کہ ان کے حق میں تقدیر مبرم چل چکی تھی۔ اس لئے وہ کامیاب نہ ہوئے۔ لہٰذا ان کی جگہ چند نئے اہل حاجات (جن میں بعض کادیانی کے اتباع سے اعرج (لنگڑے) اعور (کانے) اوراحول (کج نگاہ) بھی شامل ہوں گے) پیش کئے جائیں گے۔ ان کی نسبت پہلے کادیانی صاحب الہام کی دوربین لگا کر لوح محفوظ یا عرش معلیٰ یا علیّین سے یہ دیکھ لیں کہ وہ تقدیر مبرم والے تونہیں۔ وہ ایسے نکلیں تو ان کی جگہ اور لوگوں کو منتخب کرے جو تقدیر مبرم کی لپیٹ میں نہ آئے ہوں اور پھران کے حق میں دعا کر کے ایک یا دو ہفتہ میں اس کا آخر کر دکھاوے اور اس کمیٹی سے اوراپنے تمام مخالفین سے اپنے مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ حاصل کرے۔

ہم سب[۸] مخالفین کادیانی اس کو وعدہ دیتے ہیں کہ اگر وہ غلبہ رائے کمیٹی سے اس امتحان میں پاس ہوگیا تو ہم یہ سمجھیں گے کہ وہ درحقیقت مدعی نبوت نہیں ہے۔ (گو[۹] اس کے الفاظ سے یہ دعوے قطعاً ثابت ہے) اوراس نظر سے وہ کافر نہیں۔ کیونکہ ہم لوگوں اہل سنت کا اصول واعتقاد ہے کہ متنبّی (جھوٹے مدعی نبوت) کے ہاتھ پر خوارق وکرامات کا ظاہر ہونا ممکن نہیں ہے۔ ومعہذا اگر کادیانی سے آسمانی نشانوں اور کرامتوں کا ظہور ہوا تو سمجھا جائے گا کہ وہ درحقیقت مدعی نبوت نہیں۔ صرف نادانی اور سادگی سے ایسے الفاظ جن سے دعویٰ نبوت ثابت ہے اس کی قلم سے نکل گئے ہیں۔ ہمارے اس وعدہ وتسلیم سے کادیانی کے یہ دونوں عذر کہ (۱) بعض اوقات تقدیر مبرم نشان دکھانے سے مانع ہوتی ہے۔ (۲) اور یکطرفہ نشان

دکھایا جائے تو مخالف مولوی اس کو نہ مانیں گے اور ان کے بہکانے سے عوام بھی اس کا اعتبار نہ کریں گے۔ نیز اٹھ گئے۔ اب تو وہ سر تسلیم جھکائے اور یکطرفہ آسمانی نشان دکھائے اور سالہا سال کی راہ ایک دن یا چند دنوں میں طے کرنا منظور کرے۔ وہ اس تسلیم کا خود اپنے فیصلے میں ہم سے طالب ہوا تھا۔ ہم نے اس کو منظور کرلیا ہے تو اب اس کو یکطرفہ نشان دکھانے سے کون ساعذر مانع ہے۔ بس اب میدان میں آئے اور نشان دکھائے اور روز کا قصہ طے کرے۔

یہ فیصلہ کادیانی کے نسخ وترمیم کے وجوہات ہیں۔ انہیں وجوہات کے ضمن میں اس فیصلہ کی جگہ جو آسان تجویز یا تقویم ہمارے خیال میں تھی وہ بیان ہوچکی ہے۔ وہ تجویز وہ آسمانی صورت فیصلہ ہے جو وجہ اوّل کے ضمن میں بیان ہوئی ہے کہ کادیانی اپنے اقوال واعتقادات کو آسمانی وحی جلی قرآن اور آسمانی وحی خفی حدیث نبوی پر مجمع علماء میں حاضر ہوکر پیش کرے اور اپنی زبانی اقرار کلمہ شہادت اور اظہار تسلیم امور ایمان مندرجہ حدیث وقرآن کو اپنی کتب وتصانیف کے انکار سے مطابق کر دکھائے۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کی مجالس اور بعض اشتہارات وتحریرات میں تو یہ اقرار کرتا ہے کہ (۱) میں ملائکہ کو نفوس فلکیہ اور ارواح کواکب نہیں سمجھتا۔ (۲) ان کے بذات خود زمین پر آنے سے انکاری نہیں ہوں۔ (۳) جبرائیل کا آنحضرت ﷺ کے پاس اصلی صورت میں چھ سو بازوؤں کے ساتھ آنا مانتا ہوں۔ نہ انبیاء کی خیالی صورت سے (۴) میں روح القدس روح الامین (جو انبیاء کے پاس آتا) ان کی اندرونی صفت محبت کے نتیجہ کو قرار نہیں دیتا۔ بلکہ جبرائیل فرشتہ کو سمجھتا ہوں جو آسمان سے اتر کر انبیاء کے پاس آتا تھا۔ ایک دفعہ جبرائیل آنحضرت ﷺ کے پاس آیا تو اس کے کئی سو پر تھے۔ (پھر حکیم صاحب جموں کو مخاطب ہوکر فرمایا) بھائی نوردین بتانا کتنے تھے؟ (حکیم صاحب نے جواب دیا) حضرت چھ سو تھے۔ (۵) میں تثلیث پاک تجویز نہیں کرتا۔ (۶) میں بطور استعارہ ابن اللہ (خدا کا بیٹا) نہیں کہلاتا۔ (۷) میں ستاروں کی تاثیر کا قائل ومعتقد نہیں ہوں۔ (۸) میں نبوت کا دعویٰ نہیں کرتا بلکہ مدعی نبوت کو کافر جانتا ہوں۔ (۹) میں اپنی وحی کو وحی انبیاء کی طرح دخل شیطان سے منزہ اور معصوم نہیں سمجھتا۔ (۱۰) میں معجزات انبیاء اور خوارق کو مانتا ہوں۔ (۱۱) میں آنحضرت ﷺ کے جسمانی معراج کو حق جانتا ہوں۔ (۱۲) میں سجود آدم۔ (۱۳) لیلۃ القدر وغیرہ امور کو جو قرآن وحدیث میں وارد ہیں اسی طرح ان کے ظاہری معانی سے مانتا ہوں۔ جس طرح تمام مسلمان مانتے چلے آئے ہیں۔

(۱۴) میں نصوص کے ظاہری معنی چھوڑنے کو کفر والحاد سمجھتا ہوں۔ (۱۵) میں مسیح وغیرہ انبیاء کی توہین نہیں کرتا بلکہ اس توہین کو کفر سمجھتا ہوں۔ (۱۶) میں اپنے اوپر نزول کتاب یا آیات کا مدعی نہیں ہوں۔ (۱۷) میں تمام لوگوں پر اپنی پیروی کو واجب اور موجب نجات اور اپنی نافرمانی کو حرام اور مستوجب سزا نہیں جانتا۔ (۱۸) میں اہل اسلام سلف کو مشرک و کافر نہیں سمجھتا بلکہ مؤمن کو کافر کہنے والے کو کافر جانتا ہوں۔ وعلیٰ ہذا القیاس! بہت ایسے امور ہیں جن کا وہ عام مجالس اور بعض تحریرات میں اقرار کرتا ہے۔ مگر اس کی کتب ومشہورہ تصانیف میں اس اقرار کے برخلاف صریح انکار موجود ہے جو بہ ترتیب امور منقولہ بالا اس کی تصانیف سے نقل کیا جاتا ہے۔

۱...... مرزا کا ملائکہ کو نفوس فلکیہ اور ارواح کواکب قرار دینا آپ کی عبارات ذیل میں پایا جاتا ہے۔

آپ اپنے رسالہ (توضیح المرام ص۳۳، خزائن ج۳ ص۶۷) میں لکھتے ہیں: ’’روحانیات سماویہ خواہ ان کو یونانیوں کے خیال کے موافق نفوس فلکیہ کہیں یا دساتیر اور وید کے اصطلاحات کے موافق ارواح کواکب سے ان کو نامزد کریں یا نہایت سیدھے اور موحدانہ طریق سے ملائک اللہ کا ان کو لقب دیں۔ درحقیقت یہ عجیب مخلوقات اپنے اپنے مقام میں مستقر اور قرار گیر ہے۔‘‘ اور (ازالہ ص۴۰، خزائن ج۳ ص۱۷۱) میں لکھتے ہیں: ’’قرآن شریف سے ثابت ہے یہ سیارات اور کواکب اپنے اپنے قالبوں کے متعلق ایک روح رکھتے ہیں۔ جن کو نفوس کواکب سے بھی نامزد کر سکتے ہیں۔‘‘

۲...... مرزا کا ملائکہ خصوصاً جبرائیل وملک الموت کے بذات خود اور اصلی صورت سے نزول سے انکار کرنا اور صرف نزول تاثیر کا قائل ہونا اور

۳...... انبیاء کی دیکھی ہوئی صورت کو ان کی خیالی صورت قرار دینا اور

۴...... روح القدس روح الامین وغیرہ انسانی صفت محبت کے نتیجہ کو قرار دینا اور

۵...... تثلیث پاک کو تجویز کرنا اور

۶...... اپنے آپ کو بطور استعارہ ابن اللہ کہنا

آپ (توضیح مرام ص۲۹، خزائن ج۳ ص۶۶) میں لکھتے ہیں: ’’محققین اہل اسلام ہرگز اس بات کے قائل نہیں کہ ملائک اپنے شخصی وجود کے ساتھ انسانوں کی طرح پیروں سے چل

کر زمین پر اترتے ہیں اور یہ خیال بداہت باطل بھی ہے...... مثلاً فرشتہ ملک الموت جو ایک سیکنڈ میں ہزارہا ایسے لوگوں کی جانیں نکالتا ہے جو مختلف بلاد وامصار میں ایک دوسرے سے ہزاروں کوس کے فاصلے پر رہتے ہیں اگر ہر ایک کے لئے اس بات کا محتاج ہو کر اوّل پیروں سے چل کر اس کے ملک اور شہر اور گھر میں جاوے اور پھر اتنی مشقت کے بعد جان نکالنے کا اس کو موقعہ ملے تو ایک سیکنڈ کیا اتنی بڑی کارگزاری کے لئے تو کئی مہینے کی مہلت بھی کافی نہیں ہوسکتی۔ کیا ممکن ہے کہ ایک شخص انسانوں کی طرح حرکت کر کے ایک طرفۃ العین کے یا اس کے کم عرصے میں تمام جہان گھوم کر چلا آوے ہرگز نہیں اور اس کی عبارت منقولہ بالا میں گزر چکا ہے کہ درحقیقت یہ عجیب مخلوقات اپنے اپنے مقام میں مستقر اور قرار گیر ہے۔‘‘

اور (توضیح ص۳۸، خزائن ج۳ ص۷۰) میں لکھتے ہیں: ’’اگر ان نفوس طیبہ کا ان ستاروں سے الگ ہونا فرض کرلیا جاوے تو ان کی تمام قویٰ میں فرق پڑ جاوے گا...... وہ نفوس نورانیہ کواکب اور سیارات کے لئے جان کا حکم رکھتے ہیں اور ان کے جدا ہونے سے ان کی حالت وجودیہ میں بکلی فساد راہ پا جانا لازمی اور ضروری امر ہے۔‘‘

اور (توضیح ص۶۸، خزائن ج۳ ص۸۶) میں لکھتے ہیں: ’’سو وہ فرشتہ (جبرئیل) اگرچہ ہر ایک ایسے شخص پر نازل ہوتا ہے جو وحی الٰہی سے مشرف کیا گیا ہے (نزول کی اصل کیفیت جو صرف اثر اندازے کے طور پر ہے نہ واقعی طور پر یاد رکھنی چاہئے) لیکن اس کے نزول کی تاثیرات کا دائرہ مختلف استعدادوں اور مختلف ظروف کے لحاظ سے چھوٹی یا بڑی بڑی شکلوں پر تقسیم ہوتا ہے۔‘‘

وہ (توضیح مرام ص۲۱،۲۲، خزائن ج۳ ص۶۱،۶۲) میں لکھتے ہیں: ’’ان دونوں محبتوں (یعنی محبت خدا ومحبت بندہ) کے ملنے سے جو درحقیقت نر اور مادہ کا حکم رکھتی ہیں ایک مستحکم رشتہ اور ایک شدید مواصلت خالق اور مخلوق ہیں پیدا ہو کر الٰہی محبت کی چمکنے والی آگ سے جو مخلوق کی ہیزم مثال محبت کو پکڑ لیتی ہے ایک تیسری چیز پیدا ہوتی ہے جس کا نام روح القدس ہے...... چونکہ روح القدس ان دونوں کے ملنے سے انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ وہ ان دونوں کے لئے بطور ابن ہے اور یہی پاک تثلیث ہے جو اس درجہ کی محبت کے لئے ضروری ہے۔ جس کو ناپاک طبیعتوں نے مشرکانہ طور پر سمجھ لیا ہے۔‘‘

اور (توضیح مرام ص۲۵، خزائن ج۳ ص۶۳،۶۴) میں لکھتے ہیں: ’’اور یہ کیفیت جو ایک

آتش افروختہ کی صورت پر دونوں محبتوں کے جوڑ سے پیدا ہو جاتی ہے اس کو روح امین کے نام سے بولتے ہیں۔‘‘

اور (توضیح مرام ص۷۰، خزائن ج۳ ص۸۷) میں لکھتے ہیں: ’’اس وقت جبرائیل اپنا نورانی سایہ اس مستعدل دل پر ڈال کر ایک عکسی تصویر اپنی اس کے اندر لکھ دیتا ہے۔ تب جیسے اس فرشتے کا جو آسمان پر مستقر ہے جبرئیل نام ہے۔ اس کی عکسی تصویر کا نام بھی جبرئیل ہی ہوتا ہے یا مثلاً اس فرشتے کا نام روح القدس ہے تو عکسی تصویر کا نام بھی روح القدس ہی رکھا جاتا ہے۔ سو یہ نہیں کہ فرشتہ اس کے اندر گھس آتا ہے...... جیسے مثلاً آئینہ دیکھنے سے یہ نہیں ہوتا کہ تمہارا منہ اور تمہارا سر گردن سے ٹوٹ کر اور الگ ہو کر آئینہ میں رکھ دیا جاتا ہے۔‘‘

اور (توضیح مرام ص۷۹، خزائن ج۳ ص۹۲) میں لکھتے ہیں: ’’جب جبرائیل نور خدا کی کشش اور تحریک اور نفخہ نورانیہ سے جنبش میں آتا ہے تو معاً اس کی ایک عکسی تصویر جس کو روح القدس کے ہی نام سے موسوم کرنا چاہئے محبّ صادق کے دل میں منقش ہو جاتی ہے۔‘‘

۷...... <u>مرزا کا تاثیر ستاروں کا قائل و معتقد ہونا۔</u>

آپ (توضیح مرام میں ص۳۳،۳۴، خزائن ج۳ ص۶۸) میں لکھتے ہیں: ’’جیسے ہمارے اجسام اور ہماری تمام ظاہری قوتوں پر آفتاب اور ماہتاب اور دیگر سیاروں کا اثر ہے ایسا ہی ہمارے دل اور دماغ اور ہماری تمام روحانی قوتوں پر یہ سب ملائک کا اثر ڈال رہے ہیں۔‘‘

اور (توضیح مرام ص۳۸، خزائن ج۳ ص۷۰،۷۱) میں لکھتے ہیں کہ: ’’تمام نباتات اور جمادات اور حیوانات پر آسمانی کواکب کا دن رات اثر پڑ رہا ہے۔‘‘

اور (توضیح مرام ص۴۰، خزائن ج۳ ص۷۱،۷۲) میں لکھتے ہیں کہ: ’’جیسے کواکب اور سیاروں میں باعتبار ان کے قالبوں کی طرح طرح کے خواص پائے جاتے ہیں جو زمین کی ہر ایک چیز پر حسب استعداد اثر ڈال رہے ہیں۔ ایسا ہی ان کے نفوس نورانیہ میں بھی انواع واقسام کے خواص ہیں جو باذن حکیم مطلق کائنات الارض کے باطن پر اپنا اثر ڈالتے ہیں اور یہی نفوس نورانیہ کامل بندوں پر بشکل جسمانی متشکل ہو کر ظاہر ہو جاتے ہیں۔‘‘

۸...... <u>مرزا کا مدعی نبوت ہونا اور نبیوں کی مانند اپنی وحی کو دخل شیطان سے منزہ و معصوم سمجھنا۔</u>

آپ (توضیح مرام ص۱۸، خزائن ج۳ ص۶۰) میں لکھتے ہیں: ’’اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ عاجز خدائے تعالیٰ کی طرف سے اس امت کے لئے محدث ہوکر آیا ہے اور محدث بھی ایک معنی سے نبی ہی ہوتا ہے...... کیونکہ وہ خداتعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا ایک شرف رکھتا ہے۔ امور غیبیہ اس پر ظاہر کئے جاتے ہیں اور رسولوں اور نبیوں کی وحی کی طرح اس کی وحی کو بھی دخل شیطان سے منزہ کیا جاتا ہے اور مغز شریعت اس پر کھولا جاتا ہے اور بعینہٖ انبیاء کی طرح مامور ہوکر آتا ہے اور انبیاء کی طرح اس پر فرض ہوتا ہے کہ اپنے تئیں بآواز بلند ظاہر کرے اور اس سے انکار کرنے والا ایک حد تک مستوجب سزا ٹھہرتا ہے اور نبوت کے معنی بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ امور متذکرہ بالا اس میں پائے جائیں۔‘‘

اور اپنے (ازالہ ص۵۳۲، ۵۳۳، خزائن ج۳ ص۳۸۶) میں لکھتے ہیں: ’’ہاں! یہ بھی سچ ہے کہ آنے والے مسیح کو نبی کر کے بھی بیان کیا گیا ہے مگر اس کو امتی کر کے بھی تو بیان کیا گیا ہے...... سو یہ بات کہ اس کو امتی بھی کہا اور نبی بھی کہا۔ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دونوں شانیں امتیت اور نبوت کے اس میں پائی جائیں گی۔ جیسا کہ محدث میں ان دوشانوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ لیکن صاحب نبوت تامہ تو صرف ایک شان نبوت ہی رکھتا ہے۔ غرض محدثیت دونوں رنگوں سے رنگین ہوتی ہے۔ اس لئے خداتعالیٰ نے براہین احمدیہ میں بھی اس عاجز کا نام امتی بھی رکھا ہے اور نبی بھی۔‘‘

اور (ازالہ ص۶۷۳، خزائن ج۳ ص۴۶۳) میں لکھتے ہیں: ’’جیسے اسلام میں سردفتر الٰہی خلیفوں کا مثیل موسیٰ ہے جو اس سلسلہ اسلامیہ کا سپہ سالار اور بادشاہ اور تخت عزت کے اوّل درجہ پر بیٹھنے والا اور تمام برکات کا مصدر اور اپنی روحانی اولاد کا مورث اعلیٰ ہے۔ ﷺ ایسا ہی اس سلسلہ کا خاتم باعتبار نسبت تامہ وہ مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے جو اس امت کے لوگوں میں سے بحکم ربی مسیحی صفات سے رنگین ہوگیا ہے۔‘‘

اور فرمان: ’’**جعلناک المسیح ابن مریم**‘‘ نے اس کو درحقیقت وہی بنادیا ہے۔ ’’**وکان اللہ علی کل شیٔ قدیرا**‘‘ اور اس آنے والا کا نام جو احمد رکھا گیا ہے وہ بھی اس کے مثیل ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ محمد جلالی نام ہے اور احمد جمالی اور احمد اور عیسیٰ اپنے جمالی معنوں کے رو سے ایک ہی ہیں۔ اسی کی طرف یہ اشارہ ہے۔ ’’**ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد**‘‘ مگر ہمارے نبی ﷺ فقط احمد ہی نہیں بلکہ محمد بھی

ہیں۔ یعنی جامع جلال و جمال ہیں۔ لیکن آخری زمانہ میں برطبق پیش گوئی مجرد احمد جو اپنے اندر حقیقت عیسویت رکھتا ہے بھیجا گیا ہے۔

۱۰...... مرزا کا معجزات سے انکار کرنا اوران کو قانون قدرت کے مخالف سمجھ کر ازقسم شعبدہ بازی ودستکاری ومسمریزم قرار دینا۔

آپ (توضیح مرام ص۹، خزائن ج۳ ص۵۵) میں لکھتے ہیں: ’’یہی معجزہ کفار مکہ نے ہمارے سید اور مولا حضرت خاتم الانبیاء ﷺ سے مانگا تھا کہ آسمان پر ہمارے روبرو چڑھیں اور روبرو ہی اتریں اور انہیں جواب ملا تھا کہ: ’’قل سبحان ربی ‘‘ یعنی خداتعالیٰ کی حکیمانہ شان اس سے پاک ہے کہ ایسے کھلے کھلے خوارق اس دارالابتلاء میں دکھاوے اور ایمان بالغیب کی حکمت کوتلف کرے۔‘‘

اور آپ نے (ازالہ ص۶،۷، خزائن ج۳ ص۱۰۵،۱۰۶) میں لکھا ہے کہ: ’’مشابہت کے لئے مسیح کی پہلی زندگی کے معجزات جو طلب کئے جاتے ہیں (یعنی کادیانی سے) اس بارے میں ابھی بیان کر چکا ہوں کہ احیائے جسمانی کچھ چیز نہیں[۱۱] احیائے روحانی کے لئے یہ عاجز آیا ہے اور اس کا ظہور ہوگا۔ ماسوائے اس کے اگر مسیح کے اصلی کاموں کو ان حواشی سے الگ کر کے دیکھا جائے جو محض افتراء کے طور پر یا غلط فہمی کی وجہ سے گھڑے گئے ہیں[۱۲]۔ تو کوئی اعجوبہ نظر نہیں آتا بلکہ مسیح کے معجزات اور پیشین گوئیوں پر جس قدر اعتراض اور شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ کسی اور نبی کے خوارق یا پیش خبریوں میں کبھی ایسے شبہات پیدا[۱۳] ہوئے ہوں۔ کیا تالاب کا[۱۴] قصہ مسیحی معجزات[۱۵] کی رونق دور نہیں کرتا؟ اور پیشین گوئیوں کا حال اس سے بھی زیادہ تر ابتر[۱۶] ہے۔ کیا یہ بھی کچھ پیش گوئیاں ہیں کہ زلزلے آئیں گے۔ مری پڑے گی۔ لڑائیاں ہوں گی۔ قحط پڑیں گے اور اس سے زیادہ تر قابل افسوس یہ امر ہے کہ جس قدر حضرت مسیح کی پیش گوئیاں غلط نکلیں۔ اس قدر[۱۷] صحیح نہیں نکل سکیں۔‘‘

اور (ازالہ ص۸، خزائن ج۳ ص۱۰۶) میں لکھتے ہیں: ’’اس مقام میں زیادہ تر تعجب یہ ہے کہ حضرت مسیح معجزہ نمائی سے صاف انکار کر کے کہتے ہیں کہ میں ہرگز کوئی معجزہ دکھا نہیں سکتا۔ مگر پھر بھی عوام الناس[۱۸] ایک انبار معجزات کا ان کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ نہیں دیکھتے کہ وہ کھلے کھلے انکار کئے جاتے ہیں؟‘‘

اور (ازالہ ص۳۰۱-۳۰۳، خزائن ج۳ ص۲۵۴، ۲۵۵ حاشیہ) میں لکھتے ہیں: ’’دوسرے عقلی معجزات ہیں جو اس خارق عادت عقل کے ذریعہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں جو الہام الٰہی سے ملتی ہے جیسے حضرت سلیمان کا وہ معجزہ جو صرح ممرد من قواریر ہے جس کو دیکھ کر بلقیس کو ایمان نصیب ہوا۔ اب جاننا چاہئے کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ (خلق طیور یعنی مٹی کا پرندہ بنانا) حضرت مسیح کا معجزہ حضرت سلیمان کے معجزہ کی طرح صرف عقلی تھا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ ان دنوں میں ایسے امور کی طرف لوگوں کے خیالات جھکے ہوئے تھے کہ جو شعبدہ بازی[۱۹] کی قسم میں سے اور دراصل بے سود اور عوام کو فریفتہ کرنے والے تھے۔ وہ لوگ جو فرعون کے وقت میں ایسے ایسے کام کرتے تھے جو سانپ بنا کر دکھلا دیتے تھے اور کئی قسم کے جانور تیار کر کے ان کو زندہ جانوروں کی طرح چلا دیتے تھے۔ وہ حضرت مسیح کے وقت میں عام طور پر یہودیوں کے ملکوں میں پھیل گئے تھے اور یہودیوں نے ان کے بہت سے ساحرانہ کام سیکھ لئے تھے۔ جیسا کہ قرآن کریم بھی اس بات کا شاہد ہے۔ سو کچھ تعجب کی جگہ نہیں کہ خداتعالیٰ نے حضرت مسیح کو عقلی طور سے ایسے[۲۰] طریق پر اطلاع دے دی ہو جو ایک مٹی کا کھلونا کسی کل کے دبانے یا کسی پھونک مارنے کے طور پر ایسا پرواز کرتا ہو جیسے پرندہ پرواز کرتا ہے یا اگر پرواز نہیں تو پیروں سے چلتا ہو۔ کیونکہ حضرت مسیح ابن مریم اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس برس کی مدت تک نجاری کا کام بھی کرتے رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ بڑھئی کا کام درحقیقت ایک ایسا کام ہے جس میں کلوں کے ایجاد کرنے اور طرح طرح کی صنعتوں کے بنانے میں عقل تیز ہو جاتی ہے۔‘‘

اور (ازالہ ص۳۰۵ حاشیہ، خزائن ج۳ ص۲۵۵، ۲۵۶) میں آپ لکھتے ہیں: ’’ماسواء اس کے یہ بھی قرین قیاس ہے کہ ایسے ایسے اعجاز طریق عمل الترب یعنی مسمریزمی طریق سے بطور لہو ولعب[۲۱] نہ بطور حقیقت ظہور میں آسکیں۔ کیونکہ عمل الترب میں جس کو زمانہ حال میں مسمریزم[۲۲] کہتے ہیں ایسے ایسے عجائبات ہیں کہ اس میں پوری پوری مشق کرنے والے اپنے روح کی گرمی دوسری چیزوں پر ڈال کر ان چیزوں کو زندہ کے موافق کر دکھاتے ہیں۔ انسان کی روح میں کچھ ایسی خاصیت ہے کہ وہ اپنی زندگی کی گرمی ایک جماد پر جو بالکل بے جان ہے ڈال سکتی ہے۔ تب جماد سے وہ بعض حرکات صادر ہوتی ہیں جو زندوں سے صادر ہوا کرتی ہیں۔‘‘

اور (ازالہ ص۳۰۹ حاشیہ، خزائن ج۳ ص۲۵۷، ۲۵۸) میں لکھتے ہیں: ''بہرحال مسیح کی یہ تربی کارروائیاں زمانہ کے مناسب حال بطور خاص مصلحت کے تھیں۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ یہ عمل ایسا قدر کے لائق نہیں جیسا کہ عوام الناس اس کو خیال کرتے ہیں۔ اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابل نفرت[۲۳] نہ سمجھتا تو خداتعالیٰ کے فضل وتوفیق سے امید قوی رکھتا تھا کہ ان اعجوبہ نمائیوں میں حضرت مسیح ابن مریم سے کم نہ رہتا۔''

اور (ازالہ ص۳۱۰، ۳۱۱ حاشیہ، خزائن ج۳ ص۲۵۸) میں آپ لکھتے ہیں: ''واضح ہو کہ اس عمل جسمانی کا ایک نہایت برا خاصہ[۲۴] یہ ہے کہ جو شخص اپنے تئیں اس مشغولی میں ڈالے اور جسمانی مرضوں کے رفع دفع کرنے کے لئے اپنی دلی ودماغی طاقتوں کو خرچ کرتا رہے وہ اپنی ان روحانی تاثیروں میں جو روح پر اثر ڈال کر روحانی بیماریوں کو دور کرتی ہیں بہت ضعیف اور نکما ہو جاتا ہے اور امر تنویر باطن اور تزکیہ نفوس کا جو اصل مقصد ہے اس کے ہاتھ سے بہت کم انجام پذیر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گو حضرت مسیح جسمانی بیماروں کو اس عمل کے ذریعہ سے اچھا کرتے رہے۔ مگر ہدایت[۲۵] اور توحید اور دینی استقامتوں کے کامل طور پر دلوں میں قائم کرنے کے بارے میں ان کی کارروائیوں کا نمبر ایسا کم درجہ کا رہا کہ قریب قریب ناکام[۲۶] کے رہے۔''

اور (ازالہ ص۳۲۲ حاشیہ، خزائن ج۳ ص۲۶۳) میں آپ لکھتے ہیں کہ: ''غرض یہ اعتقاد بالکل غلط اور فاسد اور مشرکانہ خیال ہے کہ مسیح مٹی کے پرندے بنا کر اور ان میں پھونک مار کر انہیں سچ مچ کے جانور بنا دیتا تھا۔ نہیں بلکہ صرف عمل الترب تھا جو روح کی قوت سے ترقی پذیر ہوگیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مسیح ایسے کام کے لئے اس تالاب کی مٹی لاتا تھا جس میں روح القدس کی تاثیر رکھی گئی تھی۔ بہرحال یہ معجزہ صرف ایک کھیل[۲۷] کی قسم میں سے تھا اور وہ مٹی درحقیقت ایک مٹی ہی رہتی تھی۔ جیسے سامری کا گوسالہ۔''

اور (ازالہ ص۴۴۱، ۴۴۲، خزائن ج۳ ص۳۳۴، ۳۳۵) میں آپ لکھتے ہیں: ''ایسا مردہ تو کوئی زندہ نہ ہوا کہ وہ بولتا اور اس جہاں کا سب حال سناتا اور اپنے وارثوں کو نصیحت کرتا کہ میں تو دوزخ میں سے آیا ہوں۔ تم جلد ایمان لے آؤ۔ اگر مسیح صاف طور پر یہودیوں کے باپ دادے زندہ کر کے دکھا دیتا اور ان سے گواہی دلواتا تو بھلا کس کو انکار کی مجال تھی۔ غرض پیغمبروں نے نشان تو دکھائے مگر پھر بھی ایمانوں سے مخفی رہے۔ ایسا ہی یہ عاجز بھی خالی نہیں آیا بلکہ مردوں کے زندہ ہونے کے لئے بہت سا آب حیات خداتعالیٰ نے اس عاجز کو بھی دیا

ہے۔ بے شک جو شخص اس میں سے پئے گا زندہ ہو جائے گا۔ بلاشبہ میں اقرار کرتا ہوں اگر میرے کلام سے مردے[۲۸] زندہ نہ ہوں اور اندھے آنکھیں نہ کھولیں اور مجذوم صاف نہ ہوں تو میں خداتعالیٰ کی طرف سے نہیں آیا۔''

اور (ازالہ ص۲، خزائن ج۳ ص۱۰۴) میں آپ لکھتے ہیں: ''اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ مسیح کے ہاتھ سے زندہ ہونے والے مر[۲۹] گئے۔ مگر جو شخص میرے ہاتھ سے جام پئے گا جو مجھے دیا گیا ہے وہ ہرگز نہیں مرے[۳۰] گا۔''

۱۱...... مرزا کا آنحضرت ﷺ کے جسمانی معراج سے انکار کرنا۔

آپ (توضیح مرام ص۹،۱۰، خزائن ج۳ ص۵۵) میں لکھتے ہیں: ''اب میں کہتا ہوں کہ جو امر (یعنی آسمان پر جانا) آنحضرت ﷺ کے لئے جو افضل الانبیاء تھے جائز نہیں اور سنت اللہ سے باہر سمجھا گیا۔ وہ حضرت مسیح کے لئے کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔''

اور (ازالہ اوہام ص۴۷ حاشیہ، خزائن ج۳ ص۱۲۶) میں لکھتے ہیں: ''اس جگہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ اگر جسم خاکی کا آسمان پر جانا محالات میں سے ہے تو پھر آنحضرت ﷺ کا معراج اس جسم کے ساتھ کیونکر جائز ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ سیر معراج اس جسم کثیف[۳۱] کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ نہایت اعلیٰ درجہ کا کشف تھا۔''

۱۲،۱۳،۱۴...... مرزا کا سجود آدم اور لیلۃ القدر کے ظاہری معانی سے انکار کرنا اور نصوص کے ظاہری معانی چھوڑ کر ان سے استعارات مراد لینا۔

آپ (توضیح مرام ص۴۹، خزائن ج۳ ص۷۶) میں لکھتے ہیں: ''جاننا چاہئے کہ یہ سجدہ کا حکم اس وقت سے متعلق نہیں[۳۲] ہے کہ جب حضرت آدم پیدا کئے گئے۔ بلکہ یہ علیحدہ ملائک کو حکم کیا گیا کہ جب کوئی انسان اپنی حقیقی انسانیت کے مرتبہ تک پہنچے اور اعتدال انسانی ان کو حاصل ہو جائے اور خداتعالیٰ کی روح اس میں سکونت اختیار کرے تو تم اس کامل کے آگے سجدہ میں گرا کرو۔ یعنی آسمانی انوار کے ساتھ اس پر اترو اور اس پر صلوٰۃ بھیجو۔ سو یہ اس قدیم قانون کی طرف اشارہ ہے جو خداتعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کے ساتھ ہمیشہ جاری رکھتا ہے۔''

اور آپ (فتح اسلام ص۵۴، خزائن ج۳ ص۳۲) میں لکھتے ہیں: ''تم سمجھتے ہو کہ لیلۃ القدر کیا چیز ہے؟ لیلۃ القدر اس ظلمانی زمانہ کا نام ہے جس کی ظلمت کمال کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے وہ زمانہ بالطبع تقاضا کرتا ہے کہ ایک نور نازل ہو جو اس ظلمت کو دور کرے۔

اس زمانہ کا نام بطور استعارہ کے لیلتہ القدر رکھا گیا ہے۔ مگر در حقیقت یہ رات نہیں[۳۳] ہے۔ یہ ایک زمانہ ہے جو بوجہ ظلمت رات کا ہمرنگ ہے۔''

اور (فتح اسلام ص۱۵،۱۶، خزائن ج۳ ص۱۱ حاشیہ) میں آپ لکھتے ہیں: ''خدا تعالیٰ ہمیشہ استعاروں سے کام لیتا ہے اور طبع اور خاصیت اور استعداد کے لحاظ سے ایک کا نام دوسرے پر وارد کرتا ہے۔''

اور (توضیح مرام ص۱۴، خزائن ج۳ ص۵۷،۵۸) میں حدیث قتل خنازیر اور قطع صلیب اور رفع جزیہ کی تاویل اور تحریک کر کے آپ لکھتے ہیں: ''یہ سب استعارے ہیں جن کو خدا تعالیٰ کی طرف سے فہم دیا گیا ہے۔ وہ نہ صرف آسانی سے بلکہ ایک قسم کے ذوق سے ان کو سمجھ جائیں گے۔ ایسے عمدہ اور بلیغ مجازی کلمات کو حقیقت پر اتارنا گویا ایک خوبصورت معشوق کا ایک دیو کی شکل میں خاکہ کھینچنا ہے۔''

۱۵...... مرزا کا مسیح وغیرہ انبیاء کی توہین کرنا۔

حضرت مسیح کی جو آپ نے توہین کی ہے ان عبارات سے بخوبی ثابت ہے جو آپ کے انکار معجزات مسیحی کی شہادت میں پیش کی گئی ہیں۔ علاوہ براں حضرت مسیح کی توہین میں آپ (ازالہ ص۹،۱۰ حاشیہ، خزائن ج۳ ص۱۰۷،۱۰۸) پر یوں خامہ فرسائی کرتے ہیں: ''اس جگہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تہذیب[۳۴] اور اخلاقی حالت[۳۵] پر ایک سخت اعتراض[۳۶] وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ متی باب:۲۳، آیت:۲ میں وہ فرماتے ہیں کہ فقیہ اور فریسی موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یعنی بڑے بزرگ ہیں[۳۷] اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ وہ لوگ یہودیوں کے مقتداء کہلاتے تھے اور قیصر کے دربار میں بڑی عزت کے ساتھ خاص رئیسوں میں بیٹھائے جاتے تھے۔ پھر باوجود ان سب باتوں کے انہیں فقیہوں اور فریسیوں کو مخاطب کر کے حضرت مسیح نے نہایت غیر مہذب[۳۸] الفاظ استعمال کئے بلکہ تجب تو یہ ہے کہ ان یہودیوں کے معزز[۳۹] بزرگوں نے نہایت نرم اور مؤدبانہ الفاظ سے سراسر انکساری کے طور پر حضرت مسیح کی خدمت میں یوں عرض کی کہ اے استاد ہم تم سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت مسیح نے انہیں مخاطب کر کے یہ الفاظ استعمال کئے۔''

اور آپ نے (ازالہ ص۶۷۵ تا ۶۸۰، خزائن ج۳ ص۴۶۵-۴۶۷) تک آنحضرت ﷺ اور آپ کے جملہ صحاب اور ان کے تابعین اور سبھی ائمہ دین کی توہین کی ہے۔ ان صفحات میں

آپ نے فتح سیفی کی (جس کے سبب خدا تعالیٰ نے سورہ الفتح میں آنحضرت ﷺ پر احسان جتایا اور آنحضرت ﷺ نے اس پر کمال مسرت کا اظہار کیا اور اس کو تمام دنیا کی نعمتوں سے بہتر اور محبوب تر کہا اور صحابہ نے اس کی خوشی میں اونٹ دوڑائے اور اس خوشی میں ان کو وہ غم جو مقام حدیبیہ میں پہنچے تھے سب بھول گئے) سخت توہین کی ہے اور اس کی نسبت (ازالہ ص۶۷۶، خزائن ج۳ ص۴۶۵) میں یہ بات بتصریح کہہ دی ہے کہ: ’’سیفی فتح کچھ چیز نہیں ہے۔ چندروزہ اقبال دور ہونے سے وہ فتح بھی معدومؔ ہو جاتی ہے۔ سچی اور حقیقی فتح وہ ہے جو معارف اور حقائق اور کامل صداقتوں کے لشکر کے ساتھ حاصل ہو۔ سو وہ یہ فتح ہے جواب اسلام کو (یعنی آپ کے ہاتھ سے) نصیب ہوئی ہے۔‘‘

(ازالہ ص۶۷۸، خزائن ج۳ ص۴۶۶) میں کہا ہے: ’’اب یہ عذر کہ اگر ہم قرآن کریم کے ایسے دقائق ومعارف بھی مان لیں جو پہلوں نے دریافت نہیں کئے تو اس میں اجماع کی کسر شان ہے۔ گویا ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ جو پہلے اماموں کو معلوم نہیں ہوا تھا وہ ہم نے معلوم کر لیا۔ یہ خیال ان ملاّ لوگوں کا بالکل فاسد ہے۔ ان کو سوچنا چاہئے کہ جب کہ یہ ممکن ہے کہ بعض نباتاتؔ وغیرہ میں زمانہ حال میں کوئی ایسی خاصیت ثابت ہو جائے۔ جو پہلوں پر نہیں کھلی تو کیا یہ ممکن نہیں کہ قرآن کریم کے بعض عجیب حقائق ومعارف اب ایسے کھل جائیں جو پہلوں پر کھل نہیں سکے۔ کیونکہ اس وقت ان کے کھلنے کی ضرورت پیش نہیںؔ آئی۔‘‘

پھر (ازالہ ص۶۸۰، خزائن ج۳ ص۴۶۷) میں کہا ہے: ’’سو اب وہی وقت آ گیا اب وہ وقت نادان مولویوں کے روکنے سے رک نہیں سکتا۔ اب وہ ابن مریم جس کا روحانی باپ زمین پر بجز معلم حقیقی کے کوئی نہیں جو اس وجہ سے آدم سے بھی مشابہت رکھتا ہے۔ بہت سا خزانہ قرآن کریم کا لوگوں میں تقسیم کرے گا۔‘‘

۱۶...... مرزا کا مدعی نزول آیات ہونا۔

قرآن کی بہت سی آیات ہیں جن کو آپ اپنے حق میں نازل بتاتے ہیں۔ جن کی تفصیل مجلس فیصلہ میں ہوگی اور اگر وہ مجلس نہ ہوئی تو کسی آئندہ تحریر میں کی جائے گی۔

اس مقام میں ایک ایسی آیت نقل کی جاتی ہے جو علاوہ موجودہ آیات قرآن کے آپ پر نازل ہوئی ہے۔

آپ (ازالہ ص۳۷، خزائن ج۳ ص۱۳۸ احاشیہ) میں لکھتے ہیں: ’’اور یہ بھی مدت سے

الہام ہو چکا ہے کہ:انا انزلناہ قریباً من الکادیان وبالحق انزلناہ وبالحق نزل وکان وعداللہ مفعولا‘‘

پھر(ازالہ ص۷۶، خزائن ج۳ص۱۴۰ حاشیہ) میں لکھتے ہیں:’’اس جگہ مجھے یاد آیا ہے کہ جس روز وہ الہام مذکورہ بالا جس میں کادیان میں نازل ہونے کا ذکر ہے ہوا تھا اس روز کشفی طور پر میں نے دیکھا کہ میرے بھائی صاحب مرحوم مرزاغلام قادر میرے قریب بیٹھ کر بآواز بلند قرآن شریف پڑھ رہے ہیں اور پڑھتے پڑھتے انہوں نے ان فقرات کو پڑھا کہ ’’انا انزلناہ قریباً من الکادیان ‘‘تو میں نے سن کر بہت تعجب کیا کہ کیا کادیان کا نام بھی قرآن شریف میں لکھا ہوا ہے۔تب انہوں نے کہا کہ یہ دیکھو لکھا ہوا ہے۔تب میں نے نظر ڈال کر جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ فی الحقیقت قرآن شریف کے دائیں صفحہ میں شاید قریب نصف کے موقعہ پر بھی الہامی عبارت لکھی ہوئی موجود ہے اور میں نے کہا کہ تین شہروں کا نام اعزاز کے ساتھ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے۔مکہ اور مدینہ اور کادیان۔‘‘

۱۷...... <u>مرزا کا کام لوگوں پر اپنی پیروی کو واجب اور نجات کا موجب کہنا۔</u>

آپ (فتح اسلام ص۴۲، خزائن ج۳ص۲۴) میں لکھتے ہیں:’’یعنی خدا نے اس سلسلہ کے قائم کرنے کے وقت مجھے فرمایا کہ زمین میں طوفان ضلالت برپا ہے تو اس طوفان کے دلت میں یہ کشتی تیار کی جو شخص اس کشتی میں سوار ہوگا وہ غرق ہونے سے نجات پا جائے گا اور جو انکار میں رہے گا اس کے لئے موت درپیش ہے۔‘‘

اور(فتح اسلام ص۵۸، خزائن ج۳ص۳۴) میں فرماتے ہیں:’’اس زمانہ کا حصن حصین میں ہوں جو مجھ میں داخل ہوتا ہے وہ چوروں اور قزاقوں اور درندوں سے اپنی جان بچائے گا۔مگر جو شخص میری دیواروں سے دور رہنا چاہتا ہے ہر طرف سے اس کو موت درپیش ہے اور اس کی لاش بھی سلامت نہیں رہے گی۔‘‘

۱۸...... <u>آپ کا سلف اہل اسلام کو کافر ومشرک کہنا۔</u>

آپ نے (اشتہار۲۰؍مئی ۱۸۹۱ء، مجموعہ اشتہارات ج۱ص۲۲۳) میں تمام مسلمانوں کو جو حضرت مسیح کو زندہ سمجھتے ہیں مشرک اور اعتقاد حیات مسیح کو ستون شرک قرار دیا اور یہ لکھا ہے کہ:’’ہمارے گزشتہ علماء نے اس طرف نہیں خیال کیا اور یہ اعتقاد مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں نے برخلاف کتاب اللہ ٹھہرالیا ہے اور پھر کہا ہے کہ وہ اس ستون کے ٹوٹ جانے سے

سخت ناراض ہیں اور درپردہ مخلوق پرستی کے مؤید ہیں۔‘‘

اور (ازالہ ص۲۹۶، خزائن ج۳ ص۲۵۱ حاشیہ) میں لکھا ہے کہ: ’’وہ آیات جن میں ایسا لکھا ہے (یعنی وہ آیات جن میں حضرت مسیح کا مٹی سے جانور بنانا مذکور ہے) متشابہات سے ہیں اور ان کے یہ معنی کرنا کہ گویا خداتعالیٰ نے اپنے ارادہ اور اذن سے حضرت عیسیٰؑ کو صفات خالقیت میں شریک کر رکھا تھا۔ (ان آیات کے یہ معنی آپ نے ازخود کئے ہیں۔ مسلمان تو یہ کہتے ہیں کہ خالق خدا ہے۔ حضرت مسیح کا مٹی کے جانور میں پھونک مارنا یا ان کے لئے دعائے حیات کرنا اس خالقیت کے ظہور کا سبب ومحرک ہے) صریح الحاد اور سخت بے ایمانی ہے۔‘‘

(ازالہ ص۲۹۷، خزائن ج۳ ص۲۵۲ حاشیہ) میں کہا ہے: ’’یہ سراسر مشرکانہ باتیں ہیں اور کفر سے بدتر۔‘‘

اور (ازالہ ص۲۹۸، خزائن ج۳ ص۲۵۲ حاشیہ) میں کہا ہے کہ: ’’یہ سراسر فاسد اور مشرکانہ خیال ہے۔‘‘

(ازالہ ص۳۰۱، خزائن ج۳ ص۲۵۳ حاشیہ) میں کہا ہے: ’’ایسے عقائد سراسر باطل اور مشرکانہ خیالات ہیں۔‘‘

اور (ازالہ ص۳۲۲، خزائن ج۳ ص۲۶۳ حاشیہ) میں کہا ہے: ’’غرض یہ اعتقاد بالکل غلط اور فاسد اور مشرکانہ خیال ہے کہ مسیح مٹی کے پرند بنا کر اور ان میں پھونک مار کر انہیں سچ مچ کے جانور بنادیتا تھا۔‘‘

اسی قسم کے صدہا کفریات آپ کی کتابوں میں موجود ہیں اور یہ کفریات کادیانی کی زبانی کلمہ پڑھنے اور بعض تحریرات میں امور ایمان کا اقرار وتسلیم کرنے کے صریح مخالف ہیں اور اس کلمہ واقرار کو صاف جھٹلا رہے ہیں۔ پس اگر کادیانی اس اقرار وتسلیم میں سچا ہے اور اس کا وہ اقرار دل سے ہے۔ منافقین کی مانند صرف زبان سے نہیں ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ ان کفریات کو اس اقرار وتسلیم سے مطابق کر کے دکھاوے۔ یہ نہ ہوسکے تو ان کفریات سے رجوع وتوبہ کا اشتہار دے اور ان کتابوں کو جن میں یہ کفریات درج ہیں جلا دینے کا حکم شہرۂ آفاق کرے۔

ان باتوں کو کفر ٹھہرانے میں خاکسار راقم ترمیم متفرد نہیں بلکہ ہندوستان و پنجاب کے علماء شریعت ومشائخ طریقت مختلف مذاہب وطریق (قادریہ، چشتیہ، حنفیہ، اہل حدیث وغیرہ) اس کی رائے سے متفق ہیں۔ خاکسار نے ان باتوں کو بضمن ایک استفتاء کے ان کی خدمات میں پیش کیا تو انہوں نے بالاتفاق وبلاخوف ان باتوں کو دائرہ اسلام وتسنن سے خارج کیا اوران باتوں کی نظر سے کادیانی پر کفر والحاد زندقہ وارتداد وبدعت وخروج ازملت ودائرہ سنت کا فتویٰ لگادیا۔

وہ فتویٰ اس وقت تک اس غرض سے عام لوگوں میں مشتہر نہیں کیا کہ اگر کادیانی کو ان عائد کفریہ وبدعیہ کی نسبت کوئی عذر ہو تو پیش کرے۔ ان عقائد کو اسلام وتسنن کے موافق کر دکھائے یا ان سے رجوع کرے۔

یہ امر اس کو بارہا اشتہارات دہلی مطبوعہ ۷؍اکتوبر ۱۸۹۱ء وغیرہ میں کہا گیا ہے اور اب اس صورت فیصلہ میں ان باتوں کو بیان کر کے آخری دفعہ اس کو موقعہ عذر (تطبیق یا رجوع) دیا گیا ہے۔ اس پر بھی اس نے مجلس عام میں حاضر ہوکر اس فیصلہ کی طرف رجوع نہ کیا تو اس فتویٰ کو عنقریب مشتہر کیا جائے گا اور پھر کادیانی سے ہاتھ ملنے کے سوائے کچھ بن نہیں پڑے گا۔

یہ صورت فیصلہ بھی اگر کادیانی کو منظور نہ ہو تو پھر اس کے امتحان ایمان کے لئے آسان اور سہل الوقوع وہ تجویز ہے جو وجہ ششم کے ضمن میں بیان ہوئی ہے کہ کمیٹی مقررہ فریقین کادیانی کے پچھلے آسمانی نشانوں کا امتحان کرے۔ اس میں وہ غلبۂ رائے کمیٹی سے پاس ہو جائے تو اس کو مسلمانی کا سرٹیفکیٹ دیا جائے۔

اس صورت کو بھی آپ منظور نہ کریں اور ضرور آئندہ ہی نشان آسمانی دیکھنے اور دکھانے پر اصرار کریں تو اس کو بھی ہم منظور کرتے ہیں۔ مگر نہ ان صورتوں سے جن کو آپ نے بیان کیا ہے کیونکہ وہ بجز سالہا سال مدت کے ظہور پذیر نہیں ہوسکتیں بلکہ ان نئی دوصورتوں میں سے ایک صورت سے جو ذیل میں معروض ہیں۔

پہلی صورت یہ کہ آپ خود ہی آئندہ یکطرفہ آسمانی نشان دکھلائیں۔ کسی کوہڑی کو اچھا کر دیں یا ایک کانے کو دوسری آنکھ دیں یا لکڑی کا سانپ بنادیں یا آسمان سے من وسلویٰ یا مائدہ اتاریں یا جلتی آگ میں کود پڑیں اور بچ جائیں یا کسی خشک درخت کو سبز کر دکھادیں یا

ایسا ہی کوئی اور نشان جو انبیاء اور اولیاء سے ظاہر ہوا ہو۔

اس یکطرفہ نشان دکھانے میں جو آپ کا عذر تھا کہ: ’’مخالف مولوی اس کو نہ مانیں گے۔‘‘ اس کو ہم نے اٹھا دیا اور نشان دکھانے پر مسلمانی کا سرٹیفکیٹ دینے کا وعدہ کرلیا ہے اور اگر یہ عذر ہو کہ ایسے نشان دکھانا نیچر یا قانون قدرت کے برخلاف ہے (چنانچہ جموں کے ایک مشہور ڈاکٹر صاحب کے جواب میں آپ نے کہا اور ان کو یوں ہی ٹلایا ہے) تو یہ عذر فضول اور گریز کا ایک بہانہ ہے۔ یہ عذر ان ہی لوگوں کے سامنے چل سکتا ہے جو اپنے خیالی نیچر یا قانون قدرت کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ مسلمان ایسے عذروں کو مکڑی کے جالے سے بھی ضعیف جانتے اور اس کو توڑنے کے لئے تیار ہیں۔

آپ اس امر کے تصفیہ کے لئے پہلے ہم سے بحث کرلیں۔ ہم نے اگر آپ پر ظاہر اور ثابت کردیا کہ ایسے نشان دکھانا قانون قدرت کے برخلاف نہیں اور اس کا ثبوت آپ ہی کی تصانیف سابقہ سے نکال دیا تو پھر آپ کو ایسے نشان دکھانا لازم ہوگا۔ ورنہ ہم کو اپنے سوال کا واپس لینا۔

اس صورت کے نشان نمائی سے بھی اگر آپ گریز کریں تو پھر دوسری صورت معروضہ ذیل سے نشان نمائی کریں یا نشان دیکھیں۔

مرزاکادیانی کو اعجاز نمائی کا چیلنج

دوسری صورت یہ ہے جو ایک صوفی الہامی مدعی نمائش نشان آسمانی نے تجویز کی ہے اور اس سے ہمارے ایک معزز دوست نے ہم کو اطلاع دی ہے۔ وہ دوست لکھتے ہیں: میں نے صوفی صاحب ممدوح کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کو ازالہ اوہام کے دعویٰ نشان نمائی مندرجہ (ص۶۶۰ تا ۶۶۴، خزائن ج۳ ص۴۵۶، ۴۵۸) کی طرف توجہ دلائی تو انہوں نے فرمایا۔ ’’مولوی محمد حسین صاحب کو لکھ دو کہ وہ اشاعۃ السنۃ میں چھاپ دیں کہ اگر مرزا کو درگاہ الٰہی میں اپنے مقبول ہونے اور دیگر علماء کے مردود ہونے کا زعم ہو تو اس کو واجب ہے کہ وہ کوئی ایسی کرامت دکھلاوے جو اس کے دعویٰ کی مصدق ہو۔ کرامت ایسی ہونی چاہئے جس کو روئے زمین کے ذی علم وطبعی فلاسفر بھی کرامت کے نام سے موسوم کرسکیں اور دکھانے سے پہلے یہ ایک ضروری شرط ہے کہ اس کی جزئی وکلی حالات ایسے مشروح طور پر لکھ کر مشتہر کردی جاویں کہ عام وخاص جاہل وعالم اس کی کیفیت اور صورت واقعہ اچھی طرح سے سمجھ لیں۔ حتیٰ

کہ سمجھنے اور دیکھنے میں اس کی کیفیت کے اندر ان کو ذرا بھی اختلاف نہ ہو۔ پس اس شرط کے ساتھ مرزا کوئی آسمانی کرامت ونشان دس ہفتہ میں ہی دکھلا وے اور اگر اس میعاد معینہ کے اندر ایسی کرامت کے دکھلانے سے مرزا عاجز آجاوے تو اس کے اقرار عجز کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ میں وہی کرامت اور آسمانی نشان جو مرزا طلب کرے گا اس کو پانچ ہفتہ کے اندر دکھا دوں گا اور ایسا آسمانی نشان دیکھنے کے بعد مرزا پر صرف یہ واجب ہوگا کہ وہ اپنے عقائد متحدثہ سے توبہ کرے گا اور توبہ نامہ چھاپ دے گا۔''

ان حضرت صوفی صاحب کا نام تب بتایا جائے گا جب کادیانی صاحب اس شرط سے نشان دکھلانا یا دیکھنا منظور کر کے کسی اخبار میں اس امر کا اشتہار کر دیں گے۔ پہلے سے ہم ان کا نام مشتہر کریں تو کادیانی صاحب ان میں کسی قسم کی حرج نکال کر اس بات کو ٹلا دیں گے جیسا کہ ان کی قدیم عادت ہے۔ ہم ان کی حکمت عملیوں سے خوب واقف ہیں۔

لیجئے ہم نے آسمانی فیصلہ کی چار صورتیں بیان کی ہیں جو آپ کے مجوزہ صورتوں سے بدرجہا آسان اور سہل الوقوع اور جلدی ظہور پذیر ہیں۔ اب آپ کو لازم ہے کہ اپنے فیصلہ کو ووڈرا کریں یعنی واپس لیں اور ہماری مجوزہ صورتوں میں سے ایک صورت کو منظور کر کے آسمانی فیصلہ کرلیں۔ آپ نے ان صورتوں سے گریز کیا اور اپنی ہی صورتوں پر اصرار قائم رکھا تو عام وخاص کو آپ کے گریز کا یقین ہوگا۔ یہ آپ کے فیصلہ کا نسخ وترمیم وجواب ہے۔ اب اس کے ضمنی دعویٰ گریز از مباحثہ کا جواب دیا جاتا ہے۔

جواب ضمنی دعویٰ گریز از مباحثہ

اپنے فیصلہ کے ضمن میں بصفحہ ۶: آپ کا یہ دعویٰ کرنا کہ آپ کے مقابل فریق نے ناجائز شروط پیش کر کے مباحثہ کو ٹلا دیا ہے۔ ایک ایسا سفید جھوٹ ہے کہ جس شخص میں ایک ذرہ بھی فہم وانصاف ہوگا وہ صرف اسی ایک جھوٹ کی نظر سے آپ کو جملہ دعاوی جدیدہ مسیحائیت ومحدثیت وغیرہ میں جھوٹا سمجھے گا۔ آپ کے مقابل فریق نے کبھی کسی شرط کو آپ کے مقابل میں پیش نہیں کیا۔ یہ امر تو آپ ہی سے ہمیشہ ظہور میں آتا رہا ہے۔ آپ ہی نے ہر دفعہ شروط کو پیش کیا اور آپ ہی نے ہمیشہ ہمیشہ مباحثہ کو ٹلایا۔ اس کا ثبوت آپ کی تحریرات میں حسب تفصیل ذیل پایا جاتا ہے۔

پہلی بار آپ نے تحریر نمبری ۵: میں یہ چار شرطیں پیش کیں۔ (۱) مباحثہ مجمع عام میں ہو۔ (۲) مباحثہ تحریری ہو۔ (۳) اہل مجمع میں الہامی لوگ بھی شامل ہوں۔ (۴) گفتگو کے لئے صرف آپ (خاکسار کو کہتے ہیں) منتخب ہوں۔ کیونکہ آپ شائستہ اور مہذب ہیں اور آپ سے بہتر کوئی نہیں۔

باردوم: آپ نے تحریر نمبری ۸ میں یہ دھوکہ[۴۴] دینے والی شرط پیش کی کہ مباحثہ تحریری ہو اور وہ صرف دو تحریروں میں ختم ہو۔ جن میں پہلی تحریر چار ورقوں میں خاکسار کی طرف سے ہو۔ پھر اسی مقدار میں آپ کی طرف سے اور فریقین ایک حرف تک منہ[۴۵] سے نہ نکالیں۔

بارسوم: اشتہار ۲۳ رمئی ۱۸۹۱ء میں آپ نے یہ چھ شرطیں پیش کیں۔ (۱) مکان مباحثہ کسی رئیس لدھیانہ کا ہو۔ جیسے نواب علی محمد خان صاحب، شہزادہ نادر شاہ صاحب، خواجہ احسن شاہ صاحب اور مجلس میں کوئی یورپین افسر ہو یا ہندو مجسٹریٹ اور چند پولیس مین۔ (۲) فریقین کے سوال و جواب لکھنے کے لئے ہندو منشی ہو۔ (۳) بحث میں خارجی نکتہ چینی نہ ہو۔ (۴) سوالات و جواب قلم بند ہونے کے بعد لوگوں کو سنائے جاویں۔ (۵) ان کی ایک ایک نقل فریقین کو دی جاوے۔ (۶) جلسہ بحث آٹھ بجے سے دس بجے تک ہو زیادہ ہو تو نماز ظہر تک جلسہ ختم ہو۔

بارچہارم: آپ نے تحریر نمبری ۱۱ میں یہ شرط پیش کی کہ بحث صرف وفات یا حیات مسیح میں ہو۔ کیونکہ میرا اصل دعویٰ یہی ہے اور دعویٰ مسیح موعود ہونے کا اس کی فرع ہے اور اس پر مبنی۔ اس کے جواب میں آپ کی تحریرات سے یہ ثابت کیا گیا کہ آپ کا اصل دعویٰ مسیح موعود ہونے کا ہے۔ اس میں بحث کریں یا اس دعویٰ کو اصل ٹھہرانے میں غلطی کا اقرار کریں تو وفات مسیح میں ہی بحث کر لیں تو آپ نے جواب سے انکار کیا اور گریز اختیار فرمایا۔

بارپنجم: آپ نے پٹیالہ والے بعض معتقدین کے جبر سے پھر مباحثہ منظور کیا تو اس کے لئے یہ گیارہ شرطیں پیش کیں (جو آپ کی تحریر مندرجہ ص۹۴ جلد۱۳، اشاعۃ السنۃ میں موجود ہیں) (۱) مکان مباحثہ چھ سات ہزار آدمی کے لائق ہو اور ذمہ دار مولوی محمد حسن ہوں۔ (۲) فریقین اپنے ہاتھ سے تحریر سوال و جواب کریں۔ (۳) پرچہ سوال و جواب صرف پانچ ہوں۔ (۴) ہر ایک فریق اپنے پرچہ کی نقل دوسرے کو دے۔ (۵) بحث میں کتابوں سے مدد نہ لی جاوے۔ (۶) تمہیدی امور مجلس میں لکھی جاویں۔ گھر سے لکھ کر کوئی نہ لاوے۔

(۷) جلسہ بحث چھ بجے سے گیارہ بجے تک ہو اور تین دن میں ختم ہو۔ (۸) پرچوں کا وقت مساوی ہونا چاہئے۔ (۹) بحث کے دن سے دس روز پہلے اطلاع ہو۔ (۱۰) بحث جلسہ عام میں ہو۔ (۱۱) منصفی حاضرین کی کچھ ضرورت نہیں۔ اس کے جواب میں شروط فاسدہ کو رد اور صحیحہ کو تسلیم کیا گیا تو آپ نے جواب سے انکار اور بحث سے گریز کیا۔

بار ششم: جب آپ اوائل ماہ جولائی ۱۸۹۱ء میں امرتسر پہنچے اور وہاں کے بعض معزز رؤسا نے آپ کو خاکسار سے مباحثہ کرنے پر مجبور کیا تو آپ نے خط اسمی مولوی احمد اللہ صاحب وخاکسار مؤرخہ ۷ رجولائی ۱۸۹۱ء میں یہ شرطیں پیش کیں۔ (۱) یہ کہ امن قائم رکھنے کے لئے کوئی احسن انتظام کیا جاوے۔ کوئی صاحب ذمہ دار ہو جائیں۔ (۲) مباحثہ تحریری ہو۔ خواہ کوئی صاحب اپنے ہاتھ سے لکھیں۔ خواہ دوسرے سے لکھا دیں۔ ان شروط کی منظوری کے بعد خاکسار نے بٹالہ سے امرتسر پہنچنے کا وعدہ کیا تو آپ میرے آنے سے پیشتر امرتسر چھوڑ کر لدھیانہ کو سدھارے اور گریز کے مرتکب ہوئے۔ جس کی مفصل کیفیت ہمارے اشتہار یکم راگست ۱۸۹۱ء میں ہے۔

بار ہفتم: جب آپ کو خاکسار نے لدھیانہ میں جا پکڑا اور آپ کے خسر دوم منشی ناصر نواب نے آپ کو مباحثہ پر مجبور کیا۔ آپ نے تحریر ۲۰ رجولائی ۱۸۹۱ء میں جو اشتہار یکم راگست ۱۸۹۱ء میں چھپ چکی ہے یہ شروط پیش کیں کہ گفتگو تحریری ہو اور پہلی تحریر آپ کے مباحث کی جانب سے ہو اور مطالب فتح اسلام وتوضیح مرام پر اعتراض ہوں۔ خانگی امور کے متعلق اعتراض نہ ہوں۔ پھر شروط کی پابندی سے بارہ روز تک گفتگو ہوئی تو آپ نے نقض شروط کا ناحق الزام قائم کر کے بارھویں دن گفتگو کو ناتمام چھوڑ کر گریز کیا اور اشتہار یکم راگست اور رسالہ الحق میں اس گریز کا بایں الفاظ اقرار کیا کہ اب ہم اس بے سود بحث کو بند اور ختم کرتے ہیں۔

بار ہشتم: جب آپ نے دہلی جا کر دعویٰ مباحثہ کیا۔ یہ تین شرطیں پیش کیں۔ (۱) امن قائم رکھنے کے لئے ایک افسر یورپین مجلس بحث میں موجود ہو اور متعدد خطوط اسمی مولوی عبدالحق صاحب تفسیر حقانی میں یہ بھی لکھا کہ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کی اجازت واطلاع تقرری یورپین افسر خاص کران کے نام سے آوے۔ یہ شرط آپ نے اس لئے لگائی تھی کہ دہلی کے ڈپٹی کمشنر اس وقت چیوس صاحب بہادر تھے۔ جنہوں نے لدھیانہ میں فریقین

کو مباحثہ سے روک دیا تھا۔ لہٰذا آپ کو یقین تھا کہ وہ صاحب ہرگز اجازت مباحثہ نہ دیں گے۔ (۳) بحث تحریری ہو اور فریقین اپنے ہاتھ سے تحریر کریں۔ (۴) بحث صرف حیات وممات مسیح میں ہو۔ ان شرائط میں سے شرط اوّل کی نسبت جب یہ جتایا گیا کہ دہلی کے ڈپٹی کمشنر اس وقت چیوس صاحب بہادر ہیں جو لدھیانہ کے مباحثہ کو روک چکے تھے۔ تب ہی آپ اس شرط پر زور دے رہے ہیں تو آپ نے اس سے منفعل ہوکر اشتہار ۶؍ اکتوبر میں اس شرط کو منسوخ کیا اور اس کے بدلے ذمہ داری امن کا وعدہ لے کر مباحثہ منظور کیا۔ مگر تاریخ ومقام مقرر کر کے آپ کو بلایا تو آپ نے انکار کر دیا اور گریز کیا۔

اب آپ انصاف کو، شرم کو، حیاء کو کام میں لاکر کہیں کہ شروط جائز یا ناجائز کو کس نے پیش کیا اور اتنی دفعہ مباحثہ کو کس نے ٹلایا؟ کسی موقع اور کسی دفعہ ہماری طرف سے بھی کوئی شرط ابتداءً پیش ہوئی ہے اور ہماری کوئی تحریر آپ کے پاس موجود ہے جس میں کوئی شرط ابتداءً پیش کی گئی ہو؟ اگر ہے تو اس کا نمبر اور تاریخ بتادیں یا اس کو مشتہر کریں۔ نہیں تو کچھ شرم وحیاء کو کام میں لاکر بیہودہ شروط پیش کرنے اور اس ذریعہ سے مباحثہ کو ٹلانے کا الزام اپنے آپ کو دیں، نہ اپنے مخاطبین کو۔ آپ سے تو یہ امید نہیں۔ آپ کے دام افتادہ وہ اہل حدیث جو صرف دھوکہ میں پھنسے ہوئے ہیں اور کوئی ذاتی غرض حصول فتوحات جمون نقدی ونوکری وغیرہ فعائد دنیوی نہیں رکھتے وہ ہی اس امر کو سوچیں کہ قادیانی نے بیہودہ شروط پیش کر کے مباحثہ کو ٹلانے کے الزام دینے میں راستی سے کام نہیں لیا بلکہ سفید جھوٹ بولا ہے تو قادیانی کے دام سے ان کی مخلصی کی کامل امید ہے۔

جواب دعویٰ وفات مسیح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام

فیصلہ کے اخیر میں اور اس کے (فیصلہ آسمانی ص۵، خزائن ج۴ ص۳۱۷) میں قادیانی نے یہ دعویٰ کیا یا یوں کہیں کہ حکم لگادیا ہے کہ: ’’قرآن کریم نے حضرت مسیح کو مردہ قرار دیا ہے اور صحیح بخاری میں بھی لکھا ہے کہ وہ فوت ہو چکے ہیں۔‘‘

یہ بھی محض کذب اور سفید جھوٹ ہے۔ نہ قرآن کریم میں یہ تصریح یا اشارہ ہے نہ صحیح بخاری یا کسی اور کتاب حدیث میں اس پر تصریح یا اشارہ پایا جاتا ہے بلکہ قرآن کریم اور حدیث بالاتفاق حضرت مسیح کے آسمان پر زندہ ہونے اور قیامت سے پہلے نزول اجلال

فرمانے کو ثابت کر رہے ہیں۔ کادیانی نے اس فیصلہ میں اپنے دعویٰ پر دروغ اور کذب بے فروغ کے ثبوت میں دلائل قرآن وحدیث کو پیش نہیں کیا۔ صرف دعویٰ بلادلیل پر اکتفاء کیا ہے۔ لہٰذا اس کے جواب میں ہماری طرف سے بھی مجرد دعویٰ اور مجمل رد کافی تھا۔ لیکن ہم دلائل کادیانی کا جو اپنے ازالہ میں وہ بیان کر چکا ہے نمونہ دکھانے اور ناظرین کو ان کے ردوجواب کی طرف توجہ وشوق دلانے کی غرض سے اس کے بعض دلائل کو جس کو وہ اپنے زعم میں بہت صریح وصحیح وقوی سمجھتا ہے نقل کر کے اس کا تفصیلی جواب دیتے ہیں۔

توفی کے معنی پر قادیانی استدلال کا جواب

پس واضح ہو کہ ازانجملہ ایک وہ آیت ہے: ''**یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی** (آل عمران:۵۵) '' جس میں خداتعالیٰ نے حضرت مسیح کے خطاب میں فرمایا ہے۔ اسے عیسیٰ میں تجھے قبض کرنے والا یا پورا لینے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھا لینے والا۔

کادیانی نے اس آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ اسے عیسیٰ میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور پھر عزت کے ساتھ اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور اس سے یہ مطلب نکالا ہے کہ حضرت مسیح فوت ہوگئے ہیں اور ان کی روح آسمان کی طرف اٹھائی گئی ہے۔ وہ زندہ جسم کے ساتھ آسمان کی طرف نہیں اٹھائے گئے۔

اس کا ثبوت جو کادیانی نے پیش کیا ہے اس میں کذب اور مغالطہ سے کام لیا ہے اور ناواقف مسلمانوں کو دھوکہ دیا ہے۔

پہلا کذب ومغالطہ اس کا یہ کہنا ہے کہ توفی کے حقیقی معنی وفات دینا ہے نہ جسم کو قبض کرنا۔ اس کا ثبوت پیش کرنے میں اس نے بہت دلیری سے کام لیا اور مصرعہ

چہ دلاورست دزدے کہ بکف چراغ دارد

کا نمونہ دکھلا دیا اور حسب عادت قدیم تطویل بلاطائل وتکرار بلاحاصل اپنے ازالہ کے بیسیوں صفات اور متعدد مقامات (ص۲۴۷، ۲۶۵ لغایت ص۲۶۷، ۳۲۶ لغایت ص۳۳۲، ۵۹۸ لغایت ص۶۰۲، ۸۸۵ لغایت ص۸۸۸، ۸۹۲، ۹۱۸ لغایت ص۹۲۰، ۹۲۲ لغایت ص۹۲۶ وغیرہ وغیرہ) میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ لفظ توفی قرآن میں تیس جگہ وفات دینے کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے اور کسی ایک مقام میں بھی اور معنوں سے نہیں بولا گیا اور دعویٰ کیا ہے کہ ان تمام

کتابوں صحیح بخاری، صحیح مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد، نسائی، دارمی، موطا، شرح السنۃ کا صفحہ صفحہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ان کتابوں میں ۳۴۶ مرتبہ مختلف مقامات میں توفی کا لفظ آیا ہے۔ ہر جگہ اس کے معنی موت کے سوا کوئی نہیں لئے گئے اور دعویٰ کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے منہ سے بعثت کے بعد اخیر عمر تک کم سے کم سات ہزار مرتبہ یہ لفظ توفی نکلا ہے۔ ہر ایک مرتبہ اس لفظ سے قبض روح کے معنی لئے گئے ہیں اور دعویٰ کیا ہے کہ لغت کی کتابوں، قاموس، صحاح، صراح میں بھی کوئی فقرہ عرب کے محاورات کا ایسا نہیں ملا جس میں توفی کے لفظ کو خدا کی طرف منسوب کر کے ذی روح کے متعلق استعمال میں لاکر اس سے سوائے موت کوئی معنی مراد لئے گئے ہوں اور دعویٰ کیا ہے جب سے دنیا میں عرب کا جزیرہ آباد ہوا ہے اور زبان عربی جاری ہوئی ہے تب سے کسی قول قدیم یا جدید سے ثابت نہیں ہوتا کہ توفی کا لفظ کبھی قبض جسم کے معنی میں استعمال کیا گیا ہو۔ کوئی کتاب لغت اس کے مخالف نہیں اور کوئی مثل اور قول اہل زبان کا اس کے مغائر نہیں۔ غرض ایک ذرہ احتمال مخالف کی گنجائش نہیں اور دعویٰ اور وعدہ کیا ہے۔ اگر کوئی شخص قرآن یا حدیث یا اشعار وقصائد نظم ونثر قدیم وجدید عرب سے یہ ثبوت پیش کرے کہ کسی جگہ توفی کا لفظ خدا تعالیٰ کا فعل منسوب بہ ذی روح ہونے کی حالت میں وفات دینے کے سوا قبض جسم کے معنوں میں مستعمل ہوا ہو تو میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر اقرار صحیح شرعی کرتا ہوں کہ ایسے شخص کو اپنا کوئی حصہ ملکیت فروخت کر کے ایک ہزر روپیہ نقد دوں گا اور دعویٰ کیا ہے کہ اب عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ آیت: ’’انی متوفیک‘‘ کے یہ معنی ہیں کہ اے عیسیٰ میں تجھے وفات دوں گا پھر کہا کہ امام بخاری ابن عباس کا قول بطور تائید لائے ہیں تا کہ معلوم ہو کہ صحابہ کا بھی یہی مذہب تھا کہ مسیح ابن مریم فوت ہوگیا ہے۔

ان دعاوی وبیانات کا فورس (یعنی زور) بڑھانے اور ناواقف مسلمانوں کو اپنے دام تزویر میں لانے کی غرض سے کادیانی نے یہ غضب ڈھایا اور ستم کیا ہے کہ لفظ توفی سے وفات دینے کے سوا اور معنی قبض یا رفع جسم مراد لینے کو کفر والحاد قرار دیا ہے اور مفسرین سلف وخلف کو جو یہ معنی مراد سمجھتے ہیں ملحد ومحرف ویہودی بنا دیا۔ چنانچہ (ازالہ ص۳۳۴،۳۳۵، خزائن ج۳ص۲۷۰) میں کہا ہے کہ: ’’اوّل سے آخر تک محاورہ قرآنی سے یہ ثابت ہے کہ توفی سے موت دینا مراد ہے تو پھر متنازعہ فیہ آیات میں توفی کے معنی مخالف عام محاورہ قرآن گھڑ لینا الحاد اور تحریف نہیں تو کیا ہے۔‘‘

ایسا ہی (ازالہ ص۳۴۱، خزائن ج۳ ص۲۷۴) میں کہا ہے اور اس کے (ص۶۰۰، خزائن ج۳ ص۴۲۴) میں کہا ہے: ’’بعض علماء نے محض الحاد اور تحریف کے رو سے اس جگہ ’’توفینی‘‘ سے ’’رفعتنی‘‘ مراد لیا ہے۔ یہی تو الحاد ہے۔‘‘

ایسا ہی (ازالہ ص۹۲۵، خزائن ج۳ ص۶۰۸) وغیرہ میں کہا ہے۔

دوسرا مغالطہ اس کا یہ کہنا ہے کہ رفع سے مراد روح کا اٹھالینا ہے۔ جیسا کہ عام صالحین کے روح کو بعد موت خداتعالیٰ اٹھالیتا اور ان کا درجہ بلند کرتا ہے۔ نہ روح کو معہ جسم اٹھالینا۔

اس کے ثبوت میں کادیانی نے کسی جداگانہ دلیل کو پیش نہیں کیا بلکہ سابق دلائل وفات مسیح کو اس کے ثبوت میں کافی سمجھا ہے۔ چنانچہ اپنے (ازالہ ص۲۶۳، خزائن ج۳ ص۲۳۳، ازالہ ص۲۶۷، خزائن ج۳ ص۲۳۵، ازالہ ص۳۴۲، خزائن ج۳ ص۲۷۴ لغایت ص۳۴۶، خزائن ج۳ ص۲۷۶) وغیرہ میں کہا ہے کہ جس حالت میں قرآن شریف اور حدیث کے رو سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلاشبہ فوت ہوگئے ہیں تو پھر اس ثبوت کے بعد رفع سے جسم کے ساتھ اٹھایا جانا مراد سمجھنا کمال درجہ کی غلطی ہے۔

اور کہا ہے جب کہ ضروری طور پر ماننا پڑا کہ ہر ایک مؤمن کی روح مرنے کے بعد آسمان کی طرف اٹھائی جاتی ہے تو اس سے صاف کھل گیا کہ ’’رافعک الیّ‘‘ کے یہی معنی ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی روح آسمان کی طرف اٹھائی گئی اور اس کی تائید وتنظیر میں (ازالہ ص۵۹۹، خزائن ج۳ ص۴۲۳) میں حضرت ادریس علیہ السلام کا اٹھایا جانا پیش کر کے کہا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ خداتعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو موت دے کر بلند مقام میں پہنچا دیا ہے۔ کیونکہ اگر وہ بغیر موت کے آسمان پر چڑھ گئے ہیں تو ضرور ہے کہ وہ ایک دن زمین پر اتریں اور فوت ہوں اور زمین میں مدفون ہوں اور یہ امر قرآن اور حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

تیسرا مغالطہ کادیانی کا ’’رافعک‘‘ کے ترجمہ میں جعل وتصرف کرنا اور ان الفاظ سے اس کا ترجمہ کرنا ہے۔ ’’اور پھر تجھے اٹھانے والا ہوں۔‘‘ اس میں اس نے ’’واو‘‘ کا ترجمہ ’’پھر‘‘ سے کیا ہے۔ جو حرف ’’ثم‘‘ کا ترجمہ ہے اور وہ تحریف معنوی کا مرتکب ہوا یا ترجمہ ’’واو‘‘ کے ساتھ ترجمہ حرف ’’ثم‘‘ از خود ملا دیا ہے اور تحریف لفظی کا ارتکاب کیا۔ اس جعل وتصرف پر اس نے ترتیب الفاظ قرآنی کو دلیل ٹھہرایا اور یہ کہا ہے کہ خداتعالیٰ نے پہلے ’’انی متوفیک‘‘ فرمایا۔ پھر ’’رافعک‘‘ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ’’توفی‘‘ کا وقوع

پہلے ہوا ہے اور ’’رفع‘‘ کا پیچھے ہوا۔ کیونکہ اگر وقوع رفع کو پہلے اور توفی کو پیچھے مان لیا جائے تو اس سے کلام الٰہی کی جس میں توفی کا پہلے ذکر ہے اور رفع کا پیچھے فصاحت وبلاغت ٹوٹ جاتی ہے اور نیز تجویز تقدیم وتاخر ترغیب طبعی کے برخلاف ہے کیونکہ طبعاً توفی بمعنی وفات پہلے ہوتی ہے اور رفع روح پیچھے۔

اس دعویٰ کا زور جتانے اور ناواقف مسلمانوں کو اس کی صحت کا یقین دلا کر دام میں لانے کی غرض سے کادیانی نے سلف وخلف علماء اسلام کے حق میں (جنہوں نے حضرت مسیح کے رفع کا مقدم اور توفی کا مؤخر ہونا تجویز کیا ہے) سخت زبان درازی کی ہے اور ان کو یہودی، ملحد، بے حیاء، بے ایمان کہہ کر ان کی آبرو لی ہے۔ (دیکھو ازالہ کادیانی کا ص۳۴۶، خزائن ج۳ ص۲۷۶، ازالہ ص۹۲۴، خزائن ج۳ ص۶۰۷، لغایت ص۹۲۶، خزائن ج۳ ص۶۰۸)

کادیانی کے اس بے باکانہ غوغا وشور اور مزخرفانہ دعاوی کے زور کو دیکھ کر بعض مدعیان علم عربی وقرآن مصداق مثل مشہور نیم ملاّں خطرۂ ایمان ونیم حکیم خطرۂ جان اور اکثر اردوخواں جو قرآن حدیث سے محض بے خبر ہیں اور علوم عربیہ میں کچھ دخل نہیں رکھتے۔ ومعہذا علماء سلف وخلف کی تقلید چھوڑ کر نیچری ہو چکے ہیں یا فرقۂ اہل حدیث کی طرف منسوب ہوکر برطبق ؎

بدنام کنندہ نکونامی چند

اس فرقہ کو بدنام کررہے ہیں تو اسلام کو سلام کر بیٹھے ہیں۔

وہ کادیانی کے ان دعاوی اور دلائل مزخرفہ کی نظر سے نہ صرف اس کے دعویٰ وفات مسیح پر ایمان لے آئے ہیں بلکہ اس کے جملہ کفریات اور متحدثات کو حق جاننے لگ گئے ہیں اور وہ اتنی ہوش وتمیز نہیں رکھتے اور سمجھ نہیں سکتے کہ صرف دعویٰ وفات مسیح میں کادیانی کے مصیب ہونے اور اس کے دلائل مذکورہ بالا کے قوی اور صحیح ہونے سے اس کے جملہ کفریات صحیح نہیں ہوسکتے اور نہ وہ ان کفریات کے ساتھ صرف دعویٰ وفات مسیح میں مصیب ہونے کے سبب واجب التعظیم یا جائز الاتباع ہوسکتا ہے۔ اسی ان کی ناسمجھی وبے تمیزی سے کادیانی نے اپنا الّو سیدھا کر لیا ہے اور وہ اپنے جملہ الزامات کے جواب میں وفات مسیح کی بحث کو پیش کرتا ہے اور اس مسئلہ کے سوا وہ کسی مسئلہ میں بحث نہیں کرتا اور اس بحث کو جملہ الزامات مثبتہ کفر وضلالت کا کافی جواب سمجھ رہا ہے۔ کیوں نہ ہو اس کو ایسے عقل کے اندھے اور تسلیم کے پورے جو مل گئے اب جو وہ کہے کہہ سکتا ہے ؎

وزیرے چنین شہریارے چنان جہان چون نگردد قرارے چنان

مگر اہل دانش وبینش وصاحب خبرت وبصیرت ہر فرقہ اہل اسلام کے خوب سمجھتے اور یقین رکھتے ہیں کہ اس کا یہ دعویٰ وفات مسیح ایک بالو کی دیوار ہے اور اس کے دلائل مذکورہ بالا وغیرہ ہوائی گولے ہیں۔ ان سے حضرت مسیح کا فوت ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا اور اگر بفرض محال وہ اس دعویٰ میں مصیب بھی ہو اور وہ دلائل صحیح وقوی ہوں تو اس سے اس کے باقی عقائد کفریہ صحیح ولائق تسلیم نہیں ہوسکتے اور ان عقائد کے ساتھ وہ ہرگز جائز الاتباع نہیں ہوسکتا۔

یہ شق ثانی ظاہر البیان اور بین الثبوت ہے۔ اس مقام میں شق اوّل یعنی اس کے دعویٰ وفات مسیح کا ایک بالو کی دیوار وغیرہ ثابت اور اس کے دلائل کا ہوائی گولے ونا کافی وبیکار ہونا ثابت کیا جاتا ہے۔ ناظرین توجہ کریں۔

پہلے کذب ومغالطہ میں اس کے دعویٰ اور دلائل کا غیر ثابت ونا تمام ہونا

اس مغالطہ میں جو اس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ توفی کے حقیقی معنی وفات دینا ہے اس کے سوا جو اس کے معنی کئے جاتے ہیں وہ سب غیر حقیقی یعنی مجازی ہیں۔ یہ محض کذب اور سفید جھوٹ ہے۔ یہ دعویٰ نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث سے نہ کسی لغت کی کتاب سے نہ محاورات قدیم وجدید عرب سے نہ کسی مقولہ یا مثال سے اور اس کے ثبوت میں جو ہفتگانہ دلائل کادیانی نے پیش کئے ہیں وہ دلائل نہیں بلکہ وہ بجائے خود نئے دعاوی ہیں جو محتاج ثبوت ہیں اور ان کا بار ثبوت کادیانی کے ذمہ ہے۔ مگر اس نے ان کا کوئی ثبوت نہیں دیا۔ صرف دعاوی سے اپنے احمق اتباع کا گھر پورا کر دیا ہے۔

اس کا پہلا دعویٰ کہ قرآن مجید کے تیئس مقام میں لفظ توفی وفات دینے کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ ایک جگہ بھی کسی اور معنی پر استعمال نہیں کیا گیا۔ محض کذب ہے۔ کیونکہ منجملہ ان تیئس۲۳ مقامات کے جس کو کادیانی نے ذکر کیا ہے ایک مقام وہ آیت سورۃ انعام ہے جس میں ارشاد ہے کہ: ’’**وھو الذی یتوفکم باللیل ویعلم ماجرحتم بالنھار ثم یبعثکم فیہ لیقضی اجل مسمی** (انعام:۶۰)‘‘ خداتعالیٰ ہی ہے جو تم کو رات کے وقت پورا قبض کر لیتا ہے اور جو تم دن کو کرتے ہو اس کو جانتا ہے۔ پھر تم کو دن میں اٹھاتا ہے تاکہ تمہاری میعاد حیات پوری ہو۔

دوسرا مقام وہ آیہ سورۂ زمر ہے جس میں ارشاد ہے: ’’اللہ یتوفی الانفس حین موتها والتی لم تمت فی منامها فیمسک التی قضی علیها الموت ویرسل الاخریٰ الیٰ اجل مسمی (زمر:۴۲)‘‘ خداتعالیٰ موت کے وقت جانوں کو پورا قبض کر لیتا ہے اور جو نہیں مرتے ان کو نیند میں پورا لیتا ہے۔ ان میں جس پر موت کا حکم لگا چکتا ہے اس کو روک لیتا ہے اور دوسرے کو ایک وقت تک چھوڑ دیتا ہے۔

ان دونوں مقام میں لفظ توفی باتفاق اہل اسلام اور کادیانی کی نیند کے معنی میں مستعمل ہوا ہے اور فریقین سے کوئی ان آیتوں کے معنی نہیں کرتا کہ رات کو جو شخص سوتا ہے وہ مرجاتا ہے۔

اس سے صاف ثابت ہے کہ کادیانی کا وہ دعویٰ کہ یہ لفظ قرآن میں موت کے سوا اور کسی معنی میں مستعمل نہیں ہوا سفید جھوٹ ہے۔

اس الزام کذب کا کادیانی کو کھٹکا ہوا تو اس نے اپنے (ازالہ ص۳۳۲، خزائن ج۳ ص۲۶۹) میں اس کے رفع کرنے کے لئے یہ عذر کیا کہ ان دونوں مقامات میں نیند پر توفی کے لفظ کا اطلاق ایک استعارہ ہے جو بہ نصب قرینہ نوم استعمال کیا گیا ہے۔

پھر (ازالہ ص۳۳۳، خزائن ج۳ ص۲۶۹) میں کہا ہے کہ: ’’معنی حقیقی وہ ہوتے ہیں جو بلاقرینہ سمجھ میں آویں اور جو معنی کسی قرینہ سے سمجھے جائیں وہ مجازی معنی کہلاتے ہیں اور بناء علیہ وفات دینا توفی کے حقیقی معنی ہیں۔ کیونکہ وہ بلاقرینہ ان آیات سے سمجھ میں آتے ہیں اور نینداس کے مجازی معنی ہیں۔ وہ صرف ان دو آیتوں سے بقرینہ نوم سمجھ میں آتے ہیں۔ مگر اس عذر سے اس کا وہ جھوٹ کہ قرآن میں یہ لفظ توفی کسی دوسرے معنی ہیں مستعمل ہی نہیں ہوا۔ سچ نہیں بن سکتا۔ ہاں! اس سے ایک نیا دعویٰ معہ دلیل پیدا ہوا کہ لفظ توفی قرآن میں دو معنی سے مستعمل ہوا ہے۔ ایک وفات دینا جو اس کے حقیقی معنی میں کیونکہ وہ بلاقرینہ سمجھ میں آتے ہیں۔ دوسرے سلانا جو اس کے معنی مجازی ہیں کیونکہ وہ قرینہ سے جو مجاز کی علامت ہے سمجھ میں آتے ہیں۔‘‘

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دعویٰ اور اس کی دلیل بھی کذب ومغالطہ سے خالی نہیں اور حق اور راست یہ امر ہے کہ توفی کے حقیقی معنی ایک چیز کو پورا لینا ہے اور اس معنی کی کئی صورتیں یا اقسام ہیں۔ (۱) مارنا۔ (۲) سلانا۔ (۳) ایک چیز کے جسم کو قبض کر لینا۔ وغیرہ!

اوران سبھی صورتوں یا اقسام سے ہرایک خاص صورت یا قسم کا اس لفظ سے مراد ٹھہرانا محتاج قرینہ ہوتا ہے اور پھر اس قسم یا صورت کو معنی مجازی نہیں کہا جا سکتا۔ جیسے لفظ مشترک (مثلاً عین جو چشمہ جاریہ اور آنکھ کے لئے موضوع ہے) سے بعض معنی مراد ہونا محتاج قرینہ ہوتا ہے۔ (مثلاً لفظ عین کے ساتھ دیکھنے کا ذکر ہو تو اس سے آنکھ مراد لی جاتی ہے اور اگر جاری ہونے کا ذکر ہو تو اس سے پانی کا چشمہ مراد لیا جاتا ہے) اور اس لفظ کے ان معنی کو جو قرینہ سے سمجھ میں آویں مجازی نہیں کہا جاتا۔

کادیانی نے صرف قرینہ کو مجاز ہونے کی دلیل سمجھ لیا اور یہ نہ جانا کہ معانی حقیقی بھی اگر وہ متعدد ہوں محتاج قرینہ ہوتے ہیں اور پھر مجازی معنی نہیں کہلاتے اور اس سے اپنا علم معانی و بیان واصول ومعقول سے جاہل و بے خبر ہونا ثابت کیا ہے۔

اب ہم اپنے بیان کی تصدیق وتائید کے لئے علماء عربیت ماہرین عربی زبان تبحرین علم معانی و بیان کے اقوال سے شہادت پیش کرتے ہیں۔

تفسیر بیضاوی میں ہے: ’’**والتوفی اخذ الشی وافیاً والموت نوع منه قال الله تعالٰی یتوفی لانفس حین موتها. والتی لم تمت فی منامها** (بیضاوی ص۲۴۷) ‘‘توفی کسی چیز کے پورا لینے کو کہتے ہیں۔ مارنا اس کا ایک قسم ہے (اور دوسرا قسم نیند ان دونوں قسم کا ذکر اس قول خداوندی میں ہے) کہ خداتعالیٰ جانوں کو موت کے وقت پورا لیتا ہے (یعنی مارتا ہے) اور جو نہیں مرتے ان کو نیند میں پورا لیتا ہے (یعنی سولا دیتا ہے)

اور تفسیر کبیر میں ہے: ’’**ان التوفی هو القبض یقال وفانی فلان دراهمی واوفانی وتوفیتها منه کما یقال سلم فلان دراهمی الی وتسلمتها منه وقد یکون ایضاً توفی بمعنی استوفے وعلی کلا الاحتمالین کان اخراجه من الارض واصعاده الی السماء توفیا له فان قیل لعلّ هذا الوجه کان التوفی عین الرفع الیه فیصر قوله رافعل الے تکرارا قلنا قوله انی متوفیک یدل علی حصول التوفی وهو جنس تحته انواع بعضها بالموت وبعضها بالاصعاد الی السماء فلما قال بعد ورافعک الی کان هذا تعییناً للنوع ولم یکن تکراراً** (تفسیر کبیر ج۲ ص۶۹۰) ‘‘توفی کے معنی قبض کرنا ہے۔ عرب کے یہ محاورات ہیں: ’’**وفانی فلان دراهمی واوفانی وتوفیتها منه** ‘‘یعنی فلاں شخص نے

میرے دراہم میرے قبضہ میں دے دیئے اور میں نے اس سے قبض کر لئے۔

(ناظرین! دیکھو ان محاورات عرب میں توفی بمعنی قبض دراہم وجسم میں بولا گیا ہے۔ یہی قبض جسم ان محاورات میں پایا جاتا ہے جو صحاح صراح اور قاموس سے عنقریب منقول ہوں گے اور پھر انصاف اور ایمان کو پیش نظر لکھ کر کادیانی کے اس کذب وجرأت کا کہ محاورہ عرب اور کتب لغت میں کوئی ایسی مثال پائی نہیں جاتی جس میں توفی بمعنی قبض جسم بولا گیا نہ ہو۔ اندازہ کرو) جیسے یہ محاورات ہیں۔ ''سلم فلان دراهمی الی وتسلیمتها منه ''یعنی فلاں شخص نے میرے دراہم میرے سپرد کئے اور میں نے اس سے لے لئے اور کبھی ''توفی بمعنی استوفی ''آتا ہے۔ یعنی پورا لینے کے معنی میں ان دونوں معنی (قبض کرنے اور پورا لینے) سے حضرت مسیح کو زمین سے نکال کر آسمان پر چڑھا لے جانا ان کی توفی ہے۔ اس پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ان معنی کی نظر سے توفی بعینہ رفع جسم ہوا۔ لہٰذا متوفیک فرمانے کے بعد رافعک الیّ کہنا تکرار بلا فائدہ بنتا ہے۔ (جس سے خدا کی شان پاک ہے) اس کا جواب یہ ہے کہ متوفیک فرمانے سے صرف قبض کرنا معلوم ہوا۔ جو ایک جنس اور عام مفہوم ہے اور اس کے نیچے کئی انواع واقسام پائے جاتے ہیں۔ (۱) موت (جس میں صرف روح کا قبض کرنا ہوتا ہے) (۲) جسم کو آسمان پر لے جانا (جس میں روح کی شمولیت بھی پائی جاتی ہے) (۳) سلا دینا (جس میں ایک قسم کا قبض روح ہوتا ہے اور اس کا ذکر تفسیر کبیر کی آئندہ عبارت میں ہے) پھر جب متوفیک فرمانے کے بعد ورافعک الیّ فرمادیا تو اس سے اس جنس کے ایک نوع کا تقرر ہوگیا اور تکرار لازم نہ آیا۔

اور تفسیر کبیر میں آیات زیر بحث کی تفسیر میں فرمایا ہے: ''فاما قوله الذی یتوفاکم باللیل فالمعنی انه تعالی ینیمکم فیتوفی انفسکم التی بها تقدرون علی الا دراک والتمییز کما قال جل جلاله اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتها والتی لم تمت فی منامها فیمسک التی قضی علیها الموت ویرسل الاخریٰ الیٰ اجل مسمے فاللّٰہ جل جلاله یقبض الارواح عن التصرف بالنوم کما یقبضها بالموت (تفسیر کبیر ج۴ ص۸۳) ''یتوفکم باللیل کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ تم کو رات کے وقت سلا دیتا ہے اور تمہارے ان ارواح کو قبض کر لیتا ہے جن سے تم ادراک اور تمیز کر سکتے ہو۔ جیسا کہ دوسری آیت میں فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ

جانوں کو موت کے وقت قبض کرتا ہے تا آخر۔ سو خدا تعالیٰ ارواح کو نیند کے ساتھ قبض کرتا ہے جیسا کہ موت کے ساتھ قبض کرتا ہے۔

اور لغت کی کتابوں میں سے صحاح میں لکھا ہے: ’’اوفاہ حقہ ووفاہ بمعنی اعطاہ وافیا واستوفی حقہ وتوفاہ بمعنی وتوفاہ اللّٰہ ای قبض روحہ والوفات الموت توافی القوم تناموا (صحاح جوہرے) ‘‘اوفاہ حقہ (باب افعال سے) او وفاہ حقہ (باب تفعیل سے) اور استوفا حقہ (باب استفعال سے) اور توفاہ (باب تفعل سے جو زیر بحث ہے) سب ایک ہی معنی رکھتے ہیں کہ اس کا حق پورا دے دیا اور توفاہ اللہ کے معنی قبض روح کے ہیں اور توافی کے معنی نیند ہے اور صراح میں ہے کہ ایفاء گزاردن حق کسے بہ تمام ویقال منہ واوفاہ حقہ ووفاہ استیفا وتوفی تمام گرفتن حق وتوفاہ اللہ اے قبض روحہ وفاۃ مردن موافات رسیدن وآمدن وتوافی القوم ای تناموا۔

اور قاموس میں لکھا ہے: ’’و (اوفی) فلانا حقہ ای اعطاہ وافیا کوفاہ واوفاہ فاستوفاہ وتوفاہ الوفاۃ الموت وتوفاہ اللّٰہ قبض روحہ (قاموس ص ۹۱۳) ‘‘کہ: ’’اوفی فلا ناحقہ‘‘ کے یہ معنی ہیں کہ اس کو حق پورا دے دیا۔ جیسے ’’وفاہ‘‘ اور ’’اوفاہ‘‘ اور ’’استوفاہ‘‘ اور ’’توفاہ‘‘ کے یہی معنی ہیں۔ ’’وفات‘‘ بمعنی موت ہے اور ’’توفاہ اللّٰہ‘‘ کے یہ معنی ہیں کہ خدا نے اس کی روح کو قبض کیا۔ ایسا ہی اور کتب لغت میں ہے۔ یہ تینوں کتابیں لغت کی وہ ہیں جن کا نام لے کر کادیانی نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ ان کتابوں میں کوئی ایسی مثال یا محاورہ پایا نہیں جاتا۔ جس میں لفظ توفی بمعنی قبض جسم بولا گیا ہو۔ ہم نے انہیں تین کتابوں سے محاورہ ’’توفاہ حقہ‘‘ جس سے درہم ودینار وغیرہ اجسام کا قبض مراد ہے نقل کر دیا اور اس سے کادیانی کا کذب بخوبی ثابت کیا۔

اور کتاب مجمع البحار میں ہے: ’’متوفیک ورافعک علی التقدیم والتاخیر وقد یکون الوفاۃ قبضاً لیس بموت اومتوفیک مستوف کونک فی الارض ویتوفکم باللیل ینیمکم ویتوفاکم ملک الموت یستوفی عددکم واللّٰہ یتوفی الانفس حین موتہا والنفس التی تتوفی وفات الموت التی بہا الحیوۃ والنفس والحرکۃ وھی الروح والتی تتوفی فی النوم النفس الممیزۃ العاقلۃ (مجمع البحار ج۳ ص۴۵۴) ‘‘(جو لغات اور محاورات

قرآن وحدیث کی جامع ہے) کہ ''متوفیک ورافعک'' میں تقدیم وتاخیر ہے اور کبھی وفات سے وہ قبض کرنا مراد ہوتا ہے جو موت نہ ہو اور ''متوفیک'' کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ ہم تیرا زمین میں رہنا یا ہونا پورا کرنے والے ہیں اور ''یتوفیکم باللیل'' کے معنی یہ ہیں کہ خدا تم کو سلا دیتا ہے اور ''یتوفاکم الموت'' کے معنی یہ ہیں کہ فرشتہ تمہارے شمار کو پورا کر لیتا ہے اور آیت: ''اللہ یتوفی الانفس حین موتھا'' کے یہ معنی ہیں کہ جو نفس موت سے وفات پاتا ہے اس کی اس روح کو خدا قبض کرتا ہے۔ جس سے زندگی اور سانس لینا اور حرکت کرنا ہوتا ہے اور جو نفس نیند میں متوفی ہوتا ہے اس کی اس روح کو قبض کرتا ہے جس سے عقل وتمیز ہوتی ہے۔

ان عبارات اور محاورات سے ثابت ہوا کہ توفی کے حقیقی معنی استیفا وقبض کے ہیں جو ایک جنس ہے اور موت، نیند اور قبض جسم وغیرہ اس کے انواع واقسام ہیں اور یہ بات کس وناکس کو بشرطیکہ عقلی اور نقلی علوم سے آشنائی رکھتا ہو معلوم ہے کہ جنس کا اپنے انواع واقسام پر اطلاق واستعمال بطور حقیقت ہوتا ہے نہ بطور مجاز۔

اس سے ثابت ہوا کہ کادیانی کا توفی کے حقیقی معنی وفات کو قرار دینا اور نیند وغیرہ کو اس کے مجازی معنی ٹھہرانا ایک ایسا سفید جھوٹ ہے جس پر نہ قرآن کی شہادت پائی جاتی ہے نہ محاورات عرب کی نہ کتب لغت کی۔

اب بشہادت علمائے اصول ومعانی وبیان یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ جس لفظ کے اصلی معنی میں کثرت وتعدد ہو اس کے بعض معنی کا قرینہ کی شہادت سے سمجھ میں آنا حقیقت ہونے کے مخالف نہیں اور وہ اس کو مجاز نہیں بنا دیتا۔

کتاب تلویح میں ہے: ''حکم المشترک التامل فی نفس الصیغة اوفی غیرھا من الادلة والامارات لیترجح احد معانیہ (تلویح ص۱۰۷)'' مشترک کا یہ حکم ہے کہ اس کے لفظ میں یا اور دلائل وقرائن میں تأمل کریں تاکہ اس کے دو یا بہت سے معنی سے ایک معنی کا مراد ہونا معلوم ومتعین ہو۔

اور مطول میں کہا ہے: ''الحقیقة الکلمة للمستعملة فی ما وضعت لہ فیخرج المجاز لان دلالة انما تکون بقرینة دون المشترک ای فخرج المجاز لا المشترک وھو ما وضع لمعنیین او اکثر وضعاً متعدداً وذلک

لانہ قدعین لدلالۃ علی کل من المعنیین بنفسہ وعدم الدلالۃ علیٰ احد المعنیین معارض الاشتراک لاینا فی ذٰلک (مطول ص ۵۸۳) ’’کہ حقیقت کی تعریف میں وضع کی قید لگانے سے مجازی معنی نکل گئے۔ مشترک کیونکہ مجازی قرینہ سے سمجھ میں آتے ہیں نہ لفظ سے اور مشترک کے متعدد معانی اس کے لفظ سے سمجھ میں آتے ہیں۔ کیونکہ وہ ان سب معانی کے لئے وضع کیا گیا ہے اور اس کے کسی خاص معنی کا بلاقرینہ سمجھ میں نہ آنا۔ اس کی حقیقت ہونے کے مخالف نہیں۔ وہ ایک عارضی امر اشتراک کے سبب سے ہے۔ ایسا ہی مختصر المعانی میں ہے۔

ان شہادات سے ثابت ہے کہ مشترک کے بعض معانی قرینہ سے سمجھ میں آتے ہیں۔ ومعہذا وہ حقیقت ہے نہ مجاز، کادیانی نے جو آیات زیر بحث میں لفظ توفی سے نیند کے معنی قرینہ سے سمجھ میں آنے سے اس کو مجاز بنادیا ہے۔ اس میں علم اصول ومعانی بیان سے اپنی ناواقفی اور جہالت کا اظہار کیا ہے۔

اب ہم بیان کرتے ہیں کہ لفظ توفی سے موت کے معنی بھی (ان آیات میں جن کو کادیانی نے اپنے (ازالہ ص۳۳۰، خزائن ج۳ ص۲۶۸) وغیرہ میں نقل کیا ہے) قرائن ہی سے سمجھ میں آتے ہیں اور وہ قرآئن ان آیات کے الفاظ میں موجود ہیں۔ نہ یہ کہ موت اس نفس کی متبادر معنی ہیں اور وہ بلاقرینہ سمجھ میں آتے ہیں۔ جیسا کہ کادیانی نے دعویٰ کیا اور روز روشن مسلمانوں کی آنکھوں میں خاک ڈالنا چاہا ہے۔

ان آیات کو ہم کادیانی کے الفاظ سے اور اپنی ترتیبؒ سے نقشہ ذیل میں نقل کر کے اس کے خانہ کیفیت میں وہ قرائن بیان کریں گے جو ان آیات میں توفی سے معنی وفات مراد پر پائے جاتے ہیں۔

نمبر	سورہ ورکوع	آیات جو کادیانی نے نقل کی ہیں	بیان قرینہ وغیرہ کیفیت
۱	نساء:۱۵	ثم یتوفھن الموت	پہلی آیت میں حرف ’’ثم‘‘ عثمانی قرآن میں تو نہیں ہے بجائے اس کے ’’حتی‘‘ ہے شاید کادیانی قرآن میں ’’ثم‘‘ ہو۔ ان دونوں آیتوں میں موت کا لفظ صریح قرینہ ہے جس سے کادیانی مسلمانوں کی آنکھیں بند کرنا چاہتا ہے۔
۲	سجدہ:۱۱	قل یتوفاکم ملک الموت	

۳	آل عمران:۱۹۳	توفنا مع الابرار	ان دونوں آیتوں میں الفاظ ابرار اور صالحین (جن سے
۴	یوسف:۱۰۱	توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین	اموات گزشتہ مراد ہیں) اور ان ہی سے لحوق کی ان آیات میں دعا ہے۔قرینہ ہیں اور سیاق وسباق نیز۔
۵	نساء:۹۷	ان الذین توفّٰھم الملائکۃ	ان ساتوں آیات میں ملائکہ موت کا ذکر توفی کے
۶	نحل:۹۷	تتوفھم الملائکۃ ظالمی انفسھم	معنی وفات پر قرینہ ہے۔ان میں سے آخری آیۃ انفال سے کادیانی نے ذکر ملائکہ کا سرقہ کیا ہے۔
۷	نحل:۳۲	تتوفیھم الملائکۃ طیبین	
۸	انعام:۶۱	توفتہ رسلنا	
۹	اعراف:۳۷	رسلنا یتوفونھم	
۱۰	محمد:۲۷	فکیف اذا توفتھم الملائکۃ	
۱۱	انفال:۵۰	یتوفے	
۱۲	مؤمن:۷۷	فاما نرینک بعض الذی نعدھم اونتوفینک فالینا	ان تین آیتوں کے آخیر میں خدا کی طرف رجوع اور حساب کا ذکر توفی کے معنی موت پر قرینہ ہے۔
۱۳	یونس:۴۶	فاما نرینک بعض الذی نعدھم	ان میں سے آخری آیت کے آخیر کو کادیانی نے سرقہ کیا۔
۱۴	رعد:۴۵	اونتوفینک فالینا یرجعھم فاما نرینک بعض الذی نعدھم اونتوفینک واما علیک البلاغ وعلینا الحساب	
۱۵	بقرہ:۲۳۴	یتوفون منکم	ان دونوں آیتوں میں عورتیں چھوڑ جانے کا ذکر
	بقرہ:۲۴۰	یتوفون منکم	قرینہ معنی موت ہے۔
۱۷	اعراف:۱۲۶	توفنا مسلمین	اس آیت سے پہلے صلیب کا اور خدا کی طرف جانے کا ذکر معنی موت پر قرینہ ہے۔

۱۸	الحج: ۵	ومنکم من یتوفی	ان تینوں آیتوں میں پیدائش اور بچپن اور بڑھاپے کا ذکر توفی کے معنی موت پر قرینہ ہے۔ ان آیات سے بھی کادیانی نے ماقبل ومابعد کے قرائن کا سرقہ کیا اور مسلمانوں کو دھوکہ دیا۔
۱۹	مؤمن: ۶۷	ومنکم من یتوفی	
۲۰	نحل: ۷۰	ثم یتوفکم	

ان الفاظ وقرآئن کو جو ہم نے بتائے ہیں ناظرین قرآن مجید سے نکال کر یہ تفصیل ملاحظہ میں لائیں گے تو ہماری پوری تصدیق فرمائیں گے۔

کادیانی نے ۲۳ آیات میں لفظ ''توفی'' سے بلاقرینہ موت کے معنی سمجھے جانے کا دعویٰ کیا تھا۔ پھر ازاں جملہ دو آیتوں میں خود ہی ''توفی'' سے نیند کا مراد ہونا تسلیم کر لیا اور ایک آیت سورۂ مؤمن: ۷۷ ''او نتوفینک'' کو وہ مکرر لایا ہے۔ باقی بیس آیات میں لفظ ''توفی'' سے موت کے معنی مراد ہونے پر ہم نے قرائن کا موجود ہونا ثابت کر دیا ہے۔ اس سے ناظرین کو یقین ہوگا کہ کادیانی کا یہ دعویٰ کہ موت لفظ ''توفی'' کے متبادر معنی ہیں اور وہ بلاقرینہ سمجھ میں آتے ہیں۔ محض دروغ بے فروغ ہے اور درحقیقت اس لفظ سے موت کے معنی سمجھ میں آنے ویسے ہی محتاج قرینہ ہیں۔ جیسے کہ سلا دینے یا قبض جسم کے معنی اور یہ سب معنی اس لفظ سے مساوی نسبت رکھتے ہیں۔ سبھی اس کے حقیقی معنی ہیں اور سبھی اپنی اپنی تعیین کے لئے محتاج قرینہ ہیں۔

یہاں شاید یہ سوال پیدا ہو کہ جس حالت میں ان سب معانی کو اس لفظ سے مساوی نسبت ہے اور ہر ایک معنی کا مراد ومتعین ہونا محتاج قرینہ ہے تو علماء اسلام جو حضرت مسیح علیہ السلام کو زندہ آسمان پر موجود مانتے ہیں اور ان آیات میں وہ لفظ ''توفی'' سے قبض جسم کے معنی مراد لیتے ہیں۔ اس معنی کی تعیین وتخصیص پر کس قرینہ کو دلیل سمجھتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس معنی کی تعیین پر قرآن مجید میں لفظ ''متوفیک'' کے بعد لفظ ''رافعک'' فرمانا قرینہ ہے جو ''توفی'' کے معنی کو رفع جسم سے مخصوص ومتعین کرتا ہے۔ چنانچہ امام رازی کی عبارت تفسیر کبیر میں بہ تفصیل گزر چکا ہے۔

دوسرا قرینہ خدا تعالیٰ کا سورۂ نساء میں یہ فرمانا ہے کہ: ''وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لہم وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ مالہم بہ من علم الا اتباع الظن وما قتلوہ یقینا بل رفعہ اللہ الیہ (النساء: ۱۵۷، ۱۵۸)'' یہود نے

حضرت مسیح کو نہ قتل کیا اور نہ صلیب پر چڑھایا ہے ولیکن ان کو شبہ لگ گیا ہے۔ وہ خود اختلاف میں ہیں۔ اس کو انہوں نے یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ خداتعالیٰ نے اس کو اپنی طرف اٹھالیا ہے اور یہ امر ظاہری اور محتاج ثبوت نہیں ہے کہ اس آیۃ میں جس چیز کا قتل نہ ہونا اور صلیب پر چڑھایا نہ جانا بیان ہوا ہے اور وہ ضمیر مفعول ''ماقتلوہ وما صلبوہ'' کا مرجع ہے۔ اسی کا خدا کی طرف اٹھایا جانا مراد ہے اور وہی ضمیر مفعول رفعہ کا مرجع ہے اور وہ جسم مسیح علیہ السلام معہ روح ہے۔ نہ صرف روح کیونکہ روح صلیب پر چڑھانے اور قتل کئے جانے کے لائق نہیں ہوتا اور یہ امر جائز نہیں کہ پہلے دو فعلوں کے مفعول کی ضمیر کا مرجع جسم معہ روح ہو اور تیسرے فعل کے مفعول کی ضمیر کا مرجع صرف روح ہو۔

تیسرا قرینہ خداتعالیٰ کا یہ قول ہے کہ: ''**وان من اهل الکتب الا لیؤمنن به قبل موته ویوم القیمة یکون علیهم شهیدا** (النساء:۱۵۹) **باب نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام قال رسول الله ﷺ والذی نفسی بیده لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الحرب ویفیض مال حتی لا یقبله احد حتی تکون السجدة الواحدة خیر من الدنیا وما فیها ثم یقول ابوهریرة واقرؤا ان شئتم وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن به قبل موته ویوم القیمة یکون علیهم شهیدا** (صحیح بخاری ص ۴۹۰)'' اہل کتاب میں سے کوئی نہ ہوگا جو حضرت مسیح پر ان کے مرنے سے پہلے ایمان نہ لائے گا اور حضرت مسیح قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے جس کی آنحضرت ﷺ نے یہ شرح وتفسیر کی ہے کہ حضرت ابن مریم حاکم عادل امام ہوکر نازل ہوں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور صلیب کو توڑیں گے۔ چنانچہ ابوہریرہؓ نے آپ سے یہ قول نقل کیا اور اس کے بعد اس آیت کو پڑھا اور صحیح بخاری میں اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ثابت کیا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ نزول صعود کی فرع ہے حضرت عیسیٰ جسم کے ساتھ اٹھائے نہ جاتے تو خداتعالیٰ اس آیت میں ان کے آنے کی خبر نہ دیتا اور نہ آنحضرت ﷺ اس قول خداوندی کی یہ تفسیر فرماتے۔

اس قسم کے قرائن قرآن مجید میں اس لفظ توفی سے قبض جسم کی مراد ہونے پر اور کئی ہیں اور حدیث میں تو ان قرائن کا دریا موج مار رہا ہے۔ مگر ہم اس مقام میں دعویٰ رفع جسمانی

کی اثبات کے درپے نہیں بلکہ صرف کادیانی کے اس دعوے کے کہ موت توفی کے حقیقی معنی ہیں اور متبادر اور بلاقرینہ سمجھ میں آتے ہیں اور باقی معانی مجازی محتاج قرینہ ہیں۔ ابطال کے درپے ہیں۔ سو ہمارے بیان دلائل سے بخوبی ہو چکا۔ رہا یہ کہ اس لفظ توفی سے قبض جسم مراد ہے نہ قبض روح۔ سو اس امر کے ثبوت کے لئے کوئی قرائن ثلثہ مذکورہ بالا کو کافی نہ سمجھے تو ہمارے دوسرے مضمون کا جس میں حیات مسیح کا اثبات ہوگا انتظار کرے۔

یہ کادیانی کے اس دعویٰ کا جواب ہے کہ موت کے معنی لفظ توفی کے متبادر معنی ہیں۔ جو تیئیس مقامات قرآن میں اس لفظ سے بلاقرینہ سمجھ میں آتے ہیں۔ اور اس امر کا ثبوت ہے کہ ان مقامات میں سے ایک جگہ بھی یہ معنی اس لفظ سے بلاقرینہ سمجھ میں نہیں آتے۔ ہر جگہ لفظی قرائن معنی موت کو معین کرنے والے قرآن میں موجود ہیں۔

اب ہم اس دعویٰ کادیانی کے مقابلہ میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن میں ایک جگہ بھی ایسی نہیں جس میں لفظ توفی سے موت کے معنی بلاقرینہ سمجھ میں آتے ہوں۔ کادیانی ایک جگہ ایسی نکال دے تو ہم سے سو روپیہ انعام لے۔ یہ نہ ہوسکے تو اپنے دعویٰ کو واپس لے اور اس جرأت وافتراء سے جو اس دعویٰ میں اس سے سرزد ہوا ہے توبہ کرے۔ اس پر بھی ہم اس کو پچیس روپیہ انعام دیں گے۔

اس بیان سے کادیانی کے پہلا دعویٰ کا جس کو اس نے اپنے مغالطہ اوّل کے ثبوت میں پیش کیا تھا۔ کذب ظاہر ہوا اور ثابت ومحقق ہوگیا کہ لفظ ''توفی'' قرآن میں صرف وفات یا موت کے معنی میں استعمال نہیں کیا گیا بلکہ سلا دینے یا قبض جسم کے معنی میں ہی بولا گیا ہے اور یہ سب کے سب معانی اس کے حقیقی معانی ہیں جو خاص خاص مقامات میں خاص خاص قرائن سے سمجھ میں آتے ہیں۔ اس بیان کے ضمن میں کادیانی کے باقی دعاوی کا جو مغالطہ اوّل کے ثبوت میں اس نے پیش کئے ہیں نیز ابطال ہوگیا۔ تاہم افہام عوام کے غرض سے اس کے باقی ماندہ دعاوی کے ابطال سے جداگانہ تعرض کیا جاتا ہے۔

حدیث میں ۳۴۶ توفی کا معنی موت کا جواب

کادیانی کا دوسرا اور تیسرا دعویٰ پہلے دعویٰ سے بڑھ کر کذب وجرأت پر مشتمل ہے۔ کادیانی نے کتب حدیث کا ورق ورق خواب میں بھی نہ دیکھا ہوگا بلکہ بعض کتابوں کو تو

بین الدفتین (جلد کے) میں بھی آنکھ سے نہ دیکھا ہوگا۔ چہ جائے معائنہ ورق ورق۔

اس کا دوسرے دعوے میں یہ کہنا کہ کتب حدیث میں تین سو چھیالیس جگہ لفظ توفی بمعنی موت وقبض روح بولا گیا ہے۔ بعینہٖ اس شخص کے دعویٰ کی مانند ہے جو زمین پر ایک جگہ پر انگلی رکھ کر یہ کہہ دے کہ یہ زمین کا مرکز (بیچا بیچ) ہے اور اس کے ثبوت میں کہے کہ جو شخص اس دعوے کو جھوٹ سمجھے۔ وہ زمین کو ناپ کر بتاوے کہ بیچا بیچ یہ نہیں تو اور کون سا ہے۔ ایسا ہی اس کا تیسرے دعوے میں یہ کہنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے زمانہ بعثت سے آخیر عمر تک سات ہزار مرتبہ توفی کا لفظ بمعنی موت وقبض روح استعمال فرمایا ہے۔

اس میں اس نے یہ بھی چالاکی کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دعا یا تلاوت میں لفظ توفی دیکھ کر آپ کی سنین عمر کا زمانہ بعثت سے حساب لگا لیا اور اس سے سات ہزار کا شمار نکال لیا ہے۔ نہ یہ کہ آنحضرت ﷺ کی کلام پاک میں آپ نے سات ہزار مرتبہ کا شمار کیا ہے۔ مگر ہم بھی آپ کے ہر ایک داؤ اور رنگ وروپ کو خوب پہچانتے ہیں۔

بہر رنگے کہ مے آئی شناسم

لہٰذا آپ کے ان دونوں دعاوی کے جواب میں یہ کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ آپ تین سو چھیالیس مقامات حدیث اور سات ہزار مرتبہ آنحضرت ﷺ کا لفظ توفی بولنا بہ تفصیل بیان کر کے یہ ثابت کریں کہ ان مقامات میں لفظ توفی موت کے معنی میں بلاقرینہ استعمال کیا گیا ہے تو ہم ان مقامات میں قرائن معنی موت نکال دیں گے۔ یہ نہ ہوسکا تو ہم مان جائیں گے کہ موت وقبض روح لفظ توفی کے حقیقی معنی ہیں اور باقی معانی سولانا اور جسم قبض کرنا اس کے مجازی معنی ہیں۔ یہ آپ سے نہ ہوسکے تو ان گیدڑ بھبکیوں کو ندامت کے ساتھ واپس لیں اور کچھ شرم کو کام میں لاویں۔

اب ہم اس پر ترقی کر کے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ کتب حدیث اور کلام رسول اللہ ﷺ میں بھی کسی جگہ بھی توفی سے معنی موت بلاقرینہ سمجھے نہیں جاتے۔ آپ کوئی ایک مقام بتاویں تو اس پر بھی ایک سو روپیہ انعام لیں۔ ورنہ اپنے دعویٰ کو واپس لیں اور اس کذب وافتراء سے توبہ کریں۔ اس پر بھی ہم پچیس روپیہ انعام دیں گے۔

آپ کا چوتھا اور پانچواں دعویٰ پہلے تین دعاوی سے بڑھ کر کذب وجرأت پر مشتمل ہے۔ لغت کی کتابوں صحاح، صراح، قاموس سے (جن کا آپ نے نام لیا ہے) ابھی

ثابت ہو چکا ہے کہ ان کتابوں میں عرب کے ایسے محاورات[۵] موجود ہیں۔ جن میں لفظ توفی بمعنی قبض جسم درہم و دینار بولا گیا ہے۔ آپ ان محاورات کو محاورات عرب نہیں سمجھتے اور جس دن سے جزیرہ عرب دنیا میں آباد ہوا ہے۔ اس دن سے پہلے کے محاورات جانتے ہیں تو آپ ذرا تکلیف گوارا فرما کر یہ بتادیں کہ عرب کا جزیرہ کب سے آباد ہوا ہے اور اس سے کتنے دن پیشتر کے یہ محاورات ہیں جو ان کتابوں میں منقول ہیں۔ یا یہ بیان اور ثابت کریں کہ یہ محاورات غیر زبان کے ان کتابوں میں کب سے درج ہو گئے ہیں اور کس ظالم نے یہ ظلم کیا ہے۔ اس بیان سے آپ کی تاریخ دانی بھی بخوبی ثابت ہو جائے گی۔ جس کے ثبوت کے ہم مشتاق ہیں۔

رہا اس دعوے چہارم میں آپ کا یہ معمّا کہ لفظ توفی خدا کا فعل اور اس کی طرف منسوب ہو اور اس کا مفعول و متعلق کوئی ذی روح ہو تو اس کے معنی بجز قبض روح کچھ نہیں ہوتے۔ اس کا حل ابطال دعویٰ ششم میں ہوتا ہے۔

اللہ فاعل توفی فعل کا جواب

دعویٰ ششم میں تو آپ نے کمال غضب کیا اپنی چالاکی اور دھوکہ بازی کا کامل ثبوت پیش کیا اور اس میں اپنا بے نظیر یا یوں کہیں کہ ''**وحدہ لاشریک**'' ہونا ثابت کر دکھایا اور اپنے تمام ناظرین و مخاطبین کو اندھا کرنا اور دھوکہ دینا چاہا۔ مگر آپ کو یہ خیال نہ آیا کہ ''**لکل فرعون موسیٰ**'' ایک صادق مثل ہے۔ جس سے ''**لکل دجال عیسیٰ**'' کا استنباط آپ کے نزدیک بھی صحیح و مسلم ہے۔ بناء علیہ آپ کے دھوکہ اور چالاکی کو تاڑ جانے والے بھی خدا کے فضل و توفیق سے اس وقت موجود ہیں۔ وہ اس دعویٰ کا فساد ظاہر کریں گے اور اس دھوکہ کی قلعی کھول دیں گے۔

لیجئے! اس کا جواب سنئے اور قلعی کھلوایئے۔ اس دعویٰ میں آپ کا یہ سوال کہ فعل توفی کا فاعل خدا تعالیٰ ہو اور مفعول و متعلق کوئی ذی روح ہو اور اس حالت میں اس کا بجز قبض روح کسی اور معنی میں مستعمل ہونا کوئی شخص قرآن یا حدیث یا اشعار و محاورات عرب یا کتب لغات سے ثابت کرے۔ اس صورت میں صحیح اور واجبی ہوسکتا تھا۔ جب کہ خدا تعالیٰ حضرت مسیح علیہ السلام کے سوا کسی اور ذی روح کو زندہ جسم سے آسمان پر اٹھا لیتا اور پھر اس کی حکایت

اپنے کلام میں فرماتا اور جس حالت میں خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے سوا کسی ذی روح کو جسم سے آسمان پر نہیں اٹھایا تو پھر کب ممکن تھا کہ کسی اور شخص کے حق میں یہ لفظ معنی قبض جسم بلاقبض روح خدا تعالیٰ فرماتا اور اس کا ذکر خدا ورسول کی کلام میں کہیں آتا اور پھر وہ کلام عرب اور لغت میں نقل کیا جاتا۔

پھر آپ کا یہ سوال کب جائز ہے اور اس کے جواب کا آپ کو کیا استحقاق ہے۔ اہل اسلام کے اس عقیدہ اتفاقیہ کے ساتھ کہ حضرت مسیح کے سوا اور کوئی شخص زندہ آسمان پر اٹھایا نہیں گیا۔ جائز وممکن نہیں ہے کہ یہ لفظ حضرت مسیح علیہ السلام کے سوا کسی ذی روح کے حق میں خدا تعالیٰ نے بولا ہو اور اس کا ذکر خدا ورسول ﷺ کی کلام میں آیا ہو۔ پھر اس کلام کے مطابق محاورات واشعار عرب میں اس کا ذکر ہوا ہو۔ لہٰذا آپ کا یہ سوال کسی وجہ سے جائز نہیں ہوسکتا اور اس سے بجز دھوکہ دہی اہل اسلام کوئی آپ کا مقصود نہیں۔

ہاں! اس سوال کا آپ حق رکھتے ہیں۔ (جس کو دعویٰ پنجم میں آپ پیش کر چکے ہیں) کہ لغت کی کتابوں یں اس لفظ ''توفی'' کا استعمال بمعنی قبض جسم محاورہ عرب میں کہاں ہوا ہے اور کتب لغت میں اس کا ذکر کہاں پایا جاتا ہے۔ سو اس کا جواب ہم آپ کو یہ کافی ووافی دے چکے ہیں کہ انہیں کتابوں صحاح، صراح، قاموس میں (جن میں اس محاورہ کے پائے جانے سے آپ انکار کر چکے ہیں) اس معنی قبض جسم کا محاورہ[۵۲] (''توفاہ حقہ'' جس سے جسم درہم دینار کا قبض کرادینا مقصود ہے) موجود ہے اور علاوہ برآں کتب تفاسیر میں ایسے محاورات پائے جاتے ہیں اور انہیں محاورات عرب کے مطابق قرآن مجید میں (جو بزبان عربی نازل ہوا ہے) خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کے حق میں ''انی متوفیک'' فرمایا ہے اور اس معنی قبض جسم کا ارادہ کیا ہے۔

آپ اس جواب کو اس جائز سوال (مندرجہ دعویٰ پنجم) کا کافی اور صحیح جواب سمجھیں تو ہم آپ کے انعام ہزار روپیہ کو بحکم ''عطاء تو بلقاء تو'' معاف کرتے ہیں بلکہ بجائے اس کے اس جواب کی قبولیت پر خود پچیس روپیہ انعام دینے کو حاضر ہیں اور اگر اس جواب کو غیر صحیح ونا کافی قرار دیں تو امور ذیل سے ایک امر کا اثبات کریں۔

اوّل: صحاح، صراح اور قاموس جن کی عبارات ہم نے نقل کی ہیں وہ کتب لغت نہیں جن میں ان محاورات کے پائے نہ جانے کا آپ نے دعویٰ کیا تھا۔

دوم: یہ وہی کتابیں ہیں توان میں وہ عبارات درج نہیں جو ہم نے نقل کی ہیں۔

سوم: وہ عبارات درج ہیں توان میں وہ محاورات موجود نہیں جو ہم نے نقل کئے ہیں۔

چہارم: موجود ہیں توان کے معنی یہ نہیں بلکہ اور ہیں۔ مثلاً ''حق'' سے درہم دینار مراد نہیں بلکہ کوئی روحانی امر مراد ہیں۔ ان امور کو آپ ثابت کریں تو ہم سے فی مراد سو روپیہ انعام لیں۔ یہ نہ ہو سکے تو کسی اور وجہ سے اس جواب کو غیر صحیح و ناکافی ہونا ثابت کریں۔

لیجئے! ایک وجہ معقول اور سہل الحصول ہم بتاتے ہیں اور اس کے ثبوت پر ایک سو روپیہ انعام دینے کا وعدہ کرتے ہیں۔ آپ کسی ایک ہی محاورہ عرب یا حوالہ کتاب لغت سے یہ ثابت کریں کہ توفی کے حقیقی معنی صرف قبض روح کے ہیں اور یہ معنی اس محاورہ سے بلاقرینہ عقلی ولفظی حالی ومقالی سمجھ میں آتے ہیں۔ اس سے خود بخود ثابت ہو جائے گا کہ جس محاورہ عرب منقولہ کتب لغات میں یہ لفظ بمعنی قبض جسم درہم دینار بولا گیا ہے۔ اس محاورہ میں بشہادت قرینہ قبض جسم کے معنی اس سے مفہوم ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ معنی اس کے حقیقی معنی نہیں ہیں۔ مجازی ہیں۔ حقیقی معنی وہی قبض روح ہیں جو بلاقرینہ آپ کے بیان کردہ محاورہ سے سمجھ میں آتے ہیں۔ اس سے ہمارے جواب کا ناکافی ہونا ثابت ہو جائے گا اور سو روپیہ نقد فوراً آپ کو انعام ملے گا۔

لو اب اور کیا چاہتے ہو۔ تھوڑی سی تکلیف کرنے اور ایک محاورہ عرب یا عبارت کتاب لغت نقل کرنے سے سو روپیہ نقد اور مفت کی فتح لیتے ہو۔ بس اب دیر نہ کرو کچھ پاس ہے تو لے ہی آؤ۔

مگر یہ واضح رہے کہ محاورہ ''توفاہ اللہ'' سے جو قاموس، صحاح وصراح سے منقول ہوا ہے۔ کہیں ہاتھ نہ مار بیٹھنا۔ اس محاورہ میں ہر چند لفظ توفی بمعنی قبض روح بولا گیا ہے۔ مگر یہ محاورہ اس محل اور اس موقع پر بولا جاتا ہے۔ جہاں موت پر کوئی قرینہ حالی یا مقالی لفظی یا عقلی موجود ہو۔ اس قسم کے قرائن موجود نہ ہونے کے وقت کوئی کسی شخص کی نسبت ''توفاہ اللہ'' نہیں بول سکتا۔ لہٰذا اس محاورہ سے ہاتھ مارو گے تو سو روپیہ کی جگہ ایک کوڑی بھی وصول نہ پاؤ گے اور الٹے شرماؤ گے۔

ساتویں دعویٰ میں بھی کادیانی نے اپنی عادت قدیم کذب ومغالطہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ صحیح بخاری سے قول ابن عباس تو یہ نقل کیا کہ اے عیسیٰ میں تجھے وفات دوں گا مگر

امام بخاری کے اس قول ابن عباس کو نقل کرنے سے نتیجہ یہ نکال لیا کہ بخاری نے یہ جتایا ہے کہ صحابہ کا بھی یہی مذہب تھا کہ مسیح ابن مریم فوت ہوگیا ہے۔اس میں آپ نے ایک جھوٹ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر باندھا ایک ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عام صحابہ پر۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عام صحابہ پر جھوٹ باندھنا اس کا یہ کہنا ہے کہ ان کا مذہب یہ تھا کہ حضرت ابن مریم فوت ہوگئے ہیں۔ یہ بات نہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے نہ کسی اور صحابی نے۔کادیانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یا کسی صحابی سے یہ بات ثابت کردے تو سوروپیہ انعام لے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تو صرف ''متوفیک'' کی تفسیر میں لفظ ''ممیتک'' فرمایا ہے۔جس کے یہ معنی ہیں کہ اے عیسیٰ میں تجھے کسی آئندہ وقت میں تیری اپنی موت سے ماروں گا تو دشمنوں کے ہاتھ ہرگز نہ مارا جائے گا اور کادیانی نے بھی اس کے یہ بھی معنی کئے ہیں کہ: ''اے عیسیٰ میں تجھے وفات دوں گا۔'' اس سے یہ کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ اللہ نے حضرت عیسیٰ کو وفات دے دی اور وہ فوت ہوچکے۔جیسا کہ کادیانی نے بیان کیا ہے۔خصوصاً اس حالت میں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے خود اپنے قول کے ایسے معنی کر دیئے ہیں۔جن میں کسی تاویل مخالف کی گنجائش نہیں ہے۔

چنانچہ تفسیر درمنثور میں کہا ہے کہ: ''**واخرج اسحاق ابن بشر وابن عساکر من طریق جویر عن الضحاک عن ابن عباس فی قولہ انی متوفیک ورافعک یعنی رافعک ثم متوفیک فی اٰخر الزمان** (تفسیر درمنثور) '' اسحاق ابن بشر اور ابن عساکر نے جویر کی اسناد سے بواسطہ ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تفسیر آیہ ''**انی متوفیک ورافعک**'' میں نقل کیا ہے کہ خدا کی اس سے یہ مراد ہے کہ میں پہلے تجھے اپنی طرف اٹھالوں گا۔پھر اخیر زمانہ میں تجھے وفات دوں گا۔

اور اسی کا مؤید حضرت ابن عباس کا وہ قول ہے جو انہوں نے آیت ''**وانہ لعلم للساعۃ**'' کی تفسیر میں فرمایا ہے۔

چنانچہ درمنثور میں کہا ہے: ''**اخرج الفریابی وسعید بن منصور ومسدود عبد بن حمید وابن ابی حاتم والطبرانی من طرق عن ابن عباس فی قولہ تعالٰی وانہ لعلم للساعۃ قال خروج عیسی قبل یوم القیمۃ واخرج الحاکم وابن مردویہ عن ابن عباس عن النبی ﷺ وانہ لعلم للساعۃ قال**

ھو خروج عیسٰی بن مریم قبل یوم القیمة (تفسیر درمنثور) واخرج ابن جریر ؓ من طرق عن ابن عباس وانه لعلم للساعة قال نزول عیسٰی علیہ السلام (تفسیر درمنثور) اخرج احمد عن ابن عباس وانه لعلم للساعة قال ھو خروج عیسٰی بن مریم (تفسیر ابن کثیر) وبھٰذا جزم ابن عباس فیما رواہ ابن جریر من طریق سعید بن جبیر عنه باسناد صحیح (فتح الباری شرح صحیح بخاری) ’’فریابی اور سعید بن منصور اور مسدود وعبد بن حمید اور ابن ابی حاتم اور طبرانی اور حاکم اور ابن مردویہ نے ابن عباس ؓ سے روایت کیا ہے کہ اس قول خداوندی سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کا قیامت کے پہلے نکلنا مراد ہے۔

ایسا ہی ابن جریر نے کئی سندوں سے ابن عباس سے نقل کیا ہے اور ایسا ہی تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ امام احمد نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اس قول خداوندی سے حضرت عیسٰی کا نکلنا مراد ہے۔

اور نیز اس کا مؤید حضرت ابن عباس ؓ کا وہ قول ہے جو تفسیر آیۃ ’’وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن به قبل موته ‘‘میں انہوں نے فرمایا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے نزول کے بعد ان کے مرنے سے پہلے لوگ ان پر ایمان لائیں گے۔

چنانچہ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں کہا ہے کہ ابن عباس سے بسند صحیح ثابت ہے کہ وہ اسی بات پر یقین رکھتے ہیں۔

حضرت ابن عباس ؓ کے اپنے قول ’’ممیتک ‘‘(یعنی اے عیسٰی میں تجھے مارنے والا ہوں یا وفات دوں گا) کے ایسے معنی وتفسیر کر دینے اور وقوع مضمون ’’متوفیک ‘‘کو مؤخر اور مضمون ’’رافعک ‘‘کو مقدم تجویز کرنے پر آپ ان کو یہودی اور محرف (معاذ اللہ وحاشا جنابھم عن ذٰلک) کہیں تو آپ کو کون روک سکتا ہے۔

اور آپ کی زبان سے جو اس وقت حجاج بن یوسف کی تلوار بن رہی ہے۔ مسلمانان سلف وخلف سے جھوٹا کون ہے۔ مگر آپ حضرت ابن عباس ؓ کے اس بیان اور تفسیر کلام خود بقول خویش کے ساتھ یہ بات ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ حضرت ابن عباس ؓ اس بات کے قائل تھے کہ حضرت مسیح ابن مریم فوت ہو چکے ہیں اور اب وہ مردوں کے کلاس میں داخل ہیں۔

یہ حضرت ابن عباسؓ پر کادیانی کے افتراء پردازی کا ثبوت ہے۔ اسی سے اور صحابہ پر اس کا افتراء کرنا ثابت ہے۔ کیونکہ اس نے عام صحابہ کو اسی قول ابن عباس کی دست آویز سے موت مسیح کا قائل بنالیا ہے اور کسی صحابہ کا قول اس بات میں نقل نہیں کیا اور جب اس قول سے استنباط وفات مسیح غلط ثابت ہوا تو وہ مذہب جو اس قول سے اس نے نکالا ہے نیز غلط ہوگیا۔ علاوہ بریں کتب حدیث اور دواوین سنت میں بہت سے صحابہ سے حضرت مسیح کے آخری زمانہ میں نازل ہونے اور دجال کو قتل کرنے کی احادیث مروی وثابت ہیں اور کسی صحابی سے ان احادیث کے مضمون سے انکار وخلاف مروی نہیں۔ بلکہ بعض صحابہ نے تو حضرت عیسیٰ کے زمین پر ٹھہرنے کی مدت بھی بتادی ہے اور انہیں کی پیروی سے تابعین وغیرہ ائمہ دین نے یہ بات کہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت زندہ آسمان پر موجود ہیں اور وہ آخری زمانہ میں اتریں گے اور وہ دجال کو قتل کریں گے۔

ترمذی نے مجمع بن جاریہ سے آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ: ’’**عن مجمع بن جارية الانصاری يقول سمعت رسول الله ﷺ يقول يقتل ابن مريم الدجال بباب لد رواه احمد والترمذی قال الترمذی وفی الباب عن عمران بن حصين ونافع بن عتبة وابی برزه وحذيفه بن اسيد وابی هريرة وكيسان وعثمان بن ابی العاص وجابر وابی امامة وابن مسعود وعبدالله بن عمرو وسمره بن جندب والنواس بن سمعان وعمرو بن عوف وحذيفة بن اليمان** (ترمذی ص ۳۷۴)‘‘ ابن مریم دروازہ لد کے پاس دجال کو قتل کریں گے اور اس کے بعد کہا ہے کہ عمران بن حصین، نافع بن عتبہ، ابوبرزہ، حذیفہ بن اسید، کیسان، ابوہریرہ، عثمان بن ابی العاص، جابر، ابوامامہ، ابن مسعود، عبداللہ بن عمرو، سمرہ بن جندب، نواس بن سمعان، عمرو بن عوف اور حذیفہ سے بھی اس باب میں حدیثیں مروی ہیں۔

صاحب فتح الباری رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبداللہ بن مغفل اور انس بن مالک وغیرہ کو اور صاحب حجج الکرامۃ نے نافع بن کیسان وجبیر بن نفیر وعروہ بن رویم کو بھی اس حدیث کے راویوں میں شمار کیا ہے۔

اور تفسیر درمنثور میں ہے کہ: ’’**واخرج عبد بن حميد عن ابی هريرة وانه**

لعلم للساعة قال خروج عیسٰی علیہ السلام یمکث فی الارض اربعین سنة تکون تلک الاربعین اربع سنین یحج ویعتمر واخرج عبد بن حمید وابن جریر عن مجاهد وانه لعلم للساعة. قال آیة للساعة خروج عیسٰی بن مریم قبل یوم القیمة واخرج عبد بن حمید وابن جریر عن الحسن وانه لعلم للساعة قال نزول عیسٰی واخرج عبدالرزاق وعبد بن حمید وابن جریر عن قتادة وانه لعلم للساعة. قال نزول عیسٰی علیہ السلام وناس یقولون القرآن علم للساعة...... وقال ابن جریر حدثنی یعقوب حدثنا ابن علیة حدثنا ابورجا عن الحسن وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن به قبل موته قال قبل موت عیسٰی والله انه لحی الآن عند الله ولکن اذا نزل امنوا به اجمعون...... واخرج ابن جریر بسند صحیح عن کعب قال لمارایٔ عیسٰی قلة من اتبعه وکثرة من کذب شکے ذٰلک الی الله فاوحی الله الیه انی متوفیک ورافعک الی وانی سابعثک علی الاعور الدجال فتقتله ثم تعیش بعد ذٰلک اربعا وعشرین سنة ثم امیتتک میة الحی...... قال کعب وذٰلک تصدیق حدیث رسول الله ﷺ حیث قال کیف تهلک امة انا فی اولها وعیسٰی فی آخرها (درمنثور) ''عبدبن حمید نے ابوہریرہ سے آیت:''وانه لعلم للساعة '' کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نکلنا مراد ہے۔وہ چالیس۵۴ برس زمین میں رہیں گے جو چالیس سال کے برابر ہوں گے۔ان میں وہ حج اورعمرہ کریں گے۔ایسا ہی عبدبن حمیداورابن جریر نے مجاہداورحسن سے اورقتادہ سے نقل کیا ہےاورابن جریر نے حسن سے آیت:''وان من اهل الکتاب '' کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب اللہ کے پاس زندہ ہیں۔وہ اتریں گےتو سب لوگ ان پر ایمان لائیں گےاورابن جریر نے بسند صحیح کعب سےنقل کیا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے پیروان کی کمی اور جھٹلانے والوں کی کثرت کی خدا کے پاس شکایت کی تو اللہ نے ان کی طرف وحی کی کہ میں تجھ کو وفات دوں گا اوراپنی طرف اٹھالوں گا۔میں تجھے عنقریب قتل دجال کے لئے بھیجوں گا۔پھرتو اس کے بعد چوبیس سال زندہ رہے گا۔پھر تجھے اورزندوں کی موت ماروں گا۔

کعب نے کہا اس کی تصدیق رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث میں ہے کہ وہ امت کیونکر ہلاک ہو جس کے اوّل میں ہوں اور آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ صحابہ کی یہ روایات اور آثار، کادیانی کے اس افتراء پر ایک اور دلیل ہے۔

آثار تابعین کو ہم نے اس مقام میں اس غرض سے نقل کیا ہے کہ ناظرین کو اس بات کا علم ویقین ہو کہ حضرت مسیح کے زندہ ہونے کا اعتقاد صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کے زمانہ تک ہی نہیں رہا بلکہ تابعین میں بھی وہی اعتقاد متوارث چلا آیا ہے۔ یہاں تک کہ اس زمانہ میں پہلے سرسید نے اور پھر ان کی تقلید سے کادیانی نے اس اعتقاد کو اڑایا اور حضرت مسیح کو مار دیا۔

کادیانی نے اس دعویٰ میں سرسید پر یہ زیادتی کی ہے کہ اس اعتقاد میں صحابہ کو بھی اپنے ساتھ ملانا چاہا اور ان پر افتراء کیا۔ یہ جرأت ودلیری سرسید سے نہیں ہوئی۔ اس لئے سرسید کو ہم کادیانی سے بدرجہا کمتر سمجھتے ہیں۔ گو کادیانی صاحب اس قسم کے جملہ دعاوی میں سرسید ہی کے پیرو ومقلد ہے۔ مگر اس جرأت میں کہ ایک بات ازخود بنادیں پھر اس کو صحابہ وغیرہ سلف کے ذمہ لگادیں۔ یہ ان سے بڑھ گئے ہیں۔ وہ ہر نئی بات جو ازخود نکالتے ہیں۔ اس میں وہ کسی کے مخالف یا موافقت کی پروا نہیں کرتے اور افتراء پردازی سے اس میں سلف صحابہ وغیرہ کو اپنا موافق نہیں بناتے اور یہ اس افتراء میں اپنا کوئی نظیر نہیں رکھتے۔

امام بخاری پر آپ کا جھوٹ باندھنا یہ ہے کہ ان کو بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات پا جانے اور مردوں کی جماعت میں داخل ہو جانے کا قائل بنادیا ہے اور اس امر پر ازالہ کے بہت سے مقامات میں اس نے زور دیا ہے۔ ہم دوسرے مقامات کا زور اس مقام میں توڑیں گے جہاں کادیانی کے اس دعویٰ پر بحث کریں گے کہ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔

اس مقام میں کادیانی کا یہ جھوٹ ثابت کرنے کے لئے اس قدر بیان کرنا کافی سمجھتے ہیں کہ صحیح بخاری میں (ص۴۹۰) ایک باب منعقد کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ نزول فرع صعود ہے۔ لہٰذا امام بخاری نے نزول عیسیٰ علیہ السلام کو ثابت کیا تو بطریق اولیٰ یہ ثابت کردیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں۔

اس بیان سے ثابت ہوا کہ کادیانی نے اپنے پہلے کذب ومغالطہ کے ثبوت میں جو سات دعاوی کئے ہیں وہ اس کے اس کذب کو سچ نہیں بنا سکتے بلکہ اس کے کذب اور مغالطہ ہونے کو اور پختہ کرتے ہیں اور قرآن وحدیث یا محاورات عرب یا کتب لغت سے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ ''توفی'' کے حقیقی معنی وفات دینا ہے نہ جسم کو قبض کرنا۔

کادیانی صاحب! اور کادیانیو! اسی دعویٰ اور ان ہی دلائل پر تمہارا فخر تھا؟ کہو ان کا کیسا خاکہ اڑایا گیا؟ اب بھی اس دعویٰ اور ان دلائل پر فخر کرو گے اور پھر زبان پر لاؤ گے کہ ''توفی'' کے حقیقی معنی وفات دینے کے ہیں اور قبض جسم کے معنی کسی لفظ آیۃ یا حدیث یا محاورہ ومثال عرب میں نہیں لئے گئے۔ کچھ شرم یا غیرت رکھتے ہو تو پھر اس دعویٰ کا نام نہ لو گے اور یہ امر تسلیم کرو گے کہ توفی کے حقیقی معنی مطلق قبض یا استیفاء ہے۔ موت دینے سے ہو۔ خواہ سلا دینے سے یا زندہ جسم کو قبض کر لینے سے اور اس آیۃ ''متوفیک'' میں اس سے قبض جسم ہی مراد ہے۔ جیسا کہ عام اہل اسلام کا اعتقاد ہے۔

کادیانی اور اس کے اتباع سے تو اس تسلیم کی امید نہیں۔ فرقہ اہل حدیث کے بے علم مجتہدو! جو اس معنی کے دام میں آکر کادیانی کے پنجہ میں پھنس گئے ہو۔ تم تو اب اس معنی کے بیان میں کادیانی کو جھوٹا جان لو اور اس کے اتباع سے دست بردار ہوکر اپنے ایمان کو سنبھالو۔

کادیانی کے دوسرے کذب اور مغالطہ سے اس کے دعویٰ کا ثابت نہ ہونا

دوسرے مغالطہ میں کادیانی نے جو دعویٰ کیا ہے کہ آیۃ زیر بحث میں ''رافعک الیّ'' سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کا اٹھایا جانا مراد ہے نہ جسم کا اٹھایا جانا۔ اس کے ثبوت میں اس نے بجز مضمون کذب ومغالطہ اوّل کوئی نیا ثبوت پیش نہیں کیا۔ صرف یہ کہا ہے کہ حضرت مسیح بشہادت قرآن وحدیث فوت ہو چکے ہیں تو پھر آپ کے ''رفع'' سے بجز رفع روح کیا مراد ممکن ومتصور ہے اور کہا ہے کہ اس کی نظیر حضرت ادریس کا رفع ہے جو فوت ہوئے اور ان کی روح آسمانی پر اٹھائی گئی۔

لہٰذا اس کے جواب وابطال میں ہماری طرف سے بھی کوئی نئی بات کہنا ضرور نہیں اور یہ کہنا کافی ہے کہ حضرت مسیح کا فوت ہو جانا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں بلکہ ان کا زندہ آسمان پر موجود ہونا ثابت ہے۔ چنانچہ ابطال کذب ومغالطہ اوّل کادیانی سے بخوبی معلوم

ہو چکا ہے تو پھر آپ کے رفع سے بجز رفع جسم کیا مراد ہوسکتا ہے اور حضرت ادریس کا رفع آپ کے رفع کی نظیر نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ حضرت ادریس کا زندہ آسمان پر ہونا نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور نہ کادیانی کے نزدیک مسلم۔ لہٰذا ان کے رفع سے رفع روح مراد ہونا متعین ہے نہ رفع جسم ونعش۔

کادیانی کے تیسرے کذب مغالطہ سے اس کے دعویٰ کا ثابت نہ ہونا

تیسرے مغالطہ میں آیۃ: ''ورافعک الیّ'' کے ترجمہ میں کادیانی نے جعل وتصرف کر کے اس سے یہ مطلب نکالا ہے کہ پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوئی پھر ان کی روح آسمان کی طرف اٹھائی گئی۔ اس میں اس نے ان ہی جھوٹے دعوؤں سے جو پہلے اور دوسرے مغالطہ میں اس سے سرزد ہوئے ہیں۔ (''توفی'' بمعنی وفات ہے اور ''رفع'' بمعنی رفع روح) کا کام لیا ہے اور اس کا کوئی نیا ثبوت نہیں دیا۔

لہٰذا اس کے جواب وابطال میں ہماری طرف سے بھی کوئی نئی بات کہنے کی ضرورت نہیں اور صرف یہ کہنا کافی ہے کہ اس آیت میں لفظ ''متوفیک'' سے حضرت مسیح کا فوت ہوجانا مراد نہیں اور لفظ ''رافعک الیّ'' سے صرف رفع روح بلاجسم مراد نہیں بلکہ لفظ ''متوفیک'' سے قبض مراد ہے اور ''رافعک الیّ'' کا لفظ اس کی ایک قسم خاص قبض جسم کا معین کرتا ہے۔ لہٰذا یہ آیت باوجود اس جعل تصرف کادیانی کے کہ اس نے ''واو'' ترجمہ پھر سے کیا جو ''ثم'' کا ترجمہ ہے۔ اس کا دعویٰ (حضرت مسیح کا فوت ہوجانا) ثابت نہیں ہوتا اور اس معنی میں جو ہم نے بیان کئے ہیں ترتیب لفظی یا طبعی کا بھی خلاف نہیں ہوتا۔ اس صورت میں دونون لفظ سے ایک ہی امر (قبض جسم مسیح) کے وقوع کی حکایت مقصود ومراد ہے نہ دو امر غیرمرتب کی اور اگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق پہلے لفظ ''متوفیک'' سے حضرت مسیح کو وفات دینے کا وعدہ مراد لیں اور آیت کے یہ معنی کریں کہ اے عیسیٰ میں تجھے وفات دینے والا ہوں یا دوں گا۔ (چنانچہ کادیانی نے بھی اس کے) یہی معنی کئے ہیں تو اس صورت میں بھی حضرت مسیح کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے سے ترتیب طبعی کا خلاف نہیں ہوتا۔ کیونکہ جو رفع طبعاً موت کے بعد ہوتا ہے وہ رفع روح ہے نہ رفع جسم جو حضرت مسیح کے لئے تجویز تسلیم کیا جاتا ہے۔ کادیانی نے اتنا نہ سوچا کہ یہ رفع جسمانی تو ہر وقت اجسام کو لاحق

رہتا ہے۔کبھی کوئی جسم نیچے ہوتا ہے۔کبھی اوپر چڑھ جاتا ہے۔ پھر اس رفع جسمانی کی تجویز سے قائلین رفع جسمانی حضرت مسیح پر الزام خلاف ترتیب طبعی کیونکر قائم ہوسکتا ہے۔

رہا اس صورت پر اس کا یہ اعتراض کہ اگر رفع جسم مسیح ہو چکا ہے اور وفات مسیح کا وقوع قیامت کے قریب ہوگا تو پھر آیت زیر بحث میں وفات کا ذکر پہلے اور رفع کا ذکر پیچھے کیوں ہوا۔اس سے تو قرآن کی فصاحت ٹوٹ جاتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ فصاحت وبلاغت کے مفہوم سے واقف نہیں اور نہ کتب معانی وبیان پڑھے ہیں۔سنی سنائی باتوں یا اپنے نیم ملا حواریوں کے زبانی بیانات پر اعتماد کر کے ایسی باتیں دھر گھسیٹے ہیں،۔کسی امر یا واقعہ کا جو پہلے ہوا ہو پہلے ذکر کرنا اور جو امر یا واقعہ پیچھے ہوا ہے اس کا ذکر بیان پیچھے لانا۔ضروری اور لازمی اور فصاحت وبلاغت کی شرط نہیں۔ بلکہ بعض اوقات پہلے امر یا واقعہ کو پیچھے اور پچھلے کو پہلے بیان کیا جاتا ہے اور اس سے متکلم کی فصاحت بلاغت میں نقصان واقع نہیں ہوتا۔

اس مقام میں اور فصحاء اور بلغاء کے عبارات ومحاورات کو پیش کیا جائے گا تو آپ ان کو غیر فصیح وغیر بلیغ کہہ دیں گے اور فرمائیں گے کہ ہمارا علم آسمانی اور ہمارا خدا ہمارا معلم اور باپ روحانی ہے۔ہم زمین والوں کے مقلد نہیں۔قرآن کو تو آپ فصیح وبلیغ مانتے ہیں۔ اس میں بہت سے امور وواقعات پیچھے کے پہلے اور پہلے کے پیچھے بیان ہوئے ہیں جو اس حرف عطف ’’واو‘‘ سے یا اس کی نظیر حرف ’’او‘‘ سے بیان ہوئے ہیں۔اس مقام میں اس کی چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔

سورۃ نساء میں ارشاد ہے:’’انا اوحینا الیک کما اوحینا الیٰ نوح والنبیین من بعدہ واوحینا الیٰ ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وعیسیٰ وایوب ویونس وسلیمان (نساء:۱۶۳)‘‘ہم نے تیری طرف وحی بھیجی ہے جیسے کہ نوح اور اس سے پچھلے نبیوں کی طرف وحی بھیجی ہے اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف بھیجی ہے۔اس میں حضرت عیسیٰ کی وحی کا حضرت سلیمان وغیرہ کی وحی سے پہلے ذکر ہوا ہے۔حالانکہ وہ پیچھے وقوع میں آیا ہے۔

اورسورۂ انعام میں ارشاد ہے کہ:’’ **ونوحاً هدينا من قبل ومن ذريته داود وسليمان وايوب ويوسف وموسٰى وهارون وكذلك نجزى المحسنين. وزكريا ويحيٰى وعيسٰى والياس كل من الصلحين. واسمٰعيل واليسع ويونس ولوطا كلا فضلنا على العٰلمين** (انعام:۸۴،۸۵)‘‘ہم نے داود وسلیمان وایوب ویوسف وموسیٰ وہارون وزکریا ویحییٰ وعیسیٰ والیاس واسماعیل والیسع ویونس کو ہدایت کی۔

اس آیت میں بھی حضرت داود وسلیمان کی ہدایت کے ذکر کو حضرت موسیٰ وہارون پر مقدم کیا۔ حالانکہ وہ ان سے پیچھے ہوئے اور حضرت یحییٰ وعیسیٰ کو حضرت اسماعیل وغیرہ پر مقدم کیا۔ حالانکہ وہ ان سے پیچھے تھے۔

اورسورۂ ص میں ارشاد ہے:’’ **كذبت قبلهم قوم نوح وعاد وفرعون ذوالاوتاد وثمود وقوم لوط واصحٰب الئيكة اولئك الاحزاب** (ص:۱۲،۱۳)‘‘ مکہ والوں سے پہلے قوم نوح اور عاد اور فرعون اور ثمود اور قول لوط اور بن والوں نے جھٹلایا۔

اس آیت میں تکذیب فرعون کو تکذیب قوم ثمود اور قوم لوط پر مقدم کیا۔ حالانکہ وہ ان سے پیچھے ہوا۔

اورسورۂ ق میں ارشاد ہے:’’ **كذبت قبلهم قوم نوح واصحٰب الرس وثمود وعاد وفرعون واخوان لوط واصحٰب الايكة وقول تبع كل كذب الرسل فحق وعيد** (ق:۱۲تا۱۴)‘‘ مکہ والوں سے پہلے قوم نوح اور کوئیں والوں نے اور ثمود اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائیوں نے اور بن والوں نے جھٹلایا۔

اس آیت میں ثمود کو عاد سے اور فرعون کو اخوان لوط سے مقدم کیا۔ حالانکہ وہ ان سے پیچھے ہوئے۔

ان آیات میں سے پہلی آیت میں معطوف بحرف عطف مجرور ہے۔ دوسری آیت میں منصوب ومفعول۔ تیسری وچوتھی آیت میں مرفوع اور فاعل ہے اور ہر ایک کی اور نظیریں قرآن میں بکثرت ہیں۔ یہ معطوف بحرف’’واو‘‘ کی مثالیں ہیں۔ اب معطوف حرف بہ ’’او‘‘ کی مثالیں سنیں۔

سورۂ نساء میں: ’’من بعد وصیة یوصین بھا اودین...... من بعد وصیة توصون بھا اودین...... من بعد وصیة یوصی بھا اودین (نساء:۱۲)‘‘ تین جگہ حکم ترکہ میت کے بیان میں وصیت کا ذکر پہلے ہوا ہے اور ادائے دین کا پیچھے۔ حالانکہ ادائے دین مقدم ہے اور وصیت کا نافذ کرنا مؤخر ہے۔

یہ مفردات (فاعل، مفعول اور مضاف الیہ) میں وقوع خلاف ترتیب وقوعی کا ثبوت ہے۔ اب جملوں اور حکایات واقعہ اور واقعات نفس الامریہ کو قرآن مجید کا ترتیب وقوعی برخلاف بیان کرنا ذکر کیا جاتا ہے۔

سورۂ بقرہ کے شروع ہی میں دیکھو: ’’واذ قلنا ادخلوا ھٰذہ القریة فکلو منھا حیث شئتم رغداً وادخلوا الباب سجدا وقولوا حطة نغفرلکم خطٰیکم وسنزید المحسنین (البقرة:۵۸) واذ قلتم یٰموسٰی لن نصبر علی طعام واحد فادع لنا ربک یخرج لنا مما تنبت الآرض من بقلھا وقثائھا وفومھا وعدسھا وبصلھا قال اتستبدلون الذی ادنی بالذی ھو خیر اھبطو مصرا (البقرة:۶۱) واذ اخذنا میثاقکم ورفعنا فوقکم الطور خذوا ما اتینکم بقوة واذکر واما فیه لعلکم تتقون (البقرة:۶۳)‘‘ بنی اسرائیل کا ایک شہر میں داخل ہونا اور داخل ہونے کے وقت بجائے ’’حطة‘‘ کچھ اور کہنا پہلے بیان ہوا ہے اور ایک کھانے پر صبر نہ کرنے اور ساگ ککڑی کا سوال کرنے کا ذکر پیچھے ہوا۔ حالانکہ یہ قول وسوال ان سے پہلے سرزد ہوا تو ان کو اس شہر میں جانے کا حکم ہوا۔ پھر اس قصہ وسوال وجواب کے بعد رفع طور کا ذکر ہوا جو سب سے پہلے واقع ہوا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام توریت لائے تھے۔

ایسے ہی اور بہت قصص بنی اسرائیل ہیں جن میں ترتیب وقوعی کے برخلاف تقدیم وتاخیر ہوئے۔ ’’واذ قال ابراھیم رب اجعل ھٰذا بلداً امنا وارزق اھله من الثمرات من امن منھم باللہ والیوم الآخر. قال ومن کفر فامتعه قلیلاً ثم اضطرہ الٰی عذاب النار وبئس المصیر. واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم (البقرة:۱۲۶،۱۲۷)‘‘ حضرت ابراہیم واسماعیل کو کعبہ کے پاک رکھنے کا حکم دینا پہلے بیان

ہوا۔ جو بناء کعبہ کے بعد متصور ہے اور قصہ بناء کعبہ کا ذکر پیچھے ہوا جو پہلے وقوع میں آچکا تھا۔

ان قصص اور واقعات کو ناظرین، قرآن اور تفاسیر میں دیکھیں گے تو یقین کریں گے کہ کادیانی نے اس بیان میں ایک مقدم چیز کو پیچھے اور مؤخر کو پہلے ذکر کرنا فصاحت وبلاغت کے مخالف ہے، جھوٹ بولا ہے اور مسلمانوں کو دھوکہ دیا ہے۔ قرآن مجید کی آیات مذکورہ بالا سے جیسا جواز تقدیم وتاخیر ہم نے سمجھا ہے ویسا ہی علماء سابقین نے سمجھا اور اس میں سے یہ مسئلہ استنباط کر کے بیان کیا ہے کہ حرف ''واو'' مطلق جمعیت کے لئے ہے۔ اس سے ترتیب بلافصل جو حرف ''ف'' سے سمجھی جاتی یا ترتیب بفصل وتراخی جو ''ثم'' سے مفہوم ہوتی ہے فہم میں نہیں آتی۔ اسی واسطے ''واو'' کے ذریعہ سے ایک پچھلی چیز کو پہلے اور پہلی چیز کو پیچھے بیان کیا جاتا ہے۔ یہ مسئلہ کتب[۵۶] لغت نحو معانی وبیان میں مفصل بیان ہوا ہے۔

ناظرین! ان کتابوں کو ملاحظہ کریں۔ اس مقام میں شاید یہ سوال ہو کہ اس بیان سے تقدیم تاخیر کا جائز ہونا اور فصاحت وبلاغت کے مخالف نہ ہونا تو تسلیم ہوا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ جن امور کے ذکر وبیان میں خداتعالیٰ نے کوئی ترتیب اختیار فرمائی ہے اس کے لئے کوئی نہ کوئی وجہ ضروری ہے۔ بس اگر لفظ ''متوفیک'' سے بنابر قول ابن عباس حضرت عیسیٰ کو وفات دینے کا وعدہ مراد ہے اور اس کا وقوع بعد رفع جسم حضرت مسیح ہوگا تو پھر ''توفی'' کا ذکر وبیان میں مقدم کرنے اور ذکر رفع کو مؤخر کرنے کی کیا وجہ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی وجہ ایک یہ ہوسکتی ہے کہ حضرت مسیح کو یہود کے قتل وایذاء کا خوف واندیشہ تھا۔ خداتعالیٰ نے اس خوف کو دور کرنے کے اہتمام کے لئے لفظ ''متوفیک'' کو مقدم کیا اور حضرت عیسیٰ کو یہ جتا کر یہ تیرے قتل پر یہود قادر نہ ہوں گے ہم خود تجھے طبعی موت سے وفات دیں گے بےخوف ومطمئن کر دیا۔ اس کے بعد ان کے رفع کا مژدہ سنایا اور اگر پہلے وعدہ رفع دیا جاتا تو اس میں ان کو اس سوال کا موقع رہتا کہ یہود تو میرے قتل پر آمادہ وتیار ہیں۔ پھر یہ رفع کس کیفیت کا ہوگا۔ جیسا کہ حضرت زکریا کو وعدہ فرزند مل جانے پر یہ سوال پیدا ہوا کہ میرے ہاں فرزند کیونکر ہوگا۔ میں تو بڈھا ہوں اور میری عورت بانجھ۔

یہ وجہ کادیانی اس کلام سے جو بحوالہ جملہ تفاسیر مدارک کشاف وغیرہ (ازالہ ص۳۴۶، خزائن ج۳ ص۲۷۶،۲۷۷) میں موجود ہے اور قول ابن عباس جو درمنثور سے منقول

ہوا اور عبارت تفسیر کبیر منقولہ حاشیہ۵۷ نیز اس کے مؤید ہیں۔

کادیانی کی پہلی دلیل آیۃ: ’’یا عیسیٰ انی متوفیک ‘‘ پر بحث ختم ہوئی۔ جس سے یہ بات ناظرین کو بخوبی ثابت ہوگی کہ کادیانی نے جو کہا ہے کہ اس آیۃ میں توفی سے حضرت مسیح کا فوت ہوجانا مراد ہے اور رفع سے ان کی روح کا اٹھایا جانا۔ اس میں محض کذب ومغالطہ سے اس نے کام لیا ہے۔ قرآن اور حدیث اور کتب لغت اور محاورات عرب میں اس پر شہادت نہیں پائی جاتی اور سلف وخلف صحابہ وتابعین محدث ومفسر اس اعتقاد وبیان مراد میں اس کے موافق نہیں۔

اس بحث کے بعد کادیانی کے دوسرے دلائل۔ آیات قرآنیہ پر بحث کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ تاہم افہام اوساط وعوام کی نظر سے ان آیات کو ذکر کر کے ان آیات سے کادیانی کے دعویٰ کا ثابت نہ ہونا ظاہر کیا جاتا ہے۔

بل رفعہ اللہ کی بحث

دوسری آیت جس کو کادیانی نے حضرت مسیح کی وفات پر دلیل بنایا ہے وہ آیت سورۃ نساء ہے اور اس میں یہ بیان ہے کہ یہودیوں نے حضرت مسیح کو نہ قتل کیا اور نہ صلیب پر چڑھایا ہے بلکہ خداتعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا ہے۔

کادیانی نے اس آیت کے ابتداء کو مخالف مدعا سمجھ کر اس مقام میں چھوڑ دیا اور سرقہ کیا اور اس کے آخر ’’بل رفعہ اللہ الیہ ‘‘ کو اپنی دلیل بنالیا اور اپنے (ازالہ ص۵۹۹، خزائن ج۳ ص۴۲۳) میں اس کی نسبت کہا ہے کہ ’’رفع ‘‘ سے مراد اس جگہ موت ہے جو عزت کے ساتھ ہو۔ جیسا کہ مقربین کے لئے ہوتی ہے کہ بعد موت ان کی روح علیین تک پہنچائی جاتی ہے اور اس مراد کا نقلی ثبوت کادیانی نے بجز اس کے کچھ پیش نہیں کیا۔ حضرت مسیح فوت ہوچکے ہیں اور فوت شدہ کی صرف روح آسمانی پر اٹھائی جاتی ہے نہ اس کی نعش وجسم۔ اس کے سوا جو کچھ اس نے ’’رفع ‘‘ کے متعلق کہا ہے وہ عقلی ڈھکوسلے ہیں اور نیچری شبہات کہ مسیح زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں تو وہاں سانس کے لئے ہوا کہاں سے لیتے ہوں گے۔ کھاتے پیتے کیا ہوں گے۔ بول وبراز کہاں کرتے ہوں گے۔ بال وناخن کس سے کٹواتے ہوں گے۔ وغیرہ وغیرہ! (دیکھو ازالہ کادیانی ص۲۶۳، لغایت ۲۶۷ ص۳۲۴، لغایت ۳۲۸، ص۳۴۳،

لغایت ۳۴۶، ۳۴۶، ص ۳۸۶، لغایت ۳۸۸، ص ۵۴۹، لغایت ۵۵۱ ص ۵۹۹، ص ۷۴۱، لغایت ۵۴۴، ۹۲۲، لغایت ۹۲۴ وغیرہ وغیرہ)

اس کا جواب یہ ہے کہ نقلی ثبوت کا جواب ہم میں دے چکے اور ثابت کر آئے ہیں کہ جن الفاظ قرآن وحدیث سے کادیانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نکالتا ہے ان الفاظ سے وفات کا مراد ہونا ثابت ومتعین نہیں تو پھر ان کے ''رفع'' سے صرف روح کا اٹھایا جانا جو ثبوت معنی وفات پر موقوف اور اس کی فرع تھا کیونکر تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ ان الفاظ سے تو حضرت مسیح کی حیات ثابت ہے۔ لہٰذا ان کے ''رفع'' سے بجز ''رفع جسم'' کچھ مراد نہیں ہوسکتا اس آیت میں ''رفع'' سے صرف ''رفع روح'' کا مراد ہونا اس وجہ سے بھی ناجائز ہے کہ اس کے نظائر لفظ ''ماقتلوہ وما صلبوہ'' کی ضمیر سے صرف روح مراد نہیں ہوسکتی بلکہ جسم مراد ہے تو رفعہ کی ضمیر سے بھی صرف روح مراد نہیں ہوسکتی۔ وبناء علیہ یہ آیت حضرت مسیح علیہ السلام کے حیات کی دلیل ہے نہ وفات کی۔ اسی نظیر سے کادیانی نے اس آیت کے ابتداء کو سرقہ کیا اور صرف اخیر کو معرض استدلال میں پیش کیا۔ رہا اس کے عقلی ڈھکوسلوں اور نیچری شبہوں کا جواب سو بحث عقلی وفات مسیح میں دیا جاوے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

اس مقام میں طلبہ علم ناظرین کو کادیانی کی بے علمی جتانے کی غرض سے یہ بیان کرنا بھی نامناسب نہیں کہ کادیانی نے اس آیت کو دعویٰ وفات مسیح پر ایک دلیل بنایا ہے اور اس دلیل کے ثبوت پر حضرت مسیح کی وفات کو دلیل ٹھہرایا ہے اور یہ دور ہے اگر اس کے دعویٰ ودلیل کی تقریر یوں کریں کہ حضرت مسیح فوت ہوچکے ہیں۔ کیونکہ آیہ ''بل رفعہ اللہ الیہ'' میں ان کا فوت ہونا مراد ہے اور آیہ: ''بل رفعہ اللہ'' میں حضرت مسیح کا فوت ہونا اس لئے مراد ہے کہ وہ فوت ہوچکے ہیں یا یہ مصادرہ علی المطلوب ہے۔ اگر اس کی تقریر یوں کریں کہ بحکم آیہ: ''بل رفعہ اللہ الیہ'' حضرت مسیح فوت ہوچکے ہیں۔ اس لئے کہ وہ فوت ہوچکے ہیں اور یہ دونوں امر علم منطق وغیرہ سے ناواقفی پر مبنی ہیں اور اگر کادیانی کا یہ خیال ہو کہ دعویٰ وفات مسیح کی دلیل پہلی آیت: ''انی متوفیک'' ہے اور وہی آیت اس آیت دوم میں ''رفع'' سے موت مراد ہونے پر دلیل ہے تو پھر اس آیت کو مستقل وجداگانہ دلیل نمبر دوم ٹھہرانا اس کی بے علمی کی دلیل ہے۔ یہ آیت پہلی آیت کے سوا بزعم کادیانی وفات مسیح کو ثابت نہیں کرسکتی تو یہ دوسری دلیل کیونکر ہوسکتی ہے۔

تیسری آیت جس کو کادیانی نے وفات مسیح پر دلیل ٹھہرایا ہے۔ وہ آیت سورۂ مائدہ ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ: ’’فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیهم وانت علی کل شئ شهید (المائدة:۱۱۷)‘‘ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کو کہیں گے کہ تو نے مجھ کو قبض کیا تو تو ان کا نگہبان رہا۔

اس آیت کا کادیانی نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ تو نے مجھے وفات دی تو تو ہی ان پر نگہبان رہا۔ پھر اس معنی کے ثبوت پر ان آیات کا کادیانی نے اعادہ کیا۔

علاوہ براں ایک دلیل یہ بیان کی ہے کہ یہی لفظ ’’فلما توفیتنی‘‘ آنحضرت ﷺ حوض کوثر پر فرمائیں گے۔ جس سے آپ کی یہی مراد ہوگی کہ تو نے مجھے وفات دی تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعینہ اس کلام سے اور معنی مراد لینا کیونکر جائز ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ اس آیت کے پہلے ’’اذ قال الله یا عیسیٰ‘‘ کہا گیا ہے۔ (جس کا یہ مطلب ہے کہ حضرت عیسیٰ کو خدا تعالیٰ پوچھے گا کہ تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو معبود بنانا) اور ظاہر ہے کہ ’’قال‘‘ ماضی کا صیغہ ہے اور اس کے اوّل ’’اذ‘‘ موجود ہے۔ جو خاص واسطے ماضی کے آتا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ قصہ وقت نزول آیت سے زمانہ ماضی کا ایک قصہ تھا۔ نہ زمانہ استقبال کا اور ایسا ہی جو جواب حضرت ﷺ کی طرف سے ہے۔ وہ بھی بصیغہ ماضی ہے۔ ’’فلما توفیتنی‘‘ اس کی نظیر خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے: ’’واذ قال ربک للملائکة‘‘ جو قصہ ماضی ہے نہ آئندہ۔

اور اس بیان پر نازاں ہوکر کادیانی نے یہ بھی کہا ہے کہ جو لوگ اس آیت کے یہ معنی کرتے ہیں کہ یہ نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا واقعہ ہے وہ ایسی تاویل رکیک کرنے سے شرم نہیں کرتے۔ (ازالہ ص۶۰۲، خزائن ج۳ ص۴۲۵، ازالہ ص۸۹۰، خزائن ج۳ ص۵۸۶)

اس دلیل کے دو جواب ہیں۔ اوّل: یہ کہ پہلی دلیل کادیانی کے جواب میں ثابت ہو چکا ہے کہ توفی کے حقیقی معنی صرف وفات دینے کے نہیں بلکہ مطلق قبض کے ہیں۔ جس کے کئی انواع واقسام ہیں۔ وفات دینا، سلا دینا، قبض جسم کرنا وغیرہ اور یہ سب معانی اس لفظ سے بحسب مقتضائے مقام وشہادت قرینہ مراد لئے جاتے ہیں۔ بناء علیہ اس آیت میں ’’توفیتنی‘‘ کے لفظ سے شہادت قرائن قبض جسم کے معنی مراد ہیں نہ وفات دینے کے۔

کادیانی نے جو اس معنی وفات کو لفظ ''توفی'' کے حقیقی معنی قرار دیئے ہیں اور اس پر بضمن دلیل اوّل شواہد پیش کئے ہیں۔ اس کا جواب دندان شکن دیا گیا ہے اور جو اس مقام میں اس پر اس نے دلیل پیش کی ہے کہ آنحضرتﷺ کی کلام میں یہ لفظ ''توفیتنی'' وارد ہے تو اس کے معنی وفات دینے کے، لئے جاتے ہیں۔ پھر حضرت مسیح کے کلام میں بعینہٖ اس لفظ کے معنی وفات دینے کے کیوں نہ ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرتﷺ بھی حضرت مسیح کی طرح بلاموت زندہ آسمان پر اٹھائے جاتے تو آپ کلام میں بھی وہی معنی قبض جسم لئے جاتے۔ آنحضرت وفات پاچکے ہیں اور زندہ آسمان پر موجود نہیں ہیں تو پھر آپ کے کلام میں اس لفظ سے معنی قبض جسم کس قرینہ سے مراد لئے جائیں۔ آنحضرتﷺ کا بعینہٖ حضرت مسیح کے لفظ کو اپنی کلام میں اختیار فرمانا۔ اس امر کی دلیل نہیں کہ جس معنی سے حضرت مسیح وہ لفظ بولیں گے۔ ان ہی معنی سے آنحضرت نے وہ لفظ فرمایا ہے اس کی مزید توضیح وتشریح حدیث سے وفات مسیح ثابت نہ ہونے کی بحث میں ہوگی۔ ان شاءاللہ تعالیٰ!

دوسرا جواب فرض کیا اور مان لیا کہ اس کلام میں حضرت مسیح کے لفظ ''توفیتنی'' سے مطلق قبض کے معنی مراد ہیں جو موت اور قبض روح کو بھی شامل ہیں اور اس لفظ سے آپ کے دونوں زمانوں (زمانہ قبض جسم وقیام آسمان اور زمانہ قبض روح بعد نزول) کے حال کی حکایت ہے۔ مگر اس صورت میں بھی اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت مسیح فوت ہوچکے ہیں۔ کیونکہ اس آیت میں کسی گزشتہ زمانہ میں حضرت مسیح کے اس قول کہنے کی حکایت نہیں ہے۔ بلکہ آئندہ زمانہ قیامت کے دن کی یہ حکایت ہے کہ: ''واذ قال اللہ یعیسٰی ابن مریم أانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ قال سبحان ما یکون لی ان اقول ما لیس لی بحق ان کنت قلتہ فقد علتہ تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک انک انت علام الغیوب. ما قلت لھم الاما امرتنی بہ ان اعبدواللہ ربی وربکم وکنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم وانت علی کل شئ شھید (المائدۃ:۱۱۶،۱۱۷)'' خداتعالیٰ حضرت مسیح سے یہ سوال کرے گا کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اپنا معبود بنالینا۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ خداوند میں نے تو ان کو وہی کہا تھا جو تو نے مجھے حکم دیا تھا۔ میں جب تک ان میں رہا ان کا نگران رہا اور جب تو

نے مجھے قبض کرلیا تو تو ان پر نگہبان ہوا۔

اور یہ امر ظاہر و مسلم فریقین ہے کہ اس دن سے پہلے وہ ضرور وفات پاچکے ہوں گے۔ لہٰذا اس آیت سے ان کی موت بھی مراد ہو تو قیامت سے پہلے ان کا وفات پاجانا ثابت ہوتا ہے نہ اس وقت مردہ ہونا۔

ہمارے اس بیان پر کہ اس آیت میں زمانہ قیامت کی حکایت ہے نہ زمانہ گزشتہ کی یہ دلیل ہے کہ اس آیت: ''**یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا اجبتم قالوا لا علم لنا انک انت علم الغیوب** (المائدۃ:۱۰۹) **قال اللہ تعالیٰ ھذا یوم ینفع الصٰدقین صدقھم لھم جنت تجری من تحتھا الانھار خٰلدین فیھا ابدا** (المائدۃ:۱۱۹)'' سے پہلے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس دن (یعنی قیامت کو) خدا تعالیٰ رسولوں کو اکٹھا کر کے کہے گا کہ تم کو تمہاری امتوں نے کیا جواب دیا تو وہ جواب میں عرض کریں گے ہم کو اس کا علم نہیں۔

اس کے بعد حضرت عیسیٰ کو بلفظ ''اذ قال'' مخاطب فرما کر ان نعمتوں کو شمار کیا جو ان پر خدا تعالیٰ نے انعام کیں۔ اس کے بعد اس سوال وجواب کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد یہ فرمادیا کہ یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کا سچ بولنا نفع پہنچائے گا۔ ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ باغوں میں ہمیشہ رہیں گے۔

یہ ماقبل و مابعد آیت مذکور صریح شاہد ہے کہ اس سوال وجواب میں بطور پیشین گوئی واقعہ آئندہ روز قیامت کی حکایت مقصود ہے نہ کسی گزشتہ زمانہ کی۔

کادیانی نے جو بڑے فخر اور ناز کے ساتھ اس بیان کو غلط اور موجب شرم قرار دیا ہے اور اس کے مقابلہ میں اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ اس آیت میں وقت نزول سے پہلے زمانہ کی حکایت ہے اور اس پر لفظ ''اذ'' سے جو ماضی کی ظرف ہے اور لفظ ''قال'' اور ''توفیتنی'' سے جو ماضی کے صیغہ ہیں تمسک کیا ہے اور اس کو ''اذ قال ربک للملٰئکۃ'' کی نظیر سمجھا ہے۔ یہ کمال شرم کا موجب ہے۔

اگر کادیانی میں کچھ شرم ہو کیونکہ اس آیت کو بنظر لفظ ''اذ قال'' گزشتہ واقعہ کی حکایت قرار دینا صرف بعض اشخاص سدی وغیرہ کی رائے ہے۔ ان کے سواء تمام مفسرین اسلام اس رائے کو غلط قرار دیتے ہیں اور اس آیت کو قیامت کے دن کی حکایت سمجھتے ہیں اور

لفظ ''اذ قال'' کا وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ ''اذ'' محاورہ قرآن میں مستقبل کے لئے بھی آتا ہے اوراس قصہ کے واقعات کو ''قال'' وغیرہ ماضی کے صیغوں سے حکایت کرنا اس امر کے اظہار کے لئے ہے کہ یہ واقعہ آئندہ ایسا یقین الوقوع ہے کہ گویا ہو چکا ہے۔

تفسیر معالم میں لکھا ہے: ''اختلفوا فی هٰذا القول متی یکون فقال السدی قال الله تعالٰی هٰذا القول لعیسی حین رفعه الٰی السماء لان حرف اذ تکون للماضی وقال سائر المفسرین انما یقول الله تعالٰی له هٰذا القول یوم القیمة بدلیل قوله تعالٰی یوم یجمع الله الرسل وقال من بعد هذا یوم ینفع الصادقین صدقهم واراد بهما یوم القیمة وقد نجیٔ اذ بمعنی اذا کقوله تعالٰی ولو تری اذ فزعوا ای اذا فزعوایوم القیمة. والقیمة وان لم تکن بعد لا کنها کالکائنة لانها اٰتیة لا محالة (معالم ص ۳۰۲) ''اس قول کی نسبت یہ اختلاف ہے کہ یہ کب واقع ہوگا۔ سدی کا قول ہے کہ یہ قول خدا تعالیٰ نے اس وقت مسیح کو کہا تھا جب اس کو آسمان کی طرف اٹھایا تھا۔ اس پر اس کی یہ دلیل ہے کہ حرف ''اذ'' ماضی کے لئے آتا ہے۔ اس کے سواء تمام مفسرین یہ کہتے ہیں کہ یہ قول خدا تعالیٰ حضرت مسیح علیہ السلام کو قیامت کے دن فرمائے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس قول سے پہلے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ جس دن رسولوں کو جمع کرے گا تا آخر، اوراس کے بعد فرمایا ہے کہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو ان کا سچ نفع دے گا اوران دونوں سے قیامت کا دن مراد ہے۔ (لہٰذا وہ قول جو ان دونوں قولوں کے بیچ میں ہے قیامت ہی کو کہا جائے گا) اور لفظ ''اذ'' بمعنی ''اذا'' بھی آتا ہے جو مستقبل کی ظرف ہوتا ہے۔ اس کی نظیر خدا تعالیٰ کا وہ قول ہے جس میں ارشاد ہے۔ کاش! تو ان کو دیکھے۔ جب وہ گھبرائیں گے۔ (اس میں آئندہ روز قیامت کے گھبرانے کو لفظ ''اذ'' اور صیغہ ماضی سے بیان کیا ہے) اور قیامت اگرچہ اس وقت تک واقعہ نہیں ہوئی۔ مگر چونکہ وہ ضرور ہونے والی ہے۔ اس لئے اس سوال وجواب میں بلفظ ماضی اس سے حکایت ہوئی اور یہ بات جتائی گئی ہے کہ گویا وہ ہو چکے ہیں۔

ایسا ہی تفسیر فتح البیان میں کہا ہے: ''واذ ھهنا بمعنی اذا کقوله تعالٰی ولو تری اذ فزعوا تعبیرا عن المستقبل بلفظ الماضی تنبیهًا علٰی تحقق وقوعه (فتح البیان ج۳ ص ۱۳۲) '' جو تفسیر معالم کا خلاصہ مضمون ہے۔

اورتفسیر کبیر میں ہے کہ:’’فهذا الكلام انما يذكره لعيسٰى يوم القيٰمة ومنهم من قال انه تعالٰى قال هذا الكلام لعيسٰى حين رفعه اليه. وتعلق بظاهر قوله واذ قال الله واذ تستعمل للماضى والقول الاوّل اصح لان الله عقب هذه القصة بقوله هٰذا يوم ينفع الصادقين والمراد به يوم القيمة واما التمسک لكلمة اذ فقد سبق الجواب عنه (تفسير كبير ج۳ ص۶۹۸) خرج قوله اذ قال الله على لفظ الماضى دون المستقبل وفيه وجوه الاوّل الدلالة علىٰ قرب القيمة حتّٰى كانها قامت ووقفت وكل اٰت قريب ويقال الجيش قداتى اذا قرب ايتانهم قال الله تعالٰى اتٰى امر الله الثانى انه ورد على حكاية الحال. ونظيره قول الرجل كانک بنا وقد دخلنا بلدة كذا فصنعنا فيها كذا اذ صاح صائح فتركتنى واجبة ونظيره من القراٰن قوله تعالٰى ولوترى اذ فزعوا فلا فوت ولوترى اذ يتوفى الذين كفروا الملائكة ولو ترى اذ الظالمون موقوفون عند ربهم والوجه فى كل هذه الأيات ماذكرنا من انه خرج على سبيل الحكاية عن الحال (تفسير كبير ج۳ ص۶۹۰)‘‘ یہ کلام حضرت عیسیٰ سے خدا تعالیٰ قیامت کے دن کرے گا بعض کا یہ قول ہے کہ یہ اس وقت کہا تھا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا تھا۔ وہ آیت کے ظاہر لفظ’’اذ قال ‘‘ سے لپٹا ہے۔ کیونکہ ’’اذ‘‘ ماضی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر صحیح وہی پہلی بات ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس قصہ کے بعد یہ فرمایا ہے کہ یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو سچ نفع دے گا۔ سو قیامت کا دن ہے۔ رہا جواب لفظ’’اذ‘‘ سو گزر چکا ہے اور اس سے پہلے کہا ہے کہ’’اذ قال الله ‘‘ ماضی کے صیغہ سے فرمایا۔ نہ صیغہ مستقبل سے۔ اس کی کئی وجہ ہیں۔ پہلی وجہ یہ کہ ماضی کے لفظ سے قیامت کا قرب مفہوم ہوتا ہے۔ گویا کہ وہ ہو چکی اور قائم ہوگئی اور عرب میں ہر آنے والی چیز کو قریب بولتے ہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ لشکر آ گیا۔ جب اس کا آنا قریب ہوا اسی محاورہ پر خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔’’اتی امر الله ‘‘ یعنی خدا کا حکم قیامت یا عذاب آ گیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ بطور حکایت حال بولا گیا ہے۔ یعنی جو حال آئندہ واقع ہوگا اس کو واقع شدہ صورت میں بیان کیا گیا۔ اس کی نظیر محاورہ عرب میں ایک آدمی کا دوسرے کو یہ کہنا ہے کہ گویا میں اور تو ایک شہر میں داخل ہوئے اور ہم نے ایک کام کیا۔ ناگاہ

ایک شخص چلّایا تو تو نے مجھے چھوڑ دیا اور میں اس کے پیچھے لگا۔ (جس سے مراد یہ ہے کہ آئندہ ایسا ہوگا) اور اس کی نظیریں قرآن میں یہ ہیں: ’’**ولو تری اذ فزعوا** (سباء:۵۱) **اذیتوفی الذین کفروا** (انفال:۵۰) **اذا الظلمون** (سباء:۳۱)‘‘ جن کا وقوع آئندہ ہوگا مگر اس کو بلفظ ’’اذ‘‘ بیان کیا گیا ہے۔

لفظ ’’اذ‘‘ اور صیغہ ماضی سے آئندہ واقعات کو حکایت کرنا قرآن میں بکثرت ہے۔ اس کی چند مثالیں امثلہ مذکورہ کے علاوہ ایک ہی آیۃ میں اور سنو۔

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے: ’’**اذ تبرا الذین اتبعوا من الذین اتبعوا ورؤا العذاب وتقطعت بهم الاسباب وقال الذین اتبعو الوان لنا کرة فنتبرأ منهم کما تبراو منّا** (البقرة:۱۶۶،۱۶۷)‘‘ جب وہ لوگ جن کی پیروی ہوتی ہے ان لوگوں سے بیزار ہوں گے جو ان کے پیرو تھے اور وہ عذاب دیکھیں گے اور ان کے تعلقات ٹوٹ جائیں گے اور وہ لوگ کہیں گے جو ان کے پیرو تھے کاش ہمارے لئے دنیا کی طرف پھرنا ہوتو ہم بھی ان سے بیزار ہوں۔ جیسے وہ ہم سے بیزار ہوئے ہیں۔

اس آیت میں وہی ’’اذ‘‘ جو ماضی کی ظرف ہوتا ہے بمعنی مستقبل استعمال ہوا۔ اس کے بعد ’’تبرّا‘‘ اور ’’رأو‘‘ اور ’’تقطعت‘‘ یہ سب ماضی کے صیغے ہیں اور ان سے مضارع کے معنی مراد ہیں۔ ان سب کو بلفظ ماضی لانا اسی غرض سے ہوا ہے کہ اس کا آئندہ وقوع یقینی معلوم ہو اور یہ سمجھا جائے کہ گویا یہ امور واقعہ ہو چکے۔

چھوٹی یا بڑی کتب نحو کو دیکھو گے تو ان میں بھی یہ مسئلہ پاؤ گے کہ ’’اذ‘‘ کبھی مستقبل کے لئے بھی آتا ہے۔ کافیہ وشرح ملاّ میں ہے کہ ’’اذ‘‘ بمعنی ماضی ہوتا ہے۔ ’’**ومنها اذ الکائنة للماضی وقد یجیئ للمستقبل لقوله تعالیٰ فسوف یعلمون اذا الاغلال فی اعناقهم** (شرح ملا ص۳۳۸)‘‘ اور کبھی مستقبل کے لئے آجاتا ہے۔ جیسا کہ اس قول خداوندی میں ہے کہ شتاب جان لیں گے کہ جب کہ طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے۔

اس آئندہ واقعہ روز قیامت کو بلفظ ’’اذ‘‘ حکایت کیا ہے اور اس سے معنی مستقبل کا ارادہ کیا۔

اور جیسا کہ قرآن میں یقینی آنے والے واقعہ کو بلفظ ماضی بیان کیا گیا ہے۔ ایسا ہی یقینی گزشتہ واقعہ ماضی کو بلفظ مضارع اس امر کے اظہار کے لئے بیان کیا گیا ہے کہ وہ واقعہ ایسا

یقیناً وقوع میں آچکا ہے کہ گویا اب اس کا وقوع نظر آرہا ہے۔ اس کی مثالیں بھی بہت ہیں۔ ازانجملہ دومثالیں بیان کی جاتی ہیں۔

۱...... خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ: ’’واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسماعیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم (البقرۃ:۱۲۷)‘‘ جب ابراہیم اور اسماعیل خانہ کعبہ کی بنیاد اٹھارہے ہے اور یہ کہہ رہے تھے کہ اے خداوند تو ہم سے قبول کر تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اس واقعہ ماضی کو خدا تعالیٰ نے بلفظ’’یرفع‘‘ جو مضارع ہے حکایت کیا اور اس سے یہ جتایا کہ یہ واقعہ ایسا یقینی الوقوع ہے کہ گویا اب سامنے ہورہا ہے۔

تفسیر بیضاوی میں ہے کہ: ’’اذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت حکایۃ حال ماضیہ (بیضاوی ص۷۷)‘‘ اس قول خداوندی میں حکایت ماضی کی بلفظ مضارع حکایت ہوئی ہے۔

تفسیر فتح البیان میں ہے کہ: ’’حکایۃ حال ماضیہ استخضاراً لصورتہ العجیبۃ (فتح البیان)‘‘ اس سے مقصود یہ اس امر کا اظہار ہے کہ وہ صورت عجیبہ سامنے حاضر ہورہی ہے۔

قرآن میں ارشاد ہے: ’’اذ یقول المنافقون والذین فی قلوبھم مرض ما وعدنا اللّٰہ ورسولہ الا غرورًا‘‘ جب کہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے کہتے کہ ہم کو تو خدا ورسول نے دھوکہ ہی کا وعدہ دیا ہے۔ اس میں واقعہ ماضی کی لفظ مضارع یقول سے اسی غرض استحضار سے حکایت کی ہے۔

مفسرین اہل اسلام نے بیان کیا ہے۔ چنانچہ فتح البیان، معالم، تفسیر کبیر وغیرہ میں ہے کہ: ’’فان قیل فما وجہ ھذ السوال عنہ مع علم اللّٰہ عزوجل ان عیسیٰ لم یقلہ قیل ھٰذا لسوال عنہ لتوبیخ قومہ وتعظیم امر ھذہ المقالۃ (معالم ص۳۰۲)‘‘ اس سوال سے جو حضرت عیسیٰ سے خدا تعالیٰ کرے گا مقصود نصاریٰ کو زجر والزام دینا ہے۔ یہ مقصود بھی اس امر کا مؤید ہے کہ وہ سوال وجواب قیامت کو ہوگا۔ کیونکہ قیامت سے پہلے وہ اس سوال وجواب کے وقوع کو کب مانتے ہیں اور اس سے انکار جبر والزام کب مقصود ہے۔

ان شواہد قرآنیہ اور آثار سلفیہ سے بخوبی ثابت ہے کہ اس آیت میں واقعہ آئندہ کی حکایت ہے اور لفظ ''اذ قال'' اس واقعہ کے آئندہ ہونے سے مانع نہیں۔ وبناءً علیہ اگر اس آیت کے ایسے ہی معنی کریں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کو بھی شامل ہوں۔ تب بھی اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس آیت کے نزول سے پہلے یا اس وقت فوت ہو چکے ہیں بلکہ ان معنی سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ کا یہ سوال اور اس کا جواب واقع ہوگا اس وقت سے پہلے وہ فوت ہو چکے ہوں گے اور یہ امر ہمارے اعتقاد کے مخالف نہیں اور کادیانی کے دعویٰ کا مؤید وموافق نہیں ہے۔

اب کادیانی صاحب اور ان کے اتباع جو علماء کہلا کر علم کے نام کو بدنام کر رہے ہیں کچھ شرم وحیاء کو کام میں لاویں اور تھوڑی دیر کے لئے انصاف اختیار کر کے فرماویں کہ اس آیت کی تفسیر میں رکیک تاویل کس کی ہے۔ آپ کی یا جمہور مفسرین اہل اسلام کی اور اس تاویل سے شرمندہ ہونا کس کا حق ہے۔ جمہور مفسرین کا یا آپ کا۔

آپ نے سدی کے قول باطل کی تقلید کر کے جمہور علماء اسلام کو شرمندہ کرنا چاہا تھا۔ اب کہو کون شرمندہ ہوا؟

آپ نے سدی کی اس بات میں تو تقلید کی ہے کہ یہ قول خداوندی حضرت مسیح کو گزشتہ زمانہ میں کہا گیا ہے۔ مگر آپ نے اس کے اس قول کی پیروی چھوڑ دی کہ وہ قول اس وقت کہا گیا تھا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے آسمان پر اٹھالیا تھا۔

یہ دوسرا امر آپ کے لئے شرم کا موجب ہے کہ: ''لاتقربوا الصلوٰۃ'' کو لے لیا تھا اور ''انتم سکاریٰ'' کو چھوڑ دیا اور آیۃ ''تؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض'' کا خطاب حاصل کیا۔

ناظرین! طالبین حق ویقین! خصوصاً منتبین مذہب محدثین! کادیانی کے دعویٰ وفات پر قرآن کی صرف دو ہی آیتیں تھیں جن میں حضرت مسیح کا ذکر اور لفظ ''توفی'' کا ورد ہے۔ اس کے سوا جس آیت قرآن کو اس نے ہاتھ مارا اس سے اپنا بے علم وبے انصاف ہونا ظاہر کیا ہے۔ ان دو دلیلوں سے اس دعویٰ کا عدم ثبوت تم نے دیکھ لیا تو اب اس کے باقی دلائل سے بحث کی ضرورت نہیں رہی۔ تاہم اس کی جہالت اور بے انصافی ظاہر کرنے کو ان دلائل سے بھی تعرض کیا جاتا ہے۔ (اشاعۃ السنۃ ج۱۴ ش۱تا۴ ص۱تا۱۰۸)

حاشیہ جات

۱؎ یہ لاہور کے منافقوں کادیانی کے چھپے حواریوں کے اس سوال کا جواب ہے کہ مولوی صاحب نے مرزا کادیانی کو ایک دفعہ شکست دی ہے تو پھر اب اس کے پیچھے کیوں پڑتے ہیں۔ گرائے ہوئے کے پیچھے پڑنا اور اس کا مقابلہ کرنا پہلوانوں کا کام نہیں ہے۔

۲؎ اس بحث سے پہلے یہ شرط ٹھہر چکی تھی کہ جو شخص طرفین میں سے ترک بحث کرے گا اس کا گریز کرنا سمجھا جاوے گا۔ آپ نے بحث کو ناتمام چھوڑا تو باعتراف خود گریز کیا۔

۳؎ شاید بطور کرامت وخرق عادت کادیانی کی زمین کپورتھلہ پہنچ گئی ہو۔ پھر جالندھر میں جب آپ کپورتھلہ سے بھاگے اور اب وہ لدھیانہ میں پہنچ گئی ہے۔ جہاں آپ صاحب فراش ہو رہے ہیں اور اپنی مسیحائی اس سے ثابت کرتے رہے۔ عبرت! عبرت! عبرت!

۴؎ کادیان اکثر بڑے قاف سے لکھا جاتا ہے مگر جب کادیان کی نسبت مرزا غلام احمد کادیانی کی طرف سے ہو تو کادیانی چھوٹے کاف سے لکھنا ضروری ہے۔ اس کی وجہ ایک الہام ہے جس کی شرح وتفصیل پرچۂ اشاعۃ السنۃ متضمن مباحثہ لدھیانہ میں ہو چکی ہے۔ ناظرین ملاحظہ کریں۔

۵؎ گندی اور نجاست بھری گالیوں کی ایک تو مثال دی ہوتی۔

۶؎ یہ شخص لاہور میں ہے۔ دعویٰ رسالت بھی کرتا ہے۔ مہدی ہونے کا بھی مدعی ہے۔ کلمہ یہ پڑھتا ہے: ’’لا الہ الا اللہ مہدی رسول اللہ‘‘ چینیا نوالی مسجد کے بعض آمین کہنے والے اس کے دعویٰ کی تحقیق کے بھی درپے ہوں اور بالفعل معمولی کلمہ پڑھنا چھوڑ دیں۔ جیسا کہ تحقیق دعویٰ کادیانی کے درپے ہو کے اگلے عقائد کو خیرباد کہہ چکے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

۷؎ وہ اس احمق کی نظیر بننا نہیں چاہتے جس نے مچھر مارنے کے لئے اپنی ناک کٹالی تھی۔

۸؎ اس امر کو میں نے آپ کے اور مخالف علماء کے پاس ذکر کیا تو انہوں نے منظور کیا۔ آپ اس امر کو منظور کر لیں گے تو ان کی دستخطی تحریریں آپ کے پاس بھیجی جائیں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

۹؎ اس صورت میں ان الفاظ کی نسبت یہ خیال کیا جائے گا کہ وہ الفاظ اس نے نادانی اور سادہ لوحی سے جس کا وہ اپنے فیصلہ ۳ رفروری ۱۸۹۲ء میں مقر ہوا ہے بولے ہیں۔ نہ عمداً اور ارادہ معانی حقیقیہ سے۔

۱۰؎ اس عبارت میں الفاظ بعینہا کادیانی کے الفاظ ہیں۔ باقی ربط عبارت کے لئے ہم نے لگائے ہیں۔ اصل عبارت طویل تھی اس لئے پوری نقل نہیں ہوئی۔

۱۱؎ یہ فقرہ توجہ ناظرین کے لائق ہے۔

۱۲؎ یہ فقرہ بہت بھی توجہ ناظرین کے لائق ہے۔ اس میں صاف تصریح ہے کہ جن معجزات کو مسیح کی طرف مسلمان منسوب کرتے ہیں وہ مفتریات ہیں۔ مسیح سے وہ معجزات سرزد نہیں ہوئے۔

۱۳؎ یہ بھی لائق توجہ ہے اس میں صاف تصریح ہے کہ سب نبیوں کے معجزات وخوارق محل شبہات ہیں مگر مسیح کے سب سے زیادہ۔

۱۴؎ تالاب کا حال آپ کی عبارت میں ہے۔

۱۵؎ ناظرین دیکھو یہ کیسی صریح نفی معجزات مسیح ہے۔

۱۶؎ ناظرین! خدا کے لئے توجہ کرنا اصیل مسیح کی پیشین گوئیوں کا حال ابتر اور اس کے مثیل کی جو ظلیت کا مدعی ہے نہ فوقیت کا، پیشین گوئیوں کا حال خوب تر۔ اس صورت میں آپ اصل ٹھہرے اور حضرت عیسیٰ ابن مریم آپ کی ظل ومثیل مگر شاید آپ بیان دعویٰ میں بھول گئے ہیں۔ اب کے بھی وقت ہے۔ اصیل بنو، نہ مثیل۔

۱۷؎ جس نبی کی ایک الہامی پیشین گوئی غلط نکلے اس کے الہام اور وحی اور نبوت کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ بناء علیہ آپ کا حضرت مسیح کی پیشین گوئی کو غلط کہنا درپردہ ان کی نبوت سے انکار ہے۔ یہاں تو آپ نے صرف حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات (پیشین گوئیوں) پر وار کیا ہے۔ مگر آپ نے ازالہ میں اس وار اور طعن میں چارسو اور نبیوں کو بھی شامل کرلیا ہے۔ چنانچہ بحوالہ کتب یہود ونصاریٰ جن پر اہل اسلام کے نزدیک اعتماد حلال نہیں۔ یہ لکھا ہے کہ: ’’ایک بادشاہ کے وقت میں چارسو نبی نے اس کی فتح کے بارہ میں پیش گوئی کی تھی اور وہ جھوٹی نکلی اور بادشاہ کو شکست آئی۔ بلکہ وہ اسی میدان میں مرگیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ دراصل وہ الہام ایک ناپاک روح کی طرف سے تھا۔ نوری فرشتہ کی طرف سے نہ تھا اور ان نبیوں نے دھوکہ کھاکر ربانی سمجھ لیا۔‘‘ (ازالہ اوہام ص۶۲۹، خزائن ج۳ ص۴۳۹)

اس بیان کی تائید میں آپ نے قرآن کی ایک آیت کے اس حصے سے جس میں ذکر ہے کہ جو نبی یا رسول گزرا ہے اس نے بات کی تو شیطان نے اس میں کچھ ملادیا۔ استدلال کیا اور یہ کہا ہے کہ: ’’اب خیال کرنا چاہئے کہ جس حالت میں قرآن کریم کے رو سے الہام اور وحی میں دخل شیطان ممکن ہے اور پہلی کتابیں توراۃ وانجیل اس دخل کی مصدق ہیں اور اسی بناء پر الہام ولایت یا الہام عامہ مؤمنین بجز موافقت ومطابقت قرآن کریم کی حجت بھی نہیں تو پھر ناظرین کے لئے غور کا مقام ہے کہ کیونکر اور کن علامات بیّنہ سے میاں عبدالحق صاحب اور میاں محی الدین صاحب نے اپنے الہامات کو رحمانی الہام سمجھ لیا ہے۔‘‘ (ازالہ اوہام

ص ۶۲۹، خزائن ج ۳ ص ۴۳۹، ۴۴۰) مگر اس استدلال میں آپ نے تحریف سے کام لیا اور مسلمانوں کو دھوکہ دیا۔

اس آیت:''**وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطن فی امنیة فینسخ اللہ ما یلقی الشیطٰن ثم یحکم اللہ اٰیة واللہ علیم حکیم (الحج)**'' کا پہلا حصہ آپ نے لے لیا اور اس کا آخیر جس میں صاف یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ شیطان کی ملائی ہوئی بات کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیت کو محکم کرتا ہے چھوڑ دیا۔

اور طرفہ یہ کہ آپ بہت جگہ اپنی تصانیف میں اس آیت کے آخری حصہ سے اس کے ساتھ صحیح بخاری کی ایک حدیث سے لفظ''**ولا محدث**'' شامل کر کے اپنے اور دیگر محدثین کے الہامات کا دخل شیطان سے منزہ ہونا ثابت کر چکے ہیں اور اس حصہ آیت اور حدیث بخاری کو اپنے دعویٰ نبوت ومحفوظیت کا بڑا بھاری ثبوت خیال کرتے ہیں۔

اس مقام میں مولوی محی الدین صاحب وصوفی عبدالحق کے الہامات کو (جو کادیانی کے مخالف ہوئے ہیں جھوٹا بنانے کے لئے اس حصہ آیت اور اس حدیث کو آپ ہضم کر گئے اور اس آیت کے پہلے حصہ کو کتب یہود ونصاریٰ کا مصدق بنا کر دکھا دیا اور مسلمانوں کو دھوکہ دیا اور درحقیقت یہ پوری آیت مضمون کتب یہود ونصاریٰ کے مصدق نہیں مکذب ہے اور کسی اور آیت یا حدیث سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انبیاء اپنی الہامی پیشین گوئی میں جھوٹے نکلتے ہیں۔

۱۸۔ آپ کے نزدیک خداتعالیٰ بھی عوام میں داخل ہے جو اپنے کلام پاک قرآن مجید میں بہت سے معجزات مسیح کو بیان فرماتا ہے۔

۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲۔ شعبدہ بازی کو بیان کر کے حضرت مسیح کے معجزات کو اس کی قطار وشمار میں بیان کرنا اور اس کو لہو ولعب ومسمریزم اور کھیل کہنا اور قابل نفرت قرار دینا صاف دال ہے کہ آپ اس کو بھی شعبدہ بازی کی جنس سے سمجھتے ہیں۔ ان الفاظ میں جو حضرت مسیح کے اور ان کے معجزات کی توہین پائی جاتی ہے وہ توجہ ناظرین کے لائق ہے۔

۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶۔ ان الفاظ میں حضرت مسیح کی صریح وصاف توہین پائی جاتی ہے۔ ناظرین خدا کے لئے انصاف کرنا۔

۲۷۔ کھیل سے آپ مداری کا کھیل مراد رکھتے ہیں۔ کیونکہ پہلے اس کے ہم جنس فعل کو شعبدہ کہہ چکے

ہیں اور یہ نہ صرف حضرت مسیح کی توہین ہے۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی بھی ہے جس نے حضرت مسیح کو ایسے طریق پر اطلاع دی۔

۲۸،۲۹،۳۰؎ جس احیاء کی آپ نے حضرت مسیح سے نفی کی ہے۔ اسی احیاء کو اپنے لئے اس مقام میں ثابت کیا ہے۔ یہ حضرت مسیح کی صاف وصریح توہین ہے۔ پہلے میں بھی اس کی نظیر آپ کے کلام سے نقل کی گئی ہے۔

۳۱؎ آنحضرتﷺ کے جسم نورانی اور لطیف کو کثیف کہنا توجہ ناظرین کے لائق ہے۔

۳۲،۳۳؎ اس نفی کو ناظرین غور سے دیکھیں پھر کادیانی کے اس دعویٰ کو کہ میں حقائق کی نفی نہیں کرتا۔ ملاحظہ کریں۔

۳۴،۳۵،۳۶،۳۷،۳۸،۳۹؎ ان الفاظ کو ناظرین دیکھیں۔ ان میں کیسی صریح مسیح کی توہین ہے۔ اس توہین کا شاید آپ جواب دیں کہ یہ توہین ہے تو عیسائیوں کی کتابوں میں ہے۔ ہم تو صرف ناقل ہیں۔ ونقل کفر کفر نباشد مثل مشہور ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کتابوں کے ایسے مضامین کو جس کا قرآن وحدیث مصدق نہ ہو اور ان میں انبیاء کی توہین پائی جاتی ہو۔ نقل کرنا بھی انبیاء کی توہین ہے اور نقل اسی وقت تک کفر نہیں ہوتا۔ جب کہ اس کے مضمون سے ناقل اپنا اعتقاد وتسلیم بظاہر نہ کرے اور اگر ناقل مضمون نقل کفر کا مصدق ومسلم ہو۔ جو پھر اس کے کفر میں بجز ایسے شخص کی جو خود کافر ہو کون شک کر سکتا ہے۔

۴۰؎ محض کذب اور مغالطہ ہے۔ سیف سے اگرچہ ابتداءً اکراہ ہوتا ہے۔ مگر انتہاءً وہ اکراہ بانشراح مبدل ہو جاتا ہے اور جب مؤمن کے دل میں اسلام راسخ ہو جاتا ہے تو وہ پھر کبھی دور نہیں ہوتا۔ ہندوستان کی حالت کو دیکھو اسلام اس میں کیونکر آیا اور اب کس طرح قائم ہے۔ مسلمانوں کا اقبال نہیں رہا۔ مگر پھر اسلام عیسائیت کی نسبت ترقی پر ہے۔

۴۱؎ نباتات کی نسبت ’’**الیوم اکملت لکم**‘‘ کی بشارت وارد ہوتی تو ان کے خواص جدیدہ کی بھی نفی کی گنجائش ہوتی۔ ان کی نسبت تو ’’**انتم اعلم بامور دنیاکم**‘‘ وارد ہے اور قرآن اور اسلام کی نسبت ’’**الیوم اکملت لکم دینکم**‘‘ وارد ہے۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ فہم جملہ صحابہ کے مخالف اب کسی کو دقائق قرآنی سوجھیں۔

۴۲؎ اس میں آپ کا آنحضرتﷺ پر بھی طعن ہے۔ کیونکہ ضرورت کی جو تفصیل آپ نے کی ہے وہ آنحضرتﷺ کے وقت میں بھی بخیال آپ کے پیش نہیں آئی۔ لہٰذا آپ کے نزدیک آنحضرتﷺ بھی معاذ اللہ ان دقائق میں محروم رہے ہیں۔

۴۳؎ آپ محدث کہلاتے ہیں اور محدث کا کشف والہام آپ کے نزدیک دخل شیطانی سے منزہ ہے۔

لہٰذا اس آیت کا قرآن میں ہونا آپ کے نزدیک یقینی اور ضروری ہے۔ موجودہ قرآن میں جو یہ آیت موجود نہیں تو یہ شاید آپ کے نزدیک معاذ اللہ! حضرت ابوبکر صدیق یا حضرت عثمان یا زید بن ثابت کی غلطی ہے۔

۴۴؎ اس شرط کا دھوکہ پر مبنی ہونا اشاعۃ السنۃ نمبر۱ جلد۱۳ ص۸ میں بخوبی ثابت کیا گیا ہے۔

۴۵؎ یہ شرط آپ ہر دفعہ اور ہر ایک مباحثہ میں اس لئے لگاتے ہیں کہ آپ اپنی تحریرات میں فضول باتیں لکھیں اور خروج از بحث کریں تو اس کو فریق ثانی روک نہ سکے۔ اس کے ساتھ آپ نے پانچویں مرتبہ گیارھویں شرط لگا دی تو اس سے حاضرین مجلس کو بھی اس فضول گوئی اور خروج از مبحث پر اعتراض کرنے سے روک دیا۔

۴۶؎ شرط اوّل کے بعد اس شرط کا ذکر عبث وتکرار بلا حاصل ہے۔

۴۷؎ یہ شرط آپ نے اسی واسطے لگا دی کہ حاضرین مجلس سے بھی آپ کو فضول گوئی اور خروج از مبحث سے کوئی روک نہ سکے اور باوجود آپ کے مغلوب وعاجز ہو جانے کے آپ کا مغلوب وعاجز ہونا مجلس میں ظاہر نہ ہو۔

۴۸؎ ان تئیس مقامات کی تفصیل آگے میں آتی ہے۔

۴۹؎ اس میں یہ اشارہ ہے کہ موت دینے کے معنی بھی لفظ توفی سے قرینہ ہی سے سمجھ میں آتے ہیں۔ نہ بلاقرینہ چنانچہ بہ تفصیل ثابت کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

۵۰؎ کادیانی کی ترتیب بے ترتیب کو اس لئے چھوڑ دیا کہ اس ترتیب سے بیان قرائن میں تکرار متصور تھا اور نیز اس کے حوالہ جات غلط ومکرر تھے۔

۵۱؎ بعض محاورات علاوہ براں آگے کے حاشیہ میں آتے ہیں۔

۵۲؎ اور محاورات سننا چاہتے ہو تو اور سنو۔ ’’توفیت مالی اذا قبضة (بیضاوی ج ۱ ص ۱۳۹) توفیت منه کذا ای تسلمة (معالم ص ۱۶۲) توفیت الشئ واستوفیه اذا اخذته اجمع (فتح البیان ج۳ ص ۱۵)‘‘

۵۳؎ یہ معنی کادیانی نے (ازالہ ص۸۹۲، خزائن ج ص ۵۸۷) میں کئے ہیں اور (اس کے ص۳۴۱، خزائن ج۳ ص۲۷۴) میں کہا ہے۔ ’’جس قدر مبسوط تفاسیر دنیا میں موجود ہیں۔ جیسے کشاف اور معالم اور تفسیر رازی اور ابن کثیر اور مدارک اور فتح البیان میں زیر تفسیر ’’یاعیسیٰ انی متوفیک‘‘ میں لکھا ہے کہ ’’انی ممیتک حتف انفک‘‘ یعنی اے عیسیٰ میں تجھے طبعی موت سے مارنے والا ہوں۔ بغیر اس کے کہ تو مصلوب یا مضروب ہونے کی حالت میں فوت ہو۔‘‘ اس عبارت میں بھی آپ نے ’’متوفیک‘‘ کے

معنی تو وہی بیان کئے ہیں جو کلام ابن عباس کے ہم نے بیان کئے ہیں۔ مگر اس عبارت میں ایک سرقہ اور خیانت آپ نے یہ کی ہے کہ ان تفاسیر سے ایک معنی توفی کے قول حضرت ابن عباسؓ کے موافق تو لے لئے اور جو دوسرے معنی قبض جسم حضرت مسیح کے ان میں بیان کئے گئے وہ چھوڑ دیئے اور مسلمانوں کو دھوکہ دیا اور یہ جتایا کہ اس لفظ متوفیک کے ایک ہی معنی ان سب تفاسیر میں بیان کئے گئے ہیں۔ دوسری خیانت یہ کہ حضرت مسیح کے مصلوب ہونے کی طرف اشارہ کر دیا اور جتایا کہ وہ مصلوب ہوئے مگر اس حالت میں فوت نہیں ہوئے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں صاف فرما دیا ہے کہ وہ مصلوب بھی نہیں ہوئے۔ دیکھو آیۃ: ''وما صلبوہ''

۵۴ چالیس، چوبیس اور چار سال اور سات سال سب باہم متوافق ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ بحث حیات مسیح میں ثابت کیا جائے گا۔

۵۵ اس بات کو کادیانی نے اپنے (ازالہ ص۲۶۹، خزائن ج۳ ص۲۳۶) میں تسلیم کیا اور کہا ہے کہ مسیح کا جسم کے ساتھ آسمان سے اترنا اس کے جسم کے ساتھ چڑھنے کی فرع ہے۔

۵۶ قاموس میں ہے: ''**قولوا والمفردة اقسام الاولی العاطفة فتعطف الشئ علی مصاحبه فانجیناه واصحاب السفینة**'' وعلی سابقہ: ''**ولقد ارسلنا نوحاً وابراهیم وعلی لاحقه وکذلک یوحی الیک والی الذین من قبلک**'' اور شرح ملّا میں ہے: ''**فالواو للجمع مطلقا لا ترتیب فیها فقوله لا ترتیب فیها بیان لاطلاقها ای لا ترتیب فیها بین المعطوف والمعطوف علیه بمعنی انه لایفهم هذا الترتیب منها وجود اوعدما والفاء والترتیب ای للجمع مع الترتیب بغیر مهلة وثم مثلها ای مثل الفاء فی مطلق الترتیب مقرونة بمهلة وتراخ**'' اور مختصر معانی میں ہے: ''**نحوجانی زید وعمرو فان فیه تفصیلاً للفاعل بانه زید وعمر ومن غیر دلالة علی تفصیل الفعل بان المجیین کانا معاً او مترتبین مع مهلة اوبلا مهلة نحوجانی زید فعمراوثم عمرو فالثلث تشترک فی تفصیل المسند الاان الفاء تدل علی التعقیب من غیر تراخ وثم علی التراخی**''

۵۷ معنی ''**قوله انی متوفیک ای متمم عمرک فحینئذ اتوفک فلا اترکهم حتی یقتلوک بل انا رافعک الی سمائی ومقربک بملائکتی واصونک من ان یتمکنوا من قبلک...... والمقصود ان لا یصل اعدائه من الیهود الی قتله ثم انه بعد ذٰلک اکرمه بان رفعه الی السماء** (تفسیر کبیر ج۳ ص۳۸۹)''

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

فتنۂ قادیانی

”ابھی فتنہ ہے کوئی دن میں قیامت ہوگا“

حضرت مولانا محمد حسین بٹالویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

(وضاحتی نوٹ: مولانا محمد حسین بٹالوی نے اشاعۃ السنۃ ج۱۳ش۱ ص۲،۳،۴ پر اداریہ لکھا اور پھر اشاعۃ السنۃ ج۱۴ش۴ ص۱۰۹ تا ص۱۱۲ پر اداریہ اسی عنوان کا دوبارہ لکھا۔ عنوان ایک ہونے کے باعث ہم نے دونوں کو ایک ساتھ جمع کر دیا۔ مرتب)

ہمارے ناظرین اس دفعہ اشاعۃ السنہ میں صرف مرزا کادیانی کے متعلق ایک ہی مضمون سو بھی شخصی وجزئی بحث کا متضمن دیکھ کر متعجب ہوں گے اور شاید بزبان حال یا قال اس کو اس مصرع سے خطاب کریں ؎

کجا بود اشہب کجا تافتی

اور یہ کہیں کہ اشاعۃ السنہ تو شخصی وجزئی مبحث سے قلم کو روک چکا اور مسلمانوں کے باہمی نزاع کی موقوفی کے درپے اور اتفاق واتحاد میں کوشاں تھا۔ اب اس کو کیا ہوگیا ہے کہ ایک مسلمان سو بھی کیسا؟ ولی، مجدد، ملہم ومحدث سے جا لپٹا اور ایسا لپٹا کہ مسائل کلی واتفاقی زیر بحث کو یکلخت بھول گیا۔ لیکن وہ مہربان اگر صبر وتحمل کو کام میں لاکر اس مضمون کو اور اس قسم کے مضامین آئندہ کو اوّل سے آخر تک پڑھ جائیں گے تو امید ہے کہ اشاعۃ السنہ کو اس روش کی تبدیلی اور موجودہ قال وقیل پر نہ صرف معذور ومعاف رکھیں گے بلکہ مصیب وماجور قرار دیں گے اور یہ یقین کر لیں گے کہ اس کی یہ مباحث جزئی وشخصی نہیں بلکہ کلی وقومی ہیں اور ان میں کسی مسلمان یا ملہم، مجدد ومحدث کا مقابلہ نہیں بلکہ نیچریوں، آریوں، عیسائیوں اور فلسفیوں کی جماعتوں سے جن میں درپردہ مخاطب بھی شامل وداخل ہے، مقابلہ ہے اور ان میں بحث بھی کسی خاص مسئلہ جزئی میں نہیں ہے بلکہ ان کلیّات وامّہات مسائل پر بحث ہے جو اسلام اور جملہ ادیان سماویہ کے اصل اصول ہیں اور وہ یہ جان لیں گے کہ مرزا کادیانی جو ایک وقت تک فرقہائے مذکورہ بالا کا مقابل اور تائید اسلام کا مدعی تھا اب وہ اپنی نبوت کا مدعی ہوگیا ہے اور اصول اسلام کے برخلاف نیچریہ نصاریٰ آریہ اور فلاسفہ کے اصول کو ازسرنو زندہ کرنا چاہتا ہے۔ مگر ازاں جا کہ اس کو اس امر کا خوب یقین ہے کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج اور بانی اسلام ﷺ کا صریح مقابل ہو کر اپنی نبوت کا سلسلہ قائم نہیں کر سکتا اور اس صورت خروج

ومقابلہ میں کوئی مسلمان اس کی دعوت قبول نہ کرے گا۔ لہٰذا وہ مسلمانوں کو اپنے دام میں لانے اور اپنے دعاوی کو ان سے قبول کرانے کی غرض سے بظاہر اسلام اور اتباع خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مدعی ہے اور خدا ورسول کی کلام کو پھیر پھار کر اپنے دعاوی باطلہ کے ثبوت پر دلیل ٹھہراتا اور واقفوں میں پھیلاتا اور اہل اسلام کی پبلک میں کہتا ہے کہ مسیح موعود جس کے قیامت سے پہلے آنے کی قرآن وحدیث میں خبر ہے میں ہوں اور حضرت مسیح ابن مریم نبی اللہ فوت ہوچکے ہیں۔ وہ اب دنیا میں نہیں آسکتے اور ان کے معجزات مشہورہ احیاء موتی وخلق طیور کو ماننا شرک ہے اور آنحضرت ﷺ کا معراج میں آسمان پر جانا اور حضرت مسیح علیہ السلام کا آسمان پر زندہ رہنا ایسے خوارق سے ہیں جن سے ایمان بالغیب ٹوٹ جاتا ہے اور میرے لئے خداتعالیٰ نے خوارق کا دروازہ کھول دیا ہے۔ میں ہر شخص کو خوارق اور آسمانی نشان دکھا سکتا ہوں اور میں بطور استعارہ ابن اللہ کہلا سکتا ہوں اور میں مسلمانوں کا وہ امام ہوں جس کو وہ امام مہدی سمجھ رہے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ!

اوران کے پرائیویٹ جلسوں میں ایسی پیش گوئیاں سناتا ہے جن کی تفصیل کا یہ وقت نہیں ہے۔ (جیسے ہشت سالہ میعاد کی پیش گوئی وغیرہ وغیرہ) اوران دعاوی وخیالات میں وہ کامیابی بھی ظاہر کررہا اور یہ کہہ رہا ہے کہ ساٹھ ہزار اشخاص اس کے پاس آچکے ہیں، جن کی مہمانداری میں وہ دس ہزار روپیہ کے قریب خرچ کر چکا ہے اور بہت سے لوگوں نے (جن کی فہرست وہ خود شائع کرنا چاہتا ہے وہ نہ کرے گا تو ہم شائع کریں گے) اس کو مسیح موعود وامام وقت مان لیا ہے۔

اس کے ان دعاوی وبیانات سے مسلمانوں کے مذہب وامن میں جس قدر انقلاب واقع ہونے کا اندیشہ ہے وہ مخفی ومحتاج بیان نہیں ہے۔ (اس سے مرزا کادیانی اور اس کے حواری انکار کریں گے تو ہم اس کی تفصیل وبیان سے متعرض ہوں گے) اس صورت میں اشاعۃ السنۃ کا خصوصیت کے ساتھ فرض ہے کہ وہ اس فتنہ کو روکے اور جملہ مضامین سابق کو چھوڑ کر ہمہ تن اسی کے دعاوی کے رد کے درپے ہو۔ اس کے اصول باطلہ کا ابطال کرے اور اصول حقّہ اسلامیہ کی حمایت عمل میں لاوے۔ اس کی موجودہ جماعت وجمعیت کو تتر بتر کرنے میں کوشش کرے اور آئندہ مسلمانوں خصوصاً اہل حدیث کو جن کا یہ خادم ہے اس جماعت میں داخل

ہونے سے بچاوے۔ کیونکہ اسی (اشاعۃ السنۃ) نے کادیانی کے سابق دعویٰ حمایت اسلام اور مقابلہ مخالفین اسلام و وعدہ تائید دین بنشانہائے آسمانی ونصرت اصول اتفاقی اسلامی سے دھوکہ میں آکر ریویو براہین احمدیہ مندرجہ نمبر ۷ ج ۷ میں اس کو امکانی ولی وملہم بنایا اور لوگوں میں اس کا اعتبار جمایا تھا۔ جس کو یہ حضرات اپنے دعاوی مستحدثہ کی تائید میں اب پیش کررہے ہیں اور اس کی عبارت اپنی تحریرات ورسائل میں نقل کر کے ان سے فائدہ اٹھارہے ہیں اور اپنے دعاوی کی صحت ثابت کررہے ہیں۔ اشاعۃ السنۃ کا ریویو براہین اس کو امکانی ولی وملہم نہ بناتا تو وہ اپنے سابقہ الہامات مندرجہ براہین احمدیہ کی وجہ سے تمام مسلمانوں کی نظروں میں بے اعتبار ہو جاتا۔ کیونکہ بہت سے علماء مختلف دیار ہندوستان وپنجاب وعرب کا ان الہامات کے سبب اس کی تکفیر وتفسیق وتبدیع پر اتفاق ہو چکا تھا۔ صرف اشاعۃ السنۃ کے ریویو نے فرقہ اہل حدیث اور اپنے خریداروں کے خیال میں اس کے الہام وولایت کا امکان جما رکھا اور اس کو حامی اسلام بنا رکھا تھا۔

لہٰذا اسی (اشاعۃ السنۃ) کا فرض اور اس کے ذمہ یہ ایک قرض تھا کہ اس نے جیسا اس کو دعاوی قدیمہ کی نظر سے آسمان پر چڑھایا تھا ویسا ہی ان دعاوی جدیدہ کی نظر سے اس کو زمین پر گرادے اور تلافی مافات عمل میں لاوے اور جب تک یہ تلافی پوری نہ ہولے تب تک بلاضرورت شدید کسی دوسرے مضمون سے تعرض نہ کرے۔

اسی وجہ سے نمبر۱۲ جلد۱۲ اور اس جلد۱۳ کے تین نمبروں میں اس کے متعلق بحث ہوئی ہے اور آئندہ بھی ان شاء اللہ تعالیٰ تا انفصال مقال وانقطاع جدال حضرت کادیانی اس میں یہی بحث رہے گی۔

اس وقت تک تو صرف مراسلت فریقین طبع ہوئی جس سے اہل بصیرت وانصاف کو بخوبی ثابت ہوگا کہ یہ شخص اپنے اقوال وبیانات میں صادق اور اپنے حال میں مستقیم اور اپنے دعاوی میں نیک نیت نہیں ہے اور ان حالات کے ساتھ وہ کسی طرح ملہم نہیں ہوسکتا اور جن پر یہ ثبوت مخفی رہے گا۔ ان کو اشاعۃ السنۃ نمبر۴ ج ۱۳ میں یہ امر مبرہن کر کے دکھایا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ! اور آئندہ ریویو میں یہ ثابت کیا جائے گا کہ مرزا کادیانی ان دعاوی اور اعتقادات میں اصول اسلام کا مخالف ہے اور اصول نیچریہ، آریہ، نصاریٰ وفلاسفہ کا مقلد

وموافق ہے اور الہام موعود مسیحائی کجا یہ کسی الہام کے دعویٰ میں صادق نہیں ہے اور اس اعتقاد وعمل واخلاق کے شخص کا شرعاً وعقلاً ملہم ہونا ممکن ہی نہیں۔

ایسا شخص ملہم وخطاب الٰہی کا مخاطب ہو تو الہام کا بالکل اعتبار اٹھ جاتا ہے اور جملہ ملہمین انبیاء اور اولیاء سابقین کے حق میں یہ ظن بد پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ بھی ایسے ہی تھے؟

حاشا جنابهم عن ذلک!

اور اس ریویو میں یہ بیان ہوگا کہ کادیانی کا یہ دام الہام کیونکر پھیل گیا ہے اور اس کے کلام کا بعض لوگوں پر اثر کیوں پڑ جاتا ہے اور اشاعۃ السنۃ کی کارروائی پر مرزا کادیانی اور اس کے حواریوں نے اب تک کیا سلوک کیا اور کیا آئندہ ہوگا اور اس کا اثر فریقین پر کیا پڑے گا۔

اس وقت جو سلوک ان سے ہوا ہے وہ یہ ہے:

۱...... خریداری اشاعۃ السنۃ کو موقوف کرنا یا اس کی واجبی قیمت (باوجود عدم عادت نادہندگی) دبا رکھنا۔

۲...... رسائل واخباروں میں عامیانہ گالیاں دینا۔

۳...... گمنام خطوں کے ذریعہ گالیاں سنانا اور دھمکانا۔

آئندہ اس سلوک سے ڈرانا اور دھمکانا کہ اگر تم مخالفت مرزا سے باز نہ آؤ گے تو ہم اور گالیاں دیں گے۔ اس سلوک کا اثر وہ حضرات تو یہ سوچ بیٹھے ہیں کہ صاحب اشاعۃ السنۃ گالیوں سے ڈر کر ہماری مخالفت چھوڑ دے گا۔ مگر ان کا یہ خیال سوداء محال ہے۔ صاحب اشاعۃ السنۃ تمہاری مخالفت کو اپنا دین وایمان سمجھتا ہے۔ لہٰذا وہ گالیوں کے خوف سے اپنے ایمان کو نہ چھوڑے گا۔ ان گالیوں کا بداثر تم ہی پر پڑے گا۔ اوّل منصف اور مہذب لوگوں پر تمہارا کمزور ہونا ثابت ہوگا۔ دوم صاحب اشاعۃ السنۃ کا صبر اور گالی کا جواب نہ دینا تم پر دنیا وآخرت میں ناگہانی بلا نازل کرے گا۔ بترس از آہ مظلوماں کے ہنگام دعا کردند۔ اجابت از درحق بہر استقبال مے آید! سوم اشاعۃ السنۃ کے دوست وحامی ان گالیوں کا ایسا جواب دیں گے کہ پھر تم گالیاں دینا بھول جاؤ گے۔ وہ جواب دشنام بدشنام نہ ہوگا بلکہ اور ہی قسم کا جواب ہوگا جو سراسر تہذیب وعدل پر مبنی ہوگا۔ جو لوگ خیر خواہ طرفین ہیں وہ ان حضرات کو سمجھا دیں کہ وہ گالی گلوچ سے باز آویں۔ ورنہ کسی جوابی کارروائی پر جو اس جانب سے ہو ہم پر افسوس شکایت نہ کریں۔ (اشاعۃ السنۃ ج۱۳ ش۱ ص۲،۳،۴)

فتنہ کادیانی نمبر۲

ابھی فتنہ ہے کوئی دن میں قیامت ہوگا

اسلام کے حامیو! مسلمانوں کے پولیٹیشن اعیانو! ملک کے امن وبہی خواہو! آپ اس فتنہ کادیانی سے کیوں غافل اور بے فکر سو رہے ہیں۔ ملک اور گورنمنٹ کو اس فساد کے انسداد کی تدبیریں کیوں نہیں بتاتے۔ کیا کادیانی کے خلیفے پنجاب گزٹ سیالکوٹ ۱۳، ۲۶ر ستمبر ۱۸۹۱ء دیکھ کر مطمئن ہو بیٹھے ہو کہ اس فتنہ کا کوئی پولٹیکل اثر اہل اسلام کے پبلک اور ملک کی حالت پر نہ پڑے گا بلکہ کادیانی کا یہ کہنا کہ مہدی موعود میں ہی ہوں۔ مسیح موعود میں ہی ہوں۔ پرانے خیال کے اثر کو مٹا دے گا۔

اے خیرخواہان ملک وقوم اہل اسلام! کیا آپ صاحبوں نے ہمارا مضمون ''فتنہ کادیانی نمبرا'' مندرجہ اشاعۃ السنۃ ''نمبرا جلد۱۳'' نہیں دیکھا اور اس میں کادیانی کے پاس ساٹھ ہزار اشخاص کا آنا اور ان کی مہمانداری میں دس ہزار روپیہ کے قریب صرف ہونا اور کادیانی کی ہشت سالہ میعاد کی پیشین گوئی کرنا نہیں پڑھا۔

ساٹھ ہزار اشخاص کا کسی کے پاس آنا اور دس ہزار روپیہ ان کی مہمانداری میں خرچ ہونا کوئی انوکھی بات اور نوٹس ایبل نہیں ہے۔ مگر اس کے ساتھ اس ہشت سالہ میعاد کی پیش گوئی کو ملاؤ گے اور کادیانی کے دعوئ امامت ومہدویت کو توجہ سے خیال میں لاؤ گے تو ضرور اس بات کو انوکھی اور نوٹس ایبل قرار دو گے۔ ہم کو اس راز نہانی کی تشریح سے ہنوز ایک امر مانع ہے۔ وہ پھر سہی جب وہ مانع رفع ہوگا۔ بالفعل ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اس فتنہ کادیانی سے خوف کرنا صرف ہماری ہی رائے نہیں بلکہ اور ملک کے خیرخواہ جو پولیٹکس کا مذاق رکھتے ہیں، بھی ہماری اس رائے سے اتفاق رکھتے ہیں۔ وہ ایک تو ایڈیٹر شحنہ ہند میرٹھ (مولانا شوکت اللہ) ہیں جو اپنے پرچہ ۱۴ر ستمبر ۱۸۹۱ء میں لکھتے ہیں: ''اگرچہ مثیل المسیح ہونا کوئی بڑی بات نہیں اور نہ رمز شناسوں کی نظر میں کوئی خوبی کی بات ہے۔ کیونکہ انسان جس شئے سے عبارت ہے وہ مختلف مشابہتوں کا مرقع ہے۔ ہر ذی روح میں مماثلت حیوانی کا ہونا ضروری

ہے۔ ہر انسان دوسرے انسان کا مماثل ہے۔ الہامی مماثلت بھی تعجب خیز نہیں۔ کیونکہ جناب باری کی طرف سے الہام نہ صرف انسانوں بلکہ حیوانوں پر بھی ہوتا ہے اور شحنۂ ہند اس کو مدلل طور پر چند مرتبہ ثابت کر چکا ہے۔ لیکن جب ہم اس کو مذہبی اور پولیٹیکل خیال سے دیکھتے ہیں تو یہ دعویٰ بہت ہی اہم اور نہایت خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ مرزاصاحب کو بھی غالباً معلوم ہوگیا ہوگا کہ انگریزی اخبارات ان کے مخالف ہیں اور ان کے دعوؤں اور مباحث پر پبلک اور گورنمنٹ کو مطلع اور ان کی کیفیات پر ریویو کر رہے ہیں۔ یہ کچھ اس وجہ سے نہیں کہ مرزاصاحب نے اپنے کو مثیل المسیح بنایا ہے۔ کتب آسمانی کی موافقت یا مخالفت کی ہے اور اپنے کو مسیح علیہ السلام کا قائم مقام یا بعینہٖ وہی مسیح قرار دیا ہے جو دنیا میں آئے گا۔ بلکہ محض اس لحاظ سے کہ مرزا کادیانی کا یہ خروج اور یہ دعویٰ بعثت ایک مذہبی قالب پکڑتا جاتا ہے اور جس کے لئے انجام میں ایک جدید پارٹی کا قائم ہونا اور پھر پولیٹیکل صورت میں بدل جانا ضرور ہے۔ پس انگریزی ہم عصروں کا خیال اس جانب رجوع ہوا ہے کہ یہ معاملہ چونکہ جدید اور اس دعوے کی شکل چونکہ عجیب وغریب ہے اور ہمارے ہم عصر خوب جانتے ہیں کہ قدیم یا جدید تعلیم پاکر زمانہ کیسا ہی عقلمند اور فیلسوف ہو جائے۔ مگر ہر زمانہ میں اعجوبہ پرست جہلاء ضرور موجود رہتے ہیں اور سائنس اور فلسفہ طبائع میں کتنا ہی حلول کر جائے اور فلاسفروں اور عقلاء کی کتنی ہی ٹکڑیاں کالجوں اور یونیورسٹیوں سے پرے باندھ باندھ کر نکلنے لگیں تاہم غیرممکن ہے کہ دنیا سے اعجوبہ پرستی دور ہو جائے۔ ایک رفارمر یا ایک عیار شاطر کو بڑی بڑی تدبیریں اور بڑی بڑی چالیں اختیار کرنی پڑتی ہیں اور پھر کہیں سالہا سال کے بعد بیشتر سیانے اعجوبہ پرست قابو میں آتے ہیں۔ ہم نے بڑے علماء اور فضلاء اور بڑے بڑے جہاندیدہ اور تجربہ کار لوگوں کو اعجوبہ پرستی کے دام میں اسیر پایا ہے اور چند جاہلوں عیاروں نے ان پر ایسا مسمریزم پھونکا کہ سر تک نہیں ہلا سکے اور نیز ہندوستان میں ایسے لوگ نہ صرف سینکڑوں بلکہ ہزاروں موجود ہیں جو وحشیوں اور ضعیف الاعتقاد اعجوبہ پرستوں کو اپنے پھنک ایک پھنک دو کا تماشا دکھا دکھا کر مونڈ رہے ہیں۔ مگر ان سے کسی حاکم یا کسی انگریزی اخبار کو کبھی خوف نہیں ہوا۔ کیونکہ ان کی خوارق پر ایمان رکھنے والے ہندوستان میں جوق جوق موجود ہیں۔ کوئی کسی کے پھندے

میں پھنسا ہے۔کوئی کسی کے اور عوام ایسے کرتبوں کو بڑا نہیں سمجھتے۔ کیونکہ وہ عادی، مگر جو دعویٰ مرزا صاحب نے کیا ہے وہ ہندوستان کے ہر مذہب کے اصول کے خلاف ہے اور اصول اسلام کے تو بالکل ہی خلاف ہے۔تقریباً تمام علماء اسلام ان کے مخالف ہیں۔ پس حکام کو یہ خیال پیدا ہوا کہ جب ایک خروج کرنے والے سے اس قدر مخالفت اہل اسلام میں پھیل گئی ہے تو کیا عجب ہے کہ باہمی فساد کی صورت ظاہر ہو اور ہندوستان جیسے ملک میں جہاں ابھی تعلیم وتربیت نہیں پھیلی اور عموماً ملک وحشی اور ناتربیت یافتہ اعجوبہ پرست ہے۔اگر ایسے شخص کی قوت زور پکڑ گئی تو انجام کچھ اور ہی نظر آئے گا۔ کیونکہ اس قسم کے لوگوں نے اوّلاً مذہبی طور پر خروج کیا ہے اور پھر رفتہ رفتہ ان کا خروج پولٹیکل سانچے میں ڈھل گیا ہے۔ ہر ایک رفارمر پہلے مذہبی رفارمر بنا ہے اور پھر بتدریج پولٹیکل رفارمر بن گیا ہے۔ گو مرزا صاحب کی بعثت محض سوشل رفارمر پر مبنی ہو۔لیکن ملک کی حالت اور پھر مختلف طبائع اور پھر اجنبی گورنمنٹ کے خیالات کا کیا علاج ہے۔سوڈان میں کس قدر مہدیوں نے سوشل رنگ میں خروج کیا۔مگر اخیر میں سب کے سب پولٹیکل رنگ میں رنگے گئے۔ان سب مہدیوں کا جو کچھ انجام ہوا سب کو معلوم ہے۔''

دوسرے ایڈیٹر اخبار مہذب لکھنؤ ہیں جو اپنے پرچہ ۱۵ر ستمبر ۱۸۹۱ء میں لکھتے ہیں:

''ہم پر مبعوث ہونے والے نئے پیغمبر صاحب (معاذ اللہ) کی بعثت کا یہ پولٹیکل فائدہ دکھایا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو گورنمنٹ کی وفادار اور مطیع رعایا بنانے آئے ہیں۔ بے شک پیغمبر کا یہ کام ہی ہے کہ رعایا کو سلطنت کا مطیع منقاء بنائے۔ابھی ہم کو یہ نہیں بتایا گیا کہ مرزا صاحب کی نبوت انبیاء سے بنی اسرائیل اور دیگر انبیاء کی طرح کسی خاص قوم اور ملک کے ساتھ مخصوص ہے یا جناب رسالت پناہ ﷺ کے مثل ساری دنیا پر مبعوث ہوئے ہیں۔لیکن جب کہ ان کی نبوت رسالت محمدی ﷺ کے تابع ہے تو بے شک وہ بھی ساری دنیا پر مبعوث ہوئے ہوں گے۔مگر یہ بھی نہیں سمجھ میں آتا۔اس لئے کہ آپ پالیسی تو وہی بتا رہے ہیں جو صرف ہندوستان کے ساتھ مخصوص ہے۔ایسی پولٹیکل تبلیغ سے ترکی، افریقہ، روس اور چین کے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے یا شاید ساری دنیا کے مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہوگی کہ

انگریزوں کی اطاعت کیا کرو۔ مرزاصاحب کے حواریین مرزاصاحب پر نازل ہونے والی وحی متلو پر کوئی تفسیر لکھیں تو یہ غوامض حل ہوں۔

مرزاصاحب کو تو ہم اس بارے میں معذور رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ انسان کو کبھی اس کے بعض اضطراری جوش (عام اس سے کہ وہ جنون ہی کی قسم کے کیوں نہ ہوں) اس کو بالکل مغلوب کر دیا کرتے ہیں اور وہ مجبور ہو جاتا ہے۔ اس بات کے کہہ دینے پر جو ہرگز کسی صاحب عقل وفراست کی زبان سے نہ نکل سکتی تھی۔ لیکن ان بزرگوں پر ہمیں تعجب اور صد ہزار تعجب ہے۔ جو مرزاکادیانی پر ایمان لا کے ان کا حوصلہ بڑھاتے جاتے ہیں۔ وہ اتنا نہیں سوچتے کہ اسلام اور جدید نبوت سے کوئی تعلق بھی ہے۔ انہیں سمجھانا چاہئے تھا کہ اگر بالفرض آپ پر ایسا الہام ہوا بھی تو آپ اس کو اسی طرح مخفی رکھیں۔ جس طرح ابوہریرہؓ نے کسی امر کو مخفی رکھا تھا اور کہا تھا کہ اگر ظاہر کر دوں تو: ''**لقطعت الحلقوم**'' یعنی یہ گلا کٹ جائے۔ سب پر طرّہ یہ کہ سمجھا جاتا ہے کہ عیسائی گورنمنٹ کو مسلمانوں کی طرف سے اطمینان ہو جائے گا کہ اہل اسلام جس مسیح کے منتظر تھے اور جس کا نام لے کر دیگر ادیان والوں کو دھمکیاں دیتے تھے۔ اس کے وہ منتظر نہیں رہے اور وہ آیا بھی تو یوں کہ کچھ نہ کر سکا۔ بلکہ الٹے مسلمانوں کو عیسائیوں کی اطاعت کا سبق دینے لگا۔ بجا ہے عیسائی بہت ہی خوش ہوں گے اور خصوص اس خیال سے کہ آپ مثیل مسیح ہیں۔ اس درجہ معتقد ہوں گے کہ کیا عجب اب کی پوپ کا عہدہ خالی ہوتے ہی وہ مرزاکادیانی کو پوپ بنا کے اٹلی بھیج دیں۔''

ہمارے تلمیذ عزیز منشی فتح محمد جالندھری کی نظم

ہیہات زمانے میں ہوا کیسا تغیّر ابنائے زمان دیکھو تو کیا کیا نہیں کرتے
کیا کہتے ہیں کیا لکھتے ہیں کیا کرتے ہیں اظہار اور اس پر کسی بات کی پروا نہیں کرتے
دعوائے خدائی ہے فقط باقی وگرنہ اور کیا ہے جس بات کا دعویٰ نہیں کرتے
پہلے تھا یہ دعویٰ کہ ہمیں ہوتا ہے الہام پر اتنے پہ بس حضرت مرزا نہیں کرتے
اب کہتے ہیں ہیں آپ مسیح موعود واللہ کہیں بھی غضب ایسا نہیں کرتے

آیات واحادیث میں کردیتے ہیں تاویل
ڈھاتے ہیں ستم خوف خدا کا نہیں کرتے
ہے لطف کہ بنتے ہیں مثیل عیسیٰ
کام اک بھی مگر مثل مسیحا نہیں کرتے
مردے کو زندہ کریں کوڑ ہی کو نہ چنگا
معدوم بصر کو بھی تو بینا نہیں کرتے
ہے طرفہ کہ خود رہتے ہیں بیمار ہمیشہ
اوروں کو تو کیا اپنے کو اچھا نہیں کرتے
جب تک کہ خلل عقل میں واقع نہیں ہوتا
بات ایسی کوئی منہ سے نکالا نہیں کرتے
کہتے ہیں یہ ہم آپ سے مرزا زرہ فصیح
گر کہتے نہیں ہیں تو ہم اچھا نہیں کرتے
جب پاؤں میں ہولنگ نہ ہو طاقت رفتار
اوراس پہ وہ صاف بھی دیکھا نہیں کرتے
ہوتا ہے خطر گرنے کا ہر ایک قدم پر
اس حال میں دانا کبھی دوڑا نہیں کرتے
دانشوروں اور اہل خرد کا ہے یہ دستور
جب تک کہ نہ حجت ہو تو دعویٰ نہیں کرتے
مردود ہے دعوی، نہ ہو جس پر کوئی برہان
اس طرح کے دعویٰ کو تو مانا نہیں کرتے

اخونا ومولانا سعدی سلمہ کا قطعہ تاریخ طبع

اشاعت پس از انتظار مدید
چہ خوش آمدی مرحبا مرحبا
بود شیوہ ات دمغ باطل مدام
توئے ناصر ملت مصطفےٰ
کنے فتنۂ کادیانی فرو
زہائے آتش اندر دل اشقیا
بہر کس چان کید دجال وقت
نمودی بفتوان اہل تقےٰ
بدین خدا سعے مشکور تو
صعودت نماید بسوئے سما
ملائک چو بر چرخ چارم پرند
زعینے نباشد عجب ایں ندا
دعا بھر اظہار سال شیوع
بیابد دل اہل ایمان غذا

(اشاعۃ السنۃ ج۱۴ ش۴ ص۹، ۱۱۲)

حاشیہ جات

۱؎ یہی حال مولوی محمد احسن امروہی کا ہوا ہے کہ وہ آپ کے دام میں پھنسا۔

۲؎ دکھانے والا ہی کادیانی کا خلیفہ ایڈیٹر پنجاب گزٹ سیالکوٹ ہے۔

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

مباحثہ بٹالہ

مابین

مولانا محمد حسین بٹالوی و محمد احسن امروہوی مرزائی

حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کادیانیوںؒ کے نئے مباحثے اوران کی تازہ گریز

بٹالہ کا مباحثہ اوراس سے ایک حواری کادیانی کی گریز

میاں غلام احمد کادیانی کو لدھیانہ، دہلی، پٹیالہ اور سیالکوٹ وغیرہ میں مباحثہ سے گریز وشکست کی ذلت پہنچی تو وہ ناچار ہوکر اپنے مسکن کادیان میں خلوت گزین ہوئے اور آئندہ بحث ومباحثہ سے بالہام وحکم الٰہی ممنوع (روکے گئے) ہوکر اس شعر کے مصداق بن بیٹھے ؎

زاہد نداشت تاب وصال پری رخان کنجے گرفت وترس خدارا بہانہ ساخت

مگراس کے نادان حامی اور کوتاہ اندیش حواری اس کی اس پالیسی کو نہ سمجھے اوراس کی دور اندیشی کی تہ کو نہ پہنچے۔ وبناء وہ ان کی عافیت وجان بری کو غنیمت نہ سمجھ کراس ایک سال کی دبی ہوئی ذلت کو تازہ اور دوبارہ ظاہر کرنے سے خواستگار ہوگئے اوراس مقولہ مشہورہ ’’نادان دوست دانا دشمن سے بدتر ہوتا ہے‘‘ کے مصداق بن گئے۔ ازانجملہ ایک منشی یا مولوی محمد احسن صاحب امروہی ملازم معزول ریاست بھوپال ہیں۔ جو اوائل جنوری ۱۸۹۳ء میں کادیانی کے بعض مریدوں اور حواریوں مہر نبی بخش نمبردار بٹالہ ضلع گورداسپور وغیرہ کی حمایت کی امید اور بھروسہ پر بٹالہ میں پہنچے اور میر امتیاز علی صاحب منصف کے مکان پر ان کے ہم وطن ہونے کی وجہ سے خیمہ زن ہوئے اور جاہلوں میں بیٹھ کر کادیانی کے کفریات کو دین ثابت کرنے اوراس پر ’’ھل من مبارز‘‘ (کوئی ہے میدان میں نکلنے والا) کا نعرہ بلند کرنے لگے۔

خاکسار ان دنوں اہتمام طبع رسالہ کے لئے لاہور میں تھا۔ ۱۴ر جنوری ۱۸۹۳ء کو ایک قومی ضرورت کے لئے امرتسر پہنچا تو وہاں سے ایک شب کے لئے بٹالہ گیا اور منشی صاحب کا یہ حال سن کران کے نام اس مضمون کا ایک رقعہ لکھا کہ آپ بحث کرنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کریں۔ ورنہ یہاں زبان کو بند رکھیں۔ یہ رقعہ انہوں نے ۱۶ر جنوری ۱۸۹۳ء میں وصول کیا۔ مگراس کا جواب شام تک نہ دیا تو پھر ایک ریمائنڈر (رقعۂ یادداشت) بنام مولوی احمد علی صاحب جو منصف صاحب کے مکان پر تھے روانہ کیا۔ اس کے جواب میں مولوی احمد علی

صاحب نے لکھا کہ آپ کا رقعہ منصف صاحب کے سامنے مولوی محمد احسن کو سنایا گیا۔ انہوں نے کہا کہ مولوی محمد حسین کو لکھ دو۔ وہ اپنے کام کا کیوں حرج کرتے ہیں۔ وہ لاہور کو جاویں جواب بذریعہ ڈاک پہنچ جاوے گا۔

دوسرے دن خاکسار مباحثہ سے مایوس ہوکر عازم لاہور ہوا۔ مگر مزید احتیاط کی نظر سے اس دن بھی تین بجے کی ٹرین کے وقت تک ٹھہرا رہا اور دس بجے صبح کے مولوی امام الدین صاحب حکیم کی زبانی بٹالہ کے سجادہ نشین سلسلہ عالیہ قادریہ فاضلیہ شاہ ظہور الحسین صاحب کی طرف اس مضمون کا پیام بھیج دیا کہ آپ منشی محمد احسن سے دریافت کریں کہ وہ مجھ سے مباحثہ کرنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ چاہتے ہیں تو میں عزم لاہور کو فسخ کروں ورنہ آج تین بجے کی ٹرین میں چلا جاؤں گا اگر تین بجے سے پہلے میرے پاس منظوری مباحثہ کا پیام نہ پہنچا۔ مگر وقت روانگی ٹرین تک پیام نہ آیا اور میں لاہور کو روانہ ہوا۔ میری روانگی بعد ۱۸، ۱۹ رجنوری ۱۸۹۳ء کو منشی صاحب نے شاہ صاحب موصوف کو میرے خط کا جواب دیا۔ جس میں ناجائز اور مباحثہ کو ٹلانے والی شروط لگا کر درپردہ وہ مباحثہ سے انکار اور بظاہر مستعدی کا اظہار تھا اور زبانی یہ کہا کہ آپ مولوی محمد حسین کو لاہور سے بلاویں۔ میں ان سے مباحثہ کروں گا۔

وہ خط مجھے ۲۰ رجنوری ۱۸۹۳ء کو لاہور میں ملا جس کا جواب میں نے ۲۰ رجنوری کو ہی روانہ بٹالہ کر دیا اور اس میں ناجائز شروط منشی صاحب کی ترمیم اور جائز شروط کو تسلیم کر کے بٹالہ میں مباحثہ کے لئے حاضر ہونا منظور کیا۔ وہ خط ۲۱ رجنوری کو بذریعہ شاہ صاحب موصوف منشی صاحب کو مل گیا۔ پھر ۲۲ رجنوری ۱۸۹۳ء کو خاکسار اسی ضرورت قومی کے لئے امرتسر میں پہنچا تو وہاں شاہ صاحب کے فرستادہ اپنے بھائی شیخ محمد عمر کو جو صرف میری طلبی کے لئے بٹالہ سے آئے تھے موجود پایا تو اسی دن امرتسر سے فارغ ہوکر بٹالہ پہنچ گیا۔ خاکسار کے پہنچنے پر منشی صاحب کو دعویٰ مباحثہ بھول گیا۔ جیسے کابلی افغان کو دیکھ کر ہندی کو فارسی بھول جاتی ہے اور دو دن تک میرے خط کا جواب نہ دیا۔ ۲۴ کو جواب بھیجا تو وہ اس مضمون کا تھا۔ جس میں اپنی ناجائز شروط پر اصرار اور ہماری جائز شروط کی تسلیم سے انکار اور اس آڑ میں مباحثہ سے انکار پایا جاتا تھا۔

اس خط کو دیکھ کر خاکسار پھر مباحثہ سے مایوس ہوا اور لاہور کو تیار ہوگیا۔ مگر

۲۵ر جنوری ۱۸۹۳ء کو شاہ صاحب (سید ظہور الحسنین بٹالہ) موصوف کی طرف سے چند علماء (مولوی فخر الدین صاحب مدرس سکول، مولوی احمد علی صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ، مولوی امام الدین صاحب حکیم، مولوی احمد اللہ صاحب صوفی وغیرہ) کا ڈپوٹیشن یہ پیام لایا کہ آپ آج لاہور کا قصد نہ کریں بلکہ جمعہ تک یہاں قیام کریں۔ جمعہ تک مولوی احمد حسن صاحب مباحثہ کے لئے مستعد نہ ہوئے تو میں جمعہ کے مجمع عام میں اعلان کر دوں گا کہ مولوی احمد حسن صاحب مباحثہ سے انکار کرتے ہیں اور پھر آپ روانہ لاہور ہوں اور ادھر منشی صاحب کو مباحثہ کے لئے تقاضا کیا اور یہ بھی کہا کہ میں چار ہزار روپیہ کی ضمانت تحریر کر دیتا ہوں۔ اگر آپ کو مجلس میں کسی قسم کا خوف ہو مگر منشی صاحب نے مجلس میں آنا منظور نہ کیا اور ایک طولانی خط اس مضمون کا کہ: ''مرزا صاحب کو دعویٰ نبوت نہیں۔'' ان کے پاس بھیج دیا اور اس کا جواب تحریری خاکسار سے طلب کیا۔ شاہ صاحب بھی جب آپ سے مایوس ہوئے تو انہوں نے جامع مسجد میں تمام مسلمان جمعہ پڑھنے والوں کو جمع کیا اور مجمع عام میں یہ کہہ دیا کہ مولوی محمد حسین صاحب کا میں ممنون ہوں کہ وہ میری درخواست پر لاہور سے آئے اور انہوں نے اپنے کاروبار کا حرج کر کے اتنے دن بٹالہ میں قیام کیا۔ مگر مولوی محمد احسن صاحب (مرزائی) مباحثہ کے لئے مجلس میں نہ آئے۔ باوجودیکہ میں چار ہزار روپیہ کی ضمانت بھی دینے کو حاضر تھا۔ اب میری طرف سے مولوی محمد حسین صاحب کو لاہور جانے کی اجازت ہے۔

اس کے بعد شاہ صاحب کے چھوٹے بھائی صاحبزادہ ظہور الحسن صاحب کھڑے ہوگئے اور مظہر ہوئے کہ: ''میں آج صبح کے وقت منصف صاحب کے مکان پر مولوی محمد احسن صاحب سے ملا تھا اور ان سے کہا کہ آپ مباحثہ کرنا نہیں چاہتے تو بالمقابلہ ایک مجلس میں وعظ ہی کریں۔ پہلے ایک صاحب (آپ خواہ مولوی محمد حسین صاحب) وعظ کریں پھر دوسرے صاحب۔ اس سے حاضرین کو خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ حق پر کون ہے اور اس امر کو مولوی محمد احسن صاحب نے منظور کر لیا ہے۔ لہٰذا آپ سے درخواست کی جاتی ہے کہ آپ دو روز (شنبہ اور یک شنبہ کا دن) بٹالہ میں اور رہیں اور ہماری مسجد میں بالمقابلہ وعظ کریں۔''

اس درخواست کی اور معزز لوگوں نے جو حاضر مجلس تھے (جیسے شیخ مہر علی صاحب وشیخ امیر بخش صاحب وغیرہ وغیرہ) نے بھی تائید کی جن کے ساتھ آخر بڑے شاہ صاحب

سجادہ نشین بھی متفق ہوگئے۔ خاکسار نے اس درخواست کو منظور کیا اور بالاتفاق یہ قرار پایا کہ تقریریں تین ہوں جس شخص کی پہلی تقریر ہو اسی کی آخری ہو اور دو دن میں دو مسئلوں پر بحث ہو۔ اوّل یہ کہ کادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے یا نہیں۔ دوم یہ کہ وہ مسیح موعود ہیں یا نہیں۔ جس کے ضمن میں حیات و ممات مسیح سے بھی بحث ہو۔ دوسرے دن بہت سے مسلمان حسب قرارداد روز جمعہ شاہ صاحب کے مکان پر جمع ہوئے۔ پولیس کے ملازم بھی حفاظت کے لئے آگئے۔ خاکسار کی طرف سے بھائی صاحب شیخ محمد عمر حصول اجازت حاضری خاکسار کے لئے پہنچے تو معلوم ہوا کہ منشی محمد احسن صاحب نہیں آئے۔ ان کے تابعین اور کادیانی کے حواری جو اس مجلس میں تھے یہ بولے کہ اگر شاہ صاحب یہ وعدہ کریں کہ ہم اپنے مکان کو مقفل کر کے رکھیں گے تو مولوی محمد احسن صاحب آتے ہیں۔ شاہ صاحب نے اس امر کو بھی منظور کیا اور ان کو یہ وعدہ دے کر منشی صاحب کی طرف روانہ کیا۔ مگر منشی صاحب نہ آئے۔ یہاں تک کہ اتوار کا دن بھی گزر گیا۔ پھر خاکسار شاہ صاحب سے اجازت سفر لاہور کا خواستگار ہوا، تو شاہ صاحب نے ایک خط اور منشی صاحب کے نام روانہ کیا جس کے جواب میں انہوں نے شاہ صاحب کے نام اس مضمون کا خط لکھ دیا کہ آپ اس معاملے سے علیحدہ ہو جاویں۔ میں مولوی محمد حسین صاحب سے لاہور میں مباحثہ کروں گا۔

لوتر کی تمام ہوئی اور بحث ختم ہوئی۔ جس پر شاہ صاحب سجادہ نشین نے خاکسار کو دوبارہ رخصت کیا تو خاکسار ۳۱ رجنوری ۱۸۹۳ء کو لاہور پہنچا اور بٹالہ کے کس و ناکس کو معلوم ہوگیا کہ منشی (یا مولوی) محمد احسن نے مباحثہ سے گریز کیا۔

ذیل میں وہ مراسلت نقل کی جاتی ہے جو خاکسار اور منشی صاحب میں ہوئی۔

رقعہ اوّل منجانب خاکسار:

بنام:

مولوی (یا منشی) محمد احسن صاحب امروہی

''سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ'' میں نے سنا ہے کہ آپ بٹالہ میں بیٹھ کر کادیانی کے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کررہے ہیں اور ''ھل من مبازر'' کا نعرہ بلند کررہے ہیں۔ آپ کو اس دعویٰ کے اثبات یا دعویٰ وفات مسیح کے اثبات کا حوصلہ یا کسی عقیدہ کفریہ

کادیانی کے اثبات کا دعویٰ ہے تو ابھی خاکسار کے مکان پر تشریف لاویں یا مجھے جس کے مکان پر آپ چاہیں بلالیں اور اپنے دعاوی کو ثابت کریں۔ ورنہ بٹالہ میں ان دعاوی سے اپنے منہ کو بند رکھیں۔ (ابوسعید محمد حسین)

رقعہ دوم جواب منجانب منشی محمد احسن صاحب:

اس کے جواب میں جو منشی صاحب کا خط ۲۰؍جنوری ۱۸۹۳ء کو بذریعہ ڈاک مجھے لاہور میں ملا وہ بہت طول وطویل ہے۔ ومعہذا مطاعن کا مجموعہ، لغویات کا ذخیرہ، تمسخر کا گلدستہ، بدتہذیبی کا خاکہ ہے۔ لہٰذا ہم اس کو بتمامہ نقل کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ اس کے بعض الفاظ پر ہم کچھ اور کارروائی بھی کرنا چاہتے ہیں۔ ان الفاظ کو ہم خود ہی شائع کریں تو ہمارا وہ حق جاتا رہے گا۔ منشی صاحب اس خط کو بعینہ چھپوائیں گے تو ہمارے بیان کی تصدیق کریں گے اور ہم کو اس کارروائی کا موقع دیں گے۔ ہم صرف اس خط کا آخری حصہ جو مضمون مباحثہ کے متعلق ہے بلاکم وکاست منشی صاحب کے بعینہا الفاظ سے نقل کرتے ہیں۔

وہ یہ ہیں: اب اگر آپ چاہیں کہ اوّلاً میں حضرت مرزاصاحب کی مسیحائی ثابت کروں تو آپ پر ضرور ہے کہ جن اصول اور قواعد سے آپ نے اس امت مرحومہ میں کسی ولی کو اولیائے گزشتہ سے مجدد تسلیم کرلیا ہو اور وہ آپ کے نزدیک صحیح الولائت ومسلم التجدید ہوگیا ہو۔ پس ان اصول کو مفصل بیان فرمادیا جاوے تاکہ انہیں اصول کے رو سے مع شئے زاید بلکہ مع شئے ازید اس مجدد مختلف فیہ کی تجدید (جس کو حسب مسلک مذکورہ بالا میں مسیحا ابن مریم سمجھتا ہوں اور بعض احادیث صحیحین کا پورا مصداق جانتا ہوں) ثابت کروں۔ شرائط مباحثہ حسب ذیل ہیں۔

شرط اوّل: فریقین میں سے کوئی شخص مجاز نہ ہوگا کہ کوئی کلمہ خلاف تہذیب بول سکے۔ ورنہ حسب تجویز حضرت منصف صاحب کے حضرت سجادہ نشین صاحب بحیثیت صدر انجمن اس کی حکم ہوکر سزائے مناسب تجویز فرماویں گے۔

شرط دوم: جو مناظر کوئی تقریر شروع کرنا چاہے بغیر اجازت صدر انجمن صاحب کے مجاز بولنے کا نہ ہوگا اور جب تک وہ اپنی تقریر پڑھ رہا ہو تو دوسرے مناظر کو خاموش رہنا واجب ہوگا۔ بعد ختم ہوجانے ایک مسلسل تقریر کے جو تحریر میں ضبط کر کے پڑھی جاوے گی۔ دوسرا مناظر حسب اجازت صدر انجمن صاحب کے اپنی تقریر شروع کرے گا۔ سواء ہر دو

مباحث کے تیسرے کسی شخص کو کسی جانب سے استحقاق بالمواجہ بولنے کا نہ ہوگا۔

شرط سوم: برخواستگی جلسہ بحث برضائے مندی ہر دو مباحث فریقین عمل میں آوے گی۔ بلا رضامندی ہر دو مناظرین جلسہ بحث برخاست نہ ہوگا۔

شرط چہارم: حاضرین فریقین میں سے کوئی صاحب کسی بات میں اشارۃً یا کنایۃً یا استہزاءً کوئی دخل نہ دے سکے گا۔ اس کے ذمہ دار بھی صدر انجمن صاحب ہوں گے۔

شرط پنجم: مراتب ادّلہ وہی رہے گا جو اصول فقہ اور نیز اصول حدیث میں مسلم اور مستحکم طور پر منضبط ہیں اور تعارف مصطلحات علوم[۵] میں مثل طلباء علم کی گفتگو نہ ہوگی۔ ایسے مباحث سے مقاصد ختم نہیں ہوتے۔ مثلاً میں سوال کر بیٹھوں کہ نص کی کیا تعریف ہے۔ دوسرا سوال کرے کہ اقتضاء النص کی کیا تعریف ہے۔ یہ بحث جو موجب تسلسل ہی نہ ہوگی۔ ہاں! البتہ اگر کسی بحث کا دارومدار کسی اصطلاح پر قرار پاجاوے اور مناظرین اس میں مختلف ہوں تو حسب اقتضاء صراط مستقیم اس کی تحقیق ہوسکتی ہے۔ کتب معتبرہ اصول کی طرف رجوع کر کے اس اختلاف کو دفع کیا جائے گا۔

شرط ششم: ہر ایک تقریر تحریر میں ضبط کی جاوے گی اور ہر ایک کو یہ اختیار ہے کہ کوئی مناظر اپنی تقریر کو اوّل سے محرر کر لیوے[۶]۔

شرط ہفتم: جن اقوال مرزا صاحب کو موجب تکفیر قرار دیا ہے۔ ان میں بھی بحث نہ ہوگی۔ کیونکہ میرے نزدیک وہ اقوال عین معارف واسرار ہیں۔ نہ موجب تکفیر۔ اس کا ثبوت اس عاجز نے رسالہ ''تحذیر المؤمنین عن اکفار المسلمین'' میں بخوبی کر دیا ہے اور اگر فرض کیا جاوے کہ وہ اقوال خطاء ہیں تو بھی معفوعنہ ہیں۔ ''ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا'' میں داخل ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے بحکم حدیث قدسی صحیح کے معاف فرما دیا ہے۔ حضرت منصور نے ''انا الحق'' کہا تھا۔ علماء معاصرین نے تکفیر کی دوسری قرن میں خود مکفرین غدار قرار دیئے گئے۔

چون قلم در دست غدارے فتاد لا جرم منصور بردارے فتاد

اور ظاہر ہے کہ مجدد کے واسطے یہ امر ضروری ہے کہ کوئی فہم جدید لاوے۔ ورنہ اس کو مجدد کیوں کہا جاتا۔ (محررہ ۱۷ر جنوری ۱۸۹۳ء وقت شب محمد احسن امروہی نزیل بٹالہ)

رقعہ سوم جواب منجانب خاکسار:

اس خط کے جواب کے اوّل وآخر میں منشی صاحب کی زائد باتوں کا جواب دیا گیا اوران کے مسیحائی اخلاق کا فوٹو دکھایا گیا تھا اور چونکہ وہ اصل مطلب سے زائد امر تھا۔ لہٰذا اس کو چھوڑ کر مطالب متعلقہ کا جواب نقل کیا جاتا ہے۔

مولوی (یا منشی) محمد احسن صاحب ۲۰رجنوری ۱۸۹۳ء، نمبر۳۹

’’سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ‘‘ آپ کا خط مؤرخہ ۱۷رجنوری ۱۸۹۳ء آج مجھے لاہور میں ملا۔ مجھے آپ کے دعویٰ مسیحائیت کادیانی پر بحث کرنا بخوشی منظور ہے۔ لہٰذا برطبق آپ کی درخواست کے کہ: ’’آپ پر ضروری ہے کہ جن اصول اور قواعد سے آپ نے اس امت مرحومہ میں سے کسی ولی کو اولیاء گزشتہ سے مجدد تسلیم کرلیا ہو اور وہ آپ کے نزدیک صحیح الولائت اور مسلم التجدید ہوگیا ہو۔ پس ان اصول کو مفصل بیان فرمادیا جاوے کہ انہی اصولوں کے روسے مع شئے زائد بلکہ مع شئے ازید اس مجدد مختلف فیہ کی تجدید (جس کو حسب مسلک بالا میں مسیحابن مریم سمجھتا ہوں اور بعض احادیث صحیحین کا پورا مصداق جانتا ہوں)‘‘ ثابت کروں میں اصول وعلامات کو بیان کرتا ہوں۔ جن کی روسے میں نے پہلے ولیوں کو ولی سمجھا ہے۔ آپ ان اصول وعلامات سے کادیانی کا ولی ہونا ثابت کریں اور اگر ثابت نہ کرسکیں تو مجھ سے ان ہی اصول وعلامات کی شہادت سے اس کے ولی ومجدد نہ ہونے کا ثبوت لیں۔

وہ اصول وعلامات درحقیقت ایک ہی وصف کمال ایمان واسلام ہے۔ مگر تفہیم عام کی نظر سے تین اصول وعلامات سے اس کی تفصیل کی جاتی ہے۔

پس واضح ہو کہ سب سے پہلی علامت ولایت اور اس کا اصل اصول یہ ہے کہ مدعی ولایت کا اعتقاد کفر وبدعت سے پاک ہو۔ وہ ایسے امور کا معتقد نہ ہو جن کو اسلام نے کفر وبدعت قرار دیا ہے۔

دوسری علامت یا اصل یہ ہے کہ مدعی ولایت کا عمل مخالفت شریعت سے مبرّا ہو۔ وہ اخلاق جمیلہ سے متحلّی اور اخلاق رزیلہ سے متخلی ہو۔ اس کے ہاتھ پاؤں زبان وغیرہ حکم شریعت کے ایسے تابع ہوں کہ فرائض مقررہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے علاوہ نفلی عبادات میں سرگرم ہوکر حدیث:’’لا یزال عبدی یتقرب بی بالنوافل‘‘ کا مصداق ہو اور محرمات

قطعیہ (کذب، دھوکہ دہی، بدگوئی، مردم آزاری، مال مردم خوری) کے علاوہ مکروہات ومشبہات سے مجتنب ہوکر حدیث[۸]: ’’من انقیٰ الشبہات‘‘ کا امتثال کرتا ہو۔

تیسری علامت یا اصل (جو پہلے دو اصلوں کی فرع ونتیجہ لازمہ ہے) یہ ہے کہ مدعی ولایت کی ذات وصفات برکات الٰہیہ کے مظہر ومصدر ہوں اور اس کے ہاتھ، پاؤں، کان، آنکھ حدیث[۹]: ’’حتی اکون سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بہا‘‘ کا مصداق ہوجائے۔ یہ علامات واصول ولایت ہیں اور اگر کوئی ولی ہونے کے ساتھ مجدد ہونے کا بھی مدعی ہوتو اس کے لئے یہ شرط یا علامت ہے کہ اس کے ہاتھ سے دین اسلام کے ان امور کا احیاء وترویج ہو۔ جن میں سستی واقع ہوچکی ہو۔ نہ یہ کہ وہ احداث کرے اور دین میں ایسی باتیں نکالے جو بعینہٖ یا ان کا اصل اصول قرون ثلاثہ میں پایا نہ گیا ہو۔

۲...... آپ کے جملہ شرائط منظور ہیں۔ مگر شرط دوم وششم میں اس قدر ترمیم مناسب ہے کہ پہلے تقریر ہو۔ پیچھے تحریر اور اگر تحریر پہلے ہوتو اندیشہ ہے کہ آپ کادیانی کی طرح جو چاہیں گے خارج از مبحث لکھتے چلے جاویں گے اور کوئی آپ کو روک نہ سکے گا اور اس سے اصل مبحث چھوٹ جائے گا اور شرط سوم میں یہ ترمیم ہوکہ برخاستگی جلسۂ منصف یا میر مجلس کی اجازت سے ہو، نہ فریقین کی اجازت سے۔ آپ کی اجازت کی شرط ہوتو آپ جتنی دیر چاہیں گے سوال سن کر جواب کے لئے بٹھا رکھیں گے اور بحث کو کبھی ختم نہ ہونے دیں گے۔ کیونکہ آپ جب سے نوکری بھوپال سے معزول ہوئے ہیں بیکار وبے شغل ہیں۔ اس صورت میں مباحثہ کے بہانہ سے بٹالہ میں آپ کا سالہا سال بیٹھے رہنا اور منصف صاحب کے ماحضر کو غنیمت سمجھ کر اس پر گزارہ کرنا بعید نہیں ہے۔

شرط ہفتم: شاید بھول یا ذھول سے آپ کے قلم سے نکل گئی ہے۔ لہٰذا وہ بالکل فسخ کے لائق ہے۔ جب آپ نے درخواست مذکورہ بالا میں اصول وقواعد شناخت ولی ومجدد کو مقرر کرانا چاہا ہے اور ان اصول میں مدعی ولایت کا مومن کامل ہونا، کافر ومبتدع نہ ہونا۔ داخل اور ایک امر لازمی ہے تو پھر کادیانی کے عقائد کفریہ پر کیونکر بحث نہ ہو؟ آپ کا یہ کہنا کہ میرے نزدیک وہ اقوال معارف واسرار ہیں۔ نہ موجب کفر۔ بحث کی ضرورت کو نہیں اٹھاتا

بلکہ بحث کو واجب ٹھہراتا ہے۔ آپ کادیانی کے ان اقوال کو معارف جانتے ہیں اور مسلمان ان کو کفر کہتے ہیں۔ لہٰذا ان میں بحث ہونا ازبس ضروری ہے۔ (ابوسعید محمد حسین)

رقعہ چہارم جواب منجانب منشی صاحب:

اس خط کا جواب بھی منشی صاحب نے بہت طول طویل طعن وتمسخر ولغویات سے پر، پورے آٹھ صفحہ فرنچ پیپر میں دیا ہے جو (۲۴ رجنوری ۱۸۹۳ء کو ہم کو ملا) لہٰذا اس کی لغو اور بیہودہ اور زائد باتوں کو چھوڑ کر اصل مطلب متعلق بحث کو نقل کیا جاتا ہے۔

وہ یہ ہے: آپ نے کسی مجدد خاص کا نام جو ان علامات اور اوصاف کے ساتھ ممتاز ومتصف ہو، ذکر[11] نہیں کیا۔ جو مجھ کو اس نظر کرنے کی گنجائش ملتی کہ علماء معاصرین نے اس کی تکفیر تضلیل کی ہے یا نہیں۔ لہٰذا یہ آپ پر ضرور ہے کہ آپ اس مجدد کی تعیین فرمادیں اور اس کی مجددیت کے مدعی بنیں تاکہ اس کی تجدید میں بھی نظر کی جاوے اور پھر اس کے معاصرین علماء کی تضلیل وتکفیر وغیرہ پر بھی نظر ڈالی جاوے اور پھر اس کا مقابلہ مجدد حال مختلف فیہ سے کیا جاوے اور یہ بھی ضرور تحریر فرمائیے کہ اس مجدد کا کمال ایمان وکمال اسلام آپ کو کیونکر متیقن ہوا۔ آیا آپ کو اس کی تجدید اور ولایت کی نسبت وحی یا الہام ہوا ہے یا کسی اور دلیل ظنی یا یقینی سے اس کے کمال ایمان اور اسلام کا تاوفات اس کے تیقن حاصل ہوا یا صرف حسن ظنی کے طور پر اس کی ولایت اور مجددیت کو مان لیا۔ وغیرہ وغیرہ! میری غرض اصول اور قواعد سے یہی تھی۔ آپ تو اس غرض سے بہت ہی دور[12] جا پڑے۔ کیونکہ ولی مجدد کی جو علامات خاصہ تحریر فرمائیں۔ ان میں سے علامت اوّل تو بمنزلہ امور عامہ کے ہے۔ ادنیٰ ادنیٰ مؤمن میں پائی جاتی ہے۔ اندریں صورت مجددوں کی کوئی انتہاء ہی نہ رہے گی اور پھر آپ کو جملہ عامہ مؤمنین کو مجدد ماننا پڑے گا۔ اس دائرہ کو آپ نے بہت ہی وسعت دے دی اور اگر اس کو بمنزلہ عرض عام کے کہا جاوے اور شرط آخیر کو بمنزلہ خاصہ کے تو پھر یہ گزارش ہے کہ میرا سوال عرض عام سے نہیں ہے۔ صرف اس علامت خاصہ سے سوال ہے۔ جس سے مجدد، غیر مجدد سے ممتاز ہو جاوے۔ پھر طوالت کی کیا ضرورت تھی۔ اب آپ پر واجب ہے کہ جو آخر شرط مجددیت کی آپ نے تحریر فرمائی ہے اس کی تحقیق سے کسی خاص مجدد میں نوٹس دی جاوے۔ شرط دوم وششم میں آپ کی ترمیم منظور[13] نہیں۔ کیونکہ ان شروط میں جو طرفین کو مفید

میں آ چکا کیا ضرور ہے۔ بالفرض والتسلیم اگر میں خارج از مبحث کچھ کہتا چلا جاؤں گا تو پبلک اور عامہ خود سمجھ[۱۴] لیویں گے کہ اس کی تحریر خارج از مبحث اور لغو ہے۔ جیسا کہ مباحثہ لدھیانہ وغیرہ میں سمجھا گیا۔ یہ امر تو آپ کو اور مفید ہو جاوے گا نہ مضر۔ آپ کو اس کا اندیشہ کیوں ہوا۔ آپ کچھ اندیشہ نہ کیجئے اور اس شرط کو پورے طور پر تسلیم کر لیجئے اور شرط سوم میں جو آپ نے ترمیم کی ہے وہ بھی ہرگز منظور نہیں[۱۵]۔ کیونکہ اختتام یا اجراء بحث کا اختیار جیسا کہ مجھ کو اس شرط سے حاصل ہے۔ آپ کو بھی[۱۶] حاصل ہے۔ پھر آپ کو طوالت بحث کا خوف کیوں پیدا ہوا ہے۔ آپ کو اختیار ہے کہ جب آپ چاہیں بحث کو ختم کر دیں۔ طوالت میں نہ پڑیں۔ شرط ہفتم کے ردو انکار میں جو آپ تحریر فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب کی تکفیر اور عقائد کفریہ میں بحث کرنا واجب ہوگا اور اس بحث میں اس کا ذکر و تذکار بنا بر تکفیر و غیرہ ضروری ہے۔

اقول: مولوی صاحب اوّلاً اپنے[۱۷] شیخ العرب والعجم کو ہی اس نسبت الحاد سے بچائیے۔ کیونکہ تھوڑی ہی مدت منقضی ہوئی ہے۔ مرا یا دوترا فراموش کہ اکثر علماء عرب وعجم حضرت ممدوح الشان کے الحاد و زندقہ وکفریات ولامذہبی پر فتویٰ لگا چکے ہیں۔ اس کے بعد اپنے جامع الشواہد کی عبارات اور مدار الحق کی تقریظات کی نقل سے آپ نے خط کے تین صفحے اپنے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کئے ہیں۔

ہم نے اس جواب کا ان کو کچھ جواب نہیں دیا اور نہ آئندہ جواب دینے کا ارادہ ہے۔ اس خط سے جو منشی صاحب کی بے علمی اور نافہمی اور گریز از مباحثہ ثابت ہے۔ وہ عیاں ہے اور جو نہ سمجھے وہ ہمارے حواشی متعلقہ جواب مذکور سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ جواب خود اپنا جواب ہے۔ یہ کسی اور جواب کا استحقاق وضرورت نہیں رکھتا۔

شاہ صاحب سجادہ نشین بٹالہ نے منشی صاحب کا یہ جواب پڑھا تو اس کو گریز از مباحثہ سمجھا۔ وبناء علیہ متعدد خطوط اور وسائل سے منشی صاحب کو سمجھایا اور الزام دیا کہ آپ ناجائز شروط پر اصرار کرتے ہیں اور اپنے مقابل کی صحیح ترمیم کو نہیں مانتے اور مباحثہ سے گریز کرتے ہیں۔ مگر منشی صاحب نے منظور نہ کیا اور دو تین خطوں میں اپنی ان ہی ناجائز شرطون اور خارج از مبحث باتوں پر اصرار کیا۔ ایک آپ نے خط اسمی شاہ صاحب مؤرخہ ۲۵ر جنوری ۱۸۹۳ء میں وہ لکھتے ہیں: ’’میری مراد اختتام بحث سے یہ تھی کہ انجام کار تمامی بحث فریقین

کے اختیار میں رہے گی۔‘‘

۲...... جلسہ میں تحریر نہ ہو تو پہلے سے غیر وقت میں سوائے وقت جلسہ بحث کے تحریر کرلیا جاوے گا اور اس محرر (لکھے ہوئے) کو جلسۂ بحث میں سنا دیا جاوے گا۔

۳...... نمبروار۔ ایک ایک قول جو موجب کفر قرار دیا گیا ہے معرض بحث میں لانا چاہئے۔ لہٰذا میں امتحاناً ایک ایسے قول کا جواب بطور نمونہ کے عرض کرتا ہوں۔ جناب والا مولوی صاحب سے اس کا تصفیہ فرمالیویں (یعنی اس کا جواب ان سے لیں) اس کے بعد تین صفحہ میں یہ مضمون لکھا کہ کادیانی نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ (ناظرین ملاحظہ کریں کہ یہ خط بھی ہمان آش درکاسہ کا مصداق ہے۔ اس میں ان ہی شرائط پر اصرار کر کے بحث تحریری کی پٹری جمائی گئی ہے کہ ہمارے جواب کادیانی کے نبی نہ ہونے کے متضمن کا تحریری جواب دو) ایک اور خط ۲۷ر جنوری ۱۸۹۳ء میں آپ لکھتے ہیں کہ صاحبزادہ صاحب اس بارہ میں گفتگو کر گئے ہیں۔ ان سے آپ دریافت کرلیں۔ ایسا ہی ایک خط آپ نے ۲۹ر جنوری ۱۸۹۳ء کو شاہ صاحب کے نام روانہ کیا۔ ان کے جواب میں شاہ صاحب نے ان کے نام دو خط لکھے جو ذیل میں منقول ہیں۔

<u>رقعہ پنجم سید ظہور الحسین بٹالہ:</u>

<u>پہلا خط:</u>

مولوی محمد احسن صاحب السلام علیکم و علیٰ من لدیکم!

آپ کا نامہ والا پہنچا۔ مضمون معلوم ہوا۔ یہ فقیر اوّلاً ایسی تحریری بحث کو تو فضول سمجھتا ہے۔ کیونکہ یہ تو آگے ہی فریقین کے رسائل میں ہو رہی ہے۔ جس کا اختتام ’’الیٰ ماشاء اللہ‘‘ ہوگا۔ مگر آپ کے دو دفعہ لکھنے پر مختصراً جواب رقعہ ۲۵ر جنوری ۱۸۹۳ء اور رقعہ ۲۷ر جنوری ۱۸۹۳ء لکھا جاتا ہے۔

جواب رقعہ اوّل: آپ نے امر اوّل و دوم میں نہ میری منشاء کو منظور کیا نہ اپنے فریق مقابل کی ترمیم کو۔ اختتام بحث فریقین کے اختیار میں رکھا جاوے تو بقول آپ کے مقابل کے جو فریق جب تک چاہے گا بحث کو لٹکائے رکھے گا۔ لہٰذا اس کا اختتام صدر انجمن کی رائے سے ہونا ضروری ہے۔ وہ وقت کافی مقرر کردے گا۔ جس فریق نے وقت مقررہ تک

جواب نہ دیا اس کو وہ شکست یافتہ سمجھ کر مجلس کو برخاست کرے گا یا جب کوئی فریق خارج از مبحث باتیں کرنے لگے گا۔ صدر انجمن اس کو شکست یافتہ سمجھ کر جلسہ برخاست کرے گا۔

۲...... گھر سے اگر کچھ لکھ کر لانا ہو اور اس تحریر کو پڑھنا ہو تو گفتگو بالمشافہ کیا ہوئی، تحریرات فریقین گھر بیٹھے لکھ سکتے ہیں۔

۳...... گفتگو اقوال مرزا صاحب میں نمبروار ہوگی اور پہلے اس کو پیش کر لیا جاوے گا۔ جس کو آپ نے مدلل لکھا ہے۔ چنانچہ ہم نے آپ کی تحریر[۱۸] فریق ثانی کو دکھائی۔ وہ قبول کرتے ہیں کہ پہلے اسی میں بحث کر لی جاوے گی اگرچہ عیسیٰ موعود ہونے کی بحث مقصود بالذات ہے۔

جواب رقعہ دوم: مراتب بحث کی بابت تو حسب فہمید مرقوم ہو چکا ہے۔ جناب صاحبزادہ صاحب کا کہنا فریق ثانی نے بھی بخوشی قبول کیا ہے اور یہ کہا کہ تین تقریر سے زیادہ ہونے کا معمول نہیں۔ جو صاحب پہلے تقریر کرے پیچھے بھی وہی کرے۔ صاحبزادہ صاحب نے ان کی اس بات کو قبول کر کے آپ کی طرف سے آج دس بجے کا وقت اجتماع کے لئے مقرر کر دیا۔ چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب اس وقت مقررہ پر حاضر ہونے کو تیار ہیں۔ لہٰذا مکلّف اوقات گرامی ہوں کہ آپ اب جیسا چاہیں تعین مکان بحث اور تعیین شخص ذمہ دار بحث اور وقت بحث مولوی محمد حسین صاحب کی طرف براہ راست یا بواسطہ شخص مناسب لکھ بھیجیں۔

والسلام وعلیہ الاختتام! (راقم: ظہور الحسین مؤرخہ ۲۹؍جنوری ۱۸۹۳ء)

رقعہ ششم سید ظہور الحسین بٹالوی:

دوسرا خط بنام:

مولوی محمد احسن صاحب السلام علیکم وعلےٰ من لدیکم!

آپ کا خط مؤرخہ ۲۹؍جنوری ۱۸۹۳ء پہنچا۔ مظہر ما فیہا ہوا۔ مختصراً جواب میں ارقام ہے کہ آپ جیسی بحث چاہیں ویسی ہوسکتی ہے۔ مگر، اگر آپ کسی جلسہ میں بالمشافہ تشریف نہ لاویں۔ محض گھر بیٹھے تحریری بحث ہوتی رہے تو ایسی بحث میں ہم لوگوں کو آنا منظور نہیں۔ کیونکہ یہ رسائل میں پیشتر شروع ہے اور آگے بھی رہے گی۔ اسی لئے مولوی محمد حسین صاحب سے مسئلہ مندرجہ سابقہ[۱۹] کا جواب طلب نہیں کیا گیا اور فقیر نے تو یہ لکھ دیا تھا کہ پہلے بحث اسی سے شروع ہوگی۔ مگر اگر آپ پہلے اس کا جواب گھر سے لکھ کر لانا چاہتے ہیں تو

مولوی محمد حسین صاحب سے لکھوا کر بھیج دیا جاوے گا۔ لیکن آپ پہلے تعین مکان بحث اور وقت اور ذمہ وار و نیز حکم جو فیصلہ کنندہ تحریرات وتقریرات فریقین ہو، کریں۔ کیونکہ آپ نے صدر انجمن کو اس اختیار سے محروم رکھا ہے اور یہ بھی سنا جاتا ہے کہ آپ بٹالہ کے لوگوں میں تشریف لانے سے خائف ہیں تو اس خوف کا ازالہ جس طرح خیال والا میں متصور ہو سکے آپ ظاہر فرماویں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ! ویسا ہی ہو جاوے گا۔ تو اگر عام جلسہ میں آنے کا خوف کسی طرح زائل نہیں ہوسکتا تو جلسہ خاص مقرر کر دیا جاوے۔ اس میں وہ لوگ ہوں جن کی تعداد طرفین سے پوری کی جاوے۔ اگر پھر بھی آپ کا خوف زائل نہ ہوا اور ہم لوگوں کی کسی تسلی پر آپ مطمئن نہ ہوں تو مجبوراً آپ کا گریز از مناظرہ عموماً متیقن ہوگا۔ خلاصہ تکلیف وہی یہ ہے کہ مختصر جواب در باب قبول یا عدم قبول مرقومات بالا بدست حاصل ارسال فرماویں تا کہ فرداً جلسہ کا ہونا یا نہ ہونا تعین پا جاوے۔ مکرر حکم مذکور موجودین بلدہ ہذا میں سے ہو اور علوم حدیث فقہ وقواعد عربیہ واصطلاحات منطقیہ سے مناسب واقفیت رکھتا ہو۔ فقط! والسلام تم الکلام!

(راقم: ظہور الحسین)

اس کے بعد شاہ صاحب سجادہ نشین نے ایک اور خط میں آپ کو دعوت مناظرہ کی دی اور اس میں یہ بات کہی کہ مجھے ایسی تحریرات کے لئے ڈاک منشی ہونے کی ضرورت نہیں (جس کا مدعا یہ تھا کہ کاغذی گھوڑے آپ بذریعہ ڈاک خانہ بھی دوڑا سکتے ہیں۔ بالمشافہ گفتگو کرنی ہو تو مجھے وسیلہ بناویں)

اس کے جواب میں منشی صاحب نے جو آخری خط مؤرخہ ۳۰ر جنوری ۱۸۹۳ء کو شاہ صاحب کے نام لکھا اور اس میں مقام بٹالہ میں بحث کرنے سے گریز کو بخوبی ظاہر کیا ہے۔ اس خط کا اوّل اور آخر کو بحذف زوائد نقل کیا جاتا ہے۔

رقعہ ہفتم از محمد حسن امروہی قادیانی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم!

مخدوم ومکرم حضرت مولوی سید ظہور حسین صاحب سجادہ نشین بٹالہ شریف دام امجدکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! عنایت نامہ بلا تاریخ وبغیر زینت

دستخط مبارک ومہر شریف وقت شب کے صادر ہوا تھا۔ بسبب نہ ہونے دستخط وغیرہ کے جواب لکھنے میں تردد رہا۔ مگر اب زبانی منشی محمد امین وغیرہ کے معلوم ہوا کہ وہ عنایت نامہ حسب منشاء عالی ہی لکھا گیا ہے۔ احقر نے تو جناب والا کو اپنا وسیلہ کیا تھا تاکہ کوئی مخالفین میں سے کوئی امر غیر تہذیب اس عاجز کے ساتھ ارتکاب نہ کر سکے۔ کیونکہ جناب اس شہر کے رئیس ہیں اور یہ عاجز مسافرانہ وارد ہے۔ مگر جناب والا نے عنایت نامہ سابق میں ارشاد فرمایا کہ: ''ایسی تحریرات کے ڈاک منشی ہونے کی ضرورت نہیں۔''

لہٰذا عرض ہے کہ اب بلاتوسل جناب والا کے براہ راست ہی مولوی صاحب سے سلجھ لیا جاوے گا۔ اب الجھاؤ تو پڑ ہی گیا ہے۔ دیکھئے یہاں سلجھے یا لاہور میں

سلجھے گا کیونکر دیکھئے دل زلف یار سے ۔۔۔ بے طرح اس میں اس میں ہے الجھاؤ پڑ گیا

مطالبات[۲۱] علیحدہ کاغذ پر ثبت ہیں۔ یہ مولوی صاحب کی خدمت میں ارسال فرمائے جاویں۔ والسلام خیر ختام! (احقر الزمن: محمد احسن، مؤرخہ ۳۰ رجنوری ۱۸۹۳ء)

ہمارے بیان صدر میں اور منشی صاحب اور شاہ صاحب کے خط میں صاحبزادہ صاحب ظہور حسن کی مداخلت وتعلق کا بیان ہوا ہے۔ لہٰذا بعض واقعات کے متعلق صاحبزادہ صاحب کی شہادت پیش کرنی ہی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ آپ منصف صاحب (میر امتیاز علی منصف بٹالہ) کے نام رقمیہ ذیل تحریر کرتے ہیں جو بڑے شاہ صاحب (حضرت سید ظہور الحسین شاہ صاحب) سے ہم کو وصول ہوا ہے۔

<u>رقعہ ہشتم از سید ظہور الحسن بٹالہ:</u>

محبّ الفقراء جناب منصف صاحب دام عنایتکم!
از خاکسار صاحبزادہ سید ظہور الحسن قادری فاضلی سجادہ نشین!

بعد سلام سنت اسلام مبرہن رائے عالی ہو۔ جناب مولوی محمد حسین صاحب (بٹالوی) ہر جگہ ہر وقت واسطے بیان[۲۲] کرنے مسائل کے مستعد ہیں۔ ابھی تک جناب مولوی محمد احسن صاحب (کادیانی) کی طرف سے تہیا نہیں ہوا۔ مجھے زبانی عبدالرحمٰن کے روبرو جناب اخی اعزی سید ظہور الحسین صاحب معلوم ہوا ہے کہ وہ بھی مستعد ہیں۔ مگر چونکہ ان کا رقعہ اس مضمون کا نہیں آیا تھا۔ جناب اخی اعزی نے ارشاد فرمایا کہ مولوی محمد حسین صاحب

بہرحال تیار ہیں۔ آپ وقت اور ثالث جو (تقاریر مکتوب کا تصفیہ کرے) اور مکان (جس جگہ آپ تشریف لانا چاہتے ہیں) تحریر فرماویں۔ کیونکہ جس کے مکان پر ہر دو صاحب تشریف ارزانی فرماویں۔ وہ حفظ عزت وآبرو کا ذمہ وار ہے۔ چنانچہ حضرت قبلہ اخی اعزی نے فرمایا کہ اگر اس فقیر خانہ میں تشریف لاویں تو میں ذمہ دار ہوں۔ چونکہ فقیر واسطے طلب ایک رفیق کے جو ایک ضروری امر کے واسطے مجھے پٹیالہ میں طلب کرتا ہے۔ جاتا ہے اور جناب اخی اعزی مجھ سے ہر امر میں سابق ولائق وفائق ہیں اور ہم سب برادر، ان کے امور دینیہ میں کنفس واحدۃ ہیں۔ نظر برآں امیدوار ہوں کہ حضرت اخی اعزی کو اس امر میں مثل بلکہ بہتر مجھ سے سمجھ کر مولانا صاحب مولوی محمد حسین (بٹالوی) جس طرح سے اپنا خط وکتابت براہ راست فرماتے ہیں مولوی محمد احسن صاحب (کادیانی) بھی حضرت اقدس سے خط وکتابت کریں۔ حضور کو معلوم ہے کہ فقیر کسی امر دین یا دنیا میں اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتا۔ بنابرآں یہ دعانامہ بخدمت جناب تحریر کیا ہے۔ اس وقت تک جو کارروائی مولوی محمد احسن صاحب سے ہوئی ہے وہ بھی آپ کو معلوم۔

ضرور حضور، مولوی محمد احسن صاحب (کادیانی) کو فہمائش فرما دیجئے کہ واسطے رفع نزاع اہل اسلام ایک تقریر مولوی محمد حسین اور دوسری مولوی احسن کریں اور تیسری پھر مولوی محمد حسین کریں اور اس پر ختم ہو یا چار تقریر ہو جاویں۔ ضرور بہرحال جس طرح مولوی محمد احسن صاحب راضی ہیں۔ مولوی محمد حسین تیار ہیں۔ مگر ثالث ووقت مکان مقرر کر کے جناب اخی اعزی کو اعلام کردیں۔ فقط! (ظہور الحسن)

روداد اور شہادت مباحثہ بٹالہ ختم ہوئی۔ اب ناظرین مباحثہ لاہور سے سب کادیانیوں کی گریز وفرار کی کیفیت سنیں۔

۹ر تاریخ (فروری ۱۸۹۳ء) سے منشی صاحب لاہور میں وارد ہیں۔ حافظ محمد یوسف صاحب ومولوی رحیم بخش صاحب وغیرہ نے ان کو مباحثہ کے لئے اٹھایا۔ مگر اٹھ نہ سکے اور ایک خط خاکسار کے نام اس مضمون کا لکھ دیا۔ جس میں مباحثہ سے صاف گریز پایا جاتا ہے۔ مباحثہ لاہور ملاحظہ ہو۔ (اشاعۃ السنہ ج۱۴ نمبر۱۲ ص۳۵۳ تا ۳۸۰)

حاشیہ جات

۱؎ میاں غلام احمد کادیانی اوران کے حواری منشی یا مولوی احمد حسن وحکیم نورالدین۔

۲؎ اس شک وتردد پر ناظرین تعجب نہ کریں۔ مشہورتو وہ مولوی ہیں اور یہ ہم بھی ان کو زمانۂ تالیف مصباح الاڈلہ میں ان کے اس رسالہ کوان کے سینہ کے معلومات سمجھ کران کو مولوی کہہ چکے ہیں اوران کی تعریف میں چند فقرات لکھ چکے ہیں۔ مگران کی تحریرات حال سے اوران کی بالمشافہ گفتگو سے انکاراور گھر سے سوال وجواب لکھ کرلانے پر اصرار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مولوی (عالم) نہیں۔ صرف منشی ہیں اور جو کچھ وہ سابقاً مصباح الاڈلہ وغیرہ ہیں لکھ چکے اور حال میں لکھ رہے ہیں۔ ان کے سینہ کے معلومات نہیں بلکہ سفینہ کے منقوشات ہیں۔ جن کو وہ جوں توں کر کے قلم میں لاتے ہیں اور چونکہ یہ بات مشہور ہے ؎

علم در جلد خویش میباید نہ کہ در جلد میش مے باید

لہٰذا وہ اب ہمارے خیال میں مولوی (عالم) کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ صرف منشی کہلانے کا حق رکھتے ہیں۔ کیونکہ اردو، فارسی یا کسی دوسرے شخص یا تراجم کی مدد سے عربی کتابوں کی فہرستیں دیکھ کران سے مضامین اور مسائل نکال لینے اوران کو غلط یا صحیح عبارت وانشاء میں لانے پر وہ قادر ہیں اور یہ امر شاید کسی کے نزدیک محل نزاع نہ ہوگا کہ اس طور پر کتابیں دیکھ کر کچھ لکھ لینا علماء (مولویوں) سے مخصوص نہیں ہے۔ یہ کام وہ لوگ بھی کرتے ہیں جو اتنا نہیں جانتے کہ علم یا مولوی کیا لفظ ہے۔ اسم ہے یا فعل اوراس کے لغوی معنی کیا ہیں اور اصطلاح میں کیا؟

اس کی تمثیل میں ایسے بہت اشخاص کو پیش کر سکتے ہیں جن کو ہمارے مہربان منشی صاحب بھی مولوی نہ کہیں گے اور معہذا وہ صاحب تصانیف ہیں۔ ازانجملہ ایک شخص شیخ محی الدین مرحوم تاجر کتب لاہور ہیں جو بڑی بڑی ضخیم کتب ظفرالمبین اور بلاغ المبین وغیرہ ہمارے شاگردوں غلام حسین لاہوری اور اردو تراجم کی مدد سے تصنیف کر کے تمام ملکوں میں شائع کر گئے ہیں اوران تصانیف کو دیکھ کر پنجاب سے باہراور دور کے بلاد ہندوستان، بنگال، مدراس، بمبئی، برہما، اسام، رنگون وغیرہ کے لوگ ان کو مولوی وعالم سمجھتے ہیں اور درحقیقت وہ بیچارہ میزان منشعب بھی پڑھے نہ تھے اور ماضی مضارع کے معنی نہ جانتے تھے اوراس امر کو آپ بھی جانتے اور مانتے ہوں گے۔ نہیں جانتے تو لاہوراورامرتسر کے لوگوں سے معلوم کر سکتے ہیں اور خود

بلاغ المبین کی مشمولہ اور ملحقہ تقریظ مولوی ابوعبداللہ غلام علی قصوری مرحوم کو دیکھ سکتے ہیں۔ اس میں مولوی صاحب مرحوم مقام تعریف کتاب میں اس امر کو جتا چکے ہیں۔ اسی طور پر آپ کی تصانیف وتحریرات سابقہ اور تحریرات حال اور گریز از شفاہی مقال سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ آپ صرف منشی ہیں۔ آپ کی موجودہ تحریرات کی بدزبانی اور بازاری دشنام دہی اور اپنی تحریر کے مطالب کو آپ کی نافہمی بھی بتارہی ہے کہ آپ کو علم اور علوم سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔ کسی نے کوئی عالم ایسا نہ سنا ہوگا کہ وہ اپنے مخاطب کو جورو کی گالیاں دے۔ ایک شخص نے کسی کو ماں کی گالی دی تو آنحضرت ﷺ نے اس کو فرمایا: ''انک امرء فیک جاھلیہ'' یعنی تو ''ایسا آدمی ہے جس میں ہنوز جاہلیت پائی جاتی ہے۔'' اور آپ نے اعلام کے دوسرے حصہ میں اس خاکسار کو اس قسم کی گالی دی ہے تو پھر آپ عالم نہ جاہل کہلانے کے کیونکر مستحق ہو سکتے ہیں۔ تحریرات حال میں جو کچھ آپ لکھتے ہیں اس کا مطلب خود نہیں سمجھتے۔ اعلام کے حصہ اوّل میں کادیانی کی تاویل حدیث نزول حضرت مسیح پر آپ نے دس شواہد کو نقل کر کے کئی اوراق سیاہ کئے۔ مگر اتنا نہ سمجھے کہ یہ شواہد اسی شخص کے مقابلے میں کارآمد ہیں جو تاویل کو مطلقاً ناجائز کہے اور کسی حدیث میں تاویل کا قائل نہ ہو۔ ان شوائد سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جملہ نصوص پیشین گوئیوں کی متضمن اوّل ہیں یا ہونے چاہئیں یا خاص کر پیشین گوئیاں متعلقہ نزول حضرت مسیح وخروج دجال ماؤل ہیں۔ اس فہم پر آپ ایک رسالہ بنا کر رسالدار بن بیٹھے اور یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم ''پانچوں سوار دہلی سے آئے ہیں۔'' اور اس بے ساز و بے سامان رسالے کے ساتھ جنرل جرنل اشاعۃ السنۃ کا مقابلہ کرنے کو نکلے اور اس کا جواب مانگ رہے ہیں۔

حال میں جو خاکسار نے آپ کے نام دو خط لکھے ہیں۔ ان کے مطالب کو آپ کا نہ سمجھنا ناظرین کو ان کے خطوں کے ملاحظہ سے معلوم ہوگا۔ اس صورت میں آپ مولوی کہلانے کے کیونکر مستحق ہو سکتے ہیں۔ اس نافہمی اور بدزبانی پر آپ کو ہمارا منشی صاحب کہنا بھی ہمارا ایک احسان ہے۔ آپ کے اکثر حصے عمر کے شغل کو دیکھا جاتا ہے تو اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ مولوی نہیں۔ صرف منشی ہیں۔ پہلے آپ ایک مدت تک رسالہ باڈی گارڈ وائسرائے کے منشی تھے اور کام یہ تھا کہ سواروں کو اردو وغیرہ پڑھاتے۔ اس کے بعد سے آپ بھوپال میں ملازم رہے تو وہاں بھی ایسا ہی منشیانہ شغل رہا کہ زکوٰۃ کے مستحقین کے حساب و پڑتال میں رہے۔ مولوی و عالم سے یہ جرأت نہیں ہوتی کہ اپنی عمر کا اکثر حصہ منشیانہ ملازمت میں صرف کرے۔ پڑھنے پڑھانے وغیرہ علمی شغلوں سے معطل رہے۔ بایں ہمہ اس خطاب منشی پر آپ آشفتہ خاطر ہوں اور مولوی کہلانے کی

حرص رکھیں تو بدزبانی سے تائب ہوکر میدان میں آویں اور اپنی تقریر سے علمی جوہر دکھاویں۔ پھر ہم آپ کو مولوی (عالم) نہیں بلکہ فاضل سمجھیں گے اور فضیلت کا سرٹیفکیٹ دیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

۳ سب مسلمانوں کے مختلف گروہوں کے ایک جگہ جمعہ پڑھنے کا اتفاق اس دن سے پہلے بٹالہ میں نہ ہوا تھا۔

۴ یہ شرط اور شرط ششم بتا رہی ہے کہ آپ ضبط تحریر سے پہلے تقریر پر قادر نہیں۔ پھر بالمشافہ مباحثہ کی کیوں حرص ہے۔ تحریرات کے واسطے امروہہ کیا کافی نہیں؟

۵ یہ شرط بتا رہی ہے کہ علمی سوال سے آپ جی چراتے ہیں۔ شاید اسی واسطے آپ تقریری مباحثہ سے گھبراتے ہیں۔ یہ بساط ہے تو مباحثہ کا دعویٰ کیوں اور کس غرض سے ہے؟

۶ یہی نہ ہوگا اور سب کچھ ہوگا تا کہ آپ صاحبوں کے علم اور لیاقت کی حقیقت کھلے۔ آپ پہلے ضبط تحریر کے سواء مباحثہ نہیں کر سکتے تو بالمواجہ مباحثہ کی کیا ضرورت اور اس سے کیا فائدہ امروہہ یا بھوپال میں بیٹھ کر یہ کام نہیں ہوسکتا؟ ہاں! یہ فائدہ ہے۔ اس ذریعہ سے الاؤنس (سفرخرچ) خزانہ کادیانی یا (مطبخ حواریوں) سے مل سکتا ہے۔ مگر ہر شخص اپنے نفع کو مقدم سمجھتا ہے۔ چونکہ ہمارا اس میں بڑا حرج ہے۔ لہٰذا نامنظور رہے۔

۷،۹ یہ دونوں ایک حدیث کے ٹکڑے ہیں۔ جس کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرا بندہ نوافل سے میرا قرب حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے۔ پھر میں اس کے کان، آنکھ، ہاتھ ہو جاتا ہوں جس کا لازمہ یہ ہے کہ اس کے کان، آنکھ، ہاتھ وغیرہ حکم خدا کے تابع ہو جاتے ہیں اور وہ وہ کام دیتے ہیں جو خدا کے کام ہیں۔ جب اللہ ان سے کام لینا چاہتا ہے۔

۸ اس حدیث کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جو شخص محرمات کے علاوہ شبہات سے بھی بچتا ہے وہ اپنے دین وآبرو کو بچا لیتا ہے۔

۱۰ اس شرط کو آپ کی درخواست تقریری اصول شناخت ولی ومجدد کے ساتھ ملانے سے ناظرین کو ہمارے دعویٰ کا صدق ثابت اور یقین ہوگا کہ منشی صاحب اپنے کلام کا مطلب خود نہیں سمجھتے۔ خود ہی تو ولی ومجدد کی شناخت کے لئے اصول مقرر کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ جس میں ولی ومجدد کے اعتقاد وعمل سے بحث وبیان ضروری ہے اور پھر خود ہی شرط ہفتم میں یہ کہتے ہیں کہ مرزا کے عقائد سے بحث نہ ہو اور یہ نہیں

سمجھ سکتے کہ پھران کی ولایت ومجددیت سے کیونکر بحث ہو۔ افسوس یہ فہم اور یہ دعویٰ کہ میں مولوی ہوں اور بحث کرنے کو آیا ہوں۔ لاحول ولاقوۃ!

۱۱۔ ناظرین! انصاف سے کہو مجھ سے کسی ولی یا مجدد کا نام آپ نے کب پوچھا ہے۔ یہ سوال نہ اس حصہ تحریر میں ہے جو ہم نے نقل کیا ہے نہ باقی تمام تحریر میں۔ منشی صاحب سچے ہیں تو اس سوال کی عبارت نقل کریں۔ پھر کسی مجلس میں اپنے خط میں اس کی نشان دہی کریں۔ منشی صاحب آپ نے صرف اصول شناخت ولی ومجدد مقرر کرانا چاہا تھا۔ سو مقرر کر دیا گیا۔ اس اصول سے کادیانی کا ولی مجدد ہونا یا نہ ہونا ثابت ہو سکتا ہے۔ اس امر کے لئے پچھلے ولیوں مجددوں کے نام بتانے اور کادیانی کا ان سے موازنہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ کادیانی کا ولی مجدد ہونا ان کے برابر یا ان سے بڑھ کر ثابت ہو۔ صرف یہ چاہتے ہیں کہ کادیانی کا کسی قسم کا (ادنیٰ کیوں نہ ہو) ولی مجدد ہونا ثابت کر دیں۔ اس امر کے لئے کچھ ضرورت نہیں کہ پہلے ولیوں مجددوں کی ہم فہرست دیں اور ان کے کمال ایمان واسلام سے بحث کریں اور ان کے منکرین ومخالفین کے اقوال میں نظر ڈالیں۔ آپ اس بحث ونظر سے بات کو دوسری طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ آپ اس امر کا یقین رکھتے ہیں کہ آپ کادیانی کا مسلمان ہونا ثابت نہیں کر سکتے۔ چہ جائیکہ ولی ہونا اس سوال جدید کا یہی منشاء ہے تو پہلے آپ نے وہ سوال تقرری اصول شناخت ولی کیوں کیا تھا۔ اب تو اس سوال کے شکنجہ میں آپ پھنس گئے ہیں۔ حکیم نورالدین صاحب تو مباحثہ لاہور میں ہمارے ۲۳ر سوالات کے بعد ہمارے قابو میں آئے اور بے دست وپا ہو کر جان چکے تھے کہ اب ہم الزام سے بچ نہیں سکتے۔ اسی وجہ سے کچھ رات رہے۔ لدھیانہ کو بھاگے اور ''خرجت مع الباری علی سواد'' کے کاربند ہوئے۔ آپ اپنے ہی اور پہلے ہی قول سے خود پکڑے گئے اور مصرع

مرا خواندی وخود بدام آمدی

کے مصداق ہو گئے۔ اب آپ نکلنا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو کب نکلنے دیتے ہیں۔ آن قطرہ باران رسید!

۱۲۔ ہم دور جا پڑے یا آپ چوکڑی بھول گئے؟ گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں اس میں کچھ نظر نہ آوے تو حاشیہ نمبر اوّل کو پڑھ لیں۔ ''اب پچھتائے کیا ہوت ہے...... چڑیاں چگ گئیں کھیت'' وقت گزر گیا۔ ایک کلام آپ کے منہ سے نکل گیا۔ پہلے سے سوچا ہوتا ۔

مزن بے تامل بگفتار دم نکو گوئی گردیر گوئی چہ غم
بنطق آدمی بہتر ست ازدواب دواب از توبہ ارنہ گوئی صواب

۱۳ا یہ ترمیم آپ کو منظور نہیں تو پھر آپ کو مباحثہ بالمشافہ بھی منظور نہیں۔ کیونکہ بالمشافہ مباحثہ کی صورت ہی یہی ہے کہ فریقین زبانی سوال وجواب کریں۔ تحریرات گھر سے لکھ کر لانی ہوں تو پھر حاضری مجلس کی کیا ضرورت ہے؟ آپ کیوں امروہہ تشریف نہیں لے جاتے۔

۱۴ا بے شک سمجھ لیں گے۔ مگر ہماری اوقات اور زر کا خون ہو جانے اور ایک مدت کے بعد لدھیانہ کے مباحثہ سے یہ نتیجہ نکلا۔ مگر بہت سا وقت لے کر اور طبع مباحثہ میں بہت سا روپیہ صرف کرا کر جواب تک پورا نہیں ہوا۔ اس کا نقصان ہم دیکھ چکے ہیں۔ لہٰذا اب کادیانیوں یا آپ کے اس داؤ میں ہم نہیں آتے۔ ’’لا بلاغ المؤمن من جحر مرتین‘‘ مؤمن ایک بل سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاتا۔

۱۵،۱۶ا آپ یہ بات کہنے میں بھولتے ہیں یا اپنی کلام کا مطلب خود نہیں سمجھتے۔ آپ نے شرط سوم میں ہر ایک فریق کو اختتام بحث کا اختیار نہیں دیا بلکہ ہر دو فریق کو جس کے معنی ایک اردو خوان بھی (جو لفظ ’’ہریک‘‘ اور لفظ ’’ہردو‘‘ کے معنی میں فرق سمجھ سکتا ہے یہی سمجھتا ہے کہ جب تک دونوں فریق کا اختتام بحث پر اتفاق نہ ہو بحث ختم نہ ہو اور آپ سے امید نہیں کہ کبھی اختتام بحث پر راضی ہوں۔ کیونکہ اس بحث میں الاؤنس ملنے کی امید ہے۔ چنانچہ پہلے بھی حاشیہ میں معروض ہوا۔ لہٰذا پھر ضرور ہے کہ اختتام بحث منصف یا میر مجلس کے اختیار میں ہو۔ آپ اس امر کو منظور نہیں کرتے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بحث ہی منظور نہیں۔ پھر اس نافہمی آپ نے لفظ اردو کے ساتھ دعوے مولویت ومباحثہ۔ لاحول ولاقوۃ!

۱۷ا اس وقت حضرت شیخ العرب والعجم کی نسبت اقوال مخالفین سے کیا بحث ہے۔ کیا حضرت شیخ الکل کو آپ نے غلام احمد کادیانی سمجھ لیا یا ہم نے ان کی ولایت یا مجددیت کا دعویٰ پیش کیا ہے یا آپ کے سامنے کادیانی کے کفر کے ثبوت میں حضرت شیخ الکل کا کوئی قول پیش کیا ہے؟ ابھی تو ہم نے اصول شناخت ولی ومجدد کو بیان کیا ہے۔ جب ہم اس اصول سے فروع نکال لیں گے اور اس اصول کی شہادت سے حضرت شیخ الکل کا ولی ومجدد ہونا ثابت کریں گے یا حضرت شیخ الکل کا قول کادیانی کے کافر ہونے کے ثبوت میں پیش کرنا چاہیں گے۔ تب آپ اس بات کے پیش کرنے اور اس تائید میں تقریظات وشہادات جامع الشواہد ومدار الحق وغیرہ سے استدلال کرنے کے مستحق ہوں گے اور اسی وقت ہم ان کا جواب دیں گے اور ثابت کر دکھائیں

گے کہ جس شخص نے حضرت شیخ الکل کی جناب میں کوئی گستاخی کی ہے۔اس نے خطاء کی۔ابھی تو آپ کے اس سوال کا کوئی موقع ومحل نہیں۔منشی صاحب! آپ ہوش میں آویں۔آپ کہاں سے کھانے کو بھاگے پھرتے ہیں۔آپ کا یہ سوال صاف بتارہا ہے کہ یا تو آپ ہوش میں نہیں اور اپنے کلام کا مطلب خودنہیں سمجھتے یا دیدہ ودانستہ بحث کو دوسری طرف لے جانا اور اصل بحث سے جان چھڑانا چاہتے ہیں اور اس برتے پر یہ دعویٰ کہ میں مولوی ہوں اور بٹالہ میں بحث کے لئے آیا ہوں۔شرم،شرم،شرم!

۱۸ وہ خط جس میں آپ نے کادیانی کے مدعی نبوت نہ ہونے اور اس وجہ سے کافر نہ ہونے کا ثبوت تحریر کر کے اس کا جواب تحریری طلب کیا۔

۱۹ یعنی وہی مسئلہ جو آپ کے پہلے خط اسمی شاہ صاحب (سید ظہور حسین بٹالوی) میں مرقوم ہے کہ کادیانی مدعی نبوت نہیں ہے اور اس وجہ سے وہ کافر نہیں۔

۲۰ شاہ صاحب (سید ظہور حسین بٹالوی) نے زبانی یہ فرمادیا تھا کہ چنانچہ جلسہ عام جامع مسجد میں اس کا اظہار کیا تھا کہ میں چار ہزار روپیہ تک ضمانت دینے کو بھی حاضر ہوں۔

۲۱ وہ مطالبات یہ ہیں جن کی سرخی آپ نے یہ رکھی تھی۔مطالبات نیاز نامہ ۱۷رجنوری ۱۸۹۳ء بخدمت مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی (۱) میری تحریرات کا جو بجواب اشاعۃ السنہ لکھی گئی ہیں جواب کب ملے گا۔(۲) اس امت کے کسی مجدد کی تعیین کی جاوے یعنی اس کا نام بتایا جاے۔(۳) خط ۳رجنوری ۱۸۹۳ء میں جو لفظ کشح عنان لکھا گیا ہے۔اس کی تصحیح کی جائے۔(۴) وجوہ تکفیر کادیانی کا جو جواب میں نے خط ۲۵رجنوری ۱۸۹۳ء اسمی شاہ صاحب میں تحریر کیا ہے۔اس کا جواب دیا جاوے۔(۵) جس شخص کی نسبت کفر کا فتویٰ بہت لوگوں نے دیا ہو۔اس کا فتویٰ کسی دوسرے کے کفر کے واسطے مسلم ہوسکتا ہے؟ شاہ صاحب نے اس پرچہ مطالبات کو اس پر عبارت ذیل لکھ کر واپس کیا۔’’چونکہ ابلاغ کاغذ ہذا مخالف تحریر والا ہے۔یعنی آپ نے آج کے خط میں لکھ دیا ہے کہ آپ کو تکلیف دینے ابلاغ تحریرات وغیرہ سے بری رکھا جائے گا۔ بلکہ بلاتوسل آپ کے مولوی صاحب سے سلجھ لیا جاوے گا تو پھر یہ ابلاغ فقیر کے کیونکر تفویض ہوا۔لہٰذا واپس کیا جاتا ہے۔‘‘ فقط! سید ظہور حسین سجادہ نشین، مؤرخہ ۳۰رجنوری ۱۸۹۳ء

پھر جب منشی صاحب بٹالہ سے ناکامی کے ساتھ لاہور پہنچے اور لوگوں کی طرف سے پھر خاکسار کے ساتھ مباحثہ کرنے کے لئے مجبور کئے گئے تو آپ نے بقول شخصے ’’عصائے پیر بجائے پیر‘‘ پھر وہی پرچہ

مطالبات شاہ صاحب کا واپس کیا ہوا میاں محمد ابراہیم صاحب سوداگر پشمینہ کے ہاتھ بدرخواست جواب بھیج دیا۔ میں نے اس کے جواب میں کہا کہ یہ رقعہ میرے نام کا نہیں۔ منشی صاحب میرے نام کا رقعہ تحریر کریں اور اس میں یہ مطالبات درج کریں تو میں ان کا جواب دوں گا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ!

پھر منشی صاحب اس درخواست کو بھول گئے اور حوصلہ نہ پاسکے کہ میرے نام کا رقعہ لکھتے۔ مگر چونکہ منشی صاحب اس شہر میں مہمان (یہ ہم کو بحسب اصطلاح کادیانی الہام ہوا یا اس کو توارد و اتفاق سمجھو۔ اس جواب کے لکھنے کے بعد منشی صاحب نے بذریعہ خط ہمارے پاس پرچہ مطالبات ارسال کیا اور اس میں مہمان بن کر مطالبہ جواب کیا وہ خط آخیر میں منقول ہیں) ہیں۔ لہٰذا ہم بنظر مہمان نوازی ان مطالبات کا جواب خود لکھتے ہیں۔

جواب مطالبہ اوّل: آپ کے رسائل کے کئی جواب شائع ہوچکے ہیں جو مطبع انصاری دہلی سے بقیمت ذیل مل سکتے ہیں۔ ’’اعلاء الحق الصریح بتکذیب مثیل المسیح ‘‘مؤلفہ مولوی محمد اسماعیل صاحب علی گڑھی (دوآنے) ’’بیان للناس ‘‘مؤلفہ مولوی عبدالمجید صاحب دہلوی (پانچ آنے) ’’شفاء للناس ‘‘مؤلفہ مولوی عبداللہ صاحب شاہ جہان پوری (چارآنے)، نمونہ لیاقت علمی مولوی محمد احسن صاحب۔ ’’اشاعۃ السنۃ ‘‘میں بھی ضمناً جابجا ان کا ردموجود ہے۔ مستقل طور پر آپ کی خدمت گزاری ہوگی۔ مگر آپ کے مرشد کادیانی کی خدمت سے فارغ ہوکر آپ ہی فرمائیے کہ آپ کا حق خدمت مقدم ہے یا آپ کے مرشد کا؟ ہرچند میں آپ کو مخاطب صحیح نہیں سمجھتا اور نہ ہر کس و ناکس للو وکلو کا جواب مجھ پر واجب ہے۔ مگر ان لوگوں کی فہمائش کے لئے جو آپ کو مولوی سمجھتے ہیں ضرور آپ کو مخاطب کر کے آپ کی مولویت ظاہر کروں گا۔ (گو بہت سے آدمی یہ کام کر سکتے ہیں۔ ازانجملہ ایک میاں محمد ابراہیم صاحب سوداگر پشمینہ ہیں جو آپ کی نسبت مولوی کہلانے کا زیادہ حق رکھتے اور آپ سے مباحثہ تحریری کر کے آپ کو ساکت کر چکے ہیں) ان شاءاللہ تعالیٰ!

اسی غرض سے باوجود ایسا سمجھنے کے آپ سے تقریری مباحثہ کے لئے حاضر ہوں۔ (ج.م.۲)

آپ کے خط ۱۷ رجنوری میں یہ مطالبہ نہیں ہوا۔ مشتے بعد از جنگ یاد آید اور نہ کادیانی کو مجدد یا کافر بنانے کے لئے کسی سابق مجدد کی تعیین ضروری ہے۔ حاشیہ نمبر ا ص ۳۶۷ ملاحظہ ہو۔

(ج.م.۳) آپ کو معلوم ہے کہ میرا خط نمبری ۳۹ جو آپ کے پاس پہنچا ہے میری قلم کا لکھا ہوا نہیں۔ مگر آپ کے دونوں خط آپ کے دستخطی میرے پاس موجود ہیں۔ خط اوّل میں آپ بقلم خود لفظ ’’اصول‘‘ کو اوصول کو لکھتے ہیں۔ خط دوم میں لفظ حرج کو جو حاحطی سے چاہئے۔ آپ بقلم خود ہرج ہائے ہوز سے لکھتے ہیں۔

پس جو وجہ آپ صحت املاء ان دونوں لفظوں کی بتائیں۔ وہی وجہ لفظ کشح عنان کی سمجھ لیں۔ اس لفظ کا الزام تو کاتب کی قلم پر عائد ہوسکتا ہے کہ اس نے کف کو کشح لکھ دیا اور میرے دستخطی حروف کا مشتبہ ہونا آپ کو اور تمام لوگوں کو معلوم ہے جو میرے خطوط دیکھ چکے ہیں۔ آپ کے واضح اور خوشخط حروف والفاظ کا الزام کس پر عائد ہوگا۔ آپ کو تو کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔

(ج.م.۴) میدان میں نکلیں اور اس کا جواب لیں۔ کیا آپ مقاصد کو مبادی میں طے کرنا چاہتے ہیں یا مباحثہ تقریری کو تحریری بنانا۔

بہر رنگے کہ می آئی شناسم

(ج.م.۵) میں نے اس وقت تک آپ کے مقابلے اور مباحثے میں کسی عالم کا قول کفر کادیانی پر دلیل ٹھہرا کر پیش نہیں کیا اور نہ ان کو مباحثہ میں پیش کرنا کافی سمجھا۔ اگر ہم ان اقوال کو کافی اور مباحثہ سے مغنی خیال کرتے تو کیوں صاف یہ نہ کہتے کہ کادیانی باتفاق علماء پنجاب وہندوستان کافر قرار پاچکا ہے۔ اب ایسے اتفاقی کافر کے کفر میں بحث کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

منشی صاحب! انصاف سے اور اگر اسلام پر کچھ رہا سہا ایمان ہے تو ایمان سے کہیں کہ اس وقت تک اس مطالبہ کا آپ کو کچھ حق پیدا ہوا ہے؟ اور پہلے چار مطالبوں کو خصوصاً مطالبہ سوم کو اصل بحث سے کوئی تعلق ہے؟ کیا ان مطالبات سے ناظرین اہل علم کو معلوم نہ ہوگا کہ آپ مولوی نہیں ہیں اور اپنے کلام کا مطلب خود نہیں سمجھتے۔

۲۲؎ بیان مسائل یعنی وعظ کا لفظ انہوں نے اس لئے لکھا کہ منشی صاحب مباحثہ سے گریز کرتے ہیں۔ صاحبزادہ صاحب نے چاہا کہ اس بہانہ وعظ سے وہ میدان میں نکلیں۔

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

مباحثہ لاہور

اور

اس سے جملہ قادیانیوں کی گریز

حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لاہور کا مباحثہ اور اس سے جملہ کادیانیوں کی گریز

اثناء زمانۂ مباحثہ بٹالہ میں کادیانی کے ایک چھپے حواری ہمارے سابق وقدیم دوست حافظ محمد یوسف صاحب ضلعہ دار نہر باری دواب جو رکھانوالے علاقہ قصور میں متعین ہیں لاہور پہنچے اور ایک جماعت کو ساتھ لے کر خاکسار کے پاس تشریف لائے اور خواستگار ہوئے کہ آپ مرزاغلام احمد اور حکیم نورالدین سے ایک دفعہ پھر مباحثہ کریں۔ میں نے جواب میں کہا کہ آپ لوگوں کی زبانی بات کا مجھے اعتبار نہیں۔ کیونکہ پہلے آپ نے حکیم نورالدین سے میرا مباحثہ کرایا۔ پھر اس کو ناتمام چھوڑ کر ان کو غائب کر دیا۔ پھر جب مرزاغلام احمد کادیانی کو بذریعہ تار اور خطوط حکیم صاحب کے بھاگ جانے کا الزام دیا گیا تو کادیانی اور اس کے حواریوں نے اپنے خطوں اور اخباروں میں یہ ظاہر ومشتہر کیا کہ حکیم صاحب سے تمہارا مباحثہ کب ہوا ہے کہ حکیم صاحب کے چلے آنے سے بھاگ جانے کا الزام صحیح ہو سکے۔ تمہارا تو اس گفتگو میں قدم ہی نہ تھا۔ گفتگو حافظ محمد یوسف صاحب اور حکیم صاحب کی تھی۔ حافظ صاحب سائل تھے۔ حکیم صاحب مجیب۔ تم تو صرف وزیٹرز (یعنی تماشائیوں) میں تھے۔ تم یوں ہی لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہوتے ہو۔ اس پر آپ سے بیان واقعہ کی شہادت چاہی تو آپ نے اپنی شہادت کو چھپایا اور ایک جھوٹی بات جواب میں کہہ کر مجھے ٹلایا۔

اب پھر آپ مباحثہ کی درخواست کرتے ہیں۔ فرمایئے! میں آپ کی بات کا کیونکر یقین واعتبار کروں؟ آپ پھر گفتگو کرانا چاہتے ہیں تو مجھے اس مضمون کی ایک تحریر دیں کہ پہلے ہم نے حکیم نورالدین سے تمہارا مباحثہ کرایا تھا جو ناتمام رہا۔ اب ہم پھر اسی مقام سے جہاں وہ ناتمام رہا مباحثہ کرانا چاہتے ہیں۔ جس پر حافظ صاحب نے اسی وقت رقعہ ذیل خاکسار کے نام لکھا۔

حافظ محمد یوسف ضلعہ دار کا خط مولانا بٹالوی کے نام:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

از فقیر محمد یوسف بخدمت بابرکت مخدومی مکرمی مولانا مولوی محمد حسین صاحب

السلام علیکم ! پیشتر جو میں نے اپنے شکوک رفع کرنے کے واسطے آپ کے اور مولوی نورالدین صاحب کے گفتگو کرائی تھی وہ ناتمام رہ گئی تھی۔ اب چاہتا ہوں کہ وہ گفتگو پھر ہووے اور میں شکوک رفع کروں۔ اگر آپ کو یہ منظور ہے تو مطلع فرماویں تاکہ مولوی نورالدین صاحب کو طلب کروں اور یہ جلسہ لاہور میں ہووے اور گفتگو اسی جگہ سے ہووے جہاں سے ناتمام رہ گئی تھی۔ فقط! محمد یوسف بقلم خود، مؤرخہ ۱۷؍جنوری ۱۸۹۳ء

اس کے جواب میں خاکسار نے ان کو ایک مختصر رقعہ لکھ دیا جس میں یہ وعدہ دیا کہ آپ جس شخص سے (کادیانی صاحب ہوں یا حکیم نورالدین صاحب یا منشی محمد احسن امروہی) چاہیں میں ان سے مباحثہ کے لئے حاضر ہوں۔ اس کے بعد خاکسار بٹالہ کو چلا گیا اور وہاں منشی محمد احسن صاحب کی خدمت گزاری میں مصروف رہا۔ ان کی تسلی کر کے پھر لاہور میں آیا تو حافظ صاحب کے نام ایک اور خط تحریر کیا جس کی نقل یہ ہے:

مولانا بٹالوی کا خط حافظ محمد یوسف کے نام:

محبی حافظ محمد یوسف صاحب لاہور، ۱۳؍رجب ۱۳۱۰ھ، مطابق یکم؍فروری ۱۸۹۳ء، نمبر ۶۳

بعد سلام مسنون مکلّف ہوں کہ آپ نے حکیم نورالدین بھیروی و مرزاغلام احمد کادیانی و منشی (یا مولوی) محمد احسن امروہی سے مباحثہ کی بابت خط وکتابت کی ہے یا نہیں؟ اگر کی ہے تو انہوں نے کیا جواب دیا ہے۔ مجھ سے مباحثہ کرنا منظور کیا ہے یا نہیں۔ کیا ہے تو کس وقت اور کن شرائط سے۔ آپ مجھے جلد اطلاع دیں اور اگر کسی صاحب نے ان میں سے مباحثہ منظور کیا ہے تو ان کو لاہور میں جلد بلالیں اور اس مباحثہ کو شروع کرادیں۔ کیونکہ میں صرف باقی نصف ماہ رجب کے ایام لاہور میں رہوں گا۔ اوائل ماہ شعبان میں حضرت شیخنا وشیخ الکل کے ساتھ پورب جاؤں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ! وہاں سے آخر شعبان کو واپس آنا ہو گا۔ پھر ماہ صیام درپیش ہوگا اور گفتگو کا موقعہ جلد نہ ملے گا۔

۲...... آپ نے یہ امر تو اپنے خط سابق میں تسلیم کیا ہوا ہے کہ جس طور پر پہلے حکیم نورالدین صاحب سے گفتگو ہوئی ہے اسی طور پر اب بھی ان سے گفتگو ہوگی۔ اس پر میری طرف سے یہ مستزاد ہے کہ اسی طور پر دوسرے صاحبوں سے گفتگو ہوگی۔ یعنی کوئی فریق اپنا بیان پہلے تحریر میں لا کر پھر اس کو تقریراً پیش نہ کرے گا بلکہ فریقین کے سوالات وجوابات زبانی ہوں گے اور دو کاتب اس کو لکھتے جائیں گے۔ لکھنے کے بعد وہ دوبارہ پڑھے جائیں گے اور ان پر فریقین دستخط کریں گے۔ یہ ہرگز نہ ہوگا (چنانچہ پہلے بھی حکیم نورالدین صاحب کے مباحثہ میں نہیں ہوا) کہ کوئی فریق پہلے تحریری سوال یا جواب لکھے یا لکھاوے۔ پھر اس کو مجلس میں پڑھا جاوے۔ کیونکہ اس صورت میں مباحثہ تحریری بنتا ہے۔ جس کے لئے حاضری فریقین کی کچھ ضرورت نہیں۔ یہ مباحثہ تحریری غائبانہ بھی ہوسکتا ہے۔ بلکہ ہو رہا ہے۔ فریقین کی تحریرات اور ان کے جوابات شائع ہو رہے ہیں۔

۳...... آپ نے زبانی تقریری منصف کے لئے کہا تھا۔ میں نے بھی اس کو تسلیم کیا تھا۔ بے شک مجلس میں منصف نہ ہوگا تو جو کچھ اور جب تک کوئی فریق چاہے گا کہتا چلا جائے گا۔ منصف مجلس میں ہوگا تو وہ فریقین کو خارج از مبحث بات کہنے سے روک دے گا اور جو ایسی بات کوئی کہے گا اس کو لکھنے نہ دے گا اور جب وہ کسی فریق کا غالب ہونا مشاہدہ کرے گا۔ فوراً مباحثہ کو بند کر دے گا اور اس فریق کا غالب ہونا ظاہر کر دے گا اور اگر کسی خاص شخص کی منصفی کو فریق ثانی منظور نہ کرے تو بجائے اس کے یہ تجویز ہو کہ ہر ایک مسئلہ متنازعہ فیہا میں تین یا پانچ یا نہایت سات تقریریں فریقین کے ہوں۔ وازاں جملہ جس کی تقریر پہلے ہو اسی کی آخری ہو۔ اس کے بعد اس مسئلہ میں مباحثہ کو بند کر کے غالب ومغلوب کا فیصلہ حاضرین کے غلبہ رائے سے ہو۔ غلبہ رائے حاضرین کو بھی فریق ثانی منظور نہ کرے تو جانبین کی تقریروں کو چھپوا کر شائع کیا جاوے اور وہ فیصلہ پبلک سے کرایا جاوے۔

۴...... گفتگو ہر ایک صاحب سے اسی مقام سے شروع ہوگی جس مقام میں انہوں نے سابق گفتگو کو ناتمام چھوڑا ہے۔ حکیم صاحب سے گفتگو کے متعلق تو آپ نے اس امر کو اپنے خط سابق میں مانا ہی ہوا ہے۔ باقی دو صاحبوں سے بھی اس امر کو تسلیم کرا لیں۔ کادیانی صاحب سے اس مقام سے گفتگو ہوگی جس مقام میں انہوں نے لدھیانہ میں گفتگو شروع کر کے ناتمام چھوڑی تھی۔ امروہی صاحب سے اس مقام میں گفتگو ہوگی جس مقام میں انہوں

نے بٹالہ میں گفتگو شروع کر کے ادھوری چھوڑی ہے۔ پہلے گفتگو کو ناتمام چھوڑ کر دوسری گفتگو شروع نہ ہوگی۔

ان چاروں باتوں کو آپ فریق ثانی سے تسلیم کرالیں۔ ان کو کچھ عذر ہو تو اس کو پیش کر کے اس کا تصفیہ پہلے کرلیں تاکہ عین موقعہ پر کوئی نزاع پیدا نہ ہو۔

اس خط کا جواب آپ مجھے جلد دیں۔ آپ نے جواب میں دیر کی تو اس خط کو اور آپ کے پہلے خط کو رسالہ میں شائع کر دیا جاوے گا تاکہ پبلک اہل اسلام کو معلوم ہو کہ کون فریق مباحثہ کے لئے مستعد و تیار ہے اور کس کو اس سے صاف انکار ہے یا جائز شروط کی تسلیم سے انکار اور ناجائز شروط کی تسلیم کرانے پر اصرار کی آڑ میں اس مباحثہ سے انکار ہے۔

(ابوسعید محمد حسین)

اس خط کی روانگی سے پہلے حافظ صاحب (محمد یوسف) حکیم نورالدین صاحب سے خط وکتابت کر چکے اور حکیم صاحب لاہور کا ایک دورہ بھی کر کے وطن کو چلے گئے تھے۔ جس سے عموماً یہ سمجھا گیا تھا کہ حکیم صاحب کو اب مباحثہ منظور نہیں۔ کادیانی کا ایک چھپّا حواری، یا یوں کہو کہ حامی، میاں چِٹو لاہوری برملا یہ کہتا پھرتا تھا کہ ہم حکیم صاحب کی گفتگو مولوی صاحب (خاکسار) سے نہیں کرائیں گے۔

بعد وصولی خط مذکور کو حافظ صاحب بٹالہ میں منشی احمد حسن کے پاس اور کادیان میں کادیانی کے پاس پہنچے۔ وہاں سے ۹؍فروری ۱۸۹۳ء کو میرے خط کا جواب ذیل لکھوا کر لائے اور اپنے ساتھ منشی احمد حسن صاحب کو بھی لیتے آئے۔

حافظ محمد یوسف کا خط نمبر۲ مولانا بٹالوی کے نام:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم. اما بعد!

ازفقیر محمد یوسف بخدمت بابرکت مخدومی مکرمی معظمی مولوی محمد حسین صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! بجواب خط جناب نمبری ۶۳، مؤرخہ ۱۳؍رجب ۱۳۰۴ھ (۱۳۱۰ھ ہے شاید جلدی سے اور غلطی سے ۱۳۰۴ھ لکھ دیا ہے) جو ۵؍جنوری ۱۸۹۳ء شام کو مجھ کو ملا۔ عرض ہے کہ مرزاغلام احمد صاحب اور حکیم نورالدین

صاحب اور مولوی سید محمد احسن صاحب جناب سے بطریق شرعی مسائل مختلفہ کا بطور محققین تصفیہ کرنے کو تیار و مستعد ہیں۔ ان کی طرف سے کوئی عذر اور توقف نہیں۔ خطوط منظوری میرے پاس موجود ہیں اور ہر سہ صاحبان نے یہ منظور کیا ہے کہ جو تاریخ واسطے جلسہ کے مقرر ہو اس سے ہفتہ عشرہ پیشتر ہم کو اطلاع ہووے۔ لہٰذا میں جناب سے مستدعی ہوں کہ جو تاریخ جناب چاہیں فوراً مقرر فرما کر ہم کو مطلع فرمادیں تا کہ میں ہر سہ صاحبان کو بذریعہ خطوط اطلاع دوں اور مولوی محمد احسن صاحب نے جو شروط مفید طرفین مقرر کی ہیں اور میری دانست میں بھی نہایت ضروری ہیں۔ وہ اپنے خط میں حسب ذیل لکھتے ہیں:

شرط اوّل: مولوی صاحب سے یہ اقرار پختہ لے لیویں کہ تا اختتام بحث مولوی صاحب بہار یا آرہ وغیرہ میں نہ جاویں۔

شرط دوم: ہر ایک بلدہ سے سرآمد علماء مکفرین کو اس جلسہ میں مولوی محمد حسین صاحب طلب کریں۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو اتنا ضرور ہے کہ ہر ایک بلدہ کا ایک ایک عالم مکفر، جو سرآمد شمار کیا جاتا ہے۔ وہ مولوی صاحب کی طرف سے ضرور ہی تشریف لاویں۔

شرط سوم: مقلدانہ بحث نہ ہوگی۔ ہاں! بعد پیش کرنے ادّلہ مستقلہ کے ادّلہ غیر مستقلہ پیش ہو سکتے ہیں۔ ترتیب ادّلہ وہی رہے گی۔

شرط چہارم: فریقین کو اختیار رہے کہ اپنی تقریر کو خواہ بروقت بیان کے تحریر میں ضبط کرلیں یا قبل بیان کے محرر کرلیویں۔

شرط پنجم: چار منصف ادھر کے اور چار منصف ادھر کے مقرر ہوں۔ جن کو قوت فیصلہ از روئے قوت ادّلہ کے حاصل ہوگی اور ایک سرپنچ بھی مقرر ہوگا یا پانچ منصف ہماری طرف سے اور پانچ ان کی طرف سے۔ ہم کو اپنی طرف کے منصفوں کا اختیار رہے۔ جن کو ہم چاہیں منظور کرلیں اور ان کو بھی ایسا ہی اختیار رہے۔ یہ شرطیں مولوی محمد احسن صاحب کی طرف سے ہیں۔ فقط! میرے خیال میں مولوی محمد احسن صاحب کی شرائط اور آپ کی شرائط متفق ہیں۔ شرائط میں کسی کو اختلاف نہیں ہے اور یہ جو مولوی احمد حسن صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ کل مکفرین کو آپ طلب کریں یا ایک ایک مکفر ہر ایک شہر کے سرآمد علماء میں سے مولوی محمد حسین طلب کریں۔ شاید یہ امر آپ کے اوپر محال ہوگا۔ اس واسطے جس قدر آپ طاقت رکھتے ہیں

طلب فرماویں۔ ورنہ مولانا مولوی سید نذیر حسین صاحب شیخ الکل اور مولانا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالی اور علماء نامی سہارنپوری اور دیوبندی کو تو ضرور طلب فرماویں اور مولوی عبدالحق صاحب دہلوی صاحب تفسیر حقانی کو بھی ضرور بلوالیں۔ یہ آپ کے ذمہ ہے اور بعض بعضے علماء جو باقی ہیں ان کو میں خود طلب کرلوں گا۔ ان کل علماء کا طلب کرنا اس واسطے ضروری ہے۔ یہ جلسہ اور فیصلہ آخری ہے۔ پھر بعد اس کے کوئی جلسہ اور مباحثہ کسی شہر ہند میں نہ ہوگا اور ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ انہیں علماء میں سے جس کو مناسب سمجھا جاوے گا منصف اور سرپنچ بھی مقرر کیا جائے گا تاکہ بعد اس فیصلہ کے کوئی فریق مباحثہ کی درخواست نہ کرے اور یہ فیصلہ قطعی سمجھا جاوے گا اور آپ نے جو اپنے خط میں تحریر فرمایا ہے کہ میں پورب کی طرف جانے والا ہوں۔ آخیر شعبان میں واپس آؤں گا۔ براہ مہربانی یہ ارادہ اپنا پورب وغیرہ کی طرف جانے کا بالکل ملتوی فرمادیں۔ کیونکہ تصفیہ اس تفرقہ کا جو آپ نے مسلمانان ہند میں ڈالا ہے مقدم ہے اور اصلاح بین المسلمین اہم ضروریات سے ہے۔ لہٰذا اور تمام کاروبار دینی اور دنیاوی جو اس سے کم درجہ پر ہیں چھوڑ کر سب سے پہلے اس کا فیصلہ کرنا چاہئے۔ لاہور سے باہر ہرگز نہیں جانا چاہئے اور مکرر یہ کہ حسب الایماء جناب مرزا صاحب قبل از رمضان مبارک موسم سرما میں تاریخ بحث مقرر کرنی چاہئے۔ کیونکہ گرمی کو ان کی طبیعت برداشت نہیں کرسکتی اور تاکہ آخیر شعبان تک فیصلہ ہو جاوے۔

(خادم العلماء خصوص آپ کا تابعدار محمد یوسف ضلع دار، مؤرخہ ۸رفروری ۱۸۹۳ء)

حافظ صاحب بٹالہ اور کادیان کو گئے تو خاکسار (مولانا بٹالوی) سے مل کر گئے تھے اور میرے خط نمبری ۶۳ کی شروط کو واجبی اور انصاف پر مبنی مان کر گئے۔ مگر جب وہاں سے آئے تو یہ خط لکھوا کر لائے۔ جس میں ان شروط سے صاف انکار پایا جاتا ہے۔ جس سے خاکسار کو یقین ہوگیا کہ کادیانی اور منشی محمد احسن صاحب نے بھی ان کو درخواست مباحثہ کو قبول نہیں کیا اور صاف جواب دے دیا۔ مگر حافظ صاحب نے صاف طور پر اظہار مناسب نہ سمجھا بلکہ ناجائز اور ناممکن الوقوع شروط کی آڑ میں اس کا اظہار مناسب خیال کیا۔ خاکسار نے اس خط کا جواب اسی مجلس میں حافظ صاحب کو دے دیا۔ وہ اور اس کا جواب اور اس کا جواب الجواب وغیرہ ذیل میں منقول ہیں۔

حضرت بٹالوی کے خطوط:

لاہور، ۹ رفروری ۱۸۹۳ء (بالمشافہ لکھی گئی) نمبر۹۶

مجی حافظ محمد یوسف صاحب

بعد سلام مسنون! آپ کے خط ۸ رفروری ۱۸۹۳ء کا جواب یہ ہے کہ آپ نے میرے خط نمبری ۶۳ کی شرائط کو منظور نہیں کیا بلکہ ان کے برخلاف نئی شرائط کو تجویز کیا ہے۔ لہٰذا میں مکرر یہ کہتا ہوں کہ اگر آپ کو بحث کرانا منظور ہے تو میرے خط مذکور کی شرائط کو منظور کریں۔ خصوصاً شرط دوم وشرط چہارم کو اور شرط سوم کی اس بات کو کہ تقریریں محدود ہوں۔ تین یا پانچ نہایت سات اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ فریقین کو تقریر کے لئے مساوی وقت دیا جائے گا اور گفتگو صرف چند مسائل میں ہوگی۔ ان میں اگر احد الفریقین کو شکست ہوئی تو باقی مسائل میں بھی اس کو شکست یافتہ سمجھا جائے گا۔ (ابوسعید محمد حسین)

حافظ محمد یوسف کا خط نمبر۳ مولانا بٹالوی کے نام:

جناب من السلام علیکم! مولوی محمد احسن صاحب آج لاہور میں صرف آپ کے ساتھ مباحثہ کے لئے تشریف لے آئے ہیں۔ آپ ان سے خط وکتابت کریں۔ مجھ کو درمیان سے علیحدہ[15] کر دیں۔ آپ مباحثہ کے واسطے محمد احسن صاحب سے خط تحریر کریں اور انہیں سے شرائط بحث مقرر کرلیں۔ (محمد یوسف)

حضرت بٹالوی صاحب کا جواب:

حافظ صاحب السلام علیکم! منشی (یا مولوی) محمد احسن صاحب مجھ سے مباحثہ کرنے سے بٹالہ میں انکار کر چکے ہیں۔ لہٰذا میں ان کو خودبخود مخاطب نہیں کرتا۔ وہ اب نئے سرے سے مباحثہ کرنا چاہتے ہیں تو میرے اس رقعہ کا جواب دیں جو میں نے ان کے نام لاہور سے لکھا تھا جو جواب انہوں نے بٹالہ میں دیا تھا۔ وہ اس کا جواب نہیں ہے۔ (اس کی تفصیل ودلیل اس جواب کے حواشی سے ناظرین کو معلوم ہو چکی ہے) (ابوسعید محمد حسین)

حافظ محمد یوسف کا خط نمبر۴ مولانا بٹالوی کے نام:

مولوی صاحب السلام علیکم! آپ نے میرے خطوط میں اقرار کرلیا ہے کہ میں مولوی نورالدین صاحب اور مولوی محمد احسن صاحب اور مرزاصاحب سے گفتگو کرنے کو

مستعد ہوں۔ اب آپ تحریر فرماتے ہیں کہ مولوی محمد احسن صاحب سے گفتگو نہیں کرتا۔ یہ آپ کا فرار ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (محمد یوسف)

مولانا بٹالوی صاحب کا جواب:

حافظ صاحب سلام! میں تو اب بھی حاضر ہوں۔ اگر وہ درخواست کریں یا آپ ان کو کھینچ کر سامنے کر دیں۔ بھاگے ہوئے کے پیچھے جانا میرا کام نہیں۔ برطبق ''تو مان نہ مان میں تیرا مہمان'' خود بخود مہمان بننا اچھا نہیں۔ (ابوسعید محمد حسین)

حافظ محمد یوسف کا خط نمبر ۵ مولانا بٹالوی کے نام:

جناب من السلام علیکم! مولوی محمد احسن صاحب لاہور میں موجود ہیں اور اس وقت کھانا کھانے کا وقت ہے۔ اگر آپ پلاؤ کھلاویں تو اسی وقت مولوی محمد احسن صاحب کو آپ کے روبرو حاضر کرتا ہوں۔ (محمد یوسف)

مولانا بٹالوی صاحب کا جواب:

حافظ صاحب سلام! میں اس وقت تک ان کی دعوت نہیں کر سکتا جب تک وہ مرزا کے عقائد سے تائب ہو کر اسلامی عقائد قدیم پر نہ ہو جائیں۔ آپ جو اس مباحثہ کے بانی مبانی ہیں اپنی گرہ سے پلاؤ پکاویں اور ان کو کھلاویں۔ میں اجازت دیتا ہوں کہ میرے مکان پر آپ پکوالیں اور ان کو اپنی طرف سے بلا دیں۔ (ابوسعید محمد حسین)

حافظ محمد یوسف کا خط نمبر ۶ مولانا بٹالوی کے نام:

مولوی صاحب السلام علیکم! اگر آپ پلاؤ نہیں کھلاتے تو آپ کو مولوی احسن صاحب پلاؤ کھلاویں گے۔ آپ وہاں تشریف لے چلیں۔ (محمد یوسف)

مولانا بٹالوی صاحب کا جواب:

حافظ صاحب سلام! جس حالت میں میں منشی محمد احسن صاحب کو اسلامی عقائد پر نہیں سمجھتا تو میں ان کی دعوت کیونکر قبول کر سکتا ہوں۔ دعوت قبول کرنا ویسا ہی ہے جیسا کھلانا۔ حدیث شریف میں آیا ہے: ''**نهی رسول اللہ ﷺ عن اجابة الفاسقین**'' (یعنی آنحضرت ﷺ نے فاسقوں کی دعوت قبول کرنے سے منع کیا ہے) پس چہ جائیکہ ایک شخص کفریہ عقائد رکھے۔ (ابوسعید محمد حسین)

اس میرے جواب آخیر پر حافظ صاحب لاجواب ہوکر اٹھنے لگے تو خاکسار نے یہ کہہ دیا کہ لیجئے حافظ صاحب! میں اپنی اس بات سے (کہ میں منشی صاحب کے مکان پر نہیں جاتا اور نہ ان کو دعوت کر کے بلاتا ہوں) ہارا! چلئے میں ابھی آپ کے ساتھ منشی صاحب کے فرودگاہ پر چلتا اور ان سے گفتگو کرتا ہوں۔ اس پر حافظ صاحب حیران ہوئے اور اٹھ کر چلے گئے۔ پھر چینیاں والی مسجد میں پہنچے اور اس واقعہ کے برخلاف مظہر ہوئے کہ مولوی محمد حسین نے مباحثہ سے انکار کیا اور یہ کہہ دیا ہے کہ میں ہارا۔ اس کے بعد آپ رائیونڈ پہنچے تو وہاں بابو محمد الدین صاحب گوڈس کلرک وغیرہ کے سامنے آپ نے بیان کیا کہ مولوی محمد احسن نے مجھے گالیاں دی ہوئی ہیں۔ اس لئے میں ان سے مباحثہ نہیں کرتا۔ جس پر حافظ صاحب کے نام خط ذیل لکھا گیا۔

مولانا بٹالوی صاحب کا خط حافظ محمد یوسف کے نام:

لاہور، مؤرخہ ۱۳ رفروری ۱۸۹۳ء نمبر ۱۰۱

حافظ محمد یوسف صاحب ضلع دار نہر باری دوآب متعلق رکھانوالہ

سلام علیٰ من اتبع الهدیٰ! جب آپ نے میرا اور حکیم نورالدین کا لاہور میں مباحثہ کرایا تھا اور کادیانی وغیرہ نے اپنے خطوں اور ضمیمہ اخبار سیالکوٹ گزٹ میں اس مباحثہ کی نسبت یہ ظاہر ومشتہر کیا تھا کہ وہ مباحثہ تمہارے (خاکسار کو کہتے ہیں) اور حکیم نورالدین صاحب کے مابین نہیں ہوا تھا۔ بلکہ حافظ محمد یوسف سائل تھے اور حکیم صاحب مجیب اور تم صرف وزیٹر یعنی ناظرین میں بیٹھے تھے تو میں نے آپ سے اس امر میں شہادت چاہی۔ تب آپ نے اس شہادت کو چھپایا اور ایک جھوٹی بات جواب میں لکھ کر مجھے ٹلایا۔ اس وقت سے میں آپ کی نسبت بدظن ہوگیا اور آپ کو جھوٹا سمجھنے لگا تھا۔ گو اس وقت سے پہلے میں آپ کو متبرک اور بااخلاص اور حضرت عبداللہ صاحب (غزنوی) کا صحبتی اور فیض یافتہ سمجھتا تھا۔

اس کتمان شہادت اور خلاف گوئی کے وقت سے بھی میں آپ کو پورا عیسائی مرزائی نہیں سمجھتا تھا۔ صرف یہ خیال کرتا تھا کہ آپ غلطی سے کادیانی کو الہامی جانتے ہیں۔ مگر اس کے بے مرشد ہونے کی وجہ سے اس کو الہام کے معنی سمجھنے میں غلطی کرنے والا خیال کرتے

ہیں۔ (یہ امر آپ نے خود مجھے زبانی کہا تھا) اور اسی خیال سے آپ کادیانی کی حمایت کرتے ہیں۔ اس کے عقائد وخیالات کے مصدق نہیں ہیں۔

ان دنوں جو آپ نے ایک شرمناک کارروائی کی ہے۔ اس سے مجھے یقین ہوگیا ہے کہ آپ پورے عیسائی مرزائی ہیں اور کادیانی کے خیالات کے مصدق ومؤید اور ان کی اشاعت وترویج کے دل سے خواہاں۔ اسی واسطے میں نے اس خط میں اس سلام سے جو اہل اسلام کو لکھا جاتا ہے۔ آپ سے خطاب نہیں کیا۔

میں نے متعدد وسائل سے سنا ہے کہ آپ نے ۹ رفروری ۱۸۹۳ء کو میری مجلس سے اٹھ کر اور چینیاں والی مسجد میں پہنچ کر بڑے زوروشور کے ساتھ بیان کیا ہے کہ مولوی محمد حسین، مولوی محمد احسن کے ساتھ مباحثہ کرنے سے انکاری ہوئے اور یہ کہہ چکے ہیں کہ میں ہارا۔ اس کے بعد آپ گیارہ فروری کو رائیونڈ اسٹیشن پہنچے تو بابو محمد الدین صاحب گوڈس کلرک وغیرہ صاحبوں کے پاس آپ نے یہ بیان کیا کہ میں رخصت لے کر لاہور وکادیان پہنچا اور مرزاغلام احمد اور حکیم نورالدین ومولوی محمد احسن کو مولوی محمد حسین کے ساتھ مباحثہ کرنے کے لئے مستعد کیا۔ بلکہ مولوی محمد احسن کو اپنے ساتھ لاہور بھی لے گیا اور مولوی محمد حسین کو ان سے مباحثہ کے لئے کہا تو انہوں نے مباحثہ سے انکار کر دیا۔ اور یہ عذر کیا کہ مولوی محمد احسن نے مجھے گالیاں دی ہوئی ہیں۔ اس واسطے میں ان سے گفتگو نہیں کرتا۔ لہٰذا میں مایوس ہوکر لاہور سے چلا آیا ہوں اور پندرہ روز کے لئے مولوی محمد احسن کو لاہور میں چھوڑ آیا ہوں۔ اگر آئندہ مولوی محمد حسین مباحثہ چاہیں گے تو مولوی محمد احسن ان سے مباحثہ کریں گے۔

حافظ صاحب! یہ دعویٰ تقدس اور ایسی متبرک ومعتبر صحت اور بابرکت تو ند اور سفید ریش اور اتنا بڑا اور سفید جھوٹ؟ میں نے تو آپ کو بعد تکرار وردوبدل شرط دعوت وپلاؤ خوری یا پلاؤ خورانی کے جو آپ کی طرف سے پیش ہوئی تھی صاف کہہ دیا تھا کہ میں بغیر شرط پلاؤ کھانے یا کھلانے کے ابھی آپ کے ساتھ مولوی محمد احسن کے پاس چلتا ہوں۔ آپ میری ان سے گفتگو کرادیں۔ جس کے حاضرین مجلس مولوی رحیم بخش صاحب ومیاں عمرالدین صاحب حکیم، میاں مولا بخش صاحب طالب العلم انجمن حمایت اسلام ومیاں عبداللہ

حجام وغیرہ شاہد ہیں اور وہ گواہی دینے کو جس مجلس میں آپ چاہیں حاضر ہیں۔ پھر آپ نے روز روشن ایسا جھوٹ باندھنے کی جرأت کیونکر کی اور وعید شدید ''لعنة الله علی الکذبین'' کی کچھ پرواہ نہ کی۔

حافظ صاحب یہ افتراء پردازی اور دروغ گوئی کذّاب کادیانی کی صحبت واعتقاد کا نتیجہ ہے۔ آپ کیا تھے اور اب کیا ہوگئے۔ یوسف صدیق کہلاتے تھے اب یوسف کذاب بن گئے اور ''بئس للظٰلمین بدلا'' کا مصداق ہوگئے۔

حافظ صاحب! آپ اپنی خیر وآبرو اور نیک نامی چاہتے ہیں تو اس سفید جھوٹ سے توبہ کر کے توبہ نامہ، جس میں یہ صاف اقرار ہو کہ یہ بیان جو میری زبان سے نکل گیا ہے یہ محض خلاف واقعہ ہے۔ آئندہ میں ایسی جرأت نہ کروں گا۔ میرے پاس فوراً بھیج دیں اور اس کے بعد جب عنقریب رخصت ملے۔ لاہور کی مجلس چینیاں والی میں آکر اس توبہ کا اظہار کریں۔ ورنہ میں اس خط کو اپنے رسالہ میں چھاپ دوں گا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ!

۲...... جو چٹھیات میری اور اپنی آپ مجھ سے اس وعدے پر لے گئے ہیں کہ بعد نقل واپس کروں گا، وہ فوراً واپس کریں۔ ورنہ میں دوسری کارروائی کروں گا۔ اس کو آپ نوٹس سمجھ لیں۔ ان چٹھیات کو آپ مرزائی عیسائیوں کو دکھاتے پھرتے ہیں۔ ان سے آپ کوئی عمدہ نتیجہ نہیں نکال سکتے۔ میں ان چٹھیوں کو خود چھاپوں گا اور ان کے اصلی نتائج سے بھی جملہ لوگوں کو آگاہ کروں گا۔ اس خط کے جواب کا تین روز تک انتظار کر کے اس کو چھاپ دیا جائے گا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ! (ابوسعید محمد حسین)

اس خط کے وصول ہونے پر حافظ صاحب گھبرائے اور فوراً لاہور پہنچ گئے اور مسجد چنیاں والی میں رونق افروز ہوکر مولوی رحیم بخش صاحب سے خواستگار شہادت واقع ہوئے۔ مولوی رحیم بخش صاحب نے واقع کے مطابق شہادت دی اور یہ بات بخوبی کہہ دی بلکہ لکھ بھی دی کہ مولوی محمد حسین صاحب نے مباحثہ سے انکار نہیں کیا۔ جس پر حافظ صاحب نے دوبارہ گفتگو کی درخواست کی اور یہ بات مولوی رحیم بخش صاحب کے ذمہ ڈال دی کہ آپ گفتگو کرادیں اور اس باب میں ان دونوں صاحب کی آپس میں کچھ تحریر بھی ہوئی جو ڈپٹی فتح علی شاہ صاحب کے پاس رکھوائی گئی جس کی نقل ابھی تک ہم کو نہیں ملی۔

اس قرارداد کے دوسرے دن ۱۵ رفروری ۱۸۹۳ء کو مولوی رحیم بخش صاحب خاکسار کے پاس آئے اور رقعہ ذیل مجھے تحریر کر کے دیا۔

خط مولانا رحیم بخش بنام مولانا محمد حسین بٹالوی:

مکرمی مولانا مولوی محمد حسین صاحب

السلام علیکم! آج کی رات میرے اور حافظ محمد یوسف کے درمیان یہ معاہدہ ہوا ہے کہ اگر مولوی محمد حسین صاحب، مولوی محمد احسن صاحب امروہی سے تقریری بحث نہ کریں تو میں مولوی صاحب کی طرف چھوڑ دوں گا اور بحث تقریری میں یہ شرط قرار پائے کہ فریقین مباحث پہلے تقریر کو لکھ کر نہ لاویں بلکہ عین مجلس بحث میں اپنی تقریر بحث کو ساتھ ساتھ لکھاتے جائیں اور حافظ محمد یوسف صاحب نے بھی اقرار کیا کہ اگر شرط مذکور پر مولوی محمد احسن صاحب مولوی محمد حسین صاحب سے تقریری بحث نہ کریں تو میں ان کی طرف چھوڑ دوں گا اور ہماری باہمی رائے سے تین علماء منصف قرار پائے۔

مولوی خلیفہ حمیدالدین صاحب لاہوری، مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری اور مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالی اور میرے اور حافظ یوسف صاحب کے اس عہدنامہ پر دستخط ہو گئے ہیں اور مجھ کو انہوں نے اجازت دی ہے کہ آپ سے بحث کی تاریخ دریافت کروں کہ آپ کس تاریخ میں بحث شروع کریں گے تاکہ بحث میں کسی ضروری کاروبار کی وجہ سے انقطاع واقع نہ ہو۔ لہٰذا ملتمس ہوں کہ آپ ازراہ مہربانی تعیّن وقت بحث سے مطلع فرماویں اور دیگر امر یہ ہے کہ حافظ محمد یوسف صاحب نے میرے سے واقعہ ۹ رفروری ۱۸۹۳ء کی شہادت طلب کی۔ میں نے شہادت بیان کی کہ مولوی محمد حسین صاحب نے تقریری بحث سے انکار نہیں کیا بلکہ وہ شرط مذکورہ پر بحث کرنے کو تیار تھے۔ حافظ محمد یوسف صاحب نے میری اس شہادت کو قبول کیا۔ فقط والسلام!

(خاکسار: رحیم بخش امام ومدرس مسجد چینیاں والی، ۱۵ رفروری ۱۸۹۳ء)

اس کا جواب خاکسار نے اسی وقت لکھ کر مولوی رحیم بخش صاحب کو دے دیا۔

جس کی نقل ذیل میں ہے۔

مولانا محمد حسین بٹالوی کا جواب:

لاہور،۱۵ رفروری ۱۸۹۳ء نمبر ۱۰۷

مجی مولوی رحیم بخش صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ! آپ کا خط میں نے مسرت سے پڑھا اور یہ شعر میری زبان سے نکلا ۔

للہ الحمد ہر ان چیز کہ خاطر میخواست آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

میں پہلے دن سے یہی چاہتا تھا کہ گفتگو بالمشافہ ہو تو تقریری ہو، نہ تحریری۔ آپ نے کرامت دکھائی کہ ان سے یہ بات تسلیم کرادی کہ تقریر کرنے والا تقریر کرے اور کوئی شخص اس کو ساتھ ساتھ لکھتا جائے۔ مجھے اس شرط سے بحث بدل منظور ہے اور یہ بات حافظ صاحب خود پہلے سے مان چکے ہیں اور لکھ کر دے چکے ہیں کہ بحث اس مقام سے شروع ہوگی جس مقام میں ناتمام رہی ہو۔ اب کوئی شرط باقی نہیں رہی۔

تقرری منصفوں میں اگر میرا کچھ حق ہے تو میں اتنی ترمیم کرنا چاہتا ہوں کہ مولوی احمد اللہ صاحب اور خلیفہ حمید الدین صاحب میں سے ایک شخص کو موقوف کر کے اس کی جگہ مولوی عبداللہ صاحب (ٹونکی) مدرس یونیورسٹی کالج کو مقرر کیا جاوے اور اگر میرا کوئی حق نہیں تو میں اس تقرری سابق کو منظور کرتا ہوں۔ تقرری تاریخ کا حافظ صاحب کو اور آپ کو اختیار ہے جو تاریخ مقرر کریں مجھے منظور ہے۔ اس میں صرف اتنی عرض ہے کہ ۵ رشعبان سے پہلے ۲۹ رشعبان سے پیچھے کی کوئی تاریخ ہو۔ کیونکہ ۷ رشعبان کو میں پورب جانے والا ہوں۔ چنانچہ اس امر کو خط مؤرخہ ۱۳ ررجب ۱۳۱۰ھ نمبری ۶۳ میں لکھ چکا ہوں۔ یہ عذر کوئی نیا عذر نہیں ہے۔

(ابوسعید محمد حسین)

اس جواب کو مولوی رحیم بخش صاحب خود لے کر منشی صاحب کے پاس گئے۔ جہاں جملہ حوارین کادیانی مجتمع تھے۔ اس جواب کو دیکھ کر اور پڑھ کر منشی صاحب حیران وپریشان ہوگئے اور قرارداد حافظ صاحب ومولوی صاحب سے پھر گئے اور تقریری مباحثہ سے انکاری ہوئے۔ جس کی تصدیق مولوی رحیم بخش صاحب کے خط سے ہوسکتی ہے۔ وازانجا کہ اس خط کا ماحصل منشی صاحب کے خط آئندہ میں موجود ہے۔ لہٰذا ہم اس خط کو پورا نقل نہیں

کرتے۔صرف اس کے آخری فقرات نقل کرتے ہیں جن کا منشی صاحب نے اپنے خط میں خلاف کیا اور جھوٹ لکھا۔

مولانا رحیم بخش کا خط:

مولوی رحیم بخش صاحب منشی صاحب کے گریز وانکار از منظوری قرارداد حافظ صاحب کا حال بیان کر کے لکھتے ہیں: ’’جب میں رخصت ہونے لگا تو منشی عبدالحق صاحب نے فرمایا کہ حافظ صاحب (محمد یوسف) نے شاید آپ سے کوئی بات کرنی ہو۔حافظ صاحب نے فرمایا۔میں اب کیا بات کروں۔آپ لوگ میری بات نہیں مانتے[۱۹]۔اس کے بعد میں وہاں سے چلا آیا اور جو کچھ میرے سامنے ہوا تحریراً اطلاع دی گئی ہے۔‘‘

(رحیم بخش امام ومدرس مسجد چینیاں والی لاہور)

اس انکار وگریز منشی صاحب کے بعد حافظ صاحب (محمد یوسف) دوبارہ مباحثہ سے مایوس ہوکر اپنے اسٹیشن کو سدھارے۔مگر جاتے ہوئے ایک شخص کو میرے خط نمبری ۱۰۱ کا ایک ایسا جوب دے گئے جس کا ماحصل یہ ہے کہ جو انکار از مباحثہ میں نے آپ کی نسبت مسجد چینیاں والی میں اور رائیونڈ اسٹیشن پر بیان کیا ہے وہ آپ کے ان رقعات میں جو بالمشافہ آپ نے لکھے تھے اور اس کی نقل مجھے نہیں دی گئی تھی موجود ہے۔آپ ان رقعات کو بھیج دیں۔ان رقعات میں انکار نہ نکلا تو میں توبہ کروں گا۔اس جواب کے آخیر میں کادیانی کی طرح ایک گیدڑ بھبکی بھی لکھ گئے جس کے الفاظ یہ ہیں: ’’مجھ کو تو آپ سے بھی بہت خوف ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کے اوپر رحم کرے۔میں آپ کے معاملہ میں بہت دوستوں کو اطلاع کر چکا ہوں۔‘‘ جس کا جواب فوراً تحریر کر کے حافظ صاحب کے پاس بھیجا گیا۔مگر چونکہ حافظ صاحب اپنا خط قاصد کو دے کر روانہ ہو چکے تھے۔لہٰذا وہ خط مع نقول خطوط مطلوبہ ان کے پاس بذریعہ ڈاک معرفت منشی محمد الدین گوڈس کلرک رائیونڈ بھیجا گیا۔جس کی نقل یہ ہے۔

حضرت بٹالوی کا خط مولانا محمد یوسف کے نام:

لاہور،۹رفروری ۱۸۹۳ء نمبر۹۶

حافظ محمد یوسف صاحب

سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ! آپ جس وقت اور جس مکان میں کسی مسلمان

کے (جو مرزائی نہ ہو) چاہیں وہ خطوط لے کر میں خود حاضر ہوتا ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ مسجد چینیاں والی میں آپ آجائیں اور مجھے بلالیں۔ وہی خطوط منصف رہے اور اگر میرے سامنے ہونے سے آپ کو انکار ہو تو مولوی رحیم بخش صاحب کو میرے پاس بھیج دیں۔ میں ان کو خط دے دوں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

۲...... آخر خط میں جو آپ نے ایک گیدڑ بھبکی سنائی ہے۔ یہ کادیانی کی شاگردی کا اثر ہے۔ آپ اگر اس گیدڑ بھبکی میں سچے ہیں تو اس کی تفصیل کریں تاکہ اس سے آپ کا کذاب ہونا ہر کس وناکس پر روشن ہو جائے۔ کادیانی کی گیدڑ بھبکی کا جو انجام ہوا اس کو آپ رسالہ اشاعۃ السنۃ نمبر۱، ۲ج ۱۵ میں ملاحظہ کریں۔

۳...... مولوی رحیم بخش صاحب آج مجھے تحریر کر کے دے گئے ہیں کہ انہوں نے آپ کے سامنے میرے بیان کی تصدیق کی اور یہ کہا کہ مولوی محمد حسین صاحب نے مباحثہ سے انکار نہیں کیا اور آپ نے اس کو اس وقت تسلیم کیا۔ اب آپ مولوی رحیم بخش صاحب کو اپنے بیان کا مصدق بناتے ہیں۔ یہ دوسرے جھوٹ کا آپ نے ارتکاب کیا اور اپنے دعویٰ صدیق ہونے کو آپ نے جھٹلایا۔

یہ خط فوراً ہم دست میاں عمرالدین صاحب حکیم، آپ کے فرودگاہوں پر بھیجا گیا تو معلوم ہوا کہ آپ کوچ کر گئے ہیں۔ اب فرمایئے وہ خطوط کس کو دکھلائے جائیں اور توبہ کون کرے؟ توبہ نہ ہوئی تو وہ خط جو آپ کے پاس منشی محمد الدین صاحب کی معرفت بھیجا گیا تھا۔ ضرور چھاپا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

خطوط مطلوبہ کی نقلیں مرسل ہیں۔ اگر نقول میں کچھ شک ہو تو جب چاہیں تصدیق کر سکتے ہیں۔ فرق نکلا تو آپ کو توبہ سے بری کیا جاوے گا۔ اب آپ کو مناسب ہے کہ نقول دیکھ کر جلد توبہ نامہ ارسال کریں۔ ورنہ خط سابقہ کے چھاپنے پر آشفتہ نہ ہوں اور افسوس نہ کریں۔ (ابوسعید محمد حسین)

حافظ صاحب (محمد یوسف) کے ناراض ومایوس ہو کر چلے جانے سے منشی صاحب (محمد حسن امروہی) پشیمان ہوئے اور اپنی گروہ میں فراری تصور کئے گئے۔ تب اپنی پشیمانی کو دور کرنے اور اپنے گروہ کے آنسو پوچھنے کی غرض سے ایک طولانی خط ۶ صفحہ کا خاکسار کے نام

لکھا اور حکیم فضل الٰہی صاحب کے ہاتھ ۱۶رفروری ۱۸۹۳ء کو میرے پاس بھیج دیا۔ اس خط کا جواب یہ دیا گیا جو ذیل میں منقول ہے اور اس میں اس خط کا ماحصل موجود ہے۔

مولانا بٹالوی صاحب کا خط محمد احسن امروہی کے نام:

لاہور، ۱۷رفروری ۱۸۹۳ء نمبر۱۱۴

منشی (یا مولوی) محمد احسن صاحب

سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ ! آپ کا خط معرفت حکیم فضل الٰہی صاحب وصول ہوا۔ اس خط کا اکثر حصہ وہی طعن وتمسخر وہزلیات اور خارج از مبحث خیالات ہیں۔ ازانجملہ مطلب کی باتیں جو لائق جواب ونوٹس لینے کے ہیں صرف آٹھ ہیں جو ذیل میں منقول ہیں۔

۱...... میری جانب سے وہ شرط ہے جو کئی مرتبہ لکھ چکا ہوں۔ (یعنی پہلے تحریر ہو پیچھے تقریر)

۲...... آپ تحریری مباحثہ سے کیوں گریز فرماتے ہیں۔

۳...... جو تحریرات بالمشافہ مابین حافظ محمد یوسف صاحب اور جناب کے واقع ہوئے ہیں ان سے آپ کا انکار از مباحثہ ثابت ہے۔ اسی واسطے آپ ان کی نقل نہیں دیتے۔

۴...... مولوی رحیم بخش صاحب نے تجویز مباحثہ میں آپ کی رعایت کی ہے اور حافظ محمد یوسف صاحب کو دھوکہ دیا ہے۔ تینوں منصف آپ کے ہم خیال ہیں۔ ہمارا کوئی نہیں۔

۵...... آپ پورب کا سفر موقوف کریں۔

۶...... ایک ماہ کے قریب آپ نے مجھے بٹالہ میں روکا۔

۷...... میں پنجاب میں مہمان ہوا ہوں۔ مجھے ناشتہ تو دلوایئے اور مطالبات خمسہ کا ہی جواب دیجئے جو ہم لف ہیں۔

۸...... آپ نے بٹالہ میں درخواست مباحثہ داخل کی۔ جب ادھر سے جواباً تحریک ہوئی تو آپ لاہور چلے گئے۔ جس پر بٹالہ کے منصف میر امتیاز علی صاحب نے یہ بات کہی کہ ہم کو تو اب منہ دکھلانے کی بھی جگہ نہ رہی۔ کیونکہ مولوی صاحب مباحثہ شروع کر کے بلا اجازت لاہور چلے گئے۔

اس کا جواب:

اس خط کے حصہ طعن وتمسخر کے متعلق صرف اس قدر گزارش نوٹس ایبل ہے کہ اگر

یہ طعن وتمسخر آپ کی جبلی صفت اور اضطراری حرکت ہے۔ مصداق مصرعہ ’’مقتضائے طبیعتش اینست‘‘ تو میں اس کا نوٹس نہیں لیتا اور نہ اس سے آپ کو منع کر سکتا ہوں۔ کیونکہ بیت

خوئی بد در طبیعتے کہ نشست — نرود جز بوقت مرگ از دست

ایک جچی تلی بات ہے۔

اور اگر یہ اختیاری حرکت ہے اور اس غرض سے ہے کہ آپ کا متعاقب گالیوں سے ڈر کر آپ کا تعاقب چھوڑ دے گا تو اس خیال کو آپ دماغ سے نکال کر اس طعن وتمسخر سے باز آویں۔ اس سے وہ غرض ہرگز حاصل نہ ہوگی۔ کیونکہ خاکسار اپنے فرض منصبی اور شعار مذہبی نصرت حق اور دمغ باطل، ورد کفریات کادیانی، کشف مکائد آن بہتانی، ہرگز نہ چھوڑے گا۔ چنانچہ پہلے بھی نمبر۴ جلد۱۳ کے ص۴ میں عرض کر چکا ہے۔

آپ کی تعریضات یکطرف رہی۔ تصریحات پر بھی اپنی آنکھ اور کان کو بند کرے گا اور جواب دے گا تو صرف اسی بات کا، جس کو رد کفر کادیانی سے تعلق ہوگا اور اس میں اس شاعر کی موافقت کرے گا جو اپنی معشوقہ کے دھن میں کہہ گیا ہے۔

اصم[۲۱] اذا نودیت باسمی واننی — اذا قیل لی یا عبدھا لسمیع

اور اپنی خداداد راحت اور ناچیز عزت اور آبرو کو آنحضرت ﷺ اور آپ کے دین پر قربان کر دے گا اور اس میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا پیرو ہوگا۔ جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی توہین کرنے والے کے جواب میں یہ اشعار جواہر آبدار نظم فرمائے ہیں۔

ھجوت[۲۲] محمدًا فاجبت عنہ — وعند اللہ فی ذاک الجزاء

ھجوت[۲۳] محمدًا برا تقیا — رسول اللہ شیمتہ الوفآء

فان[۲۴] ابی ووالدتی و عرضی — لعرض محمد منکم وقآء

آپ کے مرشد کادیانی کھلے الفاظ سے آنحضرت ﷺ اور ان کے دین کی توہین کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی بشارت عیسوی ’’مبشراً برسول یأتی من بعدی اسمہ احمد‘‘ کو آنحضرت ﷺ سے مٹاتے اور اپنے اوپر لگاتے ہیں۔

(ازالہ اوہام ص۶۷۳، خزائن ج۳ ص۴۶۳)

آنحضرت ﷺ کی مہر نبوت کو توڑ کر اپنے آپ کو خاتم بناتے ہیں۔

(ازالہ اوہام ص۶۷۲،۶۷۳، خزائن ج۳ ص۴۶۳، توضیح المرام ص۱۹، خزائن ج۳ ص۶۰)

آنحضرت ﷺ کی فتح سیفی کو ناچیز کہتے ہیں۔

(ازالہ اوہام ص۶۷۶، خزائن ج۳ ص۴۶۵)

آنحضرت ﷺ اور ان کے جملہ خلفاء وغیرہ کو فتح وغلبہ دین وغیرہ معارف قرآن کے معنی سے بے خبر بتاتے ہیں۔ (ازالہ اوہام ص۶۷۸، خزائن ج۳ ص۴۶۶)

آنحضرت ﷺ کو ابن مریم اور دجال وغیرہ کی پوری حقیقت منکشف ہونے سے محروم بتاتے ہیں۔ وعلیٰ ھذا القیاس! (ازالہ اوہام ص۶۹۱، خزائن ج۳ ص۴۷۳)

اور آپ ان سب کفریات وتوہین کو معارف وحقائق قرار دیتے ہیں۔ اس پر اگر یہ خاکسار نصرت دین اور ذب (مدافعت توہین) سید المرسلین کے لئے کھڑا ہو اور اس کے مقابلے میں آپ مجھ پر تعریض سے طعن کریں یا تصریح کے ساتھ ماں بہن جورو بیٹی کی گالیاں دیں تو اس سے بڑھ کر میرے لئے خدا کے نزدیک اور مؤمنوں کے نزدیک کوئی عزت کا مقام نہیں۔ پہلے تو آپ کے مرشد نے یہ ڈیوٹی اختیار کی تھی اور فیصلہ آسمانی وغیرہ تحریرات میں خوب دل کھول کر گالیاں سنائیں۔ اب اس کی خلافت آپ کو دی ہے۔ آپ شوق سے جو چاہیں سو کہیں اور اس ناچیز کو (جو اپنی حیثیت وعزت قطرۂ آب ومشت خاک سے زیادہ نہیں سمجھتا) اعزاز بخشیں اور عزت بڑھائیں۔

اصل مطلب کی باتوں کا جواب

جواب نمبر۱: مرحبا جزاک اللہ! اس شرط پر اصرار کا اظہار فرماکر آپ نے ہمارے بیان کو پورا تصدیق کیا اور کس وناکس کو یقین دلایا کہ آپ کو بالمشافہ تقریری مباحثہ سے صاف اور کھلم کھلا انکار ہے۔

جواب نمبر۲: تحریری مباحثہ سے گریز کرنے والے پر ہزار لعنت اور جھوٹے پر آپ جس قدر تجویز کریں میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

منشی صاحب! میں نے اپنے خط نمبری ۳۹ میں ضبط تحریر کو صاف الفاظ میں منظور کیا

ہے۔ اس پر صرف اس قدر بڑھا دیا ہے کہ تقریر پہلے ہو اور تحریر پیچھے اور پھر خط نمبر ۱۰۷ میں مولوی رحیم بخش صاحب اور حافظ صاحب کی تجویز کے مطابق یہ بھی مان لیا ہے کہ تحریر تقریر کے ساتھ ساتھ ہوتی جائے۔ پھر تحریر سے گریز وانکار کے کیا معنی؟ ہاں! اگر آپ صرف تحریری مباحثہ بلا مشافعہ ومواجہ چاہتے ہیں اور سامنے ہونے سے ڈرتے اور گھبراتے ہیں۔ چنانچہ آپ کا بٹالہ اور لاہور میں اپنے مطالبات کا جواب غائبانہ تحریری طلب کرنا مشعر ہے تو اس امر کے لئے بھی بندہ حاضر ومستعد ہے۔ مگر اس صورت میں فریقین کو کسی خاص جگہ کی پابندی ضروری نہیں۔ یہ کام ہر جگہ بیٹھ کر ہوسکتا ہے۔ آپ امروہہ یا بھوپال تشریف لے جاویں۔ بندہ کو پورب جانے کی اجازت دیں۔ پھر طرفین سے کاغذی گھوڑے دوڑتے رہیں گے۔ اس میں پہلے بھی اتنی عرض کی گئی ہے اور پھر کی جاتی ہے کہ اس تحریری مباحثہ میں: ''الاقرب[۲۶] فالاقرب'' اور ''کبرا[۲۷] الکبر'' کا لحاظ رہے گا۔ پہلے آپ کے مرشد کا حق ادا ہوگا پھر آپ کا۔

جواب نمبر۳: ان تحریرات کی نقل کل آپ کے وکیل اور اپنے دوست حکیم فضل الٰہی صاحب سے مطابق باصل کرا کر حافظ محمد یوسف صاحب کے پاس روانہ کی گئی ہے۔ ان تحریرات سے انکار از مباحثہ ثابت ہوا تو میں اپنی شکست مان لوں گا۔ ورنہ آپ کو اپنی شکست ماننی پڑے گی اور اس پر بحث ختم ہوگی۔

جواب نمبر۴: مولوی رحیم بخش صاحب میرے عزیز دوست ہیں۔ مگر وہ آپ کے معاملے میں نہ میرے مشیر ہوئے نہ وکیل اور انتخاب دو منصفوں (خلیفہ حمید الدین صاحب اور مولوی احمد اللہ صاحب) تو حافظ صاحب کی تجویز سے ہوا ہے۔ تیسرے منصف کا انتخاب مولوی صاحب کی تجویز سے۔ پس اس میں غلبہ حافظ صاحب (محمد یوسف) کو ہوا۔ لہٰذا اگر رعایت کا الزام دیتے ہیں تو حافظ صاحب کو دیں۔ چنانچہ آپ نے خود اس مجلس میں جس میں آپ کو میرا خط نمبری ۱۰۷ املا تھا حافظ صاحب کو دو دفعہ رعایت کا الزام دیا تھا۔ اب وہ الزام مولوی رحیم بخش صاحب پر (جو کم گو اور سیدھے آدمی ہیں) لگایا جاتا ہے۔ یہ کادیانی کی سنت کذب کی پیروی ہے۔ اس میں آپ سچے ہیں تو حاضرین مجلس مذکور سے اس پر حلفی شہادت دلوا دیں کہ اس مجلس میں کس شخص پر یہ الزام قائم ہوا تھا۔

گزشتہ را صلوات آئندہ آپ اپنا منصف خود منتخب کرلیں۔ مگر آپ پہلے مباحثہ تقریری کو تو منظور کرلیں۔ مباحثہ منظور نہیں تو منصف کیا کریں گے۔

جواب نمبر۵: بہت اچھا! میں سفر موقوف کردوں گا۔ اگر آپ مباحثہ تقریری منظور کریں اور جلد میدان میں نکلیں وہ نہ ہو کہ میں تیاری سامان سفر کروں اور ریل کا ٹکٹ لے لوں۔ تب آپ پیام مباحثہ بھیجیں۔ میں ایک ہفتہ کی آپ کو اور مہلت دیتا ہوں۔ جس دن آپ میدان میں آئیں گے اسی دن ایک گھنٹہ میں آپ کا کام تمام کروں گا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ!

جواب نمبر۶: جھوٹ بولنا اور نجاست کھانا یکساں ہے۔ ۱۶ر جنوری ۱۸۹۳ء کو میں نے مباحثہ کی درخواست کی اور ۳۰ر جنوری ۱۸۹۳ء کو آپ نے مباحثہ لاہور کے وعدہ پر ٹلا کر مجھے رخصت کیا اور ۳۱ر جنوری ۱۸۹۳ء کو میں لاہور آ پہنچا۔ پھر ایک ماہ کے قریب میں نے آپ کو کیونکر روکا؟ یہ کہئے کہ بٹالہ کی روٹیوں اور دعوتوں نے روکا۔

جواب نمبر۷: میں قبل از سوال آپ کے آپ کو مہمان سمجھ کر آپ کی مہمان نوازی کرچکا ہوں اور آپ کے مطالبات کا جواب لکھ چکا ہوں۔ اشاعۃ السنۃ نمبر۱۲ جلد۱۴ ص ۳۷۷ لغایت ص ۳۷۹ ملاحظہ ہو۔

اب اس مہمان نوازی کا اعتراف چاہئے۔ ''**من لا یشکر الناس لا یشکر اللّٰہ**''

جواب نمبر۸: یہ آپ نے سفید اور ڈبل بلکہ ٹربل جھوٹ بولا ہے۔ ایک جھوٹ مجھ پر افتراء کیا کہ بلااجازت لاہور چلے گئے۔

کیا آپ نے مولوی احمد علی صاحب سے منصف صاحب کے روبرو[۲۸] اس مضمون کا رقعہ میرے نام نہیں لکھوایا کہ وہ اپنا کیوں حرج کرتے ہیں۔ لاہور کو چلے جاویں۔ جواب بذریعہ ڈاک پہنچ جاوے گا۔ آپ کو اس سے انکار ہے تو اس رقعہ کی تصدیق کے لئے بٹالہ چلیں۔ سفر خرچ مجھ سے لیں۔ چلو اسی ایک بات میں سچ جھوٹ کا فیصلہ ہوتا ہے اور کسی مباحثہ کی ضرورت نہیں رہتی۔

دوسرا جھوٹ منصف صاحب پر کہ انہوں نے وہ کلمہ فرمایا جو ان کی شان اور منصب منصفی سے بعید ہے۔

منصف صاحب کے سامنے جب آپ نے رقعہ اجازت سفر لکھوایا تو منصف

صاحب (امتیاز علی) کا وہ کہنا کب ممکن تھا۔ آپ سچے ہیں تو بٹالہ چلیں[۲۹] اور ایک مجلس روساء میں منصف صاحب سے وہ کلمہ کہلاویں۔

تیسرا جھوٹ مجھ پر کہ اس طرف سے جواباً تحریک مباحثہ ہونے اور مباحثہ شروع کرنے کے بعد آپ لاہور چلے گئے۔ آپ نے جواب کب دیا اور مباحثہ کب شروع ہوا۔ میں نے ۱۶ر جنوری ۱۸۹۳ء کو سوال مباحثہ کیا۔ آپ نے باوجود میرے ریمائنڈر بھیجنے کے میرے سوال کا جواب نہ دیا اور اس مضمون کا رقعہ لکھوادیا کہ وہ لاہور جاویں۔ جواب بذریعہ ڈاک پہنچے گا۔

پھر ۱۷ر جنوری ۱۸۹۳ء کی شب کو میرے روانہ ہونے کے بعد جواب لکھا اور ۱۸ یا ۱۹ کو شاہ صاحب کو دیا۔ پھر آپ کا یہ کہنا کہ بعد جواب وشروع مباحثہ چلے گئے۔ سفید جھوٹ نہیں تو جھوٹ کی کیا تعریف ہے اور عقد مباحثہ صرف میرے سوال سے کیونکر ہوگیا تھا۔ عقد ایجاب قبول دونوں سے ہوتا ہے یا صرف وایجاب سے استحقاق استمتاع حاصل ہوسکتا ہے؟

یہ میری آخری تحریر ہے۔ اس کا جواب ہو تو یہ ہو کہ آپ میدان میں نکلیں۔ اس کے سواء کوئی اور جواب دیں گے تو میں اس کا جواب نہ دوں گا۔ پبلک خود انصاف کریں گے کہ کون ہارا اور کون مرد میدان نکلا؟ اب میں ایک جنرل رول بتاتا ہوں جس سے آپ صاحبوں کی مدت کے خیالی اور لفظی اور کاغذی مباحثوں کا اختتام ہو۔ ہینگ لگے نہ پھٹکڑی اور نتیجہ آسانی سے نکل آوے۔

وہ یہ ہے کہ آپ اور آپ کے بڑے بھائی حکیم نورالدین صاحب اور دونوں کے روحانی باپ کادیانی صاحب اگر تقریری مباحثہ نہیں چاہتے اور صرف تحریری مباحثہ پر جرأت کرسکتے ہیں تو اس امر کے لئے آئندہ تحریر کی تکلیف نہ اٹھاویں بلکہ جو تحریریں پہلے خوب سوچ ساچ اور گھوٹ گھاٹ کر ضبط کی ہوئی ہیں اور بعض چھپی ہوئی ہیں ان کو اور اس کے مقابلے میں خاکسار کی مطبوعہ تحریرات کو ایک مجلس میں جس میں تین منصف حسب انتخاب فریقین موجود ہوں پیش کردیں۔ اس امر کے لئے بھی مجلس میں نہ آسکیں تو وہ تحریرات غائبانہ منصفوں کے پاس بھیجی جاویں۔ پھر جو فریق ان تحریرات کی رو سے منصفوں کے اتفاق سے غالب اور حق پر ثابت ہو اسی کو باقی مسائل اور عقائد میں غالب اور حق پر سمجھا جاوے۔ دیکھو

کس آسانی سے مباحثہ ختم ہوتا ہے اور اس سے بڑھ کر اور تجویز تصفیہ کوئی کیا نکال سکتا ہے۔
اس کو بھی آپ تسلیم نہ کریں تو آپ کے حق میں بجز دعاء کیا ہوسکتا ہے؟ (ابوسعید محمد حسین)

اس خط کا جو جواب منشی صاحب نے دیا ہے اس میں تقریری مباحثہ سے (جس میں تقریر پہلے ہو اور تحریر پیچھے یا تقریر کے ساتھ ساتھ تحریر ہو) صاف انکار کیا ہے اور یہ لکھ دیا ہے کہ ''تحریر پہلے ہو اور تقریر پیچھے۔'' اور آخری جنرل رول کو قبول کر کے اس مباحثہ کی تحریرات یا کادیانی وحکیم نورالدین کے سابق مباحثہ کی تحریرات کو مجلس میں پیش کرنا بھی منظور نہیں کیا اور اس کی جگہ یہ چاہا ہے کہ ان کے اعلام حصہ دوم کو مجلس میں پیش کر کے اسی وقت اس کا جواب لیا جائے گا۔ (جو ہنوز اس طرف سے لکھا نہیں گیا اور نہ آئندہ تا اختتام رد تحریرات کادیانی لکھا جائے گا) لہٰذا خاکسار نے حسب قرارداد اپنے خط نمبر۱۱۴ کے ان کے اس خط کا کوئی جواب نہیں دیا اور نہ آئندہ ان کے کسی خط یا پیام کا جواب دوں گا۔ ہاں! تقریری مباحثہ کے لئے جب وہ چاہیں حاضر ہوں۔ جس سے اپنا مقصود ظاہر کر چکا ہوں۔

اس خط کے متعلق اپنے ناظرین اور حافظ محمد یوسف صاحب اور ان کی پارٹی منشی عبدالحق اکاؤنٹینٹ پنشنر (جس کے مکان پر منشی صاحب فروکش ہیں) اور منشی الٰہی بخش صاحب اکاؤنٹینٹ وغیرہ کو جو اس مباحثہ کے بانی یا اس کے معاون وشریک تھے چند امور کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

امر اوّل: منشی صاحب نے اس خط میں ایسی فحش گوئی کی ہے کہ اس میں عام فاسقوں کو جو بازاروں میں پھکڑ بازی کرتے ہیں پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ ایک ایسا تلازم باندھا ہے جس میں اپنے زانی یا لوطی ہونے کی خواہش ظاہر کی ہے اور اس میں اس شخص کے فعل کی مثال دکھا دی ہے۔ جس نے پرائی بدشگنی کے لئے اپنی ناک کٹا لی تھی جو لوگ درحقیقت زنا، یا لواطت کے مرتکب ہوتے ہیں وہ بھی (اگر کچھ پڑھے لکھے ہوں) اس امر کی تمنا واظہار تحریروں میں نہیں کرتے۔ آپ اس مراد کو نہیں پہنچے مگر فرط حیا اور دلیری سے اس ارتکاب کی تمنا تحریروں میں ظاہر کرتے ہیں اور اس میں خوف آخرت ننگ دنیا مواخذہ قانون عدالت کی بھی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ کادیانی نے اعلام حصہ دوم میں منشی صاحب کے اس قسم کی فحش گوئی دیکھ کر ان کو اس کام کے لئے نوکر رکھا ہے کہ وہ اشاعۃ السنۃ کو گالیاں دے کر مقابلہ کادیانی سے روکیں۔ آپ صاحبان تو اہل حدیث کہلاتے ہیں اور الہامی صوفی مشہور ہیں۔

آپ بھی کادیانی کے اس مدعاو مراد کے معاون ہوں گے؟ اوراس فحش گوئی پر بھی ان لوگوں سے علیحدہ نہ ہوں گے؟ اوراب بھی ان لوگوں کا علماء اسلام سے مباحثہ کرانا چاہیں گے؟ ان الفاظ کے فحش ہونے میں شک ہوتو اصل خط ملاحظہ کریں۔

امر دوم: اس خط میں منشی محمد احسن صاحب نے اقرار کیا ہے کہ مولوی احمد علی صاحب نے وہ خط میرے سامنے لکھا گیا ہے۔ اس سے حافظ صاحب اوران کی پارٹی منشی صاحب کے ایک اس بیان میں جھوٹے ہونے کا یقین کریں کہ تم (خاکسار) پہلی دفعہ لاہور کو بلا اجازت گئے ہو۔ کیونکہ وہ رقعہ جس میں اجازت صاف مرقوم ہے آپ کے سامنے لکھا گیا اور آپ نے کم سے کم اس کو مسلم رکھا اوراس سے منع نہ کیا۔ تو پھر اجازت میں کیا کسر رہ گئی اور بلا اجازت جانا کیونکر صحیح ہوا؟ دوسرا اس قول میں منشی صاحب کے جھوٹے ہونے کا یقین کریں جو منصف صاحب سے انہوں نے نقل کیا ہے۔ اس خط کے آپ کے سامنے لکھے جانے کے وقت منصف صاحب موجود تھے تو پھر وہ بات کیونکر کہہ سکتے تھے؟

امر سوم: منشی صاحب نے اپنی عادت لفظی نکتہ چینی کے مطابق ہمارے لفظ کبر الکبر پر یہ سوال کیا ہے کہ اس کے کیا معنی ہیں اور یہ کس زبان کا محاورہ ہے۔ ذرہ بیان فرمایا جاوے تاکہ اس ہیچ مدان کی سمجھ میں آجائے۔ اس سے حافظ صاحب اوران کی پارٹی یہ نتیجہ نکالیں کہ منشی محمد احسن عالم نہیں محض جاہل ہے اور بلحاظ علم بھی وہ بحث وخطاب علماء کے لائق نہیں۔ یہ لفظ سید العرب آنحضرت ﷺ کی حدیث کے الفاظ ہیں جو کتاب صحیح مسلم کے (جوادنیٰ اہل علم کے مطالعہ میں رہتی ہے) ص۵۵ ج۲ میں موجود ہیں اوران کے معنی ہمارے رسالہ کے ص۴۰۷ کے حاشیہ پر لکھے ہوئے ہیں۔ منشی صاحب ایسی مشہور کتاب کی حدیث کے الفاظ کو خلاف محاورہ سمجھ کران پر معترض ہوئے ہیں۔ پھر دعویٰ علم ومباحثہ علماء سے شرم نہیں کرتے۔ حافظ صاحب وہ تو شرم کو امروہہ میں چھوڑ کر پنجاب میں آئے ہیں اوراسی گالی گلوچ کے لئے کادیانی کے نوکر ہوئے ہیں۔ آپ تو ان کے اس مدّعا میں شریک نہیں ہیں۔ آئندہ آپ ان سے علیحدہ ہوجائیں اورکسی مسلمان اہل علم سے ان کے مباحثہ کرانے کا نام نہ لیں۔ اب بھی آپ ان سے علیحدہ نہ ہوئے تو ادھر سے جو سلوک ہو اس پر افسوس نہ کریں۔

(اشاعۃ السنۃ ج۱۴ نمبر۱۲ ص۳۸۱ تا ۴۱۲)

حاشیہ جات

۱ تاریخ ۷ انہ تھی بلکہ اور تھی۔ حافظ صاحب (محمد یوسف) نے جو اس میں راست گوئی کی ہے اس کی ایک خاص وجہ ہے۔ جس کو ہم ابھی ظاہر نہیں کرنا چاہتے۔ حافظ صاحب ہمارے ساتھ سیدھے ہو کر نہ چلے تو اس کو بیان کریں گے۔

۲ اس سفر پورب پر تین ضرورتیں باعث ہیں۔ اوّل: حضرت شیخنا وشیخ الکل کی ملازمت ورفاقت سفر۔ شیخ احمد اللہ صاحب رئیس اعظم رحیم آباد ضلع دربھنگہ عرصہ ایک سال سے حضرت شیخ الکل کی زیارت کے مشتاق ہیں اور خاکسار کے ذریعہ اس اشتیاق کا ایک سال سے اظہار کررہے ہیں۔ ان دنوں حضرت شیخ الکل بصد مشکل رحیم آباد تشریف لے جانے کے لئے مستعد ہوئے ہیں اور دونوں حضرت، خاکسار کی رفاقت کے بھی خواہاں ہیں۔ دوم: مسلمانوں کی عزت اور فخر مدرسہ احمدیہ آرہ کا ۲۲ رشعبان کو سالانہ جلسہ ہے۔ اس میں خاکسار بھی مدعو ہے۔ سوم: میرا ایک لڑکا عبدالرشید نامی طال اللہ عمرہ، وزاد علمہ، وطن کی تعلیم مروجہ علوم انگریزی وغیرہ کو چھوڑ کر اور اس قدر دور دراز سفر کر کے اس مدرسہ میں عربی علوم پڑھتا ہے۔ اس سفر میں اس کی تعلیم کی نگرانی بھی مدنظر ہے۔

۳ یہ نکتہ چینی منشی احمد حسن صاحب کی کاریگری ہے۔ آپ کے پاس ایک یہی ہتھیار ہے کہ صرف سہو قلم پر مواخذہ کریں جو علم وعلماء کے شان نہیں ہے۔

۴ یہ ’’دروغ گویم برروی تو‘‘ کا مصداق ہے۔ ان کے عذرات باردہ خود اسی خط میں موجود ہیں۔ جن سے ثابت ہے کہ ان کو گفتگو سے انکار ہے۔ حواشی آئندہ ملاحظہ ہوں۔

۵ وہ رقعات آپ نے پیش کیوں نہ کئے۔ اب بھی بذریعہ ڈاک ارسال کریں تاکہ آپ کا یوسف صدیق ہونا معلوم ہو۔

۶ اسی طرف کے لئے مفید ہیں کہ ان کو مباحثہ سے بچاتے ہیں۔

۷ اس پر قسم کھائیں۔ اگر سچے ہیں۔ جاتے ہوئے تو آپ میرے خط کی شروط کو مناسب مان گئے۔ اب ان کے مخالف شروط کو ضروری کہتے ہیں۔ پھر یوسف صدیق کہلاتے ہیں۔

۸ یعنی کل علماء مکفرین چنانچہ لفظ کل آئندہ کے فقرات میں موجود ہے۔ ناظرین انصاف سے کہیں۔ یہ شرط کہ کل پنجاب وہندوستان کے علماء مکفرین جمع ہوں یا ہر ایک شہر کا ایک ایک عالم اس مباحثہ

کے لئے آوے۔ عادۃً ممکن الوقوع ہے؟ ہرگز نہیں اور ممکن نہیں کہ وہ ایک متردد اور مردود خلائق اور اتفاقی کافر ومکفر سے بحث کرنے کے لئے لاہور میں جمع ہوں اور ایک چوہے کے شکار کی تمام دنیا کے شیر حرص کریں یا سارے ملک کے توپ خانہ جمع کر کے ایک پہاڑ کو اڑادیں اور اس کے نیچے سے ایک تنکا نکالیں اور ’’کوہ کندن وگیاہے برآوردن‘‘ پر عمل کریں۔

حافظ صاحب اور جملہ کادیانیو! علماء مکفرین پنجاب وہندوستان تو اب کادیانی کو اس لائق نہیں سمجھتے کہ وہ اس کو منہ لگاویں اور غائبانہ بھی اس کو مخاطب کریں۔ جب وہ اس کو کافر ٹھہرا چکے ہیں تو اب ان کو کون سا شک باقی ہے کہ وہ اس کو دور کرنے کے لئے اس سے بحث کریں اور اس بحث کے لئے جمع ہوں۔ خاکسار بھی صرف اس وجہ سے بحث کے لئے حاضر ومستعد ہوجاتا ہے کہ کادیان کے قریب رہتا ہے اور اس بحث سے صرف کادیانی کے عجز کا اظہار اور کفر کا اور اشتہار چاہتا ہے اور ’’یک گزودوفاختہ‘‘ اور سے خرگوش کے شکار کی امید رکھتا ہے۔ کادیان سے دور ہوتا تو وہ بھی صفح واعراض عمل میں لاتا۔ ناظرین بتاؤ یہ ناممکن الوقوع شرط مثل نہ نومن تیل ہوتو نہ رادھا ناچ کا مصداق ہے یا نہیں؟ اور اس سے کادیانیوں کا گریز آفتاب کی مانند عیاں وروشن ہے یا نہیں۔

۹… ناظرین! دیکھو یہ وہی شرط ہے جس پر منشی صاحب کو پہلے دن سے اصرار ہے اور ہم کو اس ناجائز شرط کی تسلیم سے انکار ہے اور اس شرط کے ساتھ بالمواجہ بحث بیکار ہے۔ پہلے سے گھر سے تحریر کر کے لانی ہوتو پھر مجلس میں اس کو پڑھنا کیا ضرور ہے۔ چھپوا کر شائع کرنے سے مجلس سے بڑھ کر اس کی اشاعت ہوجاتی ہے۔ اس شرط فاسد کے ساتھ حافظ صاحب اس رقعہ میں فرماتے ہیں کہ یہ شرطیں مفید طرفین اور نہایت ضروری ہیں اور آپ کی شروط سے موافق ہیں۔ یہ سفید جھوٹ نہیں تو کیا ہے؟ پھر حافظ صاحب کا یہ دعویٰ کہ میں یوسف صدیق ہوں۔ کیونکر مانا جاوے۔

۱۰… ناظرین! ’’دروغ گویم برروے تو‘‘ کس کو کہتے ہیں۔ اگر یہ جھوٹ نہیں ہے۔

۱۱… یہ اقرار آپ کی مہربانی میں داخل ہے۔ تھینک یو! اب اس اقرار کے ساتھ یہ اقرار بھی لازم ہے کہ ان صاحبوں نے اس مباحثہ کو ایک محال شرط سے معلق کر کے مباحثہ سے گریز وانکار کیا ہے اور اس اقرار کے ساتھ آپ کا اپنے خط میں یہ اظہار کہ وہ مباحثہ کے لئے مستعد ہیں۔ ان کو کوئی عذر نہیں۔ جھوٹ نہیں تو اس کا کیا نام رکھا جاوے اور اگر جھوٹ ہے تو آپ کو یوسف صدیق کیونکر تسلیم کیا جاوے۔

۱۲… مولوی عبدالحق صاحب مدت ہوئی حیدرآباد گئے ہوئے ہیں۔ حافظ صاحب! ان پانچ شہروں

کے حضرات مذکورین کو طلب کرنا تو مجھ پر محال نہیں؟ میری آمدنی کا لحاظ کر کے ایمان سے فرمایئے گا اگر آپ کا ایمان اس کو بھی محال قرار دے تو پھر ایمان سے یہ بھی اقرار کریں کہ اس شرط میں انہوں نے تعلیق بالمحال کر کے مباحثہ سے انکار کیا ہے۔ ورنہ آپ کے یوسف صدیق ہونے کو بٹہ لگے گا۔

۱۳ حضرت بہت اچھا! ملتوی کر دوں گا اور حکم کی تعمیل کروں گا۔ مگر وہ شرط تقدم تحریر کو چھوڑ کر مباحثہ کے لئے مستعد بھی ہوں یا یوں ہی ایک ضروری سفر موقوف کر کے اس مصرع کا مصداق بنوں ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم   نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

۱۴ اس کے سچے ہونے میں کیا شک ہے۔ ''ہر کہ شک آرد کافر گردد'' کادیانی صاحب میں حضرت مسیح کی روح نے اوتار لیا ہے اور حضرت مسیح سرد ملک کے رہنے والے تھے۔ لہٰذا ضرور ہے کہ اوتار میں بھی سردی کا تقاضا ہو۔ مگر مشکل یہ ہے کہ اس پر دو سوال وارد ہوتے ہیں۔ اوّل: یہ کہ کادیان بھی ایک گرم ملک کا کوردہ ہے اور کادیانی صاحب کے مکانات بھی تنگ و گرم ہیں اور اس گرمی کے مکافات کو وہاں برف بھی نہیں ملتی۔ برف کجا۔ بلکہ پان وغیرہ ضروریات خانگی بھی بٹالہ وامرتسر سے جاتی ہیں۔ گرمیوں کے دنوں میں تو لاہور بلکہ بٹالہ، کادیان سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ پچھلے سال بھی تو آپ مسیح کے اوتار تھے۔ پھر آپ نے تمام سال لدھیانہ، دہلی، پٹیالہ اور سیالکوٹ کے سفر میں کیونکر تمام کیا۔ اس وقت آپ کو گرمی کی تکلیف نہ ہوئی؟ حافظ صاحب! آپ میں ذرہ انصاف، حق طلبی اور راستی ہوتی تو آپ اس عذر پر ان کو صاف کہتے کہ یہ آپ کا گریز ہے کہ آپ کوروہ کادیان میں رہنے والے تمام عمر گرمیوں میں کاٹنے والے۔ یہ عذر کرتے ہیں۔ اگر ابوسعید محمد حسین (جو ہمیشہ گرمیوں میں شملہ جانے کا عادی ہے چنانچہ آپ بھی ایک فتویٰ متعلقہ میلا سالانہ میں اقرار کر چکے ہیں) یہ عذر کرتا تو وہ اس عذر میں سچا سمجھا جاتا۔ آپ کے منہ سے یہ عذر کسی وجہ سے زیبا نہیں۔ حافظ صاحب! بجائے اس کہنے کے آپ نے اپنے خط میں یہ لکھ دیا کہ ان کو مباحثہ میں کوئی عذر نہیں۔ پھر آپ کو یوسف صدیق کیونکر تسلیم کیا جائے۔

۱۵ علیحدگی کی درخواست بتا رہی ہے کہ آپ کادیان سے مایوس از مباحثہ ہو کر آئے۔ ورنہ کجا وہ شوراشوری وکجا یہ بے نمکی۔ مگر افسوس یوسف صدیق بن کر آپ نے اس انکار کو چھپایا اور رقعہ آئندہ میں انکار کا الزام الٹا مجھ پر لگایا۔

۱۶ حافظ صاحب میں نے تو نہ یہ لفظ کہا ہے اور نہ اس معنی کا کوئی اور لفظ۔ پھر آپ کا یہ کہنا ''دروغ گویم بروئے تو'' کا مصداق نہیں تو اور کیا ہے اور آپ کو یہ دعویٰ کہ میں یوسف صدیق ہوں کب زیبا ہے۔

۱۷؎ اس پیراگراف میں چند فقرات ایسے تھے جن سے حافظ صاحب کو دنیاوی نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ ہم نے بمراعاۃ دوستی قدیم وہ الفاظ کاٹ کر اس خط کو چھاپا ہے۔ وہ الفاظ پھر سہی۔ اگر حافظ صاحب سیدھے نہ ہوئے اور کادیانی کے ساتھ سے الگ نہ ہوئے۔

۱۸؎ یعنی وہ جس میں تحریر پہلے لکھ کر پیچھے پڑھی جاوے۔

۱۹؎ یعنی میری قرارداد کو منظور نہیں کرتے اور تحریری مباحثہ کو نہیں مانتے۔ یہ حافظ صاحب کا منشی صاحب کے دوستوں واہل مشورہ سے خطاب ہے۔

۲۰؎ معہذا توبہ نامہ نہیں آیا۔ لہٰذا خط چھاپا گیا ہے۔ آئندہ توبہ نامہ آ گیا تو اس کا مکافات وتدارک عمل میں آوے گا۔

۲۱؎ جب مجھے میرے نام سے پکاریں گے میں بہرا ہو جاؤں گا اور جب کہیں گے اے فلانی معشوقہ کے غلام، تو سن لوں گا۔

۲۲؎ تو نے محمد ﷺ کی ہجو (مذمت) کی ہے۔ میں اس کا جواب دیتا ہوں جس کی جزا خدا کے پاس ہے۔

۲۳؎ تو نے محمد ﷺ کی جو نیکوکار پرہیزگار ہے ہجو کی ہے۔ جو خدا کا رسول ہے۔ جس کی صفت وفاداری ہے۔

۲۴؎ سو میرے ماں باپ اور آبرو۔ آنحضرت ﷺ کی آبرو کے لئے تمہاری بدگوئی سے سپر ہیں۔

۲۵؎ جس میں آنحضرت ﷺ کے حق میں یہ گستاخانہ الفاظ مرقوم ہیں۔ ’’ہم کہہ سکتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پر ابن مریم اور دجال کی حقیقت کاملہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے موبمومنکشف نہ ہوئی ہو اور نہ دجال کے ستر باع کے گدھے کی اصلی کیفیت کھلی ہو اور نہ یاجوج ماجوج کے عمیق تہہ تک وحی الٰہی ہوئی ہو اور نہ دابۃ الارض کی ماہیت کما ہی ظاہر فرمائی گئی ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں۔‘‘

(ازالہ اوہام ص۶۹۱، خزائن ج۳ ص۴۷۳)

۲۶؎ یعنی جو قریب ہے وہ استحقاق جواب وخطاب میں قریب ہے۔

۲۷؎ بڑے کا لحاظ کر یعنی بات میں اس کو مقدم کر۔ یہ حدیث صحیح مسلم ص۵۵ ج۲ کے الفاظ ہیں۔ اس پر منشی صاحب معترض ہوئے ہیں کہ یہ کس زبان کا محاورہ ہے اور اس کے معنی کیا ہیں۔

۲۸؎ اپنے آخری خط میں اس قدر اعتراف منشی صاحب نے کر لیا ہے کہ میرے سامنے وہ رقعہ لکھا گیا۔ اس وقت منصف صاحب کے موجود ہونے سے بھی انکار نہیں کیا۔

۲۹؎ بٹالہ جانے سے انکار کیا۔

خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

قدرتی مباحثہ (لاہور)

اور

اس میں ایک حواری کادیانی کا عجز

حضرت مولانا محمد حسین بٹالویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یکم رمارچ ۱۸۹۳ء کو خاکسار بارادہ سفر پورب ریلوے اسٹیشن لاہور پر پہنچا اور ایک کمرہ میں اپنا سامان سفر رکھ کر پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگا تو ناگاہ حکیم نورالدین صاحب جمونی بھیروی تشریف لائے اور بحکم قضاء وقدر اسی کمرہ میں بیٹھ گئے۔ ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ ہمارا دوست یا حریف بھی اسی کمرہ میں بیٹھے گا اور میں نے بھی اس خوف سے کہ مبادا حکیم صاحب مجھے دیکھ کر اس کمرہ سے انتقال کریں اس امر کو چھپایا اور بروانگی گاڑی تک پلیٹ فارم پر ٹہلتا رہا۔ جب روانگی کا وقت قریب پہنچا تو میں داخل ہوا اور جاتے ہی حکیم صاحب کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا کہ حکیم صاحب آپ کا مزاج اچھا ہے۔ یہی میرا اسلام تھا اور ایسا ہی غیر مسلم آشناؤں سے ملنے کا میرا دستور ہے۔ اس کے بعد میں نے اپنا ایک خواب یا بیداری کا ایک خیال بیان کیا۔ جو اسی شب یا اس سے پہلے روز وقوع میں آیا تھا کہ میں نے چاہا تھا کہ حکیم صاحب کے مسکن بھیر جاؤں اور ان کو تبلیغ احکام اسلام ودعوت عقائد اسلامیہ کروں۔ مگر مجھے اس سے یہ خوف مانع ہو گیا کہ مبادا ان کے مکان پر میرے لئے اور کوئی فتنہ پیش آجائے۔ اس وقت جو آپ اس کمرہ میں رونق افروز ہوکر میرے پاس بیٹھے ہیں تو یہ واقعہ میرے اس خواب یا خیال کی تعبیر ہے۔ اس کے بعد میں نے کہا کہ کمال افسوس کا مقام ہے کہ آپ سے ہمارا کئی وجہ سے اتحاد وتعلق تھا۔ اسلام وحدت مذہب محدثانہ، دوستی، ہم وطنی وغیرہ۔ مگر مرزائی عقائد کے اختلاف سے وہ اتحاد وتعلق قطع ہوگیا اور ''تقطعت بهم الاسباب'' کا مضمون صادق آیا۔ اس کو حکیم صاحب نے بھی تسلیم کیا اور اس پر افسوس ظاہر فرمایا۔ اس کے بعد میں نے کہا کہ حکیم صاحب مدت سے میں اس امر کا خواہاں تھا کہ ہماری آپ کی بالمشافہ گفتگو ہو اور مباحثہ جو ۱۴ راپریل ۱۸۹۱ء کو بمقام لاہور شروع ہوکر ناتمام رہ گیا ہے پورا ہو۔ مگر ناجائز شروط نے جو آپ کی طرف سے ہوتی رہی ہیں یہ موقع آنے نہ دیا۔ اب جو حسب اتفاق ہمارا اور آپ کا ایک جگہ جمع ہونا میسر ہوا ہے اب آپ اجازت دیں تو میں اس گفتگو کو پورا کروں۔

حکیم صاحب: ہاں! شروع کیجئے۔

خاکسار: اس مباحثہ میں میرے سوال نمبر۲۳ کے جواب میں آپ نے اس امر کو تسلیم کرلیا ہوا ہے کہ احادیث میں جہاں لفظ ابن مریم آیا ہے اس کی نسبت مجھے یہ علم نہیں کہ صحابہ اس لفظ سے عیسیٰ نبی اللہ کو مراد سمجھتے تھے یا کسی مثیل ابن مریم کو اور میرے آٹھویں سوال کے جواب میں آپ پہلے تسلیم کر چکے ہیں کہ الفاظ قرآن وحدیث کے ظاہری معنی مراد لینا واجب ہے۔ جب تک کہ ان ظاہری معانی سے کوئی مانع قطعی نہ ہو اور یہ بات بھی مسلم کل ہے کہ لفظ ابن مریم کے ظاہری معنی عیسیٰ ابن مریم کے ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن میں اس لفظ سے صحابہ کا اسی معنی کو سمجھنا آپ نے سوال نمبر۲۳ کے جواب میں تسلیم کرلیا ہے۔ اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ حدیث کے لفظ ابن مریم کے بھی عیسیٰ نبی اللہ کے معنی مراد ٹھہرانا واجب ہے اور یہی معنی صحابہ نے سمجھے ہیں۔ پھر آپ اس لفظ حدیث سے مثیل ابن مریم کیوں مراد سمجھتے ہیں؟ اس کے حقیقی وظاہری معنی سے آپ کی نظر میں کون سا مانع قطعی ہے۔

حکیم صاحب: سکوت ''کأن علے راسہ الطیر''

خاکسار: شاید آپ حدیث کے اس لفظ کے ظاہری وحقیقی معنی مراد لینے سے اس امر کو مانع قطعی سمجھے ہوں گے کہ آپ کے نزدیک قرآن سے حضرت مسیح کی قطعی وفات ثابت ہے اور یہ خیال کرتے ہوں گے جب وہ مرچکے ہیں تو پھر اس حدیث سے (جس میں مسیح ابن مریم کے آنے کی خبر ہے) بجز مثیل مسیح کیا مراد ہوسکتا ہے؟

حکیم صاحب: ہاں! میری یہی ایک دلیل ہے جو اس لفظ سے حقیقی اور ظاہری معنی مراد نہ ہونے سے قطعی مانع ہے۔

خاکسار: حضرت مسیح کے فوت ہوجانے پر کون سی قطعی دلیل ہے۔

حکیم صاحب: آیت: ''یا عیسیٰ انی متوفیک رافعک الیّ ''یعنی اے عیسیٰ میں تجھے وفات دینے والا ہوں۔ پھر اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔ حضرت عیسیٰ کے رفع کو تو آپ بھی مانتے ہیں۔ پس چاہئے کہ ان کی وفات کو بھی مان لیں۔ کیونکہ آیت میں ''توفی'' کا ذکر پہلے ہوا ہے اور رفع کا ذکر پیچھے ہوا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ''توفی'' پہلے ہوئی ہے اور ''دفع'' پیچھے۔ اس کی نظیر وہ آیت قرآن ہے جس میں افعال حج

کے بیان میں خداتعالیٰ نے صفا پہاڑ کے طواف کا ذکر پہلے کیا اور مروہ کے طواف کا پیچھے کیا تو اس سے آنحضرت ﷺ نے سمجھ لیا کہ شروع طواف صفا سے چاہئے اور آپ نے صاف فرمادیا کہ ’’ابدأ وابما بدأ اللہ‘‘ یعنی تم اسی پہاڑ سے طواف شروع کرو۔ جس کا ذکر خدا نے پہلے کیا ہے۔

خاکسار: (اپنا بیگ کھول کر اور اس میں سے اشاعۃ السنۃ نمبر الغایت ۴ جلد ۱۴ نکال کر) اوّلاً تو اس آیت میں کسی دلیل سے توفی کے معنی وفات کے متعین و متیقن نہیں ہیں اور نہ لغت عربی میں توفی معنی وفات کے لئے مخصوص ہے۔ لہٰذا جائز و ممکن ہے کہ اس آیت میں توفی سے حضرت مسیح کا زندہ اٹھایا جانا مراد ہو اور وہی مراد لفظ رفع سے ہو۔ چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں: ’’ان التوفی ھو القبض یقال وفانی فلان دراھمی واوفانی وتوفیتھا منه کما یقال سلم فلان دراھمی الی وتسلمتھا منه وقد یکون ایضاً توفی بمعنی استوفے وعلی کلا الاحتمالین کان اخراجه من الارض واصعادہ الی السمآء توفیاله فان قیل فعلی ھذا الوجه کان التوفے عین الرفع الیه فیصر قوله رافعک الیّ تکرار قلنا قوله انی متوفیک یدل علے حصول التوفی وھو جنس تحته انواع بعضھا بالموت وبعضھا بالاصعاد الی السمآء فلما قال بعد ورافعک الیّ کان ھذا تعیینا للنوع ولم یکن تکرارًا (تفسیر کبیر ج۲ ص۶۹۰)‘‘ توفی کے معنی قبض کرنا ہے۔ عرب کے یہ محاورات ہیں: ’’وفانی فلان دراھمی واوفانی وتوفیتھا منه‘‘ یعنی فلاں شخص نے میرے دراہم میرے قبضہ میں دے دیئے اور میں نے اس سے قبض کر لئے۔ جیسے یہ محاورات ہیں۔ ’’سلم فلان دراھمی الیّ وتسلمتھا منه‘‘ یعنی فلاں شخص نے میرے دراہم میرے سپرد کئے اور میں نے اس سے لے لئے اور کبھی ’’توفی بمعنی استوفی‘‘ آتا ہے۔ یعنی پورا لینے کے معنی میں ان دونوں معنی (قبض کرنے اور پورا لینے) سے حضرت مسیح کو زمین سے نکال کر آسمان پر چڑھا لے جانا ان کی توفی ہے۔ اس پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ان معنی کی نظر سے توفی بعینہ رفع جسم ہوا۔ لہٰذا ’’متوفیک‘‘ فرمانے کے بعد ’’رافعک

الیّ ‘‘ کہنا تکرار بلا فادہ بنتا ہے۔ (جس سے خدا کی شان پاک ہے) اس کا جواب یہ ہے کہ متوفیک فرمانے سے صرف قبض کرنا معلوم ہوا جو ایک جنس اور عام مفہوم ہے اور اس کے نیچے کئی انواع واقسام پائے جاتے ہیں۔ پھر جب متوفیک فرمانے کے بعد ورافعک فرمادیا تو اس سے اس جنس کے ایک نوع کا تقرر ہو گیا اور تکرار لازم نہ آیا۔

ایسے ہی قاموس، صحاح، صراح، مجمع البحار کتب لغات اور بیضاوی وغیرہ تفاسیر میں لفظ توفی کے معنی بیان کئے ہیں اور ثانیاً فرض کیا اور بطور تنزل مان لیا کہ یہاں توفی سے موت کے معنی مراد ہیں تو بھی حرف واو کے ساتھ توفی کا رفع سے پہلے مذکور ہونا اس امر کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ اس کا وقوع پہلے ہوا ہے۔ کیونکہ حرف واو قرآن اور عام عرب کے محاورہ میں مطلق وجمعیت کے لئے ہے۔ جس سے سابق (پہلے) لاحق (پچھلے) اور مقارن (ساتھ والی) کا عطف ہوتا ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ اس میں ترتیب کا لحاظ ہو۔

چنانچہ قاموس میں کہا ہے:’’ قالوا والمفردة اقسام الاولی العاطفة فتعطف الشئ علے مصاحبه فانجیناه واصحاب السفینة وعلی سابقه ولقد ارسلنا نوحاً وابراهیم وعلے لاحقه وکذلک یوحی الیک والی الذین من قبلک (قاموس) ‘‘’’واو ‘‘ مفرد کئی قسم ہے ایک عاطفہ جس کے ذریعہ سے کبھی ایک چیز کو دسرے کے ساتھ ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ جیسے قرآن میں نوح کے ساتھ کشتی والوں کا نجات پانا بیان ہوا ہے۔ کبھی پہلی چیز کا پہلے ہونا اور پچھلی کا پیچھے ہونا۔ جیسے نوح اور ابراہیم علیہما السلام کے رسول ہونے کا بیان کبھی پچھلی چیز کے پہلے اور پہلی چیز کے پیچھے ہونے کا بیان جیسے خدا تعالیٰ کا فرمانا کہ ہم نے تیری طرف وحی کی اور تجھ سے پہلوں کی طرف بھی۔ یہاں پہلوں کا ذکر پیچھے ہوا اور آنحضرت ﷺ کا جو پیچھے ہوئے پہلے ذکر ہوا۔

ایسے ہی شرح ملّا اور مختصر معانی میں ’’واو ‘‘ کے معنی بیان کئے ہیں۔ لہٰذا اس ’’واو ‘‘ سے ہرگز یقیناً سمجھ میں نہیں آتا کہ توفی پہلے ہوئی ہے اور رفع پیچھے۔ آنحضرت ﷺ نے جو صفا سے طواف شروع کرنے کا حکم کر دیا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ آپ ﷺ نے قرآن میں صفا کے پہلے اور مروہ کے پیچھے مذکور ہونے سے حکم طواف میں صفا کا مقدم ہونا نکال لیا

ہے۔ اس وجہ پر کوئی شہادت آپ ﷺ کی کلام میں پائی نہیں جاتی بلکہ اپنے حکم الٰہی اور وحی خفی سے یہ حکم دیا ہے کہ جس پہاڑ کا خدا نے پہلے ذکر کیا ہے۔ اسی سے طواف شروع کرنا چاہئے اور یہ حکم بھی خاص اسی موقع کے لئے دیا ہے۔ یہ عام حکم نہیں دیا کہ جو پہلے مذکور ہو اس کو حکم میں مقدم سمجھا کرو بلکہ اس کے برخلاف جو چیز قرآن میں پیچھے مذکور ہے اس کو مقدم کیا ہے۔ دیکھو آیت میراث میں قرض کا ذکر وصیت سے پیچھے ہوا ہے مگر وہ حکم ادائے میں وصیت سے مقدم ہے اور بہت سے واقعات قرآن کا ذکر پیچھے ہوا ہے۔ مگر وجود میں وہ مقدم ہیں۔

(اشاعۃ السنۃ نمبر۳ جلد۱۴ ص۹۱، لغایت ۹۴ ملاحظہ ہو)

حکیم صاحب: اگر توفی کا وقوع رفع سے پیچھے ہوا تھا تو خدا تعالیٰ نے اس آیت میں توفی کو پہلے ذکر کیوں کیا۔ خدا تعالیٰ کا کلام عبث اور خالی از حکمت تو نہیں ہے۔

خاکسار: ممکن ومحتمل ہے کہ حضرت عیسیٰ کو مخالفین کی پکڑ اور قتل اور ایذاء کا خوف واندیشہ ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لئے یہ لفظ پہلے فرما دیا۔ جس سے (اس فرضی صورت میں کہ توفی سے وفات مراد ہو) یہ جتایا کہ اے عیسیٰ تجھے لوگ نہیں ماریں گے۔ ہم تجھے تیری اپنی موت سے ماریں گے۔ چنانچہ کادیانی نے بھی ازالہ کے ص۳۴۲، خزائن ج۳ ص۲۷۲ میں متوفیک کے یہ معنی کئے۔ پھر اس قتل اور ایذاء کے فکر سے مطمئن کر کے فرمایا کہ ہم تجھے آسمان پر اٹھالیں گے۔

حکیم صاحب: پکڑ اور قتل وایذاء کے خوف کا کہاں ذکر ہے۔

خاکسار: یہ ذکر انجیل میں صاف وارد ہے جس کی تصدیق قرآن وحدیث میں موجود ہے۔

ابن جریر نے کعب احبار سے بسند صحیح نقل کیا ہے: ''واخرج ابن جریر بسند صحیح عن کعب قال لمارائ عیسٰی قلۃ من تبعہ وکثرۃ من کذب شکی ذلک الی اللہ فاوحی اللہ الیہ انی متوفیک ورافعک الیّ وانی سابعثک علی الاعور الدجال فتقتلہ ثم تعیش بعد ذالک اربعًا وعشرین سنۃ ثم امیتک میتۃ الحی قال کعب ذلک تصدیق حدیث رسول اللہ ﷺ حیث

قال کیف تھلک امة انافی اوّلھا وعیسٰی فی اٰخرھا (درمنثور)‘‘ کہ جب حضرت عیسیٰ نے اپنے پیرواں کی کمی اور جھٹلانے والوں کی کثرت کی خدا کے پاس شکایت کی تو اللہ نے ان کی طرف وحی کی کہ میں تجھ کو وفات دوں گا اور اپنی طرف اٹھالوں گا۔ میں تجھے عنقریب قتل دجال کے لئے بھیجوں گا۔ پھر تو اس کے بعد چوبیس سال زندہ رہے گا۔ پھر تجھے اور زندوں کی موت ماروں گا۔ کعب نے کہا اس کی تصدیق رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث میں ہے کہ وہ امت کیونکر ہلاک ہو جس کے اوّل میں ہوں اور آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

اور قرآن کی آیات جن میں ذکر ہے:’’ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین (آل عمران) وما قتلوہ وما صلبوہ ولا کن شبہ لھم (النسآء)‘‘ کہ یہودیوں نے حضرت مسیح کے قتل کی تدبیر کی، خدا تعالیٰ بچانے کی تدبیر کی اور ذکر ہے کہ انہوں نے اس کو نہ قتل کیا اور نہ صلیب پر چڑھایا۔ بلکہ ان کو شبہ پڑ گیا۔ یہی اس مضمون انجیل کے مصدق ہیں۔

حکیم صاحب: اس حدیث سے استدلال کرنا آپ کی شان نہیں ہے۔ کیا یہ آنحضرت ﷺ کی حدیث ہے۔ یہ تو کعب احبار کا قول ہے۔

خاکسار: میں مستدل نہیں ہوں کہ اس خوف کے ثبوت میں آنحضرت کی مرفوع اور اتفاقی صحیح حدیث کا پیش کرنا میرا فرض ہو۔ میں تو آپ کے دعوے کا مانع ہوں اور منع کی سند میں خوف قتل کو اور اس کی تقویت کے لئے حدیث کعب احبار کو لایا ہوں۔ آپ اس کو نہیں مانتے تو آپ کا فرض ہے کہ اس احتمال کو بدلیل اٹھادیں۔ میرا یہ فرض نہیں کہ میں اس احتمال کو بدلیل ثابت کروں بلکہ میرے لئے یہ احتمال پیدا کرنا کہ حضرت عیسیٰ کو قتل کا خوف ہوگا۔ جیسا کہ ظاہر قرآن اور اس قول کعب سے مفہوم ہوتا ہے۔ تب ہی خدا تعالیٰ نے ان کو تسلی دینے کے لئے متوفیک کا لفظ پہلے فرمادیا۔ آپ مستدل ہیں اور اس آیت سے حضرت مسیح کا فوت ہونا نکالتے ہیں اور لفظ ’’متوفیک‘‘ کے پہلے ذکر ہونے سے رفع سے پہلے توفی کے واقع ہونے کے مدعی ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر توفی رفع سے پہلے نہ ہوتی تو اس آیت میں توفی کا ذکر پہلے اور رفع کا پیچھے ہونا عبث اور خالی از فائدہ ہے اور یہ احتمال کہ آپ کو خوف قتل اعداء تھا۔ اس

لئے آپ کو تسلی دینے کے لئے لفظ توفی کو پہلے ذکر کیا۔ فلاں دلیل سے مدفوع ہے اور لائق قبول نہیں ہے۔ لہٰذا آپ ہی کا فرض ہے کہ آپ پہلے لفظ توفی کا معنی موت کے لئے مخصوص ہونا کسی قطعی دلیل سے ثابت کریں۔ پھر رفع سے پہلے توفی کا وقوع کسی قطعی دلیل سے ثابت کریں۔ اس کی دلیل جو آپ نے یہ پیش کی ہے کہ اگر توفی کا وقوع رفع کے بعد ہو تو آیت میں توفی کا ذکر رفع سے پہلے عبث اور خالی از فائدہ ہے۔ اس کے مقابلہ میں ہمارے اس احتمال کو کہ جائز ہے کہ فوت قتل سے مسیح کو تسلی دینے کے لئے توفی کو مقدم کیا ہو۔ دلیل سے اٹھادیں نہ یہ کہ ہم سے اس احتمال کی مؤید قطعی کی دلیل اور آنحضرت ﷺ کی حدیث پوچھیں۔

حکیم صاحب: مجھے اس بحث سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ آپ اس بحث کو جانے دیں۔

ناظرین! غور کرو اور داد انصاف دے کر کہو۔ حکیم صاحب کس عذر پر اڑے اور پھر اتمام حجت کے بعد کیونکر بحث سے ساکت وعاجز ہوئے۔ اے ناظرین! کیا حضرت مسیح کا یہودیوں سے قتل وایذاء کا خائف ہونا۔ ناظرین انجیل وقرآن وحدیث وتفسیر پر مخفی ہے اور کیا اس امر میں حکیم صاحب کو کچھ شک ہے۔ ہرگز نہیں۔ ان کو یہ شک کیونکر ہوسکتا ہے۔ جس حالت میں کادیانی کا ازالہ اس خوف کو بیان کررہا ہے۔ اس نے تو اس خوف کو اس تک پہنچادیا کہ مسیح کا صلیب پر چڑھایا جانا مان لیا اور آیت: ’’انی متوفیک ‘‘ کا اشارہ اس طرف بتایا کہ حضرت مسیح نے سمجھ لیا کہ اب میں صلیب پر مرا اور یہ کہہ دیا کہ ’’ایلی ایلی لما سبقتنی ‘‘ تب مارنے ان کو وعدہ دیا کہ تو ان کے ہاتھ سے نہیں مرے گا اور یہ قول فرمایا ان کے (ازالہ ص۳۴۲،۳۹۴، خزائن ج۳ ص۲۷۴،۳۰۳) ملاحظہ ہو۔ مگر حکیم صاحب نے اس وقت ہٹ دھرمی سے کام لیا اور اپنے اعتقاد و کانشنس خلاف کر کے ایسی بات کہی جو ان کے اعتقاد کے مخالف تھی اور یہ بات جو بے سوچے ان کے منہ سے نکل گئی تو اس کی پچ کرتے چلے گئے اور آخر دندان شکن جواب پاکر مباحثہ سے عاجز ہوئے۔ یہ وہ حکیم صاحب ہیں جن کو کادیانی مجمع علوم عقلی نقلی بتاتا ہے اور ان ہی کی اندرونی مدد سے کتابیں ورسائل لکھتا ہے۔ آپ احادیث کے لفظ ابن مریم سے اس کے حقیقی ظاہری مراد ہونے پر جس وفات مسیح کو قطعی دلیل ٹھہرا چکے تھے اس کا قطعی ثبوت اس آیت سے نہ دے سکے اور موقوفی بحث کے خواستگار

ہوے۔اسی گفتگو کی اثناء میں نماز کا وقت آ گیا۔حکیم صاحب نے فرمایا نماز مل کر پڑھیں۔ آپ تو میرا اقتداء نہیں کریں گے۔ میں آپ کا مقتدی بنتا ہوں۔آپ نماز پڑھا دیں۔ خاکسار نے نماز پڑھائی اور گفتگو سابق کے قطع ہو جانے کے بعد دوسرے پہلو میں گفتگو کی۔

خاکسار: مسائل کی بحث آپ نہیں کرتے تو اتنا تو بتادیں کہ کادیانی صاف اور صریح جھوٹ کیوں بولتا ہے۔ایک بات اپنی کتاب میں لکھتا ہےاور پھراس سے صاف منکر ہو جاتا ہے۔ایک جگہ ایک بات لکھتا ہے دوسری جگہ اس کا خلاف بیان کرتا ہےاور یہ اقرار نہیں کرتا کہ پہلے جو میں نے اس کا خلاف کیا ہےاس سے اب میں نے رجوع کیا ہےاوراس میں مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔اس کی مثال ایک یہ ہے کہ (فتح اسلام ص۵۴،خزائن ج۳ص۳۲،۳۳) میں کادیانی نے لیلتہ القدر سے رات مراد ہونے سے صاف انکار کیا ہےاور پھراپنے (ازالہ ص۴۲۰،۴۲۱،خزائن ج۳ص۳۲۰) میں اس انکار سے انکار کردیا ہے۔

دوسری مثال (توضیح المرام ص۱۷،خزائن ج۳ص۵۹) میں انہوں نے آنے والے مسیح کے نبی ہونے سے انکار کیا ہےاور (ازالہ ص۵۳۳،خزائن ج۳ص۳۸۶) میں اپنے آپ کو مسیح قراردے کر نبی بھی کہا ہے۔

تیسری مثال توضیح المرام میں نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور بعض اشتہارات وتقریرات میں ادّعائے نبوت سے انکار کیا ہے۔

چوتھی مثال (ازالہ ص۶۷۳،خزائن ج۳ص۴۶۳) میں آیۃ: ''**ومبشراً برسول یأتی من بعدی اسمه احمد**'' کواپنے حق میں بشارت ٹھہرایا ہےاور آنحضرتﷺ کے حق میں اس کی بشارت ہونے سے انکار کیا ہے۔اب (وساوس ص۴۲،خزائن ج۵ص۴۲) میں اس آیت کوآنحضرتﷺ کے حق میں بشارت قراردیا ہےاوراس ہرایک متعارض بات کواصل کتابوں سے نکال کرحکیم صاحب کواس وقت دکھادیا۔

حکیم صاحب: میں نے ان باتوں کومرزاصاحب کی تصانیف میں نہیں دیکھا۔اب ان باتوں کوان سے پوچھوں گا اور اس تعارض کی وجہ دریافت کروں گا اور فرمایا کہ میں

مرزا صاحب کی تصانیف نہیں دیکھا کرتا۔ میں تو صرف ان کا چہرہ دیکھا کرتا ہوں اور اسی سے سبق حاصل کرتا ہوں۔

خاکسار: یہ بات محض غلط یا کذب ہے۔ ان کی کتابوں وتصانیف کو آپ کا نہ دیکھنا کیا معنی رکھتا ہے۔ کادیانی جو لکھتا ہے آپ کا بتایا ہوا ہے۔ مضمون آپ کا ہے عبارت اس کی آپ اس کے چہرہ سے سبق حاصل کرنے کے مظہر میں یہ بھی کذب ہے۔ آپ کادیانی کے مرید نہیں پیر ہیں اور آپ نے یہ مکر کیا ہوا ہے کہ ان کو پیر اور اپنے آپ کو مرید مشہور کر رکھا ہے۔ دراصل پیر ومرشد آپ ہیں وہ آپ کے مرید وشاگرد ہیں۔ آپ قدیم سے نیچری خیالات رکھتے تھے اور اس قسم کے خیالات پسند کرتے ہیں اور سرسید کی تصانیف کے شائق وعاشق وناظر تھے۔ آپ نے کادیانی کی تصانیف براہین احمدیہ وسرمہ چشم آریہ میں اسی قسم کی تاویلات کو دیکھا اور ساتھ ہی اس کے اسکا دعویٰ الہامات وکرامات دیکھا تو آپ نے یہ سمجھا کہ اس کے ذریعہ سے مذہب نیچری خوب پھیلے گا۔ پس آپ کادیان میں پہنچے اور اسی سے یہ ٹھہرا لیا کہ تم پیر بنو میں مرید بنتا ہوں۔ مسائل اور کتابوں کے عبارات وحوالہ جات میں بتایا کروں گا۔ ان کی عبارت آرائی آپ کریں اور مذہب نیچری کو خوب پھیلا دیں۔ کادیانی پہلے سے لامذہب اور نیچری تھا۔ اس نے اس امر کو غنیمت سمجھا اور یہ طریق اختیار کیا۔ آپ اس کو القاء والہام کرتے ہیں۔ وہ آپ کو کچھ الہام نہیں کرتا۔ اب بھی اس کو کوئی نہ کوئی الہام کرنے چلے ہیں۔ باہر آپ کا وہ کہنا کہ میں اس کے چہرہ سے سبق لیتا ہوں کذب نہیں تو کیا ہے؟

حکیم صاحب: حیران متحیر ہو کر یہ بات غلط ہے۔

خاکسار: آپ غلط کہیں میرا تو یہی خیال ہے۔ جس پر دلیل ظاہر حال ہے۔

اس پر حکیم صاحب ساکت ہوئے۔ اتنے میں امرتسر کا اسٹیشن آ گیا تو حکیم صاحب گاڑی سے اتر کر دوسری گاڑی میں سوار ہو کر کادیان کو گئے اور خاکسار اسی گاڑی میں پورب گیا۔ مباحثہ ختم ہوا۔ اب ناظرین اس سے نتائج خود نکال لیں۔

(اشاعۃ السنۃ ج۱۴ نمبر۱۲ ص۴۱۳ تا ۴۱۶)

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

میر ناصر نواب صاحب دہلوی

خسر کادیانی کی نظم

میر ناصر نواب صاحب دہلوی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ نظم میر صاحب نے اس زمانے میں تالیف کی تھی جس میں خاکسار کادیانی پر بنظر امکان حسن ظنی رکھتا تھا اور میر صاحب ان سے بدظن تھے اور مجھے بدظن کر رہے تھے۔ جس کا وہ اپنی تحریر ملحقہ (وساوس ص۳، خزائن ج۵ ص۶۳۹) میں اقرار کر چکے ہیں۔ یہ نظم مدت ہوئی کہ میر صاحب نے مجھے چھاپنے کو دی تھی۔ مگر میر صاحب کی تلون طبع کے سبب میں نے ان کی مدح اور جرح کو مساوی سمجھ کر اس کو نہ چھاپا۔ اب جو میر صاحب نے اپنی تحریر مذکور میں کادیانی کی خارج از حد تعریف کی ہے اور یہ بات کہی ہے کہ میں اشاعۃ السنۃ کے دھوکہ میں آکر کادیانی سے منحرف اور بداعتقاد ہوگیا تھا۔ اس لئے اس نظم کو چھاپنا اس غرض سے مناسب سمجھا کہ میر صاحب اپنی اس تعریف کا اس نظم سے مقابلہ کریں اور ایمان کو، انصاف کو پیش نظر رکھ کر کہیں کہ کادیانی سے وہ منحرف اور غیر معتقد اشاعۃ السنۃ کو دیکھ کر ہوئے ہیں یا قدیم سے منحرف تھے اور یہ بھی کہیں اور اگر اب ان کے نزدیک کادیانی ولی مہدی اور مسیح موعود ہے تو پھر اس نظم کا مصداق کون ہے؟ یہ نظم طویل ہے۔ ہم اس کا انتخاب چھاپتے ہیں۔ میر صاحب فرماتے ہیں:

مثنوی درحالات مکاری اہل زمانہ

بعد ازیں یہ عرض ہے اے مسلمین آج دنیا میں کہیں تقویٰ نہیں
ہیں دغا میں آج کل سرگرم لوگ سینکڑوں دنیا میں اب پھیلے ہیں روگ
ہیں دواؤں کے کسی جا اشتہار کہہ کے گل، لوگوں کو دے دیتے ہیں خار
شہد کہتے ہیں مگر دیتے ہیں سیم جاہلوں کو رات دن دیتے ہیں دم
ظاہری اور باطنی دکاندار خلق کو کرتے ہیں دھوکہ سے شکار
حافظ و حاجی بہت پھرتے یہاں حال ہے جن کا زمانہ پر عیاں

قبر کا کوئی مجاور ہے بنا
ہے کوئی زائر بنا اجمیر کا

ٹڈی دل کی طرح نکلے ہیں فقیر
مارے مارے پھرتے ہیں حضرات و پیر

ہے کہیں نوٹس بزرگی کا لگا
آؤ لوگو ہم پر ہے فضل خدا

ہو ہمارے فضل میں تم بھی شریک
ہم تمہیں دیں فیض تم دو ہم کو بھیک

مال و دولت اور بیٹے پاؤ گے
گر بجا خدمت ہماری لاؤ گے

تم پھلو پھولو گے دشمن ہوں گے خوار
تم پہ رحمت ان پہ ہو گی حق کی مار

مال جو دے وہ[1] مرید خاص ہے
اس کے دل میں بالخصوص اخلاص ہے

جو نہ دے کچھ مال وہ کیسا مرید
شمر اس کو جان لو یا ہے یزید

ہے مریدی واسطے پیسوں کے اب
ہائے دنیا میں پڑا ہے یہ غضب

ہر گھڑی ہے مال داروں کی تلاش[2]
تا کہ حاصل ہو کہیں وجہ معاش

کوئی مل جائے جو دولت کا سبب
ایک دم میں ہوں دل در پاک سب

قرض سے ایک دفعہ ہو جائے نجات
گو ملے صدقہ کہ مل جائے زکوٰۃ

ہو یتیموں ہی کا یا رانڈوں کا ہو
رنڈیوں[3] کا مال بھانڈوں کا ہو

کچھ نہیں تفتیش سے ان کو غرض
حرص کا ہے اس قدر ان کو مرض

آج کل مکار ایسے پیر ہیں
ان کے حال و قال بے تاثیر ہیں

کچھ نہ صحبت میں اثر نے بات میں
ڈالتے ہیں ہم کو وہ آفات میں

رہ گئے دنیا میں اب ظاہر پرست
دن بدن ہیں دین میں ہم لوگ پست

اور کہیں تصنیف کے ہیں اشتہار
یہ ہی لوگوں نے کیا ہے روزگار

پیشگی قیمت[4] مگر لیتے ہیں وہ
خلق کو اس طرح دم دیتے ہیں وہ

بعض کھا جاتے ہیں قیمت سب کی سب
اس طرح کا پڑ گیا یار و غضب

قیمتیں کھا کر نہیں لیتے ڈکار
جیسے آتا تھا کہیں ان کا ادھار

جو کوئی مانگے وہ بے ایمان ہے
وہ بڑا ملعون اور شیطان ہے

بدگمانی کا اسے آزار ہے
سارے بدبختوں کا وہ سردار ہے

ایک تو پلہ سے اس نے زر دیا
دوسرے بدنام اپنے کو کیا

کھا گیا جو مال وہ اچھا رہا
کچھ گھٹا اس کا نہ ہرگز اتقاء

چیز کی اپنی کرے تعریف جو
جاننا اس کو نہ تم مردوں کو

مشک کی خوشبو تو خود اڑتی ہے یار
مالک دکان دے گو اشتہار

آم اور حنظل تو ہوتے ہیں جدا
جو نہ جانے ہے وہ اندھا عقل کا

آج دنیا مکر سے لب ریز ہے
اب دغا بازی میں ہر اک تیز ہے

کھا کے میٹھا دیتے ہیں کھٹا دہی
کچھ نہیں پرتیت دنیا کی رہی

بدمعاش اب نیک از حد بن گئے
بو مسیلم آج احمدﷺ بن گئے

عیسیٰؑ دوراں بنے دجال ہیں
ہر طرف مارے انہوں نے جال ہیں

ظاہری افعال ان کے نیک ہیں
سارے عالم میں وہ گویا ایک ہیں

عالم و صوفی ہیں اور شب خیز ہیں
مال پر لوگوں کے دندان تیز ہیں

ہر طرح سے مال ہیں وہ نوچتے
ہیں یہی تدبیر ہر دم سوچتے

جس طرح ہو مال کچھ کھا جایئے
کچھ نیا اب شعبدہ دکھلایئے

عقل کا اندھا کوئی ہووے مرید
گانٹھ کا پورا کوئی ہووے مرید

ہو کوئی کیسا ہی گرچہ بدمعاش
میوۂ زر کی وہ دے دے ان کو قاش

پھر تو وہ مقبول رحمٰن ہے ضرور
ان کے دل کو اس نے پہنچایا سرور

متقی ان کو نہ دے تو ہے شقی
جو شقی دے ان کو وہ ہے متقی

ہیں امیروں سے بڑھاتے میل[۴] جول — کر کے تعریفیں اڑا لیتے ہیں مول
جو کوئی دے ہاتھ کر دیں گے دراز — اس قدر ہے ان کے دل میں حرص و آز
لیتے دم کرتے نہیں چون و چرا — وہ روا ہو مال یا ہو ناروا
ہیں امیر اور لیتے ہیں صدقہ زکوٰۃ — دینداری کی نہیں ہے کوئی بات
علم ہے دنیا کمانے کے لئے — دولت دنیا ہے کھانے کے لئے
دل میں اپنے منفعل ہوتے نہیں — ہنستے رہتے[۵] ہیں کبھی روتے نہیں
غیظ میں بدمست ہو جاتے ہیں وہ — اپنی چالاکی پہ اتراتے ہیں وہ
اپنی تعریفوں سے بھرتے ہیں کتاب — آیت قرآن ہیں گویا ان کے خواب
نیک رکھتے ہیں گمان وہ نفس پر — ابلہی کا ہے یہی ان کا اثر
گر کوئی روکے تو ہوتے ہیں خفا — دشمن اپنا جانتے ہیں برملا
سینکڑوں کرتے ہیں گو وعدے خلاف — کم نہیں ہوتے مگر لاف و گزاف
ہے اسی دن کے لئے منطق پڑھی — ہے اسی تدبیر سے عزت بڑی
بات کو ہوتی ہے گنجائش بہت — حیلہ سازی میں ہے آسائش بہت

دیگر

مہدیئے وقت ہے کوئی مشہور — کوئی بنتا ہے عیسیٰ دوران
نہ عیاں اس میں عیسوی برکت — نہ ہدایت کا اس میں نام ونشان
نیک سب اٹھ گئے زمانہ سے — ما بقی میں نہیں رہی ہے جان
حب دنیا نے گھیر رکھا ہے — ہے بہت ہی ضعیف اب ایمان
بدعتوں کی بہت ترقی ہے — حد سے باہر ہے کفر اور عصیان
نہیں آتا نظر کہیں اخلاص — ہیں دکھاؤں میں لوگ سرگردان

حبّ مولا جہان سے ہے معدوم
حرص دنیا میں پھنس گئے انسان

نہ بچا اس سے مولوی کوئی
نہ کسی اہل دل کو اس سے امان

نہ فقیروں میں صبر باقی ہے
نہ امیروں میں شکر کا ہے نشان

لذت نفس میں وہ ہیں سرگرم
آج کل ہیں جو پیشوائے جہان

مرغ[۹] بریان کا شوق ہے ان کو
ہیں ملائک خصال جو انسان

قورمہ اور پلاؤ کھاتے ہیں
لوگ کہتے ہیں جن کو قطب زمان

جو ولایت میں ہیں قدم رکھتے
ان کی صدقہ پہ ہے فقط گزران

جب حقیقت کھلے بزرگی کی
ان کے دیکھے اگر کوئی سامان

ٹھاٹھ ہیں ان کی سب امیرانہ
در دولت پہ ہیں کئی[۱۰] دربان

رات دن ہیں عمارتیں[۱۱] بنتیں
مال کرتے ہیں مفت میں ویران

ہائے آتے نہیں نظر وہ لوگ
دیکھنے کو ترس گئے دل و جان

ہر صدی میں ہوئے ہیں اہل الحق
رہبر خلق و صاحب عرفان

دین اسلام جن سے تازہ ہوا
جن سے رونق پذیر تھا ایمان

تھے ازانجملہ ایک عبداللہ
قامع شرک و بدعت و عصیان

ملک غزنیں کے رہنے والے تھے
ہے جہالت بھرا جو کوہستان

استقامت میں تھی مثال کوہ
کر کے ظلم وستم تھکے افغان

راہ حق میں اٹھائیں تکلیفیں
نہ پھرے حق سے پر کسی عنوان

ان کو حاصل تھا صبر ایوبی
کرتے تھے شکر خالق سبحان

تھے عبادت میں رات دن مشغول
اور جاری تھی ذکر حق میں لسان

تھے نمونہ سلف کا وہ بے شک
پاک سیرت تھے اور پاک زبان

اپنے مولا پہ ان کو تکیہ تھا — تھے نہ اک ذرہ فکر آب و نان
تھے دعا و نماز میں مصروف — ورد تھا یا حدیث یا قرآن
ان کی صحبت میں تھی عجب برکت — یاد آتا تھا وہاں خدائے جہان
لطف آتا تھا وہاں عبادت میں — روز و شب تھی ترقیٔ ایمان
ذکر مولا کی تھی وہاں کثرت — بات دنیا کی ہو یہ کیا امکان
امر معروف آپ کرتے تھے — پاس آتے تھے ان کے جو انسان
نہی منکر شعار تھا ان کا — فضل مولیٰ سے تھے نہ سخت زبان
ایسے شیریں کلام اور خوش خلق — تھا پراز حکمت ان کا قول بیان
کچھ کسی سے غرض نہ تھی ان کو — بے طمع تھے وہ صاحب عرفان
ان کی محفل میں ذکر عقبیٰ تھا — وہاں نہ ہوتا تھا لغو اور ہزیان
رہ گیا ذکر خیر دنیا میں — کر گئے کوچ اب وہ عالی شان
حق انہیں مغفرت نصیب کرے — جنت خلد میں رہیں شادان
نیک بندے جہان میں ہیں اب بھی — حق کو رکھتے ہیں جو عزیز از جان
پر مجھے وہ نظر نہیں آتے — دے ملا مجھ کو ان سے یا رحمان
تیری قدرت سے کچھ نہیں ہے دور — مجھ کو مشکل ہے اور تجھے آسان
ناصر اب ختم کر کلام اپنا — حق تری مشکلیں کرے آسان

اس نظم کو پڑھ کر امید ہے کہ میر صاحب اپنی اس بات کو کہ میں اشاعت السنۃ کے دھوکہ میں آ کر کادیانی سے منحرف ہوگیا تھا۔ واپس لیں گے اور اقرار کریں گے کہ وہ قدیم سے منحرف تھے اور اس کو جھوٹا مسیح وجھوٹا مہدی سمجھتے تھے۔ اب وہ کادیانی کے دھوکہ میں آ کر اس کو سچا مہدی اور موعود مسیح سمجھنے لگے تھے۔ جس سے پھر ان کا رجوع ہے۔

(اشاعۃ السنۃ جلد۱۴ نمبر۱۲ ص۴۱۷ تا ۴۲۰)

حاشیہ جات

۱؎ جیسے حکیم نوردین جن کے اخلاص کی کادیانی نے جابجا اسی وجہ سے تعریف کی ہے کہ وہ بہت روپیہ دے چکے ہیں۔

۲؎ دیکھو فتح اسلام ص۴۷ سے ۵۱ تک جس میں اشاعت کتب کے بہانے لوگوں سے روپیہ مانگا گیا ہے۔

۳؎ جیسا کہ اللہ دیا نامی نائب کا روپیہ جو اس قسم سے تھا کادیانی نے منگایا اور اب اس کا جواز انجیل کے حوالہ سے اور ایک نقلی دلیل سے ثابت کیا ہے۔ جس کا بیان مفصل اشاعت السنۃ نمبر۹ جلد۱۵ میں اعادہ نمبر۵ کے ص۱۹۷ کے ضمن میں ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

۴؎ یہ براہین احمدیہ کی قیمت پیشگی لینے کی طرف اشارہ ہے۔

۵،۶؎ یہ کادیانی کے نام اور دعویٰ پر صاف تصریح ہے اور اس وقت دنیا میں کوئی نہیں ہے جو بجز کادیانی احمد اور عیسیٰ کہلاتا ہو۔

۷؎ اس اشارہ کی طرف زبانی میر صاحب نے یہ کی تھی کہ جو کوئی دنیادار اور مالدار کادیانی کے پاس آتا ہے وہ اس کی دعوت کرتا ہے۔ لدھیانہ میں خاص ایک وہاں کے رئیس شہزادہ والا گوہر آئے تو ان کی بڑی دھوم دھام سے دعوت کی۔ وقس علیٰ ھذا!

۸؎ اس اشارہ کی تشریح آپ نے یا ایک اور گھر کے بھیدی فتح خاں نامی نے یہ کی ہے کہ کادیانی کی پرائیویٹ مجلس میں خوب کھلی بازی ہوتی ہے۔

۹،۱۰،۱۱؎ یہ بھی آپ ہی کے خاص حالات ہیں۔ کھانے کی تشریح میر صاحب نے زبانی یہ کی ہوئی ہے کہ آپ گھی کی جگہ کھانے میں بادام روغن ڈلواتے ہیں اور چاول ایسے باریک نوش جاں فرماتے ہیں جن کی قیمت فی آثار دو روپیہ ہو یا کم سے کم ایک روپیہ۔ اس امر کے لئے اپنے منشی مولیٰ بخش ملازم سفری ڈاکخانہ کو جو دہلی جایا کرتے تھے مامور کیا تھا۔

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

کادیانی کی گیدڑ بھبکی

حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کادیانی نے مناظرات لدھیانہ، دہلی وغیرہ میں شکست کھائی۔ جن کی تفصیل اوائل کے رسائل میں شائع ہوچکی ہے تو اس کو اپنے بچاؤ کی تدبیر اس کے سوا کچھ نہ سوجھی کہ قادیان میں پناہ گزیں ہوکر گوشہ خلوت اختیار کرے اور اس مصرعہ پر کاربند ہو۔

ہیچ آفت نرسد گوشہ تنہائی را

گو حریف اس کو گریز سمجھیں اور اس بیت کا مصداق خیال کریں ۔

زاہد نداشت تاب وصال پری رخاں ۔ گنجے گرفت وترس خدارا بہانہ ساخت

مگر پھر اس کو یہ فکر وحیرت ہوئی کہ خلوت اختیار کریں تو کھائیں کہاں سے۔ کیونکر اس کی زمین (جس کی نظر ہے وہ اپنے آپ کو رئیس قادیان سمجھتا ہے) کی سالانہ آمدنی اس کے ایک مہینے کے خرچ کے لئے بھی مکتفی نہیں ہے۔ (چنانچہ اس کی تفصیل ہوگی) اور ایسے لوگوں کو چپ چاپ بیٹھنے سے باہر سے بھی کوڑی آنے کی امید نہیں ہوتی۔ یہ سوچ کر اس نے تدبیریں، زرکشی اور اوقات بسری کی جن سے خلوت بھی قائم رہے اور روٹی بھی مل جائے۔ نکالیں۔ ایک تدبیر یہ کہ قادیان میں ایک سالانہ میلہ یا بھنڈارہ مقرر کریں۔ اس کی ترغیب وتحریص کے لئے اس مضمون کے اشتہار جاری کریں کہ اس جلسہ میں ایسے برکات وآثار وآیات ظاہر ہوں گے جن کو حاضرین خود مشاہدہ کرلیں گے۔ اس مضمون کو سن کر اس میلہ میں اکثر عوام کالانعام جو دنیا میں حیوانات کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں اور ان بھیڑوں کی مانند ہیں۔ جن میں سے اگر ایک کسی چیز کی طرف منہ مارنے کو دوڑتی ہے تو اس کو دیکھ کر بیسیوں اسی طرف دوڑتی ہیں۔ آئیں گے اور بعض خواص بھی آئیں گے تو وہ نئی روشنی نئی فیشن کے ہوں گے جو اس کے نیچریانہ خیالات کو پسند کرتے ہوں گے۔

پس عوام کو ان کے مذاق کے موافق اپنی کرامات اور جھوٹے الہامات سنائیں گے اور خواص کو عقلی اور نیچری تقریریں اور دلائل سنا کر دام میں لائیں گے اور اس میلہ میں سو پچاس چندہ کا روپیہ خرچ کر کے سال بھر کی روٹیاں کمالیں گے۔ دوسری تدبیر یہ ہے کہ علماء وقت سے بحث ومباحثہ یک لخت چھوڑ دیں اور اپنے پرانے خیالات ملحدانہ کو نئے نئے رنگ دے کر اور ان کے روپ بدل کر شائع ومشتہر کرتے رہیں۔ ان میں اگر کسی مولوی سے مخاطب ہوں تو وہ بھی

ایسے طور پر کہ ان کے سوال یا اعتراض کا پورا جواب نہ دیں بلکہ ان کے مقابلہ میں کوئی اور ہی عوام فریب اور دلچسپ بات کہہ کر شائع کر دیں اور بحث بھی کریں تو اس طرز کی جیسے مشہور ہے کہ کسی مولوی نے ایک شخص کو کہا تھا کہ بھائی تمہاری ازار ٹخنے سے نیچے لٹک رہی ہے اور یہ امر خلاف شریعت ہے۔ تو اس نے یہ جواب دیا کہ تمہارے باواجی کے نکاح میں جو پلاؤ پکا تھا اس میں نمک کہاں برابر تھا۔ اس تدبیر سے معتقد و مرید بھی جمے رہیں گے اور نئی تصانیف کی قیمت میں نقدی بھی خوب وصول ہوں گے۔ اس کی پہلی تدبیر کا اثر ۱۸۹۱ء میں تو صرف اتنا ہوا تھا کہ اس میلہ کی پٹڑی جم گئی۔ اس میں کادیانی کے اخص مرید آئے اور وہ چند اجنبیوں کو بھی جوان کے متعلق ذاتی اغراض رکھتے تھے پھنسا لائے۔ ان کے سامنے کادیانی نے اسلام کی موجودہ حالت کا خوفناک ہونا اور اپنا نصرت اسلام کے لئے مستعد ہونا ظاہر کر کے ان کے دل میں یہ بات جمادی کہ اس میلہ سے یہی غرض ومقصود ہے اور ہر سال خیر خواہان اسلام کا اس میلہ میں آنا ضروری ہے۔ ۱۸۹۲ء میں اس پٹڑی پر ایک عمارت بنائی گئی۔ اشتہار اور پرائیویٹ خطوں کے ذریعہ انوار و آیات و آثار و برکات کی خوب طمع دلائی گئی اور اخص مریدوں نے وہ طمع امید کے درجہ تک پہنچا دی۔ پچھلے سال کے اخص مرید آئے اور وہ بہت سے نئے جانوروں کو جھوٹی طمع دے کر پھنسا لائے۔ بعض شرکاء میلہ سمجھدار اور خواندہ بھی تھے۔ مگر ازانجملہ بعض ذاتی اغراض سے شامل ہوئے۔ بعض صرف وزیٹر یعنی تماشائی تھے۔ بعض ایگزامنر (ممتحن) اس جلسہ میں کادیانی نے جو عوام اور بعض خواص کو جمناسٹک یا کرتب دکھائے۔

ازانجملہ تین امر زیادہ توجہ ناظرین کے لائق ہیں۔ جن میں سے کادیانی نے اپنی مطبوعہ کیفیت کے جلسہ میں صرف امر سوم کو ذکر کیا ہے۔ باقی دو کا ذکر چھوڑ دیا۔ امر اوّل: یہ کہ ایک شخص مسلوب الحس والحواس منکس الخلق میاں کریم بخش جمال پوری کو لوگوں کے سامنے پیش کیا اور اس کے منہ سے یہ کہلوا دیا کہ گلاب شاہ مجذوب نے یہ کہہ دیا تھا کہ آنے والا مسیح غلام احمد کادیانی ہے جس کو کادیانی نے اپنے (ازالہ ص ۷۰۵، خزائن ج ۳ ص ۴۸۰) میں اور رسالہ نشان آسمانی میں بھی ذکر کیا ہے۔ اس کارروائی پر حاضرین عوام کالانعام کو کادیانی کے مسیح موعود ہونے کا یقین ہوگیا اور کسی بیچارہ کو یہ خیال نہ آیا۔ (اور بے علمی وناواقفی کے ساتھ یہ خیال کیونکر آ سکتا) کہ اوّل تو اس مسلوب الحواس کی بات کا کیا اعتبار ہے اور اگر یہ

اس بیان میں سچا ہے تو پھر اس مجذوب کی بڑ کا کیا اعتبار ہے اور جس مسیح کی اطاعت اور اس کے دعویٰ کی اجابت اس وقت کے تمام دنیا کے اہل اسلام پر واجب ہے۔ اس کی تائید میں خداتعالیٰ کی طرف سے ایسے ہی ایک دو مسلوب الحواس اور مجذوبوں کی شہادت کافی ہوسکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ خصوصاً اس حالت میں کہ اس مسلوب الحواس کی تلقین کے لئے کادیانی کا ایک خلیفہ عبدالقادر جمال پوری مقرر ومسلط ہے۔

امر دوم: یہ کہ کادیانی نے وجوہات فتویٰ تکفیر علماء پنجاب وہندوستان اپنے اوپر سے ٹلانے کے لئے اپنا قائل معجزات وکرامات ہونا بیان کیا اور اس کے ضمن میں یہ بھی کہہ دیا کسی بزرگ کی دعا یا کرامت سے یہ کوٹھا (ایک سولہ گز کے کوٹھے کی طرف اشارہ کر کے) پرواز کرسکتا ہے۔ اس پر اگرچہ کادیانی کے معتقد گھبرائے اور سنا ہے کہ بعض یہ کلمہ سن کر بلاملاقات قادیان سے چلے آئے اور باقی ماندہ نیچریوں کے کادیانی نے لطائف الحیل سے آنسو پونچھے اور ان کی طفل تسلی کی۔ مگر عوام کالانعام پر اس بیان کا اثر بجق کادیانی مفید پڑا۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ کادیانی معجزات کا منکر نہیں ہے۔ ناظرین! کادیانی کی دیانت وامانت اور شکرگزاری کو دیکھیں کہ اس نے اپنی مطبوعہ کیفیت سے اس بیان کو جس سے اس کو ظاہر نفع ہوا تھا صرف اس خیال سے نکال دیا کہ اس کے نیچری دوست جو اس وقت حاضر نہ تھے اس بیان کو سن کر منحرف نہ ہو جائیں۔

امر سوم: کادیانی نے بڑے زور شور سے بیان کیا کہ اس وقت یورپؔ اور امریکہ میں اسلام پھیلتا جاتا ہے۔ ایسے وقت میں نہایت ضروری اور اہم امر یہ ہے کہ نئے رسائل تالیف کر کے اور انگریزی زبان میں ان کو چھپوا کر ان کے پاس بھیجے جائیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ اس امر اہم میں روپیہ سے مدد دیں۔ مسلمان حاضرین مجلس یہ سن کر لٹو ہوگئے اور کادیانی کی مدد کو دین سمجھ کر اپنی جیبوں سے روپیہ نکالنے یا فہرست میں جس کو کادیانی نے کتاب وساوس کے آخر میں شائع کیا ہے نام درج کرانے لگ گئے اور کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ پہلے دس ہزار سے زیادہ روپیہ مسلمانوں کا کادیانی خورد برد کر چکا ہے اور اب تک اسلام اور مسلمانوں کو اس سے کوئی نفع نہیں پہنچا۔ نہ ان سے کتاب براہین احمدیہ کو جس میں تین سو دلائل حقیقت قرآن اور اسلام کے بیان کا وعدہ دیا تھا چھاپا اور نہ رسالہ قرآنی طاقتوں کا جلوہ گاہ

جس کا رسالہ شحنہ حق میں اشتہار دیا تھا نکالا۔ نہ رسالہ سراج منیر جس کا اشتہار ۲۰ / فروری ۱۸۸۶ء میں چند ہفتوں کے بعد شائع کرنے کا وہ وعدہ دے چکا تھا شائع کیا۔ نہ رسالہ تجدید دین یا اشعۃ القرآن اس نے چھاپ کر مشتہر کیا اور نہ آج تک کم سے کم ایک ہندو یا عیسائی یا کسی اور غیر مذہب نے اس کی ہدایت سے اسلام قبول کیا۔ پھر ہم اپنے اموال کو اس کے ذاتی مصارف کے لئے کیوں برباد کر رہے ہیں اور اس کی دوسری تدبیر کا اثر و نتیجہ ۱۸۹۱ء میں یہ ظاہر ہوا کہ اس نے آسمانی فیصلہ شائع کر کے اپنے اتباع کا گھر پورا کیا اور اس کے ذریعہ سے خوب روپیہ کمایا۔ اس فیصلہ کا جواب رسائل میں دیا گیا۔

۱۸۹۲ء میں اس تدبیر کا ایک اثر کادیانی کا رسالہ نشانی آسمانی ہے جس میں اس نے ایک تو اسی کریم بخش مسلوب الحواس کی شہادت کو بیان کیا ہے۔ دوسرا نعمت اللہ ولی کا قصیدہ مشہورہ کو جس میں آنے والے مسیح ومہدی کی خبر دی ہے۔ اپنے اوپر لگالیا ہے۔ اس کے جواب میں اہل اسلام نے کئی رسائل تالیف کئے ہیں۔ ازانجملہ ایک رسالہ ''تائید آسمانی'' ہے۔ دوسرا رسالہ ''اظہار فریب کادیانی'' مؤلفہ منشی سعد اللہ صاحب مدرس لدھیانہ ہے۔

دوسرا اثر کادیانی کی کتاب وساوس ہے جس کی حقیقت اس مجموعہ میں بخوبی واضح ہوئی ہے اور اس کے اکثر حصہ کا جواب بھی ادا ہوا۔ تیسرا اثر یہ کہ اسی موقعہ میلہ سالانہ پر کادیانی نے خاکسار کے نام ایک مراسلت جاری کی جس میں خاکسار کو ایک منذر الہام سے ڈرایا۔ اس کا جواب کافی وشافی دیا گیا تو پھر اس نے اپنے خسر فرضی کی موت کے متعلق اپنی ایک پیش گوئی کو پیش کیا۔ اس کا جواب دندان شکن اس کو دیا تھا اور پچاس سوالات جرح سے اس پیش گوئی کے الہام ربانی نہ ہونے کی طرف اشارہ کیا تو کادیانی نے اس پیشین گوئی کے دعویٰ سے سکوت اختیار کر کے ایک اور پرانی بات مگر نئے رنگ اور دوسرے پیرائے میں پیش کر دی۔ اس کا جواب بھی اس کو ایسا دیا گیا ہے کہ اس میں اس کو معقول کلام کرنے کی جگہ نہیں رہی۔ ذیل میں اس مراسلت اور اس کے جواب اور جواب الجواب کو نقل کیا جاتا ہے اور جس جواب الجواب میں ہم نے پچاس سوالات کئے ہیں اس کا جواب جو کادیانی نے دیا ہے اور اس کا جواب جو ہماری طرف سے ہے وہ دونوں اس سلسلہ مراسلت سے جدا اخیر میں ملحق ہیں۔

وہ یہ مراسلت ہے:

خط مرزا کادیانی نمبر۱

نحمدہ و نصلی!

بخدمت شیخ محمد حسین صاحب ابوسعید بٹالوی

الحمدللہ و السلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی. اما بعد!

میں افسوس سے کہتا ہوں کہ میں آپ کے فتویٰ تکفیر کی وجہ سے جس کا یقینی نتیجہ احدالفریقین کا کافر ہونا ہے۔ اس خط میں سلام مسنون یعنی السلام علیکم سے ابتداء نہیں کر سکا۔ لیکن چونکہ آپ کی نسبت ایک منذر الہام مجھ کو ہوا اور چند مسلمان بھائیوں نے بھی مجھ کو آپ کی نسبت ایسی خوابیں سنائیں جن کی وجہ سے میں آپ کے خطرناک انجام سے بہت ڈر گیا۔ تب بوجہ آپ کے ان حقوق کے جو بنی نوع کو اپنے نوع انسانوں سے ہوتے ہیں اور نیز بوجہ آپ کی ہم وطنی اور قرب وجوار کے بھی میرا رحم آپ کی اس حالت پر بہت جنبش میں آیا اور میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے آپ کی حالت پر نہایت رحم ہے اور ڈرتا ہوں کہ آپ کو وہ امور پیش نہ آجائیں جو ہمیشہ صادقوں کے مکذبوں کو پیش آتے رہے ہیں۔ اسی وجہ سے میں آج رات کو سوچتا سوچتا ایک گرداب تفکر میں پڑ گیا کہ آپ کی ہمدردی کے لئے کیا کروں۔ آخر مجھے دل کے فتویٰ نے یہی صلاح دی کہ پھر دعوت الیٰ الحق کے لئے ایک خط آپ کی خدمت میں لکھوں۔ کیا تعجب کہ اسی تقریب سے خداتعالیٰ آپ پر فضل کر دیوے اور اس خطرناک حالت سے نجات بخشے۔ سو عزیز من! آپ خداتعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں۔ وہ بڑا قادر ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اگر آپ طالب حق بن کر میری سوانح زندگی پر نظر ڈالیں تو آپ پر قطعی ثبوتوں سے یہ بات کھل سکتی ہے کہ خداتعالیٰ ہمیشہ کذب کی ناپاکی سے مجھ کو محفوظ رکھتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ بعض وقت انگریزی عدالتوں میں میری جان اور عزت ایسے خطر میں پڑ گئی کہ بجز استعمال کذب اور کوئی صلاح کسی وکیل نے مجھ کو نہ دی۔ لیکن اللہ جل شانہ کی توفیق سے میں سچ کے لئے اپنی جان اور عزت سے دست بردار ہو گیا اور بسا اوقات مالی مقدمات میں محض سچ کے لئے میں نے بڑے بڑے نقصان اٹھائے اور بسا اوقات محض خداتعالیٰ کے خوف سے اپنے والد اور بھائی کے برخلاف گواہی دی اور سچ کو ہاتھ

سے نہ چھوڑا۔ اس گاؤں اور نیز بٹالہ میں بھی میری ایک عمر گزر گئی ہے۔ مگر کون ثابت کر سکتا ہے کہ کبھی میرے منہ سے جھوٹ نکلا ہے۔ پھر جب میں نے محض ﷲ انسانوں پر جھوٹ بولنا ابتداء سے متروک رکھا اور بارہا اپنی جان اور مال کو صدق پر قربان کیا تو پھر میں خداتعالیٰ پر کیوں جھوٹ بولتا اور اگر آپ کو یہ خیال گزرے کہ یہ دعویٰ کتاب اﷲ اور سنت کے برخلاف ہے تو اس کے جواب میں بادب عرض کرتا ہوں کہ یہ خیال محض کم فہمی کی وجہ سے آپ کے دل میں ہے۔ اگر آپ مولویانہ جنگ وجدل کو ترک کر کے چندروز طالب حق بن کر میرے پاس رہیں تو میں امید کرتا ہوں کہ خداتعالیٰ آپ کی تمام غلطیاں نکال دے گا اور مطمئن کر دے گا اور اگر آپ کو اس بات کی بھی برداشت نہیں تو آپ جانتے ہیں کہ پھر آخر علاج فیصلہ آسمانی ہے۔ مجھے اجمالی طور پر آپ کی نسبت کچھ معلوم ہوا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو میں چندروز توجہ کر کے اور تفصیل پر بفضلہ تعالیٰ اطلاع پا کر چند اخباروں میں شائع کر دوں۔ اس شائع کرنے کے لئے آپ کی خاص تحریر سے مجھ کو اجازت ہونی چاہئے۔ میں اس خط کو محض آپ پر رحم کر کے لکھتا ہوں اور بہ ثبت شہادت چندکس آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں اور آخر دعا پر ختم کرتا ہوں۔ ’’ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین‘‘

الراقم: مرزاغلام احمد بقلم خود، ۳۱ر دسمبر ۱۸۹۲ء

مرزا کے خط نمبر ۱ کا جواب منجانب مولانا محمد حسین بٹالوی

مرزاغلام احمد صاحب کادیانی خدا آپ کو ہدایت کرے اور راہ راست پر لاوے

سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ! آپ کا خط ۳۱ر دسمبر ۱۸۹۲ء میں نے تعجب سے پڑھا۔ میں آپ کی ان گیدڑ بھبکیوں سے نہیں ڈرتا بلکہ اس ڈرنے کو شرک سمجھتا ہوں اور ان کے مقابلہ میں یہ آیات قرآن پیش کرتا ہوں: ’’اتحاجونی فی اللہ وقد ھدان ولا اخاف ما تشرکون بہ الا ان یشآء ربی شیئا وسع ربی کل شیٔ علما افلا تتذکرون وکیف اخاف ما اشرکتم ولا تخافون انکم اشرکتم باللہ مالم ینزل بہ سلطانا فای الفریقین احق بالامن ان کنتم تعلمون الذین اٰمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الا من وھم مھتدون (انعام:۸۰-۸۲)‘‘

کادیانی صاحب! میں قرآن اور پہلی کتابوں کو اور دین اسلام اور پہلے دینوں کو اور نبی آخرالزمان اور پہلے نبیوں کو سچا جانتا اور مانتا ہوں اور اس کا یہ لازمہ اور شرط ہے کہ آپ کو جھوٹا جانوں اور آپ کا منکر ہوں۔ کیونکہ آپ کے عقائد آپ کی تعلیمات آپ کے اخلاق وعادات پہلی کتابوں اور پہلے دینوں اور پہلے نبیوں کے مخالف اور متناقض ہیں۔ لہٰذا ان کتابوں دینوں اور نبیوں کو ماننا تب ہی صحیح اور سچا ہوسکتا ہے جب کہ آپ کے عقائد اور تعلیمات کو جھوٹا اور آپ کو گمراہ سمجھوں۔ جس پر آیات ذیل دلائل ہیں: ’’ومن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللّٰہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ (البقرۃ:۲۵۶)‘‘

’’وقد امروا ان یکفروا بہ (نساء:۶۰)‘‘

’’قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ اذ قالوا لقومھم انا براؤمنکم ومما تعبدون من دون اللّٰہ کفرنا بکم وبداء بیننا وبینکم العداوۃ والبغضاء ابدا حتی تؤمنوا باللّٰہ وحدہ (الممتحنہ:۴)‘‘

عقائد باطلہ مخالفہ دین اسلام وادیان سابقہ کے علاوہ جھوٹ بولنا اور دھوکہ دینا آپ کا ایسا وصف لازم بن گیا ہے کہ گویا وہ آپ کی سرشت کا ایک جز ہے۔ زمانۂ تالیف براہین احمدیہ کے پہلے آپ کی سوانح عمری کا میں تفصیلی علم نہیں رکھتا۔ مگر زمانہ تصنیف براہین سے جو جھوٹ بولنا، دھوکہ دینا آپ نے اختیار کیا ہے خصوصاً ۱۸۸۶ء سے جب سے آپ نے الہامی بیٹا تولد ہونے کی پیشین گوئی کی اور اس قسم کی اور پیشین گوئیاں مشتہر کی ہیں علی الخصوص ۱۸۹۰ء سے جب سے آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ مشتہر کیا ہے اس سے آپ کی کوئی تحریر، کوئی تقریر، کوئی خط، کوئی تصنیف خالی نہیں ہے۔ اس پر قیاس ہوسکتا ہے کہ پہلے زمانہ میں خصوصاً امتحان مختاری میں فیل ہونے اور پھر عدالت میں سالہا سال اپنے مقدمات کرنے کے وقت آپ کا یہی حال رہا ہوگا۔

اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو شخص بندوں پر جھوٹ بولنے اور ان کو دھوکہ دینے میں ایسا دلیر ہو وہ خدا پر یہ افتراء کرنے سے کہ میں ملہم ہوں اور مجھے الہام ہوا ہے کہ فلاں شخص مجھے بیٹی نہ دے گا تو ہلاک ہوجاوے گا اور فلاں شخص مجھے مسیح نہ مانے گا تو وہ عذاب میں مبتلا ہوگا۔ کس طرح رک سکتا ہے اور اس دعویٰ الہام میں کیونکر سچا سمجھا جاسکتا ہے۔

آپ اس قسم کے تین ہزار الہامات (یہ دعویٰ آپ نے سالانہ میلہ کے جلسہ میں برملا کیا تھا) کے صادق (یعنی واقعی الہام) ہونے کے مدعی ہیں۔ میں ان تین ہزار میں سے صرف تین الہاموں کے صادق ٹھہرنے پر آپ کو ملہم مان لوں گا اور یہ سمجھوں گا کہ میں نے آپ کے عقائد وتعلیمات کو مخالف حق اور آپ کو بداخلاق اور گمراہ سمجھنے میں غلطی کی۔ ان تین ہزار میں سے جن تین الہاموں کو آپ بیّن الصدق سمجھتے ہیں مثلاً دیانند سرستی کی موت کے متعلق الہام یا شیخ مہر علی صاحب کی رہائی کی نسبت الہام یا دلیپ سنگھ کی ناکامی سے واپس ہونے کی نسبت الہام یا آپ کے آئندہ اور فرضی خسر کے فوت ہو جانے کی نسبت الہام وامثال ذالک ان کو آپ کسی ایسی مجلس میں جس میں جانبین کے اشخاص مساوی ہوں اور تین منصف مختلف مذاہب کے یا آزاد مشرب ہوں ثابت کر دیں اور آسانی سے کامیاب ہوں۔

تین نہ سہی چلو ایک ہی اپنے خیالی الہام اخیر کا جس کو آپ نے اپنے جلسہ میلہ سالانہ میں اپنے معتقدوں اور دام افتادگان میں جو اکثر عوام بے علم تھے اور بعض خود غرض نیچری اور بعض تماشائی جن کو تحقیق اصل حال سے کوئی غرض نہ تھی۔ بڑی شدومد سے بیان کیا تھا۔ واقعی الہام ہونا ثابت کر دیں۔ آپ مرد میدان ہیں تو میدان میں نکلیں۔ ورنہ ان لن ترانیوں سے شرم کریں۔

آپ نے دریائے رحمت کے جوش وجنبش میں آنے کا جو آپ نے ذکر کیا ہے اس میں آپ نے اپنی سنت قدیم کذب ودھوکہ دہی سے کام لیا ہے۔ آپ کو رحمت سے کیا نسبت۔ رحمت اور ہمدردی کا تو آپ میں مادہ ہی نہیں۔ آپ کے افعال وحرکات وکلمات صاف شہادت دے رہے ہیں کہ آپ پرلے سرے کے بے رحم، خود غرض جافی اور نفسانی آدمی ہیں۔ آپ کی زبان اور حجاج بن یوسف کی تلوار دونوں توام ہیں۔ آپ نے اپنے مسلمان مخالفین اور معترضین کو اس حالت اور اس وقت میں جب کہ آپ ان کو مخدومی اخوی کے خطاب سے یاد کرتے اور ان کی نیک نیتی کے معترف تھے۔ بے حیاء (نزول المسیح ص۶۴، خزائن ج۱۸ ص۴۴۰)، بے ایمان (ضمیمہ انجام آتھم ص۲۳، خزائن ج۱۱ ص۳۰۶ حاشیہ)، درندہ (الہدیٰ ص۱۱، خزائن ج۲۱ ص۲۵۵)، دنیا کے کتے (استفتاء اردو ص۲۰، خزائن ج۱۲ ص۱۲۸)، کلب یموت علی کلب (تذکرہ ص۸۰)، سفلہ (استفتاء ص۱۹، خزائن ج۱۲ ص۱۲۷)، کمینہ (آریہ دھرم

ص۴۲، خزائن ج۱۰ص۴۷)، وحشی (ضمیمہ انجام آتھم ص۴۹، خزائن ج۱۱ص۳۳۳) وغیرہ وغیرہ الفاظ سے یاد کیا ہے۔ کیا رحمت اور انسانی نوع کی ہمدردی یہی معنی رکھتی ہے؟

آپ مسلمانوں کا دس ہزار سے زیادہ روپیہ کتاب براہین احمدیہ کی قیمت میں اور قبولیت دعاؤں کا طمع دے کر خورد برد کر چکے ہیں اور کتاب براہین ہنوز در بطن شاعر کا مصداق ہے اور قبولیت دعاؤں کے امیدوار آپ کے منہ کو دیکھ رہے ہیں۔ کیا ہمدردی ورحم اسی کا نام ہے؟

جب مجھے آپ سے آپ کے امکانی ولی ہونے کی نظر سے حسن ظنی تھی تو میں نے آپ سے بارہا التجاء کی کہ مجھے آپ اپنے پاس ٹھہرا کر رحمت وبرکت کے آثار دکھائیں۔ آپ نے کبھی ہاں نہ کی۔ ایک دفعہ میں نے آپ کو یہ بھی کہا تھا کہ آپ کے مخالف ومنکر اچھے رہے کہ آپ ان کو نشان آسمانی دکھانے کے لئے انعام کے وعدہ پر بلاتے ہیں۔ ہم موافقین کو بلاوعدہ انعام بھی نہیں بلاتے تو آپ ہنس کر چپ ہوگئے۔ پھر جب آپ نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا تو میں نے اپنا خلاف ظاہر کر کے آپ کے پاس آنا اور دوستانہ پرائیویٹ گفتگو کرنا چاہا تو آپ بلانے کا وعدہ دیتے دیتے لدھیانہ میں جا براجے اور وہاں جا کر مخاصمانہ بحث کا اکھاڑہ جما کر ناجائز اور بحث کو ٹلانے کی شروط سے پناہ گزین ہوئے۔ پھر جب بمقام لدھیانہ آپ کے گھر پر پہنچ کر آپ کو گفتگو پر مجبور کیا تو آپ نے اس باامن گفتگو کو ناتمام چھوڑ کر پھر مخاصمانہ اکھاڑہ جمانے کا اہتمام کیا اور دہلی، پٹیالہ، لاہور، سیالکوٹ وغیرہ میں مخاصمانہ بحث کا علم بلند کیا اور پھر بحث سے گریز کے انواع اتہام واکاذیب کا اشتہار کیا اور اسی اثناء میں فیصلہ آسمانی لکھ مارا جس میں کوئی دقیقہ بے رحمی وبدگوئی کا فروگزاشت نہ کیا۔ اس بے رحمی ونفسانی کارروائیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ پڑ گیا۔ بھائی بھائی سے اور دوست دوست سے الگ ہوگیا۔ کیا رحمت وہمدردی کا یہی اثر ہے۔

آپ میں رحمت وہمدردی کا شمہ اثر بھی ہوتا تو جس وقت میں نے اپنا خلاف آپ کے دعوے مسیحائی سے ظاہر کیا تھا آپ فوراً مجھے اپنی جگہ بلاتے یا غریب خانہ پر قدم رنجہ فرماتے۔ (جیسا کہ پہلے بھی آپ سے وقوع میں آتا رہا اور کم سے کم تین دفعہ آپ نے غریب خانہ میں قدم رنجہ فرما کر رابطہ اتحاد ظاہر کیا تھا) اور اس صورت سے اپنے دعوے جدیدہ کو ثابت کر دکھاتے۔ اب جو آپ نے یہ خط ارسال فرمایا ہے یہ بھی آپ کی خودغرضی اور نیت فساد سے خالی نہیں۔ اس میں خودغرضی یہ ہے کہ آپ کے مرید آپ کو نیک نیت اور اپنے دعویٰ

میں ثابت قدم اور مقابلہ مخالفین کے لئے مستعد سمجھیں۔ نیت فساد کی یہ ہے کہ جانب ثانی سے جواب ترکی بترکی ملے تو اس سے بٹالہ کے مسلمانوں میں پھوٹ پڑے۔ یہ آپ کے دعوے الہام وراست بازی وخیر خواہی ورحمت کا جواب ہے۔ اب میں آپ کی اس درخواست کا کہ: ''خاکسار آپ کے اور آپ کے تابعین کے الہامات ومنامات سے ڈر کر آپ کے پاس پہنچے اور آپ کا مطیع ہو جاوے یا آپ کو ان ڈرانے والے الہامات ومنامات کی اشاعت کی اجازت دے۔'' جواب دیتا ہوں۔

آپ کا خاکسار کو اپنے پاس بلانا، اگر اس غرض سے ہے کہ میں آپ کے عقائد باطلہ کی نسبت آپ سے کچھ دریافت کروں تو اس نظر سے آنا فضول ہے۔ ہم مسلمانوں کو آپ کے عقائد باطلہ کے بطلان میں اب کوئی شک نہیں ہے۔ لہٰذا اس میں کچھ دریافت کرنے کی کوئی ضرورت وحاجت باقی نہیں۔

ہاں! آپ کو کچھ شک واشتباہ ہو تو آپ جس وقت چاہیں حسب عادت قدیم غریب خانہ پر تشریف لاویں۔ دستور قدیم کے موافق آپ کی مداراۃ ہوگی اور آپ کی تسلی کی جاوے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

اور اگر خاکسار کو اپنے پاس بلانا اس غرض سے ہے کہ آپ مجھے نشان آسمانی دکھائیں گے تو اس نظر سے آنا نہ صرف بے فائدہ ہے بلکہ گناہ اور موجب نقصان ہے۔ جس شخص کے عقائد اسلام اور سابق ادیان کے مخالف ہوں اس سے نشان آسمانی کا متوقع ہونا مؤمن کا کام نہیں اور اگر وہ کچھ چالاکی اور شعبدہ بازی سے بذریعہ مسمریزم وغیرہ دکھا بھی دے تو اس پر اعتماد کرنا مخالف اسلام ہے۔ اس بات کو آپ بھی اپنے ایک اشتہار میں تسلیم کر چکے ہیں۔

ہاں! اس غرض سے میرا وہاں پہنچنا جائز بلکہ موجب ثواب ہے کہ میں وہاں پہنچ کر آپ کا عجز اظہار نشان آسمانی سے لوگوں پر ظاہر کروں اور مسلمانوں پر آپ کا جھوٹ اور فریب کھولوں۔ کیونکہ میرے خیال میں آپ کو مسمریزم وغیرہ میں بھی دخل نہیں اور آپ کے پاس جو ہتھیار دوام تزویر ہے وہ صرف زبان کی چالاکی اور فقرہ بندی ہے۔ لیکن مجھے اس صورت میں بھی قادیان پہنچنے میں یہ اندیشہ ہے کہ آپ میری جان کو نقصان پہنچانے میں کوشش کریں گے اور اس سے اپنے اس الہام کو کہ یہ شخص باون برس کا ہو کر فوت ہو جائے گا۔ جس کو آپ کے حواری اور ان کے دوست وغیرہ آپس میں پھیلا رہے ہیں سچا کر دکھائیں گے۔ (گو واقع میں

وہ کبھی سچا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ میں باون برس عمر کے پورے کر چکا ہوں۔ ۱۷/محرم ۱۲۵۶ھ میری پیدائش ہے اور اب ۱۳۱۰ھ گزر رہا ہے) اور کم سے کم یہ کہ میری آبروریزی کی تدبیر کریں گے۔ پس اگر آپ میری اس غرض کو پیش نظر رکھ کر مجھے اپنے پاس بلانا چاہتے ہیں تو میرے اس اندیشہ کو ایک باضابطہ تحریر سے جو عدالت میں رجسٹرڈ ہو اٹھاویں۔ آپ نے اس تحریر ذمہ داری کو منظور کیا تو اس کا مسودہ آپ کے پاس بھیجا جاوے گا۔ اس صورت میں یہ خاکسار قادیان میں حاضر ہوگا اور جو کام آپ کی خدمت گزاری کا یہاں کرتا ہے۔ وہاں بیٹھ کر کرے گا۔ درصورت عدم منظوری شرط مذکور، میں قادیان میں نہیں آسکتا۔ اس صورت میں جو آپ نے اپنے اور اپنے تابعین کے الہامات ومنامات کی جو میری نسبت ہوئے ہیں اشاعت کی اجازت چاہی ہے۔ اس سے مجھے تعجب آیا اور یقین ہوا کہ آپ دعویٰ الہام میں کذاب ہیں۔ خدا کے الہام کی اشاعت وتبلیغ کے لئے اوروں کی اجازت کے کیا معنی؟

اوّل: تو جو الہام کسی نبی یا ولی کو کسی شخص کے ڈرانے کے لئے ہوتا ہے۔ اس کی اشاعت وتبلیغ اس الہام کا عین مدعا ہوتا ہے اور اگر آپ کا ملہم آپ کو ایسے الہام کرتا ہے جس کی اشاعت تا نظر ثانی اور حکم ثانی جائز نہیں ہوتے تو آپ اپنے ملہم ہی سے کیوں نہیں پوچھ لیتے کہ میں اس الہام کو شائع کروں یا نہ کروں اور اگر کروں گا تو کسی قانون کے شکنجہ میں تو نہ پھنسایا جاؤں گا۔ آپ کی اس اجازت چاہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ الہام کی آڑ میں مجھے گالیاں دینا چاہتے ہیں اور ایسے الفاظ لکھنے ومشتہر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ جن سے میری حیثیت عرفی کا ازالہ ہو اور میری اور میرے عزیزوں اور اقارب کی دل شکنی ہو اور ان کو رنج پہنچے۔ (چنانچہ پہلے بھی آپ نے اس قسم کے الفاظ والہام میری نسبت شائع کئے ہیں) ومعہذا آپ قانونی گرفت کا بھی اندیشہ رکھتے ہیں اور حکام وقت کو اپنے ملہم کی نسبت زبردست سمجھتے ہیں۔ لہٰذا میں ایسے الہام کی نسبت اشاعت کی اجازت عام نہیں دے سکتا۔ ہاں! اس طور کی اجازت دینے سے میں رک بھی نہیں سکتا کہ آپ اپنے اور اپنے تابعین کے الہامات کو جہاں تک کہ قانون ان کی اشاعت کی اجازت دیتا ہے شائع کریں اور اپنے کمزور وڈرپوک ملہم کو (جو یقیناً خداتعالیٰ نہیں بلکہ معلم الملکوت ہے) حکام وقت سے مغلوب سمجھ کر اس کے حکم کی تعمیل کو حکام وقت قانون کے تابع رکھیں۔ اس کا آپ نے خلاف کیا تو آپ کو کورٹ میں پھر کسی اور آرام گاہ میں آنا پڑے گا۔ آپ کے پچھلے الہامات والفاظ بھی میری نگاہ میں ہیں اور

ان کی نسبت تدارک کا ارادہ بھی ہنوز ملتوی نہیں ہوا۔ میں یہ کہنا بھی نامناسب نہیں سمجھتا کہ اگر آپ خدا سے ہم کلام ہونے کا شرف رکھتے ہیں اور خداتعالیٰ سے مجملات کی تفصیل پوچھ سکتے ہیں اور معہذا ابنی نوع سے ہمدردی رکھتے ہیں (جیسا کہ آپ نے اپنے خط میں دعویٰ کیا ہے) تو بجائے مجھے دھمکانے اور ڈرانے کے آپ میری نسبت خداتعالیٰ سے پہلے یہ دریافت کریں کہ جو منذر الہام آپ کو اس شخص کی نسبت ہوا ہے وہ مبرم وقطعی الوقوع ہے یا اس کا وقوع معلق ہے اور جو ڈر یا عذاب اس میں بیان کیا گیا ہے وہ درصورت اس کے تابع ہو جانے کے اس شخص سے اٹھ سکتا ہے۔

پس اگر خداتعالیٰ آپ کو یہ بتاوے کہ وہ مبرم نہیں معلق ہے تو آپ خدا کی جناب میں دعا کریں کہ وہ مجھے آپ کی شناخت کی توفیق دے اور آپ کا تابع کر دے اور مجھ سے وہ عذاب اٹھالے اور اس امر میں اپنے دریائے رحمت کو جوش میں لاویں اور اس نبی رحیم کی سنت پر عمل کریں جس کو اس کی قوم نے مار کر خون آلودہ کر دیا تھا اور وہ اپنے چہرہ سے خون پونچھتا اور یہ کہتا تھا: ’’**اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون**‘‘ اور نیز آنحضرت ﷺ کی اس سنت پر عمل کریں کہ جب آپ کے پاس ملک الجبال نے حاضر ہو کر کہا کہ خداتعالیٰ نے مجھے اس لئے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے منکروں اور مخالفوں کو پہاڑ کے نیچے کچل دوں تو آپ نے فرمایا میں یہ نہیں چاہتا اور میں امید کرتا ہوں کہ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو خدا کی توحید پکاریں گے اور اگر خداتعالیٰ آپ کو یہ خبر دے کہ یہ الہام مبرم وقطعی الوقوع ہے تو پھر آپ میری دعوت سے دست بردار ہوں اور اپنے تابعین کو وہ الہام سنا کر ان پر اپنی نبوت وولایت ثابت کریں۔ اس صورت میں مجھے دعوت کرنا فضول ہے۔ کیونکہ قطعی وعدہ عذاب کے بعد کسی نبی نے دعوت نہیں کی اور اگر آپ اپنی اس دھمکی پر مصر رہے تو طالب حق اور منصف جان لیں گے کہ آپ اس دعوت وانذار میں فریب کرتے ہیں اور جھوٹے ہیں۔

میں اخیر میں یہ بھی کہتا اور آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ اگر میں آپ کی مخالفت میں نیک نیت اور حق پر ہوں اور دین اسلام کی حمایت کر رہا ہوں اور نفسانیت ونفاست کو اس میں دخل نہیں دیتا تو خداتعالیٰ میری مدد کرے گا اور آپ کو ہدایت کر کے تابع حق ودین اسلام کرے گا۔ ورنہ سخت عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کرے گا اور اگر میری نیت میں فساد ہے تو

خدا مجھے اس کا بدلہ خود دے گا۔ آپ کا ڈرانا اور دھمکانا عبث وفضول ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ میں آپ کو کذاب جانتا ہوں اور اس اعتقاد کو اپنے اس کام کا جز سمجھتا ہوں۔ لہٰذا بہتر ہے کہ آپ ان گیدڑ بھبکیوں سے باز آئیں اور حق کے تابع ہو جائیں۔ آئندہ اختیار ہے:

’’وما علینا الا البلاغ المبین‘‘ الراقم: ابوسعید محمد حسین، یکم؍جنوری ۱۸۹۳ء

مرزا کادیانی کا خط نمبر۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی. الحمد للہ والسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰے. اما بعد!

آپ کا رجسٹری شدہ خط ۴؍جنوری ۱۸۹۳ء کو مجھ کو ملا اگرچہ آپ کا یہ خط جو کذب اور تہمت اور بے جا افتراؤں کا ایک مجموعہ ہے۔ اس لائق نہیں تھا کہ میں اس کا کچھ جواب لکھتا۔ فقط اعراض کافی تھا لیکن چونکہ آپ نے اپنے خط کے صفحہ دو اور تین میں اس عاجز کی تین پیش گوئیوں کا ذکر کر کے بالآخر اس تیسری پیش گوئی پر حصر کر دیا ہے جو نور افشاں ۱۰؍مئی ۱۸۸۸ء اور نیز میرے اشتہار مشتہرہ ۱۰؍جولائی ۱۸۸۸ء میں مندرج ہے اور آپ نے اقرار کیا ہے کہ اگر اس الہام کا سچا ہونا ثابت ہو جائے تو میں آپ کو ملہم مان لوں گا اور یہ سمجھوں گا کہ میں نے آپ کے عقائد وتعلیمات کو مخالف حق اور آپ کو بداخلاق اور گمراہ سمجھنے میں غلطی کی۔ اس لئے اس عاجز نے پھر آپ کی حالت پر رحم کر کے آپ کو اس الہامی پیشین گوئی کے ثبوت کی طرف توجہ دلانا مناسب سمجھا۔ وہ پیشین گوئی جیسا کہ آپ خود اپنے خط میں بیان کر چکے ہیں یہی تھی کہ اگر مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری اپنی بیٹی اس عاجز کو نہ دیوے اور کسی اور سے نکاح کر دیوے تو روز نکاح سے تین برس کے عرصہ کے اندر فوت ہو جائے گا۔ اس پیش گوئی کی یہ بنیاد نہیں تھی کہ خواہ مخواہ مرزا احمد بیگ کی بیٹی کی درخواست کی گئی تھی بلکہ یہ بنیاد تھی کہ یہ فریق مخالف جن میں سے مرزا احمد بیگ بھی ایک تھا۔ اس عاجز کے قریبی رشتہ دار۔ مگر دین کے سخت مخالف تھے اور ایک ان میں سے عداوت میں اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اللہ جل شانہ اور رسول ﷺ کو علانیہ گالیاں دیتا تھا اور اپنا مذہب دہریہ رکھتا تھا اور نشانوں کے طلب کے لئے ایک اشتہار بھی جاری کر چکا تھا اور یہ سب مجھ کو مکار خیال کرتے تھے اور نشان مانگتے

تھے اور صوم اور صلوٰۃ اور عقائد اسلام پر ٹھٹھا کیا کرتے تھے۔ سو خدا تعالیٰ نے چاہا کہ ان پر اپنی حجت پوری کرے۔ سو اس نے نشان دکھانے میں وہ پہلو اختیار کیا جس کا ان تمام بے دین قرابتوں پر اثر پڑتا تھا۔ خدا ترس آدمی سمجھ سکتا ہے کہ موت اور حیات انسان کے اختیار میں نہیں اور ایسی پیش گوئی جس میں ایک شخص کی موت کو اس کی بیٹی کے نکاح کے ساتھ جو غیر سے ہو وابستہ کر دیا گیا اور موت کی حد مقرر کر دی گئی۔ انسان کا کام نہیں ہے۔ چونکہ یہ الہامی پیش گوئی صاف بیان کر رہی تھی کہ مرزا احمد بیگ کی موت اور حیات اس کی لڑکی کے نکاح سے وابستہ ہے۔ اس لئے پانچ برس تک یعنی جب تک اس لڑکی کا کسی دوسری جگہ نکاح نہ کیا گیا۔ مرزا احمد بیگ زندہ رہا اور پھر ۷/اپریل ۱۸۹۲ء احمد بیگ نے اس لڑکی کا ایک جگہ نکاح کر دیا اور بموجب پیشین گوئی کے تین برس کے اندر یعنی نکاح سے چوتھے مہینے میں جو ۳۱/ستمبر ۱۸۹۲ء تھی۔ فوت ہو گیا اور اسی اشتہار میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگرچہ روز نکاح سے موت کی تاریخ تین برس تک بتلائی گئی ہے۔ مگر دوسرے کشف سے معلوم ہوا کہ کچھ بہت عرصہ نہیں گزرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ نکاح اور موت میں صرف چار مہینے بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہا۔ یعنی جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں کہ ۷/اپریل ۱۸۹۲ء میں نکاح ہوا اور ۳۱/ستمبر ۱۸۹۲ء کو مرزا احمد بیگ اس جہان فانی سے رخصت ہو گیا۔ اب ذرا خدا تعالیٰ سے ڈر کر کہیں کہ یہ پیش گوئی پوری ہو گئی یا نہیں اور اگر آپ کے دل کو یہ دھڑکا ہو کہ کیونکر یقین ہو کہ یہ الہامی پیش گوئی ہے کیوں جائز نہیں کہ دوسرے وسائل نجوم ورمل وجفر وغیرہ سے ہے تو اس کا یہ جواب ہے کہ منجمون کی اس طور کی پیش گوئی نہیں ہوا کرتی جس میں اپنے ذاتی فائدہ کے لحاظ سے اس طور کی شرطیں ہوں کہ اگر فلاں شخص ہمیں بیٹی دے تو زندہ رہے گا ورنہ نکاح کے بعد تین برس تک بلکہ بہت جلد مر جائے گا۔ اگر دنیا میں کسی منجم یا رمال کی اس قسم کی پیش گوئی ظہور میں آئی ہے تو وہ اس کے ثبوت کے ساتھ پیش کریں۔ علاوہ اس کے اس پیش گوئی کے ساتھ اشتہار میں ایک دعویٰ پیش کیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں اور مکالمہ الٰہیہ سے مشرف ہوں اور مامور من اللہ ہوں اور میری صداقت کی نشانی یہ پیش گوئی ہے۔ اب آپ اگر کچھ بھی اللہ جل شانہ کا خوف رکھتے ہیں تو سمجھ سکتے ہیں کہ ایسی پیش گوئی جو منجانب اللہ ہونے کے لئے بطور ثبوت کے پیش کی گئی ہے۔ اسی حالت میں سچی ہو سکتی تھی کہ جب

درحقیقت یہ عاجز منجانب اللہ ہو کیونکہ خدا تعالیٰ ایک مفتری کی پیش گوئی کو جو ایک جھوٹے دعویٰ کے لئے بطور شاہد صدق بیان کی گئی، ہرگز سچی نہیں کرسکتا۔ وجہ یہ کہ اس میں خلق اللہ کو دھوکہ لگتا ہے۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ خود مدعی صادق کے لئے یہ علامت قرار دے کر فرماتا ہے: ’’**وان یک صادقا یصبکم بعض الذی بعدکم**‘‘ اور فرماتا ہے: ’’**ولا یظھر علی غیبہ احداً الا من ارتضٰی من رسول**‘‘ رسول کا لفظ عام ہے۔ جس میں رسول اور نبی اور محدث داخل ہیں۔ پس اس پیش گوئی کے الہامی ہونے کے ایک مسلمان کے لئے یہ دلیل کافی ہے جو منجانب اللہ ہونے کے دعویٰ کے ساتھ یہ پیش گوئی بیان کی گئی ہے اور خدا تعالیٰ نے اس کو سچا کر کے دکھلا دیا اور اگر آپ کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ ایک شخص دراصل مفتری ہو اور سراسر دروغ گوئی سے کہے کہ میں خلیفۃ اللہ اور مامور من اللہ اور مجدد وقت اور مسیح موعود ہوں اور میرے صدق کا نشان یہ ہے کہ اگر فلاں شخص مجھے اپنی بیٹی نہیں دے گا اور کسی دوسرے سے نکاح کر دے گا تو نکاح کے بعد تین برس تک بلکہ اس سے بھی بہت قریب فوت ہو جائے گا اور پھر ایسا ہی واقعہ ہو جائے تو برائے خدا اس کی نظیر پیش کرو۔ ورنہ یاد رکھو کہ مرنے کے بعد اس انکار اور تکذیب اور تکفیر سے پوچھے جاؤ گے۔ خدا تعالیٰ صاف فرماتا ہے کہ: ’’**ان اللہ لا یھدی من ھو مسرف کذاب** (مؤمن:۲۸)‘‘

سوچ کر دیکھو کہ اس کے یہی معنی ہیں کہ جو اپنے دعویٰ میں کاذب ہو اس کی پیش گوئی ہرگز پوری نہیں ہوتی۔ شیخ صاحب! اب وقت ہے سمجھ جاؤ اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی شیخی پیش نہیں جائے گی اور اگر کوئی نجومی یا رمال یا جفری اس عاجز کی طرح دعویٰ کر کے کوئی پیش گوئی دکھلا سکتا ہے تو اس کی نظیر پیش کرو اور چند اخباروں میں چھپوا دو اور یاد رکھو کہ ہرگز پیش نہیں کرسکو گے اور ایسا نجومی ہلاک ہوگا۔ خدا تعالیٰ تو اپنے نبی کو فرماتا ہے کہ اگر وہ ایک قول بھی اپنی طرف سے بناتا تو اس کی رگ جان قطع کی جاتی۔ پھر یہ کیونکر ہو کہ بجائے رگ جان قطع کرنے کے اللہ جل شانہ اس عاجز کو جو آپ کی نظر میں کافر، مفتری، دجال، کذاب ہے دشمنوں کے مقابل پر یہ عزت دے کہ تا دعویٰ میں پیش گوئی پوری کرے۔ کبھی دنیا میں یہ ہوا ہے کہ کاذب کی خدا تعالیٰ نے ایسی مدد کی ہو کہ وہ گیارہ برس سے خدا تعالیٰ پر یہ افتراء کر رہا ہو کہ اس کی وحی ولایت اور وحی محدثیت میرے پر نازل ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ

اس کی رگ جان نہ کاٹے بلکہ اس کی پیش گوئیوں کو پورا کر کے آپ جیسے دشمنوں کو منفعل اور نادم اور لاجواب کرے اور آپ کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہو کہ آپ کی تکفیر سے پہلے تو کل ۷۵ آدمی سالانہ جلسہ میں شریک ہوں اور بعد آپ کی تکفیر اور جان کاہی اور لوگوں کے روکنے کے تین سوستائیس احباب اور مخلص جلسہ اشاعت حق میں دوڑے آویں۔ اب اس سے زیادہ کیا لکھوں۔ میں اس خط کو ان شاء اللہ چھاپ کر شائع کردوں گا اور مجھے اس بات کی ضرورت نہیں کہ اس الہامی پیش گوئی کی آزمائش کے لئے بٹالہ میں کوئی مجلس مقرر کروں۔ مناسب ہے کہ آپ بھی اپنی اشاعۃ السنۃ میں میرے اس خط کو شائع کردیں اور یہ بات بھی ساتھ لکھ دیں کہ اب آپ کو قبول کرنے میں کیا عذر ہے۔ خود منصف لوگ دیکھ لیں گے کہ وہ عذرت صحیح یا غلط ہے۔

الراقم: غلام احمد

مکرر یہ کہ اللہ جل شانہ خوب جانتا ہے کہ میں اپنے دعویٰ میں صادق ہوں۔ نہ مفتری ہوں نہ دجال نہ کذاب۔ اس زمانہ میں کذاب اور دجال اور مفتری پہلے اس سے کچھ تھوڑے نہیں تھے۔ تا خداتعالیٰ صدی کے سرے پر بھی بجائے ایک مجدد کے جو اس کی طرف سے مبعوث ہو ایک دجال کو قائم کر کے اور بھی فتنہ اور فساد ڈال دیتا۔ مگر جو لوگ سچائی کو نہ سمجھیں اور حقیقت کو دریافت نہ کریں اور تکفیر کی طرف دوڑیں میں ان کا کیا علاج کروں۔ میں اس بیمار دار کی طرح جو اپنے عزیز بیمار کے غم میں مبتلا ہوتا ہے اس ناشناس قوم کے لئے سخت اندوہ گین ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اے قادر ذوالجلال خدا! اے ہادی ورہنماء!! ان لوگوں کی آنکھیں کھول اور آپ ان کو بصیرت بخش اور آپ ان کے دلوں کو سچائی اور راستی کا الہام بخش اور یقین رکھتا ہوں کہ میری دعائیں خطاء نہیں جائیں گی۔ کیونکہ میں اسی کی طرف سے ہوں اور اسی طرف بلاتا ہوں۔ یہ سچ ہے کہ اگر میں اس کی طرف سے نہیں ہوں اور ایک مفتری ہوں تو وہ برے عذاب سے مجھ کو ہلاک کرے گا۔ کیونکہ وہ مفتری کو کبھی وہ عزت نہیں دیتا کہ جو صادق کو دی جاتی ہے۔ میں نے جو ایک پیش گوئی جس پر آپ نے میرے صادق اور کاذب ہونے کا حصر کردیا آپ کی خدمت میں پیش کی ہے۔ یہی میرے صدق اور کذب کی شناخت کے لئے ایک کافی شہادت ہے۔ کیونکہ ممکن نہیں کہ خداتعالیٰ کذاب اور مفتری کی مدد کرے۔ لیکن ساتھ اس کے میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اس پیش گوئی کے متعلق دو پیش گوئی اور

بھی ہیں جن کو میں اشتہار ۱۰ رجولائی ۱۸۸۸ء میں شائع کر چکا ہوں۔ جن کا مضمون یہی ہے کہ خدا تعالیٰ اس عورت کو بیوہ کر کے میری طرف رد کرے گا۔ اب انصاف سے دیکھیں کہ نہ کوئی انسان اپنے حیات پر اعتماد کر سکتا ہے اور نہ کسی دوسرے کی نسبت دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ فلاں وقت تک زندہ رہے گا اور یا فلاں وقت تک مرجائے گا۔ مگر میری اس پیش گوئی میں نہ ایک بلکہ چھ دعویٰ ہیں۔

۱...... نکاح کے وقت تک میرا زندہ رہنا۔

۲...... پھر نکاح کے وقت تک اس لڑکی کے باپ کا یقیناً زندہ رہنا۔

۳...... پھر نکاح کے بعد اس لڑکی کے باپ کا جلدی سے مرنا جو تین برس تک نہیں پہنچے گا۔

۴...... پھر اس کے خاوند کا اڑھائی برس کے عرصہ تک مرجانا۔

۵...... پھر اس وقت تک کہ میں اس سے نکاح کروں اس لڑکی کا زندہ رہنا۔

۶...... پھر آخر یہ کہ بیوہ ہونے کی تمام رسموں کو توڑ کر باوجود سخت مخالفت اس کے اقارب کے میرے نکاح میں آجانا۔

اب آپ ایماناً کہیں کہ کیا یہ باتیں انسان کے اختیار میں ہیں اور ذرہ اپنے دل کو تھام کر سوچ لیں کہ کیا ایسی پیش گوئی اس کے سچی ہو جانے کی حالت میں انسان کا فعل ہو سکتا ہے۔ پھر اگر اس پیش گوئی پر جو لڑکی کے باپ کے متعلق ہے جو ۳۰ رستمبر ۱۸۹۲ء کو پوری ہوگئی۔ آپ کا دل نہیں ٹھہرتا تو آپ اشاعۃ السنۃ میں ایک اشتہار حسب اپنے اقرار کے دے دیں کہ اگر یہ دوسری پیش گوئیاں بھی پوری ہوگئیں تو میں اپنے ظنون باطلہ سے توبہ کروں گا اور دعویٰ میں سچا سمجھ لوں گا اور ساتھ اس کے خدا تعالیٰ سے ڈر کر یہ بھی اقرار کر دیں کہ ایک تو ان میں سے پوری ہوگئی اور اس پیش گوئی کے پورا ہو جانے کا آپ کے دل پر زیادہ اثر نہ ہو تو اس قدر تو ضرور چاہئے کہ جب تک اخیر ظاہر نہ ہو کف لسان اختیار کریں۔ جب ایک پیش گوئی پوری ہوگئی تو اس کی کچھ تو ہیبت آپ کے دل پر چاہئے۔ آپ تو میری ہلاکت کے منتظر اور میری رسوائی کے دنوں کے انتظار میں ہیں اور خدا تعالیٰ میرے دعویٰ کی سچائی پر نشان ظاہر کرتا ہے۔ اگر آپ اب بھی نہ مانیں تو میرا آپ پر کیا زور ہے۔ لیکن یاد رکھیں کہ انسان اپنے اوائل ایام انکار میں بباعث کسی اشتباہ کے معذور ٹھہر سکتا ہے۔ نشان دیکھنے پر ہرگز معذور نہیں ٹھہر سکتا۔

کیا یہ پیش گوئی جو پوری ہوگئی۔کوئی ایسا اتفاقی امر ہے جس کی خدا تعالیٰ کو کچھ بھی خبر نہیں۔کیا بغیر اس کے علم اور ارادہ کے ایک دجال کی تائید میں خودبخود یہ پیش گوئی وقوع میں آ گئی۔کیا یہ سچ نہیں کہ مدعی کاذب کی پیش گوئی ہرگز پوری نہیں ہوتی۔یہی قرآن کی تعلیم ہے اور یہ تورات کی اگر آپ میں انصاف کا کچھ حصہ ہے اور تقویٰ کا کچھ ذرہ ہے تو اب زبان کو بند کر لیں۔خدا تعالیٰ کا غضب آپ کے غضب سے بہت بڑا ہے۔’’**ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم وامنتم. والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ وما استکبر وما ابی**‘‘

(الراقم:عاجز غلام احمد)

مرزا کے خط نمبر۲ کا جواب منجانب مولانا محمد حسین بٹالوی

لاہور،۹رجنوری ۱۸۹۳ء

مرزاغلام احمد صاحب کادیانی خدا آپ کو ہدایت کرے اور راہ راست پر لاوے۔**سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ**! آپ کا دوسرا خط بلاتاریخ میں نے ۷رجنوری ۱۸۹۳ء کو بٹالہ میں روانگی لاہور کے وقت وصول پایا۔اس لئے میں اس کا جواب بٹالہ سے نہیں دے سکا۔اب دیتا ہوں۔اس خط کے مطالعہ سے مجھے مسرت حاصل ہوئی اور امید ہوگئی کہ اب آپ کے الہامات کی حقیقت کھلے گی اور آپ کے ملہم ہونے کی کیفیت جو مدت سے عوام پر مخفی ومشتبہ تھی کس وناکس پر جو فہم وتوفیق دیا گیا ہو ظاہر ہو جاوے گی۔

اس خط میں پھر آپ رحم وغمخواری کے مدعی ہوئے اور اس کے مقابلہ میں خاکسار پر افتراء پردازی کا دعویٰ قلم میں لائے ہیں۔آپ واقعی ملہم وغمخوار ہوتے تو میرے خط کے جواب میں صرف اپنی پیش گوئی متعلق موت خسر فرضی کا الہامی ہونا ثابت کرتے۔ان فضول دعاوی، رحم وغمخواری اور بے جا وناحق تہمت افتراء پردازی سے مشغول نہ ہوتے۔یہ چھیڑ چھاڑ بلاسود آپ کے دعویٰ رحم والہام وہمدردی کی تکذیب کرتی ہے۔آپ کے دعویٰ رحم وہمدردی کا مفصل جواب میں اپنے پہلے خط میں دے چکا ہوں۔اب آپ کی طرح اس کا اعادہ نہیں کرتا۔

بہتان افتراء پردازی کا جواب یہ ہے کہ آپ میرے خط کی ایک بات کا خلاف واقعہ اور افتراء ہونا ثابت کریں۔کسی مجلس میں جس میں جانبین کے مساوی اشخاص ہوں اور

تین منصف غیرطرفدار اس کا ثبوت پیش کریں۔ یہ جرأت نہ ہوسکے (اور ہرگز نہ ہوگی۔ یہ پیش گوئی بھی اپنی پیش گوئیوں کے حاشیہ پر لکھ رکھیں) تو بذریعہ تحریر اس کا ثبوت دیں جس کو تین منصف مسلم الفریقین غلبۂ رائے سے مان لیں تو میں صرف اسی ایک امر سے آپ کا حق پر ہونا اور آپ کے مقابلہ میں اپنا غلطی کرنا مان لوں گا اور آئندہ آپ کا مقابلہ چھوڑ دوں گا۔ لو ایک ہی بات میں مدت کا جھگڑا طے ہوتا ہے اور میدان آپ کے ہاتھ آتا ہے۔ یہ نہ ہوسکے تو آئندہ بے جا وناحق تہمتوں اور دروغ گوئی سے اپنے آپ کو روکیں۔ جن سے آپ پر سوٗ ظنی زیادہ بڑھتی ہے اور آپ کے دعویٰ الہام کی تکذیب ہوتی ہے۔

کادیانی صاحب! میں سچ کہتا ہوں اور اس پر خداتعالیٰ کی قسم جس مضمون وعنوان کے ساتھ آپ چاہیں کھانے کو حاضر ومستعد ہوں کہ مجھے جس قدر آپ سے بدگمانی ہوئی ہے اس کا قوی سبب آپ کی دروغ گوئی وافتراء پردازی ودھوکہ دہی، جس سے آپ کی کوئی تحریر خالی نہیں۔ آپ اس بدگمانی کو دور کرانا چاہتے ہیں تو آئندہ اس کذب سے کف لسان اختیار کریں۔ مطلب کی بات کا جواب راستی دیا کریں۔

آپ کی پیش گوئی متعلقہ موت خسر فرضی کے الہامی ہونے کی نسبت جو مجھے عذر ہے اس کا اظہار وبیان بحکم اصول مناظرہ وقانون عدالت ودیانت تب ہی مجھ پر واجب ہوتا جب آپ کی طرف سے اس پیش گوئی کے الہامی ہونے کا بہ پابندی اصول مناظرہ وقانون عدالت ودیانت ثبوت گزرتا۔ مگر ہنوز آپ سے یہ امر وقوع میں نہیں آیا تو پھر اس عذر کے پوچھنے کا آپ کو کیا استحقاق ہے۔

آپ نے اس خط میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں نے نہ اپنے نفسانی طمع اور نکاح کی ذاتی غرض سے بلکہ دین اسلام کی حقانیت اس کے منکروں اور مخالفوں پر (جو میری برادری اور قرابتوں میں سے تھے اور وہ مجھ سے آسمانی نشان طلب کرتے تھے) ظاہر کرنے کی غرض سے یہ پیش گوئی کی تھی کہ اگر مرزا (احمد بیگ) ہوشیارپوری اپنی بیٹی اس عاجز کو نہ دے گا کسی اور سے اس کا نکاح کرے گا تو روز نکاح سے تین برس کے عرصہ میں وہ فوت ہو جائے گا۔ ان تین برس میں گو تاریخ موت نہیں بتائی گئی مگر دوسرے کشف سے معلوم ہوا کہ کچھ بہت عرصہ نہیں گزرے گا اور اڑھائی برس کے عرصہ تک اس کا شوہر فوت ہو جائے گا اور وہ لڑکی بیوہ ہوکر میرے نکاح میں آئے گی اور یہ سب باتیں اشتہار ۱۰ر جولائی ۱۸۸۸ء میں درج ہوکر

مشتہر ہو چکی ہیں اور اس پیش گوئی کے الہامی ہونے کا یہ ثبوت دیا ہے کہ اس پیش گوئی کا ایک جز تو پورا ہو گیا ہے کہ مرزا مذکور نے ۷؍اپریل ۱۸۹۲ء کو اس لڑکی کا نکاح دوسرے شخص سے کر دیا۔ تو ۴ مہینے سے کم عرصہ میں ۳۱؍ستمبر ۱۸۹۲ء کو وہ فوت ہو گیا ہے۔ ایسی ہی باقی دو جزوں (اس کے شوہر کے فوت ہونے اور اس لڑکی کے میرے نکاح میں آنے) کی امید ہے۔ پھر کیا ہے کہ یہ پیش گوئی دوسرے وسائل نجوم، رمل وجفر سے نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ منجموں کی پیش گوئی ایسی نہیں ہوا کرتی جس میں ذاتی فائدہ کے لحاظ سے شرطیں ہوں۔ (جیسا کہ میں نے شرط نکاح لگا دی ہے) اور نہ وہ اس دعویٰ کے ساتھ ہوتی ہیں کہ میں ملہم اور خدا کی طرف سے مامور اور بھیجا گیا ہوں۔ (جیسا کہ میں نے دعویٰ کیا ہے) اس دعویٰ کے ساتھ کوئی منجم یا رمال پیش گوئی کرے تو اس کا سچا ہونا ممکن نہیں ہے۔ جس کی عقلی وجہ یہ ہے کہ اگر منجم جھوٹے مدعی الہام کی پیش گوئی سچی نکلے تو اس میں اور سچے نبی میں فرق نہیں رہتا اور لوگوں کو صدق نبوت میں اشتباہ ہو جاتا ہے۔

اور نقلی دلائل وہ آیت ہے: ’’**وان یک صادقاً یصبکم بعض الذی یعدکم ان اللہ لا یھدی من ھو مسرف کذاب** (مؤمن:۲۸)‘‘ جن میں مؤمن آل فرعون کے اس قول کی حکایت ہے کہ اگر موسیٰ سچا ہے تو تم کو (اے فرعونیو) ضرور وہ عذاب پہنچے گا جس کی وہ پیش گوئی کر چکا ہے۔ خدا تعالیٰ جھوٹے زیادتی کرنے والے کو راہ نہیں دکھاتا۔ یعنی اس کی پیش گوئی کو پورا نہیں کرتا۔

اور وہ آیت: ’’**ولو تقول علینا بعض الا قاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین** (الحاقہ:۴۴-۴۶)‘‘ جس میں آنحضرت ﷺ کی نسبت فرمایا ہے کہ اگر وہ ایک قول بھی از خود بنا کر ہماری طرف منسوب کرتا تو ہم اس کی رگ جان کاٹ دیتے۔

اور وہ آیت: ’’**ولا یظھر علیٰ غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول** (جن:۲۶،۲۷)‘‘ جس میں ارشاد ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے غیب پر بجز رسول کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ رسول کا لفظ عام ہے۔ جس میں رسول اور نبی اور محدث داخل ہیں۔

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ جھوٹے مدعی الہام کی پیش گوئی پوری نہیں ہوتی اور اس کو غیب پر اطلاع نہیں ہوتی اور اس کی رگ جان کاٹی جاتی ہے اور چونکہ میں گیارہ برس سے دعویٰ وحی والہام کرتا ہوں اور اب تک مارا نہیں گیا بلکہ دن بدن میری عزت وقبولیت

لوگوں میں بڑھتی جاتی ہے۔ میرے پچھلے جلسہ سالانہ میں صرف پچھتّر آدمی شامل ہوئے تھے اوراس سال تین سوستائیس مخلص واحباب آئے ہیں اورمیری پیشین گوئیاں سچی نکلتی ہیں۔اس سے ثابت ہوتاہے کہ میں صاحب وحی والہام ہوں اور میری پیش گوئی مذکورالہامی ہے۔ رمل ونجوم جفر سے وہ نہیں ہوئی۔اب آپ اس پیش گوئی کوالہامی مان لیں اوراپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ میں یہ اعتراف چھاپ دیں کہ ایک جز پیش گوئی متعلق موت خسر فرضی کادیانی پوری ہوگئی ہے۔ باقی دوجز (موت شوہر دختر خسر مذکورونکاح ثانی ان دختر بکادیانی) پوری ہوگئیں تو میں توبہ کروں گا۔اس اعتراف کوآپ نے رسالہ میں نہ چھاپا تو پھرآپ کے لئے غضب الٰہی جو آپ کے غضب سے بڑھ کرہے تیار ہے۔ کیونکہ نشان دیکھنے کے بعد انسان معذورنہیں ٹھہر سکتا۔ یہ آپ کے دعویٰ اوراس کے ثبوت کا جس کواپنے پراگندہ طور پرمکرر سہ کرر عبارات میں اداکیا ہے ضبط وشائستگی کے ساتھ خلاصہ ہے۔اس باضبط وشائستہ پیرایہ میں اس کواس لئے ادا کیا گیاہے کہ اس پرضبط اورآسانی سے یکجاء گفتگو ہوسکے۔

میرے نزدیک اور ہرایک منصف حقیقت شناس سخن رس ناظر ومناظر کے نزدیک آپ کا یہ ثبوت غیرمکمل وناکافی ہے اورکراس ایگزامنیشن (امتحان جرح) کامحتاج ہے۔لہٰذا آپ کے دعویٰ اوراس کے ثبوت مذکور پرچند سوالات جرح کئے جاتے ہیں۔ان کا جواب اپنے کافی وشافی اورصافی دیا تو آپ کا ثبوت مکمل سمجھا جائے گا اوراس وقت آپ کواپنے دعویٰ اوراس کے دلائل کی صحت وتسلیم میں عذر پوچھنے کااستحقاق پیدا ہوگا۔

وہ سوالات یہ ہیں:

سوال۱: اس پیشین گوئی سے جوغرض آپ نے بیان کی ہے اس غرض کا اظہار آپ نے کب کیا تھا۔ درخواست نکاح کے وقت یاجب درخواست نامنظور ہوئی تب یہ غرض بنائی گئی۔ اشتہار متضمن پیش گوئی مذکوراوراشتہار متضمن اظہار غرض مذکور ایک تاریخ کے ہیں یا اشتہار پیش گوئی کی تاریخ آگے اوراشتہار متضمن اظہارغرض کی تاریخ پیچھے۔ایسا ہے تو غرض وعلت غائی کاجس کا وجود ذہن میں پہلے ہوتا ہے اظہار پیچھے کیوں ہوا؟

سوال۲: اگرآپ کی کسی تحریر سابق یا لاحق سے یہ ثابت ہوکہ درخواست نکاح کے وقت آپ نے معجزانہ اورمردانہ مقابلہ نہیں کیا بلکہ عاجزانہ وبزدلانہ خوشامد چاپلوسی اور

مال کی طمع دہی سے کام لیا ہے اور ۱۸۹۱ء تک (جس میں دوسرے شخص سے اس لڑکی کے نکاح کی تجویز ہوئی تھی) اس طمع دہی کو نہیں چھوڑا تو پھر آپ اس دعویٰ کو وڈڑا کریں گے یعنی واپس لیں گے یا اس میں کوئی عذر پیش کریں گے۔ پیش کرنا ہو تو اس کو پہلے سے بیان کر دیں۔

سوال ۳: اس اشتہار ۱۰/جولائی ۱۸۸۸ء کو جس میں آپ نے یہ تینوں پیش گوئیاں درج کی ہیں۔ آپ نے پبلک (عام لوگوں) میں شائع کیا تھا؟ اور اس کا کیا ثبوت آپ دے سکتے ہیں یا اس کو چھاپ کر اپنے پاس رکھ چھوڑا اور پرائیویٹ طور پر خاص خاص لوگوں میں شائع کیا تھا؟ جیسا کہ آپ کے بعض اشتہارات کی نسبت یہ امر معلوم ہو چکا ہے۔

سوال ۴: جو پیشین گوئی کسی شخص کی سچی نکلے وہ بذاتہ و بانفرادہ اس شخص کے ملہم ہونے اور پیشین گوئی کے الہام ہونے پر دلیل ہو سکتی ہے یا اس کی صداقت کے علاوہ اس شخص میں اور بھی شرائط ہونی ضرور ہیں۔ جن سے اس کا ملہم اور اس کی پیشین گوئی کا الہام ہونا ثابت ہو؟

سوال ۵: خواص حقیقت شناس لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کو جو انبیاء مانا ہے تو صرف ان کی کسی پیش گوئی کے سچا ہونے سے مانا ہے یا ان کو نبی ماننے میں ان کے اخلاق دائمی اور مدت العمری راست بازی، رحم دلی، بے غرضی، عفت، عدالت وغیرہ اور ان کے اعتقادات و تعلیمات کا بھی لحاظ کیا ہے۔

سوال ۶: نبیوں کی سبھی پیش گوئی کا سچا ہونا ضروری ہے یا نہیں بلکہ بعض کا جھوٹا ہونا بھی ممکن یا واقعہ ہو چکا ہے؟ ظنی اور خیال تعبیر سے سوال نہیں۔ اس واقعہ کی نسبت سوال ہے جس کی نبی نے قطعی طور پر خبر دی ہو۔ جواب میں شق نفی اختیار کریں تو ایسی پیش گوئی غیر صادق کی مثال نبی آخرالزمان کی پیش گوئی سے بحوالہ کتب اسلامی دین، کیونکہ اہل کتاب کی نقل و بیان پر اہل اسلام کو اعتماد نہیں ہے۔

سوال ۷: جس شخص کی کوئی پیش گوئی سچی نکلے اور کوئی جھوٹی وہ سچی پیش گوئی میں ملہم ہو سکتا ہے؟

سوال ۸: ایسا شخص اگر اکثر جھوٹ بھی بولتا ہو لوگوں کے مال ناجائز ذریعہ سے مارتا ہو، ناجائز مال اجرت زنا وغیرہ کام میں لاتا ہو، ظلم، ایذاء رسانی، بے رحمی، بد خلقی،

وبدگوئی پر مصر ہو تو پھر بھی وہ اگر اس کی کوئی پیش گوئی سچی نکل آوے اس سچی پیش گوئی میں ملہم، ولی، محدث، ومجدد اور خدا کا مخاطب ہوسکتا ہے؟

سوال ۹: آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اور اس سے پیشتر ایسے لوگ عرب میں موجود تھے جو کاہن کہلاتے تھے اور غیب دانی کے مدعی تھے اور وہ بعض پیش گوئیوں میں سچے نکلتے تھے یا نہیں؟

جواب بشق نفی ہو تو جن احادیث سے ایسے کاہنوں کا وجود ثابت ہوتا ہے وہ موضوع ہیں یا کچھ اور معنی رکھتے ہیں اور اگر جواب بشق اثبات ہو تو وہ لوگ ان سچی پیش گوئیوں میں ملہم اور خدا کے مخاطب کہلا سکتے ہیں؟

سوال ۱۰: ابن صیاد کاہن نے (جس کو آپ دجال سمجھتے ہیں) آنحضرت ﷺ کے دل میں چھپائی ہوئی بات کس قدر معلوم کرلی تھی یا نہیں؟

جواب بشق اثبات ہو تو اس صورت میں وہ ملہم وصاحب وحی تصور ہوگا یا کچھ اور۔ اور اگر بشق نفی ہو تو ان احادیث کی نسبت جن میں ابن صیاد کا بتایا ہوا لفظ ''دخ'' منقول ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے۔ وہ موضوع ہیں یا اور کچھ معنی رکھتے ہیں؟

سوال ۱۱: اکثر زمانوں اور ملکوں میں نجومی، رمال، جفری، پنڈت، جوتشی واقعات آئندہ موت وحیات بعض اشخاص کی نسبت پیشین گوئیاں کرتے ہیں۔ پنڈت لوگوں کی جنم پتریاں لکھتے ہیں۔ نجومی زائچے لکھتے ہیں۔ جن میں سال بھر کے واقعات درج کرتے ہیں اور وہ اخباروں میں چھپتے ہیں۔ جن میں سے بعض واقعات کے مطابق اور سچے نکلتے ہیں ان میں وہ ملہم اور ان کی سچی پیش گوئیاں الہامی ہوتی ہیں یا کچھ اور؟

سوال ۱۲: اگر وہ اس کے ساتھ جھوٹا دعویٰ الہام کرلیں یا کوئی اور جھوٹ بولیں یا کسی ذاتی فائدہ کو ملحوظ رکھیں اور اس کی نسبت پیش گوئی کرنی چاہئیں تو پھر ان کی اس قسم کی پیش گوئیاں بند ہو جاویں؟ اور پھر وہ کسی پیش گوئی میں سچے نہ نکلیں؟ اور اس کی وجہ کیا ہے۔ کیا وہ اپنے علم نجوم جفر وغیرہ کو بھول جائیں یا اور سبیل سے روکے جاویں۔

سوال ۱۳: طبعی فلاسفر سائنٹفک میں (سائنس جاننے والے) جو پیش گوئیاں کرتے ہیں ان میں سے بعض سچی نکلتی ہیں یا نہیں اور اگر نکلتی ہیں تو کیا وہ لوگ بھی ملہم اور وہ پیش گوئیاں الہامی ہیں۔

سوال۱۴: روحانیات کی تسخیر و حاضرات سے جو پیش گوئیاں لوگ کرتے ہیں، چنانچہ آج کل کلکتہ کی ایک جماعت تعلیم یافتہ نے انرا ایبل بابو کرسٹوداس پال کی روح کو بلا کر یہ پیشین گوئی ہے کہ جیوری سسٹم میں لیفٹیننٹ گورنر کو ناکامی ہوگی اور حضرت مسیح کی روح سے یہ پیشین گوئی کرائی ہے کہ ملکہ معظلہ قیصر ہند کی عمر چار برس اور ہوگی اور پرنس اوف ویلز ان کے جانشین ہوں گے۔ وغیرہ وغیرہ! جو اکثر اخباروں میں شائع اور مشتہر ہوئی ہیں۔ ان میں سے اگر کوئی پیشین گوئی سچی ہوگئی تو کیا وہ جماعت بھی ملہم متصور ہوگی اور یہ پیشین گوئیاں الہامی ہوں گی۔

سوال۱۵: مسمریزم (یا عمل الترب) کے ذریعہ سے جس تہ پائے منیر یا چوکی کو بلایا جاتا ہے جس کا آپ نے بھی اپنے (ازالہ ص۳۰۵، خزائن ج۳ ص۲۵۶) میں اعتراف کیا ہے۔ وہ بھی لوگوں کی حیات و ممات وغیرہ واقعات آئندہ کی نسبت پیشین گوئیاں کرتے ہیں۔ چنانچہ لاہور میں اس کا مدت تک گھر گھر مشغلہ رہا۔ ہر گلی کوچہ میں چرچا ہوا۔ لاہور کے ایک معزز رئیس اور میرے دوست سید رجب علی شاہ صاحب میونسپل کمشنر اور پرویز اختر ایمپریل پریس کے مکان پر اور کئی اور لوگوں کے مکانات پر ایسی مزین تھیں جن سے میرے دوستوں اور احباب نے اپنی آنکھ سے اس کارروائی کو مدت تک دیکھا۔ یہ پیشین گوئیاں اگر سچی نکلیں تو کیا وہ تہ پائے بھی ملہم و محدث و مجدد و صاحب وحی کہلائیں گے اور اس تہ پائے سے مسمیریزم کے ذریعہ سے یہ کام لینے والے ہندو، مسلمان، عیسائی، ملہم و محدث کہلائیں گے؟

سوال۱۶: بعض مسلمان فاسق، فاجر، زناکار، شراب خور اس حالت اور اس وقت میں جب کہ وہ بادہ بسر اور آشنا ببر کا مصداق ہوتے ہیں اور بعض کافر بعض اوقات ایسے خواب دیکھتے ہیں جن میں واقعات آئندہ کے حالات ان پر کھل جاتے ہیں کہ فلاں شخص فوت ہوگا یا فلاں شخص کے گھر میں لڑکا یا لڑکی پیدا ہوگی اور فلاں شخص بیمار ہوگا فلاں چیز ہاتھ آئے گی اور ان پیش گوئیوں میں وہ سچے نکلتے ہیں۔ کیا ان پیش گوئیوں میں وہ لوگ ملہم، محدث وغیرہ کہلا سکتے ہیں؟

سوال۱۷: دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو نہ الہامی کہلاتے ہیں نہ کاہن۔ نہ نجومی نہ جوتشی، نہ

طبعی نہ سائنٹفک میں نہ مسمریزلسٹ نہ خواب میں کی رویت بیان کرتے ہیں بلکہ صرف قرینہ وقیاس تجربہ اور ظن سے ایک شخص کی نسبت پیدائش یا موت یا صحت یا بیماری کی خبر دیتے ہیں اور وہ سچی نکل آتی ہے۔ کیا وہ بھی آپ کے نزدیک الہامی ہیں اور ان کی وہ پیش گوئی الہام ہے۔

سوال ۱۸: بعض ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو قیافہ وتجربہ بھی نہیں رکھتے۔ صرف سادگی سے بے ساختہ ان کے منہ سے ایک آئندہ کی بات نکل جاتی ہے اور وہ اتفاقاً سچی ہو جاتی ہے۔ ان میں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو لوگ عاجز وناچیز سمجھتے ہیں اور درحقیقت وہ راست باز ہوتے ہیں۔ خداتعالیٰ ان کی عاجزی وسچائی کی برکت سے ان کی بات کو پورا اور ان کو سچا کر دیتا ہے۔ جن کے حق میں آچکا ہے۔ ''**لو اقسم علی اللّٰہ لابرہ**'' (یعنی اگر وہ خدا کے بھروسہ قسم کھالیں تو خدا ان کو سچا کر دیتا ہے) کیا وہ لوگ بھی ایسی باتوں میں خدا کے ملہم ومخاطب ہیں؟

سوال ۱۹: بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو صفات مذکورہ بالا سے ایک صفت بھی نہیں رکھتے ہیں بلکہ وہ پرلے درجہ کے جھوٹے بے حیاء اور دلیر ہوتے ہیں۔ نہ ننگ دنیا رکھتے ہیں اور نہ خوف آخرت اور وہ یوں ہی بغیر کسی یقین وظن کی ایک لاف ماردیتے ہیں کہ جا تیرے گھر بیٹا ہوگا یا اگر تو ہم کو کچھ نہ دے گا تو تیرا یہ نقصان ہو جائے گا۔ جیسا کہ بعض ڈڑہ مونڈ بھیک مانگنے والے جوگی فقیر کرتے ہیں اور خدا کے علم وتقدیر میں اس کا وقوع مقدر ہوتا ہے تو اتفاق سے ان کے کہنے کے موافق ہو جاتا ہے۔ ان کو بھی آپ الہامی اور ان کی ایسی پیش گوئی کو الہام کہیں گے؟

سوال ۲۰: سیالکوٹ کے ملک شاہ علم نجوم یا رمل میں کچھ دخل رکھتے تھے اور آپ کو ان سے صحبت وملاقات واستفادہ (شاگردی) کا کوئی تعلق رہا ہے یا نہیں؟

سوال ۲۱: بٹالہ کے مولوی گل علی شاہ اور ان کے بعض متعلقین علم جفر میں دخل رکھتے تھے؟ اور آپ کو ان سے صحبت واستفادہ کا تعلق تھا یا نہیں؟

سوال ۲۲: (فیصلہ آسمانی صفحہ آخری، خزائن ج۴ ص۳۵۰) میں جو آپ نے ہندسہ اور بعض نقوش لکھے ہیں ان سے کیا مراد ہے اور وہ کس علم کی اصطلاح ہے؟

سوال۲۳: آپ کو مسمریزم یا عمل الترب میں دخل ہے یا نہیں؟ اور اگر نہیں ہے تو پھر آپ نے اپنے (ازالہ ص۳۰۹، خزائن ج۳ ص۲۵۸) میں یہ کیوں دعویٰ کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھتا تو خدا تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے امید قوی رکھتا تھا کہ ان اعجوبہ نمائیوں میں حضرت ابن مریم سے کم نہ رہتا۔

سوال۲۴: اس عاجز کے باون سال کی عمر کو پہنچ کر فوت ہونے کی نسبت آپ نے وہ پیش گوئی جو آپ کے مرید اور آپ کے دوست بیان کرتے ہیں کی ہے یا نہیں کی ہے تو کس عنوان و بیان سے؟

سوال۲۵: جو لڑکا بشیر نام آپ کا فوت ہوگیا ہے اس کی نسبت آپ نے کسی تحریر یا اشتہار میں کہا تھا یا نہیں کہ اس میں پسر موعود اشتہار ۲۰؍فروری ۱۸۸۶ء کی علامات پائی جاتی ہیں اور یہ وہی لڑکا معلوم ہوتا ہے۔

سوال۲۶: کسی تحریر میں اس بیان علامات سے آپ نے انکار کیا ہے یا نہیں؟

سوال۲۷: اس لڑکے کی نسبت آپ کے کسی حامی نے یہ بھی مشتہر کیا تھا کہ وہ لڑکا عمر پانے والا ہے یا نہیں؟ کیا تھا تو آپ نے اس پر سکوت کیا یا اس کو رد کیا تھا؟

سوال۲۸: شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیارپور کی رہائی کی نسبت آپ نے قطعی پیش گوئی کی تھی؟ اور وہ کس عنوان سے تھی اور اس کی تشہیر کی تھی؟ اور وہ کس ذریعہ سے ہوئی تھی؟

سوال۲۹: دلیپ سنگھ کی ناکامی سے واپسی اور دیانند سرستی کی موت کی نسبت جو آپ نے پیش گوئی کی تھی وہ کس عنوان سے تھی؟ اور اس کی اشاعت کیونکر ہوئی۔ ان چار آخری سوالات میں جن پیش گوئیوں کا ذکر ہے ان میں کوئی مستقل بحث مقصود نہیں بلکہ اسی پیش گوئی متعلق موت خسر فرضی جناب میں بحث کرنے کے وقت ان سے ضرورت متعلق ہوگی۔

سوال۳۰: جس شخص کو کسی امر کے چند ساعات کے بعد واقع ہو جانے کا علم ویقین ہو وہ اس کے ظاہر وثابت کرنے اور دوسرے کو اس مقابلہ سے عاجز کرنے کے لئے اس امر کے چند دنوں کے بعد واقع ہونے اور اگر چند دنوں کے بعد اس کے وقوع کا علم ہو تو چند مہینوں کے بعد اس کے واقع ہونے اور اگر چند مہینوں کے بعد اس کے

وقوع کا علم ہو تو چند سالوں کے بعد اس کے واقع ہونے کی خبر دے تو اس سے اس کا علم ویقین ثابت ہوتا ہے یا یہ شک یا گمان پیدا ہوتا ہے کہ اس کو اس کا علم نہ تھا بلکہ اس نے صرف ظن سے کام لیا اور احتیاط وپیش بندی کر کے ساعات کی جگہ دنوں کو اور دنوں کی جگہ مہینوں کو اور مہینوں کی جگہ سالوں کو اختیار کیا۔ اس کو یقین ہوتا تو جس کمتر وقت پر اس امر کا وقوع ہوا ہے اسی کو وہ بیان کرتا۔ جواب میں اگر شق اوّل اختیار کی جاوے تو اس کی نظیر میں کوئی الہامی پیش گوئی پیش کی جائے۔ جس میں خدائے تعالیٰ نے ایک واقعہ قریب الوقوع کی بعد مدت کے بعد واقع ہونے کی خبر دے کر اس سے مخالفین اور منکرین پر حجت قائم کی ہو۔ قرآن میں ایسے نظائر تو موجود ومعلوم ہیں کہ بعید الوقوع واقعہ کے وقوع کی ایسے الفاظ سے خبر دی ہو جن سے اس کا قریب الوقوع ہونا خیال میں آسکے اور اس سے مؤمنوں کے دل میں تسکین وامید اور مخالفوں کے دل میں دائمی خوف اور غم پیدا ہو۔ چنانچہ فتح روم کی جو سات یا نو برس کے بعد ہونے والی تھی لفظ بضع سے جس سے ادنیٰ تین برس بھی مفہوم ہوتے ہیں خبر دینا ہے۔ لہٰذا اس قسم کی نظیر پیش نہ کریں۔ بلکہ ایسی نظیر پیش کریں جس میں قریب الوقوع واقعہ کی بعد مدت میں واقع ہونے کی پیش گوئی مقام تعجیز خصم میں کی گئی ہو اور اگر جواب میں شق ثانی اختیار کریں تو یہ بتاویں کہ آپ کی اس پیش گوئی میں آپ کے ملہم نے یہ احتیاط وپیش بندی کیوں کی کہ جو واقعہ چار مہینے سے کم عرصے میں واقع ہونے والا تھا اس کا وقوع تین برس کے عرصہ میں بتایا۔ باوجودیکہ قریب مدت بتانے میں آپ کا غلبہ اور بزعم آپ کے معجزہ ثابت ہوتا تھا۔ اس احتیاط سے آپ کے ملہم پر یہ گمان واعتراض نہیں ہوتا کہ اس کو چار مہینے کے بعد وقوع اس واقعہ کا علم نہ تھا۔ علم ہوتا تو عین مقابلہ اور تحدی اور اعجاز کے مقام میں اسی تقریب مدت کے بعد اس کے وقوع کی خبر دیتا۔ احتیاط وپیش بندی سے کام لے کر مہینوں کی جگہ تین سال نہ بولتا۔

سوال ۳۱: دوسرے کشف میں جو آپ کو بتایا گیا تھا کہ بہت عرصہ نہیں گزرے گا کہ آپ کا خسر فرضی مرجائے گا۔ اس امر کو آپ نے کسی تحریر مطبوع یا قلمی کے ذریعہ سے

مشتہر کیا تھا یا نہیں۔ مشتہر کیا تو اس کا کیا ثبوت آپ دے سکتے ہیں؟ وہ تھوڑا عرصہ جو اس کشف میں بتایا گیا تھا مہینوں کا تھا یا سالوں کا اگر سالوں کا بتایا گیا تھا تو کیا پھر وہ اس اعتراض کا محل نہیں ہوسکتا جو شق ثانی جواب سوال نمبر۳۰ پر وارد ہوا ہے اور اگر وہ مہینوں کا بتایا تھا تو آپ نے اس کو مقام مقابلہ وتعجیز منکرین میں ظاہر کیوں نہ کیا اور اگر کچھ بھی نہیں بتایا تو اس کشف سے کون سا فائدہ جدید حاصل ہوا۔ جو پہلے الہام سے نہ ہوا تھا۔ کوئی فائدہ نہیں ہوا تو پھر کیا یہ کشف لغو نہیں ٹھہرتا۔ کیا اس کشف پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ آپ نے اس میں ان جوگیوں کا اقتداء کیا ہے جو ایک گھر میں لڑکا پیدا ہونے کی خبر دیتے ہیں اور ہمسایہ کو یہ کہہ جاتے ہیں کہ اس گھر میں لڑکی پیدا ہوگی۔ پھر اگر لڑکا پیدا ہوا تو گھر والوں کو بتائی ہوئی خبر کو پیش کر کے اپنا سچ ثابت کیا اور نذرانہ کیا اور اگر لڑکی ہوئی تو کہہ دیا کہ ہم نے ہمسایہ کو کہہ دیا تھا کہ لڑکی ہوگی۔

آپ نے بھی بعینہٖ یہ کام کیا ہے کہ ایک الہام میں تین برس کی میعاد ٹھہرا دی۔ دوسرے کشف میں عنقریب کی خبر دی۔ پھر جلدی کام ہوگیا تو یہ کہہ دیا کہ ہم نے عنقریب وقوع کی خبر دی تھی۔ دیر ہوگئی تو تین برس کی مدت کو پیش کیا۔ جس میں کسی نہ کسی اختیاری تدبیر سے یا اتفاقی تقدیر سے ایک شخص کا کام تمام کرنا ممکن ہے۔

سوال ۳۲: آپ کی متمسکہ آیات سے پہلی آیت میں جو حضرت موسیٰ کی پیشین گوئی کا سچا ہونا بیان ہوا ہے، اس سے یہ کیونکر ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص کی کوئی پیشین گوئی اتفاقاً سچ نکلے وہ ملہم ہوتا ہے۔ کیا بعض اوقات جھوٹے کی بات سچ نہیں نکلتی۔ (چنانچہ سوالات سابق میں پوچھا گیا ہے) پھر یہ آیت اس جھوٹے کو کیونکر ملہم بناتی ہے اور جو اس آیت میں بیان ہے کہ خدا تعالیٰ مسرف کذاب کو راہ نہیں دیتا۔ اس کے یہ معنی کس دلیل سے متعین ہیں کہ خدا تعالیٰ جھوٹے مدعی الہام کی پیشین گوئی کو پورا نہیں کرتا۔ کیونکہ جائز نہیں کہ اس کے یہ معنی ہوں کہ جو شخص اپنی اور باتوں میں جھوٹ بولے۔ گو مدعی الہام نہ ہو۔ اس کو خدا تعالیٰ وحی والہام سے مشرف نہیں کرتا اور اس کی بعض پیشین گوئیاں الہامی نہیں ہوتیں۔ گو بوجوہ مذکور بالا سچی نکلیں۔ یا یہ معنی ہوں کہ خدا تعالیٰ فرعون کو جو مسرف وکذاب ہے راستی اور

نجات کی راہ نہیں دکھائے گا۔ چنانچہ بیضاوی نے اس کے ایک یہ معنی بھی کئے ہیں: ’’**عرض به فرعون بانه مسرف كذاب لا يهديه الله سبيل الصواب وطريق النجات** (بیضاوی ج۲ ص۳۵۶)‘‘

<u>سوال۳۳:</u> دوسری آیت میں جو افتراء پر ہلاک کرنے کا ڈر سنا گیا ہے اس کی کوئی حد مقرر ہے کہ جس دن خدا تعالیٰ پر افتراء ہو اسی دن ہلاکت ہو یا اس ہلاکت کا وقت وسیع ہے۔ قوم نوح نے جو خدا پر شریک کا افتراء کیا تو وہ کتنی مدت کے بعد ہلاک ہوئے۔ فرعون جو خود معبود بن بیٹھا تھا وہ اس افتراء کے بعد کتنے دنوں میں ہلاک ہوا۔ آپ سے پہلے جن لوگوں نے جھوٹا دعویٰ نبوت والہام کیا تھا جیسے مسیلمہ وغیرہ وہ کتنے عرصہ کے بعد ہلاک ہوئے۔ جس دن سے آپ نے نبوت اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے آپ کی صحت اکثر اوقات کیسی رہتی ہے۔ کیا آپ اکثر بیمار نہیں رہتے اور آپ کی ایسی حالت نہیں ہو جاتی۔ جس سے موت نظر آنے لگے۔ کیا ایسے امراض موت کے وہلاکت کے مقدمات نہیں ہیں۔ اگر مفتری کا جلد ہلاک ہونا ضروری ہے اور آپ مفتری نہیں بلکہ سچے ملہم اور ولی ہیں تو جو لوگ آپ کو مفتری وکذاب کہتے ہیں اور آپ کو کافر سمجھتے ہیں اور رات دن آپ پر لعنتوں کا مینہ برسا رہے ہیں جو آپ کے خیال میں یقیناً خدا پر افتراء کرتے ہیں وہ کیوں جلد ہلاک نہیں ہوتے۔ باوجودیکہ حدیث قدسی میں خدا تعالیٰ سے منقول ہے: ’’**من عادی لی ولیا فقد بارز الله المحاربة وفی روایة فقدا ذنته بالحرب**‘‘ یعنی خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص میرے ولی سے دشمنی کرتا ہے وہ خدا سے لڑنے کو میدان میں نکلا ہے۔

ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کو جنگ کی اطلاع دیتا ہے اور دوسرے لوگ کیوں دن بدن برکات وانعامات الٰہیہ کے مورد ہوتے ہیں۔ صحت وعافیت اور قوت میں آپ سے بڑھ کر ہیں۔ اولاد میں بہ نسبت سابق زمانہ عدم مخالفت محل برکت وکثرت ہیں۔ جائز طور پر آمدنی زر میں آپ سے بڑھ کر ہیں۔ ہلاکت کے مقابلے میں دن بدن عزت بڑھنے کا جو آپ نے دعویٰ کیا ہے اس کا آپ نے موازنہ ومقابلہ اپنی روزافزوں ذلت اور اپنے مخالفین ومکفرین کی روزافزوں عزت سے نہیں کیا۔ لہٰذا اس پر یہ سوالات وارد ہوتے

ہیں۔ ہندوستان وپنجاب کے مسلمانوں میں آپ کو حق پر جاننے والوں کی تعداد زیادہ ہے یا آپ کے مخالفین ومکفرین کو حق پر جاننے والوں کی؟ بہ نسبت ۱۸۹۱ء،۱۸۹۲ء میں آپ کے مکفرین کی تعداد زیادہ ہوئی ہے یا تابعین کی جس قدر لوگ آپ کے میلہ حال میں آئے ہیں وہ مخالفین ومکفرین سے تعداد میں بڑھ کر تھے؟

گزشتہ میلہ سالانہ میں جو لوگ آئے تھے ان میں سے بہت سے لوگ اس سال کیوں نہیں آئے۔ نئے لوگ جو آئے ہیں ان کے مخلص واحباب ہونے پر آپ کی کیا دلیل ہے۔ کیا ان میں ایسے لوگ نہ تھے جو صرف تماشا دیکھنے یا نکتہ چینی کرنے کو آئے تھے۔ کیا ان میں بعض لوگ ایسے نہ تھے جو آپ کے اشتہار اور پرائیویٹ خطوں سے دھوکہ کھا کر آئے اور بعض صرف روٹی کھانے کو۔ آپ ان سب کے مخلص واحباب ہونے کے مدعی ہیں تو ان کی فہرست پیش کر کے ان کے مخلص ہونے کا ثبوت دیں اور پھر دیکھیں کہ ان میں سے کس قدر آپ کے مخالف اور غیر معتقد ثابت ہوتے ہیں۔ جن فقیروں پیرزادوں کو آپ اپنے رسائل میں بدعتی لکھ چکے ہیں ان کے سالانہ میلوں اور عرسوں میں ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگ جمع ہوتے ہیں۔ کیا وہ لوگ بھی آپ کے اعتقاد میں خدا کے نزدیک عزت رکھتے ہیں۔ دھونگل اور نگاہے کے میلوں میں لوگوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے یا آپ کے میلہ میں؟

سوال۳۴: تیسری آیت سے جو آپ نے یہ مطلب نکالا ہے کہ نبی رسول اور محدث کے سوا کوئی شخص آئندہ کی بات نہیں بتا سکتا اور جو بتاوے وہ ملہم ہوتا ہے۔ اس پر یہ سوالات ہیں۔ (۱) غیب کس کو کہتے ہیں۔ کیا جو بات عادی اسباب علم حساب نجوم وغیرہ سے معلوم ہو اس کو غیب کہا جاتا ہے؟ (۲) نجومی اپنے علم نجوم سے جو کچھ بتاتے ہیں اس کی نسبت وہ علم ویقین کا دعویٰ کرتے ہیں یا صرف ظن کا؟ (۳) نبی کے سوا جو کسی کو الہام ہوتا ہے اس کی دخل شیطان سے اسی پھرہ وچوکی سے حفاظت ہوتی ہے؟ جس سے نبیوں ورسولوں کی وحی کی حفاظت ہوتی ہے۔ چنانچہ اس آیت کے آخر میں ارشاد ہے: ’’**فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدًا لیعلم ان قد ابلغوا رسالات ربہ** (جن:۲۷،۲۸)‘‘ (۴) مسلمانوں سے آج تک اس بات کا کون قائل ہوا ہے کہ اس آیت کا لفظ رسول محدث کو بھی شامل ہے اور محدث بھی ایک رسول ہوتا ہے۔ (۵) اس صورت میں نبی اور غیر نبی کے

الہام میں کیا فرق ہے؟

سوال ۳۵: ولی وملہم ہونے کے لئے پابند شریعت ہونا ضروری ہے یا تارک احکام شرعیہ کا بھی ولی وملہم ہونا جائز ہے؟

سوال ۳۶: آپ اپنی تمام عمر میں دعویٰ ولایت والہام سے پہلے اور اس کے بعد خصوصاً دعویٰ مسیحائی کے وقت سے پانچ وقت مسجد الجماعت میں نماز پڑھنے کے ملتزم ہیں یا اکثر اوقات مسجد چھوڑ کر مکان پر ہی نماز پڑھ لیا کرتے ہیں؟

سوال ۳۷: ایسا بھی اتفاق ہوا ہے کہ فجر کی نماز آپ نے ٹھیک وقت نہ پڑھی ہو اور اپنے اتباع وملازمین پر یہ کہہ کر خفگی ظاہر کی ہو کہ جو لوگ اہل اللہ کے پاس رہتے ہیں وہ ان کو نماز کے لئے جگا دیا کرتے ہیں؟ تم لوگ کیسے نالائق ہو کہ مجھے صبح کے وقت نہیں جگاتے؟

سوال ۳۸: آپ نے فریضہ حج ادا کیا ہے یا نہیں؟ نہیں کیا تو اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا آپ کے دس ہزار روپیہ جائیداد کی آمدنی سے آپ پر حج فرض نہیں ہوا؟ یا دعاؤں کی پیداواری اور مریدوں کی آمدنی سے ایک وقت میں آپ کے پاس پانچ پانچ سو یا اس سے زیادہ روپیہ نہیں آیا؟ جس سے حج فرض ہو جاتا؟

سوال ۳۹: آپ ہمیشہ سے خصوصاً دو تین سال سے ماہ رمضان کے روزے رکھتے ہیں؟ کسی رمضان میں آپ ایسے بیمار ہوئے ہیں جس میں دو چار میل پیادہ پا سیر نہ کرتے ہوں؟

سوال ۴۰: آپ نے کبھی جھوٹ بولا ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی جھوٹ آپ کے کلام میں ثابت ہو تو پھر آپ کسی پیش گوئی میں اگر وہ سچی نکلے ولی وملہم ہو سکتے ہیں۔

سوال ۴۱: دس ہزار روپیہ کے قریب آمدنی چندہ وغیرہ کے مصارف میں جو آپ نے ساٹھ ہزار مہمانوں اور بارہ ہزار رجسٹری شدہ خطوں کا ذکر رسالہ (فتح ص ۴۷، ۴۸، خزائن ج۳ ص ۲۸، ۲۹) میں کیا ہے۔ اس کا آپ کیا ثبوت پیش کر سکتے ہیں۔ کیا مہمانوں کا کوئی رجسٹر ہے۔ جس میں ان کے نام بقید ولایت وجائے سکونت وغیرہ درج ہوں اور رجسٹریوں کی رسیدات موجود ہیں؟ ماہواری خطوں کی تعداد تین سو سے

سات سو تک اور کل کی تعداد نوے ہزار سے زیادہ جو اپنے رسالہ (فتح ص۴۰،۴۱، خزائن ج۳ ص۲۲،۲۳) میں بتائی ہے۔ اس کا ثبوت آپ کیا دے سکتے ہیں۔ کوئی رجسٹر ہے یا کچھ اور۔

سوال۴۲: آپ نے گورنمنٹ برطانیہ کی نسبت کوئی پیشین گوئی ہشت سالہ میعاد کی ہے یا نہیں۔ اقبال ہو تو فرمایئے کہ اس کا کیا مضمون اور عنوان ہے اور اگر انکار ہو تو اس انکار پر آپ جس عنوان سے کہا جاوے قسم کھائیں گے؟

سوال۴۳: جن شرائط مندرجہ اشتہار ۱۲/جنوری ۱۸۸۹ء (جو تکمیل تبلیغ کے عنوان سے چھپا ہے) پر آپ لوگوں سے بیعت لیتے ہیں۔ ان شرائط کے خود پابند ہیں۔ خصوصاً شرط دوم، سوم، چہارم، ہفتم، نہم کے اور اگر آپ کا عمل ان کے برخلاف ثابت ہو تو پھر آپ کسی پیش گوئی میں (اگر وہ سچی نکلے) ولی وملہم ومحدث ہو سکتے ہیں۔ آپ کے خاص مرید ان شرائط کے پابند ہیں۔ کیا ان میں ایسے لوگ نہیں جو علانیہ ان شرائط کا خلاف کرتے ہوں۔ نماز نہ پڑھتے ہوں داڑھیاں صفاچٹ یا خشخاشی کراتے ہوں۔ شراب پیتے ہوں۔ لوگوں کے مال ناجائز طور پر مارتے ہوں اور ان کو ہاتھ اور زبان سے تکلیف دیتے ہوں اور آپ کو ان کی ان باتوں کا علم ہو۔ <u>کیا آپ کے ایک خاص مرید اور بڑے معاون نے خاص آپ کے مکان پر شراب نہیں پی اور آپ نے اس پر مطلع ہو کر اس عذر سے کہ وہ مہمان ہے۔ اس لئے اس کی دل آزردگی نہیں کی جاسکتی۔ ترک خفگی ونہی عن المنکر نہیں کی</u>۔ کیا ان حالات کے ثابت ہونے پر آپ کسی سچی پیش گوئی میں ولی وملہم ومحدث ہو سکتے ہیں۔

سوال۴۴: سیان آلہ دیا ساکن انبالہ سے آپ نے اپنے سابق ملازم فتح خان کی معرفت دو سو روپیہ یا کم وبیش منگایا اور وہ کیسا روپیہ تھا اور وہ آیا کس کام میں آپ نے صرف کیا۔

سوال۴۵: براہین احمدیہ کا چندہ آپ کے ذاتی مصارف میں کچھ صرف ہوا ہے یا نہیں۔

سوال۴۶: واپسی قیمت براہین احمدیہ کی بابت جو اشتہار آپ نے اپنے رسالہ سرمۂ چشم میں چھاپا تھا۔ وہ ان سب خریداروں اور معاونوں کے پاس جن سے چندہ وصول

کیا تھا روانہ کیا تھا اور اس کا کیا ثبوت آپ دے سکتے ہیں۔

سوال ۴۷: جس شخص نے آپ سے براہین احمدیہ کا چندہ واپس طلب کیا اس کو آپ نے بلاعذر فوراً واپس کیا یا اس میں کچھ حیلہ وحوالہ سے کام لیا۔

سوال ۴۸: آپ کے ذاتی مصارف کا گزارہ اس چندہ سے چلتا ہے جو آپ مریدوں اور خریداران رسائل سے لیتے ہیں یا آپ کی آمدنی زمین سے اور اگر وہ گزارہ آمدنی زمین سے ہے تو اس کی تعداد سالانہ کس قدر ہے۔

سوال ۴۹: پیشین گوئی زیر بحث کے متعلق جو آپ کو بتایا گیا تھا کہ ’’خدا تعالیٰ اس عورت کو بیوہ کر کے تمہاری طرف رد کرے گا۔‘‘ جس کو آپ نے خط میں یقین سے بیان کیا اور اس میں چھ دعاوی کا پایا جانا بتایا۔ اگر یہ الہام الٰہی تھا۔ (جو ۱۸۸۸ء میں ہوا تھا) تو پھر آپ نے اس الہام کے برخلاف اس لڑکی کو باکرہ ہونے کی حالت اپنے نکاح میں لانے اور دوسرے شخص سے اس کا نکاح ہونے کے لئے مئی ۱۸۹۱ء تک کیوں کوشش کی۔

سوال ۵۰: کیا اس کوشش کو آپ نے اس حد تک نہیں پہنچایا کہ درصورت موقوف اور رد نہ کرنے نکاح شخص مذکور کے اپنی دوسری بیوی کو طلاق دے دی اور ایک فرزند کو عاق کر دیا۔ کیا کسی سچے ملہم نے اپنے الہام کو جھوٹا کرنے اور واقع ہونے کے لئے ایسی کوشش کی ہے؟ کی ہو تو اس کی نظیر بتائی جاوے۔ ان جملہ سوالات کے جواب میں آپ اگر اپنی کسی تحریر ایک اشتہار مطبوع یا قلمی کا حوالہ دیں تو مطبوع تحریر کو باصلہ اور قلمی تحریر کی اپنی دستخطی نقل اس جواب کے ساتھ پیش کریں اور کوئی اپنی تحریر مطبوع یا قلمی جس کو آپ دست آویز بنانا چاہتے ہیں۔ باقی نہ چھوڑیں اور یہ تحریر کر دیں کہ میں نے کوئی اپنی دست آویز تحریری باقی نہیں رکھی۔ اگر موقعہ جواب کے بعد کوئی تحریر ہم پیش کریں گے تو وہ لائق توجہ نہ سمجھی جائے گی۔ ان جوابات اور آپ کی دست آویزات کے بعد میں آپ کے ثبوت کو کافی اور صحیح سمجھوں گا تو بسروچشم اس کو قبول کروں گا اور آپ کی پیش گوئی کو الہام اور آپ کو ملہم مان لوں گا۔ ورنہ اس میں جو عذر ہوگا اس کو پیش کروں گا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ!

آپ نے میرے سوالات کا تاریخ وصول سے ایک مہینے تک کچھ جواب نہ دیا یا ان کے جواب کو دوسری طرف بحث لے جا کر ٹلانا چاہا۔ جب کہ آپ کی قدیم عادت ہے اور یہی امر (کچھ جواب نہ دینا یا بحث کو دوسری طرف لے جانا آپ سے وقوع میں آ جائے گا۔ یہ پیش گوئی بھی ہماری آپ اپنی پیش گوئیوں کے حاشیہ میں لکھ رکھیں) تو ناظرین منصفین ومبصرین میرے سوالات ہی سے سمجھ جائیں گے کہ آپ کی یہ پیش گوئی الہامی نہیں۔ ومعہذا خاکسار خود ان سوالات کے صحیح اور واقعی جواب تحریر کر کے ان سے ثابت کرے گا کہ یہ پیش گوئی الہامی نہیں ہے۔

آخر خط میں جو آپ نے لکھا ہے کہ اس پیش گوئی کی ایک جز کی اپنے رسالہ میں تصدیق کرو اور باقی دو جزوں کے پورے ہونے پر آپ کو ملہم ماننے اور توبہ کرنے کا وعدہ چھاپ دو ورنہ غضب الٰہی تیار ہے۔ یہ بڑی شرمناک گیدڑ بھبکی ہے۔ میں آپ کو لکھ چکا ہوں کہ میں ایسی گیدڑ بھبکیوں سے نہیں ڈرتا بلکہ اس ڈرنے کو شرک جانتا ہوں اور آپ کو کذاب اور گمراہ سمجھتا ہوں اور اس اعتقاد کو لوازم اسلام وایمان سے سمجھتا ہوں۔ باایں ہمہ آپ نے پھر ایک گیدڑ بھبکی سنا دی اور کچھ شرم نہ کی۔ شرم اور حیاء کی بات یہ ہے کہ آپ اس پیشین گوئی کا الہامی ہونا ثابت کرتے۔ پھر اس کے مقابلہ میں میرے تسلیم یا رد کے منتظر رہتے اور جب یہ بحث ختم ہوتی تو یہ وہ ڈرسناتے مگر شرم چہ...... ست کہ پیش دروغ گویان بیاید!

اب میں آپ کی اس گیدڑ بھبکی کے مقابلہ میں کہتا ہوں کہ اوّلاً تو مجھے اس خبر کی تصدیق نہیں ہوئی کہ آپ کا خسر فرضی فوت ہو گیا ہے اور اگر بالفرض وہ فوت ہو گیا ہے اور آئندہ اس کی بے چاری لڑکی کا شوہر بھی فوت ہو جائے اپنی موت سے مرے یا آپ اس کو زہر دلوا دیں۔ (خدا اس کو آپ کے شر سے بچاوے اور دیر تک عافیت سے زندہ رکھے) اور پھر وہ بے چاری خود بخود ڈر کر یا آپ کے کسی اور دھوکہ میں آ کر آپ کے نکاح میں آجاوے تو پھر بھی میں آپ کی اس پیش گوئی کو الہامی نہ مانوں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ! بلکہ اس کو الہام ماننے والے کو (اگر وہ آپ کے خلاف عادات واعتقادات وحالات سے جن کی طرف سوالات مذکور میں اشارہ ہوا ہے واقف ہو کر مانے گا۔ کافر ومشرک اور کم سے کم احمق اور دین سے بالکل بے خبر کہوں گا)

آپ کا اس پیش گوئی کو ایک نشان ظاہر کہنا بھی ایک شرمناک دعویٰ ہے۔ جس پیش

گوئی پر اس قدر سوالات جرح کے وارد ہوں وہ ظاہر نشان کہلا سکتی ہے؟ ہرگز نہیں؟

اب میں اس خط کو ایک نصیحت پر ختم کرتا ہوں۔ جس کے بغیر میں رہ نہیں سکتا۔ آپ اس لاف زنی اور گیدڑ بھبکی کو چھوڑ دیں۔ کسی پیش گوئی یا الہام یا نشان کا نام نہ لیں۔ اپنے دین دنیا کی خیر چاہتے ہیں اور نیکی بدی کے قائل ہیں اور مسلمانوں کی نظروں میں عزیز بننے کے طالب ہیں تو بٹالہ میں خاکسار کے پاس آویں اور میرے غریب خانہ پر حسب عادت قدیم چند روز قیام کریں۔ آپ کے مصارف سفر وقیام بٹالہ میرے ذمہ ہیں اور پہلے ان اکاذیب سے جو زمانہ تصنیف براہین احمدیہ سے اب تک آپ سے سرزد ہو چکے ہیں تائب ہوں یا ان کا صدق ہونا ثابت کریں۔ پھر اپنے اعتقادات کفر وضلالت وبدعت کا جو فتویٰ علماء پنجاب ہندوستان میں آپ کی طرف منسوب ہوئی ہے اور آپ کی تصانیف سے ثابت کی گئی ہیں تائب ہوں یا ان کا موافق اسلام وسنت ہونا ثابت کریں۔ اس کے بعد الہام یا کشف یا کرامت کا دعویٰ کریں اور اس کا ثبوت دیں۔ جس شخص کے اخلاق وعادات اور اعتقادات کا یہ حال ہو جو آپ کا ہے اس کا ولی ملہم صاحب کرامت ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ اگرچہ وہ بظاہر ایسا نظر آوے کہ وہ ہوا میں اڑ جاتا ہے۔ آگ کھا جاتا ہے۔ دریا پر سوکھے پاؤں چلتا ہے۔ آپ کو زیادہ خبر نہ ہو تو ایک چھوٹا رسالہ مالا بدمنہ ملاحظہ کریں۔ آئندہ اختیار ہے: ’’وما علینا الا البلاغ المبین‘‘ آپ کا ناصح مشفق: ابوسعید محمد حسین عفی عنہ

نوٹ: یہ جواب ۹؍جنوری ۱۸۹۳ء کو لکھا گیا، پر پہلے جمعہ ۱۳؍جنوری ۱۸۹۳ء کی مجلس وعظ میں جس میں ایک حواری کادیانی میاں کرم الٰہی معلم اطفال لاہور بھی موجود تھا پڑھا گیا۔ اس کے بعد امرتسر میں منشی محمد عمر داروغہ نہر کے مسجد میں ایک جماعت علماء کے سامنے پڑھا گیا اور پسند ہوا۔ پھر یہ سنا گیا کہ کادیانی نے اپنی تحریر کو چھپوا دیا ہے۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوا کہ اس تحریر کو بھی چھاپ کر اس کے پاس بھیجا جائے۔ مگر اس اثناء میں (خاکسار کو ایک حواری کادیانی منشی (یا مولوی) محمد احسن بھوپالی امروہی کے تعاقب کے لئے بٹالہ جانا) اور وہاں اس کی لیت ولعل وگریز از مباحثہ کے سبب دس دن ٹھہرنا پڑا۔ آخر جب اس نے بٹالہ میں گفتگو کرنے سے گریز ظاہر کیا تب لاہور آنا ہوا۔ اس وجہ سے اس کے چھاپنے میں توقف ہوا۔ اب عشرہ اوّل فروری ۱۸۹۳ء میں اس کو چھاپا گیا ہے اور ان ہی دنوں میں کادیانی کے پاس یہ جواب بھیجا جائے گا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ! (اشاعۃ السنۃ ج۱۵ نمبر۱،۲ ص۱ تا ۴۰)

حاشیہ جات

۱؎ کادیانی اوراس کے خواص حواری یورپ اورامریکہ کے اسلام کوکادیانی کے برکات اور کرامات سے سمجھتے ہیں۔ امریکہ کے اسلام کی نسبت توان کا صاف یہ دعویٰ ہے کہ مسٹر الگزینڈر رسل دب صاحب کو جنہوں نے امریکہ میں اسلام کا علم بلند کیا ہے کادیانی سے ہدایت ہوئی ہے۔ صاحب موصوف نے کادیانی سے خط وکتابت کی جوشحنہ حق میں چھپی ہے تو کادیانی نے ان کی تسلی کر دی۔ جس کے سبب وہ مسلمان ہوگئے اور یورپ میں کادیانی کے ذریعے سے اسلام پھیلنے کی بابت اس نے رسالہ فتح اسلام میں ص۱۹ سے۲۱ تک متعدد اشارات کئے ہیں۔ اس کے صفحہ۲۰، خزائن ج۳ ص۱۲،۱۳ حاشیہ میں ہے۔ ’’ناسمجھ لوگ گمان کرتے ہیں کہ دنیا کے خیالات نے خودبخود راستی کی طرف پلٹا کھایا ہے۔ لیکن درحقیقت یہ کام ان فرشتوں کا ہوتا ہے جوخلیفۃ اللہ کے ساتھ آسمان سے اترتے ہیں…… درحقیقت یہ فرشتے اس خلیفۃ اللہ سے الگ نہیں ہوتے۔ اسی کے چہرہ کا نور ہوتے ہیں…… خواہ وہ جسمانی طور پر نزدیک یا دور ہو…… وہ جوش ایشیائی لوگوں میں پیدا ہوں یا یورپ کے باشندوں میں۔‘‘ درحقیقت یہ دونوں باتیں باطل خیال اور سودائی محال ہیں۔ صاحب موصوف نے کادیانی سے کچھ ہدایت وتسلی نہیں پائی۔ ان کا خط بے شک کادیانی کے پاس آیا۔ مگر جواس کا جواب کادیانی نے دیا وہ تسلی بخش نہ تھا۔ صاحب مذکور دسمبر۱۸۹۲ء میں لاہور میں رونق افروز ہوئے تو کادیانی کے حواری منشی عبدالحق پنشنر اکاؤنٹینٹ منشی امیرالدین وغیرہ ان کے گرد ہوگئے کہ آپ قادیان میں تشریف لے چلیں اور کادیانی سے ملاقات کریں۔ انہوں نے انکار کیا اور صاف کہا کہ مجھے کادیانی سے کوئی تسلی نہیں ہوئی اور قادیان کی طرف منہ کر کے تھوکا بھی نہ اور فتح اسلام میں جوکچھ کادیانی نے کہا ہے وہ محض ڈھکوسلہ ہے اور حمقاء کے پھنسانے کے لئے دھوکہ۔ کادیانی درحقیقت وجود ملائکہ کا قائل نہیں۔ اس کلام میں وہ ملائکہ کوخلیفۃ اللہ کے انوار بتا چکا ہے اور آسمان سے ان کے نزول کو محال جانتا ہے۔ چنانچہ اعادہ نمبر اوّل میں بتفصیل ثابت کیا گیا ہے۔ افسوس کادیانی کے اکثر معتقدین بے علم ہونے کی وجہ سے ایسی باتوں کو نہیں سمجھتے اور جو پڑھے لکھے ہیں وہ اس کی کورانہ تقلید کے سبب اس کے کلام کو نہیں دیکھتے۔

۲؎ شہادت کو ہم نے فضول سمجھ کر ڈرا دیا ہے۔ جب اس خط کو ہم نے خود اپنے رسالہ میں چھاپ دیا تو پھر شہادت کی کیا وقعت رہی۔

۳۔ حضرت ابراہیم نے اپنی قوم سے کہا۔ کیا تم مجھ سے خدا کی بابت جھگڑتے ہو۔ بے شک اس نے مجھے ہدایت کی ہے۔ میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم نے خدا کا شریک بنا رکھا ہے۔ لیکن میں خدا سے ڈرتا ہوں۔ وہ مجھے کچھ ضرر پہنچانا چاہے تو پہنچا سکتا ہے۔ وہ اپنے علم سے ہر چیز پر وسعت رکھتا ہے۔ کیا تم نہیں سمجھتے میں ان سے کیوں کر ڈروں۔ جن کو تم نے شریک خدا بنا رکھا ہے جس کی خدا نے کوئی سند نہیں اتاری۔ بتاؤ ہم دونوں فریق میں سے کون اس کا ہے۔ اگر کچھ جانتے ہو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے نہیں ملایا وہی امن میں ہیں اور وہی راہ پانے والے۔

۴۔ جس نے طاغوت (گمراہ سرکش) سے کفر انکار کیا اور خدا پر ایمان قائم رکھا اسی مضبوط رسی کو ہاتھ میں لیا ان کو حکم ہوا ہے کہ وہ طاغوت (گمراہ سرکش) سے کفر کریں۔

۵۔ تم کو ابراہیم اور اس کے ساتھ والوں کی پیروی اچھی ہے۔ جب کہ انہوں نے اپنی قوم کو کہا کہ ہم تم سے بیزار ہیں اور تمہارے معبودوں سے جو خدا کے سوا ہیں ہم تمہارے کافر یعنی منکر ہیں۔

۶۔ اصل خط میں نام بتائے گئے ہیں۔ اس نقل میں اس لئے کاٹے گئے ہیں کہ وہ لوگ منکر ہو گئے ہیں اور ہم کو اس وقت بجز کادیانی کسی سے بحث منظور نہیں۔

۷۔ معلم الملکوت شیطان کو کہتے ہیں۔

۸۔ خدا میری قوم کو بخش دے وہ نہیں جانتے۔

۹۔ یہ محض کذب ''دروغ گویم بروئے تو'' کا مصداق ہے۔ میں نے اس پیشین گوئی کے سچا ہونے پر آپ کو ملہم ماننے کا اقرار نہیں کیا بلکہ اس پیشین گوئی کے الہام ثابت ہونے پر ملہم ماننے کا اقرار کیا ہے۔ اصل تحریر خاکسار گزر چکی۔

۱۰۔ اگر موسیٰ جھوٹا ہے تو تم کو وہ عذاب پہنچے گا جس کا وہ ڈرسناتا ہے۔

۱۱۔ خدا اپنے غیب پر کیسی کو مطلع نہیں کرتا۔ بجز رسول کے جس کو وہ پسند کرتا ہے۔

۱۲۔ خدا حد سے بڑھنے والے جھوٹے کو راہ نہیں دکھاتا۔

۱۳۔ بے شک خدا رسول کے آگے اور پیچھے پہرہ رکھتا ہے تاکہ وہ جان لے کہ خدا کے فرشتوں نے ٹھیک خدا کے پیام رسولوں کو پہنچا دیئے ہیں۔ ان میں شیطان نے کچھ دخل نہیں دیا۔

تحریکِ ختمِ نبوّت

1934ء تا 2019ء

مکمل سیٹ دس جلدیں

ترتیب و تحقیق

شاہینِ ختمِ نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا مدظلہ

مکمل سیٹ کی رعائتی قیمت صرف -/2500 روپے ہے

عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت حضوری باغ روڈ، ملتان۔ 061-4783486 0303-7396203

نوٹ: ملک بھر میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے تمام دفاتر سے یہ سیٹ مل سکتا ہے

www.amtkn.com, www.laulak.info, www.khatm-e-nubuwwat.info,
www.khatm-e-nubuwwat.com, ameer@khatm-e-nubuwwat.com